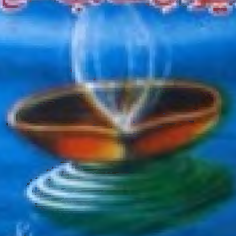




نوائے سروش

مکمل دیوان غالب مع شرح



از
غلام رسول مہر

غلام



آتے ہیں فیجے یہ سما میں خیال میں
غالب سر یہ خامہ نوائے سروش ہے

نوائے سروش

مکمل دیوان غالب مع شرح

سید الشہداء
مکتبہ اسلامیہ
لاہور

آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں
غالب صریحاً نہ نولے سرورش ہے

نولے سرورش

مکمل دیوان غالب مع شرح

از

غلام رسول مہر

شیخ غلام علی اینڈ سَنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز،

لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

جملة حقوق بحق طبع غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ محفوظ

شیخ نبی ز احمد

طابع :

غلام علی پرنٹرز

مطبع :

جامعہ اشرفیہ، اچھرہ، لاہور

مقام اشاعت :

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز،

۱۹۹- سرگرم روڈ، چوک انارکلی، لاہور ۵۴۰۰۰/۲

ISBN - 969 - 31 - 0016 - 6

فہرست

صفحہ	غزلیات	نمبر شمار
۱	مقدمہ: از مولانا غلام رسول مہر	
۱۴	نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا	۱
۲۰	جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار	۲
۲۵	کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا	۳
۲۸	دل میرا سوزنہاں سے بے مہا با بل گیا	۴
۳۱	شوق ہر رنگ رقیب سر و ساماں نکلا	۵
۳۴	دھکی میں مر گیا جو نایاب نہر دھتا	۶
۳۷	مشاد سچ مر غوب بت مشکل پسند آیا	۷
۴۰	وہر میں نقش وفا و جد قسلی نہ ہوا	۸
۴۴	سائنس گر ہے زاید اس قدر جس باطن رضواں کا	۹
۵۱	نہ ہو گا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا	۱۰
۵۲	سرا پا رہن عشق و ناگزیر الغت ہستی	۱۱
۵۳	محرم نہیں ہے تو ہی فواہ سے راز کا	۱۲
۵۶	بزم شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا	۱۳
۶۱	شب کہ برق سوز دل سے زہرہ ابر آب تھا	۱۴
۶۳	نالہ دل میں شب انداز اثر نایاب تھا	۱۵
۶۷	ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب	۱۶

صفحہ	غزلیات	نمبر شمار
۷۹	بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا	۱۷
۷۵	شبِ غمارِ شوق ساقی رستخیز اندازہ تھا	۱۸
۷۸	دوست غم خواری میں میری سی فرما میں گئے کیا	۱۹
۸۲	یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا	۲۰
۸۸	ہوس کو ہے نشاط کا کیا کیا	۲۱
۹۴	درِ غمِ قہر و غضب جب کوئی ہم سانہ ہوا	۲۲
۹۹	اسد! ہم وہ جنوں جولاں گداٹے بے سرو پا ہیں	۲۳
۹۹	پے نذرِ کرم تحفہ ہے شرم نارسائی کا	۲۴
۱۰۳	گر نہ اندوہ شبِ فرقت بیاں ہو جائے گا	۲۵
۱۰۷	دردِ منت کش ودانہ ہوا	۲۶
۱۱۲	لگہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا	۲۷
۱۱۸	قطرہ نے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا	۲۸
۱۱۹	جب بتقریب سفر یار نے محفل باندھا	۲۹
۱۲۱	میں اور یزید سے یوں تشنہ کام آؤں	۳۰
۱۲۴	گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویران ہوتا	۳۱
۱۲۵	نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا	۳۲
۱۲۷	یک ذرہ زمین نہیں بے کار باغ کا	۳۳
۱۳۱	وہ مری چین چین سے غم نہاں سمجھا	۳۴
۱۳۴	پھر مجھے دیدہ تر یا د آیا	۳۵
۱۳۸	ہوئی تاخیر تو کچھ با عیث تاخیر بھی تھا	۳۶
۱۴۱	لب خشک و تشنگی مردگان کا	۳۷
۱۴۴	تو دوست کسی کا بھی سنگ نہ ہوا تھا	۳۸

صفحہ	غزلیات	نمبر شمار
۱۴۹	شب کہ وہ مجلس فروزہ غزلت ناموس تھا	۳۹
۱۵۱	آئینہ دیکھ اپنا سامنے لے کے رہ گئے	۴۰
۱۵۲	عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا	۴۱
۱۵۴	رنگ کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف	۴۲
۱۶۰	ذکر اس پر کی دشن کا اور بھیریاں اپنا	۴۳
۱۶۵	سر نہ مفت نظر ہوں میری قیمت یہ ہے	۴۴
۱۶۶	غافل بہ ہم ناز خود آ رہے، ورنہ یاں	۴۵
۱۶۸	جوڑ سے باز آنے پر باز آئیں کیا	۴۶
۱۷۳	لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی	۴۷
۱۷۴	عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا	۴۸
	ب	
۱۷۹	بھر ہوا وقت کہ ہوبال کٹ موج شراب	۴۹
	ت	
۱۸۴	افسوس کہ دیدل کا کیا رزق خاک نے	۵۰
۱۸۷	رہا کہ کوئی ناقیامت سلامت	۵۱
۱۸۸	مزد گیش کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غائب	۵۲
۱۸۹	آمد خط سے ہوا ہے سر دجو بازار دوست	۵۳
	ج	
۱۹۳	گلشن میں ہندوبست ہرنگ دگر ہے آج	۵۴

صفحہ	غزلیات	نمبر شمار
۱۹۳	لوہم مرخص عشق کے تیمار دار ہیں	۵۵
	ج	
۱۹۴	نفسِ ناخون آرزو سے باہر کھینچ	۵۶
	د	
۱۹۷	حسنِ غمزے کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد	۵۷
	ر	
۲۰۲	ہلا سے میں جو یہ پیشِ نظر و ردِ لیا	۵۸
۲۰۴	گھر جب بنا لیا تیرے در پر کے بغیر	۵۹
۲۱۰	کیوں جل گیا نہ تابِ رُخِ یار دیکھ کر	۶۰
۲۱۴	لرزنے میرا دل، زحمتِ مہر و رخسار پر	۶۱
۲۲۲	ہے بسکہ ہر ایک اُن کے اشارے میں نشان اور	۶۲
۲۲۸	صفائے حیرت آئینہ ہے سامانِ رنگِ آخر	۶۳
۲۲۹	جنوں کی دستگیر کسی سے ہو، اگر ہو نہ عزِ یابی	۶۴
۲۳۴	ستمِ کشِ مصلحت سے ہوں کہ خوباں تجھ پہ عاشق ہیں	۶۵
۲۳۴	لازم تھا کہ دیکھو مراد ستہ کوئی دل اور	۶۶
	ز	
۲۳۹	نارِ رخِ مجھے نہ جان کہ مانندِ صبحِ مہر	۶۷
۲۴۱	حریفِ مطلب مشکل نہیں منوںِ نیاز	۶۸

صفحہ	عزلیات	نمبر شمار
۲۴۴	دستِ سحر کرم دیکھ کہ سرِ تاسیر خاک	۶۹
۲۴۵	کیونکر اس بت سے رکھوں جانِ عزیز	۷۰
۲۴۶	نے گلِ لغتِ ہوں نہ پردہ ساز	۷۱
	س	
۲۴۹	شرودے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے	۷۲
	ش	
۲۵۳	نہ لیوے گر خوںِ بدہر طراوتِ سبزہ خط سے	۷۳
	ع	
۲۵۴	جادو رہ خود کو وقتِ شام ہے تارِ شمع	۷۴
۲۵۵	رُخ نگار سے ہے سوزِ جادو دانیِ شمع	۷۵
	ف	
۲۵۷	بیمِ رقیب سے نہیں کرتے دوا با ہوش	۷۶
	ک	
۲۵۸	زخمِ بے چیرگیں کماں، لطفِ بے پردا نمک	۷۷
۲۶۲	آہ کو چاہیے ایک علمِ اثر ہونے تک	۷۸
	گ	

صفحہ	نغزلیات	نمبر شمار
۲۴۲	گر تجھ کو ہے یقین اجابت، دعا نہ مانگ	۷۹
	ل	
۲۴۱	ہے کس قدر چاک فریب دغا نے گل	۸۰
	م	
۲۴۲	ظلم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس	۸۱
۲۴۴	برتا لہ حاصل دل بستگی فراہم کر	۸۲
۲۴۴	تجھ کو دیار غیر میں مارا وطن سے دور	۸۳
	ن	
۲۴۸	لوں دام بختِ خفہ سے، ایک خواب خوش، دے	۸۳
۲۴۹	وہ فراق اور وہ وصال کہاں ؟	۸۵
۲۵۱	کی دغا ہم سے، تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں	۸۶
۲۵۴	آبرو کیا خاک اس گل کہ گلشن میں نہیں	۸۷
۲۹۲	مجد سے مجھ سے بڑا ناز کے، باہر نہ آسکا	۸۸
۲۹۳	مہربان جو کے بلا لے مجھے، چاہو جس وقت	۸۹
۲۹۵	ہم سے کھل جاؤ بوقت سے پرستی، ایک دل	۹۰
۲۹۷	ہم پر جفا سے، ترک دغا کا گناہ نہیں	۹۱
۳۰۰	ماخِ دشتِ نور دی کوئی تہیر نہیں	۹۲
۳۰۱	منت مہربان دیدہ میں سبھو یہ نگاہیں	۹۳
۳۰۲	برنگال اگر یہ عاشق ہے، دیکھا چاہیے	۹۴

صفحہ	عزایات	نمبر شمار
۳۰۸	عشق تاثیر سے نوید نہیں	۹۵
۳۱۲	جہاں نرا نقش قدم دیکھتے ہیں	۹۶
۳۱۵	مٹی ہے خوشے باد سے نارا اتہاب میں	۹۷
۳۲۳	کل کے لئے کراچ نہ خست شراب میں	۹۸
۳۳۲	حیران ہوں دل کو روڈوں کہ چوڑی جگر کو میں	۹۹
۳۳۷	ذکر میرا یہ بدن بھی دے منظور نہیں	۱۰۰
۳۴۲	نالہ بجز حسن طلب و اسے ستم اسباب و انہیں	۱۰۱
۳۴۶	دونوں جہاں دوسے کے وہ سجھئے یہ خوش رہا	۱۰۲
۳۵۱	ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کا رگر	۱۰۳
۳۵۶	قیامت سے کہ سن ملے کا درشت قیس میں آنا	۱۰۴
۳۵۳	دل لگا کر آگیا ان کو بھی تنہا بیٹھا	۱۰۵
۳۵۴	یہ جسم بوجھ میں دلوں کو دیکھتے ہیں	۱۰۶
۳۵۶	نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اتفاق نہیں	۱۰۷
۳۶۰	تیرے توں کو صبا باندستے ہیں	۱۰۸
۳۶۳	زمانہ سخت کم آزار ہے یہ جان احمد	۱۰۹
۳۶۳	دائیم پڑا ہوا تیرے در پہ نہیں ہوں میں	۱۱۰
۳۶۷	سب کہناں کچھ لالہ دل میں نمایاں ہو گئیں	۱۱۱
۳۷۰	دلہانگی سے دوسں پہ نہ نار بھی نہیں	۱۱۲
۳۷۵	نہیں ہے زخم کوئی سبھنے کے در غور مرے تن میں	۱۱۳
۳۷۹	مڑے جہاں کے اپنی نظر میں خاک نہیں	۱۱۴
۳۸۴	دل ہی تو ہے زندگیاں و خست و درد سے بھرنا آئے کیوں	۱۱۵
۳۹۸	غنیچہ ناشگفتہ کو، درد سے مست دکھا کر یوں	۱۱۶

صفحہ	عزلیات	نمبر شمار
	د	
۱۰۱	خند سے دل اگر افسردہ ہے، گرم تماشا ہو	۱۱۷
۱۰۲	کہے ہیں چار با، تو نہ دو طعنہ کیا کہیں	۱۱۸
۱۰۳	دار سنا اس سے ہیں کہ عبت ہی کیوں نہ ہو	۱۱۹
۱۰۴	قفص میں ہوں، اگر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو	۱۲۰
۱۰۵	دھوتا ہوں جب میں پیئے کو اس سیم ٹک کے پانز	۱۲۱
۱۰۶	داں اس کو ہول دل ہے، تو یاں میں ہوں نہ مسار	۱۲۲
۱۰۷	داں پہنچ کر جو غنم آتا ہے ہم سے ہم کو	۱۲۳
۱۰۸	تم جانو، تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو	۱۲۴
۱۰۹	گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو	۱۲۵
۱۱۰	کسی کو دے کے دل کوئی تو اسخ فقاں کیوں ہو	۱۲۶
۱۱۱	وفا کسی؟ کہاں کا عشق؟ جب سر نہ چوڑنا تھکرا	۱۲۷
۱۱۲	رہیے اب ایسی جگہ چل کر، جہاں کوئی نہ ہو	۱۲۸
	د	
۱۱۳	از ہم تا بہ قرقہ دل و دل سے آئینہ	۱۲۹
۱۱۴	سے سیر و زاد ہر درد و دیوار غم گدہ	۱۳۰
	کی	
۱۱۵	صد جلوہ رد و راستے، جو شریکاں اٹھائیے	۱۳۱
۱۱۶	مسکیر کے زیر سایہ خرابات چھائیے	۱۳۲
۱۱۷	ہنسنا و غرہ میں تھا ایک دل یک قطرہ حول وہ بھی	۱۳۳

صفحہ	غزلیات	نمبر شمار
۴۵۷	ہے ہر دم تہاں میں سخن آرزوہ لبوں سے	۱۳۴
۴۵۸	تاہم کوشکارت کی بھی باقی نہ رہے جا	۱۳۵
۴۵۹	گھر میں تھا کیا کہ ترا ہم اسے غارت کرتا	۱۳۶
۴۶۰	غیم دیا ہے، مگر پانی بھی قرصت سہرا اٹھانے کی	۱۳۷
۴۶۱	حاصل سے ہاتھ دھو جیسے اسے آرزو فرامی	۱۳۸
۴۶۲	کیا تنگ ہم ستم زدگان کا حال ہے	۱۳۹
۴۶۳	درد سے میرے ہے گھج کو بے فراوی ہائے ہائے	۱۴۰
۴۶۴	سرکشگی میں عالم ہستی سے پاس ہے	۱۴۱
۴۶۵	گر خاموشی سے فائدہ اخفا سے حال ہے	۱۴۲
۴۶۶	تم اپنے شکوہ کی باتیں نہ کھو دکھو ذکر پوچھو	۱۴۳
۴۶۷	ایک جا حرکت و خاک لکھا تھا وہ بھی مٹ گیا	۱۴۴
۴۶۸	پیش میں گذرتے ہیں جو کو چہ سے وہ میرے	۱۴۵
۴۶۹	مرد ہستی قصائے حیرت آباد تمنا ہے	۱۴۶
۴۷۰	رجم کر ظالم، مگر کیا بود چراغ کشتہ ہے	۱۴۷
۴۷۱	چشم خواباں خاموشی میں بھی نواہر داز ہے	۱۴۸
۴۷۲	عشق آٹھ کو نہیں وحشت ہی سہی	۱۴۹
۴۷۳	ہے آرمیدگی میں شکوہش سب جا بھے	۱۵۰
۴۷۴	زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غائب	۱۵۱
۴۷۵	اٹھس برسم میں بھے جنیں جنتی حیا کئے	۱۵۲
۵۰۳	دندانہ عمر قطع رج اضطراب ہے	۱۵۳
۵۰۴	دیکھنا منت کہ آپ اپنے پر دھک آجائے ہے	۱۵۴
۵۱۱	گرم فریادوں کا شکل سنائی نے بھے	۱۵۵

صفحہ	مغزِ عیادت	نمبر شمار
۵۱۳	کارگاہ ہستی میں لالہ داغ سماں ہے	۱۵۶
۵۱۵	آگ رٹ سے درو دیوار سے سبزہ غالب	۱۵۷
۵۱۶	سادگی پرانی کی مر جانے کی حسرت دل میں ہے	۱۵۸
۵۱۹	دل سے ترمی نگاہ جگر تک اتر گئی	۱۵۹
۵۲۲	تسکین کو ہم نہ دہیں جو ذوقِ نظر طے	۱۶۰
۵۲۷	کوئی دن گزند گافا اور ہے	۱۶۱
۵۳۰	کوئی امید پر نہیں آتی	۱۶۲
۵۳۳	دلِ نادان تجھے بھگیا ہے	۱۶۳
۵۳۷	کہتے تو جو تم سب کو بتِ نالیہ مو آئے	۱۶۴
۵۳۳	بھر کچھ اک دل کو بغیر آدمی سے	۱۶۵
۵۳۶	جنوں اہمیت کس تسکین نہ ہو اگر شادمانی کی	۱۶۶
۵۳۸	نکوشی ہے سزا قریاؤں کے بیدار دلبر کی	۱۶۷
۵۵۰	بے اعتمادیوں سے سبک سبب میں ہم ہوئے	۱۶۸
۵۵۵	چرند نقد داغ دل کی کرے مشعلِ پاسپاتی	۱۶۹
۵۵۶	ظلمتِ کدرے میں میرے شبِ غم کا جو ثبات	۱۷۰
۵۶۲	آگ مری جہاں کو قرار نہیں ہے	۱۷۱
۵۶۵	بجو غم سے یاں تک نہ نگوئی بھر کو حاصل ہے	۱۷۲
۵۶۶	پاؤں دامن ہو رہا ہوں، میں کہ میں صحرانورد	۱۷۳
۵۶۷	جس بزم میں تو ناز سے گفتگو میں آوے	۱۷۴
۵۷۲	حسنِ مدگر چہ بہ ہنگام کمال اچھا ہے	۱۷۵
۵۷۹	نہ ہوئی گور مرے سرے سے تسلی نہ ہوئی	۱۷۶
۵۸۳	عجیب فضا سے جلاؤں کے چلے میں ہم آگے	۱۷۷

صفحہ	عزایات	صفحہ شمار
۵۸۷	شکوے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے	۱۷۸
۵۹۰	ہر ایک بات پہ کہتے ہو نظم کہ تو کیا ہے	۱۷۹
۵۹۳	میں انہیں چھڑوں اور کچھ نہ کہیں	۱۸۰
۵۹۷	غیر میں محفل میں ہر سے ہمام کے	۱۸۱
۵۹۹	بچہ اس انداز سے بہا ر آئی	۱۸۲
۶۰۰	تغافل و دست ہوں میرا دماغ ٹھیز عالی ہے	۱۸۳
۶۰۲	کب وہ منتا ہے کہانی میری ؟	۱۸۴
۶۰۶	گمشدگی کو تیری صحبت از میں کہ پسند آئی	۱۸۵
۶۰۷	نقش از بت طائر بہ آغوش رقیب	۱۸۶
۶۰۸	جس نظم کی ہو سکتی جو تہ ہیر و فوک	۱۸۷
۶۱۱	سیلاب پشت گرنی آئینہ دے ہے ہم	۱۸۸
۶۱۲	بے وصل رچرچ عالم تمکین و ضبط میں	۱۸۹
۶۱۲	چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے	۱۹۰
۶۱۵	ہر قدم دوری منزل سے نمایاں، الجھ سے	۱۹۱
۶۲۰	نکتہ چیں سے غم دل اس کو تاسے نہ بیٹے	۱۹۲
۶۲۵	چاک کی خواہش اگر وحشت بہ عربائی کرے	۱۹۳
۶۲۷	وہ تم کے خواب میں تمکین اضطراب تو سے	۱۹۴
۶۳۰	تمش سے میری، وقف کشمکش ہر نالہ بستر ہے	۱۹۵
۶۳۳	خطر ہے رشتہ الفت رگ گردن نہ ہو جائے	۱۹۶
۶۳۴	فریاد کی کوئی سہ نہیں ہے	۱۹۷
۶۳۷	نہ بچہ نسخہ مرہم جراحت دل کا	۱۹۸
۶۳۷	ہم دھک کا اپنے بھی گوارا انہیں کرتے	۱۹۹

صفحہ	غزلیات	فہرستہ
۳۳۹	کرے ہے بادہ تو ہے لب سے کسب رنگ فروغ	۲۰۰
۳۳۹	کیوں نہ ہو چشم بچوں کو تعاف کیوں نہ ہو	۲۰۱
۳۴۰	دیا ہے دل اگر اسی کو، بشر ہے کیا کہنے	۲۰۲
۳۴۲	دیکھ کر درپردہ گرم دامن افشانی مجھے	۲۰۳
۳۴۲	یاد ہے شادی میں بھی ہنگامہ یارب مجھے	۲۰۴
۳۵۰	حضور شاہ میں اہل سخن کی آزمائش ہے	۲۰۵
۳۵۵	کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گرا جانے سے محبت	۲۰۶
۳۵۹	زبک مشق قاتل جنوں علامت ہے	۲۰۷
۳۶۱	ظفر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جاوے مجھے	۲۰۸
۳۶۲	باز بچھو اطفال ہے دنیام سے آگے	۲۰۹
۳۶۵	کہوں جو حال تو کہتے ہیں اندھا کہنے	۲۱۰
۳۶۸	روشنی سے اور عشق میں بے پاک ہو گئے	۲۱۱
۳۷۰	نشہ پاشا و لب رنگ و ساز، مست غرب	۲۱۲
۳۷۹	مرض ناز شوخی ونداں برائے خندہ ہے	۲۱۳
۳۸۰	حسن بے پردہ اندر مدار متاع جلوہ سے	۲۱۴
۳۸۱	حب لبک و دان زخم نہ پیدا کرے کوئی	۲۱۵
۳۸۴	ابن مریم ہوا کرے کوئی	۲۱۶
۳۹۰	بہشت سہی غم گیتی، شراب کم کیا ہے	۲۱۷
۳۹۱	بارش، پاکر خفقانی، یہ ڈوانا ہے مجھے	۲۱۸
۳۹۶	روندی ہوئی ہے کو کتبہ شہر یاد کی	۲۱۹
۳۹۹	ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش یہ دم نکلی	۲۲۰
۴۰۹	کوہ کے پوں یاد خاطر گر صدا ہو جاہلے	۲۲۱

صفحہ	غزلیات	نمبر شمار
۷۰۰	مستی بہ ذوقِ نعلیت ساقیِ خاک ہے	۲۲۲
۷۰۰	لبِ صیغی کی جنبش کرتی ہے گوارہِ جنبانی	۲۲۳
۷۰۱	آہِ سیلابِ طوفانِ صدائے آب ہے	۲۲۴
۷۰۲	ہوں میں بھی تماشا خانہِ نیرنگ تھا	۲۲۵
۷۰۲	سہیا کی جیسے گر جاسے دمِ تھری کا غد پر	۲۲۶
۷۰۳	ہجومِ نازِ حیات عاجزِ عرضِ یکِ افذاں ہے	۲۲۷
۷۰۵	نغمہ شہیوں میں تماشا اور انگلی ہے	۲۲۸
۷۰۶	جس جاسیم خانہ کشِ زلفت بار ہے	۲۲۹
۷۱۱	آئینہ کیوں نہ دلی کہ تماشا کہیں ہے	۲۳۰
۷۱۵	شہنم بہ گلِ لالہ نہ خالی زاوا سے	۲۳۱
۷۲۰	منظورِ نعتیہ یہ شکل و شکل کو نور کی	۲۳۲
۷۲۲	عزمِ کھاتے ہیں بودِ اولِ ناکام بہت ہے	۲۳۳
۷۲۶	دلت ہوئی ہے یاد کو مہال کے ہوسے	۲۳۴
۷۳۳	نورِ دامن ہے شبے وادِ دوستِ جاں کے لئے	۲۳۵
قصائد		
۷۴۵	سازِ یک ذرہ نہیں فیضِ جن سے بے کار	۲۳۶
۷۴۷	فیض سے تیرے ہے اسے شمعِ شہستانِ بہار	۲۳۷
۷۵۷	دہرِ جزا ہلوا کیسا فی معشوقِ نہیں	۲۳۸
۷۷۰	ڈال مرثوئیں ہم اس کا نام	۲۳۹
۷۷۱	کچھ کو کیا نام یہ روشناسی کا	۲۴۰

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۷۷۲	زم زم کہ چکا تھا میرا کام	۲۴۱
۷۷۳	رجد کا کر دیکھتے کیا دم بند	۲۴۲
۷۷۴	فنی صورت گری ہیں تیرا گزر	۲۴۳
۷۷۵	صبح دم دروازہ بنا در کھلا	۲۴۴
۷۷۶	تو کین شہ میں وہ خوں سے کہ جب	۲۴۵
۷۷۷	کچھ میں بیٹھا ہوں یوں پر کھلا	۲۴۶
۷۷۸	نچر ہوا رحمت طرازی کا خیال	۲۴۷
	سہرا	
۷۷۹	خوش ہوا سے بخت کہ ہے آج تر سے سر سہرا	۲۴۸
	مثنوی	
۷۸۰	ہاں دل درد مند نرم ساز	۲۴۹
	قطعات	
۸۲۱	اے شہنشاہ فلک منظر دے مثل و نظیر	۲۵۰
۸۲۲	اے شہنشاہ آسمان اور نگ	۲۵۱
۸۲۳	پیر و مرشد! اگرچہ تجھ کو نہیں	۲۵۲
۸۲۴	مری خواہ ہو مقرب ہے	۲۵۳
۸۲۵	آتش خیر سائیں زمانے میں	۲۵۴
۸۲۶	آپ کا بندہ اور چہرہ دن نگا	۲۵۵
۸۲۷	اے شاہ جہانگیر جہاں بخش جہاں دار	۲۵۶
۸۲۸	ہے بہار شہید، آخر ماہ صفر جلو	۲۵۷
۸۲۹	نصرت الہک بہادر! نیچے تیرا کہ مجھے	۲۵۸
۸۳۰	منظر دے گزاردن آسمان و اقصیٰ	۲۵۹

صفحہ	تفصیلات	نمبر شمار
۸۴۰	ہے جو صاحب کے کف دست پر یہ جگہ ڈلی	۲۶۰
۸۴۱	گاہ کہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نہیں	۲۶۱
۸۴۲	نہ پوچھ اس کی حقیقت، حضور و ملائے	۲۶۲
۸۴۳	گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی و خداوری	۲۶۳
۸۴۴	سید حکیم ہوں، لازم ہے میرا نام نہ سے	۲۶۴
۸۴۵	اظہار صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو	۲۶۵
۸۴۶	سہل تھا سہل، دے یہ سخت مشکل، آپڑی	۲۶۶
۸۴۷	گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں	۲۶۷
۸۴۸	خجستہ انجمن ملوئے میرزا جعفر	۲۶۸
۸۴۹	ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی	۲۶۹
رباعیات		
۸۵۰	بعد از اتمام بزم عید اطفال	۲۷۰
۸۵۱	شب زلفت و ریح عرق نساں کا علم تھا	۲۷۱
۸۵۲	آتش بازی ہے جیسے شعل اطفال	۲۷۲
۸۵۳	دل تھا کہ جو جان درو تمہید سہی	۲۷۳
۸۵۴	ہے خلق حمد قماش رطنے کے سے	۲۷۴
۸۵۵	دل سخت نثر نہ ہو گیا ہے، گویا	۲۷۵
۸۵۶	دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے، غائب	۲۷۶
۸۵۷	مشکل ہے زبیں کلام میرا اسے دل !	۲۷۷
۸۵۸	بھگتی ہے جو مجھ کو شاہ جہم مہار نے وال	۲۷۸
۸۵۹	ہیں شریک صفات ذوالجلال با ہم	۲۷۹
۸۶۰	حق و شرک بقا سے خلق کو شاہد کر سے	۲۸۰

صفحہ	رباعیات	نمبر شمار
۸۴۴	اس دشتے میں لاکھ تار ہوں، بلکہ سوا	۲۸۶
۸۴۵	کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں	۲۸۷
۸۴۶	ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے	۲۸۸
۸۴۷	سامان خورو خواب کہاں سے لاؤں	۲۸۹
۸۴۸	ان سیم کے بچوں کو کوئی کیا جانتے	۲۹۰
قصیدہ اول		
۸۴۹	دیکھنے میں ہیں گرچہ دو، پر ہیں یہ دونوں یا ایک	۲۹۱
۸۵۰	مکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں	۲۹۲
۸۵۱	اپنا حوالہ دل زانو کوں یا نہ کہوں	۲۹۳
۸۵۲	سب دھمال ہیں مونس گیا ہے بن ہیکر	۲۹۴
۸۵۳	میں ہوں مشاقہ جفا، تجھ پر جفا اور سہی	۲۹۵
۸۵۴	آپ نے منی انصاف کہا ہے تو سہی	۲۹۶
۸۵۵	لطف نظارۃ قاتل دم بسمل آئے	۲۹۷
۸۵۶	بھوسے سے کاٹش وہ ادھر آئیں نوشام جو	۲۹۸
۸۵۷	بتائیں ہم تمہارے مارض و کاکل کو کیا کیجے	۲۹۹
۸۵۸	نسیم صبح جب کسماں میں بوسے پیر ہواں	۳۰۰
۸۵۹	وفا جفا کی طلب گار ہوئی آئی ہے -	۳۰۱
۸۶۰	یونسی افزائش وحشت کے جو سامان ہوں گے	۳۰۲
۸۶۱	نماشیں پر وہ وار طرز بیدار و تنافل ہے	۳۰۳
۸۶۲	خود جان دے کے روح کو آزاد کیجئے	۳۰۴
۸۶۳	ہم سے خوابان جہاں پہلوئی کرتے رہے	۳۰۵
۸۶۴	درد بردل میں تو دوا کیجئے	۳۰۶

صفحہ	ضمیمہ اول	نمبر شمار
۹۲۲	سکوت و خاموشی انہماک حال سے زبانی ہے	۳۰۲
۹۲۵	کس کی برق شرمی رفتار کا دلدادہ ہے	۳۰۳
۹۲۶	اس جہر و جفا پر بھی، بدعین نہیں ہم نکلے سے	۳۰۴
۹۲۸	ناتے دل کھول کے دو چار کروں پاتہ کروں	۳۰۵
۹۲۸	نہ پوچھ حال اس اندازہ اس کتاب کے ساتھ	۳۰۶
۹۲۹	سکون دل تو قلع ہے اضطراب کے ساتھ	۳۰۷
۹۳۰	وضع نیرنگی آفاق نے عاراجم کو	۳۰۸
۹۳۲	حسن سے پر و اگر تار خود آرائی نہ ہو	۳۰۹
۹۳۵	خزینہ دار محبت ہوئی جو اسے چمن	۳۱۰
۹۳۶	کرسمی کچھ سبب لطف و انصاف نہیں	۳۱۱
۹۳۷	یوں شمع ہم اک سوختہ سامان وفا ہیں	۳۱۲
۹۴۰	آفت آجنگ ہے کچھ نالہ و مہمل دور نہ	۳۱۳
۹۴۲	برتر از ویرانہ سے فصلی خزاں میں عین بارش	۳۱۴
	قصائد	
۹۴۹	کرتاب ہے چراغ روز بہ صد گوشت احترام	۳۱۵
۹۵۶	گئی ہیں سال کے رشتے میں ہمیں بارگاہ	۳۱۶
۹۶۱	مر جا سال مر صنی آئیں	۳۱۷
۹۶۸	خدا ز کشور و لشکر چناہ مشر و مسپاہ	۳۱۸
	قطعات	
۹۷۳	بند میں جل کسک کی ہیں دو سلطنتیں	۳۱۹
۹۷۷	مقام شکر ہے اسے ساکنی خطہ خاک	۳۲۰
۹۸۰	بیکر فعال مایہ میر ہے آج	۳۲۱

صفحہ	موضوعات	نمبر شمار
۹۶۲	خوشی ہے یہ آنے کی برسات کے	۳۲۷
۹۶۳	اس کتاب عرب نصاب نے جب	۳۲۸
۹۶۴	سلیم خان کو وہ ہے نور چشم واصل خاں	۳۲۹
۹۶۵	اٹھا اک دن گولہ سا جو کچھ میں خوش و حشر میں	۳۳۰
۹۶۶	کیا ان دنوں ہر ہر ہمارے مزار میں	۳۳۱
۹۶۷	نہیں شمع بھڑائی میں جو آجاتا ہوں	۳۳۲
۹۶۸	پیری میں بھی کمی نہ ہوئی تاک جھانک کی	۳۳۳
۹۶۹	دیکھ وہ برق بستہ، بسکہ دل میناب ہے	۳۳۴
۹۷۰	اک آج گرم کی تو ہزاروں کے گھر چلے	۳۳۵
۹۷۱	گوڑ گاؤں کی ہے جتنی رعیت وہ یک قلم	۳۳۶
۹۷۲	ہم نہیں تار سے ہیں اور چاند شہاب الدین خان	۳۳۷
۹۷۳	یہ نہ تک دھوم ہے، بس دھوم سے آیا سہرا	۳۳۸
۹۷۴	ایک اہل درویش نے منان جو دیکھا قلعہ	۳۳۹
۹۷۵	جب کہ سید غلام بابا نے	۳۴۰
۹۷۶	ہزار شکر کہ سید غلام بابا نے	۳۴۱
۹۷۷	گھٹتے گھٹتے پاؤں میں نہ بھیر آدمی رہ گئی	۳۴۲
	سلام	
۱۰۰۱	سلام اسے کہ اگر بادشاہیں اس کو	۳۴۳
	مرحوم	
۱۰۰۲	ٹاں! اسے نہیں باد شہر شہر قباں ہو	۳۴۴
	ربا حیات	
۱۰۰۳	اسے کشتی خبرہ سر سخن ساز نہ ہو	۳۴۵

صفحہ	ادب و عیادت	نمبر شمار
۱۰۰۹	دفع کا جواب کیوں نہ بھیجا تم نے	۳۳۱
۱۰۰۹	اسے روشنی دینا، شہاب الدین خاں	۳۳۲
۱۰۰۹	جن لوگوں کو سے تجھ سے بدادوت گہری	۳۳۳
	مستغرق اشعار	
۱۰۱۰	جگر میں ٹوٹ کے سوئی ہوئی سسناں پیدا	۳۳۴
۱۰۱۱	خوش جینے کی کیا دھڑلے کا تم کیا	۳۳۵
۱۰۱۱	ان دلفریبوں سے نہ کیوں اسی پر پیار آئے	۳۳۶
۱۰۱۱	دورنگیاں یہ زمانے کی جیسے جگہ تک ہیں	۳۳۷
۱۰۱۲	سات جلدوں کا چارسل پونچا	۳۳۸
۱۰۱۲	مٹے دو مشدول کو قد و انت حق سے ایک دو طالب	۳۳۹
۱۰۱۳	نہاڑ عشق نرمن سوڈا سا باپ ہو کر بہتر	۳۴۰
۱۰۱۳	خدا سے میں بھی چاہوں اور جو میر	۳۴۱
۱۰۱۳	یا د آیا، بودہ کتنا کہ نہیں واہ! غلط	۳۴۲
۱۰۱۳	شیخ عمر کے ستر پوسے شمار ہری	۳۴۳
۱۰۱۳	پیر و مرشد معارف کیجئے گا۔	۳۴۴
۱۰۱۴	ولی مجددی میں شاہی ہو مبارک	۳۴۵
۱۰۱۵	دوم دوام اپنے پاس کہاں	۳۴۶
۱۰۱۵	سیکشن کو نہ سمجھ بے حاصل	۳۴۷
۱۰۱۵	تم سلاست رہو توئی مست تک	۳۴۸
۱۰۱۶	شاہیں عہدہ میں کچھ کو اسے میری مجال	۳۴۹
۱۰۱۶	امیر و دنیا سے کہ ہر دم طلب آبادہ کرد	۳۵۰
۱۰۱۶	دیکھتا ہوں اسے جتنی نہیں کی تمنا کچھ کو	۳۵۱

صفحہ	متفرق اشعار	نمبر شعر
۹۰۱۴	بستے ہیں دیکھو دیکھو کے سب ہاتھوں مجھے	۳۴۲
۱۰۰۱۴	ماؤں ہوں کہ فلک طہر سکھاتا ہے مجھے	۳۴۳
۱۰۰۱۴	صبا! لگا دو طہر پنچہ طرف سے بلبل کی	۳۴۴
۱۰۰۱۴	دشمنوں تم نے دکھایا ہے کہ جی جاتا ہے	۳۴۵
۱۰۰۱۸	ہم کیا کہیں، کسی سے اپنا طریق کیا ہے	۳۴۶
۱۰۰۱۹	لکھن دہر میں ہے کوئی سر اسے ماتم	۳۴۷
۱۰۰۱۹	پھر مرتبہ بڑھایا مرا نفعی غیر نے	۳۴۸
۱۰۰۱۹	آج مجھ سائنیں بدنام زمانے میں کوئی	۳۴۹
۱۰۰۱۹	زرافشاں مانگ ہے اور سبز اس پر اک دوش لایا ہے	۳۵۰
۱۰۰۱۹	بٹو! تو بہ کرو، تم کیا ہو، جب آباد آتا ہے	۳۵۱
۱۰۰۱۹	بکھا ہے شہر میں، اگر تھوڑی سی جگہ کو چلی	۳۵۲
۱۰۰۱۹	روڈ اس شہر میں اک حکم نیا ہوتا ہے	۳۵۳
۱۰۰۲۰	مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنا لیا ہے	۳۵۴
۱۰۰۲۰	ہو کر شہید عشق میں پاسے ہزار جسم	۳۵۵
۱۰۰۲۰	وہم واپس برسرِ راہ ہے	۳۵۶
	مستوی	
۱۰۰۲۱	ایک دن مثلِ پتنگ کا فکری	۳۵۷
	ضمیمہ دوم	
۱۰۰۲۵	اسد! ہر جانتی نے طیرتِ باغِ تازہ ڈالی ہے	۳۵۸
۱۰۰۲۵	تنگی، رنج، رہ گئی، عدم یا وجود تھا	۳۵۹
۱۰۰۲۶	ہے کمال تھا کا، دوسرا قدم، یارب	۳۶۰
۱۰۰۲۶	جس قدر چکر خوں ہو، کوچہ وادوں دل ہے	۳۶۱

صفحہ	ضمیمہ دوم	نمبر شمار
۱۰۳۸	کچھ کھٹاتا تھا میرے سینے میں، لیکن آخر	۳۷۶
۱۰۳۹	نا توانی سے تماشائی عمر رفتہ	۳۷۷
۱۰۴۰	زبیں آنکش نے فصل رنگ میں رنگ دگر پایا	۳۷۸
۱۰۴۱	ہم نے وحشت کدو بزم جہاں میں، جون شمع	۳۷۹
۱۰۴۲	نہ پائی وسعت جولاں یک مینوں ہم نے	۳۸۰
۱۰۴۳	شرر فرشتہ نگہ و سماں یک عالم چراغاں ہے	۳۸۱
۱۰۴۴	بہ صورت تکلف، بہ معنی تا سفت	۳۸۲
۱۰۴۵	ضعیف جنوں کو وقت تمیش در بھی دور تھا	۳۸۳
۱۰۴۶	بوقت سرگونی ہے تصور اشتہار سستاں	۳۸۴
۱۰۴۷	بہ گام آہٹ سے ہے، دل اور تہ قدم	۳۸۵
۱۰۴۸	خود پرستی سے رہے باہد گرنا آستنا	۳۸۶
۱۰۴۹	دو دو میاں سبستان کی کر سے ہے ہمیری	۳۸۷
۱۰۵۰	ہوں نظریہ زن بہ وادی حسرت شبانہ روز	۳۸۸
۱۰۵۱	بہ ہوس و دو سر اہل سلامت، تا چند	۳۸۹
۱۰۵۲	رکھی طغلت نے دُور افتادہ ذوق فنا در	۳۹۰
۱۰۵۳	پریشانی سے مغر سر ہوا ہے بنبہر بالمش	۳۹۱
۱۰۵۴	یہ دہک شرم ہے، باد صفت شوخی اہتمام اس کا	۳۹۲
۱۰۵۵	عشق میں ہم نے کی ابرام سے پرہیز کیا	۳۹۳
۱۰۵۶	دُور کو آج اس کے عالم میں یہ پوچھی ہوئی	۳۹۴
۱۰۵۷	اسے آبلہ کر مکر دیاں رنج یک قدم کر	۳۹۵
۱۰۵۸	اسے خوشا ذوق تناسل شہادت کہ اسد	۳۹۶
۱۰۵۹	پھر وہ سوسے چھنی آتا ہے خدا خیر کرے	۳۹۷

صفحہ	مضمون	تقریر شمار
۱۰۴۱	اسد! ادب فطرت قدر دانی لفظ و معنی ہیں	۲۹۴
۱۰۴۲	عجب کلا در یافت کرنا ہے ہنری مندی اسد!	۲۹۵
۱۰۴۳	سر منزل سستی سے ہے صحرائے طلب و دور	۲۹۶
۱۰۴۴	بہ صبر نامہ جو پوسہ گل پیام رہا۔	۲۹۷
۱۰۴۵	اسد! مالوس مدت ہو اگرچہ رونے میں اثر کم ہے	۲۹۸
۱۰۴۶	عمر میری ہو گئی صرف پہاڑ حسن یاد	۲۹۹
۱۰۴۷	جاتا ہوں ہر صوبہ کی اسٹے ہے او صراحت گشت	۳۰۰
۱۰۴۸	ہے سوا نیزے پر اسی کے قامت کو خیز سے	۳۰۱
۱۰۴۹	درد عالم کی سستی پہ خط و نا کیجیج	۳۰۲
۱۰۵۰	آہنگ اسد میں نہیں جز نعمت بیدل	۳۰۳
۱۰۵۱	عشق نگہ میری ہنسا سنا دل کی نقاب	۳۰۴
۱۰۵۲	ٹھٹھ آیا زخم تیغ یار سا پہلو نشیں	۳۰۵
۱۰۵۳	بزم و داغ طرب و بارش کشادہ پیر رنگ	۳۰۶
۱۰۵۴	کمال بندگی گل ہے رہیں آنرا دی	۳۰۷
۱۰۵۵	ظلم کرنا گدا سے عاشق پر	۳۰۸
۱۰۵۶	ہر گرد و بار اسلحہ متراک ہے خودی	۳۰۹
۱۰۵۷	فریب صنعت ایجا کا تماشا دیکھ	۳۱۰
۱۰۵۸	صد سچائی کہ ہے صفت جہیں عزت	۳۱۱
۱۰۵۹	کون آیا؟ جو جین ہے تاب استقبال ہے	۳۱۲
۱۰۶۰	مگر میرے ہی بڑے کو اسے آہ شعلہ دیز!	۳۱۳
۱۰۶۱	تا کیا مدت شب فرقت میں گذر جائے گی عمر	۳۱۴
۱۰۶۲	آئے ہیں پارے اسے جگر درمیان انگ	۳۱۵

صفحہ	ضمیمہ دوم	نمبر شمار
۱۰۵۷	اسے آرزو شہید و نثار خون ہسانہ مانگ	۴۱۶
۱۰۵۸	مڑ گال تلک و سانی لعلت جگر کمال	۴۱۷
۱۰۵۸	برد ہے آئینہ طاق بال	۴۱۸
۱۰۵۹	جو جو بلی پیو دنگہ اسد	۴۱۹
۱۰۵۹	ہم عضو علم سے ہے شکنجہ آسائستہ دل	۴۲۰
۱۰۵۹	ہم غلط سمجھے تھے، لیکن زخم دل پر دھم کر	۴۲۱
۱۰۶۰	گر کرے انجام کو آغاز ہی میں یاد انگل	۴۲۲
۱۰۶۰	شوق بے پردہ کے کاتھوں شہل سادہ کا درست	۴۲۳
۱۰۶۱	بہ قدر حوصلہ عشق جلوہ ریزی ہے	۴۲۴
۱۰۶۱	فرط ہے خوابی سے ہیں شہبازے، بجز یاد میں	۴۲۵
۱۰۶۲	نفس جو نہ معزول شعلہ و روغن	۴۲۶
۱۰۶۳	میر اور یہ ادا کہ دل آوے اسیر چاک	۴۲۷
۱۰۶۳	وہ الٹا ہی لذت بیاد ہوں کہ میں	۴۲۸
۱۰۶۴	تلک شعلہ بے مہا با ہے	۴۲۹
۱۰۶۴	آئینہ کھوں کہ آہ! سوار ہوا کھوں	۴۳۰
۱۰۶۵	میر کے شعر کا احوال کہوں کیا غالب	۴۳۱
۱۰۶۵	کسی کو نہ خود راستہ کم دیکھتے ہیں	۴۳۲
۱۰۶۵	ناگوارا ہے ہمیں اصحاب صاحب دوقال	۴۳۳
۱۰۶۵	ہے نزاکت بیکہ فضل گل میں معمار ہمیں	۴۳۴
۱۰۶۶	وقت ہے گر بلی مسکین زینت کرے	۴۳۵
۱۰۶۶	کس دل پر ہے عزم صفت شرکان خود آرا	۴۳۶
۱۰۶۷	کی متصل مستادہ شناسی میں عمر صرف	۴۳۷

صفحہ	ضمیمہ دوم	نمبر شمار
۱۰۶۹	نہ انشا، معنی مصنوعی، نہ اعلا، صورت مزبور	۴۳۶
۱۰۶۹	اے نر اساز تماشا! سرکعت جلتا ہوں میں	۴۳۷
۱۰۷۰	طلسم مستی دل آں سوئے ہجوم سرشک	۴۳۸
۱۰۷۱	ہوئی ہیں آپ شرم کو ششیں بے جا سے تدبیریں	۴۳۹
۱۰۷۲	کس کو دوں یاد ہے! حساب سوز نہ کیا کئے دل	۴۴۰
۱۰۷۲	ہو سکے کب کلفت دل، مانع سیلان اشک	۴۴۱
۱۰۷۳	سے وطن سے باہر اہل دل کی قدر و منزلت	۴۴۲
۱۰۷۳	یہ یاد تمازت اگر ہو بلند آتش غم	۴۴۳
۱۰۷۴	بے درد سر پہ سجدۂ الفت مزو نہ ہو	۴۴۴
۱۰۷۴	بہر حال بہ درون یعقوب بالی خاک سے	۴۴۵
۱۰۷۵	کتنا تھا گل وہ نامہ رسالہ سے یہ سوزِ دل	۴۴۶
۱۰۷۵	خلق ہے صفحہ عبرت سے سبق ناخود	۴۴۷
۱۰۷۶	واسطے فکر مشاہدین معین کے، غائب	۴۴۸
۱۰۷۷	تا شعلہ جہان ششگونی ارزانی آمد	۴۴۹
۱۰۷۷	شکوہ و شکر کو تمہریم و امید کا سمجھ	۴۵۰
۱۰۷۸	گو تم کو رضا ہوئی اختیار ہے، لیکن	۴۵۱
۱۰۷۹	مجھے معلوم ہے جو تو نے میرے حق میں سوچا ہے	۴۵۲
۱۰۷۹	کرتے ہو شکوہ کس کا؟ تم اور بے وفائی	۴۵۳
۱۰۷۹	گر مصیبت تھی تو غربت میں، اٹھائے آمد	۴۵۴
۱۰۷۹	کیا تم ہے اس کو جن کا علی سا امام ہو	۴۵۵
۱۰۸۰	امام ظاہر و باطن، امیہ صورت و معنی	۴۵۶
۱۰۸۰	بے چشم دل نہ کر جو میں سیر لالہ زار	۴۵۷

صفحہ	ضمیمہ دوم	نمبر شمار
۱۰۸۰	تا چند ہیبت فطرتی طبع آرزو	۴۰
۱۰۸۱	ہلایاں تک ہے اشکوں میں خیار کفایت خاطر	۴۱
۱۰۸۱	ہم مشتق فکر و وصل و علم ہجر سے راستہ	۴۲
۱۰۸۲	پیدا کریں وہ مایہ تماشا نے سر و دل	۴۳
۱۰۸۳	وقت دس اقامت کا خوش، جو تاحات سے اسد	۴۴
۱۰۸۴	اسے سر شوریدہ اندوختی عشق و پانی آبرو	۴۵
۱۰۸۴	ترسے تو کر، ترسے وہ پر، اسد کو ذبح کرتے ہیں	۴۶
۱۰۸۵	و کیا ہم گزند میرا عقدہ تا بد نفس	۴۷
۱۰۸۵	تمثال جلوہ عروسی کر اسے حسن ایک تک	۴۸
۱۰۸۶	یاد باریجین تو خراب ہیں بھی مست دکھاؤ	۴۹
۱۰۸۶	دعا و پروردہ، یعنی جو کہوں باطل سمجھ	۵۰
۱۰۸۷	کیا ہے ترک دنیا کا بلی ہے	۵۱
۱۰۸۷	خراہات جنوں میں ہے اسد! وقت مدح نوشی	۵۲
۱۰۸۷	دشک ہے آسائش اور باب غفلت پر اسد!	۵۳
۱۰۸۷	ہم نشینی و قیام گرچہ ہے سامان دشک	۵۴
۱۰۸۸	کیا کروں، علم ٹاسنے پنہاں سے گئے صبر و قرار	۵۵
۱۰۸۸	نے حسرت نکلنے، نے فوقی ہے قرار می	۵۶
۱۰۸۸	آپ ہو چلتے ہیں نگہ ہمت باطل سے مرد	۵۷
۱۰۸۸	اسد نے کثرت دہا سے خلق سے جاننا	۵۸
۱۰۸۸	دعا و یاد کی جو جوتی جلوہ گستری	۵۹
۱۰۸۹	اسد! وارے شاہ باوصف سامان ہے نکلنے ہیں	۶۰
۱۰۸۹	خیر نگہ کو، نگہ چشم کو نہ دہانے	۶۱

صفحہ	ضمیمہ دوم	نمبر شمار
۱۰۹۰	بادشاہی کا چہالہ یہ حال ہو غائب! تو پھر	۴۶
۱۰۹۰	صبح سے معلوم آنا بد ظہور شام ہے	۴۷
۱۰۹۱	توڑ بیٹھے جب کہ ہم پیام و سہوا پھر ہم کو کیا	۴۸
۱۰۹۱	فغان کہ بہر شفا سے حصول ناشدنی	۴۹
۱۰۹۱	اسے اسد! آیا وہ ہے پھر سے جہاں شاعری	۵۰
۱۰۹۲	کچھ نہیں حاصل تعلق میں بغیر از کشمکش	۵۱
۱۰۹۲	اسد با وصفت عشق بے تکلف خاک گردید	۵۲
۱۰۹۲	تا چند ناز مہر و دہشت خانہ یہ کھینچے	۵۳
۱۰۹۳	نہ سیرت چشم ساقی کی نہ محبت و دریاں	۵۴
۱۰۹۵	سنگ آمد و سخت آمد و در و میر خود داری	۵۵
۱۰۹۵	جوش جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد	۵۶



مقدمہ

از

غلام رسول مہر

مقدمہ

اصل و نسب۔ اسدائے بیگ خاں نام، اسد اور غالب فاضل نظام اکبر
 و حبیب مستند و زور و سہرہ جلالہ کی نسب میں صوبہ سورت سے چار گھڑی کے فاصلے پر واقع
 پیدا ہوئے۔ انھوں نے اپنے آپ کو سلطان و افرا سہیانی و پٹیل کہا ہے۔ لیکن ہے اس روایت
 کی تصدیق و توثیق کے لیے مستند تاریخی و سوانحی پیش کردہ ہاں سبکیں، اس لیے کہ تاریخ کے
 نزدیک تو سلطانوں اور افرا سہیاب و پٹیل کا باہمی تعلق میں حق نظر ہے۔ لیکن اس حقیقت
 میں کوئی شبہ نہیں کہ غالب کے دادا، میرزا آقہ خان بیگ خاں نے قندھار سے ہندوستان آئے تھے
 اور دو سلاؤں کے ترک تھے۔ نیز میرزا غالب کی خاندانی روایات یہی ہیں، جو انھوں نے
 وراثتاً نقل و نظر میں جاری رکھا ہے۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ ان روایات کے ایک ایک حرت
 کی تاریخ غالب کی خدمت میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتا اور ہم تو ان سے اس شخصیت میں کہ ان کی روایتیں
 سچے، سچے کہ غالب نے جس دور میں وہ کمال حاصل کیا، اور قریباً پٹیل کی داستانوں میں
 اور سوانحوں کی کتابوں میں سے بالکل الگ ہے۔

چند اچھڑ میرزا قادی بیگ خاں کے ترک وطن کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ کسی بات
 پر پہنچے و اس وجہ سے ناراض ہو گئے تھے۔ نظریہ ظاہر و متعارف آئے ہوں گے کہ چند اچھڑ
 باری و قیامت ساتھ دانستہ ہوں گے۔ اگرچہ غلوں کی عظمت و شوکت کا ورثہ دار و وارث تھا
 اور عظمت شکست کا شکار کی آخری منزل میں پہنچی ہوئی تھی، تاہم یہاں وہ اور میرزاوں
 کی صلب اس زمانہ میں ہی باقی تھی چند اچھڑ میرزا قادی بیگ خاں و مورچے تو میرزاوں کے

تیس سے اوپر نہیں کیجئے ہی ہوگی۔

نصر اللہ بیگ خاں نے مرحوم بیانی کے تین بیٹوں کی پرورش اپنے دستے ہی میں کرنا کی خدمت سے انہیں انگریزوں میں صوبہ دار کی کا منصب حاصل کیا۔ بسبب اگرچہ شہنشاہ نے انگریزوں کے لئے فرمایا تو نصر اللہ بیگ خاں کو چار سو سوار کا رملہ دار بنادیا اور ایک ہزار سات سو روپے ماہانہ مشاہیرہ مقرر کیا۔ پھر نصر اللہ خاں بیگ کے ضلع تھوڑے دو چم گئے۔ سوگنک اور سونہا مرہٹوں سے بازو ہو گئے۔ لہذا وہ ایک نے یہ کہ گئے ہیں، ایسا انہیں کے حوالے کر دینا ان کی آمدنی کا نصف حصہ کو تہائی باقی قسمی۔ اس طرح چند سال یہ اعلیٰ تان کر گئے۔

قیام دہلی اور وفات : یہ حالات تھے، انہی میں غائب نے ہوش کی آنکھ کھولی۔ بہت بڑے رئیس اور جاگیردار تھے، چچا بھی بہت بڑے تھوڑے دار اور رئیس تھے، باپ اور دادا کا پانی بھی بہت بلند تھا اور یہ امر قابلِ نظر تاج تھیں کہ انیسویں صدی کے وسط میں اس قسم کے خوشگوار حالات بہت کم لوگوں کو میسر تھے۔ اب ایک مشائخہ میں نصر اللہ بیگ خاں بھی غالباً میدان جنگ سی ہیں مذکور اہل ہونے۔ ساتھ ہی رملہ لٹ گیا، تنخواہ ختم ہو گئی، جاگیردار پس کے مل گئی اور سونے کے تعلق کے بے پہلے دس ہزار روپے سالانہ ملنے لگا۔ ایک ماہ بعد اس واقعے کو گھٹا کر پانچ ہزار کر دیا گیا۔ پھر اس شخص سے وہ چار ایک اپنے شخص کے لئے تیار ہوئے، جسے نصر اللہ بیگ خاں کے خاندان سے کوئی رشتہ تعلق نہ تھا کہ وہ تھوڑے دنوں میں اس مقام دار بن گیا، گویا مرحوم کے اصل تعلق کے یہی نصرت تھیں چار روپے سالانہ دے گئے۔ ان میں سے ڈیڑھ ہزار یہ حصہ ساہی عہدہ بیگ خاں کے دو بیٹوں کے لئے تھے، ماٹھے سات سو تیرا غالب کے دو اہلے بھی میرزا بہت کے لئے۔

نصر اللہ بیگ خاں کی شادی غائب احمد بخش خاں والی فیروز پور جہڑ کا دو بارہ کی بیٹی سے ہوئی تھی اور بعض ارباب علم و فکر کا خیال ہے کہ دونوں خاندانوں میں پہلے ہی اس قسم کے رشتہ موجود تھے۔ اس بنا پر میرزا خانیہ کی شادی ۱۰۰۰ چھپتھنہ ۱۰۰۰ گشتہ بنت : کو غالب احمد بخش کے چوتھے بیٹے خانیہ غائب احمد بخش خاں عہدہ کی صاحبزادی امیر بیگم سے

ہوئی۔ سورہ مستزید پر اس کی عمر میں غالب آگرو کی سکونت چھوڑ کر معتقل صوبہ دہلی میں مقیم ہو گئے۔ وہیں قریباً ساٹھ سال گزار کر ۲۱ ذی قعدہ ۸۸۵ھ میں ۱۱ فروری ۱۴۸۱ء کو انتقال پائی۔ تینتر سال اور کچھ دن کم چارہ ماہ عمر ہوئی۔ نظام الملک نے دہلی چھوڑنے کے بعد عزم کر کے شہر کے پاس توپ اعلیٰ بخش خان معروف کے محلے میں انھیں دفن کیا گیا۔ اب وہاں سنگ مرمر کا حیات نمونہ صورتِ تعمیر بنا دیا گیا ہے۔

غالب نے اردو و فارسی نظم و نثر میں جو کچھ لکھا، اسے سنگ سنگ کتابوں کی شکل میں لکھا جائے تو تعداد تیس کے قریب پہنچ جاتی ہے۔ فارسی نظم و نثر میں وہ تمام اساتذہ کے پیچھے نظر آتے ہیں۔ حتیٰ پر اس نے بانی کو ہمیشہ ناز دیا ہے۔ لیکن پاک و ہند میں اس کی عظمت کا قیاس جاریہ دور کا فقیر سادہ بان اور اس کے ہندو اور دو مکتب میں۔

تعلیم حکم میرزا غالب نے انگریزوں کے مشہور معلم غلیفہ محمد معظم سے تعلیم پائی، عربی جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔ شری آقا عالم شمس پڑھی۔ فارسی سے غلیفہ سے کو فاضل مناسبت بھی تھی اور اس پر فخر بھی رہی کوئی وقت نہ سی اٹھانہ رکھا۔ مستطابہ دستاویز میں ایک نو مسلم ایرانی قاضی قاضی علیہد طریق مباحث ہندوستان آئے اور وہ پر اس آگرو اور دہلی میں غالب کے پاس مقیم رہے۔ ان کی صحبت سے میرزا نے بہت فائدہ اٹھایا۔ محبوب ہے کہ اس آقا کا دہلی بھی اب سنگ فاضل اور اب محمد و فاضل ہیں۔ موصوفہ بحث بنا جو اسے اور اس بارے میں شک و شبہ کی ابتدا و غالباً خواجہ صالح مرحوم کے اس بیان سے ہوئی۔

”کچھ بھی مرزا کی ذہانت سے یہ بھی متا گیا ہے کہ پھر کو میرزا غلیفہ کے

سوا کسی سے تلمذ نہیں ہے اور میرزا فقیر فاضل ایک فرضی نام ہے جو کچھ کو رنگ ہے۔ اسے لکھتے تھے، ان کا منہ بند کرنے کو میں نے ایک فرضی استاد لکھ

ایا ہے۔“

ایا ہے۔“

خواجہ صالح نے یقیناً وہی لکھا، جو کچھ کہتے تھے میرزا غالب نے عام مروتی میں ایک سے زیادہ مرتبہ اس قسم کی بات کہہ دی ہو، لیکن اس میں جس افسانوی کی نقل کی گئی ہے، صحت نہ رہے۔ اس کا تعلق تعلیم و تعلم سے نہیں، بلکہ سبب شد عربی سے ہے یعنی میرزا

شے اس لحاظ کے حامل دستور کے خلاف شاعری میں کسی کے سامنے قانون سے گفتہ نہ کیا اور جب انھوں
 کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا۔ میرزا کا مکتوب فکر و نظریہ کسی دستور کا مطلق ہر لحاظ سے صاحب نفس
 گفتہ سے نہیں کوئی تاثر نہ ملتی سکتا تھا۔ بلکہ فقہ ہی میں پہنچا۔ اس لیے کہ خدا اور رسول و جنت کے
 طبی شعور و تقاضا میں کم یا زیادہ کلاشیہ نہ ہوتی اور غلط فہمی میں نہ کوئی جگہ تھیں جس
 نظام پر نہ تھا، یا تو بالکل نہ تھیں۔ یا تو برعکس تھیں کہ ان کی پہلٹ ہی تمام ہو جاتی۔
 جو بھی خواہو صاحب کے پیش کردہ صورت تھے، جس کا موقع اور ماحول ہم سے ملتی ہے تعلیم
 عقائد کی نفی نہیں ہوتی۔ بلاشبہ میرزا نے شاعری میں جو کچھ حاصل کیا، اس پر کیا فیصلہ حاصل کیا،
 لیکن اس کا یہ صاحب نہیں کہا نہیں حامل طریق تعلیم پر کاربندی کے بغیر جسے صاحب کے طریقہ یعنی
 پرستار کے کہنے کی نسبت ہی پیش آتی اور صاحب خلیفہ محمد حنفیہ سے تعلیم پر قائم ہے تو یہ محمد
 عبدالحق ہے نہ کہ میرزا، بلکہ وہاں کے مقلد تھے جو عملی نظریہ اور دنیا و آخرت کی تیس ہے۔ میرزا نے
 میرزا رفیع الدین کے ہاں بلکہ مرثیہ کے ہاں اس دور و دور نہ لکھیں کہ اہل علم کی خرافات سے ان میں اجابت
 وقتہ و فکر مرمر صفت ہے نہ راستہ۔

محبت با سب سے کہ جو میری مثال کی اس - روایت کو بنیاد بنا کر بحث و مباحثہ کی جڑی
 ریزی کیا ہے، اٹھائے والے بزرگ یہ حقیقی نہیں فرماتے کہ وہ قیام آگے چلے گا اور اگر نہ چلے
 روایت ابھی وہی ہے :

۱۰ غریب و محتاجوں کے لئے جو تم کہتے تھے کہ تم جو عظیم الشان ایک ایک شجر ہیں جیسی
 کہ یہ دنیا کی کسی دوسرے ملک سے بھی تھا، یہ غرقو بھی کھینچا تھا، اسے اس نے پکڑی کہ
 یہی جسے آواز کی آواز کو یہ غرقو کی گزری۔ (۱۰) (۱۰)

میرنا خائب کی حالت میں وہ رسدِ امانت شعلاری کا قیصرِ اقدار کی برکت سے بے حقاری
فریادیں، کیا خوابِ عسلی ان کی شہادت کا شہرہ بھی جلاؤ، شرویعِ افسانہ پر میرنا خائب کا نام لانا
معاذِ حق اتنا ہے کہ میرنا خائب نے فلاں کی زبان کے تعلق جو فیاد کی جان کی پیش
کیجئے اور یہ کہ کوئی شعلہ اس معاویہ بستر کے عذر میں نہیں جاتی، وہ تو کسی سے پہلے وہ نور
وہ عسلِ اقدار سے میرنا کیجئے، فریقِ قیاس ہی سے کہ کہیں نہ کہیں سے نہ جانی کہ روشنی و اصل

الہ آباد پہنچے تو پچیس برس کی عمر کا ایک عظیم الشان مرد اور نادر و نایاب شعور کا آدمی۔
 پھر انارکلی کی محنت و ترقی ہو گئی۔ اس وقت تک انارکلی کا نام کسی نظم و نثر میں نہ تھا۔ اگرچہ
 اس دور میں بھی انارکلی کی ترقی ہو رہی تھی۔ مثلاً کھنڈیہ خانہ کے شعاعوں کے پیرے فرائس کی
 وہ اصلاح دے رہی تھی کہ شاعر تھے۔ جس دور کے منتقد، مخرجی، کرائی،

نثری ہیں انارکلی کی ترقی ہو گئی۔ انارکلی کا نام نہ تھا۔ اس وقت
 کھنڈیہ خانہ میں تھے۔ انارکلی کے ترقی پیدا ہوا تو پچیس برس تک انارکلی کی ترقی
 ہو گئی۔ انارکلی کے دور کا نام اس دور کا ہے۔ بعض نام ہیں۔ اس میں انارکلی کے
 پیش رہا انارکلی کے دور کا ہے۔ پچیس برس تک انارکلی کے دور کا ہے۔

ایک افسانہ کہ دور انارکلی کے دور کا ہے۔ ایک افسانہ کہ دور انارکلی کے دور کا ہے۔
 مستم ہونے میں انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔
 انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔
 انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔

انارکلی کی ولادت ۲۰ شعبان ۱۲۸۵ھ میں ہوئی۔ انارکلی کے دور کا ہے۔
 وقت میں انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔
 انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔
 انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔

۲۔ تمام انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔
 انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔
 انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔
 انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔

۳۔ انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔
 انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔
 انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔
 انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔ انارکلی کے دور کا ہے۔

کے شعر ہفتے کا موقع ملا تو یہ تعارف ہیئتہ ٹوٹ کر جو محبت کی تعلیل سے محبت میں اس پہلے پہنچ کر
 کہ پہنچ گئے تھا کہ حسام الدین مجید رحمانی میرزا کے اشعار کھنڈوں سے جا کر میر تقی کو دکھاتے اور
 ان کے متعلق میرزا صاحب کی روضے کے آیتے :-

۳۔ اس قول میں ایک حد سے نیا اور پہلو ایسے ہیں کہ تہذیبی جیسے معجزہ میں شعر کی زبان پر
 درآئی نہ سکتے تھے ۔

۴۔ ہر حال میں کہ یہ پیش کردہ وچیز گئی گو بھی نہیں راستہ قول میں شامل کرنا چاہیے جو بھی سبب بہت
 لوگ غیر معمولی دل و دماغ کے توفیقوں کے متعلق وضع کر رہا کرتے ہیں اور شاید ہی کوئی دماغی
 گنہگار ہو جس کے گھر و پیش ایسی داستانوں کے بدلے تیار نہ کر دیتے گئے ہوں ، میرزا صاحب
 یقیناً جو جواب شاعر ہی گئے گھر میں دے رہے تھے وہ جیسے کہ یہ کسی استاد کی رہنمائی کے
 معنی نہ ہوتے :

شعر غایتی نموداری و نہ گور شمسے تو دینے وہی توں گفت کہ چلے بہت
 اردو و دیوان کی کہانی غلبے کے اردو و دیوان کی ترتیب و انتخاب کے غمناک جی
 ایک انسان و ذوق کر دیا گیا ، جسے مولانا محمد حسین آزاد مرحوم نے آپ حیات میں شامل کر
 کے تہذیب کے وہ جسے ہر پہلو و دماغی مولانا فضل بن خیر آبادی اور میرزا خان کو قرار دے
 دے سکتے ہوئے کی حیثیت میں غائب کو سمجھا یا کہ قیام کے اشعار عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے
 گئے ۔ غائب نے کہا :

صاحب اچانک گھر کر چکا ، تدارک کیا ہو سکتا ہے :- انھوں اسودہ خور مرزا خان بن گیا
 خیر خواہ ، سرباز ، انتخاب کروادہ مشکل شعر کمال ڈالو ۔ میرزا خان نے دیوان خواجہ کو دیا
 دونوں صاحبوں نے دیکھ کر انتخاب کیا ، کتاب حیات ص ۔ ۵۱
 اس انتخاب سے کہیے سرو پا جو کسی تفصیل کا محتاج نہیں ، غور فرمائیے کہ :-

۱۔ اگر شعریکے میں دشواری و تناسل ہی تھا تو ہر نامور عالم لوگوں کی سمجھ میں آجائے تو کافی
 نظری و غیرہ کے مقابلے میں جتنی کام تہذیب و ہنر ترقی کرتا :-

۲۔ چھپ کر کیا قول سے کہ : اچانک گھر چلا ، تدارک کیا ہو سکتا ہے :- اگر میرزا صاحب ان

کی کہانی جتنی کے قائل ہو چکے تھے تو وہ فرماتے کہ ایسے اشعار حکم افادہ کر دیتے جو میں گئے۔ مثلاً
 جو کچھ کہتا ہے کہ اسے چاہیے اور شائع کرنا قدرت کی طرف سے لازم ہو رہا ہے یا
 مدد بخاں کو نوالہ کہ جسے میں کچھ معلوم نہیں، مگر اللہ تعالیٰ یقیناً بہت آہستہ
 حال ہی میں یہ بزرگ شعراء کی چھائی بڑائی کو دنیا کا لب سے ہتر چھتے آئے ہیں
 قدرت سے شعرا کوئی ہی کے پیسہ کیا تھا اور مجھے کے متعلق تو اب مصطفیٰ بنی شیعہ سے
 دلکشی پیدا نہیں کیا تھا کہ :

اسلام میں شعری راہ کا ہر فلسفہ شعروہ جمیع حکام و لطائف ہے شہرہ و
 اور فیض است کو نظم میں بعض اہل حق است۔ اگرچہ حق شناس ہادی و
 یا اس لئے کہ وہی چہ خوش گوار کیا یہ است۔ "خوش غم کیا یہ خوش
 حال غلطی کہ از ہر در شریعہ یافتہ و حق رہو و با جلد میں لکھتے شیخ غفر
 فقار کہ تم کو رہائی شعرا کہتے ہیں خدا کا :

فرمان ہے بیان میں سراسر اساتذہ حقیقت یہ ہے کہ میرزا غالب نے تیز بین ہو
 ہوئے کہ خود میں شعروں کا انتخاب کیا۔ پھر وہ لکھتے گئے تو وہی اہل حق کے نام
 اپنے قوم کا ایک انتخاب کیا، اس میں عرضی صاحب کے ہاں کے حق اور وہی
 ۱۰۰ شعروں لکھتے تھے۔ پھر وہ میں مزید غزلیں، غزلیں، غزلیں کی بغیر تمام شہرہ و
 یہ ہے :

۱۔ وہ وہی پہلی مرتبہ شعری شہرہ و کتب پر لکھتے ہیں بیتا، جو خاص یہ اور دینے
 وہم کے طبع "سید صاحب" میں چھپا۔ یہ ایک حق و حقیقت ہے کہ اس میں ایک
 ہزار چالیسے شعر تھے۔

۲۔ پھر وہی غزلیں شہرہ و کتب پر لکھتے ہیں، طبع وہ اس میں واقع حروف قاضی
 تو ہیں احمد کھنوی کے نو بہرہ تمام دیوں وہی مرتب چھپا، اس میں ایک ہزار ایک سو
 گیارہ نام لکھے۔ یعنی طبع اول سے صرف سولہ شعروں اور وہ چوتھے شعروں اس غزل کے تھے جو
 مراد دیوں کی آخری غزل ہے، یعنی "مہاں کے لیے" اس میں کے لیے وہ شعروں میں کوئی

دہلی فتح کے تھے۔ گوہر شاہ نے اس سے ۱۵۳۳ء تک اندوہ بان میں اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ پھر
سلطانہ ملک طبع دیوان کی تربیت رہائی۔

۱۵۳۵ء سے ۱۵۳۷ء تک جو کچھ کیا تھا اور اُسے ترشہ و غریب اس دور میں بھی گئی
تھیں اور سب قلمی نسخوں میں مرقوم ہوا، جو سلطانہ کے ہنگامے میں تلف ہو گئے اور آغا بہرام
سے کچھ دست و پیر غالب بھاڑے، گوہر شاہ کا ایک نسخہ خوش نویسی سے لکھوا کر نواب حسن
علی خان دہلی دہلی کے پاس بھیج دیا تھا۔ سلطانہ میں رام پرگٹے تو اس نسخے کی نقل کے لئے
اسے پڑھنے پر غور میں بھیجے گئے تھے، دیا، پھر قلمی شیعہ زائے آتم کے پاس آکر دیکھنے دیا، وہاں جہا
یہ تاخیر ہوئی تو مرزا غالب نے دیوان کا ایک اور نسخہ دہلی میں مولوی محمد حسین خان نصیب کے
حوالے کر دیا، پھر دیوان تیسری مرتبہ طبع احمدی واقعہ شامداد دہلی میں جہاں تمام اس وقت
طبع ہو کر ۲۰۰ محض احوام سلطانہ ص ۲۰۰ جو دیوان کے مشائخ ہوا، اس میں کل ایک ہزار سات
سویچہ نو کے اشعار تھے۔

۱۵۴۰ء میں دیوان کا خط بھی لکھا نہ تھا، نیز غالب کی مدقش کے حالات بہت سے افسانہ
کہ گھٹے گئے تھے۔ اور خط میں بہت مد گئی تھیں، اس لیے کہ غالب نے تصحیح کو ہر خیال میں کیا
تھا، مرزا غالب نے سلطنت و دیوان کی خود تصحیح کی اور اس میں کچھ شعر و سلاویہ، جو غالباً طبع
احمدی دہلی نسخے کی جہا عت کے بعد لکھے گئے تھے، یہ نسخہ مولوی محمد حسین خان نصیب کے حوالے
کے تھے، پھر اس کے بے طبع نقادوں کا پر دہ میں بھیج دیا، اس کے ایک لمحہ میں دہلی میں خان بی
مولوی محمد رشید خان تھے، یہ دیوان قری اخیر سلطانہ میں، جب یعنی طبع احمدی دہلی دہلی نسخے
سے ترمیم (۱۵۴۰ء) بعد چھاپا، اس کا عرض کیا جا چکا ہے۔ اس کے قلمی اشعار ایک ہزار سات سو دو
تھے۔ (۱۵۹۶ء - ۱۶۰۰ء)

۱۵۵۰ء میں دیوان میں قلمی شیعہ زائے آتم نے بھی جہا عت شروع کر دی تھی، اس کے
اشعار میں دیوان سلطانہ میں کمال ہوا۔ یہ دیوان نسخہ رام پرگٹے کے مطابق تھا۔

۶۔ جہا عت کوئی آبرو کتب دہلی سے سید محمد علی محمد علی سے کہہ کر غالب، ذوق و دیوانی
کے دیوان کو کتاب مرتب کرانے، جس کا نام انکا دستاویز مل گیا تھا، یہ کتاب بیرون

کلام کی تاریخوں کا مسئلہ کلام کی تاریخوں کا مسئلہ یہ مداحم تھا۔ اس مسئلے میں
دوسرے مرتبہ کہنے کے واضح قریبے موجود تھے مثلاً:

۱۔ نسخہ عید میں ہر کلام ہے۔ دو فی الجملہ نہیں، اس کی ترتیب کا ہے۔ یعنی اس کی
آخری تاریخ مسئلہ کو سمجھنی چاہیئے

۲۔ یہ ذکرہ گلشنی ہے غلام۔ مسئلہ اس مرتبہ ہوا تھا۔ اس میں ہر مرتبہ شعر آ
گئے ہیں، ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ان اشعار کی غزلیں مسئلہ سے پیشتر کی ہیں۔

۳۔ مسئلہ میں دو دو برائے پہلی مرتبہ چھپا۔ اس میں ہر غزلیں ہیں، وہ ہر حال
مسئلہ کو تک کی ہیں۔

۴۔ مسئلہ کے عربی ان میں صرف سولہ شعر، انہیں اور ان کی تقریر کے پہلے کی جو
ہو گئے۔

۵۔ مسئلہ میں تیسری مرتبہ برائے چھپا۔ اس کے مسئلہ اور مسئلہ کی دو دو فی
قدت کے کلام کا پتا چلی سکتا ہے۔

۶۔ دلی پر کچھ ہے، ابھد کہ ہے۔

ان ادوار کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے پہلے دو بڑی قسمیں لیں، یعنی مسئلہ کو
۱۔ دو مرتبہ کو تک کا کلام، پہلی تقریر میں جا جو۔ گلشنی ہے غلام کے کلام میں اسے دیکھ
تاکہ معلوم ہو سکے، وہ کلام نہ کرنا کرنا کی تکمیل سے پیشتر کا ہے۔ اس بڑی تقریروں کے
بعد ہی غزلیں کی ہیں، ان غزلیں معلوم ہوئیں، اس کے متعلق سوائی میں مع ما کلام شعر و محلات لکھی
اور ان کی ابتدا و ختم میں ہے، اس کے بعد دو برائے غلام فرد چھپے، واقعہ ہر کلام تحقیق کا کلام
ان کے کلام کے لیے کوئی نیا کلام اس ہلکے کلام کی کلام اس میں سے پیشتر حصہ کی، انہیں کی
غلام پر معلوم ہو جائیں، اس میں چھپتے تھے کہ سب روایت کی غزلیں نہ تھیں، پہلی ترتیب کے کلام سے ترتیب
تو وہ لکھی کلام کو خود پر، حصہ نہ لکھ کر ایسا ہے جس کی وجہ سے تاریخ کا حال معلوم نہیں ہو سکتا
لہذا ایک حصہ کے متعلق معلومات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسئلہ اول ترتیب میں مدد چاہی
متناسب نظر نہ آئے۔

بعض غزلیات، انتقادات و تصانیف غیرہ کے اوقات داخل یا خارجی شمار تو ان کی بنا پر
محقق کہنے کے نزدیک موجود تھے۔ جس نے ان غزلوں سے فائدہ اٹھانے میں بھی کوئی نہیں
کی۔ غرض اس دیوان کو میر کاغذ سے منجید اور غلیظ بخش بنانے میں کوئی ذرا بیاد رہتی دکھائی
دیکھا۔ بعد ہے ان چیز معنی غلام غالب کے خط سے اور اس سے استفادہ کرنے کا یہ
کو رو میع ترکہ نہیں، دعاوی ثابت ہو گئی۔

آخر میں چند اقداروں کی تشریح کے متعلق بھی عرض کر دیتے ہیں۔ اور دوسروں
کی تشریح میں مروجی نہیں کہ مجھے خیال بھی نہیں تھا، کوئی نئی تشریح ضروری ہوگی اور وہ کام
بھی مجھے انجام دینا پڑے گا۔ مرنے والا میر صاحب کے تشریح سے قطعاً پہل آتی تھیں۔ یہ بھی
تھیں، جن میں حد تک اشعار کی سرسری تشریح کی گئی تھی اور ایسی بھی، جن میں شعر بہ
مختصر مفضل تشریح کی گئی تھی، لیکن میرے عزیز روز مست شیع یا زائد میر صاحب ایک شیع
غلام علی، بہتر منظر، ان کا نسخہ ابتدا سے یہ تھی کہ نئی تشریح جوتی پائیے، وہی اس پر کے خط
کی اشاعت کے بعد جاری، وہی میری تمام تحریرات شائع فرماتے، جسے میں، مایہ میل کے
نہیں تعلق سے، ان کے میرے نزدیک زیادہ تر ان کی سہجی رہی، میرے عزیز روز مست
اور دوسری صاحب نے بھی شیع صاحب کی تائید کی، اس لیے میں نے تشریح کا بیڑا اٹھایا۔
کام شروع ہوا تو یقین ہو گیا کہ میر صاحب صاحب کے ہاں تو وہ صاحب کے متعلق
اور دوسروں کی توفیق و تشریح کا حق ادا نہیں ہو اور غالب ہے، اس کے بعد بھی اہل فکر
نظر کا احساس بھی رہے۔

میں نے انہی میں تشریح کا جو سرمایہ تجویز کیا تھا، وہ زیادہ مختصر تھا اور زیادہ مختصر
آئندہ بھی کہ میر صاحب کے خط سے انداز میں پیش کئے جائیں، جن سے ان کی معنوی اہمیت و
غفلت بخوبی واضح ہو جائے اور جو آئندہ گائی کو کم فائدہ فرمائیں کہ میر صاحب اور دوسرے ادیب
میں بیکار ہو کر رہ جائیں، اس کی بنیاد و اساس کیا ہے۔ میں یہ عرض کر نہیں کر سکتا کہ میر صاحب
کی تشریح خواہش و اطمینان کے خطوں پر مبنی ہوگی، لیکن اس سے غلط فہمی نہ کہ میر صاحب
نور و سبائے گاہ میں نے شاعر میں کی فانی اور مختصر نوازیوں سے استفادہ کرنے کے ساتھ جو

کل نظر کے لئے پہلو میں ہنسی، تیسری اور کوشش ہمارے ہی کہ میری شاعر گوئی میں ہوں اور
تحقیق کے لئے کتاب کی جوتہ آریا کی بکثرت تیار ہیں، اور ایک رسائی تیار ہے سے تیار ہوں
مسلک اور جانتے ہیں اس شریعت پر قدرت و تعجب کا رشتہ سنبھال نہیں سکتا، اور انھیں عرض کر دیتا ہوں
کہ پر دی صفت میں خواہ برائی، جو ہم دیکھنا چاہتے ہوں، جو ہم ہی کے شواہد سے تیار ہوں، تو ہم
سزا دے گئے، جیسا کہ خود کتاب کے ہر صفحے سے عینیت آشکار ہو رہا ہے۔

۱۰۔ اور یہ اس شریعت کی بنیادوں سے دستاویز ہے، جس کی طرف تیار ہونا چاہئے
کتابا غیر سبب نہ سمجھا جائے۔

۱۱۔ امید ہے کہ اس سے توجہ دینے کے بعد میں لوگوں کے شعور کی بلند بنیاد سے کام لے سکاں جو
نہایت ہے۔

۱۲۔ میں نے محض الفاظ و تراکیب ہی کی نظر سے ہی معاملہ نہیں سمجھا، بلکہ الفاظ کے
مختلف پہلو بھی در نظر رکھے اور حتیٰ کہ اس کے کوئی انداز ہی نہایت نقد و انداز کیا ہے

۱۳۔ اس پر اس میں خیالی دیکھا کہ یہ ہمارے شعور کو کبھی تحقیق حجاز ہی نہ سمجھا جائے، بلکہ
حقائق حیات سے ہی حجاز میں تغلق و افلیح ہو جائے۔

۱۴۔ اور چنانچہ ادب سے یہ بڑا بڑا بے ہوش شعور کو کسی نہ کسی نام سے شویہ ہے، خود تو بڑا
بڑے علم میں ایسے جیسے انشاء آئے۔ ان کو سوانہ حیران کے شعور سے کہنے متروک ہونا چاہئے
وہ بڑا بڑا بے ہوش شعور میں کس کو نہ شراک کے دو صنف سوانہ میں انھوں میں حیران
کیونکہ اس اور بڑا بڑا بے ہوش شعور میں حیران کے صنف انما میں پہلی کو، اس دو صنف
اور وہ انھوں میں بڑا بڑا بے ہوش شعور میں، جس پر انھوں نے بڑا بڑا بے ہوش شعور کی حقیقت پر حیران
کہتے ہیں، جس سے مکمل کر دینے اور انھیں بڑا بڑا

۱۵۔ میں نے اس پر بھی خیالی دیکھا کہ میں نہایت کمزور میں بعض ایسے شعرا بھی لکھے
جو کہ شعور میں وہ پیشتر قرار میں ہیں، انھیں چاہئے کہ میں سے وہ شعرا ہیں، جو انھیں
انھیں نہ لکھیں کہ انھیں نہ لکھیں، انھیں انھیں لکھیں، انھیں انھیں لکھیں، انھیں انھیں لکھیں، انھیں
انھیں انھیں لکھیں، انھیں انھیں لکھیں، انھیں انھیں لکھیں، انھیں انھیں لکھیں، انھیں انھیں لکھیں، انھیں

نہ دراصل درجوں کے علاوہ غنیوں کے اشیاء کی شریعت بھی کر دی گئی تاکہ غریبوں کو کرم
 کی اشتیاق سے بھی بہتر طریق پر بصیرت امداد فرم سکیں ۔

وہ چند خصوصیات کا سرسری ذکر کر دینے کے بعد یہ بھی کہہ دینا چاہیے جو ان کے اس قابل
 کی شریعت کا اصل قریبی نہیں کہ ایک جہیل القدر شاہ کا کلام بخوبی سمجھ لیا جائے ۔ غالباً اس
 اوروشا کی کوہ پر یہ سب پرانے کا قریب دار تھا ۔ اسے قدیم دھرم کے دار عین ایک ترقی
 کی بات نہ تھی ۔ اس نے غنیمت افروز فکر پرانے سے اور ان کو ایسا ہی قرار
 دیا تھا ۔ اس میں حسن و سادہ سب کے علاوہ دقیق حکم و فلسفیانہ اور دوسرے نکات
 و ضابطے تھے جنہیں پیش گوئی کی حد تک تہمت لیا جا رہا تھا ۔ اس کا یہ تصور چاروں قریبی ترقی
 کے لئے یہ درجہ سے اشتیاق سے کہ ایک اہم جزو ہے جسے جس میں بہترین قدر بہت کم
 شرف و کرم پر کثرت ملتا دیکھیں گے تو قریب ہے کہ اس کی گزارشات راہ کار نہ جائیں گی نہ
 جن کو ملوڑا سیدوں کی پڑ پڑا چیز علم و فہم کے مطابق یہ کام انجام دیا جاسکتا ہے وہ کھو مشہور
 حقائق شریعت نہ تھیں گی ۔

نقش فریادی ہے کس کی شوقی تحریر کا
 کاغذی ہے پیر میں ہر سپیکر تصویر کا
 کاغذ کا دست بایں سائے تنہائی نہ پوچھ
 صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا
 جذبات ہے اختیار شوق دیکھا پاسیہ
 سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا
 آگہی نام شنیدن تیں قدر پانے چھانے
 مدافقا ہے اپنے عالم قلبیہ کا
 بسکہ ہوں غالب امیری میں بھی آتش نیریا
 نوئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا
 ۱۔ لغات۔ نقش : کتب نقش نگار
 کرتا بیل برٹے بنانا : لٹائی : تصویر : تصویر
 یہاں کاغذی سنی میں استعمال ہوا ہے ۔
 کاغذی پیر میں : کاغذی لباس : جو
 زمانہ قدیم کے ایران میں داخلہ ہوا ہے جیسے
 تھے۔ مرزا قاسم نے لکھا ہے : آپر میں
 رسم ہے کہ داخلہ کاغذ کے کپڑے ہیں کہ
 حاکم کے سامنے جاتا ہے : جیسے مشعل بن
 کوہا : یا خون آلودہ کپڑا : یا منی پر لگا کر
 بے ہوش : شرانے ایران کے کام سے اس
 رسم کی تصدیق ہوتی ہے ۔
 شرح : خود مرزا اس شعر کی شرح
 کرتے ہوئے فرماتے ہیں : اشعار خیال کرتا
 ہے : نقش کس کی شوقی تحریر کا فریادی ہے
 کہ جو صورت تصویر ہے اس کا پیر میں کاغذی

ہے ۔ یعنی ہستی اگرچہ مثل تصویر و اعتبار محض ہو موصوبہ : بچ و بول و آواز ہے :
 موصوبہ ہے کہ اس دنیا کی زندگی و جو حقیقی یعنی خدا سے یسوعی : اور ہدائی کا یا ملت
 جہانی سے پیشتر معرفت کی جو درست و لذت حاصل تھی : وہ ابائی نہ رہی : وہ میں پیدا
 کی گئی تھی اور اس سے پرچھا گیا تھا : البتہ ہر شکہ کیا میں تسار پروردگار نہیں : تو
 سب کی نفرت سے ایک صدا بلند ہوتی یعنی میں : بیشک تو ہی ہمارا پروردگار ہے : دنیا
 کے کچھ اس سے سبقت لے کر چلی گئی تھی : میں نے اس سے قربت کی : کیسے کہ میں جانتا رہی اور ہندگی کے اقرار
 کا ان میں دانا ہو سکا : اسی حالت میں وہ رقم ختم ہوئی : جو خدا پر عبور کر دیا : وہ دغ کے اسباب
 ہوئے : اول و دوم حقیقی سے ہدائی : دوم اس کے حکم کی تعمیل میں کوئی ہی : شاعر کہنا ہے کہ ہر

عقلش کسی کی شوقی تخریر کا لازمی ہے، جس کے باعث ہر تصویر نے کافی رہا ہے۔
 کیا ہے؟ ہستی کو تصویر اس لیے کہا کہ اس کا وجود حقیقی نہیں، غیر حقیقی الہا اعتباری ہے، مگر
 اعتباری اور عارضی ہونے کے باوجود وہ اتنے رنج و ملال کا باعث ہوئی کہ ہر ہستی سراپا
 فریادیں گئی۔

۲۔ لغات - کاو کاو : فارسی مصدر کا ویدان سے ہے، جس کے معنی ہیں
 کھودنا، کاوش، عقل، سخت محنت، رنج۔

سخت جانی : حدود پر جفا کشی، ہر قسم کی خفیاں برداشت کرنا۔

بُخونے بشیر : عام روایت کے مطابق دو ہنر، جو فراد نے بے ستوی پہاڑ کاٹ
 کر بنائی تھی تاکہ شیریں کے بارگ ملک پانی پہنچ جائے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حقیقتاً
 حدود کی شرمیلی۔ پہاڑوں پر سے جتنی ندیاں خنکے اُترتی ہیں، ان کے پانی کا رنگ
 نور سے عموماً سفید نظر آتا ہے، کیونکہ پانی پتھروں سے ٹکراتا ہوا آتا ہے اور اس میں
 جھاگ اٹکتے ہیں، لہذا وہ بہ لہلاہ منظر جوئے شیر مشور ہو گئی۔

شرح : عداوت کی حالت میں جن جن کاوشوں، کاپوشوں اور مشقوں کا میں شوق
 بنا ہوا ہوں، ان کا حال کچھ نہ پوچھو، نہ میں بیان کر سکتا ہوں، نہ سخت جانی کے باعث دم
 رکھتا ہے۔ بس یہ سمجھ لو کہ حالت گزارنا اور شام کا صبح کرنا اتنا ہی دشوار ہے، جتنا فراد
 کے لیے بے ستوں کو کاٹ کر جوئے شیر لانا دشوار تھا۔

اس شعر میں شاعر نے یہ حالت عداوت اپنی سخت جانی کو پہاڑ سے اور شام کے صبح
 کرنے کو بُخونے بشیر سے تشبیہ دی ہے۔

۳۔ لغات - شوق : یہاں اس سے مراد ہے شوقِ قتل۔

دُم : سامن، دم، بشیر سے مراد تھوڑا کی دھار ہے۔

شرح : میرے شوقِ قتل کا مذہب، جو اختیار سے باہر ہے، دیکھنے سے قتل رکھتا
 ہے۔ اسی کا یہ کرشمہ ہے کہ تھوڑا دم یعنی اس کی دھار کچھ کر بیٹھے سے باہر نکل آئی ہے۔
 چونکہ تھوڑا دم ایک گونہ جھکا ہوا ہے، اس لیے شاعر نے کہا کہ اس کی دھار دُم،

کچھ کر سنے سے باہر لیکل آئی ہے۔ اس میں لطیف یہ ہے کہ لفظ زم کے دونوں معنی شاعر کے پیش نظر رہے۔ عام معنی سنے کے اندر جوتے ہیں، لیکن شوقِ قتل کا جہیز تلوار کی دھار دوم، کھینچ کر سینے سے باہر لے آیا۔

ہم - لغات - آگئی یعنی آگیا ہی : شعر، عقل، علم، واقفیت، اخیری۔
 عشقا : ایک لڑمن اور خیالی پرندہ۔ کہتے ہیں : اس کی گردن لمبی ہونے کے باعث یہ نام رکھا گیا ہے۔ نام موجود ہے، پرندہ ٹاپید ہے اس سے مراد ہے اپنا اور گم۔
 شرح : آگئی میں عقل و علم ہمارا مقصد بچانے کے لیے سماعت کے کھتے ہیں، مبالغہ پسند رہی، مگر وہ ہمارے مفہوم و مطالب کو بھانسن نہیں سکتے۔ یعنی ہم جو کچھ کہتے ہیں اس کا مفہوم و مطلب بند ہے۔ اسے حقا کی خبر ناپید کنا میں نامناسب نہ ہوگا۔
 قمار کا یہ مطلب نہیں کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں اس کا مطلب کچھ نہیں۔ مفہود یہ ہے کہ ہمارا مطلب اتنا دقیق اور نازک ہوتا ہے کہ اس تک عام علم و عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

مرزا نے فارسی میں بھی اس مضمون کا ایک شعر کہا ہے۔

ماہمانے گرم پر و ازیم افیض از ما ہو

سایہ بھوں رود بالائی رودانہ بال ما

یعنی ہم تیرا ڈنکے والے چھا میں اور ہمارے پر و ازیم اس قدر گرمی ہے کہ سایہ بھی زمین پر نہیں پڑتا، ہمارے دھراں میں کر آؤ پر نکلی جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص ہم سے فیض حاصل کرنا چاہے، اسے ہندی پر آنا چاہیئے۔ اپنی جگہ بیٹھ کر ہمارے نیچے آنے کا انتظار نہ کرنا چاہیئے۔

۵ - لغات - لبیکہ : چوکہ۔

آتش زیر پا : لفظی معنی جس کے پاؤں کے نیچے آگ ہو، مگر یہ مطلب دوسرے قرار۔

موسے آتش دیدہ : بال جسے آگ نے چھوا ہو۔ ایسا بال بیل کھا کر

علیٰ کی شکل اختیار کر لیتا ہے ۔

تشریح : اسے غالب : میں قید میں بھی بے قرار ہوں اور جزہ بخیر میرے پاؤں میں ڈالی گئی ہے اس کی ہر کڑی میرے آتش زہر پاؤں کے باعث آس بال کی سی ہو گئی ہے جسے آگ چھو گئی ہو ، بین بالکل کمزور ہے اور میری بے قراری کو روک نہیں سکتی ۔

شاعر کی مراد یہ ہے کہ اگرچہ دنیا سے تعلق کی ذرخیر میرے پاؤں میں پڑی ہوئی ہے ، لیکن میرا عشق ربانی اس قدر بھڑکتا ہے کہ وہ ذرخیر مجھے حقیقی راستے سے روک نہیں سکتی ۔



خیز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار	صحرا مگر تکی چشم مسود تھا
آشفگی نے نقشِ سوزید کیا درست	ظاہر ہو کہ داغ کا سراپا یہ دور تھا
تھا خواب میں خیال کو چٹھ سے صداد	جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا دُشود تھا
لیتا ہوں کتبِ غم دل میں سبقِ ہنوز	لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا
دُعا پاکش نے داغِ عیوبِ برہنگی	میں وہ نہ ہر لباس میں ننگ و بھود تھا
تیشے بغیر مر نہ سکا ، کوہکن اُسد	مگر گشتہ غمارِ دُشوم و قس بود تھا

۱۔ لغات : قیس : مشہور عاشق بہوں کا اصل نام جو عہد کے قبیلہ عامر سے تھا اور یمن کے ساتھ حبش کے باہمت عالمگیر شہرت پائی ، عامر دو آیات کے معلق اس کی ساری عمر یہاں کی خاک چھانٹتے میں بسر ہوئی ۔
بروئے کار آنا : نمایاں ہونا ۔ برہنگار آنا ۔

۳۔ **تشریح :** اسے محبوب ! عالم بیداری میں تو تیرے ساتھ عشق و محبت کے معاملے کی کوئی صورت نہیں، البتہ تو خواب میں آجاتا ہے تو خیال تجھ سے معاملے کی باتیں کرتا رہتا ہے۔ مثلاً کبھی اپنے شوق کی خزاں میں پیش کر دے۔ کبھی عرض کر دے کہ بچے ہاں ہزاروں سے بے تعلق نہ رہنا چاہیئے۔ کبھی شوق و میل کا اظہار کر دے۔ محبوب عالم خواب میں ایسی کسی گزرش پر متوجہ نہیں ہوتا۔ پھر آنکھ کھل جاتی ہے اور خواب کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے تو شاعر پر دامن ہو جاتا ہے کہ نفع اور نقصان یا سود و زیاں کی جو بات چیت ہو رہی تھی وہ تو خواب و خیال کی حقیقت رکھتی تھی۔ عالم بیداری میں تو کوئی معاملہ ہی پیش نہ آیا، لہذا سود و زیاں کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محبوب کے ساتھ جو معاملے پیش آئے اور فیض و راحت یا رنج و دھول کے جن واقعات سے سابقہ پڑا ان کے منطبق کہا جاتا ہے کہ وہ عالم خواب میں خیال کے کرشمے تھے۔ جب آنکھ کھل گئی تو پیش و پشت اور رنج و دھول یعنی سود و زیاں میں سے کچھ بھی نہ رہا۔ کیونکہ خواب کی تمام باتوں کا اثر آنکھ کھلتے ہی زائل ہو جاتا ہے۔

۴۔ **تشریح :** میں غم دل یعنی عشق کے کتب میں ابھی پڑھنے لگا ہوں اور میرا سبق بالکل ابتدائی حالت میں ہے یعنی ابھی تک رشتہ (گیا) اور جوہر (حق) یاد کر رہا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ عشق کی درس گاہ میں ابھی ہندی اور نو آموز ہوں۔ قدم آگے بڑھے گا اور تعلیم کے ابتدائی درجوں سے ترقی کرتا ہوا اوپر کے درجوں میں پہنچوں گا تو خدا اہلئے کیا کیفیت نہ بنا ہوگی۔

عشق کی ابتدائی حالت کے متعلق عربی نے بھی ایک نہایت عمدہ شعر کہا ہے :

عشق می خواہم دمی گریم زار
طفل نادانم و اقل سیت است

یعنی میں عشق کا درس سے رہا ہوں اور زار زار زار زار ہوں۔ گویا میں نا بھروسہ

ہوں اور یہ میرا پہلا سبق ہے۔ اس میں ثواب یہ ہے کہ چھوٹے بچوں کو آزاد چھوڑتے چھوڑتے
کتاب میں بٹھا دیا جائے اور وہ پابند ہو جائیں تو پڑھتے پڑھتے روتا ضرور کر دیتے ہیں۔

غائب اور حقیقی دونوں نے عشق کی ابتدائی کیفیت پیش کرنے کے لئے درگاہ سے
مثالیں لی ہیں۔ لیکن اس کے سوا اور کئی شعروں میں کوئی کیسا ہی نہیں۔ عرقی کے شعر سے واضح
ہوتا ہے کہ اس نے جو پہلا سبق پڑھا وہ عشق کا تھا۔ غائب اپنے عشق کی مرثیہ ابتدائی
کیفیت پیش کر رہا ہے۔

۵۔ لغات۔ غلب و جود : ہستی کے لیے تنگ و باز کا باعث۔

مستخرج : غلب سے برہنہ ہونے کے جتنے عیب تھے، ان سب کا داغ کفن نے
ٹھکانہ لیا اور وہ میری محبت سے مٹی کو کوئی بھی لباس پہن لیتا، ہستی اور انسانیت کے
یہ شرم اور تنگ و باز کا باعث تھا۔

برہنگی کا مطلب ہے اخلاقی محاسن اور انسانی شرف کے اوصاف سے خالی
ہونا۔ لباس اس لیے پہن جاتا ہے کہ انسان برہنہ نظر نہ آئے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ
میں اخلاقی اوصاف سے عاری ہوئے کے باعث اپنے وجود دینی ہستی اور انسانیت کے
یہ باعث شرم ہو گیا۔ کوئی بھی لباس اختیار کرتا، برہنہ ہونے کے عیب چھپ نہ
سکتے۔ زندگی اسی حالت میں گزر گئی۔ آخر موت آئی اور مجھے کفن پہنایا گیا تو اس
سے وہ عیب قطعاً نہیں چھپ سکتے تھے۔ جو زندگی میں شرف انسانیت سے محرومی
کے باعث مجھ پر گئے۔ البتہ مرثیہ برہنہ ہونے کا داغ کفن نے ٹھکانہ لیا۔

اس شعر سے خیال قرآن مجید کی اس آیت کی طرف متقبل ہو جاتا ہے، جس میں
فرمایا گیا ہے : "اے اولاد آدم ! ہم نے تمہارے لیے ایسا لباس عطا کر دیا جو
جسم کی ستر پوشی کرتا ہے اور ایسی چیز یہ بھی دے دیں جو زیب و زینت کا ذریعہ
ہیں۔ خیر پہنیز گاری کی راہ دکھا دی کہ تمام لباسوں سے بہتر لباس ہے (سورۃ اعراف)
گو تاہم اسے انسان کے لیے مہمانی لباس کے علاوہ ایک باطنی پوشاک بھی دے
دی جو اخلاق و سیرت کے حیلوں کو ڈھانک سکتی ہے۔ یہ تقویٰ اور پرہیز گاری کا

پوچھا کہ جس کے بغیر انسان ہر دھڑ سے میں زندگی اور انسانیت کے لیے بے وقعت ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جب میں پر ہیزگاری کا لباس اختیار نہ کر سکا تو میری بہن با عبت تنگ رہی اور میں انسانی شرف کا اہل نہ رہا۔ یہ حالت میری موت پر ختم ہوئی۔

۶۔ لغات - گو کہ میں : لغوی معنی : پہاڑ کا ٹھنڈا والا۔ مزاہد کا لقب ہیں نے پہاڑ کاٹ کر شیر شیری کے بارغ ملک پہنچائی تھی۔ قلعہ مشہور ہے کہ مزاہد کو شیر شیری سے ڈر کر کھنے کے لیے کہا گیا تھا کہ پہاڑ کاٹ کر ہنر سے آؤ گے تو شیر شیری تمہیں بل جائے گی۔ خیال یہ تھا کہ نہ پہاڑ کٹے گا اور نہ شہر چوری کرنے کی تربت آئے گی۔ مزاہد نے ہنر نکال لی تو اس کے پاس ایک برابرا کو یہ پیغام دے کر بھیجا گیا کہ شیر شیری مر گئی۔ مزاہد نے یہ سنا تو فیضِ اللہ میں تھا وہی سر پر مارا اور مر گیا۔ مرزا غالب نے دوسری جگہ کہا ہے :

دی سادگی سے جان : ہزاروں کو کہیں کے پاؤں

بیہات یوں نہ ٹوٹ گئے پیرزی کے پاؤں

سرگشتہ : لغوی معنی : جس کا سر بھر گیا ہو۔ یعنی حیران و پریشان

خمار :- منہ کے آثار کی کیفیت۔ اس میں تھکے پینے والے پر بے لطفی اور

اعضا شکنی پس منادی ہو جاتی ہے۔

درسم و قیود :- درسم اور قیود کی جیسے، یعنی رخصت اور پابندیاں۔

سشرج :- اسے ابتدا : مزاہد تیشے کے بغیر جان نہ دے سکا۔ اس سے

کلی مر رہے کہ وہ دنیوی درسم و قیود کی پابندیوں کے خمار میں حیران و پریشان تھا۔

شعرا کا مطلب :- ہے کہ عشق صادق و کامل ہو تو عاشق کے لیے مرنے کے

اسباب تلاش کرنے کی ضرورت نہیں جیسے مزاہد نے خود کشی کے لیے قیثہ استہلال

کنا : یہ ہم کی پابندی تھی حالانکہ اس پابندی عشق کامل کی زندگی سے کوئی مناسبت نہیں

رخصت تیشہ : ہر شخص مر سکتا ہے۔ اس میں مزاہد کے عشق نے کیا کمال دکھایا ہے

کمال یہ تھا کہ وہ ایسی کسی چیز کا رد اور نہ ہوتا، مثلاً ایک آؤ سر دیکھتا تھا اور جان سے
دیتا۔ انہوں نے اس کے انتہا دینے ایک بڑھیا شیریں کی موت کی جھوٹی خبر رکھے۔
وہ دیکھتے پھر تیشہ مار کر اپنے آپ کو خاک کرے۔



کہتے ہو نہ دینگے ہم دل اگر پڑا پایا
دل کہاں کہ گم کیسے ہم نے دہا پایا
عشق سے طبیعت نے زاریست کا مزا پایا
درد کی دوا پانی درد ہے دوا پایا
دوست اور دشمن سب اعتماد دل معلوم
آہ ہے اثر دیکھی نالہ نار سا پایا
سادگی و پُرکاری بنجوری و ہشیاری
خس کو تھافل میں جرات اڑا پایا
عقہ چھپر لگ بھٹنے آج ہم نے اپنا دل
خوں کیا بھڑا دیکھا گم کیا بھڑا پایا

ا۔ شرح : اسے محبوب اتم کہتے
ہو کہ تیرا دل کیسے پڑا پائیں گے تو
واپس نہ دیں گے، لیکن جلد سے پاس
دل ہے ہی کہاں کہ گم ہو، وہ تو ہم پہلے
ہی دے چکے ہیں، البتہ آپ کی اس بات
کا مطلب ہم سمجھ گئے، یعنی یہ کہ ہمارا دل
تھما دے پاس ہے اور ہمارا اتم بھی یہی
ہے کہ تھما دے ہی پاس ہو جائے۔

دوسرے نکث دوستوں میں سے کسی
کی چیز گم ہو جائے اور دوسرے کے ہاتھ
آجائے تو وہ اسے چھپائے رکھتا ہے
اور ملک سے کہتا ہے کہ اگر وہ چیز میں
ہل گئی تو ہرگز واپس نہ دیں گے۔ اسی
عام اصول سے ثابت ہے ایک پر نکث
مستغنی پیدا کر لیا۔

حال دل نہیں معلوم لیکن اس قدر یقینی
ہم نے بار بار عرض کیا تھا کہ ہم نے بار بار پایا
شور نہ دیا ہے نہ زخم پر نہ تک چھروکا
آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا عزا پایا

درد مقصد ہم نے پا لیا۔

۲۔ **تشریح :** زندگی بے کیفیت اور بے لطف ہی نہیں، طرح طرح کی تکلیفوں اور دکھوں سے بھری ہوئی محنت و مشقت آتا اور اس نے زندگی میں خاص لذت و کیفیت پیدا کر دی جس سے تمام درد اور دکھ مٹ گئے، کیونکہ مشقت ان کے لیے دوا بن گئی، لیکن خود مشقت ایسا درد ہے جس کی کوئی دوا نہیں۔

زندگی کے بے کیفیت اور بے مزہ ہونے کا سبب بظاہر ہے جسے کہ کسی شے سے کوئی وابستگی نہ تھی، مشتم و مشتم دل گزر رہے تھے۔ مشقت نے خاص وابستگی پیدا کر کے زندگی کو پر مزہ بنا دیا۔

یہ حقیقت محض تشریح نہیں کہ زندگی گونا گوں آرزوؤں سے لبریز ہوتی ہے کوئی آرزو ایسی نہیں جسے پورا کرنے کے لیے محنت و مشقت سے کام نہ لینا پڑے محنت و مشقت کے بعد بھی بعض آرزو میں پوری ہوتی ہیں بعض نہیں ہو تیں گویا ان آرزوؤں کے باعث زندگی دکھ درد کا مرقع بن جاتی ہے۔ مشقت آتا تو تمام دکھ مٹا دیتے۔ بہر حال مشقت ہی زندگی میں لطف اور کیفیت پیدا کرتا ہے اور تمام دکھوں کا وہی علاج ہے لیکن خود اس کی دوا نہیں۔

بعض اصحاب نے یہ شعر غلامی کے اس مطلع سے وابستہ کر دیا ہے :

شد طیب ما محبت متش بر بیان ما

محبت ما را محبت ما درو ما در بیان ما

یعنی محبت نے ہمارے لیے طیب کا کام دیا۔ ہماری بیان پر اس کا احسان ہے۔ ہمارا خم خوشی میں بدل گیا اور ہمارے دکھ کا علاج ہاتھ آ گیا۔ سرسری نظر سے بھی واضح ہو سکتا ہے کہ غالب اور غلامی کے شعروں کا مفہوم ایک نہیں۔ اسلوب بیان اور معنویت کے اعتبار سے مرزا غالب کا شعر زیادہ بلند ہے۔

۳۔ **تشریح :** جس سے ہم محبت کرتے ہیں۔ وہ ہماری بیان کا دشمن بنا ہوا ہے

اور دل بھی ہمارا ساتھ چھوڑ کر اسی کا دوست بن گیا ہے۔ بخاہر ہے کہ اب اس پر کیا بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ دشمن سے دل کی دوستی کا قبو یہ نکلا کہ اس نے قہری آپس کہیں اور کوئی اثر پیدا کر سکیں اور جتنے نامے کھینچے وہ مقصد پر نہ پہنچ سکے۔

اس شعر میں مرزا نے بنایت پر طعنت طریق پر اپنے عشق کی کیفیت بیان کر دی۔ عشق کا مرکز دل ہوتا ہے۔ وہ محبوب کے ساتھ ہے۔ مرزا اپنے آپ کو ایک الگ شخص فرض کر کے آہ و فغاں کی ہے آخری کا یہ سبب بتاتے ہیں کہ حبیب دل ہی ساتھ نہیں تو میرے رونے دھونے سے کیا حاصل ہو سکتا ہے

۴۔ لغات - پرگادی : پوشیاری -

بجودی : اپنے آپ میں نہ رہنا، یعنی ہوش میں نہ رہنا۔ بے خبری -
زیر نظر شعر میں اس سے مراد تھابل یعنی جان بوجھ کر انجان بننا ہے۔
جرات آزمایا : حوصلے اور ہمت کا امتحان لینے والا۔

شرح : جبین بظاہر بڑے سادہ اور بھولے بھالے نظر آتے ہیں، لیکن اصل میں بہت ہوشیار اور چالاک ہیں۔ وہ کبھی کبھی جان بوجھ کر انجان بن جاتے ہیں اور بے پروائی سی اختیار کر لیتے ہیں۔ مگر اس حالت میں بھی ہوشیاری اور زیر کاری ترک نہیں کرتے۔ بھولے بن جانے سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دیکھیں، جو لوگ عشق کے مددی ہیں ان کے حوصلے اور ہمت کا کیا حال ہے۔ صبر و استقلال کی کیا کیفیت ہے۔ آیا وہ ہمارے سادگی سے فائدہ اٹھا کر کسی گستاخی پر تو نہیں اتر آتے، گویا ان کی سادگی اور تھابل سے مقصود عشاق کی آزمائش ہوتی ہے۔

۵۔ شرح - ہمارا آگنی اور کیاں کھلنے لگیں۔ یہ کیفیت دیکھتے ہی ہم اپنا دل یاد آگیا، جو اسی طرح خون جڑ تھا جس طرح کلی کھل کر سمرنی کے باعث سارا خون نظر آتی ہے۔ نیز ہم نے اپنا دل پایا، جو کھو گیا تھا۔

۶۔ شرح : ہمیں دل کا حال کچھ معلوم نہیں۔ صرف اتنا جانتے ہیں کہ ہم اسے بار بار دھونڈتے رہے اور کبھی نہ پایا۔ تم نے اسے محبوب اذھونڈے بغیر

اسے ہمیشہ پایا۔

مطلب یہ کہ ہمارا دل حبيب سے آپ کے قبضے میں آیا، ہمیں کبھی نہ ملتا اور آپ اس پر بار بار قابض رہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہے کہ دل کو محبوب کے پاس رہنے کا اتنا شوق ہے کہ جب اسے ڈھونڈا جائے، وہ معشوق ہی کو ملتا ہے۔ عاشق کو نہیں ملتا۔

۴۔ شرح : ناسخ نے ترک عشق کی نصیحت کر کے ہمارے زخم پر نمک پھیرا دیا۔ یعنی ہمیں حدود و حدود کو بھٹکانا، کیونکہ ہم سے ترک عشق ہو ہی نہیں سکتا۔ اس سے پوچھنا چاہئے کہ ایسی نصیحت کر کے نہیں کیا مراد ہے ؟ شور اور نمک کی مناسبت کسی تشریح کی محتاج نہیں، اگرچہ شعر میں شور سے مراد یہ ہے کہ ناسخ نے نصیحت بڑے زور شور سے اور بے گناہ آدمی کے اذنا میں کی۔



۱۔ لغات - بے محابا : بے تحاشہ
بے خوف : بے دھماک۔
آتش خاموش : دلی ہولناکی
جو بظاہر بھیجی ہوئی معلوم ہو، مگر
اندازہ دل پر ہی ہو۔
شرح : میرا دل اس سوز سے
جل گیا۔ جو اندازہ ہی اندازہ اپنا کام کر رہا
ہے۔ سمجھنا چاہئے کہ وہ اس آگ کی
خرج جل گیا۔ جو بظاہر کہ معلوم ہوتی
ہے۔ لیکن اندازہ اندازہ ہی رہتی ہے
خاموش اور گویا کی مناسبت
نہا ہر ہے۔

دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا
آتش خاموش کی مانند گویا جل گیا
دل میں زوقِ وصل دیا نہ رکاب باقی نہیں
آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا
میں عدم سے بھی پرے ہوں نہ فنا مل رہا
میری آہ آتشیں سے بالِ غنقا جل گیا
عرض کیجئے جو سہرا اندیشہ کی گری کہاں
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا میں جل گیا

دل نہیں تجھے کو دکھاتا اور نہ عاشق کی بہد
 عشق کی آگ کا یہی طریقہ ہے کہ عاشق
 صبر و ضبط سے کام لیتا ہے اور آگ
 خفیہ و غیبی اس کا دل بھاتی رہتی ہے۔
 ۲۔ **شرح :** دل میں وصل کا شوق
 اور محبوب کی یاد تک باقی نہ رہی یہی
 اس کی سب سے بڑھ کر قہریت اور عجز
 شاعر مثنیٰ۔ مگر یا اس گھر میں ایسی آگ لگی کہ تو کچھ بھی اس میں نہ تھا۔ سارے کا سارا اصل
 کر جسم ہو گیا۔

کہا جا سکتا ہے کہ وہ عشق کیا جو اس میں محبوب کی یاد اور وصل کا شوق ہمیں
 سمجھتے نہ تھا۔ معلوم ہے کہ یہ دونوں چیزیں عشق کا مرکز اور نصب العین ہیں۔ اس
 نقطہ میں شعر کی دو تاویلیں ہو سکتی ہیں : ۱۔ آہل نفس عشق کی فراوانی سے دل میا مانا
 قلب وصل کر لیا کہ محبوب کی یاد اور وصل کے شوق کے لیے گنہائش ہی باقی نہ رہی
 گویا دل سزا پا عاشق بن گیا۔ دوسرا پہلو یہ ہو سکتا ہے کہ محبوب کی مسلسل بے اعتنائی
 اور تنگ دلی سے عاشق کی یاد میں آخری مد تک پہنچ گئی جس کے بیان
 کے لیے عاشق کو زیادہ مؤثر صورت یہی نظر آئی کہ جو چیزیں عشق کی جان نہیں بھین
 بھی موجود نہ رہے۔ وہ کہتا ہے چاہتا ہے کہ ورنہ ایسی صورت اختیار کر چکی
 ہے جس کے پیش نظر فوق وصل اور یاد کا وجود ہی ممکن نہ رہ گیا ہے۔

۳۔ **شرح :** میں عدم سے بھی آگے نکل گیا۔ یعنی اس درجہ عدم ہو گیا کہ
 عدم ہی میرے مقام کے تعلق میں وجود کی حیثیت رکھتا ہے اور نہ جب تک عدم
 میں عدم فنا میں حاق و دارا ایسا ہو کہ میرے دل میں آگ پر سانسے والی جواہر عاشق
 مثنیٰ اس سے عشق کے بریل باتے تھے۔

کہا گیا ہے کہ غالب کے اس شعر کا معنی یہ ہے کہ صندریہ ذیل شعر سے
 جتنا نہیں ہے ؟

جو مضافیہ نیازِ عرض ایجاباً

یعنی آن سو سے عدم یک عالم آبادی

اس کا ترجمہ یہ ہے، ہم مضافیہ کی طرح اپنی ایجاب یعنی وجود پذیری کو پیش کرنے سے بے پردہ ہیں۔ ہم عدم سے آگے رہتے ہیں اور بھاتے خود ایک آباد دنیا میں ظاہر ہے کہ دونوں شعروں میں اس کے سوا اشتراک کا کوئی پہلو نہیں کہ غائب کی طرح تبدیل کے شعروں میں مضافیہ اور عدم کے لفظ آئے ہیں۔

۴۔ لغات - جوہر اندیشہ : سوچ بچار اور خود فکر کا جوہر۔ جوہر اس چیز کو کہتے ہیں جو قائم بالذات ہو۔ اس سے مراد اسے کا وہ ذرہ لیتے ہیں، جس کا تجزیہ نہ ہو سکے اسی لیے اسے جزو لا تجزئئی کہتے تھے، لیکن معلوم ہے کہ یہ نظریہ قوت ہوئی لفظ ثابت ہو چکا ہے اور اب جوہر یعنی ایشم کا تجزیہ کر کے ایسی قوت دریافت کر لی گئی ہے جسے بے پناہ مانا جاتا ہے۔ عجیب امر یہ ہے کہ غائب نے اس شعروں جوہر کا یہ پہلو پیش نظر رکھا ہے۔

تشریح : میں سوچ بچار اور خود فکر کے جوہر کی گری کہاں ظاہر کروں ؟ کسی مقام پر دکھاؤں ؟ کیونکہ معرزی بیان میں لازماً ہمدستِ حالی یہ ہے کہ وحشت کا خیال آتے ہی صحرا جل کر خاک ہو گیا۔ وحشت میں صحرا گردی ہی پیش نظر تھی، مگر صحرا جوہر اندیشہ کی گری کا تصور بھی برداشت نہ کر سکا۔

آج جوہر یعنی ایشم کی قوت مرزا کے اس بیان کی تصدیق کر رہی ہے یعنی دعائی ہو چکا ہے کہ کوئی شے اس کا تصور بھی داغ میں سے آئے تو ہل کر خاکستر ہو جائے۔

۵۔ لغات - چراغاں : سب سے چراغ، لیکن اس لفظ کو چراغ کی بجائے نہ سمجھنا چاہیے۔

کارفرما : حاکم، دوسروں سے کام لینے والا۔

تشریح : میرے پاس دل ہی نہیں رہا، نہ تھیں دھڑکتا کر سینے کے داغوں کی بہار کا کیا رنگ ہے۔ میں کیا کروں، داغوں کے ان بے شمار چراغوں کا انتظام

کرنے والا اور ان سے کام لیتے والا ہی باقی نہیں رہا۔

شعر میں سینے کے داغوں کو چراغاں سے تشبیہ دی ہے اور دل کو اس چراغاں کا منظم کار فرما بنا دیا ہے۔

۶۔ لغات۔ افسردگی : پژمردگی، دل بچھ جانا۔

تپاک۔ محبت کی گرم جوش۔ اضطراب۔ بے قراری۔ بیاں : طرز تپاک سے مراد اہل دنیا کی منافقت اور دنیا کاری ہے جس کی وجہ سے دل بچھ گیا۔

تشریح : اہل دنیا کا رویہ کارنامہ برتاؤ دیکھ کر دل اس طرح جل بچھا ہے کہ اسے لغات : تمام آرزوئیں اور تمناؤں ختم ہو گئی ہیں۔ صرٹ افسردگی و پژمردگی کی آئینہ رو باقی رہ گئی ہے۔

افسردگی اور تپاک کی مناسبت مناسب بیان نہیں۔



۱۔ لغات۔ شوق : عشق۔

سیر رنگ : ہر حال اور ہر صورت

میں۔ یہ ہر طور۔

رہیب : دشمن۔ مخالفت۔

تشریح : ۱۔ اسی شعر کی شرح غود

مرزا غالب نے اپنے شاگرد عبدالحق

شاکر کو لکھ کر پور کوں کہی تھی۔

”تجرب یعنی مخالفت یعنی شوق سروسامان

کا دشمن ہے۔ یہاں ہے کہ قیس جو رنگ میں لگا

شوق بہ رنگ رقیب سروسامان لگا

قیس تصویر کے پردے میں بھی غرایں لگا

زخم نے وا دہ دی تنگی دل کی یاد سب

تیر بھی سینہ پہل سے پرانٹاں لگا

بوسے گل : نالہ دل، خود چراغ محفل

جو تری بزم سے لگا سو پریشاں لگا

دل مسرت زدہ تھا مائدۂ لذت بہ دور
ہی تصویر کے ہوتے ہیں بھی لگا ہوا۔ علت
کامیابیوں کا۔ لہذا بہ لب و لہذاں لکھا
۱۔ سب سے کہ مینوں کی تصویر مانی

اب اس کی تصویر بناتے ہیں تو اس میں اس دیوانے کو پہنچ ہی پیش کر سکتے ہیں۔
رنگ تصویر پر دے اور حوالے کی مناسبت واضح ہے۔

۲۔ لغات : داؤد دنیا : زائل نہ کرنا۔

پرفاشاں : پر عبادت ہو۔ تیر کی لوک بینی پیکان کے دونوں جانب پر سے
لگے ہوتے تھے تاکہ تیر کمان سے نکلنے ہی سیدھا نشانے پر جا بیٹھے۔

شرح : اسی شعر کی شرح کرتے ہوئے غائب شاہ کو کہتے ہیں :

۱۔ ایک بات میں نے اپنی طبیعت سے نکال ہے، جیسا کہ اس شعر میں :

نہیں نہ میرا بہت ہوا بہت پیکان

وہ نہ تم تیغ ہے جس کو کہ دکھتا کیے

یعنی نہ تم تیر کی توہین بہ سبب ایک دھند ہونے کے اور تو اس کے نہ تم کی

تھمیں بہ سبب ایک طاق ماکھل جانے کے۔ نہ تم نے داؤد کوئی لگا رہا

کی۔ یعنی زائل نہ کیا تگی کو۔ پرفاشاں، بہ معنی جیاب اور یہ بظہر تیر کے

مناسب حال ہے۔ معنی یہ کہ تیر تگی دل کی داؤ کیا دیا، وہ تو خود

خیر مقام سے گھبرا کر پرفاشاں اور سرا سید نکل گیا۔

تیر کا نہ تم اتنا معولی تھا کہ اس سے دل کی تگی زائل نہ ہو سکی اور اس میں کوئی

خزائی دکھا دی پیدا نہ ہوئی۔ اس کے برعکس مشاہدہ بتا ہے کہ تیر دل کی تگی کے

باعث سید بسمل سے پڑ کر ہوا باہر نکل گیا اور جاتے جاتے اس کے پر بھی چڑ گئے۔

۳۔ شرح :۔ بھول کی خوشبو، دل کی آواز و نشان اور چراغ کا دھواں، ان

میں سے جو بھی چیز تری پریم سے نکلی، آشفۂ درویشاں ہی نکلی

شاعر نے عشاق کی پریشانی کا سہرا کرنے کے لیے تین چیزیں ہیں جو اصل
تعلیق تھیں، لیکن ان میں ایک خاصیت یعنی پریشانی مشترک پائی گئی اور تینوں
کو محبوب کی ہزم سے خاص تعلق تھا۔ اول بھونوں کی خوشبو جس کا خاصہ ہی پریشانی
جونا ہے، دوم عشاق کے دل کا تالہ، سوم چراغ کا دھواں، مطلب یہ ہے کہ ہر پہلو
کی ہزم سے جو بھی چیز نکلتی ہے، یعنی محبوب سے جدا ہوتی ہے وہ پریشانی ہی
پائی جاتی ہے۔

بیشک ان تین چیزوں کی خاصیت ہی پریشانی ہے، قابل توجہ امر یہ ہے کہ
مرزا نے شعر میں ہزم محبوب سے نکلنے کو ان کی پریشانی کا موجب قرار دیا۔

۴۔ لغات - مائتہ : دسترخوان

تشریح بہر اول سہرت کا ماسا ہوا تھا اس کے دسترخوان پر نشست درد
کے کھانے پیتے ہوئے تھے۔ دوستوں نے اپنے دانتوں اور ہون کی حیثیت
یعنی اپنی استعداد اور استطاعت کے مطابق ان کھانوں سے فائدہ اٹھایا، میر جہ
پاس نشست درد کے سامان کی کمی نہ تھی۔ اس میں سے دوستوں نے اپنی اپنی
قابلیت کے مطابق استفادہ کیا۔

شاعر یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ میر جہ استعداد میں فہم درد کے سرائے کی کوئی
کمی نہیں، لیکن سہرہ درد اور سرمایہ نہیں سمیٹ سکتا، جس شخص میں جتنی دولت
اور ثروت ہوتا ہے۔ اسی کے مطابق میر جہ دسترخوان درد سے وہ حصہ پاتا ہے،
یعنی کار و بارہ کس کے لیے بند نہیں، مگر فیض ہر شخص کو اسی کے ظرف کے
مطابق ملتا ہے :

دیتے ہیں بارہ ظرف قدر تو اور دیکھ کر

۵۔ لغات - لونا مونہ جس نے بڑھنا شروع کیا ہو، بدمی -
دشوار پسند، جسے مشکل کام پسند ہو۔ یہ کام سے اشارہ کا ارتقا کی

مرتب ہے ۔

تشریح :- میری بہت مشکل کاموں کو بہت پسند کرتی تھی ۔ اگرچہ اس نے
لنا کا سبق بتایا تھا شروع کیا تھا ، لیکن معیبت یہ پیش آئی کہ ہندی اور نوآئین
ہونے کے باوجود اسے یہ کام بھی بہت آسان معلوم ہوا ۔

مطلب :- ہے کہ شاعر نے اپنے لیے ناکام اختیار کیا تھا ، جو اس کے
نزدیک اس لیے پسندیدہ تھا کہ اس کی بہت مشکل کاموں ہی کو دینی رغبت سے
اختیار کرتی تھی ، لیکن یہ حدود جو کھٹن کام بھی اس کی بہت کو آسان نظر آیا اور
نوآئین کے باوجود وہ ناکامی منزل طے کر گئی ۔ شاعر یہ کہنا چاہتا ہے کہ میری
بہت کے لیے جو ناکامی معمول سا کام سمجھتی ہے ۔ کوئی ایسا مشکلہ چاہیے ، جو
تھا سے بھی بدرجہا زیادہ کھٹن جو ۔

اس شعر کے بعض نسخوں میں تھی " کہ جگہ " اے " اور ہے " ہے جس سے
صنفوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا ۔ تھی " دکھا جائے یا " اے " یا " ہے " شاعر جیسی
اور العزلی کا دال ہے ، وہ تینوں صورتوں میں بدستور واضح رہتی ہے ۔

۶۔ تشریح :- اے نائب ! میں نے گریہ ضبط کر رکھا تھا اور سمجھتا تھا کہ
اس کی حیثیت قطرے جتنی بھی نہیں ، لیکن اب اندر میری گریہ میں جوش و خروش
رہنا ہوا ، نوآئین ہو گیا کہ جسے میں قطرے سے بھی کم سمجھتا تھا ، وہ تو یکسر
ٹوٹا ہے ۔



عشق شہرہ پیشہ طلب کار مرود تھا	دھمکی میں مر گیا ، جو نہ باب شہرہ تھا
اڑنے سے شیر بھی مراد لگ لگا تھا	تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
بحر و خیال ابھی فسر و فسر تھا	تاریف نظر دیتے وہاں کر با تھا نہیں

دل تاجگر کہ ساحلِ دریا سے ٹولے ہے اب اس رہ گز میں جلوس گل آگے گرد تھا
 بھائی ہے کوئی پکٹکش اندوہ عشق کی دل بھی لگ گیا تو وہی دل کا درد تھا
 امباب پارہ سارہی وحشت نہ کر سکے نہ انداں میں بھی خیال بیابان نور تھا
 یہ لاشیں بے کفن آسپہ خستہ جہاں کی ہے حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا
 ۱۔ لغات - باب نبرد : جنگ کے لائق، مقابلے کی صلاحیت رکھنے والا
 بہادر - جوانمرد -

نبرد پیشہ : جنگجو، جس کا پیشہ جنگ ہو۔
 شمع : جو شعلہ بہادر اور مرد میدان نہ تھا وہ عشق کی شعلوں اور
 صیبتوں کے یس کا صفت خطرہ دیکھ کر دم توڑ بیٹھا۔ عشق کا پیشہ ہی جنگ و پیکار
 ہے۔ اس کی مصیبتیں اور آفتیں وہی نہہ سکتا ہے جو مرد کار ہو، یعنی جس میں
 زیادہ سے زیادہ ہمت، مردانگی اور مصیبتوں کے مقابلے میں استقلال ہے۔ قدم
 ہلانے رکھنے کا جو ہر موجود ہو، مختار دے آدمیوں کے لیے سزاوار نہیں کہ وہ
 میدانِ عشق میں قدم رکھیں۔

عراقی کا ایک مطلق ہے جس میں بھی یہ حقیقت پیش کی گئی ہے، اگرچہ انداز
 مختلف ہے :

عشق اگر مرد است مرد سے تاب دیدار آلود

درد خیز توئی مومن آلود و بسیار آلود

۲۔ شمع : یہ لہجہ پُر زندگی، محرومیت کا خوف، غلامی رہا اور غوث کے باعث
 انسان کا رنگ اصل حالت پر نہیں رہتا، اس میں زہری آجاتی ہے، شاعر کہتے ہیں کہ
 مرنے کے ساتھ چہرے پر جو زہری اور زردی چھا جاتی ہے، اس سے پہلے میں میرا

دماغ زندہ رہی تھا، حکومت کے خوف سے پیدا ہو رہا تھا۔ خوف پر کہ زندہ گی جیسی گزرتی
چاہیے تھی، نہ گزری۔ خدا جانے مرنے کے بعد کیا حالت پیش آئے اور کسی گزرے۔
شعر میں جو غلطی منا جہتیں ہیں، وہ کسی تشویش کی محتاج نہیں۔
۳۔ لغات - تالیف : جمع کرنا، ترتیب دینا۔

شرح :- جب میرے خیالات کا شیرازہ بکھرا ہوا تھا اور انکار کے اور باقی
منتشر تھے، میں میں غفلت کے عالم میں تھا۔ معلوم ہے کہ غفلت کی حالت میں انسان کے
خیالات دافکار اکٹھے نہیں ہوتے، جیسے پھنگلی کی منزل پر پہنچ جانے کے ساتھ
اکٹھے ہو جاتے ہیں، میں اس زمانے میں بھی دماغ کی کتابیں مرتب کر رہا تھا، گویا
دو غفلت میں بھی مجھے عشق ہی سے دلچسپی تھی اور اس زمانے میں میں پختہ کار غافل
کی سی حیثیت حاصل تھی۔

۴۔ لغات - گرد تھا : بے حقیقت تھا۔ بیچ تھا۔

شرح :- اب دل سے بگڑناک خون کے دریا کا کنارہ بنا ہوا ہے۔ اس
راستے میں پہلے چھوٹوں کا جلوہ بھی بے حقیقت اور بے حیثیت معلوم ہوتا تھا یا یہ
کہ میرا راستے میں گرد و غبار ہوتا ہے۔ اس راستے میں پہلے چھوٹوں کے جلوے کو
گرد و غبار کی حیثیت حاصل تھی۔

دورانیے خون کے بہا سے ماحول دور یا نکلنے لاسے سے بظاہر یہ مستعد ہے
کہ دل اور بگڑدہ خون ہوئے اور اس خون نے ایک دریا کی حیثیت حاصل کر
لی۔ خون ہر چہ کہ اب صرف ماحول باقی رہ گیا ہے، اس سے اس مقام کی بے رونقی
اور ویرانی نمایاں ہوتی ہے۔

شعر کا مضمون یہ ہے کہ جہاں اب جانکا ہی اور بگڑ گزاری کے سوا کچھ نظر
نہیں آتا، وہاں پیشتر عیش و نشاط کی بہترین جہاں تھی۔

۵۔ شرح :- عاشق کو غم عشق کی کشمکش سے کہیں نہات نہیں تھی۔ اگر دل
پہلو سے نکلی جی گیا ہو تو اس کا بکل جانا ہی دل کا درد ہی جانا ہے۔ یعنی جب تک

دل پہنچیں تھا۔ وہی غم و اندوہ کا مرکز تھا۔ دل چاہ گیا تو اس کے جانے کا غم شروع ہو گیا ہے غرض کسی بھی صورت میں غم کی کنیہا تانی سے خلص نہیں ملتی۔

۶۔ لغات۔ پیارہ سائری : صراح۔ دراز۔

میا بان نورد : صحرائیں آزادہ پھرے والا۔

تشریح : یہ دوست اور بہادر میری وحشت کی حالت میں صراح کی کوئی تصویر ذکر کیے۔ اس کے پس میں صرحت یہ تھا کہ مجھے قید کر دیتے تاکہ یہ حالت دیوانگی یا سرنگن کر بیابان میں نہ پہنچ جاتا۔ اس طرح انھوں نے میرا جسم تو قید میں ڈال دیا لیکن میرا خیال برابر بیابان نوردی میں سمروٹ۔ ۱۔

ظاہر ہے کہ وحشت و دیوانگی کا علاج محض جسم کو قید خانے میں ڈالنے سے نہیں ہو سکتا، ضروری ہے کہ خیالات سے بھی وحشت دور کی جائے، ورنہ یہ بجا پا رہے ہیں کہ ایک تہذیب نورد ستون نے کوئی، اگر دوسری کا کوئی انتقام نہ کر سکے۔

۷۔ تشریح : یہ نقش : جسے کفن نصیب نہیں ہوا، اشد کی ہے۔ پریشان حال تھا اور جس کی ہاں زخموں سے چور تھی۔ اشد تعالیٰ اسے بخشے، وہ بڑا آزاد انسان تھا۔



۱۔ لغات۔ شبح : قبیح۔ ۱۱۔ شمار شہر، مرغوب بہت مشکل پسند آیا

مرغوب : جس کی طرف رغبت ہو پسندیدہ

تشریح : یہ ہمارے محبوب کو، جسے

مشکل کام پسند ہے، تبصرہ پھرنے سے بڑی

زحمت ہے۔ اس طرح اسے سوال ایک

پیشہ پسند ہے، تو میری جاوید آساں ہے

کٹافش کو ہمارا عقدہ مشکل پسند آیا

ہی مرتبہ نفس میں لے لینے کا تا شاہچہ
 معلوم ہوتا ہے۔ مگر یا اس کی تسبیح خوانی
 درود و تہلیل کے لیے نہیں، بلکہ وہ
 خود دل ایک ہی مرتبہ قبضے میں لے
 لینے کی مشق کرتا ہے۔

مبارک باد اسد غمخوار جان درود مند آیا
 تسبیح کے خود اسے ہوسٹہ ہیں۔
 محبوب کے ہاتھ میں تسبیح دیکھ کر دل یا شہ شاد کو بہ خیال فزا کہ محبوب خود خود دل
 تسبیحی میں لے رہا ہے۔

بعض اصحاب نے لکھا ہے کہ مرزا کا یہ شعر غنی کا شعیری کے شعر ذیل سے
 ماخوذ ہے۔

ہو گشتا میں مدد از مقری تسبیح می آید
 کہ مدد دل مضطرب گرد و چرکبک دل یا بد آید

یعنی امام تسبیح سے یہ آواز میرے کان میں آ رہی ہے کہ خود دل پریشانی کا تھوڑا مشق
 جتنے ہیں تو ایک دل کو آرام نصیب ہوتا ہے۔

غنی کے پیش نظر یہ حقیقت ہے کہ تسبیح خوانی میں امام شامل نہیں ہوتا، خود انوں
 ہر اندھ پھر تاجا کرتا ہے اور امام الگ رہتا ہے۔ اس سے یہ معنون پیدا کر دیا کہ خود
 دونوں کے پریشان ہونے کے بعد ایک دل آرام پاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ دونوں شعروں میں "مدد دل" اور "تسبیح" کے لفظوں کے ہوا
 کوئی وجہ اشتراک نہیں۔

۴۔ لغات - بیدلی : عاشقی، اندر وگ، مایوسی

مشریح - بیدلی کی برکت سے ہم اتنے بے نیاز ہو چکے ہیں کہ ہمارے لیے
 ہمیشہ کی مایوس و ناامیدی بھی سہل ہو گئی ہے اور اس کا برداشت کر لینا ہرگز مشکل
 نہیں۔ کشافش یعنی عقدے سمجھانے کی صلاحیت کو ہمارا مشکل عقدہ پسند آ گیا ہے۔

اور وہ نہیں چاہتی کہ یہ مقصد کھلے۔ وہ جس حالت میں ہے، ہمیشہ اسی حالت میں رہے گا۔ کشود کار کی قربت مانگے گی۔

نہا۔ لغات۔ جوا : آرزو۔ خواہش

بہ خون غلطیدن : خون میں لوٹنا۔ تڑپنا، ملت پت ہونا۔

شرح :۔ ہمارے قاتل محبوب اسے پھولوں کی مسیر کے پیچے خواہش کی ہے تو یہ نہ سمجھتا کہ اس کا مقصد تفریح ہے، بلکہ اسے خون میں سمیٹوں کے لوٹنے اور لوٹنے کا سہا پہن ہے۔ یہ خواہش اس کی بیوردی اور سنگینی کا نقشہ پیش کر رہی ہے۔

پھولوں کے تختے میں نسیم چرات ہے تو سرخ سرخ پھول بنے گئے ہیں، شاعر نے یہ منظر دیکھا تو اسے یاد آگیا کہ سبیل بھی خون میں اسی طرح لوٹا اور تڑپا کرتے ہیں چنانچہ اس نے سمجھ لیا کہ محبوب کے پیش نظر پھولوں کی مسیر نہیں، بلکہ سمیٹوں کے تڑپنے اور لوٹنے کا نظارہ ہے، جو اسے بہت پسند ہے اور یہی اس کی بے مری کا ثبوت ہے۔

م۔ لغات۔ براحت : زخم

ارمٹاں : تھق

شرح : اسے اتنا مبارک ہو کہ تیری دکھی جان کے لیے عشق ایسے غلطے دیا ہے، جو اس کی علم خواری کریں گے۔ مثلاً زخم، الماس، جس سے زخم بڑھتے ہیں، جگر کے داغ۔

یہ تمام چیزیں تکلیف و اذیت کا باعث ہیں اور درد مند جان کے لیے یہی موزوں تھق ہو سکتے تھے، اسی لیے شاعر نے اپنے آپ کو مبارک باد دی، یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ شعر بطور طنز کہا گیا ہے۔

دہر میں نقش وفا و صبر تسی نہ ہوا ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا
 سبزہ خط سے ترا کا کل سرکش نہ دیا یہ زمر و بھی حریف دم افغنی نہ ہوا
 میں نے چاہا تھا کہ اندر و دنا سے چھوٹو وہ سنگ مر مر سے مرنے پر بھی راضی نہ ہوا
 دل گزرا کہ خیال سے و سا غری سہی گر نفس جبارہ سر سبز لب تقویٰ نہ ہوا
 جوں ترے وعدہ نہ کرنے پر بھی راضی کئی گوش منت کش گلبا نگب تسی نہ ہوا
 کس سے محدودی قسمت کی شکایت کیجئے ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں، سو وہ بھی نہ ہوا
 مر گیا صدر نہ یک جنبش لب سے ثابت تا توانی سے حریف دم بھیلی نہ ہوا
 ۱۔ لغات۔ نقش : تحریر۔ نام و نشان۔ تہذیب۔ تصویر۔ یہاں بظاہر مراد
 نام و نشان ہے۔

شرمندہ معنی ہونا : معنی کی شرمندگی اضا یا یعنی ہامی ہونا۔
 شمرج : زمانے میں وفا کا نقش دل کے لیے نسل اور الطین کا یا عمت
 نہ ہوا۔ یہ تو ایسا لفظ معلوم ہوتا ہے جس کے کوئی معنی نہیں، بلکہ سراسر مصل ہے۔
 لفظ "وفا" کا تذکرہ زبانوں پر تو بہت ہے، مگر تین حرفوں کے اس مجموعے
 سے کسی کو اس وقت تک کیا تسکین ہو سکتی ہے جب تک اس کی حقیقت اور
 مصونیت پر عمل نہ ہو، یعنی لوگ وفا کا عمل منہ پر نہ کریں۔ اگر یہ ممکن نہیں تو یہ لفظ
 کوئی معنی نہیں رکھتا اور بے وجہ زبانوں پر جاری رہتا ہے۔

شاعر کا مقصود یہ ہے کہ آئے زمانے میں وفا کی عمل تصویر کہیں نظر نہیں آئی،
 لوگ مر مر رہا کر ہی سے یہ لفظ استعمال کرتے رہتے ہیں۔ غالب نے حسن بیان
 سے اس ضمن میں ایک خاص حیاں پیدا کر دی۔ سجدگی نے ہی مصنفین و دوسرے
 ائمہ میں پیش کیا ہے۔

یا وفا خود بخود در عالم
یا کسے اندر میں نہ مانا نہ کر

یعنی یا تو یہ سمجھنا چاہیے کہ دنیا میں وفا کا وجود ہی نہ تھا یا ہمارے زمانے میں
کسی نے اس پر عمل نہیں کیا۔ سعدی نے دو صورتیں پیش نظر رکھیں، یعنی یا تو وفا
حق ہی نہیں یا ہمارے زمانے میں مناسب ہو گئی۔ غالب کا بیان یہ ہے کہ وفا کا لفظ
تو بوجہ ہے، مگر اس کی حقیقت گم ہے اور یہی حقیقت ہے۔

۲۔ لغات۔ کا کل : سر کے وہ بال جو دونوں جانب آگے کی طرف
لٹکے ہوئے ہیں۔ اس کی صفت سرکش قابل توجہ ہے۔

زمرہ : ازم اور تیزیوں پر پیش اور پر تشدید، پیش قیمت پتھروں
میں سے ایک۔ جس کا رنگ سبز ہو تا ہے۔ اسی سے شعر میں اسے سبز خط
سے تشبیہ دی گئی ہے، بعض اساتذہ نے یہ کو مفتوح بھی لکھا ہے۔
سحریت : قیہ مقابل، دشمن۔

افعی : کھڑا سانپ، بوسیت زہر خوا اور مودی ہوتا ہے۔ اسے کاکل سے
تشبیہ دی گئی ہے۔

شرح : اسے محبوب انیرا سبز خط کا کل کو دانا سکا۔ یعنی اس پر کچھ اڑ
ڈال سکا اور اسے پیچھے نہ بٹا سکا۔ اگرچہ اس کی حیثیت زمرہ کی تھی، مگر زمرہ
کا سے اور مودی سانپ کی پھٹکار کا قیہ مقابل نہ ہوا۔

شکر کا معنوی فارسی اور اردو ادب کی اس مشہور عام روایت پر مبنی ہے کہ
زمرہ کو دیکھ کر افعی سانپ اٹھا ہو جاتا ہے۔ خود مرزا غالب صاحب عالم فارسی
کو گفت، انصاف کے سلسلے میں قبول دعا کے مسئلے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ :
”مبتدعہ معنایں مغربی ہے، جیسے کن کا پر تو ہوا میں پھٹ جاتا اور

زمرہ سے افعی کا اٹھا ہو جاتا۔ آصوت الدولہ نے افعی کاٹش کر کے
سنگوایا اور شکر کا زمرہ اس کے سناڈی چشم رکھتے۔ اس کا کچھ اثر نہ ہوا

ایران دردم و فرنگ سے انوار انوار کے کپڑے منگوائے پلاندنی
میں پھیلے، کوئی مسکا بھی نہیں۔

شاعر کا مطلب یہ ہے کہ محبوب کے چہرے پر خطہ نکل آئے سے کاکل کی
دکھائی وردہ و بڑی میں کوئی حزن نہیں آیا۔

۳۔ شرح :- میں نے پایا تھا کہ مرباؤں اور اس طرح دنیا کے غم و درد
اور مصیبتوں سے سمات حاصل کر لوں اور دنیاوی کے تقاضوں کو پورا کرنا سمیت
پریشانی اور گرفت کا باعث ہے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ محبوب کا پیشہ ہی ظلم و
اور جور و جفا ہو، لیکن ظالم محبوب میرے مرنے پر بھی راضی نہ ہوا اور مجھے دنیا
کے رنج و غم سے مخلص نہ کر سکی۔

شعر کا یہ پہلو خاص توجہ کا محتاج ہے کہ عاشق اپنے محبوب کے جور و جفا کے
باوجود دنیا کے تقاضے پورے کر رہا ہے۔ جب وہ سمجھتا ہے کہ تقاضے پورے
کرنا ناقابلِ برداشت مصیبتوں کا سامان ہے اور ان سے رہائی پانا چاہتا ہے تو
اس حالت میں بھی اپنی خواہش پر محبوب کی رضا کو ترجیح دیتا ہے۔ یہی حقے عاشق
کا خاصہ ہے۔ محبوب عاشق کے مرنے پر غالباً اس لیے راضی نہ ہوا کہ یہ امر اس
کی بدنامی کا باعث تھا۔

۴۔ لغات :- جادو : راستہ، گھنٹہ ڈی۔

تقویٰ : جسے شاعر نے ایرانیوں کے طریقے کے مطابق تقویٰ یا خدا
جسے (مثلاً جیسی، میل، ٹیلن) پر ہیز گاری۔

شرح :- میرادل شراب اور ہلے کے خیالات کی گزر گاہ ہی نہیں
اگر میرا شمس پر ہیز گاری کی منزل کے لیے گھنٹہ ڈی نہ بن سکا تو کچھ مضائقہ نہیں۔

شاعر کہتا ہے چاہتا ہے کہ اگر مجھے پر ہیز گاری نصیب نہیں تو رندی اور سہیلی
ایک جو دونوں میں سے ایک حالت کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ یہ مناسب نہیں کہ نہ
رندی ہو نہ لگو گاری۔

۵۔ لغات - میت کش ۱ احسان اعطائے والا۔ منون

گلاب گنگ ۱ چندوں اور شطروں کی آواز۔ بیل کی آواز۔ اچھی آواز اور خوشخبری۔ وہ شور و جوش کے موقع پر لوگوں میں اٹھتا ہے۔ مطلق آواز کے معنی میں مستقل ہے۔

مشریح : اسے محبوب اٹھنے پر سے شے کا وعدہ نہ کیا۔ میں اس پر یمنی ہوں۔ کیونکہ میرے کان نے تسلی کی اس اچھی آواز کا احسان نہ اٹھایا۔ مطلب : ہے کہ تود وعدہ کر ہی لیتا تو اس کے پورا ہونے کی کوئی امید نہ تھی کیونکہ تیرا شیوہ یہی ہے کہ وعدے پر کسے نہ کیے جائیں۔ وعدہ نہ کرنے سے اتنا تو فائدہ ہوا کہ کان مفت کے احسان سے محفوظ رہے۔ محبوب کا وعدہ کر لینا عاقلانہ دیا ہی تھا۔ بیسا وعدہ نہ کرنا۔

۶۔ مشرَح : میں خوش نصیبی سے اس درجہ محروم ہوں کہ اس دنیا میں جس خواہش کے لیے شاید ہی کوئی تیار ہو، یعنی مر جائتا میں اس کے لیے بھی تیار تھا۔ لیکن یہ خواہش بھی پوری نہ ہوئی، یعنی مرنا بھی تیسرے آسکا۔ یہ محرومی دنیا کی انتہا ہے۔ مگر شکایت کس سے کی جاسے؟ فریادے کر کس کے پاس جائیں؟ ۱۔ لغات - جنبش لب : لب جانا۔

دوم حبیبی : حضرت حبیبی کا دم یعنی تم یا ذن اللہ اللہ کے حکم سے اٹھ کر کنا ہمیں سے مڑے زندہ ہو جاتے تھے۔

مشرَح : غائب اس قدر ناتوان، ضعیف اور کمزور تھا کہ حضرت حبیبی نے مجزہ تم یا ذن اللہ سے کام لینا یا ۱۰۔ آپ کے لب پہلے تو اسی حد سے غریب غائب کی بیان نقل گئی۔

ناتوانی اور ضعف کی انتہا ہے کہ زندگی بچھنے والا، مجاہد ہی موت کا باعث

ہو گیا۔

۱۔ لغات - ستائش گر :
تعریف کرنے والا - مراح ۔
پاریخ رضواں : دار و نہر
بہشت کا باغ یعنی بہشت ۔
علاق نسیاں : وہ علاقہ
جس میں انسان کچھ رکھ کر بھول
جاتے ۔

شرح : - زاہد جس
بہشت کی اس قدر تعریف کر رہا
ہے کہ ہم بخودوں کے نزدیک
اس کی حیثیت صرف اتنی ہے
جیسے ایک گلہ ستہ جو اور اسے
خاق پر رکھ کر بھول جاتیں ۔

مولانا عاتق فرماتے ہیں کہ
”بہشت کو بخودوں کے گلہ ستہ
علاق نسیاں سے تشبیہ دینا بالکل
ایک نرالی تشبیہ ہے جو کہیں
نہیں دیکھی گئی“ فارسی میں بھی
مرزا غائب نے جنت کو نقش و نگار
علاق نسیاں کہا ہے :

رنگ باجوں شد ذرا ہم معرفت دیگر داشت
نمود نقش و نگار علاق نسیاں کردہ ام
غائب نے بہشت کو گلہ ستہ

ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغ رضواں کی
وہ اک گلہ ستہ ہے ہم بخودوں کے علاق نسیاں کا
بیاں کیا کیسے بیدار کاوش ہائے مڑگاں کا
کہ ہر اک قطرہ غلوں دانہ ہے تسبیح مرہاں کا
نہ آتی سطوت قاتل بھی باغ میرے تالوں کو
لیا دانتوں میں جوتکا ، ہوا ریشہ غیبتاں کا
دکھانوں کا تماشا ، وہی اگر فرصت زمانے نے
مرا ہر و باغ دل اک تخم ہے سر و چراغاں کا
کیا آئینہ زمانے کا وہ نقش تیرے جلو سے نے
کرے جو پر تو نور شہید عالم شہنشاہ کا
مری تعمیر میں مسخر ہے اک صورت خوابی کی
نیوٹی برقی خرمں کا ہے خون گرم دہتاں کا
اگلا ہے گھر میں ہر سو سبزہ ، ویرانی تماشا کر
مدار اب کوہ نے پرگھاس کے ہے سیر و باں کا
فحوشی میں نہاں خون گشتہ لاکھوں آرزو تیں ہی
پھول مرودہ ہوں ہی ہے زباں گور غریباں کا

منور اک پر تو نقش خیال یاد باقی ہے !
 دل افسردہ گویا مجھ سے یوسف کے ملاں کا
 بغل میں غیر کی آپ آج سونے میں کہیں ورنہ
 سبب کیا بد خواب ہیں اگر قسم اٹھائے نہیاں کا
 نہیں معلوم کہیں کہیں کا لہو پانی پتھر اور گوا
 قیامت ہے اسر شک آلودہ جو تاثیر کرگاہ کا
 نظر میں ہے ہمارے جادو دار و فنا غالب
 کہ پر شیرازہ ہے عالم کے اجڑائے پریشاں کا

حلق نہیاں کہہ کر معنی تشبیہ اور جس میں
 ہی کے کلمات نہیں دکھائے بلکہ
 اجڑائے اعمال کے متعلق اپنا فلسفہ
 جس پیش کر دیا ہے وہ یہ حقیقت
 واضح کرنا چاہتا ہے کہ ہم بخود اور
 خداست اپنے اعمال کی جزا کے لیے
 ہیئت کے خواہاں نہیں ہم تو ہیئت
 کی یاد ہی دل سے نکال چکے ہیں اور
 اسے گھڑے حلق نہیاں بنا چکے ہیں
 ہمارے پیش نظر صرف خدا کی رضا اور
 اس کے حکموں کی تعمیل ہے چنانچہ
 وہ دوسری جگہ کہتے ہیں۔

طاعت میں ہمارے دے دیا نہیں کی گاہ

دور رخ میں ڈال دو کوئی سے کر ہیئت کو

۲۔ لغات - مرجان : مونگا ، سندر میں خاص قسم کے کیڑے عادت بن

سے اپنے لیے گھر بناتے ہیں جو سرخ رنگ کا ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ گھر وسیع
 چٹانوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جو شاخ و در شاخ دور دور تک پھیل جاتی ہیں۔
 پرانے زمانے کے لوگ مونگے کو محاذ است و نباتات میں ایک اتصال کڑی سمجھتے تھے
 لیکن مونگے میں محاذات نے پہلے پہل نباتات کی شکل اختیار کی، چنانچہ وہ محاذات
 سے بھی بنائے گئے۔ کیونکہ پتھر جو تاسے اور اس میں نباتات کی بھی خاصیت ہے اگر گندہ
 پڑھتا اور پیست ہے۔

تشریح :- ہوب کی پکیوں نے سوئی بن کر دل میں گادشوں کا ایک ہی جگہ
 بنا کر یا کہ ہر قطرہ خون کو پسیدہ ڈالا، نتیجہ جو ہوا کہ میرے جسم کا ایک ایک قطرہ خون

موت گئے کی تسبیح کا دانہ بن گیا۔ چھیدنے کے لیے جادو جسم درکار ہے۔ لیکن مڑاؤ یا یاد کی کاوش کا کمال یہ ہے کہ اس نے سیال قطروں میں سوراخ کر دیے۔ کاوش کا ایسا نقشہ اور کہیں نظر نہیں آ سکتا۔

۳۔ لغات۔ سلطوت : رجب۔ وچہ

دانتوں میں تنگ لینا : زمانہ بامنی میں جہز کا اظہار کرنے کے لیے دانتوں میں تنگ کیا جاتا تھا۔ فارسی میں اسے "خنس" بہ دانتوں کے معنی کہتے ہیں۔

نہیستاں : سرکھٹے، بامنی اور نرکل کا جنگل۔ بامنی اور نرکل سے بانسری اور نئے بنتی ہیں، جن سے لٹنے اور تالے ٹنگتے ہیں۔

مشریح : در قاتل کا رعب اور وہ بوجھے آؤ و فغان سے روک نہ سکا۔ میں نے اظہارِ جہز کے لیے جوتنگا اٹھا کر دانتوں میں دبایا۔ وہ بامنی اور نرکل کے جنگل کا ریشہ بن گیا۔ یعنی اس سے نہیستاں پیدا ہوا نہیستاں سے لے بنی۔ گویا اظہارِ جہز ہی کی تدبیر میرے لیے تالو و فغان کا سامان بن گئی۔

قاتل یعنی محبوب چاہتا تھا کہ مجھے نالوں سے روکے۔ میں نے خود بھی عاجزی اختیار کرنی چاہی۔ وہی عاجزی نالوں کی کثرت کا ذریعہ بن گئی۔

۴۔ لغات۔ سرو چراغاں : چل چراغ۔ وہ جھانڈ جس میں بہت سے چراغ جلتے ہوں۔ پاک و ہند میں لکڑی یا دھات سے سرو جیسی ایک چیز بنا جیتے تھے جس میں بے شمار چراغ جلانے کا انتظام کر لیتے تھے۔

مشریح : ۱۔ اگر مجھے زمانے نے بہت دے دی تو میں ایسا قاشق و کھاناں جو ہمیشہ یادگار رہے، کیونکہ میرے دل کا ہر چراغ سرو چراغاں کا ایک سیج ہے۔

بے شمار دلوں سے بے شمار سرو چراغاں پیدا ہو جائیں گے اور ان سب پر ہم کثرتِ چراغ جلتے گئیں گے تو واقعی ایک نادر منظر سامنے آجائے گا۔

شعر کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں جنونی عشق کی افزائش کا اظہار کیا ہے، کیونکہ ہر چراغ دل میں سرو چراغاں کی خوشامیث کی ہے۔

۵۔ لغات۔ آئینہ خانہ : شیش محل۔ وہ گھر جس میں ہر طرف رنگ رنگ آئینے لگے ہوئے ہوں۔

شینستان : وہ مقام جہاں سبزے اور پودوں پر بہ کثرت شبنم پڑی ہوئی ہو۔

تشریح :- اسے محبوب ! تیرے جلوہ حسن نے آئینہ خانے میں رہی شان اور وہی کیفیت پیدا کر رہی ہے جو سورج کی شاخوں کے نور سے شینستان پر پڑی ہو جاتی ہے۔

اس شعر کی حقیقی حقیقت کا اندازہ مشاہدے سے تعلق رکھتا ہے۔ صبح کو اُٹھے اور کسی ایسے مقام پر پہنچ جائے جہاں سبزے کا فرش ہو۔ جا بجا پھولوں کی کیاڈیاں ہوں اور ان پر خوب شبنم پڑی ہوئی ہو۔ جیسا کہ سر میں پڑتی ہے۔ پھر سوچ نکلے جس کی شاخ میں شبنم کے قطروں پر پڑیں تو ہر قطرہ ایک جھوٹا سا آئینہ نظر آئے گا۔ جس میں چراغ کی سی روشنی ہوگی۔ آپ مختلف زاویوں سے دیکھیں گے تو ہر قطرے میں نور کے مختلف رنگوں کا جلوہ دکھائی دے گا۔ آپ دیکھتے جاؤں گی ایسی نیلار آپ کے سامنے ہوگی جس کا نقشہ لفظوں میں نہیں کھینچی جاسکتا۔

شاعر کہتا ہے کہ اسے محبوب ! یہی کیفیت آئینہ خانے میں تیرے جلوے نے پیدا کر دی۔

دانش : ہے کہ شعر میں ثابت ہے یہی مشاہدہ پیش کیا ہے۔ اسے سورج کے نکلنے پر شبنم کے اُڑ جانے یا آئینے کا پانی خشک ہو جانے سے کوئی تعلق نہیں۔

۶۔ لغات۔ مختصر : چھپا ہوا۔ پوشیدہ۔

میوئی : ہر ادبی چیز کی اصل بادی جنہوں کی صورت حال ہے اور میوئی اس کا عمل ہے۔

تشریح :- میری آبادی اور جاوہر ہی میں خرابی اور بربادی کی ایک صورت موجود ہے۔ کہ ان کا خون محنت و مشقت میں گرم ہوتا ہے۔ وہی گرمی ایک دھبہ

جس سے میرے حاصل کے لیے بھلی بنتی ہے۔

مرزا غالب نے خود ایک جگہ لکھا ہے کہ وہقان کو فصل کے لیے جوٹے ہونے اور پانی دینے میں مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور ریاضت میں اس کا لہو گرم ہو جاتا ہے۔ یہی گرمی حاسن کو جلانے کے لیے بھلی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

گو باہر آبادی کے لیے جو کوشش کرتا ہوں وہی میری بربادی کا باعث بن جاتی ہے۔

مولانا طباطبائی نے فرمایا ہے : ”یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حرارت فریضی جو باعث حیات ہے، خود ویسے بروقت تحلیل و تخلص بھی کر رہی ہے۔“
اس شعر میں جو مسئلہ طب مصنف نے قلم کیا ہے، اسے آگے بھی کئی جگہ باندھا ہے مثلاً :

۷۔ لغات : مدار : لغوی معنی دور دہ کرنے اور گھومنے کی جگہ۔ مہاجر جس پر کسی بات کا غور و ادراک تھا۔

تشریح : گھر میں ہر طرف گھاس آگ آتی ہے جو بچانے شود اس امر کی دلیل ہے کہ گھر ویران و بے آباد ہے۔ کیونکہ وہاں ہر طرف گھاس اس وقت لگتی ہے جب کوئی ایکہ بھال کرنے والا نہ ہو اور نہ کوئی آئے بیٹے۔ وہاں اس لیے مقرر کیے ہوتے ہیں کہ گھر کے دروازے پر پہرہ دیں اور اندر آئے واسے ان کی اجازت کے بغیر نہ آسکیں۔ لیکن میرے گھر میں تو ویرانی کے باعث کسی کی آمد و رفت کا امکان ہی نہیں اور ویرانی کا کام دور دراز سے پہرہ دینے کے بھائے گھاس کھڑا رہ گیا ہے۔

۸۔ لغات : غول گشتہ : جو خون ہو چکی ہیں، یعنی ان کے پورا ہونے کی قربت ہی نہیں آتی۔

چراغ مژدہ : بھیجا ہوا چراغ۔ جسے چراغ خاموش بھی کہتے ہیں۔
گور غریباں : بھئیوں، بے وطنوں اور مساعلوں کی قبریں۔

شرح :- میری خاموشی میں لاکھوں ایسی آرزوئیں اور تمنائیں چھپی ہوئی ہیں۔
 ہیں کا خون جو پکا ہے اور اس کے پورا ہونے کی ذمیت میں آئی۔ میری مثال اس بجھے
 ہوئے دیپے کی ہے، جو کسی حریبہ کے وطن اور مسافر کی قبر پر جلا یا گیا تھا۔ اور
 اس کی کو ختم ہو چکی۔

عام دستور ہے کہ لوگ عزیزوں کی قبروں پر چراغ روشن کر دیتے ہیں، اس
 طرح قبرستان کی خاموشی اور اداسی میں بھی آبادی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہیں، لیکن
 جو لوگ باہر سے آتے اور مرکز سرزمین غریب میں ہو گئے، ان کا کوئی عزیز اور شہدادار
 موجود نہیں ہوتا۔ لہذا ان کی قبروں پر یا تو دیپے جلائے ہی نہیں جاتے یا کسی نے
 ایک تار مر جیڑ دی ہیں، دیا اور وہ بجھ گیا تو کوئی اس کی پروا نہیں کرتا۔

مردانہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں بے شمار تمنائیں تھیں، جو خون جو چکیں اور میں
 چنپ میٹھا ہوں۔ گویا وہ دیا ہوں، جو کسی مسافر کی قبر پر جلا یا گیا تھا، سمجھا تو پھر
 کسی نے غور نہ کیا۔

شعر کی فطری مناسبتیں، کمال تشبیہ اور تائید بیان ایک روشنی کو مست ہے۔
۹۔ شرح :- میرا دل بجھ چکا ہے اور اس میں کوئی امید باقی نہیں، لیکن
 خیالی محبوب کے نقش کی روشنی کا حال قائم ہے گویا دل اندرونی کے باعث ایک
 جوتہ ہے جس کے متعلق عام فہم و تنگی دماغ کی کا ہوتا ہے۔ لیکن خیالی یار کے پرتو
 کی برکت سے یہ جوتہ عظمت و وسعت کے قید خانے کا جبرہ بن گیا یعنی وہ کو فطری
 جس میں پوشیدہ ہوتے۔

دل اندرونی کو نقش پرتو کے ذریعہ ان پوشیدہ کا جبرہ قرار دینا ایک
 تازہ تشبیہ ہے۔ جس کی مثالیں شعراء و ادیب میں بہت کم مل سکتی ہیں۔

۱۰۔ لغات :- تبسم ہائے چشمان : زیر لب مسکراہٹیں۔
شرح :- معلوم ہوتا ہے کہ آج آپ رقیب کی بھلی میں ہاسوئے ہیں اور
 لب میں اگر زیر لب مسکراہٹ کا اندک کیا موقع ہو سکتا تھا۔

مطلب یہ ہوتا ہے کہ محبوب عاشق کے خواب میں آیا اور ایسی حالت میں کہ زیر لب مسکرا رہا تھا۔ عاشق کا غاند یہ ہوتا ہے کہ ہر معمول سے معمولی بات پر اس کے دل میں بدگمانی پیدا ہو۔ محبوب کی زیر لب مسکراہٹ دیکھ کر عاشق کو فوراً خیال پیدا ہوا کہ جو وہ محبوب غیر کی آغوش میں پہنچ گیا ہے۔

۱۱۔ لغات - لہو پانی ہونا : دلچسپ و تکلیف میں مبتلا ہونا۔ جان بھگائی
 شرح :- خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ تیری ہلکوں پر آسوا جائے سے کس
 کس کا لہو پانی ہوا ہوگا۔ کون کون انتہائی دلچسپ و دلچسپ عاشق بنا ہوگا۔
 سچ ہے۔ محبوب کا ہلکا سا لہلہا جس عاشقوں کے لیے قیامت سے کم
 نہیں ہوتا۔

۱۲۔ لغات - شیرازہ : وہ بندش جس سے کتاب کے اوراق
 ترتیب کے ساتھ بکھریے جاتے ہیں۔

شرح :- اے غائب! ہم راہ فنا کی پگھلاؤں سے غافل تھیں اور اس
 کی حقیقت خوب پہچانتے ہیں۔ یہی وہ بندش ہے جس کے ذریعے سے کائنات
 کے کھنڈے ہوتے اجزاء کتاب کے ورقوں کی طرح اکٹھے کیے جاتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ زندگی نے اس دنیا میں بے شمار لٹکیں اختیار کیں۔ وہ ایک
 دوسری سے اتنی مختلف ہیں کہ ان میں جوڑ میں پیدا کرنا ممکن نہیں۔ لیکن ان تمام
 کھنڈی ہوئی شکلوں اور صورتوں کے لیے لازم ہے کہ فنا کی پگھلاؤں اختیار کریں۔
 وہی پگھلاؤں دعا گے کی طرح ان تمام کھنڈے ہوئے اجزاء کو باہم ہی دے گی۔
 گویا موت کے بعد یہ سب چیزیں ایک یا جو جائیں گی۔ پھر آج کھنڈی ہوئی نثراتی
 ہیں اس لیے ہم میں راہ فنا کی پگھلاؤں کو جودے نہیں۔ ہر وقت اسی پر نظر ہے۔

نہ ہو گا ایک بیاباں ماندگی سے فوق کم میرا لغات :- یک بیاباں ماندگی :
 حساب موجب رفتار ہے نقش قدم میرا ہمدرد تکان ، اتنی تکان بجز پودے
 عیست حتی چین سے ، لیکن اب یہ بے مافی ہے بیاباں کی خاک پھانسنے سے پیدا ہو
 کہ سورج بڑے گلی سے ناک میں آتا ہے دم میرا ذوق : اس سے مراد ہے ۔
 عیاد ، لیکن سحر اگر وہی کا ذوق رشوق سرگرد کم نہ ہو گا ، میرے پاؤں کے نقش رفتار
 کی لہروں پر چلے جئے ہوتے ہیں ۔

شاعر نے اپنے چلنے کو سورج سے اور نقش قدم کو حباب سے تشبیہ دی ، کہاں
 یہ کیا کہ غنچ قدم کو جس کا خاکا ہی لٹاؤ گی اور دلا مذگ ہے ، یعنی جو زمین پر جم کر
 بالکل بے حرکت ہو جاتا ہے ، شاعر نے اسے اپنے ذوق رفتار کی برکت سے حرکت
 کر کے سورج رفتار کا بیجا بنا دیا ۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کا نقش قدم رفتار کی لہر کا
 نہیں ہو گا اس کی سحر خوردی کے شوق میں کئی کئی اسکان جو سکتا ہے اور تھکارت
 اس پر کیا اثر ڈال سکتی ہے ؟

۴ ۔ لغات :- بے دماغی ، پریشانی ، ناخوشی ، زور و بجی ، چڑچڑاہٹ ،
 ہمزائی ، بیزارگی ۔

ناک میں دم آنا ، غایت تنگ اور جزا ہونا ۔
 شرح :- ایک دماغ میں سجے بارغ اور اس کے اندر میر و تفریح سے
 جنت ملی ، لیکن اب جزاوی و ناک مزاجی سے یہ کیفیت پیدا ہو گئی ہے کہ چہل
 کی خواہش سے جی میں حسرت تنگ اور زنجیر ہو جاتا ہوں ۔

آفریں نہ دے دوں تو یہ ہے کہ چہل ناک کے دماغ نے کہ کریم اندر کی پناہ
 تو غیور دانا ناک چلی ہے ۔ یہاں چہل کی خواہش سے ناک میں دم آئے کہ غایت
 دماغ سے نگر ہو چلی ناک میں دم آتا ہے ۔ سوال کیا گیا ہے ، شاعر کا

معلوم ہے کہ میں بھی ایک زمانے میں شادی کے اسباب سے اسی طرح فائدہ اٹھاتا
اور لذت اُترتا ہوتا تھا جس طرح عام لوگوں کا شیوہ ہے، مگر اب اس دہشت گردی
نے یہ حالت پیدا کر دی ہے کہ بھول کی خوشبو سے بھی چرنایت لطیف و فرست گئی
ہوتی ہے، ایسی ہزار ہوں اور اس درجہ ہزار ہوں، گو یا اس سے ناک میں دم
آتا ہے۔

دکھنا نظر سے رغبت و محبت کے بجائے انتہائی نفرت و بیزاری پڑ جاتی ہے
کہ حالت میں کس درجہ عبرت انگیز انقلاب آگیا۔



الفاظ - رہن ہر گرد
ناگزیر نہ مجھ کو نہ چار
میں سے گریز ممکن نہ ہو
شرح :- میں سر سے
سراپا رہن عشق و ناگزیر الفتِ مستی
عبادتِ برق کی کرتا ہوں در انوسِ حاصل کا
بقدرِ نفرت ہے، ساقی، خمیارِ تشنہ کا ہی بھی
پاؤں تک عشق کے پاس گرہوں
یعنی عشق میں مبتلا ہوں۔ ساتھ ہی زندگی کی الفت سے بھی دامن بچا، میرے لیے ممکن
نہیں۔ یعنی جان کو بھی عزیز رکھتا ہوں۔ گو یا میری حالت اس شخص کی سی ہے۔ جو
بھی کو مجھ پر ہانے بیٹھے ہو۔ رات دن اس کی بندگی کرتا ہوں۔ اپنی برائے یہ
انوس ہو کہ حاصلِ برباد ہو گیا، سرمایہ بیل بچھا، علاقہ نکم بھل کا خاصہ بھی یہ ہے کہ
مائل کو چلی ڈالے۔

مرزا یہ حقیقت واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جب انسان عشق کی تہہ پر ہو جائے تو
زندگی سے کوئی دلچسپی باقی نہ رہتی چاہیے۔ اگر عشق کے ساتھ جان سلامت رکھنا
منظور ہو تو ہر خواہش سرا سر غیر طبعی ہوگی، کیونکہ بھل کو پورچ کر اپنے آپ کو بچائے
رکھنے کی آرزو بالکل جیٹ ہے، عشق کا تقاضا یہی ہے کہ اس کے لیے زندگی کی ہر

شے سے لذت کا مشقہ کٹ جائے۔

۲۔ لغات۔ نظرت : حوصلہ۔ گنناش۔ ساقی۔

تشقہ کا می : پیاس۔ اشتیاق، خصوصاً اشتیاقی نے۔

خبیانہ : انگڑائی۔

تشریح :- اسے ساقی ! شراب کی پیاس اور طلب کی بے کیفی حوصلے کے

مطابق ہوتی ہے۔ اگر تو لطف و کرم سے شراب کا دریا ہے تو میں اس دریا کے

ساحل کی انگڑائی ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ ساقی میں لطف و کرم کا جتنا حوصلہ ہو اپنے دے کی پیاس

میں اتنی ہی بڑھ جاتی ہے، حوصلے کیجیے کہ ساقی شراب کا دریا بن گیا تو پیئے دے

نے اس کے ساحل کی شکل اختیار کر لی، معلوم ہے کہ دریا کا جوش و خروش کتنا ہی

بڑھ جائے، ساحل اس جوش و خروش کو اپنے اندر سمائے رکھتا ہے، بالکل ایسی

کیفیت شراب نوشی کی ہے، اس کی حب ساقی کے لطف و کرم کے ساتھ ساتھ

زیادہ ہوتی جاتی ہے۔



خوش نہیں ہے تیری نوا اپنے ناز کا

گلاب گندہ بیج بہاؤ نظارہ ہے

تو اور سونے غیر نظر ہائے تیز تیز

مرد ہے غلبہ آہ میں میرا اگر گد میں

ظہر ہوں ایک ہی نفس ہاں گداز کا

ہر گوشہ بساط ہے، سر شیشہ باز کا

ناخن چقرمیں اس گرو شیم باز کا

سینہ کہ تھا دلفینہ گھر ہائے دلاز کا

سہرا ج کاوشی فہم جہاں ہوا احمد

۱۔ لغات۔ نوا ہائے راز : راز کے نئے راز سے مراد حقیقت کے بصیرت

شرح ۱۔ خواہر عالی نے اس شعر کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے : راز کے فتوں سے تو خود ہی نا آشنا ہے ، ورنہ دنیا میں ہر جہاں نظر آتے ہیں وہ بھی پردہ ساز کی طرح بول رہے ، بچ رہے اور اصرار الہی کی سپر کر رہے ہیں ۔ شاعر کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی ہر شے میں حقیقت جلوہ گر ہے ، ہر چیز تخلیق کے بصیرت ظاہر کر رہی ہے اور معرفت کے نئے ستار ہیں ، مگر بصیرت یہ ہے کہ انسان ان فتوں کا محرم نہیں ، وہ ہر شے کو حقیقت کا کباب یعنی چھپا لیٹے ڈالے پردے سمجھتا ہے ۔ وہ تو ساز کے پردے ہیں ، جن سے نئے نکلے ہیں ، لیکن ان فتوں کو سننے کے لیے ایسے کان پائیں ، جو ٹیک ٹیک سننے کی صدا حیرت رکھتے ہوں ۔ عرق کا مشورہ شعر ہے :

میر کسی نہ شناسد راز است و گرد

ایمانا ہر راز است کہ معلوم عوام است

یعنی ہر شخص کو راز پہچان لینے کا ملکہ حاصل نہیں ، ورنہ جو کچھ عام لوگ مانتے ہیں ، وہ بھی دراصل ساز سے کام لے رہے ہیں ۔

عرقی نے عوام کی معلومات کو راز بتایا ، لیکن غائب ان چیزوں کو حقیقت کے تراشوں کا مصدر قرار دیتا ہے ، جنہیں سب لوگ محاب یعنی حقیقت چھپا لیٹے پردے قرار دیتے ہیں ۔

۲۔ لغات۔ رنگ شکستہ : آڑا ہوا رنگ ، مراد ہے عاشق کا آڑا

ہوا رنگ ۔

شرح :- محبوب کو دیکھتے ہی عاشق کا رنگ آڈ گیا ۔ شاعر کہتا ہے کہ یہ آڑا ہوا رنگ بہارِ نظر کی بیج ہے ۔ بیج کے وقت پھول کھیتے ہیں اور جو بیج عاشق کے رنگ شکستہ سے پیدا ہوا ، اس میں محبوب کے ناز و نحرے کے پھول کھلنے پھولتے ہیں ۔

ایک پہلو یہ بھی ہے کہ محبوب کو دیکھ کر عاشق کا رنگ اڑ جاتا ہے اور محبوب اس ڈسے ہوئے رنگ کو صبح قرار دے کر اپنے ناز و خواہ سے کے پھول کھلانے میں اور سرگرم ہو جاتا ہے ۔

۳۔ شرح :- تو بغیر کوشتے کی نظروں سے دیکھ رہا ہے ۔ مجھے تری لمبی پکوں کی اس تکلیف سے ٹکھ بیچ رہا ہے ۔

غیر کا دل پتھر کا ہے ۔ اُسے چھیدنے میں تری پکوں کو جو زحمت ہو رہی ہے وہ میرے لیے باعثِ اذیت ہے ۔ تیری نگاہیں اس کے پتھر جیسے دل کے لیے نہیں بلکہ میرے نرم اعضاء اور نازمند دل کے لیے واقف رہنی چاہئیں ۔

ایک معذم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محبوب غیر کو تیز نظروں سے دیکھ رہا ہے اور عاشق کو رنگ کے واسطے دکھ بٹھ رہا ہے ، وہ برداشت نہیں کر سکتا کہ محبوب کے مقابلہ یا قہر کا رخ اس کے سوا کسی دوسری طرف پھرے ۔

۴۔ لغات ۔ صرف : غائدہ ، کفایت شعاری ، خرچ ۔

طرحہ : فقرہ ۔ قرار

شرح :- ہم آگے ضبط کرنے میں میرا ہی غائدہ ہے ۔ اور میں تو اتنی اور غایت کے باعث جان کو گھیرا دیتے واسطے ایک ہی سانس کا ذوق ہی ہاڑوں گا ایسی سمجھتی ہے کہ وہ بھی مجھے گھٹا دینے کے لیے بالکل کا لی ہوگی ۔

۵۔ لغات ۔ گوشہ بے باط : فرس کا کانا یا حصہ ۔

تشیعہ بازہ : عام معنی تشبہ و باز کے ہیں ۔ یہاں اشارہ معنی و نفس کے ہیں بہر حال کی طوٹ ہے ۔ جو تشبہ و سراپی گلاب سے جو کر سہر پہ دیکھتے ہیں ، حرکات کے باوجود کوئی چیز سہر سے نہیں گرتی ۔ اگر تشبیہ یا سراپی بل جاسے تو اسے اصول کے مطابق حرکت کرتے ہوئے بازو پر سنبھال لینے ہیں ۔ پھر پہلی جگہ سنبھا دیتے ہیں ۔ پرانے زمانے میں کہکشاں و ستارے بھی ہٹا کر بچھانے میں خوبصورت رنگ کے ساغر شراب سے پھر کر نقش کرتے ہوئے میزوار کے پاس پہنچتے ہی اچھال دیتے تھے ۔ پھر خود ہی سنبھال کر میزوار

کے سامنے رکھ دیتے تھے۔ اس رسم کی بعض چیزیں اب تک بھی شراب نوشوں کی محفل میں رائج ہیں۔ یورپ کے اندر طعناں گا ہوں یا شراب خانوں میں ایسی رسمیں کسی نہ کسی شکل میں باقی جاتی ہیں۔ انہیں بھی شیشہ باز ہی کہتے تھے۔

شعر ۵: موسم بہار آگیا اور شراب کے خوش سے بوتلیں اور صراحیاں اس طرح اچھل رہی ہیں کہ شراب نوشی کی بزم میں فرش کا ہر گوشہ شیشہ باز کے سر کا نقشہ پیش کر رہا ہے۔

۶۔ لغات۔ گرہ نیم باز : آدھ کھلی گرہ یعنی جو پوری نہ کھلی ہو۔ بکڑی کے بچ کا کچھ حصہ باقی ہو۔

شعر ۶: دل ابھی تک کاوش کا تقاضا کر رہا ہے، کیونکہ تاشن پر اس آدھ کھلی گرہ کا قرض واجب الادا ہے۔

مطلب ۵: سچے کر میرا دل ابھی تک افسردہ و گرفتہ ہے۔ اس گرہ کو کھولنے کی کوشش کی گئی، مگر پوری نہ کھلی اور تاشن پر یہ قرض باقی رہ گیا، لہذا کاوش کا تقاضا جاری ہے اور وہ ختم نہیں ہو سکتا۔ جب تک دل کی گرہ پوری طرح کھل نہ جائے۔

۷۔ شعر ۷: اے استاد! میرا سینہ ایسا تھا کہ اس میں راز کے گوہر دفن کیے ہوئے تھے۔ یعنی اس میں گونا گوں راز چھپے ہوئے تھے، لیکن محبوب کی میثاق کے غم نے اس خزانے کو بڑی طرح تاراج و برباد کر ڈالا۔



۱۔ شعر ۸: شہنشاہ کی محفل میں شہزادوں کا دفتر کھل گیا، یعنی شاہزادے شہزاد ہو گیا۔ انہی شاہزادوں کے اس خزانے کا راز داناہ جیسا کہ کھول کر شعر کا دوسرا مصرعہ جانیں۔ یہ مطلب

بزم شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا
دکھیاں یا رب! یہ دیر گنجینہ گوہر کھلا
شب ہوئی پھر انجم رخسار شدہ کا منظر کھلا
اس تکلف سے کہ گویا بنگار سے کا در کھلا

یہ ہے کہ فیض کا یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔

۳۔ لغات - انجم :

انجم کی جمع - ستارے۔

خوشخبرہ : چمکنے والے روشن - تاباں۔

شرح : رات ہو گئی۔

پھر روشن - تاباں ستاروں

کا ایک سماں آنکھوں کے

سامنے آشکارا ہو گیا اور اس

منظر کے کھٹنے میں اہتمام لازم

آرائش و زیبائش کا یہ عالم

ہے۔ گویا جتنے کا دروازہ

کھل گیا۔

اہتمام اور آرائش میں

جتانے کے دروازے کا

خیال شاعر کو یا تو اس وجہ

سے آیا کہ جتانے خاص

اوقات میں عبادت کے لیے

کھٹتے ہیں، ہر وقت کھٹتے نہیں

رہتے، نیز میں جنوں کو

سبا کر دکھایا جاتا ہے یا اس

وجہ سے کہ خود ستاروں کا

گرچہ جنوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھانوں فریب

آستین میں دشتہ چنناں، ہاتھ میں نشتر کھلا

گو نہ سمجھوں اس کی باتیں، گو نہ پاؤں اس کا جھید

پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پسیر کھلا

ہے خیالِ حسن میں، حسنِ عمل کا سا خیال

خُلق کا اب در ہے، میری گور کے اندر کھلا

نہ نہ کھٹنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں

زلف سے بڑھ کر نقاب اس شوخ کے منہ پر کھلا

و نہ چہ رہنے کو کہا اور کہ کے کیا پھر گیا

جتنے عرصے میں مرا پسٹا ہوا بستر کھلا

کیوں اندھیری ہے شبِ غم؟ سچے بلاؤں کا نزد

آج ادھر ہی گور ہے گا دیدۂ اختہ کھلا

کیا رہوں غربت میں خوش جب جو حواش کا یہ حال

نامہ لا تا سچے وطن سے نامہ بُرا کثر کھلا

اس کی آفت میں جوں میں - میرے رہیں کیوں کا مہند

واسطے میں شہ کے غائب گنبد ہے در کھلا

پرستش کو تنہا نے سے خاص نسبت و تعلق ہے۔ شاعر یہ کہتا چاہتا ہے کہ چلتے ہوئے ستاروں کا منظر سامنے آتے ہی پر نیپال آجاتا ہے کہ بت غزلوں میں ان کی پرستش یونانی تھی۔ ایک پہلو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شام کے وقت تنہا لوگوں میں پرستش شروع ہوتے ہی بہت سے چراغ روشن کر دیئے جاتے تھے جنہیں ستاروں کے منظر سے اک گونہ مناسبت ہے۔

۲۔ لغات و دشمن : ایک قسم کا غبر، کٹاری۔

شرح : یہ اگرچہ میں دیوانہ ہوں، لیکن دوست کا فریب نہیں کھا سکتا۔ اس نے اذیت میں تو کھلا ہوا لشتر تمام رکھا ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ وہ میرا غم خوار ہے اور مفید لینے کا ارادہ رکھتا ہے تاکہ نہ اتنے خون نکل جائے اور میری دیوانگی باقی رہے۔ لیکن اس نے آستین میں کٹاری چھپا رکھی ہے۔ تاکہ موقع پڑتے ہی میرا کام تمام کر دے۔

مطلب : کہ آج کل کے دوست بظاہر غمخواری کا دم بھرتے ہیں، مگر ارادہ دشمن کا ہوتا ہے۔ دوستوں کا ظاہر باطن ایک نہیں۔ میں ان کے نفاق سے خوب واقف ہوں، شعری دوست سے مراد بظاہر محبوب نہیں، بلکہ وہ شخص ہے۔ جو دکھاوے کی غرض سے دوستی کا دم بھرتا ہے۔

۴۔ لغات : کھلا : یہاں اس سے مراد ہے محب ہوا، بے تکلف ہو گیا۔

شرح : بیشک میں محبوب کی باتوں کا مطلب نہیں سمجھتا یہ میں نہیں جانتا کہ کچھ سے بے تکلف ہو جانے کا ارادہ کیا ہے۔ میرے لیے تو یہی سب سے بڑی نعمت ہے کہ اس پر پیکی کا حجاب دور ہو گیا اور اس نے مجھ سے بے تکلفی اختیار کر لی۔

اس میں ایک پہلو تو یہ ہے کہ عاشق کے لیے محبوب کا غمیف سا رفتات بھی ہوائے خود اہمائی مسرت کا باعث ہوتا ہے۔ اگرچہ تو کہتے ہی رنج و غم کا پیش خیمہ ہو۔ ایک پہلو یہ بھی ہے کہ محبوب کے رفتات میں عاشق کے لیے

کر چہ کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر یہ مناسب بھی نہیں وہ سمجھتا ہے کہ اتنا دلچسپ رقم
اٹھا چکنے کے بعد محبوب نے بے تکلفی اختیار کر لی ہے۔ رفتہ رفتہ وہ اور کھل جائیگا
اور عاشق کی تمام مرادیں پوری ہو جائیں گی۔

۵۔ **تشریح** :- میں دشمن یعنی چہرہ محبوب کے تقصیر کو نیک علی اور نیکو کار ہی
سمجھتا ہوں اسی تقصیر کی بدولت میری قبر کے اندر بہشت کا درجہ حاصل گیا۔

بہشت اُن لوگوں کو ملتی ہے جن کے پاس نیک عملوں کا سرمایہ ہو۔ میں نے
محبوب کے حسین چہرے کے خیالی میں لہر گزار دی اور وہی تقصیر میرا سرمایہ حاصل
جو سرمایہ کی شمار ہوا اور اس کی بدولت سے میری قبر کی جگہ ہی میں بہشت کی فضا میرے
لیے بن گیا ہو گئی۔

۶۔ **نکات** :- منہ پر کھٹکنا : مراد ہے کسی چیز کا چہرے پر زیبا و خوش نما
معلوم ہونا۔

تشریح :- محبوب کا چہرہ نہ کھٹنے پر بھی حسن و دلفریبی کا وہ نام ہے کہ آج
نیک کبھی دیکھنے ہی میں نہیں آیا۔ پچھلے زلفیں اس کے چہرے پر پڑی رہتی تھیں اور
نمائیت و قادریہ معلوم ہوتی تھیں۔ اب اس نے نقاب اٹھالیا ہے اور نقاب نے
زلفوں سے بھی ڈھک کر اس کے چہرے پر زیبائی اور خوش نمائی پیدا کر دی ہے۔ گویا
نقاب کا حسن زلفوں سے بازی لے گیا ہے۔

۷۔ **تشریح** :- میں نے وہ خواہش کی کہ حضور اور دانے پر پڑا رہنے کی
اجازت دے دیجیے۔ اجازت مل گئی اور میں نے اپنا لوٹا ہوا بستر کھڑا شروع
کیا۔ اس اشارہ میں محبوب قول سے چر گیا اور مجھے بہت حسرت و یاس اپنا کھٹکا ہوا
بستر پھر لیٹنا پڑا۔

اس تشریح میں محبوب کی شوخی و نقول اور عاشق آزمائی کا نقشہ نمایاں دکھائی
دے گا۔ میں کہتا گیا ہے۔

۸۔ **تشریح** :- میری غم بھری رات اتنی اندھیری کیوں ہے کہ اس میں ستارے

کے ٹکڑے دیے ہیں نظر نہیں آتے ؟ پھر شاعر خود ہی اس سوال کا جواب دینا چاہتا ہے۔ یہ بیان کرتا ہے کہ عالم بالا سے روئے زمین پر جہش نازل ہو رہی ہیں اور ستارے دنیا کے آسمان کی طرف سے آنکھیں پھیر کر عالم بالا کو نگاہ کر رہے ہیں۔ جو ہر سے باتیں اترتی ہیں، ستاروں کی آنکھیں اس منظر کی طرف سے ہٹ نہیں سکتیں۔ اور ان سے جو بھی روشنی حاصل ہو سکتی ہے۔ زمین کی طرف نہیں آ سکتی لہذا میری قلم بھری رات سراسر اندھیری ہو گئی۔

شب قلم کی کامل تاریکی کا یہ سبب بالکل نیا اور اچھوتا معنوں ہے۔ لطیف یہ کہ یہ سبب بلاؤں کے نزول سے پیدا ہوا اور شب قلم کی تاریکی یہ درود انگیزی کا اعجاز ہو گیا۔

۹۔ لغات و غربت : مسازنی۔ بے وطنی۔ پردیس۔

حوادث : حادثہ کی جمع یعنی آفتیں اور مصیبتیں۔

تشریح : میر سے یہ پردیس میں خوش رہنے کی کون سی ضرورت ہے جب آفتوں اور مصیبتوں کا یہ عالم ہے کہ قاعدہ وطن سے جو خط لاتا ہے وہ اکثر کھٹکا ہوا ہوتا ہے ؟

دوسرے مصرع کا معنوں اس رسم پر مبنی ہے کہ جن خطوں میں کسی کی موت کی خبر ہوئی تھی وہ اکثر کھٹکے پیچھے جاتے تھے یا ان کا کوئی گوشہ پاک کر دیتے تھے تاکہ کتب خانہ دیکھتے ہی سہمے جاتے خط میں کوئی بڑی خبر درج ہے۔ آج بھی یہ دستور ہے جس شخص کے پاس وطن سے اکثر خط کھٹکے ہوئے آتے ہیں اس کا مسلسل رنج و غم میں مبتلا ہونا کسی تفریح کا انتخاب نہیں۔ پردیس میں وطن سے خطوں کا آنا میر مسافر کے لیے خوشی کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن جس شخص کو زیادہ و خیر مرگ لائے والے خطوط ملیں وہ کیونکر خوش رہ سکتا ہے۔ پردیس کے قلم پر عزیزوں اور دوستوں کے مرحلے کا قلم اس کے لیے مزہز قلعی کا باعث بنا رہے گا۔

۱۰۔ لغات : گنبد ہے در : دریا گنبد جس میں کوئی دروازہ نہ ہو۔

مراد ہے آسمان ۔

شرح : اسے غائب ہیں تو کہیں کے بادشاہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں ہوں۔ جس کے لیے معراج کی رات آسمان کے بند دروازے کھل گئے پھر میرے کام کیونکر بند رہ سکتے ہیں ؟ پھر مجھے کاروبار میں کیونکر رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے ؟ جس مقدس غایت کے لیے یہ دروازہ گنبد رکاوٹ نہیں سکا اس کے لطف و لوازش سے میری ترقی بھی غرض رکی نہیں رہ سکتی ۔



۱۔ لغات و زبیرہ و پنا۔

شعلہ تجوالہ : چراغوں کی تابکاری
کھاتا ہوا شعلہ : طریقہ ہے کہ
ایک کڑی ایسے نیلی کہتے ہیں
کے دونوں سروں پر یا تو شیش
باندھ لیتے ہیں یا گندمی یاغھ
کر اور آگ لگا کر گھاتے ہیں ۔
اس طرح آگ کا ایک گول پتھر
پیدا ہو جاتا ہے ۔ آتش بازی میں
ایک چرخی سے یہ کام کیا جاتا ہے ۔

شرح : رات غم بھر میں

میرے دل کی جلیں سے جو بجلیاں
بھل رہی تھیں ، انہوں نے ہا دل
کا پتا پانی پانی کر دیا ۔ تب ہی پتھر
کہ ایک سیلاب آگ میں جس جابجا
مشتعل ہوا ہو گئے ۔ پانی کی کثرت

شب کو برقی سوز دل سے زبیرہ امیر آب تھا

شعلہ تجوالہ : ہر اک شعلہ گرداب تھا

دل کو کم کو بند بارش تھا عیناں گیر خرام

گریب سے یاں پسند بالمش کب سیلاب تھا

واں شود آرائی کو تھا موق پر وئے کا خیال

یاں جو ہم اشک میں تباہ نگہ نایاب تھا

بلوہ گل نے کیا تھا واں چہرا غاں آب جو

یاں ارداں مرگاہن چشم تر سے ثول ناب تھا

یاں سر بر شور ہے ثوابی سے تھا دیوار جو

واں وہ فزونی ناز ہو بالمش کم خواب تھا

میرے سوز و دردوں پر کوئی اثر نہ ڈال
سکی، بلکہ میرے سوز نے پانی پڑا دیا
گہرا اثر ڈالا کہ بہت دور کا میرا عقد شدہ
بہنو اکبر بن گیا۔

گرداب اور شعلہ جہاں میں
تجسّیہ گواہی پر محفوظ ہے۔ جس
سوز و دل نے پانی کو آگ کی شکل
میں تبدیل کر دیا، حالانکہ پانی آگ
بھی نہیں ہے اس کی تیزی اور تندی
کسی تشریح کی محتاج نہیں۔

یاں نقش کرتا تھا روشن شمع بزم بے تودی
جلوئے گل داں بہا طہ صحبت احباب تھا
قرش سے تا عرش، واں غمناں تا مہج رنگ
یاں زمیں سے آسمان تک سوسن کا باب تھا
ناگماں اس رنگ سے خونِ نابھ پکائے رنگ
دل کہ ذوق کاوشِ ناخن سے لذتِ یاب تھا

ایسے انداز بیان کو عموماً مبالغہ آمیز قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں حقیقت میں یہ شاعر
کے گہرے تاثرات کا ایسا اظہار کرتا ہے، جس کے بغیر وہ اپنے حقیقی محسوسات منظرِ قلب
تک پہنچا نہیں سکتا۔

۲۔ لغات۔ غماں گیر : باگ تھا نے یعنی روکنے والا۔
پیشہ بالمش : ٹیکے کی روٹی۔

کعب سیداب : سیداب کا عباگ

تشریح :- محبوب مجھ پر عمرانی کا ارادہ کیے بیٹھا تھا، مگر ایک بارش
شروع ہو گئی اور اسے روائی سے رک جاتے کا بہانہ مل گیا۔ یہاں میں عاشق کے ہاں
دوستہ دہتے ایک تیز رفتاری سے آگیا اور اس کے ٹیکے کی روٹی اس سیداب کا
عباگ بن گئی۔

روٹی اور عباگ کی مناسبت واضح ہے۔

۳۔ لغات۔ خود آرائی : باز سنگار کرنا، ہنا، لٹنا۔

تشریح :- محبوب کو جادوئے خود آرائی سے اور جتنے جتنے کے سلیسے میں دیکھا

حقا کہ ہاں میں ہوتی پرستے ہائیں۔ غریب ہاشق کی آنکھوں سے آنسوؤں کا طوفان
اس انداز میں ہوا تھا کہ رنگ و کار بھی گم ہو گیا تھا۔

پیشتر اور بعد کے اشعار کی طرح اس شعر میں بھی شاعر نے محبوب اور ہاشق کے
ہاں کی مشقہ کیفیتیں پیش کی ہیں اور کمال یہ ہے کہ ہر شعر میں دونوں کیفیتیں یہ مشیت
مجموعی بنتی جاتی ہیں، اگرچہ دونوں مختلف حالتیں پیش کر رہی ہیں۔

۴۔ **شرح :** :- محبوب نے غم کے نثار سے بزم پیش و فضا آراستہ کر رکھی ہے
ہر طرت غنٹہ اسے گل نظر آ رہے ہیں۔ پیوؤں کا عکس غم کے پانی میں پڑتا ہے تو
معلوم ہوتا ہے کہ پانی کے اندر چراغ جھلکا رہے ہیں۔ اس کے ہر عکس ہاشق کے
ہاں یہ نقش تھا کہ اس کی روتی روتی آنکھ کی چکوں سے نعلین ٹوٹ نہ رہا تھا۔
چراغیں اور نولین غائب کی مناسبت محتاج تشریح نہیں۔

۵۔ **غفات :-** فرقہ ناز : محبوب کا سر جیسے ناز و نعمت اور دلی پیار
کے سوا کچھ نہ دیکھا۔

غریب ہاشق : جگہ کے لیے باعث نصرت۔

کتاب : غنت نگار اسے کتاب بھی لکھتے ہیں اور کتب حب بھی۔ ایک قسمی
رہنمی گیر اجازت کے کار شامل کر کے لیا جاتا ہے۔

شرح : ہاشق کی کیفیت یہ تھی کہ اسے چند نہیں آتی تھی اور اس کو وحشت
چرا سر دیوہ کی تھائی میں تھا تا کہ اس سے نکلا کر رہا نہ رہے۔ محبوب کے ہاں اس کے ہر
دوسرا ہی نقشہ تھا۔ یعنی وہ اپنا سر... جس نے ناز و نعمت اور پیش و فضا کے سوا
بھی کچھ نہ دیکھا تھا۔... کتاب کے جگہ پر کھتے جاتے جاتے سے سو رہا تھا۔

اس شعر کا ایک نسخہ "محب ہاشق" کی جگہ "غریب ہاشق" میں بھی ہاشق و پرتو
کی مشقہ کیفیتیں قائم ہیں۔ فرقہ حرمت یہ ہوا کہ پہلے شعر میں محبوب کا ذکر مقدم تھا
اور ہاشق کا تاخر۔ اس میں یہ ترتیب بدل گئی۔

۶۔ **شرح :-** ہاشق کی بزم و پیروی میں اس کے سامنے سے شبنم بہا لکھتی تھی

محبوب کی بزم کفرش پھولوں سے بھرا ہوا تھا اور وہ دوستوں سے میل و نشاط میں مشغول تھا۔

عاشق کے دل سے جو سوز اٹھتا تھا، اس نے سانس کو بھی سراپا آگاہ بنا دیا تھا اس لیے سانس عاشق کی مجلس بخودی میں شمع بن گیا، محبوب کی بزم میں پھولوں کی کثرت کا نتیجہ ہوا کہ اس کا فرش جلوتہ گل کا نقشہ پیش کرنے لگا۔

۷۔ شرح - محبوب کے ہاں فرش سے فرش تک رنگ کی لہروں کا طوفان تھا یعنی پیش رفتہ اور رنگین و شادمانی کی بہتات تھی، اس کے برعکس عاشق کے ہاں زمین سے آسمان تک ہر چیز جل جانے اور جلا دینے کے قابل تھی، یعنی بخودی اور اتھالی ٹھیکین کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس شعر میں پھر محبوب اور عاشق کی کیفیت بیان کرنے کی ترتیب بدل گئی۔

۸۔ لغات - خون تابہ : فاعل خون، یہیں مراد ہے خون کے آنسو۔

شرح - میرا دل ناخونِ حرم کی کاوش سے لذت پائے ہوئے تھا۔ یہ حشر و ملت دیکھ کر دیکھ کر ایک جوش میں آیا اور آنکھوں سے خون کے آنسو ٹپکے لگا۔

۱۔ لغات - سپند :

سرم کا کالا دانہ جو قطرہ سے پہلو کے لیے آگ پڑا ہے، یہ اندازہ چلتا ہے۔

شرح : رات دل سے جو

نہاں اختیار ہوا اس میں تاخیر بالکل غائب تھی، جب میرا محبوب غیر کی بزم وصل کو آراستہ کیے ہوئے تھا تو نہ اس گر مجھ کو پہلے جان

نالاہ دل میں شب انداز اثر نایاب تھا
تھا سپند بزم وصل غیر گو بے تاب تھا
مقدم سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے

نالاہ عاشق مگر ساقی صدا سے آب تھا
نالاہ آہم خاکستر نشینی، کسب اکوں
پہلو سے اندیشہ، وقت بستر سنبال تھا

کچھ شکی، اپنے جنوں مار سائے، دندیاں
 فتنہ فتنہ، روکش خورشید عالم تاب تھا
 آج کیوں پردہ انہیں اپنے اسیروں کی تجھے
 کل ملک تیرا بھی دل بھرونا کا باب تھا
 یاد کرو وہ دن کہ بہراک حلقہ تیرے دم کا
 انتظارِ صید میں اک دیدہ بے خواب تھا
 میں نے دو کا رات غالب کو گرہ دیکھتے
 اسی کے سیل گرہ میں گروں کھٹ سیلاب تھا

شاعر نے نامے سے تین فعل
 منسوب کیے، اول اس کا بے باور
 رجنا، دوم غیر کی بزم وصل کے
 لیے پسند ہونا، سوم بے قرار ہونا۔
 شاعر کہتا ہے کہ اول تو نامے
 میں کوئی اثر ہی نہیں تھا۔ اس نے
 کچھ کیا تو میرے خلاف کیا۔ اگر اس میں عشقِ تاثیر ہو تو میر کو محبوب سے بزم وصل
 آراستہ کرنے ہی کی ذہت نہ آتی۔

۲۔ لغات - مقدم : آثار -

آہنگ : آواز، لفظ، طرز، روش، مادہ، تاجران۔

منازلہ صدائے آب : جلتہ لگ - ایک سائے ہے جو سات پیالیوں میں پانی
 کی مختلف مقدار بھر کر سات سروں کے موافق بنا لیتے ہیں۔ پیالیوں کو کسی چیز سے
 بھرتے ہیں تو ان میں سے مختلف سر نکلتے ہیں۔ ان کی ترتیب سے مختلف نغمے پیدا
 کیے جاتے ہیں۔

شرح - سیلاب کی آمد سے دلی نے شادمانی کے گڑاگوں نغمے گائے
 شروع کر دیے، معلوم ہوتا ہے کہ عاشق کا گھر جلتہ لگ تھا۔ یعنی جس طرح پیالیوں
 میں پانی بھر کر مختلف سر پیدا کیے جاتے ہیں، اسی طرح عاشق کا گھر سیلاب کی آمد

پر عین رنگ کی طرح بچھنے لگا۔

۳۔ لغات : نازش : فخر : ناز۔

غیاکسر نشینی : خاک نشینی، فقر، درویشی، تنہا ہوتی۔

سنجاب : پرستان کا ایک جانور جس کا رنگ خاکی مائل بہ سیاہ ہوتا ہے اس کی کھال پیش قیمت ہوتی ہے، جس سے پرستیں اور بعض دوسری چیزیں تیار ہوتی ہیں۔ کھال کو بھی سنباب ہی کہتے ہیں۔

۴۔ شرح :۔ میں خاک نشینی اور درویشی کے ذمے کا حال کیا سناؤں۔

تو صفت نے میرے لیے فخر و ناز کے سامان مزاہم کر رکھے ہیں۔ کسی کا احسان لینا گوارہ نہ تھا اور میرا خیال مستحب کے بستر پر لیٹ کر اس سے اڑا رہا تھا، یعنی جسم ہی نہیں، دل و دماغ پر بھی امتحانی راحت و شادمانی طاری تھی اور تشویش کوئی نہ تھی۔

۵۔ لغات : جنون مار مارا : ناقام اور بے تاثیر عشق۔

نوکش : مقابل، حریت، مٹا پھیر دینے والا۔ شرمندہ کرنے والا۔ بڑھکر۔

۶۔ شرح :۔ میرا جسے بی ناقام عشق سے کچھ نہیں نہ آیا اور وہ خدا کی دی ہوئی صلاحیتوں سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔ اور نہ عشق کی یہ برکت ہے کہ وہ جہاں پہنچا، اس سے ذلے ذلے کو اس ورجہ درخشاں بنا دیا کہ پوری کائنات کو روشن کرنے والا۔ سورج بھی شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ اس کی آب و تاب ان لذتوں کے آگے اندھ پڑ گئی جنہیں عشق نے روشنی بھٹی مٹی۔

۷۔ شرح :۔ کچھ معلوم نہیں کہ آج تو ان لوگوں سے کیوں بے پروا ہو گیا

ہے جو تیرے عشق کے ہال میں ہیں۔ کل تک تو یہ صورت نہ تھی اور تجھے بھی محبت و وفاداری کا سزاوار تھا جتنا تھا۔ یعنی تو محبت و وفاداری پر قائم تھا اور نہ شغلوں سے بے نیازی تیرا شیوہ نہ تھا۔

۸۔ شرح :۔ وہ دن یاد کرو جب تیرے جہاں کا ایک ایک سلقہ شکار کے

انتھار میں اُس آنکھ کی حرکت کھڑا تھا جو تینہ سے محروم ہو۔

پہلے شعر کی طرح اس میں بھی سہجہ و موجودہ حالت کا مقابلہ کیا گیا ہے۔

۴۔ شرح :۔ رات میں سنے غائب کو سمجھا بھیا کر انگبہ دی سے روک دیا۔ وہ
وہ آتے رہتا آتے رہتا اور رو کر ایسا سیلاب برپا کر دیتا کہ آسمان بھی اُس پر بھاگ
جی کر رہ جاتا۔



ایک ایک قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب۔
خون جگر اور وحیت مڑگان یا رختا
ابا میں ہوں اور باقم یک شعر آرد
توڑا جو تو نے آئندہ مثل الہ دختا
گھیریں یہ میری نعل کو کھینچے پھر وکر میں
جاں دلاؤں بولائے سر رہ گزار دختا
موج سراب دشت وفا کا نہ پوچھو مال
بہرزد تو مثل جو ہر تیغ آب دختا
کہ جانتے تھے ہم بھی غم عشق کو پر اب
دیکھا تو کم ہونے پر غم روزگار دختا

۵۔ لغات :۔ ودیعت :۔ امانت

شرح :۔ خواجہ جمال اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔ انگوٹھ
سے اس قدر خون جاری رہتا ہے کہ اگر باقیم میں جتنا خون تھا وہ مڑگان یا رخت
تھا اس لیے اس کے ایک ایک قطرے کا حساب اسی طرح دینا پڑے گا جس قدر
امانت کا حساب دینا پڑتا ہے۔

ہذا ہر شعر کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عاشق دانا مضبوط نہ کر سکا اور اس نے
جسکو پہلے کہ ملکہ کا سارا خون ختم ہو گیا۔ اب وہ اس غم و رنج میں مبتلا ہے کہ جگر کا
خون تو محبوب کی جگوں کی امانت تھا اور امانت میں خیانت ہوتی ہی نہ چاہیے تھی۔
اب کب ایک قطرے کا چھر سے حساب لیا جا رہا ہے اور موجود ہوں کہ حساب دوں۔
گو یا عاشق مضبوط میں ناقص رہا اور ودیعت نہ پائی کہ اس کے مضبوطی میں محبوب

کی پکوں کی امانت بھی آنکھوں کے راستے نکل گئی۔

۲۔ لغات - یک شہر آرزو : آرزوں کا ایک شہر۔ مراد ہے آرزوں کی کثرت۔

تمثال دار : جس میں تصویر ہو۔

شرح : عاشق کا دل ایک ایسا آئینہ تھا جس میں محبوب کی تصویر منعکس تھی۔ محبوب نے وہ آئینہ توڑ دیا اور اس کے بے شمار ٹکڑے جو گئے۔ ثابت آئینے میں صرف ایک عکس نظر آتا ہے۔ آئینہ ٹوٹا تو اس کے ہر ٹکڑے میں وہ ہی عکس نظر آنے لگا۔ گویا سیکڑوں تصویریں عاشق کے سامنے آئیں اور ہر تصویر ایک آرزو کے خون کا یا عکس ہوئی۔ گویا محبوب نے عاشق کا آئینہ دل توڑ کر اسے سیکڑوں ہزاروں آرزوں کے نام میں بٹھا کر دیا۔

۳۔ لغات - جاندارہ : جان دے دینے والا۔ جان قربان کر دینے والا۔
ہوا : آرزو۔ خواہش۔ محبت۔

شرح : میں محبوب کی آمد و رفت کے راستے کی محبت و آمنا پر جان قربان کیے ہوئے تھا۔ اسی حالت میں اور اسی سبب سے میری موت واقع ہوئی۔ اب مناسب ہے کہ میری نفس کو گلیوں میں کھینچے پھرتا کر مرنے کے بعد بھی ان راستوں پر پھرنے کی سعادت حاصل ہو جائے، جن پر محبوب کی آمد و رفت تھی، اسی طرح محبوب اتفاقاً مجھے دیکھ سکے اور اس پر آشکارا ہو جائے کہ میں نے کس سبب سے اور کس شوق میں جان دی۔

۴۔ لغات - سراب : گراں معاویہ کی ریت پر سورج کی تیز کرنیں پڑتی ہیں تو دیکھنے والے کو دور سے پانی لہریں لیتا نظر آتا ہے۔ اصل میں یہ لگاؤ کھوکھلا ہوتا ہے۔ بعض لوگ اسے چاند کی روشنی میں بھی صحرانے اندر ہی کیونست پیدا ہوجاتی ہے۔ پانی کے اس بے بنیاد جلوے کو سراب کہتے ہیں۔

شرح : وہاں کے صحرانے سراب کی طرح نظر آتی ہیں۔ ان کی کیفیت

کچھ نہ پوچھو۔ میں یہ سمجھ لو کہ جس ریت پر سورج کی روشنی پڑنے سے صراپ پیدا ہو رہا تھا، اس کا ذرو ذرو تیز دھار والی تلوار کے جوہر کی مانند تھا۔
 مراد یہ ہے کہ عشق میں دنیا کے تقاضے پورے کرنا بہت مشکل ہے۔ جس نے اس صرا میں قدم رکھا، اس کے لیے چھٹا ٹکڑی ہی نہیں، کیونکہ صراپ پیدا ہونے والی ریت کا ایک ایک ذرو اس کے لیے تیز دھار والی تلوار سے کم نہیں ہوتا۔
 ۵۔ اس شعر کے دو مطلب ہو سکتے ہیں :

۱۔ جب تک ہم نا تجربہ کار تھے، میں سمجھتے تھے کہ عشق کا فہم معمولی چیز ہے۔
 ایسا نہیں کہ برداشت نہ ہو سکے، اب تجربے کے بعد معلوم ہوا کہ اسے کم ہی مان لیا جاتے تو یہ دنیا بھر کے غلوں کے برابر ہے۔

۲۔ ہم جس ایک دہانے میں غم عشق کو زیادہ بڑی چیز نہیں سمجھتے تھے، اب تجربہ کیا تو معلوم ہوا کہ غم عشق کم ہو جانے تو دنیا کے دوسرے غم اس کی جگہ لے لیتے ہیں اس آخری شرح کی تائید مرزا غالب کے ایک اور شعر سے ہوتی ہے :

غم اگرچہ ہاگسل ہے پر پچھیں کہاں کو دل ہے

غم عشق اگر نہ ہوتا - غم درد گزار ہوتا

مرزا نے اس میں ایک بہت بڑی حقیقت بیان کی ہے۔ عشق ایک گہری اور ایک دھن ہے۔ جب تک انسان اس دھن میں گہرا ہے اسے کسی دوسری چیز کا خیال نہیں آتا، گویا وہ تمام تشویشوں سے بالکل غفلت رہتا ہے۔ اگر اسے کسی خاص کام کی دھن اور لگن نہ ہو تو دنیا کی چھوٹی چھوٹی حقیر باتیں اس کے لیے پریشانی کا باعث بنتی رہیں گی۔



۱۔ شرح : بخواب

میں کہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا

مردم اس شعر کی شرح کرتے

آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا

ہوتے جانتے ہیں : یاد ہی نظر

گر یہ پیا ہے بے خرابی میرے کاشانے کی
 درد دیوار سے ٹپکے ہے بیا بیاں ہونا
 واسے دیوانگی شوق کہ ہر دم مجھ کو
 آپ مابنا اُدھر اور آپ ہی تیرا ہونا
 جلوہ از لب کہ تعانائے نگہ کرتا ہے
 جو بہر آئینہ بھی پیا ہے بے مزاں ہونا
 عشرت قتل گد اہل تمست مست پوچھ
 عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا
 سے گئے خاک ہیں ہم داغِ تمنا سے نشاط
 تو ہوا اور آپ بہ صد رنگ گلستاں ہونا
 عشرت پارۂ دل از ہم تمست کھانا
 لذتِ پیشِ جگر۔ غرقِ نیک دہاں ہونا
 کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
 ہائے اس نرود و پشیمان کا پیشیاں ہونا
 حیف اس پارگرہ کپڑے کی قیمت غائب
 جس کی قسمت ہیں جو عاشق کا گریباں ہونا

یہ ایک معمول بات معلوم ہوتی
 ہے مگر غور سے دیکھا جائے تو محال
 اچھوتا خیال ہے۔ دھوئی یہ ہے کہ
 دنیاں آسان سے آسان کام ہیں
 دشوار ہے اندر دلیل یہ ہے کہ آدمی
 جو میں انسان ہے اس کا بھی انسان
 بن مشکل ہے۔ یہ منطقی استدلال
 نہیں بلکہ شاعرانہ استدلال ہے
 جس سے ہر ایک شاعر استدلال
 نہیں کر سکتا۔ (ڈاکٹر صاحب)
 معلوم نہیں انورا جو مرحوم نے
 اس کے شاعرانہ استدلال پر ہونے
 پر کیوں نقد دیا کیونکہ استدلال
 ہر لحاظ سے معقول و حکیم ہے یعنی
 ہر آدمی نوع کے اعتبار سے یقیناً
 انسان ہے اور حضرت آدم کی
 اولاد میں سے ہے لیکن انسانیت
 کی حقیقی صفات ہر آدمی میں نظر
 نہیں آتیں۔ ہر آدمی کمال انسانیت
 کے سب سے پر نہیں ہوتا اور محقق
 انصاف کے اعتبار سے شریعتِ غور
 نہیں ہوتا۔ لہذا یہ کہنا کہ ہر آدمی
 کو انسان ہونا چاہیے نہیں لائقِ تادیب

ہے کہ اس کے لیے کوئی دلیل لانے کی ضرورت نہیں۔ دعویٰ یہ نہیں کر دیتا جس کی
سے آسان کام بھی دشوار ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ ہر آدمی انسان نہیں جتا۔ ہذا نتیجہ
یہ نکلا کہ جن کاموں کو بظاہر بہت آسان سمجھا جاتا ہے، وہ بھی سخت مشکل اور
دشوار ہیں۔

اس سلسلے میں ایک شعر کا ذکر کیا گیا ہے، جسے عالمگیر اعظم نے اپنے خطبات
میں ایک بار درج نقل کیا۔ بظاہر یہ خود عالمگیر کا شعر ہے۔
آنچی تو حسیتم کم دیدیم و نسکو است و نیست
قیست جز آدم روی عالم کہ بسیار است و نیست

یہ ممکن کیسے خلیفہ است؟ افسار ہے۔ دنیا میں انسان بہت دشمن ہے، مگر کم
ہے۔ جس سے قربت زیادہ، لیکن حقیقت ناپید ہی ہے۔ مرزا غالب نے یہ
حقیقت نہایت دیدار انداز میں پیش کی کہ آدمی کی بنا پر ایک مستقل اصول وضع کیا،
وہوں شعر میں کوئی مناسبت نہیں، مرزا کا شعر واقعی شعر ہے، لیکن رقعات
عالمگیر کی کا شعر ذرا ناخوشی اور دلچسپی کے باوجود شعر نہیں۔

۴۔ شرح :- گرے سینے والے دھونے کی کیفیت ہے کہ معلوم ہوتا ہے،
یہ میرا گھر بنا کر نے کے واسطے ہے اور درو دیوار سے سات نایاں جو تاک ہے کہ یہ
سین کر رہا ہے کہ ناپید ہو جائیں گے اور دیر نہ گھر کی جگہ لے لے گا۔
گرے اور ٹپکے ہے، خرابی اور نایاں کی مناسبت واضح ہے۔

۵۔ اپنے عزیز بھائی پر اظہارِ ماحول کے واسطے اور کیا کر سکتا ہوں، یہ ہر
وقت اور ہر سانس لینے میں مجھے غمور کر کے محبوب کی غربت سے جاتا ہے، میں جانتا
ہوں اور صرا پا حیرت میں جاتا ہوں۔

اسے ہمارے نقطہ نظر سے دیکھا جاسکے تو مطلب یہ ہوگا کہ جنونِ عشقی

کے باعث عاشق کے دل میں ایک ہی جذبہ رہتا ہے یعنی یہ کہ ہر لحظہ محبوب کا رخ کرے اور اس سے دل کھینچنے کے باعث حیرانی کا تھمنا عشق بنا رہے، حقیقت کے نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہر لحظہ اس ذات کا رخ کرتا ہوں، وجود و اور زندگی کا سرچشمہ رہے لیکن غایبوں اور نادیدنیوں کے باعث اس تک پہنچ نہیں سکتا اور حیران ہوتا ہوں۔ غالباً یہ حیرانی ہے، جسے صوفیہ کی اصطلاح میں مقام حیرت قرار دیا جاتا ہے۔

۴۔ لغات - آئینہ : یہاں اس سے مراد آئینہ صلی نہیں، بلکہ آئینہ قول و کردار ہے جو ہر فرد کی آئینہ کو تشکیل کیا جاتا ہے تو اس میں غلط سے پرہیز جاتے ہیں جنہیں جوہر آئینہ کہتے ہیں۔ ایک ایک غلطی بال سے مشابہ ہوتا ہے، لہذا انہیں درختوں سے تشبیہ دی۔

تشریح :- محبوب کا جلوہ حسن عکاس کر رہا ہے کہ مجھے دیکھو، کیونکہ میں اور صرف میں ہی دیر کے لائق ہوں۔ یہ سن کر فلاحی آئینے کے جوہروں پر بھی ایسی کیفیت طاری ہو گئی کہ وہ آئینے کی آنکھ پر درختوں بن جانا چاہتے ہیں تاکہ عشق کی دید سے لذت پاسکیں اور اس کا تقاضا ہے یہ پورا کر لیں۔

راجع رہے کہ یہ حسن کی طرف سے سوال نہیں، تقاضا ہے اور مطلب یہ ہے کہ کو اتنی اس کے سوا کوئی شے قابل دید نہیں، اسی لیے بے جان آئینے میں بھی وہ خصوصیتیں پیدا ہو گئی ہیں جو آئینہ دیدہ بننے کے لیے ضروری ہیں۔

۵۔ لغات - اہل عشق : اہل عشق جنہیں محبوب پر قربان ہوجانے کی انتہائی آندہ ہوتی ہے۔

حمید نظامی :- قوت دید، یعنی نگاہ کی حید و انتہائی شادمانی اور خوشی۔

تشریح :- قتل گاہ میں پہنچ کر اہل عشق کو جو خوشی اور شادمانی ہو رہی ہے۔ اس کی کیفیت کچھ اور ہے، جس سے کچھ نیچے کہ جب تھوڑی دیر سے نکلتی ہے اور قتل کے لیے اسے بند کیا جاتا ہے تو نگاہ کے لیے وہی منظر پیدا ہوتا ہے جو قتل گاہ کی

ہیں عید کے دن ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عشاق کے لیے محبوب کے ہاتھوں قاتل ہونے سے بڑا کر خوشی کا کوئی موقع نہیں۔

اس شعر کو قتل شمشیر وغیرہ کے الفاظ کے پیش نظر بعض غزل کا مام مقرر سمجھا جائے اس کی ایک اصولی حیثیت بھی ہے۔ یعنی اہل حق کے لیے اپنے مقاصد لازم کے سلسلے میں قتل گاہ کے اندر پہنچنا اور قتل کے لیے شمشیر کا بلند ہونا ایسا ہی ہے۔ جیسے عید کا دن آجائے، کیونکہ وہ اپنے مقاصد کے لیے کوشش میں یہ سزا پاتے ہیں اور یہ سزا ان کے لیے سزا خروٹی کا پرواز ہوتی ہے، نیز ایسی سزائیں اصل مقصد کی اہمیت واضح کرتی ہیں اور دوسرے لوگوں جی میں دولا پیدا ہوتا ہے۔

۶۔ **شرح :** یہ اسے محبوب! ہم تو مراد حاصل کیے بغیر قبر میں جا سوتے اور اصل سے بڑا شادمانی حاصل ہو سکتی تھی، اس کی آرزو کا داغ سینے میں بے گئے۔ اس تو جس طرح چاہے، اپنا بارگاہ اور شاد و خرم رہو۔

۷۔ **لغات :** ریش : زخم۔

شرح : ۱۔ دل کے گڑھے کی خوشی یہ ہے کہ اس پر آرزو کے زخم گتے ہیں اور ہجر کے زخم پر زیادہ سے زیادہ ٹک پھراک دیا جائے تو اسے لذت حاصل ہوتی ہے۔

زخم ہر شخص کے لیے دکھ اور درد کا موجب ہوتا ہے۔ اس پر ٹک پھرنے کا جتنی تو تکلیف بہت بڑھ جاتی ہے، لیکن اہل عشق کو انھیں چیزوں میں مزہ آتا ہے اور وہ ایسی ہی باتوں میں خوش رہتے ہیں کہ نہ شخص زخم لگائے جائے، بلکہ یہ پر زیادہ سے زیادہ ٹک بھی پھرنے کا جائے، یہاں تک کہ ایک ایک زخم کے لیے پورے لکڑیوں وقف کر دیا جائے۔

۸۔ **لغات :** زود پشیمان : جلد پھرتے والا۔

شرح : یہ محبوب نے مجھے قتل کرنے کے بعد جو درد جفا سے تو بہ کر لی اور

ارادہ کر لیا کہ آئندہ کسی کو قتل نہ کرے گا۔ ہائے! اس بعد پچھانے والے کو کس موقع پر پچھانے کی سوجھی۔

شعر کے مطلب دو ہیں، اول محبوب کے جلد پچھانے پر اس لیے افسوس ہے کہ قتل کے بعد اس پچھانے سے مقتول کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا، دوم یہ کہ مجھے تو قتل کر دیا اور میں نے ثابت قدمی سے دانا کا ثبوت بھم پہنچا دیا۔ اب قیام کی ہاری آئی تو محبوب نے جو روحنا سے قہر کر لی، اس طرح ان کی آذناش بھی نہ ہو سکی اور وہ محبوب کے لطف و کرم سے بے تکلف فائدہ بھی اٹھاتے رہے۔ بعض اصحاب نے اس شعر کے سلسلے میں خواہ مخواہ مبالغہ کا یہ شعر پیش کیا ہے :

آفریں ہر دل پر ازم تو کہ از بہر ثواب
کشتہ خمرہ خود را بہ ناز آمود

تیری ازم دل پر آفریں ہے کہ جسے تیرے خمرے سے قتل کیا، اس کی ندامت کا ادا کرنے کے لیے جلا آیا ہے تاکہ ثواب حاصل کرے۔

ظاہر ہے کہ دونوں شعروں کا مضمون، ایک نہیں، پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حافظ نے اپنے مضمون کی بنیاد و مقبوضہ کے دلِ ازم اور شوقِ ثواب پر رکھی ہے اور غالب کے شعر میں خود و پشیمان کو مرکزِ مبنی حیثیت حاصل ہے۔ تیر نیلکش کی طرح "خود پشیمان" کا بھی کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔

۹۔ شرح : اسے غالب! اس چار گزہ کپڑے کی قسمت پر مبتلا میں افسوس کیا ہوتا کہ جسے جس کی تقدیر میں عاشق کا گریباں بنتا ہو، کیونکہ وہ ہمیشہ چاک ہو رہا ہے گا اور اس کی دھجیاں اڑتی رہیں گی۔

"آبِ حیات" میں ہے کہ مرزا غالب کو ایک آفت ناگہانی کے سبب سے اس طرح جیل میں رہنا پڑا، جس طرح حضرت یوسف کو مصر کے قید خانے میں رہنا پڑا تھا، کپڑے میلے ہو گئے، جونہی پوچھیں۔ ایک دن چلیے جو میں مین رہے تھے کہ ایک

دعیں مزان پڑی کے لیے گئے۔ پوچھا : کیا مالی ہے ہر ماٹے پر شعر پڑھا :
ہم طغزوہ جس دن سے گرفتار ہو چیں !

کیڑوں میں جو میں بخیوں کے ٹاکوں سے ہوں

میں دن بیل سے نکلنے لگے اور لباس تبدیل کرنے کا موقع آیا تو وہاں کو کر

ہ میں چھاڑ کر پھینک دیا اور یہ شعر پڑھا : اے اس . . .

یہ واقعہ بھی نہیں، کیونکہ قید میں مرزا غالب صرف نگر بند تھے اور مشغلت

روپے دے کر معاف کر دی گئی تھی۔ انہیں کھانا گھر سے پہنچتا تھا اور توبہ معصی

خاص شیعہ تیسرے روز طمانت کے لیے ہایا کرتے تھے۔ مولانا محمد حسین آزاد

مروم سہ یہ قصہ نقل کرتے وقت اتنا بھی خیال نہ رکھا کہ اگر مرزا غالب کو عام

قیدیوں کا لباس بتا تو انہیں یہ لباس چھاڑ پھینکنے کی اجازت کیونکر ہوتی یا جواز

زمانے تک میں دستور رہا کہ قیدی میجا و قید گزار سے سکے بعد جیل کا لباس تبدیل

تھے۔ چھاڑ کر نہیں پھینک سکتے تھے، البتہ یہی قیدی کسی قیدی کے لباس کا پھینک

جانا کہیں تھا، ہر حال جوڑی والا شعر غالب کا نہیں ہے تو اس کا موقع اور محل ان

کی قید نہیں، بالکل یہی کیفیت دوسرے شعر کی ہے۔



۱۔ لغات۔ دستخیز اندازہ :

جو انداز سے میں قیامت کے برابر ہو ۔

قیامت جیسا ۔ قیامت جتنا ۔

محیط : ہر چیز کو گھیرنے والے

پہنچنے والا ۔ ہر چیز پر حاوی ۔

تشریح : رات ساقی کے شوق میں

فدا یعنی شے کے آثار کی کیفیت میں

شب فدا شوق ساقی دستخیز اندازہ تھا

کا محیط دائرہ صورت خاشا خمیازہ تھا

یکدم وحشت سے دریں دفتر اکیس کا

جاوید اختر نے دو عالم وحشت کا شیرازہ تھا

ہو گئی تھی مگر کیا تیاست آگئی۔ شراب
 قدماں جہاں اور جس جس طرف میں تھی،
 انگڑائی کا تصور یہاں ہی گئی تھی۔ یعنی ساقی
 موجود تھا، میکشوں کا جمع ہونے کے
 آثار کہ بے مزگی ادبے لطف کا باعث
 سرا سیکر پریشانی کی ایسی حالت میں تھا
 جیسی تیاست کو روخا ہوگی۔ تمام میکش
 یہی ہیں، اگر انہیں بے رحمی تھے۔ یہاں
 معلوم ہو رہا تھا کہ ہر شراب بنانا اور انکا
 کا ہر غلاب شراب... ساغریہ، سیو، ثم، جو من و غیرہ سراپا لگتی تھیں کہ تھوڑے مشتق بنا کر ہے۔
 میکشوں کو انگڑائیاں اس وقت آتی ہیں جب نشہ اتر رہا ہو اور شراب کی
 طلب انہیں پریشان کرے۔ شراب صرف ساقی چاہ سکتا ہے۔ جن میں کا انتقاد ہو رہا ہے
 ہے۔ اسی لیے ہر شراب خانہ اور اس کی ہر شے فہمیدہ کی صورت اختیار کر گئی۔
 شاعر نے شعر میں صرف یہ بتایا ہے کہ پیئہ واسے تھار میں مبتلا ہیں، ساقی موجود نہیں
 اس کا انتظار ہو رہا ہے۔

۲۔ **تشریح :-** ہم نے وحشت کی گھنڈی پر ایک ہی قدم اٹھایا تھا، یعنی
 ہم پر وحشت کی بالکل ابتدائی حالت طاری ہوئی تھی۔ ساقی ہی اس کا تیاست کی
 کتاب کا دوسرا ہم پر واضح ہو گیا، یعنی ہم نے سمجھ لیا کہ اس کتاب میں کیا کچھ لکھا ہے اور
 جو کچھ کہیں اس کی حقیقت یہ ہے کہ وحشت یعنی حقوق و نفسی کی انتہائی حالت اور
 جہانوں کے اجزاء کا شیرازہ ہے۔

مطلب یہ کہ اگر دونوں جہانوں کے اجزاء کو کتاب کے اوراق پر من کیا جائے،
 تو ان اوراق کا بندھن اور انہیں اکٹھا رکھنے والا رشتہ دو گھنڈی کا وہ رشتہ ہے،
 جس پر جنوں و مشتق میں تدرج لگتا جاتا ہے۔ دوسرے غفلوں میں جنوں و مشتق ہی اس

مانع وحشت خراچی ہائے میل کون ہے
 خانہ جنوں و حشر گرد بے دروازہ تھا
 پوچھتے دست رسوائی انداز استغنائے سخن
 دست مرہون حنا و خضار و رہن نازہ تھا
 نالہ دل نے ویسے اوراقِ وحشت دل بہادر
 یادگار نالہ اک دیوان بے شیرازہ تھا

دنیا کی حقیقت ہے اور اسی کے اندر سے سب اجزا یکجا ہوتے ہیں۔

۴۔ لغات - وحشت خرا می : بیابانوں میں پکڑ لگانا۔

صحر اگر د : بیابان میں پھرتے والے۔

شرح : معلوم نہیں، یہی کو بیابان کا چکر لگانے سے کون سی چیز کو

یہی غنی بہ غریب مجنوں کا گھر تو پورا بیابان تھا۔ وہ جنون کی حالت میں ہر جگہ دوڑا

پھرتا تھا۔ اسی کے گھر کا تو کوئی حدود اندہ نہ تھا۔ جو یہی کے لیے روک بن سکتا۔

۵۔ لغات - استغنا : بے نیازی۔ بے پروائی۔ سیریشی۔

مرہون : گرو

شرح : - حسن بے نیازی اور بے پروائی کا دم بھرتا ہے، لیکن دیکھیے

بے پروائی کس طرح رسوا ہوتی ہے حسن کے ہاتھ مندی سے رنگے ہوئے ہیں اور

چہرے پر نازہ لگا ہوا ہے۔

مطلب : کہ جب ہاتھ مندی کے اصناف مند ہیں اور اس کے بغیر سرخ نہیں

سکتے۔ اس طرح رخسار گھلنے یا کریم اور پودے کے بغیر آب و تاب پیدا نہیں کر سکتے

تو حسن کی بے نیازی کے لیے کوئی سی لپٹاؤ میں باقی رہ گئی ہے

مرزا کہنا یہ چاہتے ہیں کہ حقیقی حسن کو بناؤ سنگار کی کوئی حاجت نہیں۔ اسے

بے احتیاجی میں مندی لگتی پڑتی ہے نہ چہرے پر آؤ بناؤنے کی ضرورت پیش آتی

ہے۔ بناؤ سنگار میں کیا جاتا ہے۔ جہاں تعریفی حسن کی کمی محسوس ہو، جانا کہ مندی

اور نازہ سے کام لے کر دنیا اور سنوٹا حسن کی بے نیازی کے لیے رسوائی کا

باعث ہے۔ یورپ میں رسوائی عام ہے اور دوسرے مقامات پر بھی رسوائی میں

کوئی کمی نہیں رہی۔

۵۔ لغات - لخت دل : دل کے ٹکڑے

بیاوردادن : اڑانا، ہوا کے واسطے کر دینا۔ پریشان و برباد کر دینا۔

شرح : - دل سے ہوا کے اٹھتے رہے۔ اہل دل کے ٹکڑے اڑا

دیکھئے۔ یہی حکمت میرے شعر تھے۔ میرا دیوان ان ناولوں ہی کی یادگار ہے، مگر اس
 شہسازہ کوئی نہیں اور ورق درق نگاہ ایک ہے۔



۱۔ شرح : دوست اور
 میرا دھیرا، علم کھانے کے سلسلے
 میں کیا کر سکتے ہیں؟ ان کے پس
 میں زیادہ سے زیادہ ہے کہ
 میرے ناخن کٹا دیں تاکہ یہ اپنے
 زخم نہ چھیل سکوں، لیکن یہ تو جیسے
 کہ جب تک میرے زخم جھرنے
 لگیں گے، اس وقت تک ناخن
 نہ بڑھ جائیں گے اور میں زخموں
 کے مذہبی جوئے سے پھلے پھلے
 انھیں دوبارہ نہ چھیل سکوں گا،
 مطلب یہ ہے کہ جنوں عشق
 بہ علاج کی کوئی بھی تدبیر کر جانتے
 سے قطعی نہیں سمجھا جاسکتا، اس
 میں ایک پہلو اچھا ہی کہ ہے تو وہ
 عارضی ہے، جو قدرتی دیر میں ختم
 ہو جائے گا، پھر پہلی حالت عود
 کر آئے گی۔

دوست غنوار ہی میں میری سعی فرمائیں گے کیا
 زخم کے بھرنے تک ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا
 بے نیازی سے گزری بندہ پرور کب تک
 ہم کہیں گے عالی دل اور آپ فرمائیں گے کیا
 حضرت ناصح گرائیں، دیدہ دل فرش راہ
 کوئی مجھ کو تو یہ سمجھائے کہ سمجھا نہیں گئے کیا
 آج وال تیغ و کفن باندھے ہوئے باتاموں میں
 عند میرے قتل کرنے میں نہ اب لائیں گے کیا
 گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا : یوں ہی
 یہ جنوں عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا
 خانہ زاد زلفت میں نہ بخیر سے بھاگیں گے کیا
 ہیں گرفتار ونا، زنداں سے گھبراہٹیں گے کیا
 ہے اب اس معمرہ میں قحط غم الفت اسد
 ہم نے یہ مانا کہ وہی میں رہیں کسا نہیں گے کیا

۲۔ شرح : (میرا وہ ہے)
 خطاب ہے

آپ کی بے نیازی اور بے پروائی حد سے گزر گئی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ مسئلہ کب تک چلے گا۔ میں ہر اسے شوق سے دل کا مال سنانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ کچھ کتابوں تو آپ تعذیل سے کام لیتے ہوئے فرما دیتے ہیں کیا کہا ؟

شعرؔ جو یہودیہ طور خاص قبی تو جہ ہے یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو درپردہ دوستی سنانے لگے اور سننے والا گوارے کر گیا کہ تو دروہ مند کے بیان میں وہ تاثیر اور گہرائی ہی باقی نہیں رہتی جو اس داستان کے لیے ضروری ہے۔ غالب نے "آپ فرماؤں گے کیا" میں اسی نکتے پر زور دیا ہے۔

۴۔ لغات - ویدہ و ودی فرش دراد : انکھیں اور دل ان کے استے میں بچھا دوں یعنی وہ سر آنکھوں پر تشریف لائیں۔

تشریح : اگر حضرت تاسع و عطا و نصیحت کے لیے تشریف لایا جتے ہیں تو شوق سے تشریف لائیں۔ ان کا آگ سر آنکھوں پر میری طرف سے غیر مقدم میں کو تازی نہ ہوگی۔ بلکہ انکھیں اور دل ان کے سامنے میں بچھا دوں گا، مگر کوئی صاحب یہ تو سمجھ رہا کہ وہ مجھے کیا سمجھائیں گے ؟ یعنی مجھ پر ان کی نصیحت کا اثر کیا ہو سکتا ہے ؟ تاسع کے بھی غیر مقدم میں سرگزشتی نہیں۔ یقیناً نصیحت بہتری اور بیودی کے لیے کی جاتی ہے، مگر اسل سوال اثر اور نتیجے کا ہے۔ جب معلوم ہے کہ سمجھنے کا اثر کچھ نہ ہوگا تو تاسع کی عزت اور مرتبے کا احترام کرتے ہوئے یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ ان کی تکلیف خدائی قطعاً بے نتیجہ ہوگی۔

۵۔ تشریح : آگ میں توار اور گھنٹے کے کریموب کے پاس ہمارے ہوں۔

اس کے بعد ان کے لیے میرے قتل میں کون سا عذر باقی رہ جائے گا ؟

بظاہر وہی عذر ہو سکتے تھے : اول یہ کہ توار نہیں - دوم یہ کہ قتل کے بعد گھنٹے کو کیا انتظام ہوگا - سی دونوں عذر سامنے رکھ کر تیغ و گھنٹے کا انتظام مزہبی کیا۔

۶۔ تشریح : تاسع نے ہمارے چنانچہ عشق کو ختم کر سٹھ کے لیے ہمیں قید میں ڈال دیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا قید جنوبی عشق کے اندر ازجہ سے ٹھہرا سکتی ہے ؟

مطلب یہ ہے کہ جنوں عشق ہماری نظرت میں مہر اسیت کر چکا ہے جس طرح
نظرت کو تبدیل کرنا ممکن نہیں، اسی طرح جنوں عشق بھی ہم سے چھڑایا نہیں جاسکتا
بلیک نصیحت کرنے اور راہِ خیر خواہی تدبیر کے لیے انتہائی قدم اٹھایا یعنی ہمیں
قید ہی ڈال دیا، لیکن جنوں عشق صحرانوردی پر موقوف نہیں، ہم سے اسیری میں بھی
برابر اس کے مظاہرے سرزد ہوتے رہیں گے۔

بظاہر تاج کا لفظ یہاں محلی نظر معلوم ہوتا ہے، اس کی جگہ کوئی ایسا آدمی ہو،
چاہے جو حکومت کی طرف سے غیر مناسب افعال کے اسناد پر مامور ہو، مثلاً
محب، لیکن مرزا نے یہاں "تاج" دانستہ استعمال کیا، ان کا مقصد وہ مرزا
ہے جو آزاد راہ غیر خواہی یہ تدبیریں اختیار کر رہا ہے، لہذا یہاں تاج ہی مرزوں
ہے۔ خود قید کرنا اس کا کام نہ ہو، مگر وہ قید کر سکتا ہے۔

اس شعر کا ایک مضمون اور بھی ہے۔ یعنی جو لوگ حق و صداقت سے بچا عشق
رکھتے ہیں، ان کے راستے میں جتنی بھی تکلیفیں اور مشقتیں آجائیں اور وہ گرداں نہیں
ہوتے۔ ہر مصیبت صبر و سکون سے بھیل جیتے ہیں اور اپنے مقصد کے لیے ہر ممکن
حق پر دستور قائم رہتے ہیں، گویا مرزا کا مطلب یہ ہے: ہمیں کسی بھی سداک سے
سابقہ پڑے۔ کتنی ہی تکلیفیں پیش آئیں، ہم حق و صداقت سے منہ نہیں موڑ سکتے۔

۴۔ لغات۔ خانہ زاد: جو کسی کے گھر میں پیدا ہوا ہو اور وہاں بڑا
ہو۔ بظاہر اس کا مطلب ہے وہ شخص جو کسی گھر سے خصوصی نسبت رکھتا ہو
لیکن جائیداد کے دور میں اس کا اطلاق فلاںوں یا ان کی اولاد پر ہوتا رہا۔

تشریح: ہم زلف کے خانہ زاد ہیں، یعنی ہمیں زلف سے اسی خصوصی
نسبت ہے، جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتی، اسی لیے ہم زنجیر سے کیونکر ڈور بھاگ
سکتے ہیں؟ اس معرکہ میں زنجیر اور زلف کی مناسبت ظاہر ہے، نیز زلف کے
بیچ کو خانہ زاد دے کر وابستگی کی بنا پر اپنا خانہ زاد ہوتا ثابت کیا۔ خانہ زاد کے
لفظ سے مرزا کا مقصد یہ ہے کہ میں خانہ زاد اور اس گھر کو اپنا گھر سمجھتا رہا۔

جس میں وہ پیدا ہوا اور پرورش پائی اور اس گھر سے قطع تعلق کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔
 نہ کسی اور مکان کو اپنا مامن سمجھ سکتا ہے، یہی کیفیت زلف کے تعلق میں ہماری ہے۔
 پھر ہم وفا کے پابند اور اپنے وعدہ پر قائم رہا ستوار ہیں، کون سی وجہ ہے کہ ہم قید خانے
 سے گھبراہٹیں گے؟

شاعر کتنا زیادہ جانتا ہے کہ زلف محبوب سے گھری اور ناقابل شکست وابستگی
 پیدا شدہ ہے۔ اس بنا پر ہمیں زنجیریں پہنا دی جائیں تو کچھ پروا نہیں۔ اسی طرح
 ہم وفا کے راستے پر قدم بٹائے کھڑے ہیں اور قید سے ہمیں کوئی ہلک نہیں۔
 اگر زلف کو کسی اعلیٰ مقصد کی لطیف تعبیر قرار دے لیا ہے تو پھر اس قدر عزت
 ہی جاتا ہے۔ یعنی اعلیٰ مقاصد سے سچا عشق رکھنے والوں کا شیوہ یہ نہیں کہ قید و بند
 سے ڈرنا یا گھبراہٹیں۔

۷۔ لغات - معصومہ: بستی، شہر آباد مقام یا زمین۔

تشریح :- اسے استاد ادبی میں ترجمہ عشق کا قلعہ پڑ گیا ہے۔ یعنی جس طرح
 قلعہ کے ڈانٹنے میں گمانے پینے کی جنسیں محدود ہو گیا اب ہو جاتی ہیں، اسی طرح
 یہاں عشق کی جنسیں کیا اب ہو چکی ہے۔ ہمیں غم عشق کا ایسا مزہ پڑ گیا ہے کہ اس
 کے سوا ایسا اگر ارا ہو ہی نہیں سکتا۔ اب اس بستی میں عطر سے رہیں تو سوال یہ ہے
 کہ ہم کہاں گئے کیا اور نہ وہ کیونکر دیکھیں گے؟

غم الفت یعنی غم عشق سے مراد کسی خاص محبوب کا عشق نہیں۔ یعنی یہ غم مانگا
 نہیں بلکہ عام ہے۔ خواہ وہ اعلیٰ مقاصد کا عشق ہو، محبوب کا عشق ہو، مجنون کی
 وہم غم واری ان خاص امور محدود ہو، غم عشق ہر چیز اس غم الفت میں شامل ہے، ظاہر
 ہے کہ جس بستی میں ہے جس نامید ہو، جو انسانیت کا زلیہ اور آدمیت کا جوہر ہے
 وہاں وہ گریہ کرے اگر اور کس طرح ہو گا؟

۱۔ شرح : ہماری قسمت

میں محبوب کا وصال ہی نہیں
 تھا ہوا کہ ہم مر گئے۔ اگر کچھ دیر
 اور جیتے رہتے تو وہ بھی اس انتظار
 میں گزر جاتا۔

شعر سادگی اور حسن بیان کے

اقرار سے نہایت اچھا ہے۔ اس

میں سے ایک پہلو بھی نکلتا ہے

کہ اگر وہاں یا منتظر نہ ہو تو زندگی

سے موت ہی بہتر ہے۔ شعور شن

ہے۔ انتظارِ اشد من الموت

یعنی انتظارِ موت ہے بھی نہ یاد

سمت اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔

انتظار اور وصلِ محبوب کا انتظار

ناشنِ برداشت نہیں کر سکتا کیونکہ:

نیچ روئی و غمخیز جندی

نہ کند آئینہ انتظار کند

بہرِ لبِ منتظر میں بھی نہیں تو

وصالِ انتظار کی زمیں میں ملنے

سے کیا فائدہ ؟

۲۔ شرح : اگر بہتری

موت سے وصل کا وعدہ سن کر بھی

نہ دے تو جیتنا جان سے کہ ہم

یہ نہ تھی ہمارے ہی قسمت کہ وصالِ یار ہوتا

اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ترسے و دوسے پر جیسے ہم تو یہ جانِ محبوب

کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

تری ناز کی سے جانا کہ بندھا تھا ابدِ بوا

کبھی تو نہ توڑ سکتا۔ اگر استوار ہوتا

کوئی میرے دل سے پوچھے تیرا غم کش کو

یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پاؤں ہوتا

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوستِ ناصح

کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی غم گسار ہوتا

رگِ شک سے شیکتا وہ کہو کہ پیرہہ شمت

جیسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شہدار ہوتا

غم اگر چہ جاں گسل ہے پھر کہاں نہیں کڑاں ہے

غمِ عشق گر نہ ہوتا، غمِ روزگار ہوتا

کہوں کس سے نہیں کہ یہ ہے شبِ غم بُری جا ہے

مجھے کیا بڑا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

جوئے ترکے ہم جوڑو، ہوئے کیوں نہ غرقِ حیا
نے اس دلدسے کو کبھی سچا نہ سمجھا
نہ کبھی جہنما زہ اٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا
اگر سچا سمجھ لیتے اور اس چہرے میں
اُسے کون دیکھ سکتا، کہ یگانہ ہے وہ یکتا
اعتقاد ہوتا تو کی خوشی کی فراوانی
سے ہم پر شاوی مرگ کی کیفیت
جوڑوئی کی تو بھی ہوتی، اتو کہیں دو پیار ہوتا
ہادی نہ جو ہادی اور ہم ہاں ہادی
نہ جو گئے ہوتے ؟

یہ مسائل تصوف، یہ تراکیب ان فناء
حاشی کے لیے محبوب کے دوا
تجھے ہم والی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا
وصل سے بڑھ کر خوشی کی کوئی چیز
نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی معلوم ہے کہ
جس طرح لوگ، نہ جانے کون کونسی برداشت نہ کر سکے اور مر گئے، اسی طرح ایسی
شہائیں بھی ملتی ہیں کہ لوگوں کو اپنا تک انتہائی خوشی کی تعبیر پہنچی اور وہ خوشی میں آپے
سے باہر ہو کر یا تو مر گئے، یا عذاب میں داخل آ گیا ہے، مرزا کہتے ہیں کہ محبوب کے وعدے
وصل پر اعتبار ہوتا تو سمجھ لیا جاسکتے کہ جس اس پیارنے پر خوشی حاصل ہوتی جو مصلے
عذیب و غم سے باہر ہوتی اور اس کا نتیجہ موت ہی ہو سکتا۔ چونکہ اصل دلدسے کو تجھ پر
سمجھا اس لیے خوشی نہ ہوتی اور نہ رہے۔

کہا گیا ہے کہ سبیلِ ہمدردی نے اس مصنفوں کا ایک شعر کہا ہے :

ہم از دنیا دار و بدہ وعدہ کریم

از ذوقِ وعدہ تو بہ فرود آمدیم

یعنی تو میرے ساتھ وصل کا وعدہ کر لے اور اسے پورا کرنے کا خوف دل سے
نکال ڈال، کیونکہ تجھے وعدے سے تو خوشی ہو گی، وہ مجھے نہ نہ دلا رہے ہیں۔
یہاں شہباز ہمدردی نے وعدہ وصل کو انتہائی خوشی کا موجب قرار دیا ہے، جیسی
سے عاشق مر سکتا ہے، لیکن شعر کی عام صورت غیر طبیح ہے، یعنی محبوب سے یہ
کہنا کہ تو وعدہ کر لے، میں اس خوشی میں مر جاؤں گا اور تجھے وعدہ پورا کرنے کی عزت

ذریعے کی۔ فطری حاجت سے قطعاً مرفا بہت نہیں رکھتا۔ اُس وعدے سے شادی مرگ کیونکر ہو سکتی ہے جس کے متعلق یقین ہو کہ اس کے پورا کرانے کی نوبت نہ آئے گی اور عاشق اس سے محفوظ ہو گا۔ غالب نے اس معنوں کو طبعی صورت سے دی کہ محبوب نے وعدہ کیا اور عاشق نے یقین سمجھ لیا کہ یہ وعدہ پورا نہ ہو گا۔ لہذا وہ خوشی ہی نہ ہوئی جس کی فراوانی عاشق کو مار سکتی تھی۔ پھر کہاں یہ ہے کہ حقیقت بھی بطور اصول پیش نہیں کی، بلکہ مستحب ہو کر محبوب سے سوال کرتے ہیں کہ وعدے کا یقین ہوتا تو خود سوچ کر ہم نہ ذرا رو سکتے تھے؟ خوشی میں ختم نہ کر دیتی؟

۳۔ **شرح :** محبوب سے خطاب ہے کہ تو سراپا نزاکت ہے، تیرا جسم نازک، تیرا مزاج نازک، اس حالت میں جو بیان باندھا ہوتا۔ وہ بہر حال نازک اور کمزور ہی ہو سکتا تھا۔ اگر دو بیان مضبوط اور محکم ہوتا تو تجھے ایسا بیکر نزاکت اسے ہرگز توڑ نہ سکتا۔

۴۔ **لغات :** تیرا تمکیش : وہ تیرا جو کون کو پورا نہیں، بلکہ آدھا کھینچ کر چھوڑا ہائے۔ نشا نہ جتنی دوار ہوتا۔ اسی لحاظ سے کہاں کھینچ کر تیر چھینکتے۔ اگر نشا نہ بہت قریب ہوتا تو کہاں کھینچنے پر پورا زور صرف نہ کیا ہوتا۔

فلش : کشک چھینچ

شرح : اسے محبوب انٹونے کہاں آدھی کھینچ کر تیر چھینکا، وہ بیکر میں چوست ہو گیا۔ چونکہ اس پر زور کم صرف ہوا تھا۔ اس لیے جگر کو چسید کر باہر نہ نکل سکا۔ یہی میں الفاظ ہو گیا۔ اس کی فلش نے دل کو ایسا مزہ دیا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ اگر پورے زور سے تیر چھینکا جاتا اور وہ بیکر کو چسیدتا ہوا باہر نکل جاتا تو نہ تم خنزیر ہو جاتا، مگر مسلسل کشک نہ ہوتی۔ عاشق کے لیے مزہ اس کشک ہی میں ہے نہ کوئی میرے دل سے بڑھ کر۔ کاہل لذت فلش کی ایسی کیفیت واضح کر رہا ہے جس کا کوئی اندازہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔

۵۔ **شرح :** دوستی کا یہ کون سا طریقہ ہے کہ تمام دوست نصیحت کریں گئے

ہیں۔ مجھے اطمینان ہے کہ میں کہہ رہا ہوں کہ یہ سب سچ ہے۔ دوستی کا حق کیونکر دیا جاسکتا ہے یا حقیقی دوستی کا قیاس کیا جاسکتا ہے کہ کوئی مجھ کو ہم
 پہنچانے کی تدبیر میں اختیار کرتا۔ میرے دل کے زخموں پر مرہم رکھتا۔ محبوب سے ملنے
 کا کوئی طریقہ سوچتا اور میرا غم مٹا کر دیتا۔ محبوب یہ کہ دوستی کے یہ واضح طور پر اپنے چھوڑ
 کر رہی ہے میرے ساتھ دوستوں کی ہمدردی ظاہر ہوتی۔ انہوں نے نصیحتیں شروع
 کر دی ہیں جو مجھے ناگوار لگتی ہیں اور ان سے ناامید ہوں کچھ نہیں۔

۶۔ **مشریح** :- غم ایسی بات گوارا نہ اور جاگت چیز چیز ہے کہ اگر یہ پہلے ہی بن
 کر پتھر کی رنگوں میں داخل ہو جاتا تو اس سے یوں سوینے لگتا کہ ہر دے کے نہ لگتا۔
 ظاہر ہے کہ جو چیز ہے جس پتھر کی رنگوں سے بھی ٹوٹ سکتی ہے اس سے
 انسان قلب پر کیا کچھ گزرنی ہوگی جو سراپا احساس ہے۔

۷۔ **لغات** :- جاگسل : بہی کو جاگ کر دینے والا لگتا دینے والا۔
مشریح :- غم یقیناً جان کو لگتا دینے والا تباہ کر دینے والا اور جاگت کے
 گھاٹ ہمارے دینے والا ہے لیکن کیا کریں کہ معاملہ دل سے آڑا ہے اس لیے ہم
 غم سے بچ نہیں سکتے۔ فرض کر لیجیے کہ ہم نے عشق کا غم نہ لگایا۔ مگر دلی کی فطرت
 و طبیعت ہی یہ ہے کہ کسی نہ کسی غم سے وابستگی کا رشتہ قائم رکھے۔ غم عشق نہ ہوگا
 تو وہ زمانے کے دوسرے غموں میں الجھ جائے گا۔ بہر حال دل غموں سے خالی
 نہیں رہ سکتا۔

شعری ایک غزل یہ ہے کہ اس میں مضامین عشق کو برتر و بالا قرار دے کر
 اس کی طرف سے کہہ کر دیا گیا ہے کہ اگر یہ غم قبول نہ کر دو گے تو دنیا کے دوسرے
 غموں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ مثلاً میان و ماں کا غم، اہل و عیال کا غم، فراغت یاں
 کا غم وغیرہ۔

۸۔ **مشریح** :- یہ شب غم کی کیفیت کوں تو کس سے کوں نہ کوئی اہل و
 نظر نہیں آتا۔ اگر نظر بھی آئے اند اس سے کوں تو کیا کوں، اسے شیک شیک

بیان کرنے کا انداز کہاں سے لائنیں؟ اس اتنا کہ سکتا ہوں کہ یہ نہایت بُری جگہ ہے۔ پس یہ سمجھ لیجئے کہ ایک ایک لمحہ جانگزی میں گزرتا تھا۔ ہر سال میں موت کی کیفیت مجھے پُر گزرتی تھی۔ مرنے سے میں نہیں ڈرتا تھا، بشرطیکہ ایک ہی بار موت آتی اور میں ختم ہو جاتا، لیکن ہر ایک ایک لمحہ موت کے مُنہ میں گزرتا رہا۔ نہ غلطی کی کوئی صورت تھی۔ نہ موت کی تکلیفوں میں کوئی کمی نظر آتی تھی۔ ایک بار مر جانا بڑا نہ تھا، مگر شبِ غم نے تو مجھے ایسی حالت میں مبتلا کر رکھا تھا، گویا ہر آن موت کی تمام تکلیفیں مجھ پر طاری ہو رہی تھیں، لیکن جان نہیں نکلتی تھی۔ جان بگل جاتی تو یہ لمحہ بہ لمحہ مرنے کی تکلیفیں سمجھنے سے لاتی جا جاتا۔

دیکھیے۔ شاعر کا کمال کہ شبِ غم کے متعلق حقیقت کچھ نہیں کہا، مگر جو کچھ کہا ہے سکتا تھا، وہ کہ گیا۔ لفظوں میں ایسی تصویر کھینچ دی کہ کوئی بھی پہلو چھپا نہ رہا۔ پھر یہ کہ ایک بار موت آجاتی تو مجھے اس کے بجائے تیار ہونے میں کیا مضائقہ تھا، اس میں شبِ غم کی پوری کیفیت سامنے آگئی۔

۹۔ **شہرِ ح:** مرنے کے بعد جہادری جو رسوائی ہوتی، اس سے کہیں بہتر تھا کہ وہ یا سمندر میں ڈوب جاتے تاکہ نہ جنازہ اٹھانے کی نوبت آتی اور نہ کسی دُشمن ہوتے۔

نقا جبر ہے کہ رسوائی کا نقشہ شاعر نے دوسرے مصرعے میں پیش کیا ہے، یعنی جنازہ اٹھا کر کوئی سچ نہ تھا اور بیگسی کے ہوا کسی کی رفاقت حاصل نہ تھی۔ تربت یعنی تو اس پر کوئی شکوے والا یا اس کی دیکھ بھال کرنے والا نہ تھا۔ اس رسوائی سے محفوظ رہنے کا صرف ایک پہلو شاعر کو نظر آیا اور وہ یہ کہ ڈوب کر مر جانا۔

مرزا نے مرنے کے بعد بیگسی کی ایک تصویر اور بھی کھینچی، جو اس سے کم حسرت نہ کہ نہیں اور اس تصویر کی طرح وہ بھی خیالی و تخیلی ہی نہیں، بلکہ حقیقت پر مبنی ہے، یعنی:

مارا دیو غیر میں محمد کو وطن سے دور رکھ لے مرے خزانے مری بیگسی کی غم

جس طرح دریا یا سمندر میں ڈوب مرنے سے بے کسی کا سر پہلو چھپا رہ سکتا تھا
 اسی طرح وطن سے باہر کسی اجنبی ملک میں مہربانے سے بھی یہ مستند پورا ہو سکتا تھا
 کیونکہ مسافر کے وطن یا اس کی حیثیت یا اس کے عزیزوں پر مشتمل دلدردیں اور
 دوستوں کی حیثیت سے کوئی آگاہ نہیں ہوتا۔

۱۰۔ لغات - لنگانہ - دواحد - اکیڑ - ایک

یکتا : بے مثل، بے نظیر۔

دوئی : دوست کی ضد، دو ہونا (ایک کے بجائے کسی کا خدا کے ساتھ
 شریک ہونا۔

دوچار ہونا : دکھائی دینا، نظر آنا۔

شرح :- خدا کو کون دیکھ سکتا ہے کیونکہ وہ تو اپنی ذات میں عکس اور
 بے مثل ہے۔ اُس جیسا دوسرا وجود کوئی نہیں۔ اگر اس میں دوئی کا خلیفہ سا شائبہ
 بھی ہوتا تو ضرور کہیں نہ کہیں نظر آجاتا۔ لیکن اُس کی ذات تو غیرت اور دوئی
 سے بہت بالا ہے۔ پھر اسے کلاہری آنکھوں سے کون دیکھ سکتا ہے؟

۱۱۔ شرح :- اسے غالباً تو تصوف اور روحانیت کے مسئلے پیش کر
 دیے۔ پھر تیرا انداز بیان اتنا دلکش و دلآویز ہے کہ جو کچھ تو کہتا ہے وہ دل میں
 اتر جاتا ہے۔ یہ تو دلیوں کی سبائیں ہیں۔ اگر تو شراب نوش نہ ہوتا تو ہم تجھے جی
 دلی سمجھ لیتے۔

مرزا نے پہلے مضرب میں اپنی جو قسم بیعتیں بیان کی ہیں، انہیں خود مستثنیٰ
 یا استثنیٰ قرار دینا سمجھا جاسکتا ہے۔ یہ دعوت ان کے کلام میں جو درجہ اعلیٰ موجود تھے انہیں
 تصوف کے مسائل ہی نہیں۔ بلکہ حکمت و فلسفہ اور عام معارف و عبادت محبت بھی وہ
 ایسے تادریعات میں پیش کرتے تھے جس کی کوئی مثال مشکل سے ملے گی اور یہ
 جو ہر ان میں فی الواقع موجود تھا۔

خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں : ”میان کیا جاتا ہے“ ابو ظفر بہادر شاہ ثانی نے

مرزا کی اس غزلی کا مطلع سنا تو کہا : بھئی ہم تو جب بھی ایسا نہ سمجھتے : یعنی نہ شرب
نوش نہ ہوستے اور ایسے ہی مسائل اسی انداز میں بیان کرتے : جب بھی تمہیں
دل نہ دانتے : مرزا نے معاً کہا : حضور تو اب بھی مجھے وہی ہی سمجھتے ہیں مگر میں
ایسے ارشاد ہوا کہ میں اپنی ولایت پر معزور نہ ہو جاؤں ۔



ہوس کو بے نشاط کار کیا کیا ؟	نہ ہو مرنا تو جینے کا مرزا کیا ؟
تہا بل پیشگی سے مدعا کیا ؟	کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا
نوازش ہائے بے بار دیکھتا ہوں	شکایت ہائے رنگیں کا گھلا کیا ؟
نگاہ بے محابا چاہتا ہوں	تلافی ہائے تکیوں آزما کیا
فروغ شعلہ خس یک نفس ہے	ہوس کو پاس نہ ہوس وفا کیا
نفس موج عیط بے خودی ہے	تغافل ہائے ساقی کا گھلا کیا
دماغ عطر پیرا ہن نہیں ہے	علم آوارگی ہائے صبا کیا
دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر	ہم اس کہے ہیں ہمارا پوچھنا کیا
معا کیا ہے میں مناسب اصرار دیکھ	شہیدان نگہ کا خوں بہا کیا ؟
سُن اے ناصت گر جنس وفا سن !	شکست قیمت دل کی صدا کیا ؟
کیا کس نے جگر دلدی کا دعویٰ	شکیب خاطر عاشق بھلا کیا

یہ قاتل دودھ صبر آزمائیوں یہ کافر فقہ طاقت رہا کیا ؟
 بلائے جہاں ہے غالب اس کی ہر بات عبارت کیا - اشارت کیا - ادا کیا

۱۔ لغات - نشاط کار : کام کرنے کی انگلی - معنی وجہ کا ہند یہ ۔

تشریح :- خواہر خانی اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

”جہاں تک معلوم ہوا ہے ، یہ ایک نیا خیال ہے اور نیا خیال ہی نہیں

بلکہ فیکٹ ہے ، کیونکہ دنیا میں جو کچھ چل چل رہا ہے ، وہ صرف اس عقیدے کی

بدولت ہے کہ یہاں رہنے کا زمانہ بہت قسور ہے ۔ یہ انسان کی طبی

فصیلت معلوم ہوتی ہے کہ اس قدر فرصت نہیں ہو ، اس قدر زیادہ سرگرمی

سے کام کرنا سہل کام کرنا ہے اور جس قدر زیادہ جھٹ ملتی ہے ، اسی قدر

کام میں تاخیر اور سہل انگاری زیادہ کرتا ہے :

مضمین ہوا کہ کام کرنے کا جوش اور دلدل صرف اس دور سے ہے کہ موت نہر

پر کھڑی ہے ، معلوم نہیں کب آہٹے ، اس لیے انسان کی ہوس چاہتی ہے ، تمام کام

جلد سے جلد پورے کرے ۔ گویا دنیا میں جو چل چل رہا ہے ، وہ انسان کی ہوس کا نتیجہ ہے

اور ہوس کی تمام سرگرمیاں اس پر موقوف ہیں کہ زندگی سکے دن قسور ہے ۔ اس سے

ثابت ہوا کہ زندگی کی پوری رونق اور لطافت و لذت صرف موت کا نتیجہ ہیں ، مرنا نہ ہوتا

تو بچنے میں کچھ مزہ نہ رہتا ، کیونکہ ساری چل چل چل رہی تھی ، جوش و سرگرمی کا ہلکا کر

ٹھنڈا چڑھا دیتا ۔

انسان کے جوش و دلدل کو ہوس سے تعبیر کرنے کا مقصد غالب یہ ہے کہ یہاں تو

کچھ بھرا رہا ہے ، وہ انسان کی تمام آرزوؤں اور امیدوں کا کرشمہ ہے ۔

۲۔ لغات - تنہا بلی پیشگی : جہاں بوجھ کر اچھٹ بننے کی عادت ۔

تشریح :- اسے محبوب احمق حلقی سراپا ناز ہو ۔ تمہاری ہر بات ایک ادا

اور کہ شعر ہے ، لیکن یہ تو بتاؤ کہ جہاں بوجھ کر انجان بننے کی عادت سے تمہارا

مقصود کیا ہے ؟ میں جب کبھی اپنا دلکہ درد بیان کرتا ہوں اور دلی کا حال ملاحظہ ہوں تو کہہ دیتے ہوں : کیا کہنا تھا اور کوئی بھی بات تو تجھ سے نہیں کہنے ، اس سے آخر تمہارا دعا کیا ہے ، تداخل کی کوئی وجہ اور سبب تو تھا نہ ؟

۳۔ **شرح :** - اسے محبوب ! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میرے رویوں اور رویوں پر ایسی نواز نہیں اور ایسی ہر باتیں کر رہے ہو جن کے وہ ہرگز مستحق نہیں۔ ایسی باتیں تو صرف مجھ پر ہونی چاہیے تھیں جو سچا عاشق ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ بے موقع اور بے محل ہر باتیں دیکھ کر محبت بھرے انداز میں شکایت کرتا ہوں تو تم مجھ کو شکوہ شروع کر دیتے ہو ، جب تمہیں یہ باتوں سنوں گا کچھ خیال نہیں تو میری محبت پر شکایت دلا کیوں کرتے ہو ؟

شاعر نے محبت بھری شکایتوں کو شکایت اسے رنگیں قرار دیا کیونکہ عاشق کی طرف سے ہر شکایت محبت ہی کا کرشمہ ہوتی ہے ۔ یہ مقصد نہیں ہوتا کہ محبوب سے تعلق توڑ دیا جائے ۔ ایسی بات سچے عاشق کے خیال میں کبھی نہیں آ سکتی ۔

۴۔ **لغات :** - بے محابا : بے تکلف ، بے محاب ، بے خوف ۔
تداخل ہائے تمکین آزما : جان بوجھ کر ایسی بے پروائی اختیار کرنا ۔
جس کا دعا یہ ہو کہ عاشق کے صبر و شکیب کا امتحان لیا جائے ۔

شرح : - اسے محبوب ! تمہارا شیوہ یہ ہو گیا ہے کہ مجھ سے تداخل برتو ۔
مجھ پر تو توجہ نہ کرو اور بے پروائی سے کام لیتے رہو ۔ اس طرح تم چاہتے ہو کہ میرے صبر و استقلال کو آزما دیا جائے ۔ امتحان لیا جائے کہ میں کہنے پاتی ہوں ۔ یہ کہیں سمجھتے ہو کہ اس طرح میرے استقلال کا یہ نہ چھانک جائے گا اور میں اپنی قومیت برداشت کھو بیٹوں گا ۔ اگر تم مجھے تو پانا اور لوٹا تا ہی چاہتے ہو تو تداخل چھوڑ دو اور ایک جہر روپے بک لگاؤ مجھ پر ڈالو ۔

۵۔ **لغات :** - فروع : حواصی ، گرمی ، روشنی
شعلہ خن : روشنی جو تنکا جلتے سے اٹھتا ہے ۔ معلوم ہے کہ تنکا ایک

لئے ہیں۔ میں بھٹکتا ہے اور شعلہ بھی جلد سے جلد ختم ہو جاتا ہے۔

پتھر : یہاں مراد رقیب سے ہے۔

تشریح : جو شعلہ نکلے کے جلنے سے اٹھتا ہے اس کی حرارت اور روشنی کی مدت ایک سانس سے زیادہ نہیں۔ یہی حالت ان رقیبوں کے دھوائے عشق کی ہے جنہیں محبت سے کوئی عداوت نہیں۔ البتہ جوس سے ان کے جیسے بھرے ہوئے ہیں۔ اسے محبوب ! ایسے لوگوں سے آپ کیونکر امتیاز کر سکتے ہیں کہ وہ فنا دہی کی عزت کا پاس کریں گے۔ عشق میں فنا دہی اور نامتقدی تو بچے عاشقوں کا کام ہے۔ رقیبوں سے ایسی توقع کیونکر ہو سکتی ہے ؟

تشریح : اگر ساقی نے ہم سے بے پروائی اور بے نیازی اختیار کر رکھی ہے اور شراب نہیں دیتا تو ہم شکایت کیوں کریں۔ جب ہمارا سانس مستی و بے ہوشی کے سمندر کی لہر بنا پڑا ہے، یعنی ہم تو عشق ہی کی سستی میں گم ہیں۔ ہمیں ساقی کی بے پروائی کا کیا گھر ہو سکتا ہے ؟

۷۔ لغات : وراثہ ہونا : ہر داشتہ ہونا۔ گوارا نہ ہونا۔

تشریح : ہمیں پیراہن کی خوشبو سونگھنا گوارا ہی نہیں، اس لیے اگر صبا اس خوشبو کو ابھر ادا کرے تو پھرتی ہے، تو ہمیں اس کا کیا حکم ہو سکتا ہے اور ہمارے لیے شکایت کی کون سی وجہ ہے ؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں کس کے پیراہن کی بو کا ذکر ہے ؟ اگر پیراہن محبوب مراد ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم محبوب کے طلب گار ہیں۔ پیراہن محبوب کی خوشبو کے نہیں۔ یہ خوشبو ہمارے لیے جبرگت و ہر نیکی نہیں ہو سکتی۔ صبا جبکہ اسے ہر طرف اڑائے لیے پھرتے ہیں اس سے کیا باریاں عرقی کا ایک ایسا ہی شہرہ آگیا۔ کہتے ہیں :

قانع ہوئے دوست ڈگر دیدہ ذوقی ما

ایہ جنس را بہ مغفرت گفتن فرد حقیم

یعنی ہم دوست کی خوشبو پر حق حاکم نہیں کر سکتے۔ یہ جنس ہم نے حضرت یعقوبؑ کے
مواضع کر دی جو پیرا میں دوست کی خوشبو پر خوش ہوئے تھے۔ غالب کے اس شعر کا
دعا بھی یہی ہو سکتا ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ محبوب کا میرا میں جس مضر میں بسایا گیا ہے،
وہ رقیب کا مضر ہے۔ گویا محبوب رقیب کے گھر گیا اور وہاں اس کے پیرا میں کو
مضر لگا دیا گیا۔ اب ہر جگہ کا عاشق کو یہ مضر اور یہ خوشبو کبھی پسند نہیں آ سکتی۔ مہیا کا
خاصہ ہی یہ ہے کہ خوشبو اپنے دامن میں سیٹھ کر لیا، بچا بکھیرتی رہتی ہے۔ شاعر نے
اس کے دور و سنہ کو آوارگی سے تعبیر کیا، جو بظاہر اک گمراہی و غفلت آمیز تعبیر ہے
اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ محبوب کے پاس کو جو مضر لگا دیا گیا، وہ عاشق
کے لیے انتہائی ناپسندیدہ گل کا باعث بنتا۔

۸۔ لغات - انا البحر : میں سمندر ہوں۔

شرح :- ہر قطرے کا دل انا البحر کا ساز جاپڑا ہے، یعنی ہر قطرے کے
انداز سے صدا اٹھ رہی ہے کہ میں سمندر ہوں اچھے حقیقہ چہ نہ سمجھنا چاہیے، اسی
طرح ہماری انفرادی ہستی کو بھی مولیٰ نہ مانو، ہماری عظمت کا اندازہ یوں ہو
سکتا ہے کہ جزو ہونے کے باوجود ہم جس گل سے تعلق رکھتے ہیں، اس کی عظمت
پوری کائنات پر چھائی ہوئی ہے، گویا قطرے کو جو نسبت سمندر سے ہے، وہی
نسبت ہر وجود کو اس کے بعد سے ہے۔

۹۔ لغات - مہیا : خوف۔

خوشبہا : خون کی نسبت۔ زمانہ قدیم میں دستور تھا کہ قاتل مقتول کے داروں
کو خون کی رقم ادا کر دیتا تھا۔ اسے قدیم بھی کہتے ہیں۔

شرح :- اسے محبوب اچھے خوف کس بات کا ہے؟ آنکھ اٹھا کر میری
طرف دیکھ، میں ذمہ دار ہوں کہ تجھ سے کوئی باز نہیں نہ ہوگی۔ یہی تو سوت
زیادہ دوست کے شہیدوں کا بھی کوئی خوشبہا ہوتا ہے۔

کسی کو قاتل ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس نے مقتول پر ضرب کا کوئی آلہ استعمال کیا ہو۔ تلوار یا خنجر یا کوئی اور چیز نگاہ ایسی چیز نہیں جو آلہ ضرب سمجھی جاسکے۔ لہذا شاعر نے بے شکف کہا کہ اسے محبوب! اگر تیرے ایک نظر دیکھ لینے سے میں یا کوئی دوسرا شہید ہو جائے تو تجھے پر خون کی قیمت ادا کرنے کی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔

ادھر دیکھ میں ایک پیڑ صرف تنبیہ کا ہے۔ دوسرا پیلو یہ ہے کہ میری طرف دیکھ۔ گویا عاشق محبوب سے نگاہ التفات کا طلب گار ہے اگر اس وجہ سے شہید بھی ہو جائے تو وہ خود ذمہ دار ہو کر محبوب کو یقین دلاتا ہے کہ الیہان کے اس کے لیے کوئی ذمہ طلب کیا ہی نہیں جاسکتا۔

۱۰۔ لغات - شکست قیمت : فارسی میں اس کا مطلب یہ ہے، ہمارے ہمارے! قیمت گھٹ جائے۔

شرح :- اسے دہا کی جنس کو لوٹ سے جانے والے محبوب! سن اور توجہ سے سن کہ میرے دل کی قیمت تو اسی جنس کی بدست خلق۔ یہ جنس ندرت ہوئی تو دلی کی کوئی قیمت ہی نہ رہی۔ اب تجھے کسی بات کا خوف ہے؟ یہ بھی تمہارے کہ ہر چیز کے ٹوٹنے سے کوئی نہ کوئی آواز نکلتی ہے، لیکن قیمت دل کی شکست کی کوئی آواز نہیں۔

یعنی سنو میں قیمت دل کی نگہ - شیشہ دل اورچ ہے اور اس کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ محبوب کو شیشہ دل توڑنا یعنی دل شکنی کرنا پسند ہے۔ اس جیسا سے رحمت دی گئی ہے کہ شیشہ دل توڑنا وہ۔ لیکن صبح شیشہ دل "نہیں" بلکہ "قیمت دل" ہی ہے۔

یہ کچھ کی ضرورت نہیں کہ عاشق کے دل کی سب سے بڑی متاع محبوب کے ساتھ دینا اور عشق میں ثابت قدمی کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔

۱۱۔ لغات - جگر داری : حوصلہ، استقلال، بہت۔

شکلب : صبر۔

شرح : اسے محبوب ! تو میرے جو مسئلے اور استقلال کی آزمائش کر رہا ہے۔ ذرا اپنی توجہ میں لے بہت اور ثابت قدمی کا دعویٰ کب کیا؟ اگر میں ایسا دعویٰ کرتا تو راستی استحسان لینا بالکل بھی ہوتا۔ بجائے عاشق کے دل کو صبر و سکون سے کیا واسطہ؟

اس مقام میں شیخ سعیدی کا شعر شائستہ و لادریغ ہے :
 دے کہ عاشق و صابر بود اگر شکلب است
 ز عشق تا بہ صبری ہزار فرسنگ است

یعنی جس دل میں عشق ہو اور وہ صبر سے کام لینے کا بھی دعویٰ کرے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ دل نہیں۔ پتھر کا ٹکڑا ہے۔ عشق اور صبر کے درمیان ہزاروں میل کی مسافت ہے۔ یعنی وہ ایک دوسرے سے اتنے دور ہیں کہ اکیٹھے ہو ہی نہیں سکتے۔
 ۱۲۔ شرح : اسے قائل ! یعنی محبوب ! تو ایسا وعدہ کیوں کرتا ہے جو صبر کو آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ یعنی قدم قدم پر صبر کا استحسان ہوتا ہے۔ اسے کافرا ! یعنی محبوب ! وہ قند کیوں برپا کرتا ہے جو ہماری قوت و طاقت ہی پھین سے ہانے والا ہے۔

۱۳۔ شرح : اسے ثابت ! محبوب کی ہر بات میرے لیے بارے ہوا ہے یعنی سخت، اضطراب و پریشانی کا باعث ہے، گو یا جان یو اسے۔ خواہ اس کی باتیں، تحریریں یا ذاتی اہول یا اشارے کتنا سے کتنا بے ہوش یا ادائیگی ہوں۔



۱۔ لغات۔ درغور : درغور فقرہ غضب جب کوئی ہم سا نہ ہو
 واک، توفیق، شایان۔
 شرح۔ جب محبوب کے پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہو

ہندگی میں بھی وہ آزاد و خود ہیں میں کہ ہم
اُسے پھر آتے وہ کہ ہم اگر دانہ ہو
سب کو مقبول ہے دعویٰ تری یکتائی کا
نورِ بڑا کوئی بہت آئندہ سیما نہ ہو
کم نہیں، نادرش ہم تائی چشمِ نوباں
تیرا جیسا رہا کیا ہے، اگر اچھا نہ ہو
ہینے کا داغ ہے وہ نالہ، کہ لبِ کث گیا
خاک کا ندق ہے وہ قطرہ خود دیا نہ ہو
نام کا میر سے ہے وہ دیکھ، کہ کسی کو نہ ملا
کام میں میر سے ہے وہ فتنہ کہ برپا نہ ہو
برٹن بنو سے دم ذکر نہ ٹپکے عوں تاب
حمزہ کا لفظ ہو، عشق کا چرچا نہ ہو
قطرے میں ابد و کفائی نہ دے اور جزویں کل
کھیل روکوں کا ہو، دیدہ بینا نہ ہو
غلی خیر گرم کہ غائب کے اٹھیں گے پڑے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے یہ تماشا نہ ہو

غائب اور ستم کے ذاتی ہم جیسا
اور کوئی نہیں تو ہمارا یہ گنا کیوں
غلط قرار دیا جا سکتا ہے کہ ہمارا
جس کو فتنہ پیدا ہی نہیں ہوا

شعر کی تشریح مشتق بھادی
کے مطابق ہے، حقیقت کے
نقطہ نگار سے دیکھا جائے تو اس
میں انسان کو حضرتِ انوارات ثابت
کیا گیا ہے، شاعر کہتا ہے کہ یوں
کائنات میں صرف ہم یعنی انسان
ہیں، جن سے اعمال کی پوچھ گچھ
ہوگی اور گناہ کا عذاب کے سزاوار
ہوں گے، پھر ہمارے اس صبر سے
کوئی غلط ثابت کر سکتا ہے کہ ہم
خدا کی مخلوق میں سب سے افضل
ہیں اور ہم جیسا وہ سرا کوئی نہیں؟

۲۔ لغات - ہندگی:

عبودیت - غرض برداری - عبادت
خود ہیں : معرفت اپنے آپ
پر فخر دیکھنے والا - اس کے سنی
منفرد و خود پسند بھی ہیں۔ لیکن
میاں مراد ہے، خود دار - اپنی عزت
کا پاس کرنے والا - اپنا وقار قائم

دیکھنے والا۔

تشریح :- عبادت اور عزائم پر داری میں میں چندی آزاد روی اور خود داری میں کوئی فرق نہیں آیا۔ حالت یہ ہے کہ ہم کبھی کی زیارت کے لیے جاتے اور دروازہ بند پائیں تو وہیں سے لوٹ آئیں گے۔ یہ گوارا نہ ہو لگا کہ کسی سے دروازہ کھول دینے کی استدعا کریں۔

جو شخص دین اور عبادت میں بھی اتنا آزاد و خود دار ہے کہ کبھی کا دروازہ کھلتے کا اشتہار گوارا نہیں کرتا اور نہ کسی سے درخواست گزار ہو تا ہے کہ دروازہ کھول دیا جائے۔ بلاشبہ کہ وہی کاموں میں بھی وہ کتنا با وقار اور عزت نفس کا پاسداری ہو گا۔ شعر کی دو خوبیاں خاص توجہ کی محتاج ہیں۔ اول یہ کہ غناء کعبہ کا دروازہ سزا بند رہتا ہے اس کے کھلنے کے خاص اوقات مقرر ہیں۔ دوم یہ کہ اس آزادگی اور خود داری کے باوجود عزائم پر داری کی شان قائم رکھی کہ کبھی سے لوٹ آئے، مگر کسی دوسرے گھریا عبادت خانے کا رخ نہ کیا۔

ایسے ہی آزاد اشتہار مرزا غائب کی عظمت کے روشن نشان ہیں۔ خود داری کے سلسلے میں فارسی کا ایک شعر بھی قابل ذکر ہے۔ مرزا کہتے ہیں :

تشنہ لب بر ساحلِ دریا ز غیرتِ جان و دم

گر بر موجِ اقتد گمانِ پیمینِ پیشانی مراد

یعنی اگر دریا کی لہریں دیکھ کر میرے دل میں یہ شبہ بھی گزر جائے کہ دریا سے مجھے دیکھ کر پیشانی پر بل ڈال لیے ہیں تو میری غیرت کا یہ عالم ہے کہ یہاں ساحل پر جان دے دوں گا۔ مگر حلق تر نہ کروں گا۔

۲۔ لغاتِ آئمہ سیما : آئینے جیسی روشن پیشانی والا۔

تشریح :- حسن میں تیرے جے مثال دیکھتا ہونے کا دھڑکے سبب قلم کیے بیٹھے ہیں۔ اور اس سے کسی کو اختلاف کی جرأت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آئینے جیسی روشن پیشانی والا کوئی محبوب تیرے مقابل آئے کی جرأت نہیں کر سکا۔

شعر کی خوبی یہ ہے کہ آئینے میں مدٹن پیشانی والا کوئی محبوب نہ دیکھ سکے۔ آئینہ تو اس میں محبوب حقیقی کے حسن کا کلیں نمایاں ہو جاتا اور اس طرح اس کی گینائی اور بے مثالی قائم رہتی ہے۔ ایسے محبوبوں کا مقابل آنسو کی ہزارت نہ کر سکتا۔ شاعر حقیقی کی گینائی کی روشنی میں ہے۔

۴۔ لغات۔ نازش۔ نغز۔ شرف۔

ہمنامی چشم خوباں : خوبوں کی آنکھ کا ہمنام ہوتا ہے یعنی بیدار ہونا۔ چشم محبوب کی ایک صفت بیدار بھی ہے۔ چشم بیدار یعنی نیش اور تھرا اور آنکھ۔ اچھا نہ ہوا : تقدیر سے نہ ہوا۔

شرح :- تھرا بیدار نہ ہونا نہ ہوسکا اور صحت نہ پاسکا تو اس میں کیا برائی ہے ؟ کیا شرف اور یہ نغز کم ہے کہ اسے خوبوں کی آنکھ کی ہمنامی کا مرتبہ مل گیا ؟ یعنی ان کی آنکھ کو ہمیشہ بیدار کہتے ہیں تو میں بھی بیدار ہوں۔

۵۔ شرح :- جو تالوں سے اٹھ کر مٹک نہ پہنچا وہ بیٹھنے کا دروغ ہے یعنی بیٹھنے کے لیے با صبر ٹنگ ہے جو قطرہ دریا نہ بنا اور خاک میں مل کر غیب ہو جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ جو شے اپنے عقد تک نہ پہنچ سکے وہ حقیقت کھو جیتی ہے اور مٹ کر رہ جاتی ہے۔ تالے کا قصور یہ ہے کہ وہ لب تک پہنچے۔ یعنی بلند ہو۔ قطرے کی غرض و فائیت یہ ہے کہ وہ دریا میں شامل ہو کر دریا بن جائے۔ اگر تالہ ٹٹ کر بیٹھنے کے اندر رہ جائے تو وہ اپنی حقیقت کھو کر بیٹھنے کا دروغ بن جائے گا۔ اسی طرح جو قطرہ دریا میں شامل نہ ہو کر اپنی حقیقت سے محروم ہو جائیگا اسے مٹی پہنے اندر غیب کر دے گی۔

۶۔ شرح :- جو دکھ درد اور رنج و غم کسی کو نہ ڈالا اور میرے لیے عقد ہے وہ جو عقد آج تک کہیں پر پا نہ پڑا وہ میرے کا درد ہمارے لیے وقت کر دیا گیا یعنی دنیا بھر کے آنکھ دکھ بھلے سے اور دنیا بھر کے آنکھ نکتے میرے چہرے

لگا دیے گئے۔

۷۔ لغات - پھر بن سو : ہر مال کی جز۔

حمرہ کا قطعہ : ایک قطعہ ہے جسے داستان میر حمزہ کہتے ہیں ایسی میر حمزہ سے اسے کوئی تعلق نہیں اس میں حمزہ اعظم و عیار اور لغات وغیرہ مشہور کردار ہیں۔ لوگ حمرہ اور پچیس اور تفریح کے لیے یو داستان سنا کرتے ہیں۔ مجلس میں ایک شخص پڑھتا رہتا ہے اور باقی سب ہمہ تن گوش بنے رہتے ہیں۔

مشرع : کہیں یہ ممکن ہے کہ عشق کی کیفیت بیان کر سنے پر ہر مال کی جز خاص خون نہ چکے گئے ؟ اگر ایسا ہو تو ہمہ لینا چاہیے کہ وہ عشق کی داستان نہیں بلکہ حمزہ کا قطعہ ہے جسے لوگ تفریحاً سنتے اور ایک ایک واقع پر ہنستے ہیں۔

۸۔ لغات - دجلہ : عراق کا مشہور دریا جو بغداد کے درمیان سے گزرا ہے اور شہر اس کے دونوں کناروں پر آباد ہے۔

دید و بینا : دیکھنے والی آنکھ حقیقت پہچان لینے والی آنکھ۔

مشرع : حقیقت پہچان لینے والی آنکھ کا وصف ہے کہ وہ قطرے میں دریا کے دجلہ اور جرمی کل کا اندازہ کر لیتی ہے اگر ایسا نہ ہو تو اسے عادت کی حقیقت رس آنکھ نہیں بلکہ بچوں کا کھیل سمجھنا چاہیئے۔

اجڑا کوئی دریا حقیقت میں کیا ہے ؟ بعض قطروں کا مجموعہ ہے جو اکٹھے ہو کر بہتے ہیں تو دریا کی شکل اختیار کر لیتے ہیں البتہ یہ حقیقت صرف عارفوں کی چیز ہے دیکھ سکتی ہے اور اسی کو جز میں کل نظر آ سکتا ہے۔

۹۔ مشرع : یہ خبر نادرہ شہر سے پھیلی ہوئی تھی کہ آج غائب کے پڑنے اڑاتے جائیں گے یعنی اسے سخت مراد دی جائے گی۔ ہم بھی یہ تمنا دیکھنے کے لیے پہنچے مگر انہوں نے اس کی قربت نہ آئی۔

استد! ہم وہ جنوں جوالاں گدائے بے سرو پا میں لغات :

کہ ہے سر پنجہ مرگاہاں آج، پشت خار اپنا جنوں جوالاں :
دیوانگی کی حالت میں

پکر لگانے والا۔ وہ شخص جو دیوانہ ہو اور۔ اور ہر جگہ لگا لگا پھرے۔

گدائے بے سرو پا : وہ درد میں، جس کے پاس کوئی سرو سامان نہ ہو
سر پنجہ : پنجہ کا مزید علیہ۔ نادر میں ایک نادر ہی ہے کہ کسی لفظ پر
کوئی دوسرا لفظ بڑھا دیتے ہیں اس سے معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا، مثلاً ستر
کا مزید علیہ سر ستر۔

پشت خار : پیٹھ کھانے کا آکر، اسے یا تیش یا چاندی کی ایک چیز
تھیل کی شکل کی ہوتی ہے۔ اس میں ایک ٹنڈی لگا ہوتی ہے۔ اس سے امیر یا
غریب مزدورت کے وقت پیٹھ کھایا جیتے ہیں۔

شرح : اسے استد! ہم بے سرو سامان تغیر میں اور دیوانگی کی حالت میں
دشت دیوانوں کے پکر لگا رہے ہیں، بے سامانی کا یہ عالم ہے کہ ہمارے پاس
پیٹھ کھانے کا آکر بھی نہیں، ہمیں ہرن کی مرگاہاں کا پنجہ مزدورت کے وقت یہ
کام دے دیتا ہے۔

شعر مرزا غالب کے ابتدائی نذر کا ہے، جب وہ لڑا اور غریبی میں
باقی دعا کرتے تھے۔ اس میں ایک خوبی یہ ہے کہ جنوں کی حالت میں دشت ندری
کرتے ہوئے اتنے نیز چمے جا رہے ہیں کہ ہرن بھی جو چوڑیاں بھرے میں مشہور
ہیں۔ پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کی مرگاہاں پشت خار کا کام دیتی ہیں۔

پنجہ نذر کرم تحفہ ہے شرم نارسائی کا ۱۔ لغات۔ کرم : میاں
بجوں غلیظہ سود نگ و عولی پارسائی کا اس سے مراد کرم ہے، یعنی سبب
کرم و بخشش، خدا۔

نہ ہو جس تماشا دوست رسوا بے وفائی کا
 ہر شہر صد نظر ثابت ہے دعویٰ پارسانی کا
 نہ کات جس دے، اے جلوتہ پیش کر نہ آسا
 چرخ غارت و دلش ہو، کاسہ گدائی کا
 نہ ماراجان کر بے جرم، قاتل تیری گردن پر
 رہا نہ بدخون بے گنہ حق آشنائی کا
 تمنا کے نہاں محو سپاہی بے زبانی ہے
 مٹا جس سے قلعہ شکوہ بے دست بانی ہے
 وہی کب بات ہے جو یاں نفس وال نہ کہت گل
 چین کا جلوتہ باعث ہے سری رنگیں نوائی کا
 وہاں ہر تبت پیغامہ جو، زنجبیر رسوائی
 عدم تک بے وفا چرچا ہے تیری بے وفائی کا
 نہ دے نامے کو اتنا لول غالب مختصر لکھو
 کہ حسرت سنج ہوں دگر حق قسم بے صدائی کا
 ہر روز رنجی حق جس نے مجھے خدا کی بارگاہ میں پہنچے دیا اس لیے شرم دعا است
 کے ساتھ اس اکتید پر حاضر ہوا ہوں کہ وہ صعب کرم و بخشش مجھے اپنی رحمت سے

شرم نارسائی : خدا کے قرب
 میں نہ پہنچ سکنے کی شرم، عین خدا
 نے جو حکم دے ہے تھے، انہیں پوری
 طرح بجا نہ لانے کی دعا است۔
 بخون غلطیہ قصہ رنگ :
 سو طرح خون میں تھرا ہوا ہستی
 سیکڑوں گناہوں کے باعث خون
 میں لت پت۔

شرح : ہمیں رحیم و کریم خدا
 کی بارگاہ میں ایک تھپک لایا ہوں۔
 وہ تھپک کیا ہے ؟ شرم اور ذلت
 کا تھپک ہے، کیونکہ جو حکم خدا نے
 دے رکھے تھے وہ مجھ سے پورے
 نہ ہو سکے، ضروری کام پورے
 نہ ہونے کا نتیجہ شرم و دعا است کے
 سو اکیا ہو سکتا ہے، اس کی
 مثال یوں سمجھنی چاہیے کہ میں
 پارسانی کا دعویٰ کر رہا ہوں لیکن
 وہ دعویٰ سو سو طرح خون میں
 لت پت ہے اور اس خون کے
 ذرہ وار میرے گناہ ہیں۔ یہی گناہ
 ہر روز رنجی حق جس نے مجھے خدا کی بارگاہ میں پہنچے دیا اس لیے شرم دعا است
 کے ساتھ اس اکتید پر حاضر ہوا ہوں کہ وہ صعب کرم و بخشش مجھے اپنی رحمت سے

معائنہ کر دے گا۔

۲۔ لغات - تماشا دوست : جسے خود و نمائش پسند ہو جو اس امر کا مشتاق ہو کہ دنیا اسے دیکھے ۔

شرح :- اس شعر کے مطلب وہ ہو سکتے ہیں :

۱۔ من مطلق کا جلوہ ہر شے میں موجود ہے اور وہ اس امر کا مشتاق ہے کہ دنیا اسے دیکھے۔ ہر ایک کی نگاہ اس پر جمی ہوئی ہے، لیکن اس پر بے وفائی کا اور مائدہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ دیکھنے والوں میں سے ہر ایک کی نظر اس کی پاکیزگی اور پارسائی کے لیے ایک عسری دستاویز ہے جس میں عس کی پاکیزگی کے لیے بے شمار ہری دستاویزیں موجود ہوں۔ اس کے لیے خود و نمائش کی پسند کے باوجود کہ بے وفائی کا خیال دل میں آ سکتا ہے ۔

۲۔ اگر شعر کو بھائی مسمیٰ میں لیا جائے تو اس کی حیثیت طنز کی ہے، یعنی جو شخص خود اس امر کا طلبگار ہے کہ اسے دیکھا جائے۔ جو ہر وقت تک جھانک کر کر رہے اور اس پر میگزینوں لگا ہوں کی ٹھری لگی ہوئی ہیں۔ یہ ایسی ہر جوانی کی رسوائی سے بچنا چاہیے اور پارسائی کا مدعی ہو تو اس کے سامنے میں کیا کہہ سکتا ہے۔ مان لینا چاہئے کہ وہ بے وقاف نہیں اور اپنی پارسائی کے لیے میگزینوں نظروں کی ہر سی پیش کر رہا ہے۔ جو بچائے خود پارسائی کو بے حقیقت ثابت کر رہی ہیں ۔

۳۔ لغات - جلوہ پیشش : مینائی اور نظر کا نورانی محبوب ۔

تہر آسا : سورت کی طرح ۔

شرح :- اسے میری مینائی کے نور ! اسے میرے محبوب ! مجھے بھی اپنے عالم افراد میں کی زکواۃ سے سرفراز کر تاکہ میرا جیک کا کاس میرے گھر کا چراغ بن کر اسے اسی طرح روشن کر دے، جس طرح سورت کی جلوہ ریزی سے پوری کائنات روشن ہو جاتی ہے ۔

کاسٹ گرافٹی کو اس اعتبار سے آنکھ کا استعارہ سمجھا جا سکتا ہے کہ حسن سے استعارہ کا اوصاف نہیں ضروریہ آنکھ ہے اور کاسٹ ہر لحاظ و وضع آنکھ سے مشابہ ہوتا ہے۔

۴۔ شرح : ہر خواہجہ مالی اس شعر کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ : تو نے ایک مشتاق کی قتل کو بے جرم سمجھ کر اس بے قتل نہیں کیا کہ خون بے گناہ اپنی گردن پر نہ لے۔ مگر اب تیری گردن پر بجائے خون بے گناہ کے حق آشنائی کا رہے گا۔ اسے قاتل! انہوں نے مجھے اس وجہ سے قتل کرنا گوارا نہ کیا کہ میرا کوئی جرم اور کوئی قصور نہ تھا اور بے جرم وہ بے گناہ کو مارنے کا خون گردن پر سوار رہتا ہے، لیکن میں تیرے ہاتھوں شہادت پانے کا آرزو مند تھا اور دوستی کا حق بھی تھا کہ تو میری یہ آرزو پوری کر دیتا، تیرا خیال میری بے گناہی کی طرف تھا۔ مگر بے گناہ کے خون سے بچنے کے اضطراب میں دوستی کا حق تیری گردن پر نہ گیا۔

۵۔ شرح : بے دست و پاؤں اور بیچارگی کا تعارف کر رہی تھی کہ اس حالت کی شکایت مزور کرنی چاہیے۔ میں بے زبان تھا۔ شکایت کی طرف سے یہ آواز پیدا ہوئی کہ مجھے نہ زبان مل جائے۔ اس اتنا میں محبوب کو میری بیچارگی نہ بے زبان ہو رہا مگر آگیا اور شکایت کی نہ ممکن ضرورت نہ رہی۔ بلکہ جس حالت کی شکایت کرنی تھی وہی میں میری مراد ہی گئی۔ اسی بے زبان کی آواز میری بے زبان کے شکرتے میں سرگرم ہے کہ کچھ کسان نہ چاہو اور اس کے بغیر ہی محبوب کا انتظام حاصل ہو گیا۔

۶۔ شرح : جن کے جلوے سے مراد نفس مبارک کی آمد ہے، کیونکہ اسی سے جن میں شادانی اور رونق پیدا ہوتی ہے، پھول کھلتے ہیں اور خوشبو ہر طرف بکھرنے لگتی ہے۔ بہار ہی کا موسم شاد کے دل میں خاص جوش اور دھول پیدا کرتا ہے اور اس کے بیان میں رنگینی و شگفتگی آجاتی ہے۔ مرزا کہتے ہیں کہ وہی مبارک ہے جس نے جن میں رونق تازہ کر دی اور میرے دل سے رنگین و دلاویز لہجے اٹھنے گئے۔ گویا ایک ہی سبب ہے، یعنی بہار میں ہے چھل میں پھول کی خوشبو کا رنگ بقیہ کیا اور میرے لیے دلکش نقوش کا سا اہل مینا کر دیا۔

۱۔ لغات - پیارہ پٹو : ٹھنڈے توڑ کر لے والا، ٹھنڈے دینے والا۔

تشریح :- اُصوندہ تو ٹھونڈا کر ٹھنڈے دینے والے ہر چیز میں کا وہی ایک طبقہ ہے اور بے شمار طبقے کی کریمائی کا ایک مستند قائم ہو گیا ہے، چونکہ میٹروں کے طبقے کو تنگ کرتے کرشمے شاعرانہ اور مدوم کر چکے ہیں، اس لیے کہنا کہ اسے بے وفا یا قریبی ہے دعائی کا چرچا ہم تک ہوا ہے اور میٹروں کے دینے کی کریمائی کی زنجیریں بن گئے۔

۲۔ تشریح - اسی تعبیل کا ہے، جس میں ہم نے پشت خاں والے شعر کو شمار کیا۔

۳۔ لغات - حسرت سنج : حسرت رکھنے والا، ادا نہ رکھنے والا۔

تشریح :- اسے غالب اخط کو زیادہ طول دینے اور پھیلاتے کی کیا ضرورت ہے ؟ ہم اتنا ہی لکھ دینا کافی ہے کہ فراق میں تجھے پر جو غلام دستم ہوئے، انھیں جہاں کرنے کی حسرت دل میں ہے بیٹھا ہوں۔

۱۔ تشریح : فراق کی رات

ہے عاشق چاند کو دیکھتا ہے،

چاندنی رات میں محبوب سے یکجہاں

کا دلور بہت پر جوش ہے، ساتھ

یہ فراق اسے مارا کر دیتا ہے۔

سنا اسے خیال آتا ہے کہ محبوب سے

لے کر تو کوئی حسرت نہیں، اچھے کا

رانا اور فرقت کا دل و چہچہا نہیں جا

سکتا، اگر میں نے چھپانے کی کوشش

کی تو دیوانہ ہو جاؤں گا اور کسی کو

میں معلوم نہ ہو گا کہ میرا یہ ہفت روزہ

گر نہ اندوہ شیب فرقت بیاں ہو جائے گا

بے تکلف و لرغ منہ، ہنر ویاں ہو جائے گا

نہ ہر گرامی شام بھر میں ہوتا ہے آب

یہ تو ہمتا سب سے دل خاناں ہو جائے گا

لے تو لوں سوتے میں اُسکے پاؤں کا بوسہ

ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائیگا

دل کو ہم عرب و فارسی سے کیا معلوم تھا

لیکن یہ پہلے ہی غمراہ امتحان ہو جائے گا

سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راغنی ہوا
 دیر لگی کا اصلی سبب کیا ہے ۔
 مجھ پہ گویا ک زمانہ مہربان ہو جائے گا
 میرے نہ یوں انگھڑوں جگہ
 گرنگا گرم مزماتی رہی ۔ تسلیم ضبط
 محبوب تک کو بھی خبر نہ ہو گی ۔
 شدتِ خس میں جیسے غولِ رنگ میں نہاں ہو جائیگا
 گویا چاند جس کی روشنی بہ حالت
 بارغ میں بچے کو نہ لے جا ، اور نہ میرے حال پر
 خزانِ میرے دل میں جنوں دلیاؤں
 ہر گز ایک چشمِ خوں نشان ہو جائے گا
 کا کھلم پھیر کر رہی ہے ۔ سزا
 دائے گرم تر انصاف محشر میں نہ ہو
 ایک داغ بن کر میرے منہ پر
 اب تک تو یہ توقع ہے کہ وہاں ہو جائیگا
 شکرِ طرب لگ جائیگا ۔
 فائدہ کیا ہر سوچ ، آخر تو بھی دانہ ہے اسد
 بدی سیر داغ مرے سے ڈر
 دوستی نادان کی ہے ، جی کا زیاں ہو جائیگا
 داغ مراد نہیں ، جو چاند میں نظر
 اور ہر روزی کے باوجود ایک داغ نظر آ جا ہیے ۔
 آتا ہے ۔ پورے چاند کا داغ
 بن کر شکرِ طرب شکر پر لگ
 فائدہ کیا ہر سوچ ، آخر تو بھی دانہ ہے اسد
 کا داغ بنا جاتا ، اس لیے کہ کہ
 فراق کی حالت میں چاند بھی روشنی

نہایت سے ایک فارسی غزل میں کہا ہے ۔

از مہر ضیا و تاب امید نظر نیست

ایہ تشبہ پر از آتش سوزاں ہر مردی

یعنی جیسی کہ روشنی کر دیتے دالے سورج سے مجھے کسی ضیاِ عزوۃ فکر کی امید
 نہیں ، جب صورتِ حال یہ ہے تو اسے سورج نہ سمجھنا چاہیے ، جس سے ہر شے
 میں ارتقا و بالیدگی ہے ، بلکہ یہ انگڑوں سے بھرا ہو ، ایک تشبہ ہے اور اسے
 میرے سر پر لٹ دیتا چاہیے ۔

فرما جب کوئی شے اپنا عیش و لذت کھو بیٹھتی ہے تو اسے اصل شے نہ سمجھتا ہے۔ اسی طرح خزانہ میں پورا پابند داغ نظر آنے لگا۔

۲۔ لغات - نمبرہ : پتا۔

شرح :- اگر محبوب سے دوری کی تمام بو جاسنے پر ہر چیز کا پتا اسی طرح پانی پانی ہوتا ہے تو پانی کی روشنی پر بھی یقیناً اس کا یہی اثر پڑے گا اور وہ روشنی پانی کا نیل بن کر میرے گھر کو تباہ کر لے گی، یہی جو شے راحت و خوشگوار سی کا باعث ہوتی ہے وہ بھی انتہائی سہیبت کا سبب بن جائے گی۔

۳۔ شرح :- محبوب جو ہر شے میں پناہ ہے کہ فرط محبت سے اس کا پانی گرم رہی، لیکن یہ اندیشہ امن گیر ہے کہ اس کے دل میں کوئی بڑا گمان نہ چھو جائے۔ نہ سمجھنے کے بجائے خائفانہ طور سے بڑھنے لگا یا اس نے پاک محبت کے چرخہ کے لیے تھے اور سب چھوٹے تھے۔

۴۔ شرح :- ہم - کچھ بیٹھے تھے کہ ہمدردانہ خالصتہ دعا کے تقاضے پورے کرنے کے لیے وقف ہے۔ وہ دعا ہی کے راستے میں مٹ جائے گا، لیکن ہمیں ایک معلوم تھا کہ محبوب کی طرف سے امتحان و آزمائش کی منزل پیش آنے کی تو سب سے پہلے وہ اسی آزمائش کی نذر ہو جائے گا اور دعا کے سیکھے میں جو کچھ ہم پر واجب ہے اسے بھانسنے کا دل کو موقع ہی نہ ملے گا۔

۵۔ شرح :- بظاہر اس میں خطاب خدا تعالیٰ سے ہے، یعنی اسے ذات پاک اہل دل میں تیری جگہ ہے۔ میری تیری محبت کے لیے وقف ہے۔ اگر تو اپنے عاجز گنہگار بندے سے واقعی ہو جائے تو سارا انداز مجھ پر ہر پانی ہو جائیگا کیونکہ سب تیری رضا اور تیری چشم کو م کے منظر ہیں۔

۶۔ لغات - نگاہ گرم : غصہ اور متاب کی نگاہ۔

شرح :- اگر تیرے متاب اور غصے کی نگاہ محبت کی آگ کو قابو میں رکھنے اور دل کو خجائے رہنے کے آداب سکھائی رہی تو گناہ کے تلخ میج بگاری

اسی طرح پوشیدہ ہو جائے گی جس طرح نورگوں میں پوشیدہ ہوتا ہے۔

نورگوں میں دوڑتا رہتا ہے، لیکن کسی کو نظر نہیں آتا۔ اگر گھاس کا تکیہ لگے پکڑے تو ایک لمحے میں جل بجھتا ہے۔ ضبط کی تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ اپنی حالت پر قابو پایا جائے اور حقیقت کسی پر ظاہر نہ ہونے دی جائے۔ گو یا شعلہ خنک میں نہ لگی نہ دھپے، بلکہ اندر چھپ جائے۔ صبر و ضبط کے آداب محبوب نے عتاب و تنگی کی نگاہ ڈالی کر رکھائے۔ یعنی جب دیکھا کہ عاشق بیاب ہو رہا ہے اور ضبط کے بند فوٹنے والے ہیں تو فحشے سے جبری ہوئی نگاہ اس پر ڈال دی۔ وہ یہی وہ سبیل گیا اور سنبھلنے کے لیے جان ڈال دی۔

نگاہ گرم، شعلہ، طس، خون اور رنگ کی مناسبیں تشریح کی تھیں۔

۷۔ تشریح - اسے ہدم! مجھے! رخ میں نہ لے جا، کیونکہ شعلہ وادہ سے میری حالت اس وجہ تباہ ہے کہ ہر تودہ تازہ پھول مجھے دیکھتے ہی لہو نہ لے ڈال آگے ہی جاتے گا۔ یعنی میری حالت اتنی خراب ہے کہ جس مقام پر لوگ میرے غمخ کے لیے جاتے ہیں وہاں اتم کی مجلس بپا ہو جائے گی اور اتم بھی ایسا کہ آنسوؤں کی جگہ لہو رو دیا جائے گا۔

گلی تو کہ سرخی و جاذبگی کے باعث چشم خوں نشان سے نشیدہ دی گئی ہے۔

۸۔ تشریح - میں تو اب تنگ ہی امید لگنے بیٹھا تھا کہ قیامت کے دن میرا تیرا انصاف ہو جائے گا۔ اور مصیبت حقیقی دونوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ لیکن وہاں بھی انصاف نہ ہوا تو حسرت و آنسوؤں کے سوا میرے لیے کیا باقی رہ جائے گا؟

۹۔ تشریح - رفیق! غمخوار کٹ ہے کہ اسے اسد! تو کما ماحولہ اور کچھ سوچ والا آدمی ہے۔ لیکن خدا سوچے کہ تو ایک کس محبوب سے دوستی کا رشتہ استوار کر رہا ہے جسے اونچ نیچ کی خبر نہیں اور وہ اچھائی برائی سوچ نہیں سکتا۔ نتیجہ اس کے سوا کیا ہو گا کہ تجھے جان کا نقصان اٹھانا پڑے گا۔

آخری مصرع میں مرزا نے مشورہ مثل سے کام لیا ہے، یعنی نادان کی دوستی ہی
 کاغذ، ان اشیر اور اور فارسی کے شعراء محبوب کی کم سنی پر زور دیتے دیکھتے ہیں
 ایک آگے بڑھ گئے کہ اسے عقل و فکر سے جاری مان لیا۔



دردِ منت کشیں دوا نہ ہوا میں نہ آچھا ہوا نہ ہوا
 جمع کرتے ہو گیوں رقیبوں کو اک تماشا ہوا بگا نہ ہوا
 ہم کہاں قسمت آزمائے جائیں؟ تو ہی جب خنجر آزمائے ہوا
 کتنے شیریں ہیں تیرے لبِ اکِ قیب گائیاں کھا کے بے مرزا نہ ہوا
 سچے خیرِ گرم اُن کے آنے کی آج ہی گھر میں پوریا نہ ہوا
 کیا نہ نمرود کی خدائی تھی؟ بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا
 ہاں دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
 زخمِ گریب گیا۔ مہو نہ تھی کام گر رک گیا دوا نہ ہوا
 بہتر ہے کہ دلِ ستافن ہے؟ سنے کے دلِ ستاں دوا نہ ہوا
 کچھ تو چڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں آج غالب غزل سرا نہ ہوا
 ۱۔ لغات۔ منت کش احسان، اٹھانے والا، احسان، خدایوں
 مخرج۔ خدا کا شکر ہے کہ میرے درد نے احسان نہ اٹھایا اور میں
 جیسا ہی زیادہ درد رسیدہ تھا، ویسا ہی رہا، یہ حقیقت پیش نظر رکھی جائے
 تو میرے دردِ منت نہ ہونے میں بھی کوئی برائی نہیں، کیونکہ اگر دوا کھاتا اور دوا گر

ہم نے تو فکرمندوں کو ہر جہان میں جاری ضرورت دفع ہو جاتی، لیکن لمحہ پروردگار کا اصل
روہ جاتا ہے میری خودداری اصل بیماری سے زیادہ مصیبت خیز سمجھتی تھی۔

۱۱۔ **شرح :-** قادمہ ہے کہ جب کسی معاملے کے متعلق فیصلے کی ضرورت
پیش آجائے تو کچھ بھیاز اور مصالح مشورے کے لیے چند آدمی بلا لیے جاتے ہیں
تاکہ ان کی وجہ سے اولیٰ فریقین کا جھگڑا کوئی نازک صورت اختیار نہ کرنے پاؤں،
دوم سمجھانے بھیانے سے فیصلے کی کوئی صورت نکل آئے۔ اب مرزا غائب شاہ نے
میں نے کہ محبوب کی بارگاہ میں پہنچے اور گلے شکوے کی داستان شروع کر دی۔ محبوب
نے یہ قطعیت ٹپکانے کے لیے چند آدمی بلا لیے مناسب سمجھے، مگر تم غرضی یہ کہ
غائب کے رفیقوں کو ہم آیا، جو پہلے ہی اس غریب کے خلاف اُتار کھائے بیٹھے
تھے۔ اُن سے یہی امید ہو سکتی تھی کہ اولیٰ ہر معاملے میں غائب کی مخالفت اور
محبوب کی پاس داری کریں گے، دوم گلے شکوے کے سلسلے میں سنجیدگی سے بات
سننے اور حیلوں میں سے حقیقت تک پہنچنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن رفیقوں سے
یہی امید ہو سکتی تھی کہ غائب کی مخالفت میں ایک سنجیدہ معاملے کو نشانے کی صورت
دے دیں گے، وہ بھیارہ پریشان ہو کر کہتا ہے میں تو صورت یہ بتا رہا ہوں تھا کہ
آپ نے میری وفاداری کے جو اب میں کہتا ہوں اسلوب کیا، آپ نے رفیقوں کو بھاریا
بھرا سوچا کہ ان کی کیا ضرورت ہے یہ کیا آپ میرے گلے شکوے کو نشانہ بنا
چاہتے ہیں یہ

لطفت کی بات یہ ہے کہ محبوب نے رفیقوں کو صورت بتا دیا ہے اور پہنچے نہیں
اور مرزا غائب احتجاج کر رہے ہیں کہ انھیں کیوں بلا رہے ہو؟

۱۲۔ **شرح :-** بہانہ دست کا فیصلہ تو تیرے نظیر پر ہو جاتا تھا۔ تو نے
اس سے کام ہی نہ لیا، یعنی ہم پر اسے آزمایا ہی نہیں۔ اب تو ہی بتا کہ ہم حضرت
آزمائی کے لیے کہاں جائیں؟

۱۳۔ **لغات :-** لیے مرزا :- بے لطفت، بد افقہ، رنجیدہ، کبیرہ، ہنوز کی۔

تشریح :- اسے محبوب! تیرے لبوں میں کتنی مٹھاس ہے کہ رقیب کو ٹھننے پر اور گیان دیں، مگر انہیں کیا کے بھی دو بے لطف و رنجیدہ اور ناخوش و حوڑا۔ یہ اس حقیقت کی روشنی دلیل ہے کہ تیرے جو ٹٹوں کی شیریں نٹھنے گیوں میں بھی اتنی مٹھاس پیدا کر دئی، ان میں تو ابھی کھلی باقی رہی۔

شعر کا یہ پہلو یہ طور خاص قابلِ توجہ ہے کہ لب محبوب کی شیرینی کے باعث گالیوں رقیب کے لیے میٹھی بن گئیں، حالانکہ شاعروں کے مستحکمات کے مطابق رقیب تنہا ناشق نہیں ہوتا۔ جو مونٹ جھوٹے عاشقوں کے نزدیک اتنے شیریں ہیں، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ سچے عاشقوں کے لیے کیا ہوں گے۔

۵۔ **تشریح :-** مشہور ہے کہ محبوب میرے گھر آ رہا ہے، لیکن میری بے لطفی کا یہ عالم ہے کہ لہو یا تک پاس نہیں جیسے بھگا کر اسے بٹھا سکتا اور بے ساءائی کی یہ کیفیت اسی روز بھائی، جب محبوب کے آنے کی خبر گرم تھی۔

۶۔ **لغات :-** فردو : زمانہ توہم کا ایک بادشاہ جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔

بندگی :- عبودیت۔ بندہ ہونا۔

تشریح :- خواجہ مالک اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں : کہتے ہیں میری بندگی کیا فردو کی خدائی تھی کہ اس سے لہو کو سوا انسان کے کچھ فائدہ نہ پہنچا، یہاں بندگی سے مراد عبادت نہیں، بلکہ عبودیت ہے۔ بندگی پر فردو کی خدائی کا اطلاق کرنا بالکل نئی بات ہے :

اس شعر کی تعبیر یہ کہنی ہو سکتی ہیں۔ مثلاً :

۱۔ خواجہ مالک کی تشریح کے مطابق :- ”وہ“ کا اشارہ بندگی کی طرف ہے، یعنی کہا میری بندگی فردو کی خدائی تھی کہ اس سے مجھے کوئی فائدہ نہ پہنچا، صرف نقصان پہنچا :

۲۔ ”وہ“ کا اشارہ خدائی کی طرف سمجھا جاسکتا ہے، یعنی میں جس خدائی میں بندگی کرتا

راہ کیا وہ فرد کی خدائی تھی، رب العالمین کی خدائی نہ تھی کہ اس میں مجھے نقصان کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا ؟

۳۔ پہلے مصرع کے آخر میں استفہام کے بجائے استہباب کی صورت بھی ملے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مجھے تو ہندگی کا حق ادا کرتے رہنے سے بھی کوئی فائدہ نہ پہنچا، لیکن فرد کی طرف دیکھیے کہ اس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور بڑے رعب و اب اور شان و شوکت کے ساتھ سلطنت کرتا رہا۔

۴۔ لغات - پہلے حق کے معنی ہیں یہی سچی بات، سچ، دوسرے "حق" کے معنی ہیں، واجب، فرض اور آخر۔

تشریح :- میں نے جان راہ حق میں دے دی، لیکن اس میں میری کیا خوبی ہے ؟ جان میری نہ تھی، خدا نے مجھے عطا کی تھی، اس کا علیحدہ سے نوٹا دیا تو کمال کیا ہوا ؟ یہی بات ہے جسے کہ خدا کی طرف سے جو کچھ ہم پر واجب تھا، جو کچھ ہمارے ذمے تھا، وہ تو پورا نہ ہو سکا، ہم اپنی کوئی چیز اس کی راہ میں قربان کرتے تو ایک بات تھی، اس صورت میں کہہ سکتے تھے کہ ہم نے فرض ادا کر دیا۔ اب ایسا دعویٰ کیونکر دیا ہے ؟

نقطہ یہ کہ انسان کی انتہائی قربانی جان دے دینا ہے۔ مرزا اسے بھی اسے حق قرار نہیں دیتے، سو یہی راہ خدا میں قربانی کا تصور اور حق ادا کرنے کا مقام کہتا ہے۔

۸۔ **تشریح :-** عام قاعدے کے مطابق نہ نعم دیا جائے تو کوہِ معمر جاتا ہے اور وہاں نہیں رہتا، لیکن قاسم کو اعلیٰ صورت پیش آئی، نہ نعم بانہ دیا گیا اور نہ پھر بھی جاری رہا۔ اس کے برعکس میرے کام میں نہ کاٹ پیدا ہوئی تو وہ جاری نہ رہ سکا اور وہیں ٹھک گیا۔

شعر کا مطلب یہ ہے کہ جو بات میرے لیے فائدہ مند ہوتی ہے، وہ پیش نہیں آتی، میں انفسان کا ہیرو ہوں، وہی پیش آتی ہے، نہ نعم بندھ جانے سے لوڑ لگ

جوانا چاہئے قضا اور نہ قزاق۔ کام میں کوئی شک نہ پیدا ہو، اتنا تو اسے دور ہو جانا چاہیے
عنا مکرہ ہو۔

شعری ایک چلو یہ بھی ہے کہ بد نفسی اور سیاہ بھینچ کسی تاح سے کی پابند نہیں کہ جو
حریق اس نے ہو کے معاملے میں اختیار کیا۔ وہی کام کے معاملے میں بھی اختیار کر لی اس کا
اعمال یہ معلوم ہو کہ ہے کہ جس طریقے میں تکلیف و اذیت زیادہ ہو وہی اختیار کرنے والوں
کے معاملے میں ایک اور کام کے معاملے میں بالکل دوسرے طریقے اختیار کیا۔

۹۔ مخرج بہ یہ دل لینا ہے یا ڈاکار مارنا۔ نہ ناز و نہ اذیت دینے۔ نہ عاشق کو
دیار سے الگ بھر کر رکھتے انداز ہونے کا موقع دینا۔ جس آنے والے پر ہاتھ لگا دیا اور پلے پلے
دل لینے کا یہ طریقہ تو اصل ٹوکھا ہے۔

۱۰۔ مخرج بہ سے نائب ایک توڑیے، کیونکہ لوگ کہتے ہیں آج غائب ہے
لونی غزال زستانی۔

اس غزال کے ملنے میں ایک اسناد تیار کر لیا گیا ہے کہ کتنے میں کسی شمر خوسے کے
ملنے پر مشابہ ہو جو اختار نے طرح میں غزال نہیں گئی تھی اصولاً ہوا تو طیر طری غزال
بہ طور پر متعلق ہے اس مضمون کا ذکر دیا تھا جیسے کہ خود واضح کر دیا۔

اختار نے یہ کہہ کر یہ راہ آزمایا ہے۔ شمر مقلع یہ روایت و تاجیہ کی مناسبت سے
تھوڑا سا غلط ہے۔ جتنے میں جنسین واقعات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ غزال بھی
میں مقلع اسی قبیل سے ہے۔ مرزا نے انکو یہ مشعل میں مقلع ہی بلکہ قبر کو ایک خط
میں لکھا، لکن وہ جو ہے کہ ایک عقیر کو خوش آواز بھی ہے اور دوسرے پر دانا بھی ایک
غزال ہے یہ کہیں سے لکھا گیا۔ اس نے جو وہ کاغذ لکھ کر دکھایا، یقیناً سمجھتا کر دانا آیا۔
غزال تم کو چھتا ہوں اور کتنے میں غلط کا جواب دیتا ہوں۔

غزال کے اس شعر میں مرزا نے خط میں مرمت آٹھ شعر لکھے، اپنی دریا تو یاد آئے
یہ بھی نہ کر رہے تھے۔

گلہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا

گھر میں ٹوٹا ہوا اضطراب رویا کا

یہ جانتا ہوں کہ تُو اور پارسِ مکتوب

گر ستم زدہ ہوں، غزوقِ خامہ فرس کا

حنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے یہی

دوامِ کلفتِ خاطر ہے ہمیشہ دنیا کا

علمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ گلِ مست دو

مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیبا کا

ہنوز حسرتِ حسن کو ترستا ہوں

کرے ہے بہرِ بے ثمرِ کامِ چشمِ دنیا کا

دل اس کو پہلے ہی ناز و آرا سے دے بیٹھے

ہمیں دماغ کہاں، عین کے قنارے کا

نہ کہہ کہ گریہ بہ مقدمِ حسرتِ دل ہے

مری نگاہ میں ہے جمع و خسرِ رویا کا

خلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اس کو یادِ احمد

جفا میں اس کی ہے اندازہ کارِ مسترد کا

۱۔ لغات :

شرق : مشرق

تشریح : عشق کو

دل سے یہ مقام میں ہیں

تجربہ کے ننگ جو سننے کی شکایت

ہے۔ یعنی عشقِ دل میں دہی

شور یہ گی کا تماشا نکل کر نہیں

نکلتا۔ حالانکہ دل کی طاقت

میں پوری کائنات سما جاتی ہے

دوسری طرف سمندر کے قطرے

ہر چوٹی و مخروط پر نظر آتی

پاؤں سے کہہ دیتی جیسی چوٹی

اس چیز میں جاگید اور اس کے کون

ہو گیا۔

شام کا مطلب یہ ہے

کو سمندر کا اضطراب اور چوٹی

خروشِ اضطرابِ عشق کے پہلے

بالکل بے حقیقت ہے بیک

سمندر میں مٹوں پر توجہ دینا

برپا رہتا ہے۔ طوفان آتے

میں اور کائنات کی کوئی دوسری

سب سے مسلسل جگہ آرائی کی

مشکل نہیں کہہ سکتی۔ لیکن

دیکھیے۔ یہ پوری ہنگامہ آرائی موقی کے اندر لگم ہو گئی، معلوم ہے کہ موقی کی پرورش سندھ کی اسی جگہ مرادانی کا نتیجہ موقی ہے گویا موقی اس ہنگامہ آرائی کو اپنے اندر سمیٹ بیٹا ہے لیکن مغرب عشقِ دل جیسے ہر گیر مقام میں بھی جگہ کی تسلی کا ٹکڑا کر رہا ہے، موقی یا گوہر کی موقی کو سبکی قرار دینا مقرر کا عام معیار ہے مثلاً :

ہیں یہ ہیں زنجبش ہر خوش نے کند
دیا دل چو موقی گھر آہمیدہ اند
خواہ میر تود نے دہر حقیقی کو تطلب کرتے ہوئے کہا ہے :
از من دو سماں شیر تیر دست کو پا کے
نیرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما کے

مگر مرزا غالب کے نزدیک میر تود کا موقی میح نہیں، دل و دہر حقیقی کے عشق کا جگہ متعلق نہیں ہو سکتا اور وہ جگہ اس عشق کے جوش و خروش کی ناش کی لیے قصداً آگاہی ہے۔ بعض اصحاب نے لکھا ہے کہ غالب کا یہ شعر بی دل کے سندھ میں ذیلی شعر سے ماخوذ ہے

دل آسودہ فاشوار اسکاں در نفس وارد

گہر و زبور و اسستہ ایچہ ہا عشاق موقی ویدا

یعنی جہاں دل آسودہ نفسِ معلن عالم اسکاں کا مقرر و خورلی اپنے جہیز سے میں بند کے ہوتے ہے۔ پھر مثال دیتے ہوئے کہا کہ یہاں موقی پورچ ادراک یا گہرا کر کے آیا ہے یعنی اس سندھ کے سارے جوش و خروش کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔

موقی تامل سے بھی راجح ہو سکتا ہے کہ وہ ان شعروں کے مسطور ہنگامہ جگہ جگہ بی دل کے نزدیک شورشِ اسکاں دل میں سما گیا، مرزا غالب کہتے ہیں کہ سندھ کا پورچ خورشید بھیا موقی میں سما سکتا ہے۔ لیکن مغرب عشق کے لیے دل جیسی ناپید انگارہ جگہ میں بھی سائی کا کرنی امکان نہیں۔

ط . لغات : : پانچ : : جواب

خوشی زائر فرما : ایسا ذوق بھگت تھر پر روزگار کی دامن لگی ہو

تشریح ہو۔ جنگ میں ہانتا یوں کہ تو میرے خط کا جواب کہیں نہ لکھے گا۔ اسی
 سبب تو اسے کب لکھ نہیں، لیکن میں کیا کروں۔ قدرت نے میری نفرت میں ایسا ذوق
 میرا ہے جو مسلسل تھریڈ لگا رہی کی دھن میں لگا رہتا ہے۔ یہ ذوق مجھے پسین نہیں لینے
 دیتا۔ سارا ستم اسی نے ڈھار کیا ہے۔ اس کے ہاتھوں مغلوب بھی جوں اور غلبہ بھی جو آپ
 خط نہ لکھنے کا یقین ہی جیسی۔ مگر کھٹنے سے باز نہیں رہ سکتا۔

بعض صوبے نے فرمایا کہ یہ معنوں میں حسن نے بھی خوب باندا ہے :

گرچہ دل کو ہے تیسری خط نہیں پڑے گا

پر اتفاقاً عاشق کا کھٹنے سے کب رکت ہے باز

یہی نہ تو یقین ہے کہ محبوب میرا خط ہرگز نہیں پڑے گا، لیکن عشق کا نقصان مجھے
 کھٹنے سے باز نہیں رکھ سکتا۔

میرا عشق درد کے مشورہ سنا ہے، مگر اسی شعر میں انہوں نے ایسی بات کہہ دی ہے
 جسے نفرت انسانی سے کوئی مناسبت نہیں۔ محبوب عاشق سے دوسری جو یا غارتھی لیکن
 جو کہ ایک ہی ہوا کے ساتھ جھانکے گا اسے وہ معزز پڑے گا۔ یہ چھانچھوٹ تقدیر نے
 طے کر دیا ہے۔ مرزا نے یہ نہیں کہا کہ محبوب خط نہیں پڑے گا، صرف یہ کہا ہے کہ جواب
 نہیں دے گا۔ یہی محبوب کی مدت کا سچی خاکہ ہے۔ اسی لیے مرزا کا شعر حسن کے
 اس سے بدتر ہے۔ مرزا پر آں معنوں کے معنی جزوی اشتراک کو چاہے شعر کا
 سرانگ قرار دے لینا ذوق کا کوئی اچھا ثبوت نہیں۔

مبادا کسی کو خیال ہو کہ قاتل نے بھی ایک جگہ ایسا معنوں باندا ہے جو میر حسن
 نے معنوں سے قریب تر ہے۔ یعنی :

کھٹے گا کسی طرح معنوں سے کتب کا یا رب

قسم کھائی ہے اسی کا فرسے کا لڑکے کے جانے کی

نہ ہر ہے کہ اسی میں بھی مرزا نے کوئی بات طبعی مبالغہ کے انداز میں کہی ہے۔ اس
 سے کہ عاشق خوشی نہ مرزا کی میں خط پر خط کہتے ہیں ایک کہ محبوب

آگیا۔ سرخط میں وہی باتیں جو تھیں، جو سزاؤں مرتبہ جان جو چکی تھیں، لہذا محبوب نے مہربان کر دیا کہ اب عاشق کی طرف سے جو بھی خط آئے، اسے بے توقفت نہ دیا جائے، مگر اگر کسی میں نئی بات ہو تو نہیں لکھتی۔

اسی مصنفین اور میسر حسن کے مصنفین کا خرق تشریح کا قیاس نہیں۔

۲۔ لغات : گفتِ خاطر : دل کے لیے : مٹ، رنج و کدورت

تشریح : شاعر کہتا ہے کہ اول بار کدورت ہی نہیں، بھڑکھالی و جھوٹ تسلیم کر لیا جائے تو اس کی حیثیت ایسی ہے، جیسے خزاں کے پاؤں کو مندی لگا دی جائے۔ خزاں کے پاؤں کو مندی لگا دینے سے شاعر نے کئی چوبہ پا کر لیے۔ مثلاً :
۱۔ مندی ہی میں، گہن جوئی ہے اور ہمار کی بھی سب سے نمایاں خصوصیت گہن اور تاریکی ہی ہے۔

۲۔ جب کسی کے پاؤں کو مندی لگا دی جاتی ہے تو وہ پہل چھوٹیں لگتا، شاعر کا تصور ہے کہ خزاں کے رخصت ہونے کا وقت آیا تو میدان اگر خزاں کے پاؤں کی مندی میں لگی، گو پاؤں کے لیے رخصت ہونا ممکن ہو نہ پاؤں اور وہ بدستور ہو نہ ہو۔
۳۔ مندی کا رنگ پتہ ہی روز میں اڑ جاتا ہے۔ اس سے شاعر نے ہمار کی بے ثباتی کا بے غلط اور نرالی کا قباحت و درامہ واضح کیا۔

۴۔ پاؤں کو مندی لگا دی جائے تو چھٹے چھرنے سے تاریکی ہو جائے کہ باعثِ شاعر کو گفتِ خاطر ہوتی ہے۔

شعر کا دوسرا مصرع اس آخری پتہ پر مبنی ہے، یعنی دنیا کا عیش و لعل تاریکی ہی ہے۔ درجہ حال تکلیف، مصیبت اور کدورت کا باعث بنتا ہے۔

مزے سے مستقل خزاں کی خوبی کے مختلف پتہ دیا کر لیے اور ایک جگہ اسے ایسی ہیاد قرار دے دیا، جو خزاں کے خوف سے بالکل آزاد ہو۔ فارسی میں کہتے ہیں :

زخیر از قلوب آتش بیاد بر مفرس

خوش بہ بہریت کز بیم خزاں بر خیر

یعنی اگر انہی ملازم کی پیش خدمت رہے تو اس سے لڑنے کی کوئی وجہ نہیں، تو
سمجھئے کہ تجھے بس بیمار مل رہی ہے، جسے غزاں آپس نہیں کہتے۔

۴۔ لغات : غمزدہ ہونے کا معنی : بے موقع ایسے فعل اور بے سبب ہونا،
مشرع : میں محبوب سے جدائی کے غم کا مارا ہوا ہوں، اس حالت میں مجھے
بارغ کی سیر کے لیے مجبور نہ کرو، وہاں کیا ہوگا؟ بھول ہوں گے جو بے عمل ہوتے
ہیں، میں ایسی ہنسی برداشت نہیں کر سکتا۔

بھولوں کے کہنے کو بے عمل اور بے سبب ہنسی اس لیے کہا۔ کہ وہ تو ہنسی
کا سبب موقع دیکھ کر ہنستے ہیں اور نہ ان کے ہنسنے کا کوئی معقول سبب ہوتا ہے۔
صبح کو نسیم ملتی ہے اور وہ کھل جاتے ہیں یہی ان کی ہنسی ہے۔

غارت نے اس شعر میں ایک اہم حقیقت بیان کی ہے۔ انسان خود بارغ و طالع
میں مبتلا ہو تو سیر و تفریح اور دلکش مناظر اس پر اثر اٹھاتے ہیں۔ اس کا دل بہتا
نہیں، بگاڑ نہ رہ کر مہلتا ہے۔ چھوڑوں گا کھنکھر سلیم، الطحی انسان کے لیے یقیناً راحت
فرمات ہے۔ رنگ اور تازگی و شادابی سے انھیں لطف و اشتیاق ہیں، خوشبو
سے وہ بارغ معطر ہوتا ہے، لیکن غمزدہ انسان کو ایسے فرحت، انگیز، منظر میں بھی خوشی
نہیں ہوتی، بلکہ اندرونی و پریشانی قرقی کرتی ہے اور وہ اپنے دل سے رنج کے پتھر
پیدا کرتا ہے، جیسے اس شعر میں چھوڑوں کی گفتگو کو بے عمل اور بے سبب ہنسی
قرار دے دیا، جو کسی کے بھی نزدیک پسندیدہ نہیں ہو سکتی۔

۵۔ مخرج : اگر یہ میرے جسم کا سرور لگ اسی آنکھ بن گیا ہے جو ہر چیز کی
حقیقت کا خشک خشک اندازہ کر سکتی ہے، یہ اپنی ہر حس کا محرم بن جائے گی سب سے
مجھے نصیب نہ ہوتی اور اس کے لیے تو میں رہا ہوں۔

شعر میں غری پر غامض انداز ہے، جس کا مطلب ہے، جس کو بے پردہ دیکھ کر
کی حقیقت پائی اور کہ نہ تک پہنچ جائے، جس سے اٹھارہ حس حقیقت کی طرف ہے۔
نارکتا ہے۔ یہ جس کو شامت کی ہر شے میں ناریں ہے، اہم انسان کے جسم کا ناز

۔ زائل ہیں حقیقت میں آنکھوں میں دھڑکتے تو اس حسن کی بحر میں غریب نہیں ہو سکتے ۔
 بعض اصحاب نے اس شعر کے مقابلے میں جنسی کا مستزاد ذیل شعر پیش کیا ہے
 دور ہر چہ ہو کوئی ہی تو مستغنی
 تو آراء فیض دوست دور جو ش
 یعنی تو کسی بھی دور گئے پر کان دھریے وہاں حسن حقیقی کے فیض کا آثار ہر نشان
 ہوگا ۔

۵۔ ہر بے کو ہر چہ ہو تو اس کے سوا دوسری مشغولوں میں کوئی بھی چیز مشرک نہیں
 فیض ہر بے میں حسن حقیقی کا فیض ثابت کر رہا ہے ۔ غالب اس لیے ترپ رہا ہے کہ
 وہ گئے کو چشم بینا بنا لینے کے یا دجو و حسن کا بے عجب انوار نصیب نہ ہوا ۔
 ۶۔ مشعر : ہم نے حسن کو نہ کبھی ہی دل اس کی تڑک دیا اور ہرگز ارتقا
 نہ کیا کہ وہ دشمن ، ناز و ادا سے کام لے کر مجاہد اول ہو لینے کی کوشش کرے ۔
 گر پاشا عر کے نزدیک ناز و ادا زوالی چھین لینے کے حربے ہیں ، جس سے حسن کام
 رہتا ہے اور ان کے ذہن سے دلیری کا تقاضا کیا جاتا ہے ۔ ہم ایسا تقاضا
 گوارا نہیں کر سکتے اور اسی کے بغیر ہی حسن پر مر مٹے ہیں ۔

غالب نے یہ سطحوں ایک قاری غزل میں بھی بانٹا ہے :

کون تارا دورا جندی اسے بستان دھانے ہم
 دماغ کا دک باہر تھی تا بد وقت نا را

یعنی اسے محبوب : تجھے تارا دورا نہ دیکھانے میں ، حجام کی کیا غزور دانت سے با
 د سے دلی بھی نہ تنہا ہے اور جانتا بھی ۔ ہمارا دماغ اتنا کاڑک ہے کہ تقاضا
 برداشت ہی نہیں کر سکتا ۔

۷۔ مشعر : اسے ہلوم ایہ دکھ کہ میرا دور دلی کی حسرت کے جی
 بطن میں ہے ۔ دورے کے مقابلے میں حسرت تو بہت بڑھی ہوئی ہے ۔ تو کہتا ہے
 نہ کیا دورہ کر دیا میرا دے گا میں دریا کا بھی فرق جانتا ہوں ۔ مجھے علم ہے کہ

میں گناہ پانی آتا ہے اور گناہ سمند میں جاتا ہے۔ اگر میں تلوں کی صفیرت کے مطابق روزانہ شروع کروں تو ایک دریا کیا، خدا ہمارے کھٹے دریا پر لکھیں اور کیا قیامت آجائے۔

۱۔ لغات : کار فرما : کام لینے والا۔ جہنم

شعر کے پہلے شعر جو ہیں "اس سے محبوب مراد ہے اور دوسرے شعر کے کہ "اس نے شک۔

شرح : ہر میں آسمان کے چور و مہا کو دیکھتا ہوں تو اسے اتنا ایسے اختیار محبوب کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، کیونکہ آسمان کے چور و جہاں میں محبوب ہی کے اہواز ستم کی جھلک نمایاں ہے۔ گویا سمجھنا چاہیے جو ہی آسمان سے کام لے کر ہر سب کچھ کر رہا ہے۔



۱۔ لغات : نفس پرورد
نفس معنی نفس پالنے والا مراد ہے بہتہ اور جہاں ہوا۔
خطہ جام معنی : جام
یہ شراب کی پیاس کے لیے خطہ کھینچے جوتے تھے اور انہیں خطہ جام معنی "صحن" خطہ جام سے کہتے تھے۔

قطرہ سے اس کی حیرت سے نفس پرورد ہوا
خطہ جام سے سراسر رشتہ گوہر بنیا
اصحاب عشق کی خانہ خسروانی دیکھنا
غیر نے کی آہ، لیکن وہ خفا تجھ پر ہوا

شرح : خود مرقاہا رب نے اس شعر کے مشق تا سنی عبدالحیمل جنوں پرورد کو لکھا تھا : اس مطلع میں نمایاں ہے دینیت، مگر وہ کشمکش و کاہر آدمی دین لطیف زور و انہیں، قطرہ لکھنے میں ہے اختیار ہے، بہ قدر یک مرزا برہم زور و ثبات و قرار ہے، حیرت ازاد حرکت کرتی ہے۔ قطرہ سے انرا طحیرت سے ٹپکنا بھول گیا، بار بار برونہی، جو قلم کردہ لکھیں تو پایے کا خط، صورت اس آگے کے بن گیا، بس میں کوئی بہا شے ہوں۔

سادہ الفاظ میں، غضب یہ ہے کہ ساقی کے ہلوے نے شراب کے ہر قطرے کو حیرت میں مبتلا کر دیا، چنانچہ قطرے ٹپکتا بھول گئے اور حیرت کے باعث خطِ جام پر ہر بار ہاتھ جمے ہوئے گئے، گویا خط نے دعا گئے کی صورت اختیار کر لی اور جیسے جیسے قطرے اس دعا گئے کے لیے مرقی ہو گئے۔

۶۔ **شرح :** محبوب کو غالب کے عشق صادق پر کامل اعتماد ہے، جو اس سب سے پرہیزگار ہے کہ غیر کے متہ سے بھی آؤ نکلے تو سمجھتا ہے کہ یہ آؤ بغضِ خدا پر غالب نے کی۔ لہذا اس پر حقا ہوتا ہے، گویا غالب کے لیے سچا عشق اور اس پر محبوب کا اعتماد بھی نانا خرابی اور مصیبت کا باعث بن گیا۔

اس میں قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ بعض صورتوں میں بچے عشق کا اثر بھی اٹھاتا ہے



۱۔ **لغات :** تقریب : قرب
سبب : اجتماع کا موقع، مسئلہ کی بنیاد یا پیش
محمل : کھادہ، چارپائی سے ملتی جلتی وہ چیز کہ دوسروں کے ذریعے سے اندھ کر ادھت پر اس طرح، گھستے تھے کہ دونوں جیسے دونوں پیٹوں پر ٹک جاتے تھے۔ ان میں سواہی کا انقلاب پیشیت تھیں۔

جب یہ تقریب سفر یا رنے عمل باندرھا
تپش شوق نے جبر سے یہ اک دل باندرھا
دل بندش نے برحیرت کدو شوقی ناز
جو صبر آئند کو ٹھوٹا، مسحل باندرھا
یاس و امید نے ایک عربہ میدان انگا
عجز و ہمت نے غلبہ دل سائل باندرھا
نہ بندھے تشنگی ذوق کے معنوں مانا۔

شرح : جب محبوب نے سفر کی تیاری کی اور سواہی کے لیے کھانا لیا تو عاشق کی گرمی شوق کا یہ دور

گرمی دل کھول کے رہا کہ بھی سائل باندرھا

کہا۔ اس نے کی خاک کے ایک ایک ذرے پر دل اندھ دیا تاکہ وہ اپ کی سواہی کا قریب

۱۔ عاشق کے محبت جبر سے دل پر پڑے ۔

بقا ہر مطلب یہ نہیں کہ واقعی ہر وقت سے ہر ایک ایک دل بانہ بھاگیا ۔ مطلب یہ ہے شوق کی بے قراری اور بے تالی ایسی صورت اختیار کر گئی تھی کہ خاک کا زرد زرد و لاش کا دل معلوم ہو رہا تھا کہ سواری کا پاؤں اسی پر پڑے ۔

بقول عبا طالبی فتویٰ کی جملہ مہبت اور پیشی دل میں وہ شیدھا ہر ہے ۔

۲۔ لغات : اہل بنیش : اہل نظر ۔ حقیقت میں ۔

شعر میں آنیے سے مراد فانی کی آفتاب ہے ۔ اسی میں جو ہر ہوتے ہیں جو رنگ رنگ ہانے سے سیری مائل ہو جاتے ہیں ۔ رنگ ہی کی بدولت انھیں طوطی سے تشبیہ دی گئی ہے ۔

شرح :- محبوب کے پیش نظر آفتاب اور وہ تانہ و انداز کی شوقیہاں دیکھ رہا ہیں کی وجہ سے پورا منظر حیرت لانے میں تبدیل ہو گیا اور آنیے کے جوہر کی نظر کے ذریعہ یہاں ہو کر طوطی بھل کی طرح لپ اٹھے ۔ گویا آنیے کے جوہروں کو طوطی بھل قرار دے دیا ہے ۔

۳۔ لغات :- عریضہ میداں : میدان جنگ ۔

عجز بہت : بہت کی ہستی ۔

شرح :- امید اور نا امید ہی میں کشمکش شروع ہوئی اور اس نے میدان جنگ کا ہنگامہ بنا کر دیا ۔ بہت بہت ہی سوال کرتے داسے کہے دلی کو اپنے علم میں لکھ دیا ۔

جب کوئی شخص سوائی ہی کر کسی کے سامنے جاتا ہے تو اس کے دل میں امید و نا امید کے درمیان کھینچ تان شروع ہو جاتی ہے ۔ امید یہ کہ کچھ مل جائے گا اور نا امید یہ کہ شاید سوال ٹھکرا دیا جائے اور کچھ نہ ملے ۔ یہ کشمکش اور یہ جھگڑا انسان کی بہت ہی نا امید ہے ۔ بہت بہت ہی سے سامنے بناتی ہے اور سوال پر آمادہ کرتی ہے ۔ اگر اس میں بہت ہو تو بہت بات سے کام لے کر ہر مشکل کو ڈوڈ کرے اور ہر شخص کام کو پہنچ

بنائے۔ اس حالت میں اسے امید و تائید ہی کے پیکر میں پرلے کی نوبت نہ آئے گی۔
مرزا غالب تو خود داری اور عزیمت پر اس درجہ متعین ہوئے ہیں کہ کسی سے
عبرت حاصل کرنے کے جس روادار نہیں، چنانچہ کہتے ہیں۔

ہنگامہ زبونی بہت ہے انفس ال

منازل نہ کیجئے دہرے عبوت ہی کیوں نہ ہو

۴۔ **تشریح** :- اسے غالب یاد رکھ چاہیے کہ دل کھول کر اور انتہائی سلیکٹو
کے کام سے کہ عشق کی پیاس کے معنوں کیجئے رہے، یہاں تک کہ دریا کو جس ساحل
قرار سے دیا، لیکن حق یہ ہے کہ ہم ان معنوں کی ترتیب و تحریر کا حق ادا نہ کر سکے
اور عشق کی تڑپ کے معنوں پر اسے باندھے نہ بند ہو سکے۔

وہ ایک ساحل اندھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ہر طرف دریا بہ رہتا ہے، گرس
کی شنگی نال نہیں ہوتی۔ گو اس کی پیاس بدستور قائم رہتی ہے۔ وہ ایک ساحل باتھنے
کا ایک پہلو ہی ہو سکتا ہے کہ پورا دریا جس ساحل پہنچ جائے، یہاں تک کہ ایک قطرہ
جس باتھ رہے، تو اس کی یعنی ساحل کی نشانی ہی اور پیاس ہی کوئی فرق نہ کہے گا،
وہ بدستور خشک کا خشک رہے گا۔

نہیں اور جہم سے سے یوں تشنہ کا آؤں
۱۔ **تشریح** :- سید محمد امجد
موانی نے اس شعر کی شرح میں
بڑی تفصیل سے کام لیا ہے،
میں اسی کا حوالہ اپنے لفظوں میں
دیکھ کر دیتا ہوں۔ کیونکہ اس طرح
میں شعر کا کوئی پہلو نظر انداز نہیں
کرتا۔
گرس نے کی عشق تو بہر، ساقی کو کیا ہوا تھا
جیسے ایک سیر سہیں، دونوں چہرے پڑے ہیں
وہ بن گئے، کہ اپنا دل سے بھر چکا تھا
دراغدی میں غالب کچھ بن پڑے تو ہانوں
جب رشتہ بے گھر تھا، ناخن گرہ کستا تھا

۱۱ لڑاتے ہیں اس شعر میں

نکڑے معنی خیز ہیں، مثلاً :

۱۔ "ہیں اور" اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ میکش بہت پیٹنے والی ہے۔ ساقی اور رندوں کا پورا گروہ اس کے رندانہ فضائل سے واقف ہے۔ شراب پانے سے اسے اتنی تکلیف ہوئی، جتنی کسی دوسرے رند کو نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر اسے رندوں میں اپنی بے پروئی کا بھی دکھ تھا۔

۲۔ "نرم ہے" اس نکڑے سے واضح ہوتا ہے کہ اگر تنہائی میں ساقی نے یہی روتا دیکھا ہوتا تو ناگوار مزور گزرتا گردا تھا۔ جتنا رندوں کی بھری محفل میں وہ کہتا ہے۔ میں نے تو شراب اس پیے مانگی کہ تو بہ کر چکا تھا۔ لیکن ساقی نے ضیافت کیوں نہ کی؟ اس نے کیوں نہ خیال کیا کہ رندوں کی تو یہی کیا ہوتی ہے؟ اور اگر پیے کا ذوق نہ ہوتا تو رندوں کے جھگڑے میں آتا ہی کیوں؟ اس کا مقصد یہ تھا کہ تو یہ کی حاجت میں رہ جائے اور شراب بھی پی لے۔ مگر ساقی نے محفلوں میں نہ پوچھا۔

۳۔ "یوں" سے سننے والے کی نظر میں رند نام کام کی تصویر پھر جاتی ہے۔ اسے اپنی ناکامی پر صدمہ و رنج ہوا ہی نہیں، غصہ بھی ہے اور خمار کی تکلیف لگ۔ ہاں بے یقینی ہے۔ اگر ذاتی پرانگڑائی آدمی ہے۔

۴۔ "تشذو کم" سے صق و زبان کے کانٹوں کا تصور ہونے لگتا ہے، جو شدت تشنگی کا ترجمان ہے۔

۵۔ "آؤں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پُر اُمید ولی سے کرہم سے میں گیا، مگر تشذو اور ایوس ٹوٹا۔

۶۔ "ساقی کو کیا پڑا تھا" اس کے بہت سے مفہوم ہو سکتے ہیں، صرف لہجہ پہلے کی مراد متا ہے، مثلاً :

۱۔ کیا اس نے بھی تو بہ کر لی تھی؟ اب، کیا وہ ہوش میں تھا؟ (ج) کیا عربوں نے وہ انداز ہی کی؟ (د) اس کے لیے میکش کا احترام و احباب تھا۔ (۵) نے بیہوشی اور سنگ دلی سے کام لیا۔ (س) رندوں کی حالت کا اندازہ کرنے

میں غصہ ہوتی رہتا، شاید اس نے مجھے دیکھا نہیں روح! کیا وہ میرے ذہن کے لیے
 حسرت لگتا ہو گیا؟ خطا کیا وہ کہیں اور خیال میں تھا؟ غرض ایسے بہت سے سبب
 ذہن میں آ سکتے ہیں اور ساقی کو کیا پتہ تھا۔ کہہ کر ان سب کا ذکر کر دیا گیا۔
 بعض اصحاب نے کہا ہے کہ یہ مضمون چنگی و خنجر امیر علی چھٹا کر لے بھی بڑی خوبی
 سے بھی باندھا ہے :

میں اگر توبہ نہ کر دوں ام اسے سر دہی !

تو خود اپنی توبہ نہ کر دی کہ مر امی ندی

یعنی اسے سر دہی ! اگر میں نے شراب سے توبہ کر لی ہے، تو تے توبہ توبہ نہیں
 کی کہ مجھے شراب نہ دے گا۔

اسی طرح لڑائی کا یہ شعر پیش کیا گیا ہے :

چو شد از توبہ اگر دامن خشکے وارم

پیشی ابو کرم پیر مٹاں این جہ نیست

یعنی اگر توبہ کی وجہ سے میرا دامن خشک ہے تو کچھ پردہ اٹھیں۔ پیر مٹاں کا ابو کرم
 اسے گا تو میری توبہ اور میرا دامن خشک سب بیچ نہ جائیں گے۔

مزنی کے شعر کو مرزا کے شعر سے کوئی مناسبت نہیں۔ چنگی کا مضمون یقیناً
 مرزا کے مضمون سے لٹا جاتا ہے۔ لیکن اسے مطلع بنانے کے سلسلے میں ساقی نے
 محبوب کو سر دہی بھی کہنا سراسر تلافی ہے۔ نیز مرزا نے یہ مضمون پیش کر سکتا تھا
 اس میں جتنی خوبیاں پیدا کر لی ہیں، ان سے چنگی کا شعر خالی ہے۔

۲۔ **مشرع** : اب وہ زمانہ نہیں۔ جب دل ادھر ایک دوسرے

سے ٹک رہتے تھے۔ اب تو دونوں کو ایک ہی تیر نظر نے چھید رکھا ہے۔ اور
 دونوں کی حالت یکساں ہے۔

دل کے چھیدنے کا نتیجہ ہوا کہ بے آبی کہاں پر پہنچ گئی۔ بلکہ چھید تو مہر و نہایت
 کی قسمت شل ہو کر رہ گئی۔

۳۔ شرح : اسے غائب اب درخانی اور بے پارگی کی حالت جاری ہے۔ کہ نہی میں نہیں آتا کہ کیا کریں، جب میرے ناخن میں مشکات کی گریہ کھونٹنے کی قوت تھی تو میرے شہدہ نقد پر میں کوئی گرد موجود ہی نہ تھی۔ اب ناخن شہدہ کشتی کی قوت سے محروم ہو گیا تو مصیبتوں کا طوفان اٹھ آیا۔ یوں بچاؤ کی مدد چڑی کی حالت پیدا ہو گئی۔

خواہد حال فرماتے ہیں :

۱۔ دوسرے مصرع میں یہ مضمون آدھا کیا گیا ہے کہ جب مشکات نے نہیں گھیرا تو اس وقت کے دلع کرنے کی طاقت تھی۔

۱۔ شرح : مہارے گھر مہاراجہ جوڑے دوستے بھی تو دیراں ہوتا بحر گر بھر نہ ہوتا، تو بیباں ہوتا تنگی دل کا گلہ کیا، یہ وہ کاغذ دل ہے کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا بعد یک عمر درخ، بار تو دیتا، بارے کا ش، رضواں ہی درو یاہ کا دریاں ہوتا مثالیوں سمجھتی چاہیے کہ سندھ

سندھ نہ ہوتا اور اسی کا پانی اسکی خشک ہو جاتا تو اس کی بگڑ بیاں نکل آتا، وہاں خاک اٹھتی، پانی کی فراوانی میں برادری کا باعث ہے اور پانی کے ناجائز ہو جانے کا نتیجہ بھی برادری کے سوا کچھ نہیں۔

۲۔ شرح : ہم دل کی تنگی کا گلہ کیا کریں، اس کم بخت کی حالت اس وقت کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا، تنگی دل پریشانی مشابہ کیفیتیں ہیں، اگر ایک کیفیت

نہ ہوتی تو اس کی جگہ دوسری سے ملتی۔ نتیجہ دونوں کا ایک ہے یعنی رنج و حزن

۳۔ لغات - درج : پرہیزگاری

درمنوال : بہشت کا دربان -

شرح : غائب اکثر اپنے شعروں میں بعض باتیں مقصد چھوڑ دیتے ہیں۔ جو ہر ایک نظر داغ ہو جاتی ہیں۔ اس شعر میں بھی ایک مقصد مقدر ہے۔ یعنی ہم نے محبوب کے دربان کی ہزاروں منتیں کیں۔ اس سے مسلسل التوا نہیں کرتے رہے۔ محبوب سے اپنی عقیدت و پرستاری کا واسطہ دیتے رہے۔ مگر اس نے کوئی بات نہ سنی اور ہمیں یاد کا موقع ہی نہ دیا۔ کاش! دشمنوں محبوب کے گھر کا دربان جوتا، کیونکہ وہ تو تقویٰ اور پرہیزگاری ہی ایک عمر گزار دیتے کے بعد بہشت کے اندر داخلے کی عبادت دے دیتا ہے۔ اگر اسے محبوب کے گھر کی درباری کا منصب حاصل ہوتا تو یقیناً ہم سے وہ سلوک نہ کرتا، جو محبوب کے دربان نے کیا۔



۱۔ شرح : خواہجہ عالی

اس شعر کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

”بالکل نئے طریق سے نہیں کہ مصنف پر ترجیح دی ہے اور ایک عجیب ترقی پر مصدوم محض ہونے کی تنہا کی ہے۔ چلتے مصرع کے بھی تو ظاہر میں۔ دوسرے مصرع سے جہاں بہت منوم ہوتا ہے کہ

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
 ڈلو یا مجھ کو ہونے سے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
 ہوا جب غم سے یوں ہے جس تو غم کیا سر کئے
 نہ ہوتا اگر خدا تھی سے، تو زانو پر دھرا ہوتا
 ہوتی حدت کہ نالاب مر گیا پر یاد آتا ہے
 وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا
 مگر میں نہ ہوتا تو کیا رہتی ہوتی، مگر غانی کا مقصود ہے کہ اگر میں نہ ہوتا تو دیکھنا چاہیے
 کہ میں کیا چیز ہوتا، مطلب یہ کہ خدا ہوتا، کیونکہ چلتے مصرع میں بیان ہو چکا ہے کہ اگر

کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا۔

مقصود یہ ہے کہ وجود حقیقی ایک ہے اور وہ خدا ہے۔ اسی مبدء کے فیض سے ہر وجود پیدا ہوا جس کی ہستی خارجی ہے۔ اگر یہ وجود پیدا نہ ہوتے تو مبدء اسے حقیقی میں شامل ہوتے اور اس کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ کیونکہ جب کچھ نہیں تھا تو خدا تھا اور کچھ نہ ہوتا تو اس حالت میں بھی خدا ہوتا۔

۲۔ **تشریح :-** جب ہم کی قرآن الہی سے سر کو بے حس بنا دیا اور احساس کی معنیت ہی اس میں نہ رہی تو اس کے کٹ جانے کا کیا ہم ہو سکتا ہے کیونکہ اگر یہ تم سے موانع ہوتا تو بے حس و حرکت ہونے کے باعث ذائقہ پر دھرا ہوتا۔
اس میں ایک کلمہ یہ بھی ہے کہ عیب کوئی چیز بے حس اور شن ہونے سے تو اس کے کہنے کا بھی کوئی احساس نہیں ہوتا۔

۳۔ **تشریح :-** حث ہونی کو غائب کا انتقال ہو چکا ہے۔ لیکن وہ اس سے بار بار یاد آتا ہے کہ ہر بات پر کہا کرتا تھا۔ لیکن ہوتا تو کیا ہوتا۔
یوں ہوتا تو کیا ہو جاتا اسے مختلف پہلو نکالے جا سکتے ہیں۔ اس کی کوئی صورت پیش آگئی اور اس نے غائب سے ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جہاں امین و نصیبت کا اشارہ ہو گیا۔ غائب نے اس کی توجہ اصل واقعے کی طرف سے منسلک کرنے چاہی کہ اگر یوں نہ ہوتا اور یوں ہوتا تو کیا ہو جاتا؟
دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ غائب کی ایک فطری خصوصیت تھی۔ اسی بنا پر وہ ہر واقعے کے متعلق کہا کرتا تھا کہ اگر یوں ہوتا تو کیا ہوتا۔ کرم کے علاوہ اس میں فنا و ارمان کا پہلو بھی نکلتا ہے۔



۱۔ **تشریح :-** مبدء آگنی ہے

کیسے فرقہ زمین نہیں ہے کار بارغ کا
بارغ کی زمین کا کوئی بھی فرقہ بیکار اور
یوں ہی غرض غرض سے غائی نہیں رہا۔ جگہ جگہ کثرت
یوں بناوہ بھی عقیدہ ہے اسے کفران کا

بے غے کسے ہے عیاںِ قوتِ آشوب آگئی
 کھینچا ہے عجزِ جوصلہ نے خطِ ایاغ کا
 بلبل کے کار و بار پہ ہیں، نغندہ ہائے گل
 کہتے ہیں جس کو عشقِ خلل ہے ویاغ کا
 کمانہ نہیں ہے، نشہ فسرِ سخن مجھے
 تریاکیِ قدیم ہوں ڈوڑھپسراغ کا
 سو پار بندِ عشق سے آزاد ہم جوئے
 پر کیا کریں، کہ دل ہی عدد ہے مزراغ کا
 بے خوابِ دل ہے چشم میں بون نگہ غبار
 بے گئے کہ درخواب ہے، نہ کے سمرغ کا
 باغِ گنفتہ تیرا، ہنساؤ نشاطِ دل
 ابر بہار، خسکہ کس کے ویاغ کا

سہرہ اور پھولی موجود ہیں، نوکی
 مزوانی سے رہ شوں کی یہ حالت
 جو گئی کہ پاؤں دھوئے کو جگہ نہیں
 لیتی اور خالی جگہیں اس درمیان دور
 جو گئی ہیں کہ معلوم ہو تا ہے۔ یہ
 روشنی نہیں، بلکہ ویاغ کا لہر کے
 چرخوں کے لیے قدرت نے تیوں
 کا انتظام کر دیا ہے۔

نوٹش بالکل تنگ ہو تو چراغ
 کی آبی سے اس کی تشبیہ نہایت گوارا
 اور بالکل بھرتی ہے، صاف ظاہر
 ہوتا ہے کہ اس تنگ اور محدود جگہ
 میں بھی جو شے نو پا رہا ہے جس
 طرح جی شے کی بدولت، روشنی کا
 سرمدان کرتی ہے۔

شعرا بہار، اچھوٹوں کی
 کثرت، رنگ و بو کی فراوانی اور
 نوکی جیت کی ایک محدود تصویر ہے۔

م - لغات : آشوب : نشہ، بیگم، الطوفان، جوش و خروش۔

آگئی : مشغور، واقفیت، ہوشیاری، علم

ایاغ : شراب کا پیالہ، غلط سے مراد وہ غلطی ہیں، جو شراب کی سدا رہا پہنچنے
 کے لیے پیالے میں لگا دیئے جاتے تھے اور آئی کی ہیں جو بخت میکہ دن اور دھانڈا توں
 کے سکون ہوتا ہے۔

شرح : شرب سے درست ہوئے بغیر نہایت کثافت کے متعلق متنبہ اور
 علم و فہم اور جنگ مرگس کا وہی برداشت کر سکتا ہے یا نہیں مصیبت یہ ہے کہ شرب پانی سے
 بے ہوشی اور کم ظرفی سے کام لیتے ہیں۔ وہ ناپ تول کر مقدار کے خط دیکھ دیکھ کر شرب
 جاتے ہیں جس سے وہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی کہ آشوب علم و آگاہی کا ڈکھ اور ادب
 مانگے۔ مثلاً یہ ڈکھ کہ یہاں کی زندگی عارضی ہے اور انسان کو جلد رخصت مقرر یا غور کر
 دوسری دنیا کی طرف روانہ ہونا ہے یا یہ ڈکھ کہ میں عزیزوں اور دوستوں سے تکیہ بستہ
 ہے۔ اس میں ہماری طرح آگے پیچھے ہیں سے رخصت ہو جائیں گے اور ہمیں ان کے
 خزانہ کا داغ برداشت کرنا پڑے گا۔ یہ ڈکھ کہ دنیا میں حقیقی دوستی اور وفا وادی انکل
 اپید نظر آتی ہے یہ اور اس قسم کی تمام چیزیں انسان کے لیے ڈکھ۔ پریشانی اور
 غایت کا باعث ہوتی ہیں۔ شرب پانی دھواں سے ہادی کر دینے کا ایک ذریعہ ہے
 اور اس ذریعے سے کام لے بغیر حقیقتوں کا تحمل ممکن ہی نہیں۔ مرزا نے ایک اور
 شعر میں بھی اسی قسم کا خیال ظاہر کیا ہے۔ اگرچہ اس میں مرزا کا علم و آگاہی کا کوئی نہیں
 آیا :

مے سے غرضل نشاط ہے کس رو سیاد کو

اک گونہ بخودی بجھے دن رات پابستے

مرتبہ دوشے اچھے اک گونہ بخودی قرار دیا گیا ہے۔ علم و آگاہی کے خنود

آشوب کو قابو برداشت بنا سکتی ہے۔

۳۔ لغات : کاروبار : مشغولیتیں، حرکتیں پیش

شرح : وہ جہل بھولوں کے ساتھ عشق کے باعث دیوانی ہو۔ ہی ہے۔

اور بے اختیار آہ و نغاس کر رہی ہے۔ لیکن بھولی اس کی ان حرکتوں اور مشغولیتوں

کی جتنی اثر ہے۔ یہ میل کو اس حالت کا کوئی احساس ہے اور نہ بھول ہنسی مبتد

گر لینے پر آمادہ ہیں۔ مہم پر توجہ جس شے کو مشغول کہتے ہیں۔ وہ داغ کی خواہش اور

اتار کے سوا کچھ نہیں۔ خصوصیت سے اس لیے کہ مونا دیوانوں کی کی جتنی رازدار

باقی ہے۔

۴۔ لغات : تریاک کی : یہ لفظ تریاک سے بنا ہے، جسے گتہ اونیق سورتوں سے کہتے ہیں۔ یہ سید عالمؑ کا بیان ہے کہ تریاک کو افیون کے معنی میں استعمال کرنا بعد کا افتد ہے، پہلے محض زہر شہرہ کے معنی تھے۔ لہذا یہاں تریاک کی یہ معنی افیون ہے۔
جنرل غیب طاہق دو کچھ معنی و حواصاں استعارہ ہے لکڑی کھنک کا اور چراغ استعارہ ہے کلام روشن کا۔

شرح :۔ میں نے حال میں شعر کو نہ مشرود چلیں کیا، فکر سخن کا نشہ تو بہت پرانا ہے، یعنی میں رت سے افیون چھو آتا ہوں اور روشن کلام کے لیے ابتدا سے فکر کا عادی ہوں۔

ایک تعبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تریاک سے چند و مراد لیا جاتے۔ چند و افیون کو باقی میں چکا کر جاتے ہیں اور باض کی ایک نالی ہے، جس کے ایک طرف چم سے سنی ہوئی ہے۔ جتنے کی طرح پتے ہیں۔ چراغ کی تو سے چند کو آگ دی جاتی ہے، چند سال پیشتر گتہ جنرل ہند کے مختلف حصوں اور چین میں اس کا دستور عام تھا۔ چند دہائیوں سے چند کٹ لے کر بالکل بیوقوف سا ہو جاتا تھا اور بعض اوقات چند و چار سے دس سال کا مال و متاع بھی ختم ہونے لگتا تھا۔

اگر خیون کی جگہ یہاں چند و سمجھا جائے تو اس صورت میں شعر کی مناسبتیں زیادہ واضح ہو جاتی ہیں۔ سنی دونوں صورتوں میں وہی ہیں، ایجو اور بیان کیے گئے ہیں۔
۵۔ لغات : فراغ : آزادی۔ بے لکڑی۔ فراغت۔

شرح :۔ سو مرتبہ ہم عشق کی بندھنوں سے آزاد ہوئے، لیکن کیا کریں۔ ہند سے دل کو آزادی اور بے لکڑی سے اتنی دشمنی ہے کہ وہ پھر کوئی نہ کوئی آفت اور الجھن پیدا کر رہتا ہے۔

یہاں بندھنوں سے مراد عشق حقیقی نہیں۔ بلکہ معاملہ بند دنیا کا عشق ہے۔ یعنی اس مرتبہ ہم نے دنیا کی الجھنوں سے واسن چھڑا دیا، لیکن دل پھر اسی جہاں میں جا

چنا ہے۔

۵۔ **شرح** : مولانا حسرت موہانی اس شعر کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :
 دل میں خون کے نہ ہونے کا شکی ہے ، یعنی چاہتا ہے ، آنکھ
 میں اشکوں کی راہ خون دل آئے ، مگر نہیں آتا ، پس آنکھ میں موج نکلا
 خیال ہی گئی ، یعنی خون دل کے بغیر کچھ فکر نہیں آتا ، پھر خون دل کو
 کڑوا ہوا تلبیہ بانہوتا ہے اور کتا ہے کہ یہ میاں آکھ اسے خون دل
 کے تعبیس ہی میں شراب ہے ، شراب ملے تو آباد ہو اور خون دل
 آئے تو خیال دور ہو ، کیونکہ تری سے خیال دور ہو جاتا ہے ، ہستہ
 پہلو دار اور نہایت نازک و لطیف مضمون ہے ۔

مطلب یہ ہے کہ جس آنکھ سے خون دل نہیں بہتا وہ اس لیے اندھی ہو جاتی
 ہے کہ اس میں نگاہ کی لہریں خیال ہی بجاتی ہیں اور قوت بیاہی ختم ہو جاتی ہے۔ آہندہ
 ہے کہ یہ شراب فنا نہ آکھ پھر شراب اخون دل اسے آباد ہو ، اس کی خرابی
 اور ویرانی کی حالت ختم ہو جاتے ، نگاہ خیال کی لہر نہ رہے ، بلکہ واقعی نگاہیں جالتے
 جس کا جو ہر کمال بیاہی ہے ۔

۶۔ **شرح** : تیرے حسن کا سر بہرہ دلدادہ اور شگفتہ بارخ میرے دل کی
 خوشی اور راحت کا سرد سا ان ہے ، اتری را مویہم بہار کا بادل تو کون کہہ سکتا ہے
 کہ یہ کس کے ذوق کا شراب فنا ہے ، مجھے تو اس سے کوئی دلیلگی نہیں ، کیونکہ تیری
 تو بہرہ راحت تیرے ہی بارخ حسن سے وہ ہستہ ہے ۔

الفاظ کی مناسبت ظاہر ہے اور مرزا غالب کا شاید ہی کوئی شعر ہو جو اس
 مناسبت سے خالی نظر آئے ، یہاں ٹکدو یعنی شراب فنا ایریہاد کی مناسبت سے
 دئے ہیں اور بارخ سے نقشے کی مناسبت بھی مناسب ہے تشریح نہیں ۔



وہ مری ہوئیں جہیں سے، علم پنہاں سمجھا
 رازِ مکتوب ہے بے ربطی عنوان سمجھا
 یک الف بیش نہیں، بعقل آئینہ بنوز
 چاک کرتا ہوں میں، جب کہ گریباں سمجھا
 شرح اسباب گرفتاری خاطر، مست پوچھے
 اس قدر تنگ بوا دل، کہ میں زنداں سمجھا
 جاگنی نے نہ چاہا اسے سرگرم خرام
 رنج پہ ہر قطرہ عرق، ریدہ حیراں سمجھا
 جگر سے اپنے یہ مانا کہ وہ بدخو ہو گا
 بعض جس سے تپشیں شعلہ سوزاں سمجھا
 سفر عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی
 ہر قدم سائے کو نہیں اپنے شیعستان سمجھا
 تھا گریزاں مژدہ یار سے دلِ نادم مرگ
 ونج پیکان قنسا، اس قدر آساں سمجھا
 دل دیا جان کے کیوں اس کو وفا دار آمد
 غلطی کہ کہ جو کا منہ کو مشکلاں سمجھا

۱۔ شرح : محبوب نے
 میری پیشانی پر شکنیں پڑی ہوئی
 دیکھیں تو سمجھ گئی کہ مجھے علم نے
 بری طعنت تار کھا ہے۔ حالانکہ
 میں نے علم کو ضبط کرنے اور
 چھپاتے رکھنے میں کوئی دقیقہ
 فرو گذاشت نہیں کیا تھا۔ یہ میں
 ہی بات ہوئی، جیسے کسی خط کا
 سرنامہ ہے ربط سا جو اور دیکھتے
 اندازہ کرے کہ خط کا مستون
 کیا ہو گا۔

مطلب یہ ہے کہ عاشق نے
 تو ضبط کیا کوئی کرتا ہی نہ کیا اور
 اس کی کوششیں یہی تھیں کہ علم
 کو رازِ محبوب پر ظاہر نہ ہو جائیں
 پیشانی کی شکنوں نے یہ رازِ ناش
 کر دیا۔ شرح میں پیشانی کی شکنوں
 کو سرنامے کی ربطی سے اور علم
 پنہاں کو رازِ مکتوب سے تشبیہ
 دی گئی ہے۔

۲۔ شرح : خود مرزا
 غالب اس کی شرح کرتے ہوئے
 لکھتے ہیں :

پتلہ یہ سمجھنا چاہیے کہ آئینہ عبادت نوران کے آئینے سے ہے اور نہ اصل
آئینوں میں جو ہر کہاں اور ان کو حقیقت کون کرتا ہے۔ نوران کی جو چیزیں
کو حقیقت کر دے، اے شہ پہلے ایک لکیر پڑے گی۔ اسے اللہ حقیقت
کہتے ہیں۔ جب یہ مقدار معلوم ہو تو اسے اس مفہوم کہ سمجھیں۔

چاک کرتا ہوں میں حبیب سے کہ گرہاں سمجھا
یعنی ابتدائے سن تیز سے مشق جنوں ہے۔ اب تک کہ الہی فیض حاصل
نہیں ہوا۔ آئینہ عام صاف نہیں ہو گیا۔ بس وہی ایک لکیر حقیقت
کی موجود ہے۔ چاک کی صورت اللہ کی سن جوتی ہے اور چاک حبیب
آئینہ جنوں میں سے ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تیز اور شور پیدا ہوتے ہی میں۔ گریہاں چاک کرنے میں مشغول
ہو گیا اور آئینہ کو بدستور دینے اور رنگ صاف کرنے میں لگ گیا۔ لیکن اب تک
صرف اتنا ہی ہو سکا کہ آئینے میں صفائی کی صورت ایک لکیر پڑی ہے۔ جسے حقیقت
اللہ حقیقت کہتے ہیں۔

مولا نا علیہ السلام نے شعر کا مطلب یوں فرماتے ہیں: جب سے مجھے اتنا شور پیدا
ہوا کہ دنیا کے تعلقات قائم رکھتے ہوئے صفائے نفس حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے
دنیا کو چھوڑ دیا اور دل کے آئینے کی صفائی میں مصروف ہو گیا۔ لیکن اب تک یہ آئینہ
پوری طرح صاف نہیں ہوا۔ البتہ اس میں صفائی کی ابتدائی علامت پیدا ہو گئی ہے۔
مستحکم کا اصل نور اس نکتے پر ہے کہ شور و تیز پیدا ہونے ہی پر کام شروع
کر دیا۔

۴۴۔ شہرح: میرے دل کے دلچسپ اور گرفتاری کے اسباب نامیہ
دل اتنا تنگ ہو گیا ہے کہ میں نے سمجھ لیا یہ دل نہیں قید خانہ ہے۔
چونکہ قید خانے میں قیدی تنگ رہتے ہیں اور اس میں بچا ہے خود ہندش کا
پالو نماں ہے۔ اس لئے اسے دل تنگی کی صورتوں تشبیہ مان لیا گیا۔

۴۔ **شرح :** میری یعنی عاشق کی بدگئی کا یہ عالم ہے کہ گوارا نہیں دیتا
 باہر نکل کر خرام نامہ میں مصروف ہو ۔ کیونکہ وہ چھل قدی شروع کرے گا تو نہایت
 کے باعث وہ سے اندر پر پیسنے کے قطرے آجائیں گے اور مجھے یہ گمان ہوگا کہ یہ
 پیسنے کے قطرے نہیں ، بلکہ دھینچے والوں کی آنکھیں ہیں جو محبوب کا حسن دیکھ کر
 سیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئی ہیں ۔ ظاہر ہے کہ یہ شعر مرزا قاسم کے قول کے
 مطابق کوہ کندہں دکاہ پر آوردن کا مصداق ہے ۔

۵۔ **شرح :** میں نے اپنی عاجزی سے جان لیا کہ محبوب تند خو اور شکر مزاج
 ہوگا ۔ مثال یوں سمجھو کہ تنکے کی بنسٹ دیکھ کر جلتے ہوئے شعلے کی حرارت ، گرمی
 اور تپائی کا اندازہ کر لیا جائے ۔

یہاں اپنے بزرگوں سے اس محبوب کی بدخوئی کو شعلہ سوزائی کی تمثیل
 سے تشبیہ دی ۔

۶۔ **لغات :** شبستان : خواب گاہ ۔ رات کو آرام کرنے کی جگہ ۔

شرح : عشق کی مغزی میں سفر کرتے کرتے صفت سے میرا یہ حال ہو
 گیا کہ ہر قدم پر اپنے ہی سایے کو خواب گاہ سمجھتا رہا ۔

۷۔ **شرح :** میرے کہ عشق کا سفر وحشت و بیاباں ہی میں ہو سکتا تھا ، جہاں دور
 دور تک مکان اور سخت کا نشان نہ تھا ۔ اور صفت کو ایک قدم بھی اٹھانا
 گوارا نہ تھا ۔ اس جیسے اندھے سامانی کے عالم میں اپنا ہی سایہ آرام گاہ سمجھ
 ہونے لگا ۔ شعر میں صفت اور بے سامانی کا نقش عجیب انداز میں کھینچا گیا ہے ۔
 نیز اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سفر عشق کس قدر لمبا ، توت و طاقت کینچ لینے والا
 اور مصیبت خیز ہوتا ہے ۔

۸۔ **شرح :** دل محبوب کی پلکوں کے تیرے چمکنے کی کو شمشیر برابر کرتا
 رہا ۔ یہاں کہہ کہ توت آگئی ، لیکن یہ تیر تو لٹکا کا تیر تھا ، جس سے بچنا ممکن ہی
 نہ تھا ، مگر دل نے تاحضی سے بچنا آسان سمجھ لیا ۔

طہر کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں کوئی دل لگن کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لگن
 ہی زندگی کا جو ہر ارد اس کی خوبی ہے۔ کوئی چاہے جس تو اس سے محفوظ رہنا
 ممکن نہیں۔ البتہ موت آجائے تو لگن کا سوال ہی باقی نہیں رہے گا۔
 ۸۔ تشریح : اسے اتنا اتنے کیوں محبوب کو وفاء اور سمجھ کر دل دے دیا
 یہ تو ایسی غلطی تھی، جیسے کسی کا دم کو مسلمان سمجھ دیا جائے، یعنی محبوب سے دنیا کی
 امید کبھی نہ رکھنی چاہیے، جس طرح کافر سے اسلام و ایمان کی امید نہیں رکھنی چکتی۔
 لطف یہ کہ جب تک محبوب بے وفا ہے، عشق کی گر بخوشی اور ہنگامہ خیزی
 قائم ہے۔ محبوب وفا پر آمادہ ہو جائے تو عشق کی آگ خود بخود خاموش ہو کر رہ
 جائے گی۔



دل جگر تشہ فریاد آیا	پھر مجھے دیدہ تر یاد آیا
پھر تر اوقت سفر یاد آیا	دم لیا تھا قیامت نے ہنوز
پھر وہ نیزنگ نظر یاد آیا	سادگی ہاتھ تفتاب یعنی
نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا	خود و اماندگی اے حسرت دل
کیوں تر ارادہ گزر یاد آیا	زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی
گھر تر اخلاص میں گر یاد آیا	کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی
دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا	آہ وہ جرات فریاد کہاں
دل گم گشتہ مگر یاد آیا	بھر ترے کو چے کو جاتا ہے خیال
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا	کوئی پرانی سی ویرانی ہے!

میں نے جنہوں پر لڑکپن میں اسد سنگ اٹھا یا تھا کہ سر یا دایا
۱۔ لغات : جگر تشند : تشند بگڑا جس کا جگر پیسا ہو یعنی پیاس
کی آخری حد۔

مشریح : میرے دل میں لڑائی کی انتہائی پیاس اور ٹوٹ پھوٹ ہوئی۔
ساتھ ہی روئے والی آنکھ یا آگنی اور میں نے سمجھ لیا کہ دل کی اس پیاس اور
ٹوٹ کو صرف آنکھ ہی کی اظہار ہی بھیا اور مٹا سکتی ہے۔
۲۔ مشرح :- خواجہ حاتمی فرماتے ہیں :

- راست گو شخص کرتے وقت جو درد تک کیفیت گزری یعنی اور جو اس کے
پچھ جانے کے بعد وہ کہہ رہا ہوتا ہے، اس میں جو کچھ کچھ کہہ دیتا ہو جاتا ہے اسے
کیست کہے : م یعنی سے تعبیر کیا، ایسے بیخ شخراہ و نہ بان میں کہہ دیکھے گئے ہیں جو
دست فی الواقع ایسے توقع پر گزارا ہے، اس دور معروض میں اس کی تصویر کھینچ دی
گئی ہے، بہتر کسی اسلوب بیان میں یہ مضمون ادا نہیں ہو سکتا :

تیرے رخصت ہونے پر میرے لیے کیست آگنی، اچھی دو کیست طہری اور
نیک نہ قی کہ چہ تیرے رخصت ہونے کا وقتہ نہیں میں تازہ ہو گیا اور کیست نہ
سرفراز ہو گئی۔

۳۔ لغات : تیرنگ : جانور، جسم، فریب، سید، عجب و غرائب
غالب نے شعر میں تیرنگ، نظر کے ساتھ استعمال کیا ہے، اسے تیرنگ نظر کہتے ہیں
جو عجب ہو سکتا ہے، یعنی وہ محبوب، جس کی نظر سراپا ظہم اور سراپا فریب ہے
تیرنگ نظر، مناسبت، بھی پڑھ سکتے ہیں، یعنی وہ محبوب، جو نظر کے لیے سراپا
ظہم اور سراپا فریب ہے۔

مشریح :- میری تنہا کی سادگی اور خواہش و آرزو کے جھوپٹوں کو دیکھنے کو چہر
وہی محبوب یاد آگیا، جس کی نظر سراپا ظہم اور سراپا فریب ہے۔
تنہا کی سادگی یہ ہے کہ جو اپنی تصویریت کے اعتبار سے کوئی آرزو پروری نہیں

کر سکتا اور اس سے کوئی امید پر نہیں آ سکتی، اسی کی تمنا کی بنا پر ہی ہے اور اسی سے
ملطف و لہذاش کی امید رکھتی جا رہی ہے۔

۴۔ لغات : داما ندگی : بچاؤ گی۔ بے بسی، بھوری۔

شرح :- اسے دل کی حسرت : میری بچاؤ گی اور بھوری کا معنی قبول کرنے
میں آؤ و لغات کے لیے تیار تھا مگر جگر کا خیال آ گیا کہ وہ تو ایک ہی آہ میں بیٹھ
جائے گا۔

داما ندگی کا نقشہ چند ہی لفظوں میں کس وہ جو تار و طریقے پر کھینچ دیا کہ ایک
طرف دل کی حسرت آؤ و لغات کا نقاشا کر رہی ہے اور اس کے بغیر وہ پورے دل میں
ہو سکتی، دوسری طرف جگر کا معاملہ سامنے ہے کہ وہ آہ و فغان پر داشت نہیں کر سکتا
۵۔ شرح : زندگی تیری گزر گاہ کی یاد کے بغیر ہی بسر ہوئی جاتی تھیں
اس یاد نے مجھے انتہائی رنج و اہم کا تجربہ مشق بنا دیا۔ سوچتا ہوں کہ یہ یاد میرے
دل میں کیوں تازہ ہوئی ؟

شعر میں گزر جانے کا مفہوم سر جانا، نہیں، جیسا کہ بعض شاعرین نے سمجھا
- بسر جو جاتا ہے۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ گزر گاہ محبوب کی یاد کیوں تکلیف دہانت
کا باعث بنی ہے حسرت کے نزدیک وہ گزر گاہ یاد آنے کا نتیجہ نہ بڑا کہ عاشق گھر چوڑا
کر دیوار کے شوق میں گزر گاہ پر جا بیٹھا کہ گھر میں بھی میری حال اتنے ہی انتہا رہے
یہی انتظار گزر گاہ پر کرے گا، مگر وہی حیدر علی داتا کہ خیال ہے کہ عاشق کی زندگی
کے کچھ دن محبوب کی گزر گاہ پر بسر ہونے لگے اور وہ یاد آ گیا، میں کی دوسرے
زندگی کا گزر تازہ شروع ہو گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ گزر گاہ محبوب کی یاد تازہ ہونا اسی
دہ سے آغازی برداشت ہو گیا کہ وہ گزر گاہ رقیب کے گھر کو عاقبت حق یا رقیب کا
گھر اس گزر گاہ پر تھا، عاشق سب کچھ برداشت کر سکتا ہے۔ مگر رقیب پر محبوب کا
خفیہ سا بھی انتقام برداشت نہیں کر سکتا، گزر گاہ یاد آنے کے عین فریاد کا
اصل سبب یہی معلوم ہوتا ہے۔

۴۔ **تشریح :** :- فرماتے ہیں اسے محبوب دتیر سے گھر کی بندہ اور دنگڑی
 بیشت میں کہاں ہوگی ؟ میں وہاں بیٹھوں گا اور تیر سے گھر کی یاد کا وہ ہوگا تو بیشت کے
 دربان سے کہنا : اسی کی ذاتی شریعت ہو جائے گی اور غایت منگامہ شیر ذاتی ہوگی۔

ذاتی کے سبب دو ہو سکتے ہیں : اول میں کہوں گا : محبوب کا گھر بیشت سے پر جا
 بہتر ہے۔ بعنوان کہے گا : تم غلط کہتے ہو : بیشت جیسی چیز کہیں موجود نہیں۔ دوسرا سبب
 یہ ہو سکتا ہے کہ میں بیشت سے نکلنا چاہوں گا تاکہ تیر سے گھر پہنچ جاؤں اور در عنوان
 کے کہ : مجھے نکلنے دے گا : اس طرح ذاتی ذاتی سے ذاتی کی نسبت ہو جائے گی۔

۵۔ **تشریح :** :- سبب تیر سے پہلو میں مگر صحیح عالم موجود تھا تو اس کے بدلے پر
 میں طرح پہنچا تھا : زیادہ کر رہا تھا۔ اب تیر ہوئی : مگر غریب ہو کر رہ گیا : صورت دل
 تیر سے اس رہ گیا : اس میں اتنی طاقت ہی نہیں کہ فریاد کی بنیاد بن سکے : نیز وہ اس
 سے بے خبر نہیں رہتا کہ میں تیر اور فریاد کو اس کا تو عیب کی سوائی ہوگی۔ اس سے صورت
 تک آگیا ہوں اور مجھے مگر یاد نہ رہے۔

۶۔ **تشریح :** :- سیر انیال پھر تیر سے کوپے کی طرف چلا رہا ہے : شاید اسے
 گم شدہ دل یاد آگیا اور اس سے فوجہ جاری ہے کہ دل وہاں ہی جاتے گا : کیونکہ اس
 سے گم ہونے کی کوئی جگہ تو میری نہیں ملتی۔

۷۔ **تشریح :** :- خواہ بہتائی فرماتے ہیں :

اسی طرح جو سنی فوراً متبادر ہونے ہیں : وہ یہ ہیں کہ جس دشت میں
 ہم ہیں وہ اس قدر دیران ہے کہ اسے دیکھ کر گھر یاد آتا ہے : یعنی فوج
 معلوم ہوتا ہے : مگر وہ فرار کرنے کے بعد اس سے بے صبری نکلتے ہیں کہ ہم
 تو اپنے گھر کی سمجھتے تھے : اسی ویرانی کہیں نہ ہوگی : مگر دشت جی
 اس قدر دیران ہے کہ اسے دیکھ کر گھر کی ویرانی یاد آتی ہے :۔

میرزا صاحبائی فرماتے ہیں : دشت کی ویرانی میں مبالغہ اس سے کہ کہ گھر کی
 ویرانی میں نہ ذاتی لازم آئے : یعنی دشت میں ایسی ویرانی ہے : جس میں سب سے گھر

ہیں مٹی، گویا یہ تشبیہ منکوس ہے۔

۱۰۔ **تشریح :** لڑکوں کا عام دستور یہی ہے کہ وہ دلوں کو اینٹ پتھر مارے ہیں۔ اسے استاد اس نے بھی لڑکیں میں عام دستور کے مطابق مجنون کو مارنے کے لیے پتھر اٹھایا۔ ساقداری بچے اپنا سر ادا کیا۔ یعنی یا تو وہ پتھر اپنے ہی سر پر مار دیا، جس سے واقع ہو جائے کہ لڑکیں ہی ہیں بچے جنوں شروع ہو گیا تھا یا یہ خیال آ گیا کہ جب مجھ پر اسی قسم کی کیفیت عداوتی ہوگی تو لڑکے مجھے ہیں اسی طرح اینٹ پتھر ماریں گے۔ سردار عبدالعلی دلاؤ فرماتے ہیں : ”اپنے سر کا چوٹ ادا کر گئی، اس لیے لفظی میں مجنون کے سر پر منگ آمدنی نہ کی۔ گویا تانہ نے لڑکیوں سے اپنے آپ کو تشبیہ نہ فرمائی کیا ہے، جس کے سبب سے منگ ففٹوں کا مزہ چکھ رہا ہے۔“



۱۔ لغات : عنان گیر :
بلک تمام جیسے والا۔ روک لینے والا
مانی

تشریح : خطاب محبوب سے ہے۔ فرماتے ہیں : آپ کے آنے میں دیر ہو گئی، مگر میں دیر کا کوئی دگر کوئی سبب تو ہونا چاہیے۔ آپ کی سرداری یقیناً سبب موقع پر تیار ہو گئی تھی۔ اور آپ سبب امداد وقت پر آکھتے تھے، لیکن کسی نے بلک تمام کی اور آپ کے آنے میں رکاوٹ کا باعث بنا۔ اس کشمکش میں حیرت ہو گئی۔
شعر میں کوئی سے مزہ دہرایا ہے

مہنی تاخیر، تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا
آپ آتے تھے، مگر کوئی عنان گیر بھی تھا
تم سے یہ جاسے مجھے ایسی تباہی کا گلہ
اس میں کچھ شائبہ خوبی تقدیر بھی تھا
تو مجھے بھول گیا ہو تو پتا چلا وہی
بکھی نرا اک میں تیرے کوئی پتھر بھی تھا
قید میں ہے ترے وحشی کو وہی زلف کی بار
ہاں کچھ اک : منج گراں بادی نہ پتھر بھی تھا

غیر اور غیب ہے۔

بھلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے تو کیا

۲۔ لغات : شامہ :

بات کرتے کہ میں لب تشنہ تقریر بھی تھا

آمنہ ش۔ دودھ۔ شک۔ شہ

یوسف اس کو کہوں اور کچھ نہ کہے شیر ہوں

گر گڑ بیٹھے تو میں لائق تعزیر بھی تھا

دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کھینچ ٹھنڈا

نالہ کرتا تھا دسے طالب تاثیر بھی تھا

پیشے میں عیب نہیں رکھیے نہ فراد کو نام

ہم ہی آشفۃ سرور میں وہ تہواں میر بھی تھا

ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ مہی

آخر اس شوق کے ترکش میں کوئی تیر بھی تھا

پکڑے ہاتھ میں فرشتوں کے کھٹے پر ناقص

آدمی کوئی ہمارا دم تحسیر بھی تھا

رہتے کے تیس استاد نہیں ہو نائب

کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی تیر بھی تھا

میں شکر حق شکر باندھ کر لے آتے تھے۔

نچھیر : شکر

شرح : بیشک میں تباہ ہو

گیا۔ بیکس میں کا جو شکوہ تم سے کرنا

تو یہ بالکل بچا اور بے عمل ہو گا

کیونکہ اسے محبوب ! تم میری تباہی

کا باعث ڈالتے، پکار اس میں میری

مست کی خبریں بھی کار فرما تھی

گویا یہ تباہی میری تقدیر میں بھی

ہوئی تھی جو تم سے شکایت کا کون

سامو قی ہے۔

بنا ہر تقدیر کی غوی میں ہرگز

استعمال ہوئی اور شعر سے ظاہر ہوتا

ہے کہ غائب کی تباہی کے وہ

سبب جو تھے ایک محبوب و دلا

تقدیر، بیکی شاعر کی توقع و فری

میں سے خوب تقدیر کی طرف زباہ

۳۔ لغات : فقر اک :

شکار ہند بگولہ کی زمین سے

لگے ہوئے چرے کے تھے، جی

تشریح : ممکن نہیں کہ تو مجھے فراموش کر دے۔ اگر فراموش کر گیا ہو تو میں اتنا بتا دیتا ہوں کہ تیرے لشکر بند ہیں کبھی ایک لشکر بند جاننا فائدہ مند ہی نہیں۔
 شعر میں دو نکتے خصوصیت سے قابلِ غور ہیں، اول چنا بتانے کے سلسلے میں واضح کر دیا کہ پہلے میں محبوب کی طرف سے غم و ستم میں کوئی کمی نہ تھی، یہاں تک کہ مجھے لشکر کے نذر تک میں باخود گرا دیا۔ دوسرا نکتہ یہ کہ غم و ستم نہ لینے کے باوجود محبوب نے مجھے فراموش کر دیا تو یہ بھی غم ہی ہو گا۔

۴۔ لغات - گرا تباری : بھاری ہونا۔

تشریح : تیری محبت کے دیوانے کو نہ بغیر یہ پتا کر تیرے میں ڈال دیا گیا۔ لیکن اس حالت میں بھی ذہن گم گیر کی یادیں ستر تار دہری۔ ابتدا ساتھ ساتھ نہ بغیر کے بھاری ہونے کی بھی تفسیر ہی سی حکایت تھی۔

قید دوستی اور ذہن گم گیر کی مناسبت تشریح کی محتاج نہیں۔ جو بات دہرائی گئی کا باعث تھی اور اس سے قید ہو تا ہوا۔ اس میں کوئی نزاع نہ کیا۔ اگر کوئی نئی چیز مہربانی تو دوست یہ کہ نہ بغیر کا جو جھوٹا مستزاد ہوا۔

۵۔ تشریح : خواہم حال فرماتے ہیں :

”یہاں اس مطلب کو کہ مشوق نے آن کی آن اپنی صورت دکھادی تو اس سے کیا تسلی ہو سکتی ہے“ اس طرح ادا کیا ہے۔ اچھل اک کو نہ گئی آنکھوں کے آگے تو کیا ؟

محبوب نے اپنے جمال کی جھلک اس طرح دکھائی۔ جیسے پہلی ایک ایک آنکھوں کے آگے گونہ جاتی ہے۔ فرماتے ہیں، اھ! اس سے میرا دل کیوں کر مطمئن ہو سکتا ہے ؟ یہ تو آپ کی باتیں سننے کا بھی پیا سا بھتا۔ آپ آئے تھے تو میرے شوق کے مطابق جلوہ دکھاتے اور وہ چار باتیں کرتے تو کبھی قدر تکلیف ہوتی۔

خواہم معافی سے غائب کی ایک خصوصیت یہ بھی بتاتی ہے کہ آپ نے استغناء و مکرر دہنیں کو جو اہمیت کی جان اور شہرت کا یہاں ہے، نہ پہنچتے ہیں۔ پہلے لاء اس کلام سے

نہایت کم استقامت نہیں کیا۔ درحقیقت گورشاہ نے اس کی عزت کم تو ہوئی ہے۔ استاد سے صرف
 محاورہ بہت آگاہی میں ہاں استاد ہوتے ہیں۔ لیکن استاد سے بڑے تہذیب سے نہیں، بہار
 محاورہ ہندی کے شوقین استاد سے ہاں تہذیب ان کے قلم سے ٹپک پڑے ہیں۔
 قلمبست نے ایسے کہنے استاد کیجئے جو چوری عبادت اور پورے جملے کی شکل
 میں ہوں۔ اردو شاعری میں ایسی مثالیں بہت کم ملیں گی۔ ایسی ایک روشن مثال یہ شعر
 بھی ہے۔

۶۔ لغات : تعزیر : سزا

شرح :- میں نے محبوب کو کالی مسی کی بنا پر بیعت کر دیا اور اس پہلو کا
 خیال نہ کیا کہ حدت یا سفت مصر بننے تھے تو عزیز مسر نے انہیں تمام کی حیثیت میں
 غلامی اختیار کر لیا اور اگر آپ جیسے کہ انہوں نے براہ ناما اور خیر گزری۔ اگر وہ ناما
 جو ہاتھ اور گاہ بیٹھتے تو بیٹھنا میں سزا دینے کے قابل تھا۔
 شعر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ میرا محبوب مسی میں یوسف سے بڑھا ہوا ہے۔
 اگر وہ اکثر سے تشریف دینے پر مجبور ہوتا تو میں سزا کا مستحق تھا۔

۷۔ شرح :- غیر کہہ کر میرا کھیا کیوں غنڈا ہو یا میری طرح آہ و فغاں
 کرنے لگا۔ لیکن اس میں تاہم کوئی نہ تھی، کیونکہ وہ بچے عشق سے بے بہرہ تھا اور صرف
 جو اس کے تمام کاغذوں میں لکھا تھا، اس کی آہ و فغاں کو بے اثر دیکھ کر کھیا غنڈا ہو گیا
 اور میں نے بھی یاد کر دیا کہ عشق کے طرہ طریقوں کی پیروی کر کے اس کا درجہ نہیں پا
 سکتا، لہذا اس سے پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور میں اس کی غنڈا گھبراہٹ
 کے اطمینان کا باعث بن گیا۔

۸۔ لغات : نام رکھنا : عیب لگانا۔ الزام لگانا۔

آشفقہ مصر : ناشقہ دیوانہ

جو انیسر : جوں مرگ۔ جوانی میں مر جانے والا۔

شرح :- اگر مرانے تیشہ یا اپنا پیشہ بنایا تو اس میں عیب کی کون سی

ہوتے ہیں وہ اسے الزام کی بنیاد کیوں بناتے ہیں ؟ اس کی ثابت مردانگی پر نظر ڈالو کہ جو اپنی ہی کے عالم میں انتہائی بے پروائی سے محبوب پر جان قربان کر دی ۔ مگر وہ جو امرنگ بھی ہمارے ہی دوسرے میں شامل تھا ۔ جنہوں نے عشق کو دیوانگی کی حد تک چنچا دیا ہے ۔

۹۔ لغات : ترکش : تیردن : تیردکنے کا قول ۔

تشریح : ہم تو سرے کے لیے تیار کھڑے تھے اور جان دے دینے میں تھی نقداً اور بیغ نہ تھا ، لیکن محبوب نے ہمارے پاس آنا گوارا نہ کیا اور اس کی تکرار ہماری زندگی کا فیصلہ اس صورت میں کر سکتی تھی کہ وہ ہمارے قریب ہو تا ۔ لیکن اگر اسے کسی دوسرے سے ہمارے قریب آنا منظور نہ تھا تو کوئی معافی نہ تھا ۔ وہ دوسرے ہمیں خبر کا مشاہدہ کر سکتا تھا یہ بھی نہ ہوتا ۔ پھر کیا ہم یہ سمجھیں کہ اس کے ترکش میں کوئی تیر بھی نہ تھا ۔

۱۰۔ لغات : - فرشتوں سے مراد وہ فرشتے ہیں جنہیں گراما کا تبین کہا جاتا ہے ۔ وہ ہر انسان کے دائیں بائیں مقرر ہیں اور اس کی نیکیاں یا بریاں سمجھتے جانتے ہیں ۔
تشریح : - خواجہ خانی اس شعر کے سلسلے میں فرماتے ہیں :
ہمارے جرم کے ثبوت کے لیے کسی کی شہادت ہوتی ضرور ہے اور ہر فرشتوں کا لکھنا کافی نہیں ۔

خدا کے مقرر کیے ہوئے فرشتوں کے متعلق خیال بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ کوئی چیز غایت و افادہ لکھیں گئے ، لیکن غائب نے شہرخی سے کلام کے گراما سے پورے معاملے کو عام انسانی حدوتوں کے دستور پر احوال دیا ۔ یہاں کوئی بیان اُس وقت تک ثبوت کے درجے کو نہیں پہنچتا ، جب تک اس کے لیے ایسے گواہ موجود نہ ہوں جن کی گواہی جھٹلائی نہ جا سکے ، چنانچہ غائب کہتے ہیں کہ گراما کا تبین کے کھلے ہوئے اعمال ناموں پر خواہ مخواہ جیسی پکڑا اور محرم ٹھہرایا جاتا ہے ۔ حالانکہ جو کچھ وہ لکھتے ہیں اس کے ثبوت کے لیے ہمارا بھی کوئی آدمی پاس ہوتا ہے جس کے دستخط

تصدیق کے طور پر سے لیے جاتے ہوں ؟ اگر ایسا نہیں ہوتا تو فرشتوں کی کھسی ہونی
تھر ایک طرز ہوگی اور اسے مسلم الثبوت نہیں مانا جاسکتا۔

۱۱۔ لغات : ریختہ : اردو کے اشعار ، اردو کو ریختہ اس لیے کہنے
گئے کہ یہ مختلف زبانوں کی آمیزش سے بنی ، جیسے دیوار اینٹ ، مٹی ، چھتے ، سفیدی
سے چختہ کرتے ہیں ، اردو بھی ہندی ، فارسی ، ترکی ، عربی وغیرہ زبانوں کے الفاظ سے
مربط ہے۔

شرح : قطع مغربہ کہا ہے۔ خراتے ہیں کہ اسے غائب ، خصلیں ، اور شاعری
کے استاد نہیں ہیں۔ جو زمانہ گزر چکا اس میں اس شاعری کا ایک استاد میر تقی میر بھی تھا۔
جسے شک اس میں میر کے کمالی سخن کا التزام کیا۔ لیکن غائب کی نکتہ نوازی
ملاحظہ ہو کہ اسے لوگوں کا قول قرار دیا۔ لکھتے ہیں : کامات معذب ہیں ہے۔

۱۔ لغات : در تشنگی مڑا لگاں :

وہ لوگ جو پیاس سے مر گئے ، جنہوں نے
پوری عمر عشق کی سختیاں بھتے بھتے گزار
دی اور ان کی کوئی بھی آرزو اس زندگی
میں پوری نہ ہوئی۔

دل آرزو لگاں : جس کے دل کے
جوئے ہوں ، تباہ حال عاشق ۔

لب خشک اور تشنگی مڑا لگاں کا

نورستہ کردہ ہوں ، دل آرزو لگاں کا

بہرہ ناسیدی ہمسہ بد لگانی

میں دل ہوں ، فریب و فاقہ خورد لگاں کا

شرح : میں نے لوگوں کا خشک لب ہوں ، جو پیاس سے مر گئے ، جنہوں نے

عشق و محبت میں سب کچھ قربان دیا اور ان کی کوئی آرزو پوری نہ ہوئی۔ میں ان کی آرزو لگاں

وہ پوری کی کھلی جوتی اور مدد عشق و محبت ہوں ، کیونکہ ہم پیاس سے مرے ہوئے لوگوں کی

موت کا سبب اس لب سے ظاہر ہو سکتا ہے ، جس پر نازی کا کوئی نشان نہ ہو ، اسی

لئے یہ ان عاشقوں کی زیارت گاہ بن گیا ہوں ، جن کے دل دیکھے ہوئے ہیں اور عمر

ثابت قدمی سے گزار دینے کے باوجود اس کی کوئی آواز نہ ہر نہ آئی ۔

۲۔ لغات : فریب و فنا خوردگیاں : دنا کا فریب کھاتے ہوئے لوگ
یعنی وہ لوگ جنہیں ابتدا میں یقین ہو گیا تھا کہ محبوب محبت میں دنا داری کا ثمرات
دے گا ، مگر اصل میں یہ یقین بے بنیاد تھا ، وہ لوگ دھوکا کھا گئے اور فریب میں
آ گئے ۔

تشریح :- میں ان لوگوں کا دل ہوں ، جو دنا کا فریب کھا چکے ہیں ، ایسے
دل میں صرف دو چیزیں باقی رہ سکتی ہیں ، اول سراسر آئیدی ، دوم سراسر ہوگانی ۔
نا امید ہی اس لیے کہ شروع میں دنا کا یقین پیدا ہوا تھا تو جتنی امید ہی دل
میں تھیں ، وہ ایک ایک کر کے غون ہو گئیں ۔ ایسا دل پھر کسی امید کا راز نہیں بنا
سکتا اور وہ دانستی سراپا نا امید ہی بن جاتا ہے ، ہو گانی اس لیے کہ حب و فنا کا پیش
ہوا تھا تو صرف نیک گمان تھا ، لیکن جب واقع ہو گیا کہ یہ سراسر دھوکا اور فریب
تھا تو ہو گانی نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ کسی بھی چیز پر نیک گمان پیدا ہونے کی
گنجائش ہی نہ رہی ۔

غیبات کا پڑے سے بڑا مہر دنا کا فریب کھاتے ہوئے لوگوں کی قلب کی
کیفیات کا تجزیہ اس سے بہتر نہیں کر سکتا ۔



۱۔ تشریح : اسے منگو :
تو نے کسی سے بھی دوستی کا حق ادا نہ
کیا ، جو ظلم مجھ پر نہ ہوا ، وہ دوسروں
پر کیا گیا ، آخری مصرع کی مختلف تفسیر
ہو سکتی ہے ، مثلاً :

۱۔ جو ظلم مجھ پر نہ کیے ، ان کا حق
دوسروں یعنی میرے رفیقوں کو دینا پڑا ۔

تو دوست کسی کا بھی ستم گر نہ ہوا تھا
اوروں پر ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا
چھوڑا میرا خوشب کی طرح دوست تنہا نے
خود مستعد ہنوز اسی کے برابر نہ ہوا تھا

توفیق با اندازہ ہمت ہے ازل سے
 آنکھوں میں سچہ و وقطرہ کہ گوسر نہ ہو ا تھا
 جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدی یار کا عالم
 میں معتقد فتنہ حشر نہ ہو ا تھا
 میں سادہ دل، آزدگی یار سے خوش ہوں
 یعنی سبق شوق مکرر نہ ہو ا تھا
 وہ یا نہ معاصی تنگ آئی سے ہوا شک
 میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہو ا تھا
 جہادی غنی اسد داغ بگڑتے سے تحصیل
 آنکھ کدہ، جاگیر مستند نہ ہو ا تھا
 اس لیے ستم ہے کہ عاشق کو محبوب
 کا غم بھی دوسروں پر گوارا نہیں
 کیونکہ غم و ستم بھی ہر حال
 رابطہ و تعلق ہیں کی ایک شکل ہے
 جس کا اندازہ مرزا نے ایک سے
 زیادہ مقامات پر کیا ہے مثلاً :
 ہاگ جو اس کو تو ہم بھیجے لگاؤ
 قلع کچھ دقتیں ہم سے
 ۲۔ پھر پرشونہ جو غم کی
 دوسروں پر نہ ہو گئے، یعنی
 تو نے غم تو سب پر کیے اور
 تیری ستم گری یقیناً ستم ہے،
 گویا مجھے یہ غم غم ہے میں دوسروں
 پر اتنا زحاصل ہے۔

۲۔ لغات - نخب : ترکستان کا ایک شہر جسے ایرانی نخب اور عربی
 نخت کہتے تھے۔ آج کل اس کا نام قرش ہے۔ یہیں ابن القتیب کا مرکز تھا، جسے
 خواص کا نقاب پوش نامی نعت قرار دیا جاتا ہے۔ اس نے بیان کہنی کرشمہ و کاکر
 لوگوں کو اپنا معتقد بنا لیا تھا۔ ان میں سے ایک حیر کنوش سے باہر نکلتی مٹی اور لوگ
 سے پانڈا بچھتے تھے، کیونکہ اس کی شکل پیانڈ سے ملتی جاتی تھی اور اس کی روشنی بھی
 غلوئی اور کھم ہوئی تھی، یہی پیانڈ فارسی کا اردو ادبیات میں نخب کہلا یا اور
 ایرانی ابن القتیب کو سازندہ اور مینی یا دریا نے والا کہنے لگے۔ یہ پانڈا غلوئی ہی تھوٹ
 کے بعد پیش کر پیا ہو گیا۔

شعر میں سورج کو اس لیے باوجود نخب سے تشبیہ دی کہ نایت کے نزدیک
 وہ بھی اس میں متغیر کے چاند کی طرح ناقص الخلقہ ہے ۔

شرح : سورج ابھی تک حسن و جمال میں میرے محبوب کے برابر نہیں
 پہنچا تھا کہ نخب کے چاند کی طرح نفا کے ہاتھ نے اسے ناقص بن چھوڑ دیا کہ وہ
 درجہ کمال کو پہنچے ، اس لیے میرے محبوب کے برابر آئے ، اس لیے میرے محبوب کی گیتائی پر کوئی اثر
 پڑے ۔

سہمہ شرح : خواہد حال مرحوم لڑا سکتے ہیں :

- بالکل نیا ، اچھوتا اور باریک بینا ہے اور نہایت سفاکی و عذوبگی سے

اسے ادا کیا ہے ۔ دھونی ہے کہ جس قدر بہت حال ہوتی ہے ، اس

کے موافق اس کی تائید فیض سے ہوتی ہے اور ثبوت یہ ہے کہ نظر کا

چشمہ آنکھوں میں جگہ ملی ہے ۔ اگر اس کی بہت جب کہ وہ دریا میں تھا تو

بٹنے پر کافی ہو جاتی تو اس کو جیسا کہ تھا جبر ہے ، یہ درجہ یعنی آنکھوں میں

جگہ ملنے کا حاصل نہ ہوتا ۔

شعر کا بنیادی مضمون خوب جاتی گئے اور اس کے ساتھ ہی یہ ہے کہ فطرت ان کی

سے ہر وجہ کی تائید و حمایت اس کی بہت کے مطابق کرتی ہے ۔ انسانوں میں ہر وہ

کا جو ذاتی ہے ، وہ بھی بہت ہی کی گئی چیز کا نتیجہ ہے ۔ اس کے لیے دلیل ایسی ملے

کی جو ہر شخص کی نگاہوں کے سامنے ہے اور اس کے قبول میں کسی کو بھی تاخیر نہیں

ہو سکتا ، مثلاً اگر غلطو دیا میں رہ کر اور آفرین صدف کی تربیت پا کر مرقی ہی جانتا تو اس

کے لیے جی جلدی حاصل کرنے کے کئی موشے تھے ، جیسے وہ میں جگہ پا کر حسینوں کے

گھٹے تک پہنچ جاتا ، زہر کی آفرینش میں کرکٹوں تک رسائی حاصل کر دیتا ، بارش ہونے کے

سات میں شام ہو کر سر پہ پہنچ جاتا ، لیکن اس نے ایسی کوئی وقت قبول نہ کی ، کیونکہ

اس کی بہت بہت بلند تھی ، نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے آسمان میں گر آنکھ میں وید پانی اور

اس سے قدر تر تہ کوئی نہیں ہو سکتا ۔

۴۔ شہرچ : یہ قیامت محبوب کو عموماً قیامت سے تشبیہ دیتے ہیں، کیونکہ اس کائنات کی کوئی دوسری اعلیٰ قیامت محبوب کے مقابلے پر نہیں آ سکتی۔ اس لحاظ سے محبوب کے خراب نام کو فتنہ قیامت یا فتنہ محشر کہتے ہیں اور خود قیامت کو فتنے ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شاعر کہتا ہے کہ قیامت کے فتنے کی باتیں تو بڑے سنی تھیں، لیکن دل کو یقین نہیں آتا تھا، حبیب محبت کا رنگ و ڈھنگ دیکھا تو یقین ہو گیا کہ واقعی فتنہ محشر کے متعلق جو کچھ کہا جاتا تھا وہ بالکل درست ہے۔

یاد رہے کہ کبھی ادیب و شاعر کا یقین یہ ہو کہ فتنے کے لیے کوئی نہ کوئی شبہ شدت ماننے بولتا ہے تو یہ اس کے عام فتنے کو فتنے کا معتقد بنانا ہے۔

۵۔ شہرچ : پھر میں سادہ دلی اور سادہ لوح سا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ محبوب کے آدھ اور غیبہ یاد جانے پر خوش ہوتا ہوں، کیونکہ اس طرح معاملات مستحقِ لالچ و دہرائے کا موقع مل جائے گا۔

شاعر کا یہ کہنا ہے کہ محبوب بہ غیبہ ہو گا تو مجھے موقع ملے گا کہ اس کے سامنے وہ طرح کر اپنے عشق و محبت کی گہنہ پرکھ دوں۔ بتاؤں کہ میں آپ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس سلسلے میں مجھے شکوے بھی ہوں گے، یہ تمام باتیں پہلے مرچھے پر دلی لڑائی کا باعث بنی تھیں، کیونکہ غیبہ دلی کے بعد محبوب سے صلح ہو گئی تھی۔ عاشق پہانتا ہے کہ وہ سادہ اعتقاد رکھنے والے ہے، لہذا اپنی سادہ دلی سے محبوب کو غیبہ و ریکیہ کر خوش ہوتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ محبت کا رشتہ نئے سرے سے دستور ہو گا تو اس میں لازماً اصلاح کام پیدا ہو جائے گا، جس طرح جتن دہرایا جاسے تو غیبہ یاد ہو جاتا ہے۔ اس پوری آئندہ کو سادہ دلی اس لیے کہا کہ عاشق یہ اندازہ نہ کر سکے، جبکہ اس وقت تعلقات درست ہو جانے کے بعد غزوی نہیں کہ وہ دہرایا گیا ہی نہ بھلا نہ ہو جائے۔

۶۔ فتنات : محاسن : محبت کی جینے لگنا۔

شک آبکی : پانی کی کمی۔

دوسرے مصرع میں "داسن تر نہ جو اٹھ میں ایک لطف" بھی ہے کہ اس سے
 میں "داسن تر" گنڈگاری کے لیے استعلا کرتے ہیں۔

شرح : خواجہ عالی اس شعر کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں :

"گناہ کرنے میں ہمارا غرض اس قدر فراخ ہے کہ باوجودیکہ دریائے سندھ
 خشک ہو گیا، اگر بھی ہمارے داسن کا پڑ شک نہیں بھیگا۔"

گناہوں کے دریا میں شاید پانی تھوڑا تھا کہ وہ بالکل خشک ہو گیا، حالانکہ ہم اس
 شک پہنے داسن کا ایک کونا بھی جھگو نہیں کئے تھے۔ شعر میں دو نکتے پر غور خاص فرمایاؤ۔
 میں، اول یہ کہ گناہوں کے دریا میں حقیقتاً پانی کم نہ تھا۔ لیکن گنڈگاری کے داسن کا
 گوشہ اتنا پانی اپنے اندر جذب کر گیا کہ اس میں بڑا "شاید" اس میں پانی ہی کم تھا۔
 اگر حقیقتاً پانی کم ہوتا تو اس کے لیے "دریا" کا لفظ استعمال کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی
 مطلب یہ کہ دریائے پانی کی کمی نہ تھی، اگر گنڈگاری کا حوصلہ اسے نذرانہ پیش کر دیا۔
 دوسرا نکتہ یہ ہے کہ یہ دریا داسن کا گوشہ یا کنارہ بھی تر نہ کر سکے۔

ب۔ لغات : تفصیل : حاصل کرنا، استفادہ

تفسیر : پڑے جو ہے کے برابر ایک جانور، جس کے متعلق فارسی اور اردو دونوں
 میں یہ اعتقاد مشہور ہے کہ وہ آگ میں پیدا ہوتا ہے اور وہی رہتا ہے، جیسے پھنسیوں
 اور دوسرے آبی جانور پانی میں رہتے ہیں اور آگ سے باہر نکالیں تو مر جاتا ہے۔ بعض
 اسے پرورد جانور قرار دیتے ہیں، اور اس کا دوسرا نام مرغ آتش قرار دیتے ہیں، "سام"
 اور اندھ سے مراد ہے۔ سام، آگ اور اندھ عربی لغت۔ ایسا کوئی جانور، یا پرورد
 اب تک دریافت نہیں ہوا۔

انگریزی کا لفظ "سندھ" (Sindh) یعنی "پانی" لفظ "سندھ" سے مشتق ہے۔ یہ گڑبگڑ جیسا ایک جانور ہوتا ہے جس کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ وہ
 آگ میں بھی نہ دھرتا ہے اگرچہ درست ہے تو یہ ہرے کہ "سندھ" "سندھ" سے بنا ہوا

کو سام اور اندر سے ۔

مشریح : اے استاد میرے جگر کا دماغ اُسی وقت سے آگ کا مرکز بن چکا ہے اور میں اسی سے لگ جامل کر رہا ہوں ، جب آتش کدے میں ٹھنڈا ہوا ہو پتلا بھی نہیں پڑتا اور آتش کدے کو اپنا خاص مرکز و مقام بنالینے کا معاملہ تو یہ آتش کے بعد کا ہو سکتا ہے ۔

مطلب : کہ میں اس وقت سے آتشِ عشق میں غل غل ہوں ، جیسا کہ شرع مجھے نصیحت دالے معرکہ و جدوجہد میں نہیں آئے تھے ۔ گویا ازل سے سہرا شیدہ میں ہے ۔



۱۔ لغات : غلوت : تنائی
ملہ گی ۔ وہ مقام ، جہاں کوئی لٹا رہا ہو ۔

شب کہ وہ مجلسِ فردِ غلوت ناموس تھا
رشتہ ہر شمعِ اٹھارہ کسوٹ ناموس تھا

ناموس : عزت ، آبرو
شرم ، حیا ۔

مشہد عاشق سے کوسوں کچے گنتی ہے بنا
کس قدر یا سب اٹھارہ کسوٹ پاؤس تھا

رشتہ شمع : روم جی کے اندر
کا دھانا ۔

ماصلِ غفلت نہ دیکھا بڑھکسوٹ آرزو
دل بہ دل پر سستا گویا اک لپٹاؤس تھا

کسوٹ : لباس ۔ کسوٹ ناموس
اس باریک کپڑے کو کہتے ہیں جو

کیا کوسوں جیہ دہی ٹم کی فراغت کا بیان
جو کہ کھایا طوین دل بے مشیت کیوں تھا

ناموس پر چڑھا دیا مانتا ہے ۔ اور
آج کل بعض اوقات اسے پہلی

کے بیوں پر بھی چڑھا لیتے ہیں ۔

شرم ، حیا ۔

مشریح : استاد میرا محبوب عزت و عزمت اور شرم و حیا کی تنائی میں بیٹھا ہوا

تھا اور پوری عزت حسن و جمال کے جلوؤں سے جھلک رہی تھی ۔ ہر طرف شمعیں لگتی تھیں

تھا اور پوری عزت حسن و جمال کے جلوؤں سے جھلک رہی تھی ۔ ہر طرف شمعیں لگتی تھیں

اور محبوب کی جلوہ آرائیاں دیکھ کر ہدایت سے پائی پائی ہو رہی تھیں۔ اس کے اندر جو دھماکے تھے، وہ دماغوں کے لباس میں کانٹوں کی طرح کشمکش رہے تھے۔ مراد یہ ہے، محبوب کی ہر ہر حرکت میں مشرم دنیا کا یہ عالم تھا کہ شبیں پھلی بند رہی تھیں اور دماغوں کی یہ قدری کا یہ عالم تھا جیسے ان کے لباس میں کانٹے ٹھنکن کا سالن بن گئے۔

۴۔ لغات، مشہور، مقام شہادت۔

پالوس، قوم چوٹا، پاؤں کو ہوس دینا۔

شرح :- جس مقام پر عاشق نے شہادت پائی، وہاں ارد گرد کو سوس تک محدود کر رکھا ہے، اس سے واضح ہو سکتا ہے، عاشق کے دل میں محبوب کے قدم چومنے کی حسرت کس قدر بھری ہوئی تھی کہ وہ جہاں یہ اثبات ہوئی۔ دماغ کے اگلے سے شاعر نے یہ محسوس کیا کہ یہ عاشق کے خون سے تیار ہوئی۔ اس کی آواز یہ ہے کہ کتنے بے درد محبوب کے پاؤں میں لگائی جاتے، اس طرح پاؤں چومنے کی حسرت کی تلافی ہو جاتے۔

۵۔ لغات، شکست آرزو، آرزو کا ٹوٹنا، جہن خون ہونا۔

شرح :- محبت و الفت کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہ دیکھا کہ آرزو کا خون ہونا ہے، ایسا نظر آتا ہے کہ جب محب و محبوب کے دل باہم ملتے ہیں تو دایسے دیوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، جن سے لفظ افسوس نکلتے۔

شرح :- ہر قوی کا ایک پہلو ہے کہ لفظ افسوس بول دینے کو دماغ محب و محبت سے جدا ہو جاتے ہیں، یہاں افسوس کا لفظ لانے کا دماغی پر ہے کہ وہ دل جو مست ہو کر وہاں رہتا ہے، مگر افسوس کہتے ہی جدا ہو جاتے ہیں، گو یہ محبت و محبوب کے دل کشا ہی نظر آئے اور عداوت کا سبب بن جاتا ہے۔

۶۔ لغات، کیوس، معدے میں نذا کی تحلیل کے دماغ سے ہیں۔ قول کیوس، یعنی غذا، معدے سے جلا نہیں ہے۔ تو حرارت اسے دیکر عرق نکال دیتی ہے۔

دوسرا سر حد کیوس کا ہے۔ یہ عرق جگر میں پھنپنا ہے تو وہ اسے خون بنا دیتا ہے۔
اسے بہنم جگر ہی کہتے ہیں۔ کیوس اور کیوس دونوں لفظ اصل میں یونانی ہیں۔

تشریح۔ یہ عرق عشق کی بیماری سے جو فراغت نصیب ہوتی، اس کا کیا
بیان کروں۔ کس یہ سمجھ دینا چاہیے کہ اس نے جو خون کھا یا، اس میں کیوس کا دھنا
ہو گیا۔

انسانی حیدر جو ہاتھ تو اس کے بہنم پر بھی کم۔ پیش اثر پڑتا ہے۔ خصوصاً خاص
بیماریوں میں کیوس میں بہنم جگر ہی غراب ہو جاتا ہے۔ لیکن غم عشق کی بیماری ایسی
مخفی کہ اس نے کیوس کی غرضت ہی محسوس نہ کی۔ اس کے بغیر ہی طواری میں رکھنے
کو ملتا گیا۔



۱۔ **تشریح**۔ یہ محبوب کو بڑا دوری
منا کہ میں کس کو دل نہیں دے سکتا
ساتھ ہی حیرت میں مغمی کہ ہر شخص
اس کا شیدائی کیوں بن جاتا ہے وہ
کیوں کہا جاتا ہے کہ دل مجھ سے
بچھے۔ جببہ نینے میں اپنا کس دیکھ
تو اسے ایک نیا حسین سمجھ کر محبوب

آئینہ دیکھ اپنا سامنے سے کے رہ گئے
عالم کو دل نہ دینے کا کتنا غم ورتھا
تاکہ اس کی اپنے ہاتھ سے گردن نہ مارے
اس کی خطا نہیں ہے یہ میرا قصور تھا
اپنا سامنے سے کر رہ گیا۔ یعنی جھوٹ کر رہ گیا۔ کیونکہ اس سے دل دینے اور اس کا
تاکہ انی پر سے بغیر چاہو نہ رہا۔

سب سوچیں کہ میں وہاں کے جس شخص پر محبوب فریفتہ ہوئے بغیر نہیں رہا
تو اس پر دوسرے دل و جان بچھاؤ کرنے کے لیے تیار ہوں تو تھکے گا کون
ہو گا؟

۲۔ **تشریح**۔ عاشق نے قصہ دے کر تاکہ کہ محبوب کے پاس بھیجا ہو۔

کو اتنا غم آ یا کہ اپنے ہاتھ سے قاصد کی گردن اڑانے کے لیے تیار ہو گیا۔ اب عاشق پریشان ہو کر کہہ رہا ہے کہ اسے کیوں قتل کرتے ہیں، اس کی تو کوئی خطا نہیں، تصور واد تو میں ہوں، جو سزا دینی چاہتے ہیں اچھے دیجیے۔

اپنے ہاتھ سے گردن نہ مارے کے دو پہلو میں، اول شک کا پہلو یعنی یہ کہ محبوب کے ہاتھ سے قاصد کا قتل جو نامنظور نہیں اور عاشق چاہتا ہے کہ اس کے ہاتھ سے مارا جائے، اور کسی پر اس کا ہاتھ نہ اٹھے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر محبوب نے اپنے ہاتھ سے قاصد کو قتل کیا تو حرم وہ ٹھہرے گا۔



۱۔ شرح :- میں عشق کی نیازمندی کے دلچپے ادا کرنے کے لائق نہیں رہا اور جس دل کے بن پر یہ تمام دلچپے ادا کرنے کا مجھے فخر تھا، اور دل ہی اصل صداقت کو کھینچا ہے۔

عشق کی نیازمندی کے فرائض کیا ہیں؟ عاجزی، میراثی، پریشانی، غمناک ویرانی، بے وفائی کے رنج، فراق کی مصیبتیں، تغافل کے مددے، محبوب کی طرف سے ہر قسم کی سختیاں ہونے کے باوجود صبر سے کام لینا، ہنگامیوں پر انتقامات کی ہانکناہی، بھی پروا نہ رکھنا، یہ تمام سبب تھیں ہائی۔ میں کیونکہ دل کی بے حالت

عرضِ نیاز و عشق کے قابل نہیں رہا جس دل پر ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا جاتا ہوں دلِ نا حسرتِ مستی لیے ہوئے ہوں شمع کُشتہ اور غمور محفل نہیں رہا مرنے کی لے دل اور ہی تدبیر کر کہیں شایانِ دست و بازو نہ تھے قاتل نہیں رہا بروئے سششِ چہت در آئینہ باز ہے یاں اقیانوسِ ناقص و کامل نہیں رہا وا کر دینے میں شوق نے بند نقابِ حسنِ غیر ازلگا و اب کوئی حاضی نہیں رہا

گو میں رہا رہیں ستم ہائے روزگار
ہی باقی نہ رہی جس پر مجھے
غیر نواز تھا۔

لیکن ترے خیال سے فافل نہیں رہا
۲۔ لغات۔ شمع کشتہ
دل سے جو اے کشت و فامٹ گئی کرواں
بجھیں جوئی شمع۔

حاصل سوائے حسرت حاصل نہیں رہا
در خود : قابل۔ مائیں۔ شاہیں
بیدار عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد
شرح :۔ میں زندگی کی

جس دل پر نواز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
حسرت کا داغ ساتھ ہے جا
رہا ہوں، یعنی میں نے زندگی
میں کوئی راحت نہ آسکتی نہ

دیکھیں۔ میری کوئی آمد نہ پوری نہ جوئی، ہر قدم پر نامرادی سے سایہ پڑا، ہر جگہ
خون ہو کر بہتی رہی۔ ایسی زندگی کو حسرت زندگی کے داغ کے سوا کیا کی جا سکتا

ہے اور اس سے بہتر تعمیر ہو بھی کیا سکتی ہے؟ میری حالت اس شمع کی سی ہے
جو کبھی بجی ہو اور روشنی سے بالکل محروم ہو جائے۔ ایسی شمع کو کبھی بزم میں

رکھنے والے کے قانون نہیں مہیا جاتا اور بجھنے ہی مٹا اسے اٹھا دیا جاتا ہے۔
داغ حسرت جتنی کو کبھی جوئی شمع سے تعبیر کرنا خودی کا ایسا کمال ہے جو بیان سے

کبھی زیادہ خود فکر کا محتاج ہے۔ دیکھیے یہ ہے غائب کی حقیقت شاعری کے چند
الفاظ ہیں، اور ایک عام تشبیہ، لیکن شعر میں اسنا سوز اور درد و بھر دیا ہے کہ تعین

صحت سے شام تک کرتے جانیے، اگر اس کے سعادت و محاسن غم نہیں ہو سکتے۔
۳۔ شرح :۔ اسے دل! اب مرنے کا کوئی اور ہی طریقہ اختیار کرنا

چاہیے، کیونکہ میری حالت اب ایسی نہیں رہی کہ محبوب کے دست و بازو کی
ترجیح آسانی کے قابل سمجھا جاؤں۔

شعر میں تیرے ایک خاص پہلو سے ہے کہ عاشق خود اپنے آپ سے یہ سب
کہہ رہا ہے۔ یعنی اسے محبوب کے دست و بازو کے کلمات اور بیانی کی بھی

پورا ادا نہ ہے پھر اپنی حیثیت بھی ٹھیک ٹھیک سمجھا جاتا ہے۔ دونوں چہرے پر ابرو دکھ کر انھیں قہقہے ہونے لگتا ہے، "یہ تو اس قابل نہیں کہ محبوب تجھے قتل کرے، البتہ مرنا لازمی ہے، لہذا اس کی کوئی اور تدبیر کر لینی چاہیے۔ لطف یہ کہ کوئی تدبیر معنی نہیں کی، مرنے والے کو موقع دے دیا کہ جتنی تدبیریں اس کے ذہن میں آ سکتی ہیں، اسے آئے۔ ان تدبیروں میں نہ ہر کھ کر مرنے، خوب ہانسنے، کسی بلدی سے چھپے گرنے وغیرہ ہر قسم کی تدبیریں شامل ہیں۔ انھیں بغیر معنی سمجھ کر دینے سے شعر میں ایک نیا لطف پیدا ہو گیا۔

بعض اصحاب نے کہا ہے کہ غالب کا یہ شعر نظریہ کے اسی شعر سے اخذ ہے،

اے شکام من کہ لائق ہم بہ کشتن نیستم

شرم لی آید مرا ز آنکس کہ عیاد من است

میں وہ شکار ہوں کہ مارے جانے کے لائق نہیں، مجھے اس شخص سے

شرم آتی ہے جو میرا شکار ہی بنے۔

یہ ہر جے کہ دونوں شعروں میں حقیقتاً کوئی متابعت نہیں، ایک شخص کہتا ہے کہ میں مارے جانے کے بھی قابل نہیں، لہذا مجھے اپنے حیلہ سے شرم آتی ہے اور یہ ایک عام شعر ہے، جس کا تعزلی محلی نظر ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ میں محبوب کے ہاتھوں مارے جانے کے لائق تو نہیں رہا، پھر دل سے غصہ کرتا ہے کہ مرنے کی کوئی اور تدبیر کر لی چاہیے۔

۴۔ لغات۔ شش حببت : چھ طرفین یعنی دائیں بائیں آگے پیچھے اور نیچے، اس سے مراد ہے۔ عالم۔ کائنات۔

تفسیر : کائنات کے منہ پر آئینے کا دروازہ کھلا ہوا ہے، یعنی پوری کائنات کے سامنے آئینہ رکھا ہے، یہاں ناخن اور کان، کھونٹے اور گھرے کے دو پہاڑ کوئی اعتبار اور کوئی ترقی باقی نہیں رہا۔

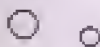
آئینے کی نامیت ہی یہ ہے کہ جس چیز کا عکس اُس کی ہی طرح سے ہے کہ کائنات

۷۔ لطافت - چو ا آرزو خواہش

شرح :- اب میرے دل سے وفا کی کیفیت کی آرزو ہی سٹ گئی، کیونکہ وہی ہے حاصل یعنی پیداوار کی حسرت و نامرادی کے سوا اور کچھ ہاتھ نہیں آ سکتا۔
 ظاہر ہے کہ جس فصل سے کچھ ہاتھ آئے اور کچھ بھل شے کی امید ہو اسے ہونے یا اس کی آبیاری کرنے کی آرزو دوسرا سمر حاصل ہوگی، ہم بھی وفا کی کشت کا دیہی سمر گرم رہے، اس کے ساتھ ہماری بڑی آرزوئیں وابستہ تھیں، لیکن تجربے سے یہی ظاہر ہوا کہ یہ کبھیتی کچھ پیداوار نہیں دے سکتی۔

- وفا کو عام معنی میں بھی استعمال کر سکتے ہیں، یعنی دوستوں کی وفا، خویش واقارب کی دانا اور وفائے محبوب بھی مراد لے سکتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ وفا سے حسرت کے سوا کچھ مل نہیں سکتا۔

۸۔ شرح :- اسے استدہا میں ان تکلیفوں، مصیبتوں اور پریشانیوں سے ہرگز نہیں ڈرتا، جو عشق کا خاصہ ہیں اور کسی عاشق کو ان سے سفر نہیں، لیکن کیا کرے کہ جس دل پر مجھے غمزدہ تھا، وہی اپنی پہلی حیثیت کو بیٹھا ہے اور میرا ساتھ نہیں دے سکتا۔



۱۔ شرح :- عاشق

کشت کشت میں چنن گیا ہے۔
 ایک طرف رشک اسے رہتا ہے
 ہے کہ محبوب نے دھیب سے
 اخلاص، بہر و محبت اور میل
 جوں کی جو روش اختیار کر رکھی
 ہے، وہ اخلاص کا باعث ہے
 اور رشک کا قہر مٹا دیتا ہے
 رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے انعام حیف
 عقل کہتی ہے، کہ وہ بے مہر کہیں کا آشنا
 ذرہ ذرہ سا غرے خانہ غیر رنگ ہے
 گردش محنوں، بے شک اسے یہی آشنا
 شوق ہے ماماں طرازِ نازش اور باپ غمز
 ذرہ بخور دست لگاؤ قطرہ دریا آشنا

کو دونا تو محبوب سے کسی کی
محبت برداشت کر سکتا ہے اور
نہ کسی پر محبوب کے انکسار
کا بردار ہو سکتا ہے۔ اسی
آتش میں عقل سیسہ رشک کی
لفی کرتی ہے اور کبھی سے جہ
وہ محبوب، جو سر اسر ہے ہر
جہ اور اس کی نفرت میں
محبت کا جو سر موجود ہی نہیں
کسی سے دوستی اور آشنائی
نہ ہو سکتا ہے؛ کل ہم سے
دوستی کا اظہار کیا جا رہا تھا

میں، اور اک آفت کا ٹکڑا دو دل دہشتی کہے
عاقبت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا
شکوہ سنج رشک ہم دیگر نہ رہنا چاہیے
میرا فانوس مونس اور آئینہ تیرا آشنا
رابطہ یک شیرازہ وحشت ہیں اجزانے بہار
سبزہ بیگانہ، صبا آوارہ، گل نا آشنا
کوہ کن، نقاش یک تمثال شیریں تھا امتد
سنگ سے سمر مار کر مودے نہ پیدا آشنا
ہر سبب محبوب کو غیر پر تو تہ شروع ہو گئی۔ ذرا غصہ، اسی سے بھی وہی سلوک ہو گا
تو ہم سے بڑھکا ہے۔ لہذا ہر جہ صورت حال پر رشک کی کوئی وجہ نہیں۔

۲۔ لغات : غیر رنگ : گردش ازم۔ غلاب : سحر و علم۔ برحقوف۔
پاشاک : آنکھ کا اشارہ۔

تشریح : غیر رنگ نہ معنی : دنیا پر وقت گردش : لغات میں ہے اور اس
کا ہر زمانہ ہی طرح گردش : لغات کا پابند ہے، جس طرح شراب خانے میں ساغر گھوما
کرتا ہے۔ اس کی نقل جونی مثال یہ ہے کہ گھبراہٹ کا سحر ایسا، مارے مارے سے پھرنا، اس
کی نمود میں کے اشارہ ہمیشہ کا نتیجہ ہے، یعنی میں جس عورت میمن کی باگ لورڈی ہے
۱۵۷ اسی عورت سے ملتا ہے۔ بالکل یہی کیفیت اس عالم کہ ہے اور اس کی گردش میں
ایک محبوب کے اشارہ ہمیشہ کا کرشمہ ہے، جسے ہم محبوب حقیقی کہتے ہیں۔

۳۔ لغات : سابلان ظراؤ : سابلان آراستہ کرنے والا۔

درست نگاہ و قدرت و قوت ۔

شرح : عاجزوں کے لیے فخر کا سامان ہم پہنچانے کا ذریعہ داران کا ہونا شوق اور جذبہ عشق ہے ۔ اسی کی بدولت وہ درجہ کمال پر پہنچ جاتے ہیں ۔ اسی کے گرد سے میں صحران کی وسعت و قدرت پیدا ہو جاتی اور قطرہ دریا کے جوش و خروش کا رنگ اختیار کر لیتا ہے ۔

یہ شعر ایک ایسی حقیقت کا آئینہ دار ہے ، جس سے کسی کو انکساف ہو ہی نہیں سکتا ۔ اس دنیا کی زندگی میں کوئی شے بچائے خود مدد اعلیٰ ہے ۔ اور فی الواقع معجزہ ہے ، ناقصہ معرفت جذبہ عشق کی بنا پر جو عمل و حرکت کا سرچشمہ اور سرمایہ ہے ، ہر شے کی قدر و قیمت اور سیر و جود کا درجہ و رفعت و پستی متعین کرتا ہے ، ٹیبلٹ سے پھرٹی ، حقیر سے حقیر اور بے حقیقت سے بے حقیقت شے کو بھی جذبہ عشق و عمل و عملی بند ہی عطا کر سکتا ہے کہ اس سے زیادہ بند ہی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ۔ یعنی ذوق صحران میں جاتا ہے ، جو اس کے لیے مستحکم کمال ہے اور قطرہ دریا کی سورت اختیار کر سکتا ہے ، جو اس کے لیے ترقی کی معراج ہے ۔ گو بالفرد وجود کی خاطر حقیت پر نہیں ، بلکہ اس کے جذبہ عشق و عمل پر مبنی جانیے ۔ اسی طرح انسان جذبہ عشق و عمل کی بنا پر ترقی کرتے کرتے اشرافیت کا وہ مقام حاصل کر سکتا ہے ، جو باری تعالیٰ نے چنے سے اس کے لیے مقرر کر رکھا ہے اور جس کی وجہ سے آدم کو پوری مخلوق پر کرامت و افضلیت بخشی گئی ۔

۴۔ شرح : وہ المہمان و دلہن کا دور ختم ہو گیا ۔ اب تو یہ کیفیت ہے کہ جس نون اور میرادل جو وحشت میں ڈوبا ہوا ہے اور آفت و مصیبت کا پرکاشہ بن کر میرے لیے وہاں بیاں ہو گیا ہے ۔ اس کا حال کیا بین کر دوں ؟ عاقبت اور راحت و آسائش سے اسے دشمن ہے ۔ آوارگی اور بے مقصد گردش سے اسے خاص دل بٹکی ہے ۔

۵۔ جب کہ میں دل میں وحشت بھری ہو اور آرام و اطمینان سے بیٹھنا کہیں پسند

نہ کرے گا اور آوارگی ہرگز نہ چھوٹے گا۔

۵۔ لغات - شکوہ سنج : ہلکے کرنے والا۔

مونس : آتش رکھنے والا۔ دوست۔ بہیم۔

شرح : ہمیں رشک اور برنگانی کے باعث ایک دوسرے کے گلے میں مشغول نہ رہنا چاہیے۔ اگر میں نے زانو کو بہیم بنا لیا ہے یعنی ہر وقت گھٹنوں میں سر دیے بیٹھا رہتا ہوں تو تو نے بھی آئینے کو اپنا دوست بنا لیا ہے۔ ہر وقت تیشے رکھ کر تو اسی کو دیکھتا رہتا ہے۔

ہر گمانی کی کیفیت یہ ہے کہ محبوب نے عاشق کو گھٹنوں میں سر دیے بیٹھا دیکھا تو نہیں ہوا کہ یہ کسی اور پر عاشق ہو گیا ہے۔ حالانکہ اس کی نظریں ہر لمحہ تجھ پر ہی رہتی رہتی ہیں۔ عاشق کو یہ ہر گمانی پیدا ہوتی کہ محبوب ہر وقت آئینہ دیکھتا رہتا ہے۔ حالانکہ یہ کسی دوسرے پر سر مٹا ہے۔ اور اس نے کسی اور سے رشتہ طبعیت توڑ رکھا ہے۔

۶۔ لغات - شیرازہ : سلسلہ بندش۔ خصوصاً وہ بندش جس سے کتاب کے اجزاء باہم جوست کیے جاتے ہیں۔

سینے کا بیگانہ : خود رو سبزہ۔ اسے بیگانہ اس لیے کہتے ہیں کہ بے موقع و بے محل آگتا ہے اور اسے کاٹ کر باہر چھینک دیتے ہیں۔

شرح : ہمارے نام اجزاء وحشت کی ایک بندش میں بندھے ہوئے ہیں یعنی ان سب میں ہر ایک شے مشترک ہے اور وہ وحشت ہے۔ مثلاً ہمارے اجزاء میں سے ایک سبزہ ہے۔ جسے بیگانہ کہا جاتا ہے اور بیگانہ وہ ہوتا ہے جو کسی کا آشنا نہ ہو۔ وحشت کی علامت ہے۔ دوسرا جزو صبا یعنی صبح کو چلنے والی نرم نرم خواہی جس سے چھوٹا ہوتے ہیں۔ اسے دیکھیے کہ ادھر ادھر پھرتی ہے اور اس کا کوئی خود حریف اور متاثرہ نہیں۔ تیسرا جزو پھولی ہے۔ وہ بھی کسی سے آشنائی پیدا نہیں کرتا۔ چوتھا جزو قنولہ ہے۔ یہ وقت میں اندر وہ دہر دہر کر رخصت ہو گیا۔ غرض یہ تمام اجزاء اسے وحشت دیتے ہیں۔ اور وحشت ہی ان کے درمیان کھینچ دیتی ہے۔

چیز ہے۔

۷۔ لغات - کوکبن : پہلا کالمنے والا۔ نزار۔

نقاش و نقش بنانے والا۔ معتمد۔

تمثال : تصویر۔ مجسمہ۔

شرح :- اسے اسمِ فہرہ ہوتا تھا اس کی خواہش صرف یہ تھی کہ سنگتراش کی حیثیت میں شیریں کی تصویر تیار کر دے۔ وہ نہ کیا یہ ممکن تھا کہ پتھر سے سر پھوٹ کر محبوب پیدا نہ کر یا ہاتھ بڑھاؤ نے سرِ معزور پھوٹا اور مر گیا۔ تاہم شیریں اسے نہ ملی۔

جو معنی بیان کیے گئے ہیں، وہ اس صورت میں پیدا ہوتے ہیں کہ دوسرا معنی مستقبل ہی قرار دیا جائے، لیکن اگر اسے حسرت و افسوس کے انداز میں لیا جائے تو یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ فہرہ شیریں کا مجسمہ بنا رہا تھا، اس نے پتھر سے پھوٹ لیا اور مجسمہ نہ بنا سکا، لیکن یہ نہ سمجھا کہ پتھر سے سر پھوٹ کر محبوب پیدا نہیں ہو سکتا۔

۱۔ شرح :- اس پر

ذکر اُس پر می و ش کا اور پھر بیاں اپنا
ہی گیا رقیب آخر تھا جو رازِ دال اپنا
نئے وہ کیوں نہت چتے بزمِ غیر میں یارب
آج ہی پُورا منظور اُن کو امتیٰی اپنا
منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرش سے اُدھر ہوتا کاش کہ مکاں اپنا

جیسے محبوب کا ذکر تھا، پھر میری
مبادو بیان اور تہذیبِ انکساری نے
ایسا حال بنا دیا کہ جس شخص کو
ہیں لے اپنا رازِ دال اور غمگند
بنایا تھا، وہی میرا رقیب اور
دشمن بن گیا، یعنی میرے بیان
سے اتنا متاثر ہوا کہ دیکھے بغیر
اس پر عاشق ہو گیا۔

خود بخود اس شعر کی شرح

دے وہ جس قدر وقت ہم ہنسی میں ٹالیں گے
میں فرماتے ہیں :

بارے آشنا نکلا اُن کا پاسباں اپنا
میں نے تو معشوق کے

دردِ دل لکھوں کب تک ؟ ہاؤں اُن کو دکھایا
میرا محرم راز اور ہم نشین تھا

انگلیاں نگار اپنی ، خامہ خوشچکاں اپنا
دہی سن کر میرا رقیب ہی گیا

گتے گتے مٹ جاتا آپ نے عیثِ بدلا
کہہ کرکہ اول تو ایسے پریوش

تنگ سیدھے میرے سنگِ آستاں اپنا
کی تعریف تھی اور وہ بھی کچھ

تا کر سے نہ غمازی ، کر لیا ہے دشمن کو
جیسے عباد وہاں کی نہاں سے

دوست کی شکایت میں ، ہم نے ہم زباں اپنا
بچے مصرع کا دوسرا کچھ

ہم کہاں کے دانا تھے ، کس ہنر میں یکتا تھے
اور پھر جہاں اپنا " سارے شعر

لجہ سبب جو غالب دشمن آستاں اپنا
کی جان ہے جس کی خولِ خیر

۲۔ مخرج ۱۰ اس نظر
ذوقِ سلیم کے سلیم نہیں ہو سکتی

۱۔ محبوب نے تیر کی تھن
کے دو موزوں بالکل واضح ہیں :

تیر کی تھن بال میں جس کی حدود نہایت نہیں ۔ لیکن الٹی دیکھو ایسا کیا ؟ اس
جیسے کہ وہ غیر تیر کی تھن میں امتداد میں چاہتے تھے ۔ کس قدر ہی گراں پر ہوستی

تیر کی ہوستی ہے ۔ یعنی کتنے مسافر چڑھا کر وہ مدبوش ہوتے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ بزمِ تیر
میں ایسی صورت حال کا پیدا ہونا عاشق کے لیے ناقابلِ برداشت ہے ۔

۲۔ محبوب جب کہہ خیر کی تھن میں تھا ۱۰ اسے زیادہ شراب پینے کا خیال ہی
نہیں لیکن تیر کے گھر آئے ہی اندھا دھند ہی گیا ۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ دیکھے اور

چاہے آیا کہ چہ مستی اور مدبوشی کے عالم میں میری طرف سے کوئی نہ ہو حرکت
نہیں مونی ؟ یعنی مجھے آنا مانگے کے لیے اس نے زیادہ شراب پی لی ۔

۳۔ لغات و منظر : جھروکا۔ ایسی اونچی جگہ۔ جہاں سے چننے کی تمام چیزیں دیکھیں جاسکیں۔

تشریح :- اگر ہمارا مکان عرش سے نیچے ہوگا تو ہم بندہ ہی پر جا کر ایک اور جھروکا یا ٹکڑے نشین بنا لیتے۔ جہاں سے اپنے مکان اور اپنی حقیقت و حیثیت کا نظارہ کر سکتے۔ کاش ایسا ہوگا، لیکن نہ ہوا۔ کیونکہ عرش ہی ہمارا مکان ہے۔

بقا ہر شعر کا مفہوم یہ ہے۔ بندہ ہی پر منظر بنانے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ہم صرف اپنے مقام اور مرتبے کا صحیح اندازہ کر لیتے اور حقیقت سے آگاہ ہو جاتے۔ اب ہمیں اس کے سوا کچھ معلوم نہیں کہ عرش ہمارا مقام ہے، یعنی ہم چودہ سطحن میں کا ایک جزو یا پر تو ہیں۔ اس سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کے لیے ایسے مقام کا انتظام ضروری تھا، جہاں سے سب کچھ ٹھیک ٹھیک نظر آسکتا۔ مگر نہ ہوا اور بھراؤں ماننے کے کہ ہمارا مقام عرش ہے اور کوئی حقیقت ہم پر آشکارا نہ ہو سکے۔

۴۔ تشریح :- خواجہ جاتی فرماتے ہیں :

- غریب ہی ہوا کہ محبوب کے درد کا پامیان ہمارا جان پہچان نکلا۔

اب ہمارے لیے اس بات کا موقع حاصل ہے کہ وہ جس قدر چاہے ہم کو ذلت دے۔ ہم اس کو سہی میں ڈالتے، میں گئے اور یہاں ہر کرپ گئے کہ ہمارا تقدیر آ مشنا ہے اور ہمارا اس کا تقدیر سے یہی برآ ہے۔

خالق نے یہ تو پہلے ہی سے طے کر لیا ہے کہ محبوب کے درد و افسے کا چوکیدار ہمیں ضرور ہونا چاہیے گا اور ہماری ذلت و سوائی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے گا۔ لیکن اس سوائی کو انگیز کر لینے کا ایسا بہانہ نکل آیا، یعنی چوکیدار پہلے کا جان پہچان نکلا۔ عاشق مخلص ہو گیا کہ اب ہماری جتنی بھی ذلت ہوگی، اسے یہ کہہ کر سہی میں ڈالتے جائیں گے کہ یہ پہلے سے جودا ہے، لکھت و دست ہے اور اس کے ساتھ وصول

ایسے در تپاؤ کی کامیابی سے پہلے سے پہلے رہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ میں پریشانی اور تکمیل کا احتمال ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے اشکار و انوار میں ڈھونڈنے سے نظر نہیں آتے۔

۵۔ لغات - فرنگی - فارسی۔

شرح :- دل کا درد دیکھتے دیکھتے انگلیاں ڈھکی ہو گئیں۔ علم سے خون کھینچنے لگا۔ یہ کب تک اسی طرح کچھ کچھ کر بھیجتا ہوں؟ دل میں سوچتے ہیں۔ یہ کیوں نہ کرے کہ خود اس کے پاس پہنچے جاتوں اور دکھا دوں۔ میری نہ تھی انگلیاں اور خوشیوں کا علم دیکھ کر میری حالت کا اندازہ فرمایا جیسے۔ اسی سے آپ پر میرے دل کی کیفیت آشکارا ہو جائے گی۔

۶۔ شرح :- عاشق نے محبوب کی دلہیز پر حیدر کر دیا۔ اس سے محبوب کو اس قدر غم و حسرت ہوئی کہ دلہیز کا پتھر نکال کر اس کی جگہ دوسرا لگا دیا۔ عاشق غم و غنا سے کہتا ہے کہ آپ نے جسے محبوب پتھر بننے کی رحمت اٹھائی میں بدستور حمد سے کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ پتھر ٹکس لگس کر تو پتھر ہو جاتا۔ اس وقت آپ کو آواز ملے گی۔

۷۔ لغات - فارسی - چغلی کہتا۔

شرح :- ہم نے قریب کے پاس محبوب کی شکایت ایسے انداز میں کی کہ وہ بہت اہل ہو گیا۔ اس سے اور کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو۔ لیکن اتنا تو جڑا کہ اس کے لیے جس لحاظ سے کوئی موقع ملتا رہا۔ یہ کیونکہ چغلی اسی صورت میں کھا سکتا تھا کہ خود اسے محبوب سے کوئی شکایت نہ ہوتی۔

یہ مرزا کے کہات ہیں۔ یہاں رقیب کو بالوں سے منوا دیا۔ ایک اور مقام پر مرزا نے کہ جسے محبوب کو قریب دینا بھی خوب آتا ہے۔

عاشق ہوں یہ مستحق غریبی ہے مرزا
ہوں تو بڑا کہنی سے میں مرے آگے

۲۔ شرح :- خواجہ مائی فرماتے ہیں :

”آسمان کی دشمنی کے کیا خوب اسباب بتائے ہیں اور اپنی دشمنی و
ہیز مندی کس خوب صورتی سے ثابت کی ہے :

شاعر نے پہلے یہ حقیقت مسلم مان لی ہے کہ آسمان انھیں لوگوں کا دشمن جو
ہے اجود انا اور وہ انشدہ ہوں نیز کسی نہ کسی ہیز میں انھیں گیت کی کا وجہ حاصل ہو۔
پھر حیرت زدہ ہو کر اپنی حالت پر نظر ڈالتے ہوئے مسرت و اندوس کے ساتھ کہتا ہے
کہ ہم تو انشدہ نہ تھے اور کسی ہیز میں مبتلا ہی نہیں حاصل دقتی و چہرے غالب
آسمان نے ہم سے کیوں یہ وجہ دشمنی کی ؟
بعض اصحاب نے فرمایا ہے کہ اس شعر کا معنوں عربی کے متوجہ ذیل شعر سے
ماخوذ ہے ۔

از من گیر چہرت و کسب ہیز مکن

باہمت خود را در دست ہفت آسمان خواہ

مجھے دیکھ کر چہرت حاصل کر اور ہیز پیدا کرنے کا خیالی چھوڑ دے ۔ تجھے کیوں
ہند ہے کہ اپنے ساتھ سات و سماں کی دشمنی مول سے لے ۔

غالب سے کہ عربی کے شعر میں وہ حقیقت بیان کی گئی ہے ، جیسے غالب نے ستم
ناب کر متذہب چھوڑ دیا اور اس معنوں کو پناہ شریعت کے ساتھ میں ڈالتے ہوئے
کہا کہ ہم نہ دلتے ، نہ عقل و دانش کے پیکر تھے ، نہ کسی فن میں ہمیں کمال حاصل تھا
پھر آسمان نے ہم سے کیوں دشمنی کی یا عربی کا شعر صرف خستہ و شکستہ دہ گیا غالب
نے اسے پناہ شریعت کا لباس پہنا دیا ۔

بخود کی تسکین کے مطابق غالب کے شعر کے دو یہ ہیں :

۱۔ ذول مشہور ہے کہ آسمان اہل دانش و عیش اور ادیب ہیز کا دشمن ہوتا
ہے ۔ ہماری حالت : گھجیہ کہ ہم میں کوئی خاص چیز موجود نہیں ، پھر بھی ذہن کے
ذہنوں ذیل جو ہے ہیں جنہاں اس کی سیکڑی شاخیں مل گئیں گی ۔

۴۔ زیادہ لطیف پہلو یہ ہے کہ شاعر نے درجہ کمال حاصل کر لینے کے باوجود بخیر و
اکسار سے ان جوہروں کی نفی کر دی، جو آسمان کی روشنی کا باعث مانے جاتے ہیں
اور یہ بھی اس کے کمال کی دلیل ہے۔

نیز اس امر کی دلیل ہے کہ درجہ کمال حاصل کر لینے کے باوجود اس پر مطمئن
نہیں، اور تعاد کی نشانی موجود ہے، جو کچھ حاصل کر چکا ہے اسے ہتھائے کمال نہیں
سمجھتا، بلکہ مزید رفعت کا شوق لگ رہا ہے۔



۱۔ لغات، سرمد صفت نظر:

وہ سرمد جو صفت سے دیا جائے
اور کوئی قیمت اسوں کی ہائے
شرح :- میں وہ سرمد ہوں
جو صفت سب میں بڑا ہوں اور
اس کی قیمت کوئی نہیں میری
قیمت صرف اتنی ہے کہ جو بھی

سرمد صفت نظر ہوں میری قیمت یہ ہے

کہ وہ بے چشم خریدار پہ احساں میرا

رخصت نالہ مجھے دے کہ مبارک ظالم

تیرے چہرے سے جو ظاہر عجم نہاں میرا

یہ سرمد استعمال کرے اس کی آنکھ پر سہرا احساں رہ جائے۔

مضبوط ہے کہ درد و جوہر کی شکل میں میرے کلام کی کوئی قیمت نہیں ہیں
۷۔ کئی الجواہر صفت لوگوں میں بانٹ رہا ہوں اور صرف اتنا چاہتا ہوں کہ اس فضل
عام سے سب فائدہ اٹھائیں۔

۲۔ شرح :- اسے ظالم محبوب! مجھے روئے دھونے اور آہ و فغاں کرنے

کی اجازت دے دے۔ اندیشہ ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ جو عجم میرے دل میں چھپا
ہوا ہے، اگر وہ دھوکہ اسے دیا کر لینے کی رفعت نہ ملی تو مجھ پر ایسی حالت طاری
ہو جائے گی، جسے دیکھ کر لوگوں میں یہ سیکہ تیاں ہونے لگیں گی اور سب کہیں گے کہ
یہ شخص فداؤں پر مزا دیتا ہے، اسی وجہ سے اس کی یہ حالت ہو گئی ہے۔ اس غرت قری

برائی و رسوائی ہوگی اور میرا غم نہیں ختم ہے چہرے سے غم بھرتے ہوئے گئے گا۔



۱۔ لہذا طرہ:

زلف، کاکل، چوٹی، طرہ کلاہ،
چند نا، دو، کھنی، طرہ دستار،

کھنی۔

شرح :- غفلت کا نام

انسان اپنی کاروائی اور کارکردگی
پر غور و انداز کے وجہ میں مبتلا ہو
گیا ہے اس لیے خود آسانی میں
اپنے آپ کو اگال سمجھتے ہوئے
چولا بٹھا ہے، مالا مالا اس کائنات
کی کوئی شے ایسی نہیں جس کے
لیے قدرت نے مفردی و سامان
بہم نہ پہنچا دیے ہوں، آپ گمان
میں یہ حقیر پینز پر نظر ڈالیں، اس
کی نالوں میں لکھی کر کے آزمائش
کراہنے کے لیے نرم رد ہوا ہوا ہے۔

خفا غفلت ہو دھم ناز خود آرا ہے، ورطہ یاں
بے شائد صبا نہیں طرہ گینا کا
بزم قمار سے ہمیشہ فتنہ رکھو کر رنگ
صید نہ دام حبستہ ہے اس دام گاہ کا
دست اگر قبول کرے کیا بے صید ہے
شرمندگی سے غدر نہ کرنا گناہ کا
مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہے
پُر گل، خیالِ مذہم سے دامن نگاہ کا
جہاں در ہوا نے یک نگہ گرم ہے اسد
پروانہ ہے وکیل، ترسے داد خوان کا

گھس کی مثال اس سے لائق گمان کہ یہ عام ہے اور ہر فرد اس سے دیکھتا اور دیکھ
سکتا ہے۔ اس کی کہ، عقل کے لیے ہوا ہی شائے کا کام دیتی ہے۔ یہ مثال ہی یہ
یعنی اسے کہ خود انسان گھس کے تنکے کی طرح ہے حقیقت ہے اور اس کی بے عقلی
کا ہر کرنے کے لیے اس سے ہر مثال کوئی نہ تھی۔

یشاک سنان کے لیے ہی زیبا ہے کہ ہر وقت ہر وجہ میں ملتا ہے۔

صبر و استقامت سے کام کرے۔ لیکن اس کے لیے یہ دیکھنا نہیں کہ سب کچھ اپنی
صداقت اور کارکردگی کا نتیجہ قرار دے دے۔ اس کا حیرانہ حقیقی کو بھونڈ
پانچنے جو دنیا کے تمام کاموں کا کفیل و سب کی پناہ گاہ اور سب کے لیے فریاد
کامیابی ہے۔

۴۔ لغات : بزم قدح : شراب نوشی کی فعل۔

رنگ : خوش و خوشالی۔

صبر و استقامت : وہ شکار جو حال میں چھٹ کر نکل گیا ہو۔

دھماکا : وہ مقام جس میں شکار کے لیے حال بچھا ہوا ہو۔ یہاں شکار

بے بزم قدح کی حالت۔

شرح : شراب نوشی کی فعل نام تصور کے مطابق پیش و عشرت کا

سب سے بڑا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن تاجر کہتا ہے کہ اس فعل سے بھی پیش

کی تمام ذراکتیں چاہیے۔ کیونکہ اس کی خوشی، شادمانی اور خوشحالی ایک ہی شکار

ہے۔ جو اس شکار گاہ کے حال میں چھٹ کر نکل چکا ہے۔

جوشکار : حال میں چھٹ کر نکل جائے۔ وہ پھر سامانی سے نہیں چھٹ سکتا۔

یہ ہے کہ اس دنیا میں شراب نوشی کے فعل پیش و عشرت کا سب سے بڑا ذریعہ

سمجھا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ پیش ہی جو درجہ مادی اور دنیاوی

ہے، شراب رنگ کا لفظ دینے سے ایک مفہوم تو یہ ہے کہ پیش اور بزم

شراب سے اسے خاص مناسبت ہے۔ دوسرے ایک پہلوں بھی لگتا ہے کہ شراب

کی کہ چہرے پر جو دلچسپی و شہابی صفت نمودار ہوتی ہے، وہ بھی مادی ہی ہوتی ہے۔

۴۔ شرح :۔ یہاں نے اسٹے گناہ کیے ہیں کہ شرع و مذمت کے باعث

ان کے لیے عذر چلی کر سنے کی بھی تبت نہیں دکھنا اگر خدا کی رحمت گناہ کے لیے

عذر چلی کر سنے کے بجائے اس شرع و مذمت کو قبول کر لے تو کچھ عجیب بات

نہ ہوگی۔

شاعر کے حسن بیان کا کمال یہ ہے کہ گناہ کے عذر کی حقیقت پیش کر دے
جب تک انسان کو اپنے کسی فعل پر ندامت نہ موقوفہ اسے نابالغ نہیں کہتا اور اس سے بچتا
پیش کرتے پر آمادہ نہیں ہوگا شرم و ندامت کے بیان نے خود عذر گناہ ہے۔ کیونکہ فاعل اپنے
افعال کو عذر دہم نہا پسندیدہ سمجھتا ہے۔ گویا محض شرم و ندامت عذر گناہ کی
بہترین صورت ہے۔ پھر خدا کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ اسے قبول کرے۔
ہم۔ لغات۔ مقتل : قتل گاہ۔ شہادت گاہ۔

شرح : مجھے محبوب کے ہاتھوں قتل ہونے کی بشارت ملی چکی ہے۔
دیکھیے۔ میں کس خوشی اور شادمانی سے قتل گاہ کی طرف جا رہا ہوں معلوم ہوتا
ہے کہ زخموں کا خیال آتے ہی میری نگاہ کا دامن پھوٹوں سے بھر گیا ہے خوشی
کی یہ آخری حد ہے۔ اس کے سبب رو میں۔ اول یہ کہ محبوب کے ہاتھ سے قتل
ہوگا۔ دوم یہ کہ عشق و محبت میں جن کی کسی ختم نہ ہونے والی مصیبتوں سے سابقہ
پڑا رہا وہ ختم ہو جائے گی اور ان کا جنجال کٹ جائے گا۔ زخموں کو پھوٹوں
سے رنگینی کی بنا پر تشبیہ دی گئی ہے۔

۵۔ لغات۔ ہوا : شوق۔ لگن۔

شرح : اے محبوب! اتنا گرم تیری ایک نگاہ گرم کی اگر دوسرے اور
اسی آندہ میں اس کی جان اٹکی ہوئی ہے۔ تیرے نگاہ گرم ڈالتے ہی وہ جل مرے گا
اور تیرے اس فراہی یعنی اتنا نے پروانے کو اپنا وکیل بنا لیا ہے درجہ یہ کہ
وہ بھی شمع کی پیٹ میں جسے شمع کی نگاہ گرم کہنا چاہیے۔ اہل مرتا ہے۔ لہذا جو
شخص محبوب کی نگاہ گرم کا مشتاق ہو اس کے لیے پروانے سے بہترہ کین نہیں
ہو سکتا۔

۱۔ شرح : محبوب نے غم و ستم سے ہٹا کر
لیا اور عاشق کے ساتھ خلق
جو دے باز آئے پر باز آئیں کیا
کہتے ہیں ہم تجھے کو منہ دکھائیں کیا

رات دن گردش میں ہیں سات آسمان
 ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرا میں کیا
 لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں ۔ لگاؤ
 جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا
 ہو لیے کیوں نامہ پر کے ساتھ ساتھ
 یارب ! اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا
 موبخ خوں سر سے گزری کیوں نہ جائے
 آستان یارب سے اٹھ جائیں کیا
 غم بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
 مر گئے پر دیکھے دکھلائیں کیا
 پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
 کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

سے پیش آتا چھوڑ دیا ۔ لیکن
 کیا بقا تھا انشاء بحقیقہ ظلم کب
 چھوڑا ؟ اور چہ رستے دست برداری
 کب اختیار کی ؟ اب محبوب
 کہ رہا ہے ۔ تجھے ظلم و ستم پر سی
 پیشانی ہوئی اور اتنی شرم آئی
 کہ اب تجھے منہ نہیں دکھاسکتا
 یہ پیشانی اور یہ شرم سب سے
 بڑا ظلم بن گئی ۔ کیونکہ نہ شوق
 کے لیے محبوب کا منہ نہ دکھانا
 سر اسرنا قابلِ برداشت ہے ۔
 ایسے نکتے غالب ہی پیدا
 کر سکتا ہے کہ ظلم سے محبوب
 کی دست کشی کو بھی بے اصل
 قرار دینے کی ایک معقول وجہ
 نکال لی ۔

۲۔ شرح :- سائیں

آسمان رات دن گردش کر

رہے ہیں ۔ اسی گردش سے دنیا کے تمام کام پر رہے ہو رہے ہیں ۔ گردش سے
 واضح ہوتا ہے کہ کسی حالت کو ثبات و قرار نہیں ۔ وہ مدام سب کچھ بدلتا رہتا ہے
 ۔ ہے ۔ اگر آج ہم غم و اغم اور مصیبت میں مبتلا ہیں تو گھبرانے کی کون سی وجہ
 ہے ۔ آسمان کی گردش جاری ہے ۔ جس طرح پہل حالت باقی نہیں رہی ۔ یہ بھی
 باقی نہ رہے گی ۔ کچھ نہ کچھ تو ہو ہی رہے گا ۔ یہی سمجھنا چاہیے کہ جو کچھ ہو گا ، اپنا

ہی ہوگا ، پھر یہ بین کیوں ہوں ؟
 سو - لغات - لاگ - دشمنی - صداقت -
 لگے تو : محبت - دل کا ربط و تعلق -

تشریح :- خواہ یہ جاتی اس شعر کی شریعت میں فرماتے ہیں :

یہ معصوم عجب نہیں ، کسی اور سے بھی ہاندھا ہوا ، مگر ہم نے آج
 شک نہیں دیکھا ، اگر کسی نے ہاندھا جی ہوگا تو اس غویہ و لطافت
 سے ہرگز ہاندھا ہوگا ، مطلب یہ ہے کہ معشوق کو ہمارے
 ساتھ دشمنی ہے ، نہ دوستی ، اگر دشمنی بھی ہوتی تو اس سے کہ اس
 میں ایک نرسا کا تعلق ہوتا ہے - ہم اسی کو دوستی سمجھتے ، لیکن جب
 نہ دوستی ہو ، نہ دشمنی تو پھر کس بات پر دھوکا کھائیں ؟

قطع نظر خیال کی حمد کی اور ندرت کے " لاگ " اور " لگے تو " ایسے
 لفظ ہم پہنچاتے ہیں ، جن کا ناخذ مستقر اور معنی متضاد ہیں اور یہ ایک
 عجیب اتفاق ہے ، جس نے خیال کی غویہ کو چہار چند کو دیا ہے :

خواہ یہ جاتی کی تشریح میں اضافہ بالکل غیر ضروری معلوم ہوتا ہے ، تاہم
 یہاں بتا دینا چاہیے کہ غایت نے یہی معنوں ایک اور شعر میں بھی پیش کیا ہے
 جسے براہ کرمی زیادہ بہتر طریق پر ذہن نشین ہو جائیں گے یعنی :

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے

کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی بھی

دوسرے لفظوں میں مراد اسکے توں کے مطابق تعلق کی ، دوسروں میں
 اول دوستی ایسے خوشگوار تعلق سمجھنا چاہیے ، دوم دشمنی ، یعنی ناخوشگوار تعلق
 تعلق دونوں ہیں ، اسی نکتے پر مرزا کا زور ہے ، وہ محبوب سے رشتہ قائم
 رکھنا چاہتا ہے اگرچہ محبوب دشمنی ہی کرے - عاشق اپنے دل کو فریب دے
 سکتا ہے کہ محبوب دشمنی نہیں دوستی کر رہا ہے ، سمجھ سکتا ہے کہ محبوب سے

کے ساتھ اختیار ہی پر قائم اختیار کیا۔ لیکن حسب و شمعنی اور دوستی و رولوں پر پیر ہونا
 تو دھوکا کھانے اور فریب میں مبتلا ہونے کی کون سی وجہ رہ جاتی ہے ؟

۴۔ مشرح :- محبوب کو خط لکھا اور حالتِ اضطراب میں قاصد کے ساتھ پھر
 کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ کچھ مٹری چھ کر پچھنے کے بعد تھلا آ پا کہ یہ ہم سے کسی
 حرکت سرزد ہوئی ہے بیگم یہ گمان تھا کہ قاصد خط لکھیں راستے میں مٹائی نہ کرے
 یا یہ آزاد تھی کہ جواب کے انتظار میں نہیں بیٹھیں گے وہیں جواب ملے ہیں گے۔ لیکن
 راستے میں سوچا۔ ہے میرا کہ کیا اپنا خط ہم فوراً پہنچا نہیں۔ جو سراسر باعثِ تنگ
 اور غصہ و ستور ہے ؟

دوسرے مصرع سے ایک معنی یہ بھی پیدا ہوتے ہیں کہ اگر ہم قاصد کے ساتھ
 ساتھ محبوب کے دوست کہیں پہنچ گئے تو وہ تو ہماری صورت سے ہی جیاد ہے
 پھر نہ اسے پہچانے کی کون سی صورت رہ جائے گی نہ بیان کیا۔ یہ معنی کیونکر بھی
 جانے لگا اور۔ یاد۔ استیجاب کے یہ ہے۔

۵۔ مشرح :- جب محبوب کے دروازے پر پہنچ گئے تو دروازے سے اٹھا
 عاشق کے لیے باعثِ تنگ ہے۔ کہنے ہی جودھے پیش آجائیں، کتنی ہی مصیبتیں
 لڑائی ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ خون کی تندی نہ نکلے اور وہ جودھے سر سے بھی گزریا نہ
 ہم اس آستانے کو نہ چھوڑیں گے۔

۶۔ مشرح :- خواہد مائی فرماتے ہیں :-
 - دیکھ نہیں کہ مرتبہ خدا کو غصہ آیا ہے۔ کتنا ہے کہ ہر جہت کا منتظر
 رہا کہ وہ حالتِ نڈنگی سے غمزہ بہرہ کرے۔ اب دیکھیے مرنے کے
 بعد کیا حالت دکھلاتے ہیں۔ میں کو نام ہر منتظر دکھاتا ہے :-

مرا وہ ہے نڈنگی بھرائی نگہیں اور مصیبتیں چلیا تی۔ میں کہ اُٹھا کر موت کا
 راستہ دیکھنے گئے۔ کیونکہ نڈنگی میں تو ان تصویروں اور مصیبتوں سے بھانپنے کی کوئی
 صورت نظر نہیں آتی تھی۔ پھر سوچتے ہیں کہ دیکھیے مرنے کے بعد ہمارے ساتھ کیا

صورت آتی ہے۔ آپ صاحبزادوں کی کوئی توفیق ہوگی یا نہ ہوگی، ڈاکھ اٹھانے کا کوئی
صلہ لے گا یا نہیں؟

۴۔ شمع شرح :- وہ یعنی محبوب پر چھتا ہے کہ غالب کون ہے؟ اب کوئی بھی
بتانے کہ ہم کیا بتائیں اور اس سوال کا جواب کیا دیں؟ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ
غالب کا یہ شعر قسمتِ حلالِ عالی کے مترادفِ ذلیلِ شعر ہے اغراض ہے :

زمرد دم پادری پر سد کہ عالی کیست طالع ہیں :

کہ مہر دم در محبت وقت و کار آخر رسید اینجا

محبوب لوگوں سے پر چھتا ہے کہ عالی کون ہے؟ قسمت دیکھیے کہ ساری محبت
میں گر گئی اور سن ملے ہیں ملک آہنچا، یعنی اسے یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ عالی کون ہے؟
میرزا غالب کا شعر بطور اس سے ملتا جلتا معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقت اس
سے بالکل عموماً نہ عادت و واقعات پیش کیے گئے ہیں :

۱۔ پہلے مصرع سے ظاہر ہے کہ محبوب کے سامنے غالب کا ذکر آیا اور اس

سے انتہائی تمنا کی گئی ہے جو کے پر چھتا غالب کون ہے؟

۲۔ یہ معاملہ بھری گفل میں پیش آیا، جس میں خود غالب بھی موجود تھا۔

۳۔ یہ سوال سنتے ہی بخود کے قول کے مطابق غالب پر بھی سی گری اور گھبرا کر

اس لمحے سے غائب کیا کہ یاد تبا تو دو میں کیا جواب دوں۔ شعر کا شعر بیانِ واقعہ نہیں
واقعہ ہے ۔

۴۔ یہاں پوچھ کر انتہائی تمنا بنا اور یہ سوال کیا، گویا، سے محبوب کی طرف سے ایک

چھیڑ بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

۵۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال سنتے ہی غالب نے حقیقت پر جواب دینے پر آمادہ

ہو گئے کہ میں وہی ہوں جو آپ پر جان دے رہا ہوں۔ پھر خیال آیا کہ ممکن ہے
اس طرح محبوب غما ہو جائے ۔

۶۔ پتا چھ محبوب کی پادری پہننے والوں سے پوچھا کہ تمہیں محبوب کی عادت

کا علم ہے۔ بنا تو دور مجھے، اس سوال کا جواب کیا دینا چاہیے۔ جو غلابِ صحت اور ماضی
دعا نہ ہو۔

عائقی کے شعریں اس قسم کی حالت تو پیدا کرنی گئی، لیکن سارا معاملہ اس بار میں پر
ختم کر دیا گیا کہ محبت کا خیر پر لکھو۔ نامت کے شعر کا مسنون حدود یہ پہلو رہا ہے اور
اسلوب بیان پر قدرت و دلآویزی ختم ہے۔



۱۔ لغات - لطافت :
لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن نرنگار ہے آئینہ باد بہاری کا
طہیت ہونا، روحیت، یہ لفظ
چمنوں کے لیے بھی مستعمل ہے۔
جو نظر نہ آئی، جیسے روح۔
کثافت : گاڑھاں، بھاپ
ذہنیت، دوشے، جو نظر آئے، جیسے
نرنگار : وہ مسلا ہوشیہ کی

پشت پر نگاہیں ہیں اور وہ آئینہ بن جاتا ہے، جس میں مگس نظر آئے گنا ہے۔ وہ
سبزی مائل تھے۔ جو نمی کے باعث نوادہ چیزوں پر جم جاتی ہے۔

شرح :- شاعر نے پہلے عکس، اصول میں کیا کہ کوئی طہیت تھے جب تک
کثافت، نظیر نہ کرے، ایسا مجہول پیدا نہیں کر سکتی، کہ سب کو نظر آئے جیسے روح
کسی کو نظر نہیں آتی، لیکن جب وہ کسی جسم میں جاری رہا، ہوتی ہے تو جسم کی تمام
حرکات و سکنت اس کی بدولت نظر آتی ہیں اور لوگ کہتے ہیں، انھوں نے زندہ ہے
اور اس میں روح موجود ہے۔ گویا روح جسم کی کثافت سے وابستگی کے بغیر مجہول رہا
نہ ہو سکتی۔ شاعر نے اپنے دعوے کے لیے یہ دلیل قرار دی کہ دیکھیں بھارتی ہے
اور اس کا کوئی مادی وجود نہیں کہ نظر آ سکے، البتہ اس کی آمد سے بارغ میں شادابی
پیدا ہو جاتی ہے۔ ہر حرف سبز و آگ آتا ہے، ہر سے ہر سے جو ہر ہے۔

جہول نہیں آئے ہیں۔ یہ سب کچھ فصل بہار کی آمد کا روشن ثبوت ہے۔ یوں ثابت ہو گیا کہ یہ وقت کثرت کے بغیر جلوہ نہیں دکھا سکتی اور اگر ہم فصل بہار کو آئینہ فرہنگ کریں تو اس میں عکس پیدا کرنے کے لیے پشت پر جو سالانہ لگا جاتا ہے وہ ہمیں ہے اگر فرہنگ کریں کہ فصل بہار کے آئینے سے مقصود فراوانی آئینہ ہے تو ہمیں اس کا رنگ ہے نہاں و چہرہ شہ بہتری ہے۔

۴۔ مفسر ح۔ خود اہم مقامی اسی علم کی مفسر میں فرماتے ہیں:

۔ مسائل کا کہہ دینے سے تمہیں یہ پتہ چلے گا کہ حقیقت کیا ہے اور کیا غلطی ہو رہی ہے۔

سائنس منفرد نہیں رہ سکتی، اسی طرح مہیاں تو سائنسی مہر و دیں چوشیاہی کا

دعوتِ نبویؐ میں سکتا۔ یہ شعر حقیقت اور ایمانِ دو دلوں پر قمریٰ چمکتا ہے۔

وہ باوجود اس میں آتا ہے اور اس میں کمال پیدا ہوتا ہے تو کھارے اس کے لیے

ہر ایک کو کہتے ہو، اپنے آپ کو کہتا ہی جی نہیں، مگر پانی اچھل کر کہہ رہا ہے

بہر آجائے گا اور وہ در تک پہنچ جائے گا۔ یہ میری منظر ہے جس سے ہر شخص

آگاہ ہے۔ اسی کو سامنے رکھ کر شاعر کہتا ہے کہ اسے محبوب! میں مخلص میں تو عاشق

یہ جانے اور ترے ہاتھوں زندوں کو شرب پٹھنے گے تو سب پی پی کرست دیں

بہترینی تھے اور کوئی بھی مجھ سے نہ کر سکے گا۔

عجیب کی ساتھی گری کو دیا کہ جو شہ دتا غم سے اور اپنے ہوش کو سامعین کی

خود داری سے تشبیہ دی ہے، عالم مشاہدہ یہی ہے کہ حجب تک وہ یہاں میں جوشن تہ مجر

کن سے اس کے پانی کو ایک مقررہ مہاجہ پر جمع کرتے ہیں اور دوسرے دوسرے نہیں جمع کرتے

کیونکہ ظالم کی حالت میں وہ بھی بے بس رہ جاتے ہیں۔



عزت نفوس ہے، حیا میں تھا پر ہانا اور کاسد سے گزرتا اور ہو جانا

تھو نے قسمت میں مرقی صورت نظر آئی۔

دل ہوا انگشت چارۂ رحمت میں تمام مٹ گیا گھٹنے میں اس عقد سے کوا ہو جانا
 اس ہنگامے بھی میں محروم ہوں اللہ اشد اس قدر دشمن اور باب دنیا ہو جانا :
 ضعف سے گریہ ٹہیل بدل ہر دم سر و ہوا باور آ یا ہے یوں پانی کا ہوا ہو جانا
 دل سے بنا تیری انگشت خانی کا فیصل ہو گیا گوشت سے ناخن کا چُدا ہو جانا
 ہے مجھے ابر بہاری کا برس گر کھلنا روتے روتے غم فرقت میں فنا ہو جانا
 گر نہیں نکست لگی کو تو سے کوچے کی ہری کیوں ہے گردہ جو لہان صبا ہو جانا
 بچھے ہے جلوۂ گل ذوق تماشا غائب چشم کو پانچے سبر رنگ میں دا ہو جانا
 تاکہ تجھ پر کھلے اعجاز ہوا سے عقیقل دیکھ پرست میں سبز آئنے کا ہو جانا

۱۔ شرح : خواہد جاتی مرناتے ہیں :

سب درد سے گزر جائے گا تو مرجائیں گے۔ یعنی فنا ہو جائیں گے
 گویا قطرہ دریا میں لکپ جائے گا اور یہی اس کا مقصد ہے۔ پس
 درد کا درد سے گزر جانا ہی اس کا دوا ہو جانا ہے :

قطرے کے لئے جو نصب ہے انسانی مسرت و نشاط کی ذرا سی بے جا
 ہے کہ دریا میں لگم ہو جائے۔ یعنی اپنی مختصر مسرت کو جو جزوی حیثیت رکھتی
 ہے۔ اس میں شامل کر دے۔ درد درد سے گزر جائے گا تو نتیجہ اس کے سوا کیا ہو گا
 کہ موت آ جائے گی۔ یہی حقیقی مقصد ہے۔ کیونکہ اس کے سوا جوہر میں شامل نہیں
 ہو سکتا اور مراد کو نہیں پہنچ سکتا۔ لہذا ثابت ہوا کہ درد کا درد سے گزرنا ہی حقیقت
 ہے جس کی دوا اور اس کا علاج ہے۔

۲۔ لغات : قفل اسجد : ایک قسم کا قفل جو کئی کے بغیر کھلتا اور

بند ہوتا ہے۔ اس قفل کے مٹنے میں جو کڑ سے کئے اندر رہتا ہے چند چھتے پڑے ہوتے ہیں جن پر مختلف حرکت کندہ کر دیے جاتے ہیں۔ قفل بنانے والا سب خریدار کو بتا دیتا ہے کہ فلاں لفظ بننے سے یہ قفل کھلے گا۔ چنانچہ وہ شخص جیسے گھبرا کر مطلوب لفظ بتا دیتا ہے اور قفل کھل جاتا ہے۔ پھر اسے دیا کر بند کر دیتے ہیں، جیسے آج کل قفلوں کی ایک قسم میں کھولنے کے لئے تو کبھی استعمال کی جاتی ہے، بند کرنے کے لیے کبھی کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی، انہی شخص جیتوں کو کہتا ہی گھماتے اصل لفظ بتا لینے میں شاید ہی کامیاب ہو سکے۔

بات کا بننا : بظاہر یہ الفاظ قفل و پھد کا مقرب لفظ بنا لینے کی مناسبت سے لائے گئے ہیں۔ یہاں ان سے مراد ہے تدبیر کا کامیاب ہونا، یعنی محبوب سے رابطہ نہٹ پیدا کرنے کا راستہ نکال لینا۔

شرح ۱۔ اسے محبوب (میر) کی قسمت ہی میں یہ لکھا تھا کہ بات بن جائے اور میر کی تدبیر کامیاب ہو جائے تو میں تجھ سے تہا جو جاؤں، یہ بالکل ایسی ہی صورت ہوئی، جیسے ابجد کے قفل میں ہمیں لفظ بن جائے تو وہ کھل جاتا ہے، گو یا الگ ہو جاتا ہے۔

۲۔ شرح : دل و دہم میں مبتلا تھا، اسے دہر کر کے بے غفلت تدبیر میں اختیار کی گئیں۔ ان سے فائدہ تو کچھ نہ ہوا، لیکن اس کشمکش میں دل ہی ختم ہو گیا۔ گو یا ایک گروہ تھی، جسے کھولنے کی ہر کوشش میں وہ ہلکتی گئی، کھل نہ سکی، البتہ بار بار کی کوششوں میں بھٹے بھٹتے وہ بالکل مٹ گئی۔

۳۔ شرح : مولا نا خیاں بانی فرماتے ہیں :
مطلب تہا ہر ہے اور تعریف اس کی امکان سے باہر ہے۔ معشوق کی فطرت کی تدبیر ہے اور عقلی بھی خاص طرح کی اور یہ معشوق بھی خاص مصنف ہی کا ہے۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :

تکریف کے لیے مجھے الفاظ نہیں ملتے۔ ایسے ہی اشعار کی رسم سے
جس کی تعداد اس حصہ سے دیوان میں کثیر ہے اور اتنی تعداد دوسرے
کے ضمیمہ دیوانوں میں بھی نہیں ملتی، حضرت غالب کا یہ مدح میں اور
خدا نے سمن کہے جانے کے مستحق :-

اسے محبوب و آپ کا لطف و کرم تو قدرت ہوئی، غم جو چکا تھا اور غم و غم
کا سلسلہ بیاہی ہو گیا تھا۔ ہم اس پر بھی خوش تھے کہ تعلق تو بہر حال قائم ہے لیکن
اب ہم جفا سے بھی محروم ہو گئے۔ اللہ اللہ! دو ٹاکیوں کا اس قدر دشمن ہو جانا
آپ کے لیے نوبت ہے ؟ ایک لفظ بھی سننے اس پورے مقدمہ جیسے کو داغ
کر دیا۔ جسے صرف سرسری طور پر یہاں پیش کیا گیا ہے۔ پھر دوسرے مصرعے میں
جو اسلوب بیان اختیار کیا ہے، اس کی مذمت اور تاثیر ذوق سے تعلق رکھتی
ہے، لفظوں میں بیان نہیں کی جا سکتی۔

۵۔ لغات : نمینڈل : تبدیلی کیا گیا۔

روم سرود : ٹھنڈا سا نس۔ آؤ سرود۔

شرح :- ہماری کمزوری اور ناتوانی اس حد پر پہنچ گئی کہ روئے کی
کوئی صورت نہ رہی، اس کی جگہ ٹھنڈے سے نہ نس لینے اور سرود آؤں بھرنے لگے۔
یعنی روئے نے روم سرود کی شکل اختیار کر لی۔ یہ حد بھی وہ اندازیکہ کہ میں یقین ہو
گیا کہ وہ اتنی بانی شکل بدلی کہ ہوا کی صورت اختیار کر رہا ہے۔

۶۔ لغات : انگشت حنائی : وہ انگلی جسے ہندی لگی ہوئی ہو۔

شرح :- اسے محبوب و تیری منہ می لگی انگلی کی یاد کا دل سے منہ
بانا، اس طرح ناگن ہے، جس طرح ناگنی سے گوشت کا تہا ہوتا ناگن ہے۔
۷۔ شرح :- محبوب کی بھائی کے غم میں روئے دوئے سر ہونا میرے
خواب کی ایسا ہی پر لطف ہے، جیسے موسم بہار کا بادل برس کر ٹھل جاتے۔

موسم بہار کا بادل برستا ہے تو درختوں، شاخوں، پودوں، فصلوں، دریاؤں

پر سے خزاں کے تمام اثرات دھل جاتے ہیں۔ اس زندگی نمازگی سے بدل جاتی ہے۔ ہر مہینہ شاعروں میں شکستے نکل آتے ہیں۔ چٹوں کی شاندار لی و لگاؤ پر یہ جاتی ہے۔ ہر طرف سبز آگ آتا ہے۔ گویا ایک ایک شے شگفتگی و شاندارائی کا پیکر بن جاتی ہے اور چمن کی سیر نہ یاد پر لطف ہو جاتی ہے۔ بالکل ہی کیفیت محبوب کی برداری کے غم میں مر جاتے سے عاشق کی ہوتی ہے۔

یہاں بھی پس منظر میں شاعر کا وہی تصور کار فرما ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے، یعنی جزو کا مسٹ کر نکل میں شامل ہو جانا اور ہر وجود کا اپنے معیار سے جاننا۔ بیان تھا جو ہر نامہ حقیقت ہیں محبوب سے مل جاتا ہے، اسی لیے اس واقعے کو ہر ہر جگہ کا بہت کر کھل جاتا قرار دیا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ شاعر نے معاذ صرف تشبیہ تک محدود رکھا ہو، یعنی غم فرقت میں دو تھے، دو تھے مر جاتا میرے نزدیک ایسا ہی ہے، جیسے اب رہا ہر سے اور برس کر کھل جاتے، یہ تشبیہ نام ہے۔ یعنی دو نامہ اور فنا ہو جانا، جیسے باول برس کو ختم ہو جاتا ہے۔ گویا عاشق کے نزدیک محبوب کے فراق میں دو تھے دو تھے مر جانا کوئی ایسا مرد نہیں کہ اس کے لیے مشکل یا تشویش انگیز ہو۔

۸۔ لغات - نکست : خوشبو۔

چراغ : دوڑتیز رفتاری

تشریح :- اگر چہوں کی خوشبو کو تیرے کوپے میں پہنچنے اور تجھ سے فیض حاصل کرنے کی بوس نہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ صبا کی دوڑ اور تیزی رفتار کے راستے کی گرد بنی ہوئی ہے؟ یعنی صبا میں کمال کی کسبائی کے ساتھ شامل ہو کر ادھر ادھر جگہ تک پہنچ رہی ہے۔ یقیناً اس کی آرزو یہی ہے کہ اسے محبوب یا تجھ تک پہنچے اور تیرے گیسو سے منہ سے فیض حاصل کر کے اور معطر ہو جائے۔

۹۔ لغات - اعجاز : لفظی معنی دوسرے کو عاجز کرنا، مجبور کرنا۔

نور : آواز

معیقل : چلا، چمک، صفائی۔

شرح : در آئیے سے مراد ولادی آئینہ ہے۔ ہر وجود کو چلا پانے، روشن ہونے اور ہر داغ و صبا کو گرا دینے کا حشر ہے اور اس حشر کی کرشم کاری نے ہر شے کو اتنا سکور کر رکھا ہے کہ وہ چاہتی ہے، کوئی داغ لگے اور اسے صاف کیا جائے۔ دیکھیے فولادی آئینہ برسات میں لہریں کی دھبے سے ہلکا ہوتا یعنی اسے رنگ لگ جاتا ہے۔ وہ بھی صرف اس لیے رنگ آلود ہوتا ہے کہ معیقل گر کے پاس پھینچے اور اسے صاف، روشن اور چمکا دیا جائے۔

شاعر کا مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ چلا کی آرزو ہر قلب میں اختیار پر مبنی ہوئی ہے اور ہر دل سر مشق چلا بننے کے لیے مضطرب ہے۔

۱۰۔ شرح : اسے غائب ! پسندوں کا جنود دیکھنے سے دل میں چہرہ دیکھنے کا ذوق تربیت پاتا ہے اور جنود گل کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ انسان میں دیکھنے کا ذوق ترقی کرے۔ کوئی بھی منظر سامنے آئے، اس کا رنگ روپ کیسا ہی ہو، آنکھ کو چاہیے کہ ہر حال میں کھلی رہے اور اسے دیکھے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک آنکھ میں دیکھنے کا ذوق اور دل میں ہر شے سے فائدہ اٹھانے کی تڑپ موجود ہو، اس کائنات کے حقائق انسان پر نہیں کھل سکتے اور اللہ تعالیٰ نے اسے جو بصارت و بصیرت عطا کی ہے، اس سے گھبرا کر وہ جیس اٹھا سکتا۔



ان اشعار میں برسات کے مناظر پیش نظر رکھتے گئے ہیں اور برسات کو مرزا غائب ہندوستان کی بھلا سمجھتے تھے، چنانچہ وہ خود غازی کی ایک غزل کے مطلع

خیر تو اوقت کہ ہو بال کشا، مورچ شراب
دے بطشے کو دل دوست شامیج شراب
پوچھ مست و میر سید مستی ارباب چمن
سایہ نگ میں بوقت ہے، ہوا مورچ شراب

جو ہوا غرقہ سے، بخت رسا رکھتا ہے

میں کہتے ہیں :

سر سے گزے یہ بھی ہے بال بیا موج شرب

بہار بند بود بر شکل ہاں غائب

جسے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے لگر

وہیں خزاں کردیم موسم شرب بہت

موج ہستی کو کرے فیض ہوا، موج شرب

۱۔ لغات۔ بال کشا ہوا

چاہ موج اٹھتی ہے طوفان طرب سے ہوا

اڑنے کے لیے پرتوں،

موج گل، موج شفق، موج صبا، موج شرب

پڑے : شرب کی طرح

جس قدر درج نباتی ہے جگر نشہ ناز

جس کی شکل بطن کی سی ہوتی ہے

دے ہے تسکین ہر دم آب بقا، موج شرب

اس قسم کی مصاحباں عموماً اس

بسکہ روٹے ہے رگ تاک میں بخوں جو ہو کر

وقت استمال کی باقی تھیں،

شیر رنگ سے ہے بال کشا، موج شرب

بیب بزم شرب کسی حوصلہ یا

موج گل سے چراناں ہے گزر گاہ خیال

نہی کے کنارے آرامتہ ہوتی تو

ہے تصویریں زمیں جلوہ نما، موج شرب

دل و دست شنا :

نشے کے پردے میں ہے عورتا شائے داغ

تیرے کا دل اور ہاتھ یعنی حوصلہ

بسکہ رکھتی ہے سہر نشوونما، موج شرب

اور قوت۔

ایک عالم یہ میں طوفانی کیفیت فصل

شرح : پھر وقت آ

موج سبزہ تو خیز سے تا موج شرب

لیکھ موج شرب اڑنے کے

یہ پرتو کے اور شرب کی بطن

نما مصراعی میں تیرے کا حوصلہ

اور قوت پیدا ہو۔

شراب کی مصراعی کا تیرے

کا حوصلہ اور قوت دینے کا ذکر

اس لیے کیا کہ شرب کی مغل

ہاں کے کنارے آرامتہ کی جانی

شراب ہر گناہ مستی ہے نہ ہے، جو ہم گل
 رہبر قطرہ پر دریا ہے، خوشا! موچ شراب
 ہوش اڑتے ہیں مرے، جلوہ گل دیکھ، اسدا
 پھر ثوابت کہ ہو بال کشا، موچ شراب
 پیدا دیتے ہیں۔ یہی بلخ نامراہی کی اسی گردن کا ذکر ہے۔

۳۔ لغات۔ تاک : انگور کی بیل، انگور
 شرح : یہ نہ پوچھے کہ چین والوں میں اتنا فی مستی کس وجہ سے پیدا ہوگی
 حالت یہ ہے کہ جزا انگور کی بیل کے سائے میں پہنچتی ہے تو شراب کی لہر میں
 جاتی ہے۔

سیاہ سنی اس لیے کہا کہ برسات میں درختوں کے پتے اتنے سبز ہو جاتے
 کہ ان کی سہری میں مکھن سیاہی آجاتی ہے۔ شاعر نے یہ کیفیت دیکھی، ساتھ ہی
 برسات کی ہواؤں میں ان کے جھونے پر نظر پڑی۔ ادھر آسمان پر سیاہ گشا میں
 دکھائی دے گی تو یہ احساس پیدا ہوا کہ باران کے چھوٹے بڑے درختوں اور پودوں
 پر اتنا فی مستی چھائی ہوئی ہے۔ اس سستی کا یہ اثر ہے کہ انگور سے شراب بننے
 اور لب تک پہنچنے کی حاجت نہیں، بلکہ ہوا انگور کی بیل کے نیچے پہنچے ہی
 موچ شراب بن جاتی ہے۔ جب حالت یہ ہو تو جو اسے ادب چمن کی سیاحت
 کا سبب ہو چھنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ ہوا انگور کی بیل
 کے نیچے سے گزرتی ہے اور موچ شراب بن کر تمام درختوں اور پودوں کو ہم ہوش
 کر رہی ہے۔

۳۔ لغات۔ غرقے : شراب میں ڈوبا ہوا یعنی مدہوش۔

بخت رسا : بلند اقبال و خوش نصیب۔

بالِ چھا : چھا کا پڑا۔ مشہور ہے کہ مہا کا سایہ کسی پر پڑ جائے تو وہ بلند اقبال
سمجھا جاتا ہے، یہاں تک کہ بادشاہ ہو جاتا ہے۔

تشریح : جو شخص شراب میں عرق ہو گیا، یعنی پی پی کر اسے کچھ عرق نہ
رہا۔ یہ سمجھ لیجئے کہ وہ نہایت بلند اقبال اور خوش نصیب ہے۔ شراب کی لہریں
جھیب چمیز ہے کہ اگر سر کے اوپر سے بھی گزر جائے تو کہنا چاہیے کہ مہا کے پر
کی سعادت اور خند بخت نصیب ہوئی۔

نئے میں عرق ہونے کی مناسبت سے مویج شراب کا سر سے گزرنالسنے کوئی
شخص پانی میں ڈوب جائے تو وہ زندہ نہیں رہتا اور پانی سر سے گزر جائے تو اس
کا مطلب بھی یہی ہے کہ انسان ڈوب گیا اور مرزا کے نزدیک شراب کا اثر بالکل
اٹا جاتا ہے۔ یعنی اگر اس میں ڈوب جائے تو وہ خوش نصیب ہے اور شراب سر
سے گزر جائے تو سمجھنا چاہیے کہ بالی چھا کا سایہ سر پر پڑا ہے۔

۴۔ برسات کا موسم اتنا خوشگوار اور کیفیت انگیز ہے کہ اگر مویج کے ضیق سے
زندگی کی مویج یعنی زندگی شراب کی لہریں جائے تو تعجب نہ ہونا چاہیے۔

شاعر کا مقصود یہ ہے کہ برسات نے ہوا میں ایک خاص کیفیت اور نشہ
پیدا کر دیا ہے۔ یہ نشہ ہر شے پر اثر ڈال رہا ہے، لہذا زندگی کی لہر شراب کی لہر
میں جائے تو کیوں تعجب ہو؟

۵۔ تشریح : بہر طرست و شاندارانی کا طوفان برپا ہے۔ اس طوفان میں
چار مویجیں بطور خاص بلند و نمایاں ہیں، اول مویج گل، دوم مویج شفق، سوم مویج صبا
چہارم مویج شراب۔

بادشاہ برسات میں بے شمار پھول پیدا ہوتے ہیں۔ خصوصاً پہاڑوں پر اور ان کے
داسی میں۔

چہر برسات میں گرد و غبار حاصل کر لے کر نفا ہلکے پاک و صاف ہو جاتی ہے۔ اس

یہ شخص کی سرخی میں زیادہ گیرائی اور دھڑلائی نظر آتی ہے۔ یہ دوسری موج ہوتی
تیسری موج صبا کی، جو موسم کی قدرت کم ہو جاتے کے باعث زیادہ خطرناک اور بن جاتی
ہے اور چوتھی موج یعنی موجِ شراب کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ ہر طرف خوشی کا
جو طوفان اُٹھ اُٹھا ہے، یہی چار موجیں اس کے خاص اجزاء ہیں۔

۴۔ لغات : موجِ نباتی : قوتِ نامیہ جس سے تمام نباتات میں نشوونما
کا رہنا ہے۔

جگر تشہ نازہ : لفظی معنی دو شے، جس کا جگر نازہ کا پیسا ہو، یعنی ابلانے
کے لیے بیابانی و بیکراہی۔

دمِ آبِ بقا : آبِ حیات کا گھونٹ۔

تشریح : نباتات میں نشوونما کی جو قوت ہے، اس لیے بیاب ہے کہ
جد سے ہند ہند لگے اور ابلانے لگے، موجِ شراب اس کی بیکراہی دہر کرنے کی غرض
سے آبِ حیات کے گھونٹ پانی کے تنگیں و اطمینان کا سامان بہم پہنچا رہی ہے۔
مطلب یہ ہے کہ روحِ نباتی ابلانے اور اکھیدیاں کرنے کے لیے میں قدر
مضطرب ہے، موجِ شراب اسے آبِ بقا پانی کر تنگیں دے رہی ہے یعنی مست
کر رہی ہے، گویا شاعر کے نزدیک ایک طرف جس میں آب و تاب پیدا کرنے کا موجب
ہے اور دوسری طرف یہ برسات کے موسم کا کارندہ ہے۔

نورِ تابا نباتی خراتے ہیں کہ قوتِ نامیہ :

۵۔ انسان میں بھی سبب، مطلب یہ ہے کہ ہم میں شراب سے جو انگ
اور خوشی پیدا ہو تا ہے، وہ قوتِ نامیہ کی حرکت سے ہے یعنی شراب
قوتِ نامیہ کے تحت میں رو کام کرتی ہے جو کام کہ باطنِ نباتات کے حق
میں کرتی ہے اور نازہ سے یہاں اینٹا اور تشہ مقصود ہے جو موسمِ خزاں
سے اور نشوونما کے خواہش سے ہے۔

۶۔ تشریح : شراب کی موجِ انگور کی، بیل کی دوگوں میں خون بن کر دوڑ رہا،

ہے۔ اس نے رنگ سے شہپرے لیا اور اڑنے کے لیے پرتول لیے۔

مولانا طہطائی فرماتے ہیں :

- جس طرح خونِ رگوں میں دوڑتا ہے، اسی طرح بیلوں میں مادہ شراب
 دوڑتا ہے اور اس کے سبب سے بیل میں سرسبز و شاداب ہیں۔ گویا
 اس کا دوڑنا پر واز ہو، اولیٰ سبزی و رنگینی شہپرے پر واز ہے۔

۸۔ لغات - موجِ گل : پھولوں کا جوش اور کثرت۔

شرح : ہمارے تصور میں شراب کی موج اس کثرت سے جلوے دکھائی

دہی ہے کہ معلوم ہوتا ہے، اور دور تک پھولوں کا جوش ہے اور ہر طرف پھولوں
 ہی کے فتنے کھلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ پھر پھولوں کے جلوے نے خیال کی گڑبگڑ
 میں چراغاں کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے۔

مولانا طہطائی بالکل بجا فرماتے ہیں کہ اس شعر میں موجِ شراب کو پہلے موجِ گل

سے، پھر چراغاں سے تشبیہ دی اور چراغاں کی مناسبت کے پیش نظر خیال کی گڑبگڑ
 سے تعبیر کیا۔ پھر فرماتے ہیں :

- موجِ شراب کو چراغاں سے اگر تشبیہ دی تو کوئی وجہ شبہ نہیں، ہاں

موجِ شراب کو موجِ گل سے تشبیہ دی تو وجہ شبہ رنگ دونوں میں

موجود ہے اور موجِ گل کو چراغاں سے تشبیہ تام ہے۔ یعنی ہر گل کی

افروختگی شعلہ چراغ سے مشابہ ہے۔

۹۔ شرح : موجِ شراب و مارغ کو نشوونما دینے کا اتنا خیال رکھتی ہے

کہ نشے کا پردہ اختیار کر کے وہ مارغ میں پہنچی اور پوری عویت سے دیکھ رہی ہے کہ
 یہ کیونکر بڑھتا ہے اور ترقی پاتا ہے۔

گویا غائب کے نزدیک موجِ شراب اس لیے نشہ ہی کو مارغ پر اثر انداز

ہوئی کہ خوب دیکھ بھال کرتی ہوئی اس کے نشوونما کا فریضہ انجام دے۔

اس شعر میں ”سبز و مارغ“ اور ”پردہ“ کی مناسبت مناسب تشریح نہیں۔

۱۰۔ لغات - طوفانی - طوفان اٹانے والے طوفان آفریں۔

سبز فاختہ خیز : نیا آگیا سبز۔

شرح : نئے آگے ہوئے سبزے کی موج شراب تک ہر موج نے برسات کے موسم کی کیفیت کا ایک ایسا طوفان پیدا کر دیا ہے جو دنیا کے ہر جھٹے پر چھایا ہوا نظر آتا ہے۔ یعنی برسات ہر جگہ ہے۔ ہر طرف سبز لہریں لے رہا ہے۔ شراب کی لہریں آہستہ ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نئے طوفان اُٹنے آیا ہے جس نے ساری دنیا کو آغوش میں لے لیا ہے۔

۱۱۔ شرح : بھولوں کا موسم کتنا اچھا ہے کہ اس سے ہستی کے ہنگامے کی

حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ شراب کی موج کتنی مسرت خیز ہے کہ قطرے کی بہانی پیدا کی طرف کر دیتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ برسات ہی ہر طرف سبز آگیا۔ بھول کھل گئے۔ درختوں پر

بہار آگئی۔ ان سب چیزوں سے ثابت ہو گیا کہ زندگی کا ہنگامہ بھی اسی طرح گرم ہوا۔ پھر

اس میں شاعر نے ایک خاص پیوڑ رکھا کہ جب غزل کا موسم آتا ہے تو یہ سب چیزیں پائے

ہو جاتی ہیں اور موسم گل میں از سر نو پیدا ہو گئیں۔ اس سے ہنگامہ ہستی کی بے ثباتی ثابت

کی۔ اگر باریک بینی سے جیسے مرنے نے بران حادثہ قرار دیا۔ یعنی از سر نو پیدا ہونا

اور یہی اس کی بے ثباتی کی دلیل ہے۔ کیونکہ وہ مستقل اور قائم اوقات نہیں موج کرتا

اس وجہ سے قطرے کے لیے دریا کی طرف رہیں گے کہ اس کا منہ ہی نشہ پیدا

کر دیتا ہے اور انسان ہر خوش چاہے تو وہ خود اودھ آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔

یوں گرد و پیش کی ہر شے سے بے تعلقی ہو کر اپنے مہر کی طرف رجوع کر لیتا ہے۔

شعر کے کام اور یاد انسان کا میدا اوقات داری تعالیٰ ہے۔

۱۲۔ شرح : اے اتھ! بھولوں کا جلوہ دیکھ کر میرے ہوش اُڑا ہے۔

چہرہ دت آگیا ہے کہ موج شراب اُڑانے کے قصد سے نہ تو ہے۔ یعنی بھولوں کے نام

جو سے نے یاد دلا دیا کہ شراب کا وار ملنا چاہیے۔

۱۔ لغات : دیدار : افسوس کہ دیدار کا کیا رزق فلک نے
دُور کی جگہ کیڑے۔

عقدِ گہر : موتیوں کی
ڑی۔

شہر : افسوس کہ میں
لوگوں کی ہر انگلی موتیوں کی ڑی

کے دائرہ سنی، یعنی جیسے ہر عقد
دو گوہری سے سروکار نہ کرنا

چاہیے تھا۔ آسمان نے اسے کیڑا
کا رزق بنا دیا۔ یعنی وہ مر گئے اور ان کے جسم اور انگلیاں کیڑوں کی نذر ہو گئیں۔

ایک نسخہ : دیدار کی جگہ : دُور ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوا کہ میں
لوگوں کو مال و دولت سے سرفراز نہ بنا چاہیے تھا۔ انھیں آسمان نے اس درجہ بحال

و نامراد رکھا کہ وہ حسرت سے اپنی انگلیاں کاٹ رہے ہیں۔
شعری وضع و اسلوب کے پیش نظر : صحیح "دیدار" ہی ہے نہ کہ "دُور"۔

۲۔ شہر : سفر کے وقت کوئی چیز نشانی کے طور پر دینے کا عام دستور ہے۔
خاصیت نے میں محبوب کے رخصت ہوتے وقت اس سے نشانی کے طور پر چھپتا ہاتھ

لیکن محبوب نے خالی انگلی دکھا دی، گو یا بتا دیا کہ چھپتا میرے پاس ہے ہی نہیں، جو
نشانی کے طور پر دے دوں۔ مرزا کہتے ہیں کہ تیرا چھپتا نہ دینا اور خالی انگلی دکھ دینا

یہ میرے لیے ایسی نشانی ہے کہ اور کسی نشانی کی ضرورت نہیں۔
دوسرے مصرع کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محبوب نے رخصت ہوتے وقت

شرعی سے انگوٹھا دکھا دیا۔
۳۔ لغات : سخن گرم : خوب جوں سے بھرا ہوا کلام، اعلیٰ درجے کے کلام،

انگشت رکھنا : عیب دکھانا، اعتراض کرنا۔

تشریح : اسے اسدا میں سوز دل سے نہایت تلگفتہ اور غریبوں سے
بیریز شکرگستا ہوں کہ کوئی شخص میرے ایک حرت پر بھی انگلی نہ دے سکے یعنی عیب
نہ نکال سکے ۔

• سوز دل اور دشمن گرم - اس سے لاسکے کہ گرم چیز پر کوئی شخص انگلی نہیں
رکھ سکتا ، گویا یہ شعر مجاوروں کے علاوہ بقا میر بھی بالکل درست رہا ۔

رہا اگر کوئی تاقیامت ، سلامت پہراک روز مرنا ہے حضرت سلامت
جگر کو مرے عشق خوشا بہ مشرب لکھے ہے خداوند نعمت سلامت
علی الرغیم دشمن شہید وفا ہوں مبارک مبارک سلامت سلامت !
نہیں گر سرو برگ اور اک معنی تماشا ہے نیز گب صورت سلامت !

۱۔ **تشریح :** اگر کوئی شخص قیامت تک میں سلامت رہا تو حجاب والا امرنے
سے تو مغر نہیں ۔ بہر حال کسی نہ کسی دن اس دنیا سے رخصت ہونا ہی پڑے گا ۔ یعنی
سوت برحق ہے اور کوئی اسے نال نہیں سکتا ۔ آگے ہیچے سب کو مر رہے ۔

۲۔ **لغات :** خوشا بہ مشرب : جس کا مشرب خون پیا ، خون پینے کا رویا
یا جاری ۔

تشریح : عشق کا کام ہی یہ ہے کہ خون پیے ، وہ اسی عشق کا رسیب ہے میرے
جگر سے اس نے خون پی لیا کہ خوب پرورش پاتی ہے ۔ اب وہ جگر کو خط لکھتا ہے کہ
خداوند نعمت سلامت لکھتا ہے یعنی اسے اپنا آقا و مرقی لکھتا ہے ۔

۳۔ **لغات :** علی الرغیم : بر غمت ، بر مکتس ۔

تشریح : میں دتیب کی روش اور خواہش کے ضووت و فاعل کے راستے کا شہید
ہوں ۔ میر نے وفاداری کے تقاضے پورے کرے میں جان دلی ہے ، لہذا میر سے

اس امتیاز پر دینا مبارک اور سلامت کو رہی ہے۔ مبادک اس لیے کہ دنیا کے مسئلے میں شہادت پائی، سلامت اس لیے کہ تشددوں کو ہمیشہ کی زندگی حاصل ہوتی ہے تو یہ مافوق فرماتے ہیں :

ہرگز نہ میرا نگہ دشمن زندہ شد بہ عشق

ثبت است بر جہیدۂ عالم و دہم

۴۔ لغات۔ سرور برگ : سامان

اوراک : پانا۔ سمجھنا۔ دریافت۔

شرح : اگر حقیقت کا راز پالینے اور سمجھنے کا سامان قیصر نہیں تو نہ سہی،

صورت کی نیرنگیوں کے تماشے ہی سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

حقیقت یا مینا اور سمجھنا معرفت کا درجہ نکالی ہے، لیکن اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو

تو اس کائنات کی تمام اشیاء میں راستہ وہ جو نیرنگیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں، ان پر توجہ

جائے۔ کہنے سے بھی بہت کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ وہیں درحقیقت معرفت ہی کی

طرح سے جاتی ہیں، بشریکہ ہم توجہ سے انہیں دیکھیں اور غور کریں۔

مند گئیں کھوٹے ہی کھوٹے آنکھیں غائب

یار لائے مرے بالیں پر اُسے پرکس وقت ؟

۱۔ لغات۔ مُند جانا : بند ہو جانا

بالیں : سر ہانا۔

شرح : اسے غائب آنکھیں بند ہو گئیں یعنی موت آگئی۔ انہیں کھلا رکھنے

کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہو سکی، دیکھیے دوست محبوب کو کیسے وقت میرے

مردانے لائے۔

مراد یہ ہے کہ وہ سنتوں نے پھر پر احسان تو کیا، مگر ایسے وقت میں، جب میں

انسان سے خاندان اٹھانے کے قابل نہ رہا۔

یہ مضمون مرزا نے تقریباً انھیں انعام میں ایک فورجنگ بھی لکھا ہے :

مُند گیش کھرتے ہی کھرتے آنکھیں جپے ہے

خوب وقت آئے تم اس عاشقِ پیدار کے پاس



۱۔ لغات - بازارِ مسر ہو نا :

مند اڑنا نا۔ بے رونق ہونا۔

شرح - محبوب کے خطِ نقل

آیا اور اس کے حسن و جمال کا بازار

مند اڑ گیا۔ شاید اس کے خیار

کا خط بھیجی ہوئی شمع کا دھواں تھا۔

شمع بجتی ہے تو اس میں سے

دھواں اٹھتا ہے اگوا دھوئی

کا اٹھنا شمع کے بجھ جانے کی دلیل

ہوتا ہے۔ مرزا نے اور کو خط

سے۔ شمع کو حسن و جمال اور شمع

کشتہ کو حسن و جمال کی انصافی

کے تشبیہ دی۔

۲۔ شرح : اسے دلی :

تو نے کیوں اپنے انجام کی طرف

سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں ؟

بہتر یہی ہے کہ تو شوقِ دیدار

میں جتا ب نہ ہو، عبرتِ منہ سے

آہِ خط سے جو اسے مسرِ جزو بازارِ دوست

و دو شمع کشتہ تھا شاید خطِ رخسارِ دوست

اسے دلِ ناغاب نہ سیشِ غبطِ شوق کر

کون لا سکتا ہے تاہم جلوہ رخسارِ دوست

نما نہ ویراں ساز ہی تیرت، تماشا کیجیے

معورتِ نقش قدم ہوں رفقا رفقا و دوست

خشتِ میں بیدارِ رشکِ غیر نے مارا مجھے

کشتہ دشمن ہوں آخر اگرچہ تھا پیدارِ دوست

چشمِ بارِ دشمن کہ اُس بیدارِ دکا دلِ شاد ہے

ویدہ پُر خوں بہارا، ساغرِ مسرِ شادِ دوست

غیرِ جوہر کتابِ میری پریشانی کے جزو

نہ تھکت دوست ہو جیسے کوئی غمِ نوارِ دوست

کام لے، کیا تجھے معلوم نہیں کہ
دوست کے جلوے کی تاب کوئی
نہیں لاسکتا، کیا حضرت مومنؑ کا
دائمہ تجھے یاد نہیں کہ کس طرح
وہ بیوٹل ہو کر گر گئے تھے؟
۳۔ لغات - غامد
ویراں سازی : گھر اُھاڑنا،
گھر کو ویراں کرنا۔

رقبتہ : والدہ شیدا بیٹا ہوا
تشریح : دیکھیے حیرت
نے میرا گھر کس طرح اُھاڑ دیا ہے؟
میں نقشِ پا کی طرح محبوب کی فکر
پر مٹا ہوا ہوں۔

نقشِ قدم کو حیرت زدہ رہی
یہ کہ کیا کہ اس میں کوئی مس درکت
نہیں ہوتی، جیسا نقشِ پڑ گیا، ویسا ہی رہتا ہے، جب عاشق خود نقشِ قدم کی طرح سلا
حیرت میں کہ محبوب کی رفتار پر مرثا اور اسے گھر کی سمجھ بوجھ نہ رہی تو ظاہر ہے
کہ یہی حیرت اس کا گھر برباد کرنے کا موجب بن گئی۔

۴۔ لغات - بیماریا دوست : محبوب کا بیمار یعنی عاشق۔

تشریح : میں محبوب کی محبت میں بیمار تھا اور اسی بیماری میں مجھے مرنا
چاہیے تھا، لیکن اس آغاز میں محبوب نے رقیب پر مہربانیاں شروع کر دیں، ان
مہربانوں پر رشک نے مجھے اس طرح غلامِ مست کا نشانہ بنایا کہ میں جان بچی جو گیا۔
گویا اگرچہ بیمار دوست تھا، مگر کشتہ دشمن بن گیا۔

تاکہ میں جانوں کر ہے اس کی رسائی وہاں تک
مجھ کو دیتا ہے پیامِ وعدہ دیدار دوست
جب کہ میں کرتا ہوں اپنا شکوہ صفتِ مبالغہ
مہر کرے ہے وہ میری زلفِ عنبر پار دوست
چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر
ہنس کے کرتا ہے بیانِ شوخی گفتار دوست
مہربانیاں دشمن کی شکایت کیجیے
یا بیاں کیجیے پاسِ لذتِ آزار دوست؟
یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آئی ہے آپ
ہے روایت شعر میں انقلابِ زمیں کرار دوست

۵۔ لغات۔ چشم ماروشن : بیماری آنکھ کی جو۔ فارسی کا یہ لکھ خوشی کے موقع پر ہوتے ہیں۔

سافر سہرشار : بھرا ہوا اور باللب پیا کر۔

شرح : بیماری سے بھر دہ محبوب کا دل خوش ہے تو ہمیں کیوں خوش نہ ہو؟ بیماری سے بھری ہوئی آنکھیں محبوب کے نزدیک شرب کے باللب ساغریں۔
”دیدہ پڑخوئی“ کی مناسبت سے ”چشم ماروشن“ کہا اور دل کی شادمانی کے لیے سافر سہرشار لائے۔

۶۔ شعر نمبر ۱۰۱۔ ۱۰۲ مسلسل ہیں انہیں قطعہ جہ سمجھنا چاہیے۔

شرح : دغیب مجدد فرقت کے اسے کا حال اس طرح پر چھتا ہے ”جیسے کوئی دوست دوسرے دوست کی غم خواری کر رہا ہو۔“

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ تکلیف و اذیت کی حالت میں غمخواری انسان کو ہمیشہ پسندیدہ معلوم ہوتی ہے، لیکن مرزا اس پر سخت پریشان ہیں، کیونکہ انہیں رشک ٹھنڈا ہے۔

۷۔ شرح : ”دغیب مجھے اگر پیغام دیتا ہے کہ محبوب نے دینا اور کلام دہ کر لیا ہے۔ اس پیغام سے اس کا مقصد کیا ہے؟ مقصد یہ ہے کہ میں جان لوں، اسے جس محبوب تک رسائی حاصل ہے۔“

۸۔ لغات۔ سہر کرنا : فارسی سرکردن سے ہے یعنی شروع کرنا، اس کے معنی توپ، بندوق چھوڑنا اور منہج کرنا بھی ہیں۔

شرح : جب میں یہ شکایت کرتا ہوں کہ میرا رخ کمزور ہے اور میں آؤں کی تاب نہیں لے سکتا تو ”دغیب“ محبوب کی حیرت انگیز زلفوں کا نقشہ چھڑھڑھاتا ہے۔

خوشبو کو ضعف و رخ کا علاج سمجھا جاتا ہے، چنانچہ جب کوئی بیمار ہو جاتا ہے تو اسے غلغلہ سنگھاتے ہیں، جو مختلف خوشبوؤں سے تیار کیا جاتا ہے۔
”دغیب“ بھی زلف حیرت انگیز کی بہت اس لیے شروع کرتا ہے کہ ضعف و رخ کا علاج

کہہ جاتے۔

سرور، راز، زلیف، طہنہ بار وغیرہ کی مناسبت محتاج تشریح نہیں۔

۹۔ تشریح : جب وہ مجھ چپکے چپکے آنسو بہاتے ہوئے دیکھتا ہے تو خود ہنس کر محبوب کی شوقی گفتار کا بیان شروع کر دیتا ہے۔

اس شعر میں بھی رونے کے مقابل ہنستا اور چپکے چپکے کے مقابل بیان شوقی گفتار لائے۔

دقیب نے محبوب کی شوقی گفتار کا بیان یقیناً اس وجہ سے شروع کیا کہ عاشق کے لیے اس شوقی گفتار سے بڑھ کر دلاویز و پسند چیز کوئی نہیں ہو سکتی تھی، لیکن اس میں سترہ یعنی کا پہلو بالکل واضح ہے اور عاشق کی نظر اس پر ہے۔ یعنی رقیب یہ سب کچھ عاشق کو جاننے کی طرف سے گرا رہا ہے۔

۱۰۔ لغات - سپاس : شکر

تشریح : ہر کی کیفیت بیان کر چکنے کے بعد مرزا فراتے ہیں : اب چاہیے آیا رقیب کی ہمرانیوں کی شکایت کریں یا محبوب عاشق کو دیکھ پہچانے کی جس لذت کا خواہ گریے، اس کا شکر بجالائیں ؟

دعویٰ یعنی رقیب کی ہمرانیاں بھی عاشق کے لیے شکایت بنی کا باعث ہوتی ہیں کیونکہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے، مقصود یہ ہوتا ہے کہ عاشق کو تکلیف پہنچے، اس کا بال ڈکھے اور محبوب کی آزار دہانی بھی ہمرانی شکر بنی کا موجب ہوتی ہے۔

۱۱۔ تشریح : اسے غائب ! یہ غزال مجھے دل سے پسند آتی ہے، کیونکہ اس کی روایت میں ہر بار دوست یعنی محبوب کا لفظ آیا ہے اور عاشق اس لفظ کی تکرار سے بھی خوش ہوتا ہے۔

گلشن میں بند و نسبت بہ رنگ و گرہ آج
۱۔ لغات۔ ہر رنگ و گرہ
دوسرے رنگ کا، جداگانہ نظر کا۔
قمری و ناخت کی ایک قسم جس
کی گردن میں طوق یعنی معلقہ سہا
ہوا ہوتا ہے۔ شہر اسے سرو کا
عاشق قرار دیتے ہیں۔

لے عافیت، اکنارہ کہ اسے انتظام و صل
صلقہ بیرون در: دو دانے
کے باہر کی کنڈی۔
شرح: ہر دانہ ہائی لڑتے
ہیں، جس شخص کو فضل میں بارہ ہو اور اسے باہر ہی روک دیا گیا ہو۔ اسے بھی
صلقہ بیرون در کہتے ہیں۔

آج باغ میں نئی وضع کا انتظام کیا گیا ہے اور قمری کو بھی جو باغ کا مشہور پتہ
ہے، باہر نکال دیا گیا ہے۔ گویا اس کا طوق باغ کے بیرون در دانے کی کنڈی بنا
ہوا ہے۔ ہر شہر کا مطلب یہ ہے کہ وہ محبوب باغ میں آکر رہے۔ جس کا قدر
سرو و شمشاد کے لیے بھی با حبت بند رنگ ہے۔ اسی وجہ سے انتظام کی صورت
بالکل دوسری ہو گئی، جیسے کسی نئی ہستی کی آمد پر خصوصاً انتظامت کر لینے کا دستور
ہے۔ اس سلسلے میں قمری ملک کو باہر نکال دیا گیا ہے۔

۲۔ لغات۔ پارہ و ٹکڑا

شرح: آج ہر آؤ کے ساتھ دل کا ایک ٹکڑا ہوا ہے۔ صدمہ ہوتا ہے کہ
میرے سانس کا تار اڑ کر چھانسنے کے لیے کٹ گیا ہے یعنی میرا سانس آج اپنے
اڑ چکا کہ چاہتا ہے۔ اسی لیے دل کے ٹکڑے آہوں کے ساتھ باہر آ رہے ہیں۔

۳۔ شرح: اسے آرم و راحت، الگ ہو جانا اور اسے نظم و ضبط، نظم و انضباط
نہیں دینے کے لیے بنا دیا۔ یہاں آیا ہے دو آج میرے گھر کے دروازے پر دروازے

چھوڑے گا۔

مرزا کا عقیدت اور نظام کو اس لیے دینے کہ جو گھر دے جائے وہاں جو اور اس کے دیوار اور
 اور برباد ہو جانے والے ہوں وہاں عقیدت کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہتی اور عقیدہ انتقام
 تاپید ہو جاتا ہے۔



۱۔ لغات۔ تیار اور خورانی
 کرنا، تیار کی دیکھ بھال، تیار دہاں
 شفع کو کہتے ہیں۔ جو تیار کی دیکھ بھال
 کرتا ہو۔ یعنی نسخوں میں "تیار دار" کی جگہ "تیار دار" ہے اور حضرت عیسیٰ کے مرتبہ
 کے مطابق اصل لفظ "تیار دار" ہی تھا۔ اس سے صحن میں کچھ فرق نہیں پڑا۔

شرح : ہم سمجھتے ہیں کہ عشق کے تیار کا کوئی معنی نہیں۔ اگر تیسری معنی
 ملانے پر اصرار ہے تو مصافحہ نہیں، ہم عشق کے تیار کی دیکھ بھال اپنے ذمے
 لے لیتے ہیں۔ لیکن یہ جادو، اگر تیار کو کوئی غائدہ نہ ہو تو میسا کے ساتھ کیا رہتا ہو جاتا ہے
 آخری مصرع کے معنی وہ ہو سکتے ہیں۔ اول وہی جو اوپر پیش کر دیا گیا، دوم یہ کہ
 اگر مرزا عشق کو کوئی غائدہ نہ پہنچا تو میسا کے معنی کی حقیقت کیا رہ جائے گی؟ وہ معنی
 کس کام کا متعین ہوگا۔ یعنی یہی صورت میں کیا۔ یہ طور استعمال استعمال ہو اور دوسری
 صورت میں اسے تحقیر کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

نفس نہ انجمن کو نہ تو سے باہر کھینچ
 اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ
 کمال گری سہی تلاشیں دید نہ پوچھ
 یہ رنگ غلام برے آنے سے جو ہر کھینچ
 تجھے ہمارا راحت ہے اتنا دل سے دل
 کیا ہے کس نے اشارہ کہ ناز بشر کھینچ
 تیری عزت ہے ہر جہت نشہ و ناز کس
 ہر کور یہ دیکھ چشم قریب ساغر کھینچ

یہ نیم غمزہ ادا کر حق دو لیتے تازہ نیام پر وہ زخمِ جگر سے خنجر کھینچ
میرے قدر میں ہے صبا کے آتشِ پیا بروئے سفر و کبابِ دلِ نمند کھینچ

۱۔ لغات - انتظار کھینچنا : انتظار کرنا۔

شرح : ایک سالن میں آندو کی انجن سے ڈیڑھ نکال یعنی آندو کا دم
بصر سے باہر اس کا دامن مضبوطی سے فٹانے رکھا، اگر نہ ایسا حال تھے شرابِ مہر نہیں آتی
تو کچھ پروا نہ کر۔ مافر کے دور کا انتظار کرتا رہا اور یقین رکھا کہ کسی وقت تیری ہاری
بھی آجائے گی۔

اس شعر میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ دل کی آندو کا دامن کبھی نہ چھوڑنا
چاہیے اور کتنی ہی تکلیفیں پیش آئیں، صبر و استقلال کے ساتھ پیش نظر مقصد کے لیے
کو سٹش ہاری روکنا لازم ہے، کیونکہ کامیابی اسی پر موقوف ہے۔ غمزدہ دلے پر سے
میاں کام نہیں چل سکتا۔ اقبالؒ کی ضربِ فراگئے ہیں۔

زندگی جہدِ استقامت و استحقاقِ فیصلت

۲۔ لغات - کیاں گرمی سعی تلاش وید : کسی صاحبِ بصیرت قدر دان
کی تلاش میں سرگرم کو مشغول کو انتہا پر پہنچا دینا۔

شرح : میں نے صاحبِ بصیرت قدر دان کی تلاش میں جو دوڑ و دوڑ و دوڑ اور
تکس و دوڑ کی اور اسے انتہا پر پہنچا دیا، اس کے بارے میں مجھ سے کچھ نہ پوچھ۔ میں کیا بتا
سکتا ہوں کہ اس دوڑ و دوڑ میں مجھ پر کیا گزری؟ اب بالکل بالوس ہو چکا ہوں۔ اسے
بہم : تو اگر کوئی خدمت انجام دے سکتا ہے تو صرف ہے کہ میرے آئینہِ نظرت
میں نکال کے چربی ہر مہر میں، انہیں اسی طرح نکال ڈال جس طرح کسی کے پاؤں سے کاشتے
نکالتے جاتے ہیں اور حق یہ ہے کہ جو کوئی قدر شناس ہی نہیں اور کسی کو اندازہ ہی
نہیں ہو سکتا کہ فطرت نے مجھ میں کون کون سے کمالات بھر رکھے ہیں تو ان جوہروں کی
حیثیت میں کاغذوں کی سی رہ گئی ہے، پھر کو یہ نہ انہیں نکال یا ہر کیا جاتے ؟

۴۔ **شرح :** اسے دل لاکھنے محبوب کے انتظار کو راحت و آسائش کا بہانہ بنا لیا ہے۔ تجھے کس نے اشارہ کیا کہ بستر پر لیٹ رہ اور اسی کے باز کھینچنے میں غم صبر کر دے ؟ عاشق کو راحت سے کیا واسطہ ؟ اس کا کام یہ نہیں کہ بستر پر لیٹ کر انھیں دروازے پر لٹگانے کے واسطے اس کا کام یہ ہے کہ آہ و فزاد کرے اور آواز کے پکرنے کے بیاب و اس آواز سے دل لاکھنے کی طرح بھرے۔ محبوب تک پہنچنا آسان ہے ؟ اس شعر میں بھی عمل کا درس دیا گیا ہے۔ کوئی مقصد ہو اور ہر وجہ کے بغیر واسطے نہیں ہو سکتا یہ طریقہ نہیں کہ بستر پر لیٹ گئے اور مجھ بیا کہ سب کچھ خود بخود حاصل ہو جائے گا۔ یہ منزل استانی و انشائی اور ہتھکشی کی ہے جس آسائش کو اس میں قدم نہ رکھنا چاہیے۔

۴۔ **شرح :** اسے محبوب اور گس تجھے حسرت سے تنگ رہی ہے۔ گویا یہ بھی میری رقیب بن گئی ہے۔ لیکن یہ سہ ہے کہ اس کا دل میں اندھا ہے۔ کیونکہ اس میں شوق و محبت کی جھلک تک موجود نہیں اور اس کی آنکھ بھی اندھی ہے۔ کیونکہ بڑے بڑے ہر آنکھ ہونے کے باوجود وہ نورِ سعادت سے محروم ہے۔ لہذا اس رقیب سے جس کے دل اور آنکھ اور ذہن اندھے ہیں ابالکل بے پروا ہو کر شراب کا ساغر پی جا۔

ہو کر ہی دل و چشم رقیب جو دعا کے لیے بھی روئے ہیں اور نظر پر کار و درکار کے کے لیے بھی۔

۵۔ **نکات :** دو لغت : اانت یعنی کس شخص کے پاس کوئی چیز نہ ملے گی غرض سے روک دینا۔

نہام : یہی آواز و غیرہ کا لغت۔
شرح : تیرے ملا میرے پاس اانت کے طور پر ہے۔ میرے ذہن کا کے پرے خدا کے لیے میدان کا کام دیا۔ اب تو پورا تھیں۔ بلکہ نصرت غزوہ کا اس اانت کا من و اگر اسے یعنی منبر کو میرے ذہن پر کے لغت سے اسر کھینچی۔

نیم غمزہ اس لیے کہ غمزہ کی عریضی لگاتے وقت تو پوسے غمزے کی ضرورت
 ہوتی ہے، لیکن غمزہ دوسرے کھینچنے کے لیے صرف نیم غمزے ہی کی تلاش کافی ہے، بقول
 یہ ہے کہ اس طرح محبوب ناز و آرا کا خیر بھر سے کھینچنے کے لیے سامنے آنے کا اور
 دیدار کی آرزو پر ہی جو جاسکے گی۔

۶۔ لغات : تدرج : پیار - سافر -

صہبا : شراب -

آتش پناہ : چھٹی برقی آگ -

سفر : دسترخوان

شرح : میرے سفر میں چھٹی برقی شراب کی آگ بھری ہے، یعنی آتش
 عشق کی شراب ہے۔ اس کا تقاضا یہی ہے کہ دسترخوان پر نمودار کا دل کباب کر کے
 دکھ جائے، کیونکہ اس کی زندگی آگ ہی میں گزرتی ہے۔ وہی کباب آتش عشق کی
 شراب کا سوزوں نقص بن سکتے ہیں۔



۱۔ لغات : غمزہ : غری

معنی چشم و ابرو کا اشارہ مطلب

ہے محبوبوں کی دلفریب ادائیں۔

میں سے وہ عاشق کو اور زیادہ

عفتوں و گریہ کو دیتے ہیں۔

کشاکش : کھینچنا

اہل جفا : ظالم یعنی محبوب۔

شرح : میں دنیا سے نفرت

ہو گیا، اب میں یہی چیزوں کو

نازداد کے کلمات دکھاتے

حسن غمزے کی کشاکش سے چھٹا، میرے بعد

دارے آرام سے میں اہل جفا، میرے بعد

منصب شیفگی کے کوئی قابل نہ رہا

برقی معزونی انداز و اداس میرے بعد

شرح بھیتی ہے تو اس میں سے دھواں اُٹتا ہے

شعلہ عشق سیر پوش ہوا، میرے بعد

کا کوئی موقع نہ رہا۔ میں صبر کو
 غم سے کے لیے استہام میں جو کچھ
 کرنا چاہتا تھا، اس کی ضرورت
 غم نہ ہو گئی۔ غم سے کے لیے کشش
 ہی باقی نہ رہی اور اسے سنی و
 کوشش سے فراغت مل گئی۔
 مقام شکوہ ہے کہ محبوبوں اور حسیوں
 کو آرام مل گیا۔ کیونکہ میرے بعد
 ناز و ادا کے جو رجحان اور انگیز
 کر بندہ الا کوئی نظر نہیں آتا۔
 شعر میں قابل غور نکتہ یہ
 ہے کہ غم سے کے لیے کسی کوشش
 سے فراغت صرف اس حسی
 تک محدود نہ رہی، جس پر مرزا
 غالب فریضہ تھے، بلکہ پورے
 عالم حس کو، اس کشش سے نجات
 مل گئی اور تمام حسیوں کو آرام
 حاصل ہو گیا۔ گو با حقیقی عشق کا
 حاصل محض ایک غائب تھا۔ اس کے سوا کسی میں محبت کے لوازم پر سے گرنے کی
 صلاحیت موجود نہ تھی۔

۲۔ **تشریح :** اس شعر میں پہلے شعر کا مضمون نئے و کشش اور اس سے دہرا گیا
 ہے۔ فرماتے ہیں : عشق کے واجبات بجا لانے کے لائق کوئی نہ رہا۔ یہ سب کچھ میرے
 ساتھ غم ہو گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ناز و ادا کے لیے بھی کار فرمائی کا کوئی موقع باقی نہ رہا۔

خوں ہے دل خاک میں احوال تباہ پر ایسی
 اُن کے ناخن جوئے محتاج حنا، میرے بعد
 درخورِ عرض نہیں، جو ہر بیداد کو جہا
 نگہ ناز ہے سر سے سے خفا، میرے بعد
 ہے جنوں اہل جنوں کے لیے آخر شب و راج
 چاک ہوتا ہے گریباں سے جدا، میرے بعد
 کون ہوتا ہے حریفِ مے مردِ انگیز عشق
 ہے مکر و لب ساقی پہ صلا، میرے بعد
 غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی
 کہ کرے تعزیتِ مہر و فنا، میرے بعد
 آئے ہے بکسی عشق پہ رونا غالب
 کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا، میرے بعد
 حاصل محض ایک غائب تھا۔ اس کے سوا کسی میں محبت کے لوازم پر سے گرنے کی

جناح ان کا کام بھی ختم ہو گیا اور جس منصب کا وظیفہ ختم ہو جائے، اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں رہتی۔ ایک غائب تھا، جو فراتھن عشق ادا کر سکتا تھا۔ وہ دہرا تو حسن پوشی کا پورا ہنگامہ سرور پہن گیا۔

اس شعر میں لفظ "معزولی منصب" کی رہنمائی سے آیا ہے۔

۴۰۔ لغات - سیاہ پوش : سیاہ لباس پہننے والا۔ یہ لباس عموماً سوگ میں

پہنا جاتا ہے۔

تشریح : جب شمع بجھتی ہے تو اس کے رشتے سے دھوئیں کی لڑائی ہوتی ہے۔

اس سے شاعر نے یہ نتیجہ نکالا کہ شمع کے بجھنے پر اس کے شعلے نے سیاہ باقی لباس پہن لیا۔ اسی طرح جب میری شمع حیات گل ہوئی، جو شعلہ عشق کا مرکز و دھنق تو اس کے باقی میں شعلہ عشق نے بھی سیاہ لباس ہی پسند کیا۔

شاعر کا مقصد یہ ہے کہ عشق کی حرارت اور آتش صرف میرے دم سے تھی میری ہی شمع حیات سے عشق کی انجم میں روشنی کا سرور ہوا ہی تھا۔ میں دنیا سے رخصت ہو گیا تو اب خود عشق کے شعلے کو سوگ میں سیاہ لباس پہننے کی ضرورت پیش آگئی۔

شعرا کا جیسا وہاں نہ لکھوں آدمی دیکھتے ہیں، مگر اس سے یہ معنوں کی تفسیر نہیں
 نہ کیا۔ یہ شعر بھی اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ غائب کا مشابہہ کس قدر گہرا اور حقیقت
 پس تھا۔

۴۱۔ تشریح : جب میں زندہ تھا تو مہینوں کو مندی کا محتاج ہونے کی کوئی

ضرورت نہ تھی۔ وہ میرے خون دل سے اپنے ناخن رنگ دیتے تھے۔ اب میں دنیا میں
 نہ رہا تو انہیں مندی کی ضرورت پیش آئی۔ یہ کیفیت دیکھ کر خیر میں میرا دل خون ہوا
 ہوا ہے، میرے ہونے انہیں کسی کی محتاجی نہیں کرتی پڑتی تھی۔

۴۲۔ لغات - درخویر عرض : پیش ہونے کے لائق۔ نمایاں ہونے کے قابل۔

یوہر سیداد : عظم کا جوہر۔ شعر میں اشارہ دوسرے کی طرف معلوم ہوتا ہے۔

یوں کہ مہینوں کی انجمیں جب تک سرگاہ نہ ہوں، ان کی نگاہیں دلوں ہی میں رہتی ہیں

کو نہیں پہنچتیں۔ اگرچہ میریداد سے اشارہ غمزہ و عشق کی طرف سمجھا جائے تو ظاہر ہے کہ سرگلیں آنکھوں کے اشارے قیامت پر پا کر دیتے ہیں۔

شرح : میرے مرجانے کے بعد کوئی جگہ میں باقی نہ رہی، جہاں سرگلیں آنکھوں کا غمزہ و عشق اپنے کلمات دکھانے اور اپنے جوہروں کی نمائش کر سکے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نگاہ ناز سرے سے خفا ہو گئی، یعنی حمیوں نے سر مرد لگانا چھوڑ دیا۔ سر مرد لگانا چھوڑ دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی کہ حمیوں نے مرزا کے اقام میں یہ شیوہ اختیار کیا، کیونکہ مرزا کے بعد کوئی ایسا مرزا باقی نہ رہا، جیسے وہ اپنے عشق و داد کا تحفہ مشق نہا سکیں۔

۶۔ لغات۔ آشوب و داغ : رخصت کے وقت دوستوں اور رفیقوں کا بغل گیری جوتا۔

شرح : میرے مرنے کے بعد دیوانگی اہل بنوں سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو رہی ہے اور بغل گیری کی غرض سے اس نے ہاتھیں پھین دی ہیں، یعنی اب دیوانگی کسی کو نصیب نہ ہوگی۔ وہ ہمیشہ کے لیے جا رہی ہے۔ جب تک میں باقی تھا دیوانگی کے تمام سامان موجود تھے۔ یعنی گرمیاں چاک ہوتے تھے۔ اب یہ سامان بھی مبرا ہو گیا ہے۔ چاک گرمیاں سے الگ ہو رہی ہے۔ آئندہ وہ اس کا کاروبار نہیں چوں گے۔ گو یہ مرزا کے ساتھ عشق کے علاوہ جنوں بھی ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا۔

۷۔ لغات۔ بے مرد انگلیں : مردوں کو بیوقوف کر کے گرد لینے والی شہرہ۔
ضلع : کھانے یا شراب پینے کے لیے جانے کی صدا۔ عام دعوت اور پکار کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ پہلی ہی میں اس لفظ نے "صلح" کی صورت اختیار کی، جو سننے میں کہناؤں نے مجھے کھانے کی "صلح" بھی نہ کی تھی کھانے کے لیے جایا ہی نہیں۔

شرح : خواجہ حالی فرماتے ہیں :

"اس شعر کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جب سے میں مر گیا ہوں بے مرد انگلیں
عشق کا ساتھی نہیں مستحق بار بار صدا دیتا ہے۔ یعنی لوگوں کو شراب و عشق کی

طرح ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ میرے بعد شراب عشق کا کوئی خرم نہیں رہا۔ اس لیے اس کو بار بار صلا دینے کی ضرورت ہوتی ہے، اگر زیادہ طرز کرنے کے بعد جیسا کہ مرزا خواجہ بیان کرتے تھے، اس میں ایک نہایت لطیف معنی پیدا ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ پہلا مصرع میں ساتی کے صلا کے الفاظ ہیں :

کون جو تاک ہے حریت سے مرد انگن عشق

اور اس مصرع کو دہکر پڑھتا ہے ایک دفعہ جانے کے لیے میں چھتا ہے :

کون جو تاک ہے حریت سے مرد انگن عشق ؟

یعنی کوئی ہے جو سے مرد انگن عشق کا حریت ہو ؟ جب اس آواز پر کوئی نہیں آتا تو اسی مصرع کو دہرا کر دہرائی کے لیے میں پھر پڑھتا ہے !

کون جو تاک ہے حریت سے مرد انگن عشق !

یعنی کوئی نہیں جو تاک اس میں نیچے اور طرز ادا کو بہت دخل ہے کسی کو جانے کا لہجہ کوئی اور ہے اور دہرائی سے چپکے چپکے کہنے کا اور انداز ہے جب اس طرح مصرع مذکور کی تکرار کر دے تو فوراً یہ معنی ذہن نشین ہو جاتی ہیں گے :

خواجہ حالی کی تشریح پر کسی دانشمندی کی ضرورت نہیں، ہمیشہ یہ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پورا مصرع ایسے انداز میں مرتب کر لینا ہے کہ وہ دہرا کر دینے سے بڑھنے وقت صرف لہجہ بدل لینے سے دو مختلف معنی پیدا ہو جائیں۔ یہ شعر اس اعتبار سے بالکل بیگانہ نظر آتا ہے ۔

۴۔ اخلاست : تعزیت : نام پر س، پڑسا دیا۔ نام و سنگ۔

تشریح : میں مرنے سے پہلے اس فہم میں گھل گھل کر مرا جا رہا ہوں کہ دنیا کی رحمت میں کوئی ایسا نذر نظر نہیں آتا، میں سے انتہا دلکھی جاسکے وہ میرے سر جانے کے بعد میری رحمت اور دانا و استواری کی نام پر ہی کر سکے، کیونکہ میں مر جانے لگا

تو ساتھ ہی لہروں کا پر بھی موت طاری ہو جائے گی۔ اُن کی باتم پر سی و ہی کر سکتا ہے جسے زندہ گی کی اس نہایت قیمتی متاع کا صحیح اندازہ ہو۔ ان کے حق تو کون پورے کرے گا؟ یہ بھی ممکن نہیں کہ ان کے مرجائے پر سوگواری ہی کا فرض ادا کر دے۔ اپنے دم کے ساتھ لہروں کی عظمت اور اپنے بعد ان پیش بہا اوصاف کی ناقدری دیکھ کر پھر سی کا کفن پڑتا شیر نقشہ کھینچ دیا ہے۔

ایک معنوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لہروں کا تو موت سے موجود ہی نہ تھے۔ میں ان پر آنسو بہاتا رہتا تھا، اب میرے بعد کوئی اتنا بھی نہیں کہ ان کا ماتم کرتا رہے۔

۹۔ **شرح :** اسے غائب! حجب تک میں زندہ ہوں، عشق کے نیند بیاں کو سنہلے بیٹھا ہوں، لیکن حجب میں مر جاؤں گا تو یہ سیلاب کس کے گھر کا رخ کرے گا؟ کوئی گھراپا نظر نہیں آتا، جو اس کا سامن بن سکے۔ افسوس! میرے بعد عشق اس قدر بکس رہ جائے گا کہ اس کے نقص ہی پر بے اختیار دونا آجاتا ہے۔

اندو میں ایسی غزلیں محبت کم ملتی ہیں، جن کے تمام اشعار مسلسل ہوں اور ایک ہی مضمون کے مختلف پہلوئیں تر حجب سے بیان کیے گئے ہوں۔ مرزا غالب کی یہ غزل بھی مسلسل اشعار کا ایک نہایت تادیر نمونہ ہے۔



۱۔ **شرح :** اگر دردِ دیوار

ہمارے لیے محبوب تک پہنچنے

میں نہ کاوش بن گئے ہیں تو ہماری

جان سے، میں ان کی کیا پروا ہے؟

نگاہِ شوق کے لیے تو یہ دردِ دیوار

دلِ دل پر ہیں، جن سے تنگہ میں

پرواز کی خواہش پیدا ہو گئی ہے؟

بلد سے ہیں جو یہ پیش نظر، دردِ دیوار

نگاہِ شوق کو ہیں، بالِ دل پر، دردِ دیوار

دُورِ اشتک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ

کہ ہو گئے ہرے دیوار و در و دردِ دیوار

نہیں ہے سایہ کہ سن کر نوبہ مقدم یاد

گئے ہیں چند قدم پیشتر، دردِ دیوار

سکتی ہے اور کوئی رکاوٹ اور ٹکڑ
نہیں ہو سکتی۔

کسی مقصد کے لیے سپامیز بول
میں موجود ہو تو رکاوٹ جذبے کو
تیز کر دیتی ہے۔ عربی کی مشور
مثل ہے : الاشارة حریص من
ما منع ، یعنی انسان کو جس چیز سے
روکا جائے اس کے لیے وہ اور
حریص ہو جاتا ہے۔ یہ بالکل درست
ہے ، خصوصاً عشق کے معاملات میں
تو یہ عام چیز ہے۔ بچے عشق کے
لیے ہر رکاوٹ اس کی آنکھ کو جھڑکا
کا موجب ہوتی ہے۔ یہی حقیقت
مرزا نے اس شعر ہی بیان کی ہے
رکاوٹ کے باعث زور تیز تر ہو
جائے کا معنی مرزا نے ایک اور
شعر ہی میں کہا ہے :

پائے نہیں بہ دہ آہ پرانہ ہستہ میں شہ
دکن ہے عربی طبع تو ہوتی ہے وہی اور
۲۔ لغات ۔ دوز :

کثرت ۔ زیادتی۔

رنگ ۔ حالت ۔ کیفیت۔

○

ہوتی ہے کس قدر اور زانی کے حسب سہ

کہ مست ہے ترے کوچے میں سرور و دیوار

جو ہے تجھے سر سودا سے انتظار ، تو آ

کہ میں دکان متابع نظر ۔ در و دیوار

ہجوم گریہ کا سامان کب کیا میں نے

کہ گر پڑے نہ میرے پاؤں پر ، در و دیوار

وہ آہ میرے ہمسائے میں تو سایہ سے

ہوئے خداور و دیوار پر ، در و دیوار

نظر نہ کیٹکے ہے یہ تیرے نگہ کی آبادی

بہشتہ روتے ہیں ہم وہ کچھ کہ در و دیوار

نہ پوچھ بے خودی پیش مقدم سبب

کہ ناچتے ہیں پڑے اسر سہرا در و دیوار

نہ کہ کسی سے کہ غائب ! نہیں زمانے میں

مواہب راز محبت ، مگر ، در و دیوار

شرح : آنسوؤں کی معجزی لگ گئی اور ایسا سیل ہو گیا کہ میرے مکان کی ہر شے ٹپٹ ہو گئی، جہاں دروازہ تھا، وہاں چبھ کا ڈھیر لگ جانے سے وہ پٹ گیا اور جہاں دیوار تھی، اس میں شکست پڑ گئی اور اندر آئے جانے کے راستے پیدا ہو گئے۔ گویا وہ دوازے دیواری بن گئے اور دیواروں نے وہ دروازوں کی شکل اختیار کر لی۔

دیکھیے وہ نظروں کے اٹھ پھیر سے کتنا وسیع معصوم اور کس غریب املوئی سے پیش کر دیا۔

۴۔ لغات - نوید : خوشخبری۔

مقدم : آمد، تشریف آوردی۔

شرح : میرے گھر کے دیواروں کا جو سایہ پڑا ہے، اسے سایہ نہیں سمجھنا چاہیے۔ بلکہ محبوب کی تشریف آوردی کی خبر پہنچی تو وہ دیوار پیشواٹی اور غیر مقدم کے یہ چند قدم آگے بڑھ گئے۔

معلوم ہے کہ غلام بیسوی کا استقبال ہمیشہ چند قدم آگے بڑھ کر کیا جاتا ہے چنانچہ مرزا کے در و دیوار بھی سایے کی شکل میں آگے بڑھ گئے۔

۵۔ لغات - ارزانی : سستی۔

شرح : اسے محبوب! میری شراب دیدار اس قدر سستی اور عام ہو گئی ہے کہ اس سے تیرے کو بچے کا سرور و دیوانہ ست ہو گیا ہے۔

محبوب کو بچے میں آتا ہے تو ہر گز یمن اس کے ساکنی ملو دیوار سے شاد کام ہوتے ہیں، یہ شراب ان پر مستی غامی کر دیتی ہے۔ لہذا یہ کیفیت ہو گئی ہے کہ جسے دیکھیے، وہ اسی شراب سے بخود نظر آتا ہے۔

۶۔ لغات - متاع : مال و اسباب

شرح : اسے محبوب! اگر تجھے انتقاد کا سودا طریق ناشکور ہے تو آ اور دیکھو تیرے گھر کے در و دیوار پر ایسی دکائیں آ کر اس قدر ہو گئی ہیں، جن میں صرف نظر کا مال بھرا

ہوا ہے۔

محبوب کو کھینچنے کے لیے سزاؤں لگا دیں میناب ہیں وہ اس کے درو دیار پر علم
گنجی ہیں اور اس انتقام میں ہیں کہ شاید اس کے حسن کی کوئی جھلک نظر آجائے اور ان
کے لیے تسکین کا سامان ہم پہنچے۔ اب محبوب کو دعوت دے۔ ہے ہیں کہ یہاں حرفت نشاد
کا سودا بکتا ہے اور خولہ یہ ہے کہ اس دعوت میں اپنا مطلب بھی پیش نظر ہے۔ یعنی
محبوب آنے کا تو بہر حال اس کے دیراز سے شرف پانے کا موقع مل جائے گا۔

۶۔ **شرح :** جب کسی میرے دل میں گرے گا غوثان اٹھا اور میں نہ سنے پر
آواز ہو تو میرے درو دیار فوراً پاؤں پر گر پڑے اور منت و نوحہ شروع کر دی
کہ خدا کے لیے کلمہ جاؤ ورنہ ہمارا کوئی ٹھکانا باقی نہیں رہے گا۔ تو مدنے گفتگو شکو
کا ایک ریل بن گئے گا اور ہمیں یہاں سے جاتے گا۔

شعری لہجہ کا خاص پہلو یہ ہے کہ درو دیار کا پاؤں پر گرنا بھانے غوثان کے
تباہ ہو جانے کا لہجہ پیش کرتا ہے۔ یعنی شعر کا ایک معلوم یہ بھی ہے کہ جب میں نہ دے
کا سرد سامان کیا تو درو دیار میرے اشکوں کے نیل میں نہ گئے۔

۷۔ **شرح :** محبوب میرے گھر کے پاس آ رہا۔ اب کینیت ہے کہ میرے
درو دیار کا سایہ اس کی قیام گاہ پر پڑ رہا ہے۔ اس طرف میرے درو دیار سائے کے
دار میں سے محبوب کے درو دیار پر قربان ہوتے گئے۔

۸۔ **شرح :** اسے محبوب اتیرے بغیر نہیں اپنے گھر کا آواز دینا بڑا معلوم
ہوتا ہے۔ یہ آبادی لگا ہوں ہیں کھٹک رہی ہے اور کھٹک کا ذخیرہ یہ ہے کہ انھوں
میں آواز آجائیں، گویا جب بخاری نظر درو دیار پر پڑتی ہے تو ساتھ ہی وہ آواز آتا ہے۔
دو سنے کا سبب تو وہاں کو رہا، یعنی محبوب کے بغیر گھر نظروں میں کھٹکتا ہے لیکن
درو دیار کو کچھ کر ہمیشہ رہنے سے یہ معلوم بھی پیدا ہوا ہے کہ سنسن، دھکا اور آواز
آواز، غصے یہاں سے جاتے گا اور درو دیار وہاں کے تو گھر آکر نہیں رہے گا۔ درو دیار
نہانے کا گویا گھر دارا غلی م بھی دے گا ایک سبب بنا۔

۹۔ **تشریح :** سیلاب آمد اسے اور اس کے آنے کی خوشی میں درودِ دیوار پر جو بخود دیوار ہی ہو گئی ہے اس کے بارے میں مجھ سے کچھ مانچو چھپا ہوا ہے یہ سمجھ لیجئے کہ انھوں نے سراسر مانچا شروع کر دیا ہے۔

درودِ دیوار کے سرسبز ناچنے سے عیاں ہے کہ سیلاب نے بنیادی غلطی اور ایک ایک چیز پر ہم تنہا لڑی ہو کر گرے نہ لگی۔ گو یا سیلاب گھر میں جو کیفیت پیدا کر سکتا تھا وہ عملی شکل اختیار کر گئی۔

۱۰۔ **تشریح :** اسے غائب! تو راتِ غیبت کسی سے بیان نہ کر، کیونکہ دنیا میں کوئی بھی اس راز کو چھپانے دیکھنے کا ابلی نہیں اور کسی پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، ہاں درودِ دیوار کو قابلِ اعتماد سمجھا جاسکتا ہے، لیکن ان سے بات چیت کا فائدہ کچھ نہیں، کیونکہ وہ دودھ پیتے ہیں، نہ بیان کر سکتے ہیں۔

یہ جو باتوں نے کہا ہے اسے درودِ دیوار ہم گوشِ واردہ! تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ واقعی درودِ دیوار کے کان ہوتے ہیں، بلکہ یہ راز کو چھپاتے دیکھنے میں مبالغے کی ایک صورت ہے۔

○
گھر جب بنایا تو سے دور پر، کبے بغیر
ہانے گا اب بھی تو نہ مبرا گھر کبے بغیر
کہتے ہیں، جب رہی نہ مجھے طاقت سخن
ہاتھوں کسی کے دل کی میں کیوں کر کہے بغیر؟
کام اس سے آ پڑا ہے کہ جس کا جہان میں
یہو سے نہ کوئی نام، سستگر کبے بغیر

۱۔ **تشریح :** میں جب کبھی
محبوب کو اپنے گھر آنے کی دعوت
دیتا تھا تو درودِ دیوار کہ ہم نہیں
جانتے، تیرے گھر کہاں ہے؟ آخر
یہ وہ ہو کر میں نے محبوب کے دروازے
پر دستِ زنی رکالی اور وہیں گھر بنا
لیا، کہتے ہیں کہ اسے محبوب! تو
سے ادا نہ دے، یہ بغیر تیرے دروازے
پر گھر بنا لیا ہے، لیکن تیرے قتل
اور بے نیازی کا یہ عالم ہے کہ جب

ملک بتاؤں میں میرا گھر ہے
 تجھے اس کا پتہ نہ چلے گا اور تو نہ
 جانے لگا کہ یہ میرا گھر ہے۔

۴۔ شرح : جب ملک

مجھ میں بات کرنے کی تاب دے تو اس
 حق میں مال دل سنا آتا اور
 محبوب کو اس پر کوئی توجہ نہ تھی۔

طو اس نے کہیں پوچھا ہی نہیں
 کہ خستہ دور ماند عاشق کا حال

کیا ہے۔ اب صنعت اور آثار ان
 کے باعث مجھ میں بات کرنے کی

بھی قوت نہ رہی اور اس نے
 میرے حال سے بے خبر رہنے

کے لیے تر شا تر شا یا بہانہ پیش
 کر دیا کہ میں جانے بغیر کسی کے

دل کی بات کیونکر جانوں؟ تم
 کچھ کہو تو مجھے معلوم ہو کہ کیا جانے

ہو؟ حال کو جانتا ہے مجھ میں کچھ

کہنے کی طاقت ہی نہیں۔ محبوب کی طرف سے یہ انتہائی حتمی طر فنی ہے۔

۵۔ شرح : نقد پر سے میرا حال ایسے محبوب کے ساتھ آ پڑا ہے جس
 کا ہم جتنے وقت ہر شخص اسے سنگسار کرتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جو محبوب دنیا بھر کے نزدیک ظالم و سنگسار ہو اس سے عاشق کی
 کوئی امید کیونکر رہ سکتی ہے؟

جی میں ہی کچھ نہیں ہے تھکے ہوئے مگر نہ ہم

سہرا جائے یا رہے، نہ رہیں پر کہے بغیر

پھوڑوں گامیں نہ اس بُت کا فر کا پوچھنا

چھوڑے نہ شوق، گو مجھے کافر کہے بغیر

مقصود ہے ناز و غمزہ ہوے گفتگو میں کام

چلتی نہیں ہے دشتِ نہ و خضر کہے بغیر

ہر حسد ہو مشاہدہ حق کی گفتگو

بنتی نہیں ہے بارہ و ساغر کہے بغیر

ہر اہل میں تو پاب ہے دو نامہ اوقات

سنا نہیں جوں بات، مکرر کہے بغیر

نائبانہ کر حضور میں تو بار بار عرض

کا ہر ہے تیرا حال سب اُن پر کہے بغیر

کہنے کی طاقت ہی نہیں۔ محبوب کی طرف سے یہ انتہائی حتمی طر فنی ہے۔

۴۔ **تشریح :** ہم غاموش ہیں تو یہ سبب نہیں کہ کہیں سے کہتے ہیں یا اپنا کرٹہ ہانے کا غوث ہے، ہرگز نہیں۔ ہمارے دل میں کوئی چیز ہے ہی نہیں اور نہ ہم دھن کے ایسے کچے اور سرسبز ہیں کہ جان بھی مل جائے تو سچ کہہ دینے میں کبھی تاثر نہ کر رہے۔

۵۔ **تشریح :** میں اپنے محبوب کو جیسے ساری دنیا بُت کا فرشتہ ہے، پوجنا ہرگز نہ چھوڑوں گا اور میرا اس کی پرستش میں میں مصروف رہوں گا۔ اگر دنیا اس پر مجھے کاغذ قرار دیتے ہیں بھی تاثر نہ کرے تو کچھ پروا نہیں، میری پرستش کا سلسلہ بدستور قائم رہے گا۔

یہ ثابت قدمی اور وفاداری کی آخری حد ہے کہ اپنے محبوب کے مقابلے میں بڑی سے بڑی آفت جھیل بیٹھنے میں بھی ہرگز تاثر نہیں۔

۶۔ ۷۔ **لغات :** وشنہ : گنارہ، خنجر
وے : دلیک کا مختلف، لیکن۔ گر۔

مشابہہ حق : ذات باری تعالیٰ کے انوار دکھانا۔

تشریح : اگرچہ ہمارا مقلد تازہ و غزہ کا ذکر ہوتا ہے، لیکن بات چیت کرتے وقت ہم ان کے لیے گنارہ اور خنجر کی اصطلاحیں استعمال کیے بغیر مطلب واضح نہیں کر سکتے۔

یہاں ذات باری تعالیٰ کے انوار دکھانے کا معادہ ہو، مگر جب اسے سرحد بیان میں نہیں لگے تو شراب اور سانپ کا ذکر کیے بغیر بات نہیں بنے گی۔

ان دو شروں میں مرزا کا نائب نے یہ حقیقت، انتہائی خوش اسلوبی سے واضح کی ہے کہ حقیقت کا انوار کا لباس اختیار کیے بغیر ممکن نہیں اور جو چیز یہ نظر نہیں آتی، جو اس کے ذہن سے ہم ان کا اور اک نہیں کر سکتے، انہیں مشہور و مقبوس چیزوں کے رنگ میں بیڑا کیے بغیر دل کی کیفیت واضح نہیں ہو سکتی، دیکھیے تازہ و غزہ کا ذکر کرنے کا تشبیہ و استعارہ سے یہ گنارہ اور خنجر کا کرم میں تپ گئے حقیقت انوار

وہی کام انجام دیتے ہیں، بزرگوار اور خنجر سے مخصوص سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح دعا کی
تذکرہ بحیثیت باری تعالیٰ کے معادلات پوری طرح واضح کرنے کے لیے بارود و ساغر
سے کام لیا جاتا ہے، کیونکہ ان اوزار کی کیفیت معنوی اعتبار سے شراب سے ملتی جلتی
مرزا نے دوسری جگہ یہی حقیقت ایک اور انداز میں پیش کی ہے :

لطافت ہے کثافت جو وہ پیدا کر سکتی

چمن نہ رنگار ہے آئینہ باد بہاری کا

۸۔ لطافت - التفات : توتہ۔ لطفت و کرم

تشریح : یہ شعر دراصل ایک قصے کا آخری حصہ ہے جو مرزا کے اسلوب
بیان سے بے تکلف سامنے آتا ہے۔ مرزا اور محبوب کے درمیان گفتگو جاری ہے
مرزا اپنا حال بیان کرتے ہیں، محبوب کہتا ہے : ”کیا کہتے ہو، ہماری سمجھ میں کچھ نہیں
آتا، پھر محبوب کوئی بات کہتا ہے تو مرزا کی سمجھ میں نہیں آتی۔ دو بارہ پوچھتا ہے
ہے تو محبوب جواب دیتا ہے : ”بھرے ہو کہ بار بار پوچھتے ہو یہ میں کی مرزا کہتے ہیں
کہ اگر میں بہرا ہوں تو چاہیے، آپ کی توتہ اور لطفت و کرم انشائیہ پر دو چند ہو جائے۔
کیونکہ جب کلمہ بات بار بار کہی جائے، اس میں بہرا ہونے کے باعث اسے سمجھ نہیں سکتا۔“

۹۔ تشریح : حضور سے مراد ابو القدر بہادر شاہ ہیں۔ کہتے ہیں اسے نائب التو
بادشاہ صحت کے حضور۔ بار بار کیوں گواہ شہیں پیش کر رہا ہے، کیوں کر رہا ہے کہ کچھ
پاناس توتہ فرمائیے، میرے پاس نہیں چیز نہیں ہے، انھوں نے اس کی ضرورت ہے،
انھوں نے کیفیت سے انھوں پریشانی ہے، تیرا تو پورا حال مجھے بغیر ہی حضور پر واضح ہے،
یہ ظفر ہایں کی خدمت کا ایک وکمل مرتع ہے۔ زبان سے کچھ نہیں کہتا، لیکن
دوسرے کچھ کہہ رہا ہو کہنا سکتا ہے۔ یہ اجمال ہر اس تفصیل پر حاوی ہے، جس کی
سوائے ایک خنجر و خنجر میں چھو نہ ہو سکے۔

۱۔ شرح : نہیں ہوتا
 کے رونے دل افروز کی آبِ دہا
 دیکھ کر جل کیوں نہ گیا میرے
 بے بیج راستہ میں تھا کہ عشق میں
 غنا حاصل کرنے کا جو مقام سامنے
 آیا تھا اسے ملے کریت اور
 جل کر خاک سیاہ ہو جاتا، اب
 میرے نہ جل مرنے کا نتیجہ نکلا
 ہے کہ اپنی تاب وید اور پردہ شک
 سے جل رہا ہوں اور سلی اندھالی
 کی سزا یوں ٹھیک رہا ہوں۔
 مرزا غالب نے معانی
 شرب کی طرح رشک کے معنی
 یہ بھی دو کمال کیا ہے، جس کی
 مثال شاید ہی کسی دوسرے شاعر
 کے دل میں ملے۔ ان میں سے ایک
 شعر یہ بھی ہے اور اس غزل
 نیز آئندہ غزلوں میں ایسے کئی
 معانی آئیں گے، لیکن ایک
 حقیقت واضح کر دینی چاہیے
 کہ بلیک ہم ایسے معانی کو
 رشک سے تعبیر کرنے میں حق
 بدعا نہیں ہیں، تاہم عشق کے مقام

کیوں جل گیا نہ تابِ دُرخ یاد دیکھ کر
 جلتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر
 آتش پرست کہتے ہیں اہل جہاں مجھے
 سرگرمِ نالہ ہائے شہر بار دیکھ کر
 کیا آبروئے عشق، جہاں عام ہو جفا
 نہ کہتے ہوں تم کو بے سبب آزار دیکھ کر
 آتا ہے میرے قتل کو، پر جو رشک سے
 مرتا ہوں اس کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر
 ثابت ہوا ہے گردِ دینا پہ خوابِ خلق
 لڑے ہے موج نے تری رفتار دیکھ کر
 واحسرتا! کہ یاد نے کھینچا ستم سے ہاتھ
 ہم کو حرمِ لذتِ آزاد دیکھ کر
 پک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ
 لیکن عیارِ طمعِ خریدار دیکھ کر
 زنا بائندہ، شہزادانہ توڑ ڈال
 رہبر و چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر

ایں آبول سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
 جس خوش چڑا ہے راہ کو پر خار دیکھ کر
 کہا بدگماں ہے مجھ سے کہ آئینے میں میرے
 طوطی کا عکس جیسے ہے ازنگار دیکھ کر
 لکڑی تھی ہم پر برقی تھیلی اسی طور پر
 دیتے ہیں بادہ نظرت قدح خوار دیکھ کر
 سر پوڑا وہ غائب شود یدہ حال کا
 یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر
 لڑ بہ ہم اپنی اصطلاحات کے مطابق اسے رشک ہی کہیں گے۔
 مرزا نے ایک اور غزل میں بھی یہ مضمون باندا ہے :

دیکھت قسمت کو آپ اپنے پر رشک آہانے ہے
 میں اُسے دیکھوں جلاک ہو سے دیکھا بانے ہے

۲۔ شرح : چونکہ میں دانتوں ایسے نالے سر کرنے میں سرگرم رہتا ہوں جن
 سے شکہ ہوتے ہیں۔ اس لیے اہل جہاں نے مجھے آتش پرست قرار دے دیا ہے۔ یعنی میں
 رات کا آگ ہی۔ میں نے نزدیک دنیا کا مقدس ترین عنصر آگ ہے اور وہ اس کی پرستش
 میں سرگرم رہتے ہیں۔

آتش سرگرم اور مشرور باد کی حمایت محتاج تفریق نہیں۔

۳۔ لغات :۔ بے سبب آزار : بے وجہ سے دانا بے سبب اذیت

نہ جانے دانا۔

تشریح : جہاں جو دو جفا عام ہو جاتے، کوئی وجہ، کوئی سبب اور کوئی علت پیش نظر نہ رہے، وہاں عشق کی آبرو کیونکر قائم رہ سکتی ہے؟ اسے محبوب میں توجہ بے درجہ اور بے سبب ستانے والا پاتا ہوں، اس لیے تذبذب میں پڑ جاتا ہوں کہ آیا غلبہ کے واسطے میں مجھے قدم اٹکے چھڑانا چاہیے؟

عاشق کے نزدیک محبوب کی طرف سے جو دو جفا کی طرف ایک وجہ ہو سکتی ہے اور وہ خود عشق ہے نیز عاشق محبوب کے مصلحت و فواید میں نہیں، بلکہ جو دو جفا کو بھی صرف اپنا حق سمجھتا ہے۔ وہ کسی دوسرے کو اس میں شریک کرنے کے لیے تیار نہیں، ابھی جب محبوب ہر کس دہاکس پر گیلیں جو دو جفا شروع کر دے۔ اہل ہوس کو بھی اسی طرح عدم احترام کا تجربہ عشق بتائے، جس طرح عاشق ہمیشہ تیار رہتا ہے تو عشق کے لیے امتیاز کی کون سی وجہ باقی رہی؟ اس کی عزت و آبرو اور یکسانی کیونکر برقرار رہ سکتی ہے؟ اس صورت حال نے عاشق پر ناقص کی کیفیت جاری کر دی۔

شعر کی ایک ٹہنی اس کی غورنیت و آفاقیست ہے، یعنی معنوں میں عام عشق تک محدود نہیں، بلکہ اسے سیاست میں بھی بے تکلف استعمال کیا جاسکتا ہے اور مرزا کا تب کے کلمہ استاد کا ایک امتیازی پہلو یہی ہے۔

۴۔ تشریح : محبوب میرے قتل کے لیے شمشیر سمیت آ رہا ہے، یہ دیکھتے ہی ہنگامہ اس لیے جوش میں آ گیا کہ محبوب کا ہاتھ میری گردن میں مائل ہونا چاہیے تھا، اس میں تیار کیوں نہ ہوں گئی؟ لطف یہ کہ ابھی قتل کی قربت نہیں آئی، بلکہ ابھی عاشق کو موت کے قتل آثار رہا ہے۔

علمی مناہیتیں تشریح کی محتاج نہیں۔

۵۔ لغات : گردن میںنا : صراحی کا اداقی صندھ چلنے چھٹنے کے متعلقہ ہیں۔

ہوتا ہے، جیسے ہونٹوں میں اور ہا کا صندھ ٹنگ ہوتا ہے، اسے صراحی کی گردن کہتے ہیں۔

تشریح : تو نے شراب پی کر عام سرور میں ایسی ستارہ چال اختیار کی کہ غفلت کا خون ہو گیا۔ مگر نظر دانتے ہیں تو تیری چال سے، اس پر تیرے جاری سبب وہ اس لیے

کہ نہ تو شراب پیتا نہ تیری مجال میں غلطی خدا کا حق کر دینے والی ساق پیدا کرتی۔ گویا غلطی خدا کا خون تیری شراب نوشی کا نتیجہ ہے اور اس خون کا دعویٰ دنیا کی گردن پر ثابت ہو گیا۔ اس کی موت کے روز سننے سے اس دعوے کا ثبوت یقیناً پہنچ گیا۔ یعنی وہ خودت سے کاشپ رہی ہے کہ آخر میں مجرم ٹھہری۔

۶۔ لغات :- واحسرتا : انتہائی حسرت و افسوس کا کلمہ۔

شرح :- انتہائی حسرت و افسوس کا مقام ہے کہ عیب محبوب نے دیکھا ہم اس کے عزم و حکم اور اپنے اسے لذت اٹھا رہے ہیں اور اس لذت کے ہم بہت دلاواہ ہیں تو اس نے عزم و حکم سے ہاتھ اٹھا دیا اور بیدار لڑھکا کر رکھی۔

انسان طبعاً غلط و لڑاؤ میں پسند کرتا ہے اور جو دوستم سے گریز کر رہتا ہے۔ لیکن عاشق اپنے آپ کو جو دوستم کا شوگر بنا لیتے ہیں اور معشوق کی طرف سے جو دیکھ لیتے ہیں چاہتے ہیں اس میں خاص لذت پاتے ہیں۔ خاص یہ ہے کہ ان کے یہ جو دوستم کامرک جانا انتہائی دکھ کا باعث ہے۔ مگر وہ دیکھ نہیں جس میں لذت ہے۔ مرزا کے انتہائی حسرت و افسوس کا اصل سبب یہ ہے۔

۷۔ لغات :- حیاتہ : کسوٹی۔

شرح :- ہم اپنے عزم کے ساتھ خود غریب اور کے ہاتھ بک جاتے ہیں یعنی اس کے دلدادہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ غریبی ہے کہ خریدار کی طبیعت کی کسوٹی کا اندازہ ہو نہ سکے۔ یعنی یہ جانچ نہیں کر اسے کھڑے کھولنے کی تیز ہے یا نہیں۔

مطلب :- ہے کہ جو بھی ہمارے کام کا خریدار ہو گا اس میں شائبہ اور جھوٹ والی میں اس کا یہ عہد ہونا چاہیئے۔ ایسے امکان خریدار کے ہاتھ کھینچے ہیں جس کی کیا تاثر ہو سکتا ہے یہ وہ ہمارا کام نہیں۔ بلکہ خود بھی مول سے لیتا ہے۔

۸۔ لغات :- کوتاہ : ہینتر۔ وہ بنا ہوا وھاگ۔ جو ہندو اور اہل پرستہ لوگ لگے ہیں آڑا ترچہ ڈالے رہتے ہیں اور اسے مذہبی نشان سمجھا جاتا ہے۔
تسبیح معد و اند : تسبیح جس میں ایک خود اسے ہوتے ہیں۔

تشریح : توڑنا توڑنا ہے اور سونا انوں کی قیج توڑ کر چھینک دے، کیونکہ راستہ چلنے والا یعنی مسافر ہمیشہ صاف اور ہموار راستہ پسند کرتا ہے۔ وہ راستہ پسند نہیں کرتا جس میں اونچے نیچے اور نشیب و فراز ہو۔

اس شعر میں دو باتیں خاص توڑ کی محتاج ہیں :

۱۔ قیج کے رانے بھی دھاگے ہی میں پڑنے پاتے ہیں، جب اسے پھیرا جائے تو سہرا نہ ایک ہندی بن جاتا ہے، پھر دوسرے رانے تک نشیب آ جاتا ہے اور یہی مسئلہ آخر تک جاری رہتا ہے۔ اس وجہ سے قیج کا راستہ نشیب و فراز والا ہوتا ہو گیا، جس میں قدم قدم پر اونچے نیچے ہے اور مسافر کو ایسا راستہ پسند نہ کرنا چاہیے۔
۲۔ اگر قیج توڑ کر دانے نکالی دیے جائیں تو اصل رشتہ توڑ دے مشابہ ہو جاتا ہے یعنی قیج کا توڑنا ہی راستے کو نشیب و فراز سے پاک کر دیتا ہے۔

۹۔ تشریح : میرے پاؤں میں چھپاے پڑ گئے تھے اور میں سخت گھبرا ہوا تھا کہ ان کا کیا علاج ہو۔ ایک سامنے کا ٹوٹا بھرا راستہ آ گیا، دل خوش ہو گیا کہ اب چھپاؤں کا علاج ہو جائے گا۔ یعنی اپنے پاؤں کا ٹوٹا جھین گئے اور پانی نکل جائے گا۔ تو چھپاؤں کو دھو جائیں گے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ ایک ٹکڑے والی چیز کا علاج دوسری ٹکڑے والی چیز سے کیا یہ مرزا کی ایذا پسندی ہے کہ وہ اپنے لیے سہل اور راحت بخشنے طریق اختیار کرنے سے ہمیشہ گریز کرتے ہیں۔

۱۰۔ تشریح : دیکھیے، محبوب مجھ سے کس قدر بدگمان ہے کہ میرے لڑائی آئینے میں رنگ لگ گیا، جس کا رنگ سبز ہوتا ہے، محبوب نے مجھ کو گدے تو طوطی کا لٹکس ہے کیونکہ اس کا رنگ بھی سبز ہوتا ہے۔

بدگمانی نہ ہوتی کہ محبوب نے مجھ کو لیا، میری محبت میں کیونکہ وہ ایک جتنی نہیں کہ میں سب طوطی میں بدل رہا ہے۔

طوطی اور آئینے کی مناسبت توڑے تشریح کی محتاج ہے، طوطی کو بون لٹکا۔

کے لیے آئینہ رکھ لیتے تھے اور اس کے سامنے طوطی کا چہرہ رکھ دیتے تھے لکھانے آئینے کی پشت پر مٹی یا تھا اور منہ میں چھوٹا سا پتھر رکھ لیتا تھا۔ پتھ کے ذریعے سے جو کچھ بولتا، طوطی آئینے میں عکس دیکھ کر سمجھتا کہ کوئی دوسرا ہم جنس بول رہا ہے۔ وقت رفتہ وہ بھی ہم جنس کی نقل شروع کر دیتا اور اس طرح بولنا سیکھ جاتا۔

اس شعر سے یہ نتیجہ بھی نکالا جاسکتا ہے کہ عاشق نے محبوب کے گان کے مطابق کسی اور سے بھی رشتہ محبت وابستہ کر رکھا ہے۔

۱۱۔ لغائب۔ تجلی : ذات باری تعالیٰ کا جلوہ جو حضرت موسیٰ کو طور پر دکھایا گیا تھا۔

طور : چریا، نالے سینا کا مشورہ پاڑا جس کی چوٹی پر حضرت موسیٰ نے ذات باری کا جلوہ دیکھا تھا، نیز انھیں قرأت کے دس احکام ملے تھے۔

ظرف : صوفیت، قابلیت۔

قدح خوار : پیالہ پیئے والا یعنی میکش، شراب نوش۔

شرح : علامہ کے شعر میں برقی تجلی کو شراب سے تشبیہ دی گئی ہے اور طور نام کے معجز کے مطابق ایسا شراب نوش ہے جس کا عزم یعنی صافیت سال نہیں۔ دیکھیے ۱

جتنی نہیں ہے بارہ و ساغر کبے بغیر

کی کتنی حمد و ثناءں سامنے آگئی۔

خواجہ حالی فرماتے ہیں :

”اس شعر میں اُس آیت کے معنوں کی حرمت اشارہ ہے کہ ”ہم نے انات کو زمین و آسمان اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا، مگر وہ اس کے مستحق نہ ہوئے اور ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھا لیا“ شاعر کہتا ہے، کہ برقی تجلی کے گرنے کے ہم مستحق تھے نہ کہ کوہ طور، کیونکہ شراب خوار کا عزم دیکھ کر اس کے موافق شراب دی جاتی ہے، پس کوہ طور جو

منہجہ جہالت کے ہے۔ وہ کیونکر عقلی اہل کا متعلق ہو سکتا ہے ؟
آخر میں فرماتے ہیں : یہ خیال بھی مجھے اسی تشیل کے جو اس میں بیان ہوئی،
بالکل اچھوتا خیال معلوم ہوتا ہے۔

خواجہ صاحب کی تشریح میں کسی اضافے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، لیکن یہ عرض
کر دینا چاہیے کہ طور عقلی کا مستحق نہ تھا۔ اس لیے چھٹا گیا۔ یعنی جو شراب اسے ملی وہ
اس کے ظرف سے بہت زیادہ تھی، البتہ ہم پروردگار کی گرتی تو اسے برداشت کر سکتے
تھے۔ یہاں ہم سے مراد مرزا غالب نہیں، بلکہ نوع انسانی ہے۔ اس شرابے مرزا نے
تمام غفلت پر نوع انسانی کے اشرف و اعلیٰ ہونے کا روشن ثبوت ہم نبھایا ہے۔
۱۲۔ لغات، مشورہ یہ حال : پریشان حال، دیوانہ۔

تشریح : اسے محبوب! میں نے تیری دیوار دیکھی تو یاد آگیا کہ میں دیوار تھی
جس سے پریشان حال اور دیوانہ ثابت تھے سر پھوٹا تھا۔
تو تیسے دیوانوں کا اعتقاد مقصود ہے، اول یہ ایک مشہور و معروف واقعہ ہے
جو پیش آیا، دوم اس سے پورے واقعے کی یاد تازہ کرنا مقصود ہے۔ شعر میں خوبی
کا ایک پہلو یہ ہے کہ دیوار جنیک محبوب کی تھی، لیکن اس کے سلسلے میں جو واقعہ سب
سے بڑھ کر کافی ذکر پیش آیا، وہ غالب کا سر پھوٹنا تھا، لہذا دیوار دیکھتے ہی نہ نہیں
سب سے پہلے اس واقعے کی طرف متقل ہوا۔



۱۔ تشریح : میر دل
روح سورج کی تحفہ و رحمت
پر کائنات کا ہے۔ میں اہل کی
وہ بلند ہوں۔ جو بیان کے
کائنات کی نوک پر ہو۔
مطلب یہ ہے کہ شبنم
لڑتا ہے مراد دل و رحمت صبر و خشاں پر
میں ہوں وہ قطرہ شبنم بہو جو خاں بیا ہاں پر
نہ چھوڑی حضرت پورے تھیاں بھی نماز آرائی
سفیدی دیدہ یعقوب کی پھرتی ہے زرداں پر

قنا تعلیم دے دیں بے خود می ہوں، اُس زمانے سے
 کہ مجنوں لام الف کا کستا تھا دیوارِ دبستان پر
 فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویشِ مریم سے
 ہم گر صلیح کرتے پارہ ہائے دل نکلاں پر
 نہیں تعلیم الفت میں کوئی طومارِ تازِ ایسا
 کہ پشتِ چشم سے جس کے نہ جوئے ٹھہر جواں پر
 مجھے اب دیکھ کر ابرِ شفق آلود، یاد آیا
 کہ فرقت میں تری، آتشِ برستی تھی گلستاں پر
 بجز پرندِ از شوقِ ناز کیا باقی رہا ہو گا
 قیامت اک ہوائے تند ہے، خاکِ شہیدان پر
 نہ لڑنا صبح سے خائب کیا ہوا، گرائس نے شہدائی
 جہاد بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر
 کستا کانٹے کو ذرا سی جنبش ہو گی تو قطرہ گر جانے کا، لہذا ایسی بے حقیقت چیز کے
 لیے سودج کو تکلیف اٹھانے کی کوئی حاجت نہیں۔

کی اس حقیر لونڈ کے لیے
 سودج جیسے عظیم القدر وجود
 کو نہ محنت اٹھانے کی کیا ضرورت
 ہے اور لونڈ بھی ایسی جو
 صحرا کے کانٹے کی نوک پر
 ہو، سودج شبنم کو جذب
 کرنے کے لیے اپنی شاہیں
 پھیلاتا ہے، جو حرارتِ پنیپا
 کر شبنم کو اتار لے جاتی ہیں۔
 لیکن شاعر کوں ہے کہ جو قطرہ
 شبنم غارِ بیاباں پر ہے، اس
 کے لیے نہ محنت اٹھاتا کس
 بنا پر گوارا کیا جانے؟
 اس سلسلے میں دو پہلو قابلِ
 غور ہیں۔

۱۔ شبنم کا جو قطرہ کانٹے
 کی نوک پر ہوا، وہ زیادہ
 دیر تک اپنی جگہ ٹھہر نہیں
 سکتا، کانٹے کو ذرا سی جنبش ہو گی تو قطرہ گر جانے کا، لہذا ایسی بے حقیقت چیز کے

۲۔ جو قطرہ کانٹے کی نوک پر ہوا، وہ بہر لحاظ کا پتلا رہتا ہے، کیونکہ اس کا مقام
 ہے نہ تنگ اور تنگید جوتا ہے، جو قطرہ پتوں پر ہوا، اس کی کیفیت یہ نہیں ہوتی، جتنا
 تنگ رہتا ہے، مراد۔ لکھتے وقت نوکِ خار کے قطرے کی یہ کیفیت بھی پیش نظر رکھنی۔

گو یا لڑنے کے دو معنوم ہونے۔ اول قطرے کی حالت کا عام نقشہ دوم اس کی
معدی پریشانی جو سورج کی تکلیف سے پیدا ہوئی۔

شعر میں اپنی ہستی کی بے حقیقتی اور مہدائے حقیقی کی غفلت و استواری کا ظہار
کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ رحیم و کریم ذاتِ اولیٰ سے اولیٰ اور حقیرتِ حقیر شے کے
معاذت پر بھی یکساں نگاہِ مطلق رکھتی ہے۔

۲۔ لغات۔ خانہ آرائی : گھر کی آرائش۔

سفیدی : یہاں اس کے دو معنوم ہیں۔ اول وہ سفیدی جو گھر کی صفائی اور
آرائش کے لیے عموماً کی جاتی ہے۔ دوم وہ سفیدی جو حضرت یعقوب کی آنکھوں میں
حضرت یوسف کی جدائی پر دتے ہوئے پیدا ہو گئی تھی۔

تشریح : حضرت یوسف قید خانے میں پہنچ گئے۔ لیکن وہاں بہن افسوس نے
منزل کو سہانے اور سوزانے کا شیوہ قائم رکھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت یعقوب کی
آنکھیں جو رونے سے رو تھیں سفید ہو گئی تھیں۔ اپنے محبوبِ فرزاد کی تلاش میں قید خانے
کی دیواروں پر پھر رہی تھیں۔ اسی کو عام سفیدی قرار دیتے ہوئے مرزا نے خانہ آرائی
کا ثبوت پیش کر دیا۔

۳۔ لغات۔ فنا تعلیم : فنا کی تعلیم دیا ہوا۔ وہ شخص جو فنا کی تعلیم حاصل کر

چکا ہو۔

درس پنجویں : اپنے آپ سے بے خبر ہونے کا سبق۔

لام الف : لاجوہری میں حرفِ فنی ہے اور یہاں اسے فنا کی دلیل بتایا گیا۔
دہستان : ادبیت کا محقق۔ مکتب : تعلیم دینے کی جگہ۔

تشریح : میں پنجویں کا سبق پڑھا اس زمانے سے فنا کی تعلیم دینے والوں
تہب مجوز یعنی قیس عاری ابھی مکتب کی دیوار پر نام الف لکھنے کی مشق کر رہا تھا۔

شعر میں مجھوں پر اپنی نعلیت و سبقتِ ظاہری ہے۔ لیکن کمال یہ کیا کہ مکتب
میں پڑھنے والے بچوں کا عام طریقہ بطور خاص پیش نظر رکھا۔ وہ جب قلمِ حجت کھنٹ

سیکھ لیتے ہیں تو کو نادر یا کھڑیا مٹی سے کر سیکھے جوئے حروف دیواروں پر لکھنا شروع کر دیتے ہیں اور سب سے بڑا کہ کتب ہی کی دیوار میں ان کا تھوڑا مشتق بنتی ہیں پھر ہمنوں سے ابجد نہیں لکھوائی بلکہ رام الف لکھوائی جس کا مطلب ہے کہ ہمنوں نے فنا کا معرفت ابتدائی سبق لیا تھا جب میں پوری تعلیم پا کر فراغت حاصل کر چکا تھا۔

۴۔ لغات۔ تشویش : رنج۔ محنت۔ پریشانی۔ تردد اور دھوپ۔

بارہ ہائے دل : دل کے ٹکڑے۔

تشریح : اگر میرے دل کے ٹکڑے لکھوان پر صلح کر لیتے۔ یعنی سب اس امر پر راضی ہو جاتے کہ ان پر تنگ چھڑکا جاتا ہے تو کتنا اچھا ہوتا؟ میں مریم کے لیے دوڑ دھوپ اور تردد سے بالکل فارغ ہو جاتا۔ لیکن دل کے ٹکڑوں کو تنگ چھڑکنے سے ایسی لذت ملی کہ ان میں ایک دوسرے پر محبت سے جانے کے لیے سخت جھگڑا شروع ہو گئے۔ ہر ٹکڑا یہ کہنے لگا کہ سارا تنگ مجھے لٹا چاہیے۔ اس رڑائی جھگڑا کو ختم کرنے کی ایک صورت یہ نظر آئی کہ ان ٹکڑوں کو تنگ کی لذت سے محروم کر دیا جائے۔ انہذا مریم کی تلاش کا خیال آیا۔

دامخ رہے کہ شاعر نے مریم تلاش نہیں کیا بلکہ دل کے ٹکڑوں کو اس لذت سے محروم کر دینے کی ایک تدبیر سوچی۔ جس نے ان کے درمیان حدود و جہت کش مکش اور کھینچ پھینک کر دی تھی اور شاعر کے لیے زندگی اجیرن بن گئی تھی۔ گو یہ وہاں میں بنیادی چیز انہذا الہی کے سوا کچھ نہ تھی۔

۵۔ لغات۔ طومار : کاغذ کا ٹٹا، تار، دفتر۔ یہ لفظ ان فطریں کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا جنہیں دفتر کی شکل میں مرتب کر لیتے تھے یا جڑا جڑ کر ایک دھا کا تھیاد کر لیتے تھے۔ جسے گول کر کے چرنکے یعنی پائس یا ٹین کے خول میں دھکتے تھے۔ مقصود یہ ہوتا تھا کہ بچوں کو وہ خط پڑھائے جائیں تاکہ وہ مختلف وضع کے رسم الخط اور اسلوب تحریر سے آگاہ ہو جائیں۔ ضروری کاغذات کے رجسٹروں یا دفتروں کے لیے بھی یہ لفظ مستعمل تھا۔

پشت چشتم، چشتم پرشی، آلودہ پیر لیا۔

متر: میں سرحد یہ حقیقت کو نہ رکھتی ہاں یہ کہ مٹری شکل فی الجہد آلودہ سے جتنی جلتی ہے۔

تشریح: محبت و الفت کی روایت میں نادر اقدار اور حیثیوں کی اداؤں کا کوئی ایسا طور یا صیغہ یا دفتر موجود نہیں جس کی پیشانی پر چشتم پرشی ہے مگر یہ ایسے پر دانی کی علامت ثابت ہو۔

مطلب یہ کہ محبت کی رسم و اور میں محبوب جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ عاشقوں سے جلتی ہے پر دانی اور تشاہد کے سوا کچھ نہیں ہوتا، یہ اس مقام کی عام رسمیں ہیں اور ان پر کسی کو تعجب نہ ہونا چاہیے، لیکن سچے عاشقوں نے ہمیشہ یہ سب کچھ برداشت کیا ہے اور یقیناً برداشت کرتے رہے۔

۶۔ لغات - ابرہہ شفیق آلودہ: وہ اہل حبس پر آفتاب کے طلوع و غروب کی شاہوں سے سرفرازی چاہتی ہو۔

تشریح: اب میں نے غفلت کی سرشتی سے فارغ نام ابر کو دیکھا تو یاد آگیا کہ جب اسے محبوب میں تجھ سے ملتا تھا تو بار بار آگ برسی رہی تھی۔

مولا جانا لہانی نے الکلی بھی لکھا: یا کو غفلت - اب اس شعر میں کثیر المعنی ہے معنی یہ کہنا کہ اب یاد آیا صاف بتاتا ہے کہ پہلے یہ بات بھولی ہوئی تھی۔ عاشق نے سچ میں صدمہ اٹھاتے۔ وہ محبوب کو دیکھ کر انتہائی خوشی اور محبت میں سب کے سب یاد نہیں رہ سکتے، کچھ دست گرد ہانے کے بعد ایک ایک چیز یاد آ رہی ہے اور غفلت یہ کہ کوئی دگرگوشت منظر دیکھ کر ہی پرانی یادیں تازہ ہوتی ہیں اور پتا چلتا ہے کہ جو متاخر صراحت سے دہرا رہتے، محبوب کی جہانی میں وہ ہی صراحت رنج و مصیبت اور سودا کی دو لہریں کا باعث بن گئے۔ مثلاً یہی شفیق کا منظر، سبب دو یادوں پر چھپا جاتی ہے کہتا ہیں معلوم ہوتا ہے، لیکن جب محبوب سے جہانی تھی تو یہی منظر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ذرا پر آسمان سے آگ برسی رہی ہے۔

اس شعر سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ گرد و پیش کے مناظر کی افادہ بازی بھانے
خود کو فی خاص حیثیت نہیں رکھتی بلکہ سب کچھ انسان کی دل کی کیفیت پر موقوف ہے۔ اگر وہ
نوش ہے تو غیر دلچسپ مناظر سے بھی شادابی کے اسباب پیدا کر سکتا ہے۔ اگر وہ ناخوش
رہنجدہ اور مصیبت زدہ ہے تو بہتر سے بہتر منظر بھی اس کے لیے سوزش اور میں کا باعث
ہو گا۔

شعریں اور شغریں آدو کے لیے عالم رنج و غم میں گھٹتی ہیں پر آگ بستے سے تشبیہ و بنا
ہر ایک تشبیہ ہے۔ یعنی جو شے اس عالم اسباب میں زیادہ سے زیادہ محنت افزا ہے وہ
بھی آتش بازی کا مرکز معلوم ہوتی ہے۔

۷۔ - **شرح :** شہید قبروں میں ہا سونے۔ اس کے جسم مٹی میں مل گئے۔ قیامت
کے دن مرد سے زندہ کیے جائیں گے۔ لیکن شہیدوں کی خاک میں اس کے سوا کیا باقی رہ
گیا ہو گا کہ جلوا کر پاشا پاشی کے شوق میں انسانی بے قیامی موجود ہو۔ لہذا قیامت شہیدوں
کی قبر پر سے گورے گی تو اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ہوا کے ایک تند و تیز بھرنے
کی سی ہوگی جو اس خاک کو اٹھانے میں مزید مدد سے گا جو پہلے ہی مذہب کے شوق میں
پروانہ کے لیے بیکار ہے۔

حق یہ ہے کہ اس نظم کے سیریز حقیقت شعرائے دل نے یہ اور پُر تاثیر انداز میں بیان
کے بعد مشکل ہے اور ان کی مثالیں وہ ادبی میں بہت کم ملتی ہیں۔

۸۔ - **شرح :** اسے قاب : اگر نصیحت کرنے والے نے سنی دور شوق سے کام
لیا تو اس پر لڑنے کی کون سی وجہ ہے، ہمارے پاس اپنا گریباں ہے اسے جھڑکتے
ہیں اور تار تار کر سکتے ہیں۔ اپنا دور لڑنے پر کیوں صحت کریں۔ اگر یہاں پر کیوں نہ آدائیں؟
کیا اسی طرح بھی تکیں گا وہ سالانہ ہم نہ پہنے گا جو ہم تاج سے لڑ کر ہم چٹا چاہتے ہیں؟
اس شعری قابل غور کرتے ہیں کہ میں قوت کے مقابلے میں انسان بے دست و پا ہو
اس میں تکیں کے لیے اپنا نقصان کر لینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

شعری ایک پہلو بھی ہے کہ اگر تاج نے درشت کھڑی سے کام لیا تو ہم اپنا گریباں

بہار کر اسے بتا سکتے ہیں کہ عشق و محبت کے معاملات میں تیری نصیحت پاسے لیے
بالکل بے حقیقت اور بے اثر ہے۔



ہے بسکہ ہر اک اُن کے اشارے میں نشان اُور

کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اُور

یار رب اُوہ نہ سمجھے ہیں، نہ سمجھیں گے مری بات

دوسے اور دل اُن کو پونہ دسے مجھ کو زباں اُور

ابرو سے ہے کیا اس لکھ ناز کو چہرہ انداز

ہے تیر مقصد، مگر اُس کی ہے کہاں اُور

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا ظم و جب اُٹھیں گے

لے آئیں گے باز اسے، ناکہ دل دہاں اُور

ہر چند بسکہ ست ہو سے بُت سسکنی میں

ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگ گراں اُور

ہے خونِ جگر جوش میں، دل کھول کے دتا

ہو سکتے جو کئی دیدہ غرناہِ نشان اُور

مڑتا ہوں اُس آواز پہ، ہر چند سزا جاسے

جہاد کو لیکن وہ کیسے جانیں کہ "ہاں اُور"

۱۔ لغات - نشان :

یہاں اس کے معنی پتا، نکتہ اور
جید ہیں۔

بسکہ، چونکہ۔

تشریح : چونکہ اُن کے

ہر اشارے میں کوئی اُور ہی نکتہ

اور ہی جید پایا جاتا ہے اس

لیے وہ محبت ہی کرتے ہیں تو جہاد

خیال دوسری ہی طرف جاتا ہے۔

یعنی میر سمجھتے ہیں کہ اس میں بھی

کوئی نہ کوئی چال اور فریب ہے۔

عاشق محبوب کی ادائیں

دیکھ دیکھ کر اتنا پریشان ہو جاتا ہے

کہ اس کے دل میں کسی بھی بات کے

لیے یقین کہ کوئی صورت باقی نہیں

رہی۔ وہ یقین کا جو ہری کھو چکا

ہے، لہذا محبوب بظاہر محبت ہی

کرے تو عاشق کے لیے اطمینان

کی کوئی صورت نہیں بنتی، بد حال ہو

وہ سمجھ سکتا ہے کہ محبت کا جہاد

لوگوں کو جسے خورشید جہاں تاب کا دھوکا
 بہرہ روز دکھاتا ہوں میں پاک و ابرغ نہاں اُور
 لیکن اگر دل تمہیں دیتا کوئی دم نہیں
 کرتا جو نہ مرتا کوئی دن آہ و فغاں اُور
 پاتے نہیں جب راء تو چڑھ جاتے ہیں نالے
 نہ کرتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اُور
 ہیں اُور بھی دنیا میں سفوف بہت اچھے
 کہتے ہیں کہ فتاب کا ہے اندازِ بیاں اُور
 کہ اگر مجھے دوسری زبان نہیں مل سکتی جو اپنا مذاقِ ضحک ضحک سہا کے تو محبوب ہی کو
 کوئی اُور دل دے دے جو آسانی سے میری بات سمجھ سکے
 اس شعر کا تعلق محبوب کے ساتھ معاشقہ کی صفائی سے بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی محبوب
 نے بعض حرکتوں پر ناما ملنی کا میر کی عاشق نے اپنی طرف سے صفائی پیش کی۔ عاشق کا وہن
 محبوب کی سمجھ میں نہیں آتا اور عاشق پریشان ہو کر کہتا ہے کہ اسے اللہ اچھے دوسری زبان
 نہیں مل سکتی تو محبوب ہی کو دوسرا دل دے دے
 خواہ معاشقہ فرماتے ہیں کہ شعر بظاہر معشوق کے حق میں معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس میں اشارہ
 لوگوں کی طرف بھی اشارہ ہے جو مرزا کے کام کو یہ معنی یا بیہ و معنی سمجھتے تھے۔
 اس صورت میں مرزا کی مراد یہ ہے کہ اگر لوگوں نے میر کی باتیں نہیں سمجھیں اور سمجھ
 جس ان سے سمجھنے کی امید نہیں رہتی یا سکتی تو خدا کی بارگاہ میں ہی گزارش پیش کی جا سکتی
 ہے کہ مجھے دوسری زبان نہیں مل سکتی تو ان لوگوں کو دوسرا دل دے دے یہ ہائیں۔

مشکوک و غائب کے درمیان مبادلات افکار کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ دونوں کے دل و زبان میں ایک گونہ مناسبت ہو۔ اگر مناسبت نہ ہوگی تو ظاہر ہے کہ مبادلے کی کوئی صورت نہ ہے گی، مرزا نے شعر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا۔

۳۔ لغات - چوہدر : عواد - تعلق - جوڑ

مقررہ : عزود ، با خبر ، یقیناً ۔

شرح : غریب کی نگاہ تازہ کو جہاں اوردے کیا تعلق ہو سکتا ہے ؟ یعنی یہ تیرا اوردہ کی کمان سے نہیں نکل سکتا۔ اس کا تعلق کسی اور ہی کمان سے ہے۔ یہ کسی دوسری ہی کمان سے نظر ہے اور وہ کمان بغداد میں حسن کی دلفریبی و دلہیزی ہے۔ لیکن اس کا ذکر نہیں کیا۔ یہ شعر کی ایک اور خوبی ہے کہ ہر لفظ کو موقع دے دیا اور اپنے احوال و نظر کے مطابق اس کمان کا تعلق کرے۔

دیکھیے۔ کمان و بار و اور تیر و تگاہ کی تشبیہ بہت پرانی اور فرسودہ تھی، اگر مرزا نے کمالِ نبوت سے کام لے کر اس میں نئی تازگی اور نیا حسن پیدا کر دیا۔

۴۔ شرح : اسے محبوب : جب تم شہر میں موجود ہو تو ہمیں دل و جان کا کیا فہم ہے ؟ کیونکہ جب اٹھیں گے۔ بازار سے تھے دل و جان خرید لائیں گے اتھارے ہوتے ہر شخص کے لیے دل و جان دو بھر ہوا ہے اور وہ سستے دھوپ بچے دینے کے لیے تیار ہیں۔ جو جہنم بازار میں نہ پڑے آجائے، وسیع طلب کے احوال کے مطابق وہ اوتار لے رہا جاتا ہے۔

اس شعر کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ دل و جان لینے میں محبوب کی مشاقتی نے اس جہنم کا بازار آگاہ مست کر دیا ہے، جہاں یہ یہ کثرتِ کلمہ ہی ہے، مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ محبوب میں شہر میں موجود ہو، وہاں کون اس سے دل و جان بچا کر رکھنے کے لیے تیار ہوگا ؟ سب اس حوالہ طریقہ کو اٹھائے یہ طرزِ انداز پیش کرتے کے لیے تیار ہیں۔

یہ شاعر کا اسلوب بیان ہے جس نے اصل موضوع کو اس رنگ میں پیش کر دیا۔

۵۔ لغات - سبکدست : پاکدست ، مشتاق ۔ دہر

شرح : خواجہ سہاٹی فرماتے ہیں :

”اس شعر میں سارا اندوز ”ہم“ کے لفظ پر ہے۔ یعنی جب تک ہمدردی
مستحق ہوتی ہے، اُس وقت تک راہ معرفت الہی میں ایک اور تنگ گراں
مستراوہ ہے۔ پس اگر ہم نے بہت توڑنے میں سبکدستی حاصل کی ہے تو
کیا نادمہ یہ بڑا ہمدردی بہت یعنی ہمدردی بہت تو ابھی موجود ہے ؟“

مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو ادبوس کے بہت توڑنے میں خوب مستحق اور مبادت
حاصل کر لی۔ جو بھی بہت ملنے آیا اسے پکنا چور کر کے رکھ دیا۔ لیکن خود ہمدردی بہت
کا بہت جو بڑے ہمدردی بہت کی حیثیت رکھتا ہے، ہمدردی بہت پر مستور رہ کے ہوئے
ہے۔ جب تک نہ توڑے اور اس کا قطع قطع نہ ہو، راستہ حاصل ہو سکتا ہے نہ ہم
قدم آگے بڑھا سکتے ہیں اور نہ معرفت کی منزل پر پہنچ سکتے ہیں، غرض یہ کہ تناسل ہمدردی
کے بہت توڑنے سے فراغت حاصل نہیں ہوتی اور معرفت کا راستہ نہیں کھلتا، کیونکہ
جب تک ہم موجود ہیں، ہمدردی بہت کا سلسلہ ساتھ رہے گا، البتہ ہمدردی بہت
توڑنے کا تو مقصود پر پہنچنے کا دروازہ کھلے گا۔

۶۔ لغات - دیدہ و خوشنما یہ نشان : خون برسانے اور دہنے والی آنکھیں۔

شرح : جگر کا خون خوش میں آگیا ہے، یہ غم بھر اور یاد محراب کا نتیجہ ہے۔

اگر میرے پاس ہو روئے اور خون برسانے والی کئی آنکھیں جو تیں تو ہی بھر کے رہ لیں۔
یہ معنوں خاص مرزا غالب کا ہے کہ کبھی ان کے دل کا بوجھ ہلکا کرنے اور خون جگر
کا خوش نگاہی کے لیے کئی آنکھوں کی ضرورت پیش آتی، کیونکہ خدا کی عطا کی ہوئی دو
آنکھوں کے لیے یہ وظیفہ ادا کرنا ممکن نہیں، اصل کام ان کی ہوا سے بہت زیادہ ہے اسی
طرح جب حق کی فراوانی ہوئی اور اس نے میل کی سہ صورت اختیار کر لی تو فرمایا

میری قسمت میں غم گرا تا تھا

دل بھی یاد ب کئی دیے ہوئے

گویا جس طرح غم کی فراوانی کے اعلا کے لیے یہ کہا کہ اس کا حق کئی دلوں کا

تفصیل کرتا ہے۔ اسی طرح خونِ بیکر کے جوش کی طوقانی کیفیت کے اظہار کے لیے یہ
پیرایہ اختیار کیا کہ اسے مزد کرنا منظور ہو تو وہ نہیں، بلکہ کئی خون روکنے والی آنکھیں
دکھائی دیں۔ مرزا کے نزدیک دل اور آنکھیں دکھ سہنے اور روکنے کا ایک حیاۃ ہیں۔
اب جتنے دکھ یاد ہو رہے ہیں گے اور خونِ بیکر کا جوش جتنے زردروں پر ہو گا اسی کے
مطابق بیان دے کر کار چوں گے۔

۴۔ **شرح :** میں تو محبوب کی آواز پر قربان ہوا جاتا ہوں، بیشک سر اڑنا
ہے تو اڑ جائے، گردن کٹتی ہے تو کٹ جائے، لیکن وہ حیاۃ کی ہر ضرب پر کھے جائیں
کہ وہ آواز لگے یہ آواز اتنی دلکش و دلفریب ہے کہ اس پر میں بے تعلقت حیات
قربان کر سکتا ہوں۔

دیکھیے یہاں بھی مقصود سر کٹنا نہیں، بلکہ محبوب کی دلفریب آواز کی کیفیت
پر عمل کرنا منظور ہے، اس کے لیے حیاۃ کا ٹھکانا تیار کیا گیا۔ گویا اتنے تازک حالات
ہیں بھی احبابِ جان ہمارے ہو، آوازِ محبوب کی دلفریبی ہر شے پر غلبہ ہے۔ اور اسی
کے سننے کی آرزو ہے۔

۵۔ **شرح :** میں ہر روز اپنا نیا چھپا ہوا رخ دکھا دیتا ہوں۔ لوگوں
کو یہ دھوکا ہوتا ہے کہ آفتاب طلوع ہو رہا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ میرے ہر رخ کی حرارت اجدانہائی اور صحت بالکل سورت
سے مشابہ ہے۔ اتنی مشابہ ہے کہ لوگ دیکھتے ہیں تو ازل نظر میں سمجھتے ہیں کہ
سورج نکل آیا، البتہ کئی ذلت بعد اظہار کے کا احساس ہوتا ہے اور وہ جتنے
ہیں کہ یہ تو مرزا غالب کے سینے کا ایک نیا رخ محبت تھا، جس پر سورج کا دھوکا
ہوا ہے۔

۶۔ **شرح :** خود مرزا غالب اس شعر کی شرح میں قاضی عبدالجلیل جونی
دریوی کو لکھتے ہیں :

”یہ بہت عجیب تقدیر ہے، میں کو رہا ہے نہیں سے، مگر یہ مربوط ہے

آہ و فغاں سے۔ عربی میں تعقید لفظی و معنوی دونوں میں ہو سکتا ہے۔
 فارسی میں تعقید معنوی اور تعقید لفظی جاترہ ایک فیض و بلیغ و بزمیہ تعقید
 ہے فارسی کی۔ حاصل معنی مصرعین یہ کہ اگر دل تھیں نہ دیتا تو کوئی
 دم نہیں لیتا۔ اگر نہ مرنے تو کوئی دل اور آہ و فغاں کرتا نہ

فارسی میں لفظی تعقید جائز یا فیض و بلیغ ہو تو ہو، لیکن تعقید لفظی ہو یا معنوی،
 یہ ہر حال عیب ہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ردیف کی پابندی نے مرزا غالب کو اس
 تعقید لفظی پر مجبور کیا۔ مقصود یہ نہیں کہ ردیف و قافیہ کی پابندی پر اعتراض کیا جائے
 اس کے بغیر شعر کی تین چوتھائی موسیقی ختم ہو جاتی ہے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ
 بعض اوقات شاعر تعقید پر مجبور ہو جاتا ہے۔ لیکن ایسا شعر جیسا مرزا کا ہے،
 یہ آسانی سے چھوڑا جا سکتا تھا۔ کیونکہ اس میں کوئی خاص بات ہی نہیں، اس طرح تعقید
 ختم ہو سکتی تھی۔

۱۔ تشریح : خواہ وہ مائی مڑا تھے ہیں :

”اے یعنی بڑی نالہ، آہ و فغاں۔ مثال کس قدر مثل لڑکے مطابق
 ہے اور معنوں کتنا مطابق واسطے کے ہے۔ فی الحقیقت مصیبت
 اور رنج و تکلیف کے سبب جوں جوں شاعر کی طبیعت زکونی ہے اسی
 قدر زیادہ راہ دیتی ہے۔ خصوصاً جو معنوں وہ اس وقت اپنے حباب
 نکلتے ہیں۔ وہ نہایت مؤثر اور درد انگیز ہو سکتے ہیں۔“

شعر میں مرزا نے اپنی طبع میں کوئی نالہ ہی نالہ سے تشبیہ دی ہے۔ پہاڑی ندی نالوں
 میں کھڑا رہا ہو تاکہ اسے کہ اس پاس سے بڑے بڑے پتھر بیچ میں آگرتے ہیں اور ندی کا
 پہاڑ کو کہتا ہے، لیکن رکاوٹ پر منبع کا پانی نہیں رکتا، وہ بہ سوراخ کا رہتا ہے اور
 اچھ ہو کہ اتنا زور پیدا کر لیتا ہے کہ یا تو ان پتھروں کو ہالے ہالے اجڑا دیتے ہیں
 رکاوٹ نہیں یا اس رکاوٹ کے اوپر سے بنے گئے اور آجبت آہستہ اسے ختم کر دے۔
 اس صورت میں ندی نالہ کا پہاڑ اور تیز ہو جاتا ہے۔

دوم تہ ذرا نیلے سفید ہیں ایسا دھندلے میں آ یا کہ اندر گرو کی برقا کی چٹائیں۔ یا
 اس اگر ہیں اور ہوا تو رک گیا وہاں تک کہ آگے دریا یا نکل یا باب رو گیا۔ پھر تین شد
 پانی نے ایک ایک برقا کی چٹائیوں کو توڑ دیا اور انکا پانی آ یا کہ دریا کے اصل بہاؤ سے
 تیز و تیر و رفت اور نچا بہنے لگا۔ آس پاس کی اکثر بستیاں تباہ ہو گئیں۔

یہی مثال مرتد انہ اپنی طبع ہواں کے لیے اختیار کی فرماتے ہیں کہ اگر کسی مصیبت
 یا رنج و غم کے باعث طبیعت میں رکاوٹ پیدا ہوتا ہے تو تدری ہاؤں اور دریاؤں کی
 طرقت اس کی مدافتی تیز تر ہو جاتی ہے اور بہتر سے بہتر اور پرتاؤ مصنفین تراش کر لیتے
 ہیں۔

۱۱۔ شرح : دنیا میں اور بھی اچھے اچھے شاعر اور سخنور موجود ہیں لیکن لوگ
 کہتے ہیں کہ غالب کا انداز بیان ان سب سے الگ اور اچھوتا ہے۔

اس شعر میں بھی بیان کی عمدت طرازی کا کمال دکھایا۔ یعنی اپنے انداز کے اچھوتا
 ہونے کی کہانی خود کہی اور معرووں کی زبان سے کہلائی اور وہ بھی اس طرح کہ لوگوں
 میں عام چرچا ہے۔ عام شہرت ہے۔ غالب کا انداز بیان سب سے الگ ہے۔

۱۔ لغات۔ آپ بر بمانڈ : صفائے حیرت آئینہ ہے مسلمان رنگ آخر

اپنی جگہ نظر انداز پانی : جیسے حق
 اور غالب کا پانی کر وہ جاری نہیں
 ہوتا۔ بلکہ غبار ہوتا ہے۔

شرح : آئینے کی حیرت
 اور صفائی میں اس کے لیے آخر

رنگ کا سامان میں جاتی ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھنا چاہیے کہ جو بال اپنی جگہ غبار
 ہے گا اور جاری نہ ہوگا۔ اس کا رنگ بدل جائے گا اور کافی جم جائے گا۔ اس کی
 صفائی اور پاکیزگی ذاتی نہ ہوگی۔

اس شعر کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ زندگی حرکت کا نام ہے، انا کہ جو دو کا جو چیز
 یہ جو وجود اپنی جگہ ٹھہرا رہے، وہ ہر حال زندگی کی حقیقت سے محروم ہو جائے گا۔ جس
 طرح پانی نہایت صاف و پاکیزہ ہوتا ہے۔ جاری رہے گا تو اس کی پاکیزگی قائم رہے گی
 ٹھہر جائے گا تو پاکیزگی سے محروم ہو جائے گا۔ ٹھیک اسی طرح آئینہ بھی ایک عاصت پر
 رہے گا تو اس کی صفائی ختم ہو جائے گی اور اس میں رنگ رنگ ہائے گا۔

دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اگر انسان مدت العمر اسی مقام میں رہے گا جسے
 صوفیہ مقام حیرت قرار دیتے ہیں تو اس کی صفائی اور پاکیزگی ذرا آئی ہو جائے گا۔ مرحوم
 انجمنی کے قول کے مطابق "وادی حیرت کا راستہ نہایت پرخطر ہے۔ بہت سے
 طالب حقیقت اس سے آگے نہیں پہنچ پاتے۔ یہ سراب اور تشنہ لبی کی حقیقت ہے۔۔۔
 لیکن حوالہ غرضت ہیں، وہ بددیوبہ وقت اس راوی کو ملے کر جاتے ہیں۔"

۲۔ شرح : ہمیشہ وہاں کا سامان بھی وحشت کا علاج نہ کر سکا اور پورا آگ
 نازل ہو سکی۔ دنیا کی دولت اور ہوا و حشرت پہلے عاشق کو راہ عشق سے باز نہیں
 رکھ سکتی۔ مژدہ کا پیالہ دولت و حشرت کا نشان ہے۔ جو تہہ عاشق ہے، اسے یہ پیالہ بھی
 پیچھے کے جسم کا داغ نظر آتا ہے، جو بھائے خود و حشرت کی علامت ہے، کیونکہ چھتے
 آبادیوں میں نہیں، جنگلوں، پہاڑوں اور ویرانوں ہی میں ملتے ہیں۔



۱۔ لغات و سنگیری : جنوں کی سنگیری کس سے ہو گا کہ جو نہ عربانی
 اور نہ انت، محبت۔
 گرمیاں چاک : گفٹ منہ
 ہونا چاک : ہونا چاک
 چاک : چاک ہو اگر زبان اور اعانت
 انقلاب : انقلاب ہو سکتی ہے، یعنی
 چاک : چاک گریبان۔

جنوں کی سنگیری کس سے ہو گا کہ جو نہ عربانی
 گریبان چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر
 بد رنگ کا خنجر آتش زدہ، نیرنگ بیتابی
 ہزار آئینہ دل بانہ سے ہے بال ایک تعین

شرح : برہنگی کے نوا

جنوں کا ہاتھ کون ختم کرتا ہے ؟
 کون اس کا حامی و مددگار ہو سکتا
 ہے ؟ عرائی گریبان چٹاٹنے یا
 چاک ہونے کا نتیجہ ہے ، لہذا اس
 چاک کا حق اصل میں میری گردن پر
 رہ گیا ۔ اس نے عرائی پیدا کی ۔
 جس کی وجہ سے جنوں کی دستگیری
 ہوئی اور میری حالت جنوں قائم
 رہی ۔

۴۰۔ لغات ۔ کاغذ آتش بزم

و کاغذ ہے آگ لگائی گئی ہو ۔

نیرنگ بیتابی : اضطراب اور تڑپ کی نیرنگی میں برہنگی ۔

بال : ہلکا ۔ ہلکا

تپیدین : تڑپا ۔

شرح : میرے اضطراب اور تڑپ کی نیرنگی اس کاغذ کی طرح ہے آگ لگادی

گئی ہو ، ایک ایک تڑپ کے ہاتھ پردی کے ہزار ہزار آٹھنے بنا دیتی ہے

جہاں کہیں بھڑکی مرحوم کاغذ آتش زدہ کی تفسیر بیان کرتے ہیں قرآن مجید

حدوت آتش کاغذ گویا یکہ زمرہ ہوتا ہے ۔ کاغذ چونکہ کھم رہی اور نکلت

بٹری کا حامل ہے اس لیے کاغذ کے جلنے کو میب خیال کیا جاتا ہے ،

لیکن کاغذ کی تحریر مستقل مند ہوتی ہے ۔ اس لیے شدت کو ثابت کرتے

کی قرض سے کاغذ کا مبالغہ کرنا بجا اوقات لازمی ہو جاتا ہے ۔ مصنفین ابتدا

سے نامہ رائے عثمانی کو جاننے آئے ہیں ۔ لیکن کسی شاعر کے مشابہ سے

فلک سے ہم کو پیش رفتہ کا کیا کیا تھا

مناج بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض میں

ہم اور وہ بے سبب دلچ ، آشنا دشمن مگر دکھا

شعاع مہر سے تہمت لگے کی چشم روزی پر

فنا کو سوئپ اگر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا

قزوین غایع ناشاک ہے موقوف گلشن پر

اسد سہل ہے کس انداز کا ۔ قاتل سے کہتا ہے

تو مشق ناز کر ، خون دو عالم میری گردن پر

یہ نہ آیا کہ کاغذ کے پہلے میں کیا کیا شاعرانہ کیفیات ہوں، بلکہ یہاں ہیں
جب کاغذ کو آگ میں ڈالا جاتا ہے تو ذرا سی دیر آتش بلند ہو کر شعلہ
بندھ جاتا ہے اور سرشت و سیاہ رنگ کاغذ کا نیم جان جسم رہ جاتا ہے،
جس میں سکرات اور نزع کی تمام علامات نظر آتی ہیں۔ یہ لاشیں حیات
بھی مڑو ہو جاتا ہے اور سراپا بیل پگھلنے کے بعد ہزاروں نقطہ نکلنے روشن
کاغذ پر نمودار ہو جاتے ہیں۔ آخر کار کاغذ خاکستر ہو کر ختم ہو جاتا ہے۔

آتش زدہ کاغذ کی اسی کیفیت کے پیش نظر مرزا نے اپنے نیرنگ بیتابی کے عمل
سے تشبیہ دی، جو روشن نقطے آخر میں کاغذ کی سطح پر نمودار ہوتے ہیں۔ ان کی حیثیت تڑپنے
کاروں کی سی ہوتی ہے۔

یہی کیفیت مرزا نے یوں پیش کی، گو یا ایک ایک تڑپ کے بازو پر ہزار ہزار
آئینے باندھ دیے گئے ہیں، دل اس لیے لگنے کہ احساس دل کی خاصیت ہے، تڑپا اور
لڑتا دل ہی پر نورافش ہے۔ مشاہدے کے گماں کے علاوہ شاعر نے تشبیہ، پھر اس کیفیت
کے بیان میں حیرت انگیز کمال دکھایا۔

ایک صاحب فرماتے ہیں: آتش زدہ کاغذ میں سکرانے اور سمٹنے کی جو کیفیت
ہوا ہوتی ہے، اس سے بیتابی کو تشبیہ دی ہے اور ایسے کاغذ میں جو روشن نقطے،
نمودار ہوتے ہیں، ان کی مناسبت سے ہزار گویا، مطلب یہ کہ تخلیق و بیقراری میں
گرا کوئی شے موجب تسکین ہوتی ہے تو وہ تڑپا اور لڑتا ہے۔

سہ۔ لغات - عیش و عشرت، گزرے ہوئے زمانے کی راحت و آسائش۔
متارخ بردہ: پھینکا ہوا مال، لونا ہوا مال۔

شمرح: خواہ مال فرماتے ہیں:

یہ معنوں میں بالکل دو کیفیات میں سے ہے، جو شخص آسودگی کے بعد ملحق
ہو جاتے ہیں، وہ ہمیشہ اپنے تئیں مفہوم، ستم رسیدہ اور ناکام زدہ سمجھا
کرتے ہیں اور اخیر دم تک اس بات کے متوقع رہتے ہیں کہ مرزا کبھی

ذہنی بیمار انسانیت جو گا اور بیمار اقبال چھوڑ کر گئے۔

ہم اپنی گزری ہوئی راحت و آسائش کے لیے آسمان سے کیا کیا تقاضے کر رہے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہم سے چھین گیا، وہ واپس مل جائے تاکہ پھر ہمیں پسینہ کی فضا کی بھرکریں۔ لیکن اتنا نہیں سمجھتے کہ آسمان کی حیثیت ڈاکو اور قزاق کی ہے۔ وہ جو ملال متاع لوٹ کر لے گیا ہے، اسے ہم سادہ لوحی سے و ہزن پر قرض کیجھ بٹھائیں گے۔ کہ جب پامیں گے، دھول کرہیں گے یا تقاضا کر کے لے میں گے۔ حالانکہ ہزاروں سے لڑنا ہوا مال کبھی واپس نہیں ملتا۔

ہم - لغات - بے سبب رنج : بغیر کسی سبب کے غم جو نہ دل، بلکہ دماغ و راعن ہر جانے والا۔

آشنا دشمن : دوست کا دشمن، محبت کرنے والے سے بددوست کھنے والا۔

روزن : روشن دان۔

شرح : ہمارا معاملہ ایسے محبوب سے آچڑا ہے، جو بغیر کسی سبب کے ناراض ہو جاتا ہے۔ دوستوں اور غیر خواہوں سے دشمنی رکھتا ہے۔ اس کی بدگمانی کا یہ عالم ہے کہ اگر اس کے گھر کے روشن دان میں سے سورج کی کرن اتریں جیسے تو فوراً غصے سے پکاراٹھتا ہے کہ روشن دان کی آنکھ نے ٹکڑا پیدا کر کے مجھے دیکھنا شروع کر دیا ہے۔ یہ مزید حسرت ہے، کیونکہ نہ روزن کی آنکھ ہوتی ہے اور نہ سورج کی کرن ایسی ٹکڑا ہوتی ہے۔ یا یہ کہ عاشق روزن کی آنکھ سے مجھے جھانک رہا ہے۔

کامیر ہے کہ ایسی محبت لگاتا، بھائے خود چاہو، ہمارا منی جوئے اور دوست سے دشمنی رکھنے کا ثبوت ہے۔ جس کی بدگمانی کا یہ عالم ہو اس کے باب میں عاشق کیا کھے۔

د - لغات - مزروع طالع : قسمت کے ستارے کا چکر۔ خوش نصیب۔

خاشاک : کوڑا کرکٹ، گھاس چھوٹ۔

گلہن : گل بیسی آتش۔ غم ناسے کا غصہ بین بیٹی۔

شرح : اگر تو اپنی کیفیت تک پہنچنے کا مشق ہے تو اپنے آپ کو ناس کے

خواسے کر دے، یعنی فنا ہو جا اور اپنے آپ کو مٹا دے، دیکھ، گھاس چوٹیں اور
 کونسے کرکٹ کی کیا مشیت ہے؟ لیکن جب ہی حقیقت پہنچا جیٹن تیرا پہنچتی ہیں تو
 شے کو بند کرنے اور آگ بھڑکانے کا موجب ہوتی ہیں۔ گویا ان کے نیچے کو چمکان
 بٹنی میں پہنچ جانے پر موقوف ہے۔ تیرا نفعیابھی اسی صورت میں پہنچے گا اور تو
 بھی اپنی حقیقت پر اُسی حالت میں پہنچے گا، جب اپنی ہستی فنا کر کے اصل و مبداء
 میں گم ہو جائے گا۔

بھنڈوی مرحوم لکھتے ہیں :

۱۔ مرزا غالب ان تاروت ہر دو ش فلسفیوں میں نہیں، جو زندگی کو اتم نشا
 اور اہل دنیا کو اہل جنازہ خیال کرتے ہیں اوجہ است الوجود کے فلسفے
 کا پہلا سبق ہی ہے کہ خدا اور ماسوا امرت عارضی طور پر جو ہیں اور
 بعد الموت یہ ہوائی فضا میں ختم ہو جاتی ہے۔

عشرت قطرہ ہے، یہاں فنا ہو جاتا

انسان کو اپنی نکلے جینی کے باعث اوزار سے جانوروں اور ماحول سے
 جدا گانہ خیال کرتے لگتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ میں دنیا میں، یعنی ہوں اور
 مخالفت، شغاف و قوافل میں گھس رہا ہوں، لیکن انسان اور مادہ میں
 حقیقت کوئی رخنہ مائل نہیں، یہاں تک کہ موت بھی اس میں کوئی رخنہ
 پیدا نہیں کرتی، اُنٹشلوں میں لکھا ہے : "موت اور بقا اس کو سایہ
 ہیں، موت اور حیات میں کوئی فرق نہیں، نہ قبلتاد ہے، بلکہ ہاتھ یہ جوتہ ہے۔
 حیات کی آمد و آمد اور رفت و موت ہے، موت حیات عارضی کو دائمی کر دیتی ہے۔

۲۔ مشرح : "کس - استقام کے لیے نہیں، توبہ کے لیے ہے،

استدکس و رحیرت انگیز مہمل ہے کہ خود خاک و خون میں وٹا رہا ہے، لیکن
 قافل (محبوب) سے کہتا ہے کہ تو ناز کی مشق کیے جا، اندازہ اور دکھائے جا، اگر
 لوگوں کا غری ہو تا ہے تو تجھ سے کوئی باز پرس نہ کی جائے گی، انیسویں صدی کوئی

دعویٰ نہ ہوگا۔ دونوں جہانوں کے خوں کی فتر وادی ہیں اپنے اور پرے لینے کے لیے
تیار بیٹھا ہوں۔



۱۔ لغات : ستم کش مصلحت سے ہوں کہ خوں باں تجھ پر عاشق ہیں
شکس : اعلم و ستم افشے
خوں باں : حسین۔
تکلف بر طرف مل جائے گا تجھ سار قیہ آبر
تکلف بر طرف : تکلف افشا کیجئے۔ ایسے موقع پر استعمال کرتے ہیں جب کوئی
بات صحت صاف اور گلی پیش دکنے بغیر کسی مقصود پر۔

تشریح : میں ترے غم و ستم ستا ہوں اور اس میں میرے سامنے ایک مصلحت
ہے۔ وہ یہ کہ اسے محبوب حسین و گ تجھ پر عاشق ہیں، سچی اور صاف بات ہے کہ
کسی نہ کسی وقت ان میں سے کوئی ایک ترے غم و ستم نہ کر میرا جتنا اور بہتر و بہتر
ہائے گا اور یہ میں سمجھ کر دلی کو اطمینان دیتا ہوں گا کہ میں حسن کو بھی جوڑ و جیوا کا ٹھکانہ
بنانے میں تامل نہیں کرتا۔ پھر عشق کو پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے ؟
یہ کہنا کہ میں حسین عاشقوں میں سے غالب کسی ایک سے دل لگا کر تسکین حاصل
کرتے گا، غالب کی شعر گوئی کی سراسر تعظیم ہے۔



تعمید : غزل نہیں
بلکہ مرثیہ یا قصیدے جوڑیں
انسان پرین مای عارقت کی جو انرگی
پر کھنکھایا۔ عارقت مرزا صاحب
کی بیوی کے مہیا کیجئے۔ اکاوسی
بیگم سے شریعت اللہ کو اب
نظم حسین خاں بہادر صاحب

لازم تھا کہ دیکھو میرا رستا کوئی دن اور
تہنا گئے کیوں، اب رہو تہنا کوئی دن اور
مٹ جائیگا سر گر ترا پھر نہ گجسے کجا
ہوں وہ یہ ترے نامیہ فرسا کوئی دن اور

مستحق ہر مسرور و ادب فیض اللہ
قال اے کے صاحبزادے تھے ۔

مسئلہ میں پیدا ہوئے چوکر
آبادی بگم اور مسرور کے تعذرت

بگم گئے تھے اس سے بگم اپنے
دو دنوں بیٹوں عادت اور عیت حسن

کولے کر انگ ہو گئی ۔ عادت
خوش و خوش شاعر تھے مرزا غالب

نے انھیں بیٹا بنا لیا تھا شروع
میں وہ شاہ نصیر سے اصحاب تھے

تھے پھر غالب کی شاگردی اختیار
کرتی ۔ غالب نے غلامی میں عاقبت

کا ذکر بڑی محبت سے کیا ہے ۔
ایک جگہ فرماتے ہیں ۔

مباحث چوں دی عادت مسرور
نیش چوں دم غالب معبر

ایک مستقل قطع عادت کی مدح
میں لکھا ہے :

آل پند و عذرے عادت تمام
کر خوش شیں دور و این مست

از نشا و نگار مسش نامش
غلام دقاس در بیان مست

آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کر جاؤں

انا کہ ہمیشہ نہیں ، اچھا ۔ کوئی دن اور

جائے ہوئے کہتے ہو "قیامت کو نہیں گئے"

کیا خوب قیامت کا ہے ، گویا کوئی دن اور

ہاں ، اے ننگ پیر ! جواں تھا ابھی عادت

کیا تیرا بگم تھا جو نہ مرنا کوئی دن اور

تم باد شب چار دم تھے ، مرے گھر کے

پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشا ، کوئی دن اور

نہم کون سے تھے ایسے کھرے داؤد مست کے

کرنا ملک الموت قضا کوئی دن اور

مجھ سے تمھیں نصرت بھی نصیر سے لڑائی

بچوں کا بھی دیکھا نہ تھا کوئی دن اور

گنہ گری نہ بہر حال یہ مدت ، خوش و ناخوش

کرنا تھا جواں مرگ اگر ارا کوئی دن اور

ناماں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہیں غالب

قسمت ہیں بے مرنے کی تم کوئی دن اور

ہم نہ کلب تو خوش و غم خوشدل کال ہنایاں شرفستان منت
 پر پتیس دن کہ غیبر میں نمود اگر نظیر تو در گسبان منت
 اسے کہ میراث خواہ میں باقی
 اندر اردو کہ آن کہ ہاں منت

عادت سے صرف چھتیس چھتیس برس کی عمر میں وفات پائی ^{۱۶۶۶} عادت
 کے بیٹوں باقر علی خاں کا قتل اور حسین علی خاں شادان کو مرزا غالب نے اپنے بیٹے بنا
 لیا تھا۔ ان کا ذکر غالب کے خطوں میں جا بجا آیا ہے۔

مرغیہ یا تو عدا یہ ہے کہ اس کی مثال اردو زبان میں ملنا مشکل ہے۔

۱۔ **تشریح :** اسے عادت ! تمہارے لیے لازم تھا کہ کچھ دی اور میرا دستہ
 دیکھتے یعنی میری موت کا انتشار کرتے تاکہ میں بھی تمہارے ساتھ دوسری دنیا کو
 روانہ ہوتا، لیکن تم نے جلدی کی اور تنہا روانہ ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہی ہو سکتا ہے
 کہ کچھ دن اور تمہارا جو اہلایں ملک کہ میں مروں اور تمہارے پاس پہنچوں۔

۲۔ **وفات :** ناصیہ فرسا : ہاتھ لگانے والا۔

تشریح : میں تیرے دروازے پر یعنی تیری قبر پر کچھ دن اور ہاتھ لگائی
 اگر اس طرح تیرا چتر نہیں گھسے گا تو میرا سر یقیناً ختم ہو جائیگا، یعنی وہ چیزیں باہم
 ملا رکھائی رہیں تو ایک نہ ایک ضرور ختم ہو جائے گی۔

مرزا کا مقصود یہ ہے کہ میرے لیے اب تیری قبر سے سر لگانے کے سوا کوئی
 چارہ نہیں رہا۔ اس میں یا تیری قبر ختم ہوگئی اور وہ باقی حجاب دور ہو جائے گا جو
 تم میں اور مجھ میں مائل ہے۔ یا میرا سر مٹ جائے گا اور میں مرکز تیرے پاس پہنچ
 جاؤں گا۔

۳۔ **تشریح :** ابھی کل تو تم اس دنیا میں آئے تھے یعنی کوئی زیادہ عرصہ تو نہیں
 ہوئی تھی اور اب ہمارے کی تیار ہی کر لی اور کہتے ہو کہ آج ہی چلا جاؤں گا۔ اچھا
 یہی ! ہاں ہی منظور ہے اور جیلہ نہیں رہ سکتے تو کچھ دن تو اور ضرور۔

اس شعر میں سناٹے کا طریقہ اختیار کر دیا اور باتیں ایسی کہیں جو مصنفوں اور پیرانوں
 کی محول ہیں۔ اس سے شعر کی تاثیر بہت بڑھ گئی۔ کیونکہ بالکل فطری اور طبعی
 حالت پیدا ہو جانے سے ایسی صورت نمایاں ہو گئی، گو یا عادت سامنے بیٹھے ہیں
 دو شخصیت کا تقاضا کر رہے ہیں اور مرزا انہیں مٹانے کی تدبیروں میں سرگرم ہیں۔
 ۴۔ **مشرح :** جاتے ہوئے ہمیں ساتھ ہو کر سب قیامت کو طاقت ہوگی
 واہ ! گویا قیامت کا وہی کوئی اور ہوگا، ہمارے لیے تو تھا رہا جاتا ہی قیامت ہے۔
 ۵۔ **مشرح :** اب آسمان سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے بڑے طاقت
 خواہی جو اب تھا۔ اگر یہ کچھ دن اور نہ نہ رہتا تو شیراکیا بگڑ جاتا؟ تجھے کون سا
 نقصان پہنچ جاتا؟

۶۔ **نغمات :** ماہ شب چار دہم : چودھویں رات کا چاند۔ یعنی پورا چاند۔
مشرح : اسے مدت : تم میرے گھر کے لیے چودھویں رات کا چاند تھے
 اور تھاری ہی دیر سے اس گھر کا ذرہ ذرہ بگڑ رہا تھا، لیکن یہ بات سمجھ میں نہ آئی
 کہ اتحاد سے جاتے ہی میرے گھر میں اندھیرا کیوں چھا گیا اور روشنی کی کوئی بھی جھلک
 کیوں باقی نہ رہی؟ چودھویں کا چاند ہر شب حضورِ حضورِ اٹھتا ہے اور بیٹے کے
 آؤنگس اس کی کچھ نہ کچھ روشنی قائم رہتی ہے۔ تھاری روشنی تو رفتہ رفتہ کم ہوتی
 ایک نفلت تازی کی چھا گئی۔

عادت کو چودھویں کے چاند سے اس لیے تشبیہ دی کہ بزرگوں میں بچوں کی عادات
 کے لیے یہی تشبیہ ہوتی ہے۔ پھر اس سے مصنف نے پیدا کیا کہ روشنی رفتہ رفتہ کم ہوتی
 جا رہی تھی۔ ایک نفلت اندھیرا کیوں چھا گیا۔
 ۷۔ **نغمات :** دادوستد : لین دین۔

ملک الموت : موت کا فرشتہ
مشرح : تم لین دین کے ایسے گھر سے کیوں بن گئے کہ ادھر موت کے فرشتے
 نے آکر کہا کہ تھاری زندگی کے دن پورے ہو گئے اور تم نے ہمارے ہی تازی کی

کاش ایسا ہوتا کہ تم زندگی کا خاتمہ فوراً قبول نہ کر لیتے۔ جو لعین دین میں کھرے ہو گوں کا بیوہ ہے۔ بیکہ فرشتے کو کچھ دن اور مستند زندگی خواہے کر دینے کے لیے تقاضا کرنے دیتے۔

مرزا نے یہاں زندگی کو عام لعین دین کے طریقے پر کھالیا، جیسے کسی کے زستے قریب ہو اور قریب خواہ تقاضا کرے تو معقول مندر مذمت کر کے کچھ وقت گزار دے۔

۸۔ نکات۔ نیر: ضیاء الدین احمد خاں نیر، جو امین الدین احمد خاں خاں لویارہ کے چھوٹے بھائی، بیگم غالب کے برادر عم زاد اور فارسی میں مرزا کے تلمیذ تھے۔

شرح: پہلے مصرع کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ عادت کو غالب سے نفرت تھی یا نیر سے ان کی لڑائی ہو گئی تھی۔ یہ محض دوسرے مصرع کے لیے ایک مناسب حال گنناوش پیدا کی گئی ہے۔ یعنی اگر وہ زمین محال مان بھی لیا جائے کہ مجھ سے تمہیں نفرت تھی اس لیے تم کوڑ کر چل دیے یا نیر سے تمہاری لڑائی ہو گئی تھی لہذا اس سے دور چلے جانے کی تدبیر کر لی۔ ان انہونی باتوں کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو کم سے کم تمہارے چھوٹے چھوٹے معلوم بچوں کا تو کوئی گناہ تھا۔ نہ ان سے نفرت ہو سکتی تھی نہ لڑائی کا کوئی امکان تھا۔ پھر ان کا تمہارا کوئی دن اور کیوں نہ دیکھا۔

۹۔ شرح: تم نے اس دنیا میں بڑے پہلے چیتیں مانی تو گزار دیے۔ ان میں خوشی کے ہوتے بھی آئے اور غم کے بھی۔ اسے جو انی میں موت کا داغ دے جانے لگے اسی طرح کچھ دن اور گزار کر لینا تھا۔

۱۰۔ شرح: جو لوگ کہتے ہیں کہ اسے غالب: اب تک کیوں ہی ہے ہر روز اتنا بڑا اندر نہ چلی آیا ۱۰ اسے برداشت کر لیا اور مر نہ گئے، یہ لڑائی اور نا اچھی کی بات ہے۔ میری قسمت یہی ہے یہ لکھا ہے کہ کچھ دن اور مرنے کی تمنا کروں۔

صدمہ پیشک پرواشت کریں، لیکن زندگی میں کوئی لطف باقی نہ رہا۔ جتنی
جی رہ گئی، صرف اس سے رہ گئی کہ موت کی آقا کرتے ہیں۔



۱۔ لغات : جیب : گریبان
شہر : یہیں مرجانے کے
بعد بھی عشق کے معاملات سے
مراعت نہ پاسکا، جو مشغول نہیں
زندگی میں جاری نہیں رہا، مرجانے
کے بعد بھی جاری رہا، میں : آپ
نے صبح کو سورج نکلنے کو دیکھا
ہوگا، جس طرح سورج کو صبح
سے خاص مناسبت ہے، اور
ایک دوسرے کے بغیر دواں کا تصور ہو نہیں سکتا، نیز جس طرح سورج سے
صبح کے لیے ذیبت حاصل ہے، اسی طرح اب تک میرے کفن کے گریبان
کی ذیبت عشق کا داغ ہے۔

مطلب : کہ زندگی ختم ہو جانے کے بعد بھی داغ عشق بہ ستور روشنی و
سینہ تاب ہے۔

قابریل : کہ صبح کو بہ طالع سفیدی کفن سے اور سورج کو بہ اعتبار بزرگداشت و
داغ عشق سے نشیب دی گئی ہے اور یہ پہلو بہ طور خاص پیش نظر رکھنا چاہیے کہ صبح
کے ساتھ سورج کو کبھی منقطع نہ ہونے والا رابطہ ہے، وہی کفن کے ساتھ داغ
عشق کو ہے۔

۲۔ لغات : نہ راز دست رفتہ : تقدیر سے گیا ہزاراں، کھوئی
موتی دولت ۔

گلِ فردوس : پہلی بیچنے والا۔

داغِ کھن : عشق کا پرانا داغ۔

مشرح : قاعدہ ہے کہ جو دولت مند لوگ غریب بیوجانیں اور ان کا مال ہاتھ سے نکل جائے تو وہ ہمیشہ اس کھوئی ہوئی دولت پر غور و تازہ کیا کرتے ہیں کہ میر کسی زمانے میں ایسے تھے، ایسے تھے اور ایسے تھے، وہی کیفیت میری ہے، میرا بھی اب تک عشق و محبت کے پرانے داغوں کی آبِ آسپ اور چمک دکھ کے پھول بچے رہا ہوں یعنی میرا تازہ و نضر بھی محبت کے پرانے داغوں پر ہے۔

دیکھیے شاعر کا کمال کہ ہاتھ سے گئے جوئے مال کی تشبیہ پیش نظر رکھتے ہوئے داغِ کھن کی گھڑوشی نہ کیا، بلکہ شوخی داغِ کھن کی گھڑوشی کیا، یعنی محبت کے داغِ پھولوں کی صورت میں ہمیں بچتا بلکہ ان کی شوخی سچ رہا ہے کیونکہ داغِ تازہ از دست رفتہ ہو گئے۔

سم۔ لغات۔ خمیازہ کھینچنا : اگلا نمایا لینا۔

مبت پیدا و فن : وہ محبوب، جس کا عام طریقہ اور شیوہ ظلم و جور ہو، یعنی جس نے ظلم و جور کے فن میں کمال حاصل کر لیا ہو۔

خاک بھی نہیں : اس کے ایک معنی عام ہیں، دوسرے معنی عمارت کے ہیں، دونوں یہاں ٹھیک ٹھیک چسپاں ہوتے ہیں۔

مشرح : میرے جگر کے شراب خاتے میں خون کی شراب تو رہی ایک عورت، سنی میں موجود نہیں یا یہ سمجھ لیجئے کہ کچھ بھی نہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ میرا ظلم و سنگدلی محبوب اگلا نمایاں رہا ہے اور اس پر غماز عادی ہے۔ کیونکہ میرے جگر کے سینا خاتے سے خون کی شراب پینے کا وہ عادی تھا۔ اب وہاں کچھ نہیں رہا تو اس پر نشے کے آثار کی حالت عادی ہو گئی۔

صاف مطلب : یہ ہے کہ میرا محبوب جس ظلم و ستم کا عادی ہے، اس کا پورا ہونا تو اب مشکل ہے۔ کیونکہ مجھ میں اب اتنی ہی طاقت ہی نہیں رہی کہ ظلم و ستم کا ساقی بن جاؤں۔

تاب و تڑاں ختم ہو گئی، لیکن اس کی بیدارگری کے جوش میں اب تک کوئی فرق نہیں آیا۔

○

شریف مطلب مشکل نہیں فنون نیاز :

حل کرنے والا سہو دینے والا،
معاذیہ و رفیق۔

مطلب مشکل : کوئی مشکل
کام جو آڑے۔

فنون نیاز : مجروح نیاز
کا منتر۔

عمر خضر و نیاز : خضر کی عمر
بھی ہو، یہ عمارت ایسے موقع
پر جڑے ہیں، جب کوئی چیز
پہلے ہی سے موجود ہو۔

مشرع : خواہجہ عالی
دہاتے ہیں :

”چونکہ خیال وسیع تھا اور
مضمون مبالغہ میں بند ہونے کا حقیقہ

شریف مطلب مشکل نہیں فنون نیاز :

و عاقول جو یارب ! کہ عمر خضر و نیاز :

نہ ہو بہم برزہ، جیسا باں نور و ہم وجود

ہمنوز تیرے تصور میں ہے نشیب و فراز

وصال، جلوہ تماشا ہے، پر دریاغ کہاں

کہہ دیجئے آئینہ انتظار کو پرواز

ہر ایک قد و عاشق ہے آفتاب پرست

گنتی نہ خاک ہو سے پر جو اسے جلوہ نماز

نہ پوچھو سعادت کے خاتمہ جنوں، غالب

جہاں پر کاسہ گردوں ہے ایک خاک انداز

تھا اس لیے پہلا مصرع اور دوسرا مرثیہ سے کسی قدر تعبیر ہو گیا ہے

مگر بالکل ایک نئی شونہی ہے، جو شاید کسی کو نہ سوجھی ہوگی، کہتا ہے

کہ کسی مشکل مقصد کے حاصل ہونے میں تو مجروح نیاز کا منتر کچھ کام

نہیں دیتا، لہذا اب میں دہاؤں گیس گے کہ الٹی ! خضر کی عمر و نیاز جو

یعنی ایسی چیز طلب کریں گے۔ جو پہلے ہی وہی جا چکی ہو :

شعر سے ظاہر ہے کہ شاعر کے نزدیک عجز و نیاز کے سوا مقصد حاصل کر سنے کی کوئی صورت نہیں۔ لہذا وہ کہتا ہے کہ عجز و نیاز کا بار دو تو کسی مشکل کام کے بار سے ہونے میں مساوی نہیں بن سکتا۔ اس سے تو کوئی الجھا ہوا کام سلیج نہیں سکتا اور کوئی پیچیدہ عقدہ حل نہیں ہو سکتا اور ہمارے پاس عجز و نیاز کے سوا کوئی تدبیر بھی نہیں۔ ہذا بارگاہِ باری تعالیٰ میں التجا کرتے ہیں اور التجا ذاتِ خود عجز و نیاز کی ایک شکل ہے کہ عنصر کی عمر لمبی ہو اور یہ التجا پہلے ہی سے پوری ہو چکی ہے۔

۲۔ لغات۔ یہ ہرزہ : بیہودہ طریق پر، فضول۔

بیابانِ نوردو : صحرا و بیابان میں پھرنے والا۔

تشریح : تجھے وجود کے سلسلے میں وہم و گمان کی مانگ نہ چھانی چاہیے جس سے کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔ اگر تو ایسا کرتا چاہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تیرے تصور میں ایسی ننگ اور بچے بچی باقی ہے۔

وجود کے سلسلے میں اوہام کا شکاں ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ اولیٰ یہ کہ خود وجود کے مراتب مستحکم نہ ہوں، یعنی اس کا سب سے اونچا مرتبہ وجوب کا ہے اور سب سے نیچا امکان کا۔ یہی اونچے نیچے ہے اور ظاہر ہے کہ جس راستے میں اونچے نیچے ہوا، دوسرے کے لیے پریشانی اور مصیبت کا باعث ہوتا ہے۔

دہر و چلے ہے راہ کو مجبور دیکھ کر

دوسری صورت یہ ہے کہ خود وجود حقیقی کے سوا کسی دوسرے وجود کو تسلیم کیا جائے۔ دوسری صورت کا عقیدہ رکھنے والوں کے نزدیک یہ بھی وہم و گمان ہی کے بیابان کی مانگ چھاننا ہے۔ اسے بھی اونچے نیچے کے تصور کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ انسان کی طبیعت افراد و مفرط سے پاک ہو کر اعتدالی و توازن پر آہٹے تو اس قسم کے اوہام کا ماتم ہو جائے گا۔ صرف ایک ہی وجود باقی رہ جائے گا۔ خود وجود حقیقی سے باقی سب محض جانیں گے، جن کی اپنی کوئی حیثیت نہیں اور صرف وہم کی نگاہ میں ہیں۔

اسی طرح نشیب و فراز ختم ہو گا اور یہی مغربی اعتدال و توازن کی روشنی دلیل ہے۔
 ۳۔ لغات - جلوہ تماشا : حسن کا تماشا دکھانے والا۔ وہ حسن جو دیکھے
 جانے کے قابل ہے۔

پر خاند : میل، میل، آرائش۔

تشریح : یقیناً محبوب کا وصال حسن کے بلوے دکھانے والا ہے، یعنی وصال
 ہی جس حسن سے بہرہ ور ہونے کا پورا موقع ملے گا۔ یہ درست ہے، لیکن ہماری
 طبیعت کب برداشت کر سکتی ہے کہ انتظار کے آنیے کو صیقل کرتے اور چلا دیتے ہیں
 مطلب یہ کہ وصال کنسی ہی عموماً جوں کا موثر ہو۔ مگر ہم میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ
 درجہ ہی مت تک انتظار کرتے ہیں۔

۴۔ لغات - آفتاب پرست : سورج کو پوجنے والا۔

تشریح : عاشق کی ناک کا ذوق قدوہ ستورہ سورج کو پوج رہا ہے۔ دیکھیے
 خاک ہونے اور مر جانے پر بھی جلوۂ ناز کا شوق ذال نہ ہوا۔

ذہن کے آفتاب پرست ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بہر ذوق وجود حقیقی پر متوجہ
 ہے۔ اسی سے چمک دکھ حاصل کرتا ہے اور اسی میں مل جانے کا آرزو مند ہے۔

۵۔ لغات - کاسہ گروں : آسمان کا کاسہ۔

خاک انداز : وہ ظرف ہیں میں غرض کی صفائی کے بعد کوڑا کرکٹ ڈال کر
 باہر پھینکتے ہیں۔

تشریح : اسے غائب اجنوں کے شراب خانے کی دعوت و کشادگی کا حال
 کی ذرا محسوس ہو رہا ہے کہ یہ آسمان جو ایک مافر فاعرف ہے اس میں کتنے ہیں
 صحت اتنی حیثیت رکھتا ہے کہ اس میں کوڑا کرکٹ ڈال کر باہر پھینک دیتے ہیں۔

مودعا جاتی وہ مست فرماتے ہیں کہ آسمان کو مٹی یا کوڑا کرکٹ لٹال کر باہر
 پھینکے گا آرزو مند سے مستعد یہ ہے کہ وہ نہایت صغیر چیز ہے۔

کاسہ گروں میں اعتبار سے کہ کوڑا کرکٹ کو ٹھیک ہے، خاک انداز کی

طرح خاک سے جھرا ہوا ہے۔ غرض یہ کہ ان بیٹوں میں کاسہ گروہوں کی
اتنی بھی وقعت نہیں کہ کاسہ اپنے شراب میں اس کا شمار ہو، بلکہ خاک
انداز ہے۔ ایک کا لفظ لودہ میں تکمیر کے لیے جوتا ہے، یہاں تکمیر
سے تفریق مقصود ہے کہ تکمیر کے ایک معنی یہ بھی ہیں۔

اب غور فرمائیے، جس میں خاک جنوں میں آسمان کو خاک انداز کی حیثیت حاصل
ہے، اس کی وسعت کا اندازہ کون کر سکتا ہے اور آسمان کو اس اعتبار سے بھی خاک انداز
کہ بہت موزوں ہے کہ زمین جو سراسر خاک ہے، بلا سراسر غرت میں پڑی ہوئی معلوم
ہوتی ہے۔



۱۔ لغات : وسعت
سچی گرم : سخاوت و بخشش
گزرے ہے آباد پا : اب رہ گئے دربارہ منور
ایک قلم کاغذ آتش زدہ ہے صفحہ دشت
نقش پا میں ہے تب گرمی رفتار منور
سرے تک : سرے سے ایک سرے سے دور

آباد پا : جس کے پاؤں میں چھپے ہوں۔ یہ معنائیں زیادہ چٹنے سے پیدا ہو سکتی
اب رہ گئے دربارہ : موقوف برسانے والا ہوا۔
شترج : خدمت کے صفت و فرائض کی وسعت دیکھو کہ دوست درج کے کیا
سرے سے دور سے سرے تک : ہاں ایک موقوف برسانہ ہے، اگرچہ مسلسل ہے
چٹے اس کے پاؤں میں چھپے پڑ گئے ہیں۔

مضبوط : کہ خدا کے کریم کی بخشش و فرائض کی کوئی حد نہیں۔ وہ اپنی رحمت
سے ہاں، افاقا ہے اور نہ ہی کو بادشاہ سے کیسے سبز و زار چاہتا ہے۔
پانی کے قطرہ کو پہلے کوئیوں سے تشبہ دی جیسی جو قطرے برکتے ہیں، ان کی

موتیوں کی ہے، کیونکہ جہاں جہاں برستے چلتے ہیں، اسی کا واسطہ دھرت کے موتیوں سے
بہرتے جاتے ہیں۔ پھر سعی و کوشش اور لگن و دو کے پیش نظر انھیں قطروں کو پائلوں کے
جھاووں سے تشبیہ دیا ہے۔ لیکن اگرچہ زمین کو کھسے کی کوشش میں پائلوں کو لگن و دو
کرنی پڑتی ہے، جس سے اس کے پائوں میں عیاضے پڑ گئے ہیں، تاہم باری تعالیٰ کی رحمت
کا فیض پرستہ بہر حال ہر خطے کے لیے جاری ہے۔

۲۔ **تشریح :** دشت و بیابان کا پورا ماحول کھسے اس کا نڈ کی شکل اختیار کیے
ہونے سے سجھ آگ لگ گئی ہوگا۔ نڈ آتش زدہ کی کیفیت تفصیل کے ساتھ پہلے پیش
کی جا چکی ہے اور آگ لگنے سے جو منظر پیدا ہوتا ہے، وہ بھی بیان کیا جا چکا ہے۔
اسے پیش نظر رکھیے اور غور فرمائیے کہ پائوں کے نقش میں اب تک تیز رفتاری کی
حرارت باقی ہے۔

مطلب کہ امتیازی تیز رفتاری سے میں بیابان میں پھر نکلا، تیز رفتاری کو یہ عالم
تھا کہ جہاں جہاں پائوں کے نقش پڑے، ان میں اب تک اتنی حرارت باقی ہے کہ ان
سے جنگلیاں ابھر رہی ہیں۔ گویا پورا بیابان آتش زدہ کا نڈ کی طرح شعلہ زار بن گیا ہے۔
تھم کا نڈ اور ماحول کی مناسبت میں بے تشریح نہیں، اسی طرح گرمی و حرارت میں حرارت
نقل یا کہ اندر محفوظ ہونے کے باعث پورے دشت کو کا نڈ آتش زدہ سے تشبیہ
دینا انتہائی گہرا ہے اور ایسی تشبیہات پڑے پڑے شعراء کے دیوانوں میں بھی نہیں ملتیں۔

○
کیوں کر اس ثبوت سے دیکھوں جان عزیز
کی نہیں ہے مجھے ایمان عزیز

دل سے نکلا، پھر نہ بکھرا دل سے
جسے قہر سے تیر کا پیکان، عزیز

تاب کھائے ہی بنے گی غائب !
واقعہ سمجھتے ہو اور جان عزیز

۱۔ **تشریح :** خواہہ حال فرماتے ہیں :

اس کے کلام پر یہ معنی تو یہ ہیں کہ اگر اس سے جان عزیز دیکھوں گا تو

وہ ایمان لئے لے گا اس سے جان کو عزیز نہیں رکھتا اور وہ سرست

لطیف معنی ہے میں کہ اس بہت پر جان قربان کرنا تو میں ایمان سے بچر

اس سے جان کیونکر عزیز رکھی جاسکتی ہے ؟

گویا یہ شعر غالب کے ان اشعار میں سے ہے جنہیں خواجہ حاتمی پہلو دار کہتے ہیں کہ ہادی انظر میں کچھ اور معنی مفہوم ہوتے ہیں مگر غزل کرنے کے بعد ایک دوسرے معنی نہایت لطیف پیدا ہوتے ہیں جن سے وہ لوگ لطف نہیں اٹھا سکتے جو ظاہری معنی پر توجہ کرتے ہیں۔

۲۔ شعر : یہ شیک ہے کہ تیرے تیر کا پیکان دل سے نکل گیا۔ مگر اس کی لذت اب تک دل میں دستور باقی ہے اس سے دل اس کی یاد سے معمور ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے تیرا پیکان اس قدر عزیز ہے کہ دل سے نکل جانے کے باوجود وہ نہیں نکلا۔

۳۔ شعر : اسے غالب جو مادر پیش آگیا ہے وہ بہت سخت ہے۔ اتنا سخت ہے کہ جی چاہتا ہے سر جانیں مگر جان بھی عزیز ہے اس سے بچھڑ کر اس سے بڑے گا اور مادے کو برداشت کیے بغیر چاہے نہیں۔

نئے گل نغمہ ہوں نہ پردہ ساز میں ہوں اپنی شکست کی آواز
تو اور آرائشِ غم کا گل میں اور اندیشہ ہائے دور و دراز
لاب تمکین فریب سا وہ ولی ہم ہیں اور راز ہائے سینہ گداز
ہوں گرفتارِ الفتِ دنیا و دورہ باقی ہے طاقتِ پرواز
وہ بھی دن ہو کہ اُس قسم گر سے تازہ کھینچوں بھائے حسرتِ ناز
نہیں دل میں مرے وہ قطرہ خوں جس سے مرزاں ہوئی نہ ہو گل باز

اسے ترا غمزدہ، یک قلم انگیز؟ اسے ترا غلم، مصر مصر انداز
 تر جوا بلوہ گر، مبارک ہو: ریزش سجدہ حبیب نیا ز
 محبہ کو پوچھا تو کچھ غصہ نہ ہوا میں غریب اور تو غریب نواز
 استاد شہنشاہ تمام ہوا اسے درینا! وہ دینو شاید باز
 ۱۔ شرح : میں نہ تو غم نہ کچھول چوں نہ ساز کا پردہ، صورت اپنی شکست
 کی آواز ہوں۔

غم کے بھول دیاں برستے ہیں، جہاں ہمیشہ راحت کی مجلسیں گرم ہوں کیونکہ
 وہیں غم گائے جاتے ہیں، وہیں ساز کے پردوں سے دلاویز ترانے نکلتے ہیں۔ میں
 سراپا درد ہوں، مصیبت کا مارا ہوا ہوں اور اپنی برادری و پرانی کا قہر نہ پایا
 سے سنا ہوں، میں طرح کسی شے کے ٹوٹنے وقت اس میں سے آواز نکلتی ہے۔

۲۔ شرح : اسے محبوب اور اپنی زبانوں کے بیچ دھم سنوائے میں مصروف
 ہے، تجھے عاشق کی پریشانیوں اور مصیبتوں کا خیال کب آ سکتا ہے؟ میں ایسے
 افکار میں الجھا ہوا ہوں، جن کا سلسلہ بہت گورنگ پھیلا ہوا ہے۔

وہ افکار کیا ہیں؟ شاعر نے واضح نہ کیے، غالباً اس لیے کہ ہر شخص اپنے
 احوال کے مطابق ان کی تعبیر کرے، مثلاً مولانا حسرت موہانی کی رائے میں ایک
 اندیشہ یہ ہو سکتا ہے، محبوب نے زبانوں کے بیچ دھم کی گرائش اس لیے مزہری
 سمجھی کہ عاشق کو اس گرائش کے ذریعے سے دھاکے، شے میں جکڑا رکھتے۔ گویا اسے
 جگہ فی جگہ ہو گئی کہ شاید عاشق کو مجھ سے پہلے کسی ہی محبت نہیں رہی، عاشق اس
 جگہ کی کو اپنے عشق کے لیے باعث ننگ سمجھتا ہے، جہاں جہاں کے ترونگ اس
 آرائش سے محبوب کا مصعب ہے کہ دیکھیے، اب کون کون عاشق ہے، عاشق کے
 لیے ایک اندیشہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس طرح دو مردوں کو بناؤ سنگار دکھانا مفقود

ہے۔ غرض ان دور دورہ اندیشوں کی کوئی مدد و حمایت نہیں اور یہی شاعر کا کمال ہے کہ بتایا کچھ نہیں، مگر وہ سب کچھ بتا گیا، جو خیال میں آ سکتا ہے۔

۳۔ لغات - تمکین : دکار۔ شان ضبط۔

سینہ گداز : سینے کو گداز دینے والا۔

شرح : عشق میں صبر و ضبط کی ڈبگیں مارنا سادہ لوحی کا ایک فریب ہے۔ یعنی انسان سادہ لوحی سے اس قسم کے دھوکوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، لیکن عاشق کے سینے میں ایسے راز ایسے عجیب ہوتے ہیں، جو سینہ گداز کر دیکھ دیتے ہیں، کون ہے جو ان حالات میں صبر و ضبط کا دعویٰ کر سکے اور سادہ لوحی سے اس فریب میں مبتلا ہو جائے ؟

۴۔ شرح : مجھے ستیا کی الفت نے گرفتار کر رکھا ہے، نہ سمجھنا چاہیے کہ میرے بازوؤں میں اڑنے کی طاقت موجود نہیں، میں اڑ سکتا ہوں، لیکن ستیا کی الفت نے مجھے قید کر رکھا ہے۔

شعر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ دنیوی تعلقات میں الجھے رہنا صرف دنیا سے محبت کا نتیجہ ہے، اور نہ انسان چاہے تو یہ تمام بندھن توڑ کر اڑاؤ ہو سکتا ہے، یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اس میں ان بندھنوں کے توڑنے کی قوت موجود نہیں۔

۵۔ شرح : الٹی لاکٹ وہ دن جس آجائے کہ میں اپنے سنگر محبوب کے بازو انداز سے بہرہ حاصل کروں، ابھی تک صرف انداز انداز کی حسرت کا شکار رہتا ہوں۔

۶۔ لغات - گلہ باز : پھوٹوں سے کھیلنے والا۔

شرح : میرے دل میں غم کا ایک بھی قطرہ ایسا نہیں، جس سے میری چٹکوں نے پھولوں کی ہول نہ کھلی ہو۔ یعنی دل میں جو بھی قطرہ غم تھا، وہ آنگھٹوں میں پھینکا اور چٹکوں نے پھول سمجھ کر اس سے کھیلنا شروع کر دیا۔

دشکب خوانین کو گلہ بازی سے تشبیہ دی گئی ہے۔

۷۔ لغات۔ انگیز : اٹھانے والا۔ ہدایت برانگیز کرنے والا۔

شرح : اسے محبوب ایترا ہر جلوہ سرا سر جذبات برانگیز کرنے والا ہے اور ایترا ہر ظلم میں ناز و انداز ہے۔

۸۔ لغات۔ ریزش : گرنا۔

شرح : تو نے اپنا جلوہ دکھایا۔ اس پر نیا زندگی کی پیشانی کا سجدے میں گر جانا مبارک ہو۔

۹۔ شرح : اسے محبوب اگر تو نے میرا حال پوچھ دیا تو کچھ برا نہ ہوا۔ میری غریب ہوں اور تو غریبوں پر لطف و نوازش کرنے والا ہے۔

۱۰۔ شرح : اسد اللہ خاں اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کی زندگی ہی تھے پہنچ گئی۔ آہ ! انوس دو دو بندہ جو حیثیت سے محبت رکھتا تھا جس کا شیوہ حسن پرستی تھا۔ ایسا کون ہے جو اس کی جگہ لے سکے ؟

اسد کی جگہ پر دائم استقامت کیا۔ شاید کہا جائے ہے تلفظ شرحی آگیا تھا۔ حقیقت یہ نہیں۔ مرزا غالب کے شعروں کو اس طرح نہ دیکھنا چاہیے۔ یہاں اسد اللہ خاں ہیں جو تھا محنت۔ بزرگی اور ہندی مرتبہ نمایاں ہے وہ نسا اسد میں وجود نہیں اور یہاں رخصت ہوئے باقی تمام ہونے والے وجود کی ملنا مست نمایاں کرنا ضروری شعر کا عامی پہلو ہے۔ امکان اس طرح دوسری جگہ کہا گیا :

ابا زمانے نے اسد اللہ خاں تمہیں

دو دو کے کہاں دو دو جو انی کھڑ گئی



مثنوی۔ اسے فوق اسیری اکہ نظر آتا ہے ۱۔ شرح : اس شعر کے

دوسرے مصرع میں شکایتیں

کی ایک رسم کا ذکر ہے۔

دائم خالی قفس مرغ گرفتار کے پاس

تھوڑی سی تفصیل کا محتاج

ہے۔ عام طریقہ یہ ہے کہ

شکار کے لیے جاتے وقت

جس جانور کا شکار منظور ہو

اس کے ایک یا ایک سے

زیادہ ہمبھائیوں کو بچروں میں

ڈال کر ساتھ لے جاتے ہیں

جان بھیجا کر قریب ہی ہانڈیا

کے پتھر سے رک دیتے ہیں۔

وہ بونا شروع کرتے ہیں تو

منسل یا جنگل سے دوسرے

پرندے آواز سن کر آجاتے

ہیں اور اس طرح جان میں

پھنس جاتے ہیں۔ دوسرے

جانوروں کے شکار کے طور

بٹیروں کے شکار کے لیے

اب تک یہ طریقہ رائج ہے

پالتو بٹیروں کو سدھالیا جاتا

ہے۔ جب ان کے بچرے ایک نصب کردہ بانس میں شکار دیے جاتے ہیں تو وہ بونا

شروع کر دیتے ہیں۔ یہاں جہاں تک ان کی آواز جاتی ہے، بٹیرین اڑ اڑ کر آتی ہیں

اور جان میں پھنس جاتی ہیں۔

جگہ نشہ آزار، تسل نہ ہوا

جوئے خون ہم نے بہانی بنی بزم خمار کے پاس

منہ گیتیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں نہ ہے

خوب وقت آئے تم اس عاشق جیاد کے پاس

میں بھی رک رک کے نہ مڑتا، جو زباں کے ٹپنے

دشمن اک تیز سا ہوتا، امرے غمخوار کے پاس

وہن شیر میں جا بیٹھے، لیکن اسے دل!

نہ کھڑے ہو جیے خوبان دل آزار کے پاس

دیکھ کر تجھ کو، چمن بسک نہو کرتا ہے

خود بخود پہنچے ہے گل، گوشتہ ستار کے پاس

مر گیا پھوڑ کے سر غائب وحشی نہ ہے

بیٹھنا اُس کا وہ آکر تری ولولہ کے پاس

ہے۔ جب ان کے بچرے ایک نصب کردہ بانس میں شکار دیے جاتے ہیں تو وہ بونا

شروع کر دیتے ہیں۔ یہاں جہاں تک ان کی آواز جاتی ہے، بٹیرین اڑ اڑ کر آتی ہیں

اور جان میں پھنس جاتی ہیں۔

شرح : اسے اسیری کے ذوق! تجھے غمخواری ہو، کیونکہ تیرے سامنے

یہ منظر مدعا ہے۔ جان بھیجا جاتا ہے، مگر غامی ہے، اس میں کوئی پرندہ ابھی تک نہیں

ہے۔ جب ان کے بچرے ایک نصب کردہ بانس میں شکار دیے جاتے ہیں تو وہ بونا

شروع کر دیتے ہیں۔ یہاں جہاں تک ان کی آواز جاتی ہے، بٹیرین اڑ اڑ کر آتی ہیں

اور جان میں پھنس جاتی ہیں۔

شرح : اسے اسیری کے ذوق! تجھے غمخواری ہو، کیونکہ تیرے سامنے

یہ منظر مدعا ہے۔ جان بھیجا جاتا ہے، مگر غامی ہے، اس میں کوئی پرندہ ابھی تک نہیں

پھنسا۔ پاس ہی پہلے سے کپڑے جوئے پر غصے کا ہتھوڑا پڑا ہے۔ وہ سب کو
قید و بند کی دعوت دے رہا ہے، گویا تیرے لیے تسکین کا پورا سامان موجود ہے
تو بھی تنہا پوری کر لے۔

اگر دام خالی نہ ہوتا تو ذوق اسیری کی تسکین کا معاملہ مشتبہ رہ جاتا، کیونکہ
نہیں ہے پہلے اتنے پر غصے جنس چکے ہوتے کہ کسی نئے شائق اسیری کے لیے
گنجائش ہی نہ رہتی، اس لیے دام کے خالی ہونے کا پہلو بدھوہ خاص پیش نظر
لایا گیا۔

۱۰۔ **نجات**۔ جگر تشنہ آ کر اور وہ جگر جو ڈکھ سنے اور اذیت برداشت
کرنے کا پیاسا ہو۔

نہ ہر خار : ہر خار دار جھاڑی کی جز

شرح : ہمارا جگر اذیت اور تکلیف کا اتنا پیاسا تھا کہ کانٹوں والی ہر
جھاڑی کی بڑی بیخون کی ندی بہا رہی، لیکن جگر کی تسلی نہ ہوئی، اس کے ذوق
اذیت کی تسکین کا سامان بہم نہ پہنچ سکا۔

خوار تر پائے کہ میں جگر کے ذوق اذیت کی تسکین کے لیے کانٹوں والی ایک ایک
جھاڑی کی جز میں لو کہ ندی بہا رہی گئی، پھر بھی اس کی تسلی نہ ہوئی اس کا
ذوق کس پیاسے پر پہنچا ہوا ہو گا؟

شاعر کا ہمتا یہ نہیں کہ جہاں کانٹوں والی کوئی جھاڑی دیکھیں، وہیں خون بہا
شرع کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ کانٹوں والی ہر جھاڑی میں الجھ الجھ کر کانٹے سم
میں پیچھ پیچھ اور زخموں سے اتنا خون بہایا کہ ندی بہا رہی ہو گئی۔

۱۱۔ **شرح** : شعر کے پہلے مصرع کی شرح پیشتر میں ہو چکی ہے، یہی
دعوت آتا ہو چکا تھا کہ نظارہ محبوب کے لیے آنکھیں کھولنے کی جتنی بھی کوشش
کی گئی، کامیاب نہ ہوئی اور آنکھیں بند ہو گئیں، جان جسم سے مدارقت کر گئی،
دیکھنے محبوب اپنے بیمار عاشق کے پاس کیسے دقت میں آیا، اس نے اتنا کرم فرمایا

لیکن ایسے وقت پر جب اس کے کرم سے عاشق کوئی فائدہ نہ اٹھا سکتا تھا۔

۴۔ **مشرح :** غم کھانے والے دوست نے صبح آخری وقت میں لعنت
جاست شروع کر دی، طے لے دیے اساتذہ سابقہ نصیحت بھی کی کہ تمہیں اپنے آپ
کو عشق میں اس طرح براہ راست کرنا چاہیے تھا اور میری جانی رک رک کر نعلنی رہی
آہ، کاش غمخوار کے پاس زبان کی تیزی کے بجائے ایک تیز خنجر ہوتا، جو اس کا
اور میں رک رک کر مرنے کے بجائے فورا ختم ہو جاتا۔

غائب کا مقصد یہ ظاہر کرتا ہے، غمخوار کی نصیحتیں یا طامتیں اس قدر دل انگیز
ہوتی ہیں کہ کسی کا تیز خنجر نہ کر شرم کر دینا بھی اس سے ہر جا بہتر نظر آتا ہے۔
۵۔ **مشرح :** اسے دل اُن حسینوں کے پاس نہ بیٹھنا چاہیے، جو ہر وقت
عاشقوں کو ستانے کے واسطے رہتے ہیں، اس سے کہیں بہتر ہے کہ انسان شیر کے
منہ میں جا بیٹھے۔

مطلب یہ ہے کہ شیر کے منہ میں جا بیٹھنے سے فوری موت واقع ہوگی اور
حسینوں سے دل لگانے کا نتیجہ ہوگا کہ وہ آہستہ آہستہ دکھ چنپا پیٹھا کر موت کے
گھاٹ اتار دیں گے۔

۶۔ **لغات :** نو کرنا : بڑھانا، بالیدہ ہونا۔

مشرح : اسے محبوب : تجھے دیکھ کر چمن میں اس قدر بالیدگی پیدا ہوتی
ہے، ہر چیز اس طرح بڑھنے لگتی ہے، کہ چھوٹا خود بخود بڑھتا ہے، گوشے کے پاس
پہنچ جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ گوشہ و ستار چھوٹوں کے پردوں سے بہت اونچا ہوتا ہے۔ جب
کسک چنچ میں غیر معمولی بالیدگی اور نو پیدا ہو، چھوٹا گوشہ و ستار تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔

۷۔ **مشرح :** دیوانہ غائب سر بھونڈ کر مر گیا ہے ہے بڑا انسان ہے !
وہ ہر روز آکر تیری دیوار کے پاس بیٹھا کرتا تھا۔ اُس کا وہ بیٹھنا اب یاد آ رہا ہے۔
مردانہ لطافت نے اس کو سما کر لیا ہے کہ شعر میں خبر سے زیادہ انشائلیت

پیدا کرتا ہے۔ میں وہ ہے کہ عشاق شاعر خیر کو بھی انشاء دیتا ہے۔ مثلاً اگر کہا
 جاتا کہ وہ تیری دیوار کے پاس آکر بیٹھتا تھا۔ تو یہ خیر جوتی، لیکن موجود صورت
 میں مجدد انشاء یہ بن گیا۔ پھر لفظ "وہ" سے اشارہ اس طرف ہے کہ جس محبوب سے
 خطاب ہے، وہ اس واقعے سے بے خبر ہے اور "وہ" کہہ کر اسے غائب و یوازہ
 کا شیوہ یاد دلایا گیا ہے۔ لفظ "آکر" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس دیوانے
 کا دستور یہ تھا، جن جن اوقات میں اسے جہاں محبوب دیکھنے یا آواز محبوب
 سننے کی امید ہوتی تھی، اس کی دیوار کے پاس آ بیٹھتا تھا۔ اگر "آکر" اس صرح
 میں نہ ہوتا تو لفظ اس کے بیٹھے رہنے کا واقعہ ضرور تازہ ہو جاتا، مگر غائب
 و یوازہ کا آکر بیٹھنا پیش نظر نہ آتا اور شعر کا حسن کم ہو جاتا، کیونکہ آکر بیٹھنا ایک
 حرکت اور ایک اداسی، محض بیٹھے رہنا سکون و طمانیت ہے اور دونوں کا
 فرق ظاہر ہے۔



۱۔ یوں گھر میں جو ہر طراوت سبز خط سے
 لگا دے غار آئینہ میں رو سے نگار آتش
 فردخ حسن سے ہوتی ہے جل مشکل عاشق
 نہ لکھے شمع کے پاس لگا دے گرنہ نثار آتش
 شاعر نے جو ہر طراوت سبز خط سے لگا دے غار آئینہ میں رو سے نگار آتش
 فردخ حسن سے ہوتی ہے جل مشکل عاشق نہ لکھے شمع کے پاس لگا دے گرنہ نثار آتش
 شاعر نے جو ہر طراوت سبز خط سے لگا دے غار آئینہ میں رو سے نگار آتش
 فردخ حسن سے ہوتی ہے جل مشکل عاشق نہ لکھے شمع کے پاس لگا دے گرنہ نثار آتش

شاعر نے جو ہر طراوت سبز خط سے لگا دے غار آئینہ میں رو سے نگار آتش
 فردخ حسن سے ہوتی ہے جل مشکل عاشق نہ لکھے شمع کے پاس لگا دے گرنہ نثار آتش

شعر ۲ : محبوب آئینہ دیکھ رہا ہے۔ شاعر کو معانی خیال آیا کہ ایسے
 شاعر نے جو ہر طراوت سبز خط سے لگا دے غار آئینہ میں رو سے نگار آتش
 فردخ حسن سے ہوتی ہے جل مشکل عاشق نہ لکھے شمع کے پاس لگا دے گرنہ نثار آتش

نہیں پکڑتے کہ محبوب کے بہتر غلط سے ان شکوں کو عواذ سے بچ رہی ہے اور جوئے
نہم آلود ہو جائے وہ آگ نہیں پکڑتی۔

پورے شعر سے مقصود صرف یہ ہے کہ محبوب کے جہاں کا نقشہ پیش کیا جائے،
جو دور سردی کے نزدیک لگس ہے، مہانے پر مبنی ہو، مگر عاشق کے نزدیک اصاحت
کا زیادہ سے زیادہ صحیح مرتفع ہوتا ہے۔

۶۔ شرح : سن کی جلوہ آرائی ہی سے عاشق کی ہر مشکل دور ہوتی ہے
اور اس سے صدمہ برآ ہونے کا راستہ نکل آتا ہے۔ اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتے
ہیں کہ شمع کے اندر جو دھواں ہوتا ہے وہ کانٹے کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن ہر
بے کردہ کانٹا آگ ہی نکالتی ہے، یعنی شمع روشن ہو کر دھواں نکالتا رہتا ہے، ہمو
پگھل پگھل کر ختم ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ شمع ختم ہو جاتی ہے اور دھواں بھی
بالی نہیں رہتا۔ اس حالت کی تعبیر یوں کی گئی کہ شمع کے پاؤں سے کانٹا نکل گیا۔
مناویہ کہ جس طرح آگ شمع کے پاؤں سے کانٹا نکالتی ہے، اسی طرح شمع
کی جلوہ آرائی عاشق کی مشکلیں حل کر دیتی ہے۔

○

۱۔ لغات : خور : جاذبہ خور کو وقت شام ہے تاہم شعاع

خورشید - سورج۔

چرخ واکر تا ہے ماہ نو سے آغوش و دایہ

واکرنا : کھولنا۔

ودایہ : دھمت۔

شرح : اس شعر میں سورج کے عذاب اور بال کے نکلنے کا منظر پیش
کیا گیا ہے۔ شام کا وقت ہے۔ کرن کا تار سورج کے بے سفر گارستانہ بن گیا
ہے۔ النی پر تیا جانہ غور ہو گیا ہے۔ چونکہ اس میں جھکاؤ ہوتا ہے، اس لیے
اسے آغوش سے تشبیہ دی گئی ہے اور سزا یا گیا کہ چنیا جانہ نہیں، بلکہ آسمان نے
سورج کو رخصت کرنے کے لیے آغوش کھول دی ہے۔

نام دستور ہے کہ شصت کے وقت اور فنی قبل گیر ہوتے ہیں گویا جمل کھول کر
لئے ہیں۔ اسی طرح سورج کو شصت کرنے کے لیے آسمان سے باؤ نوے جلی کھول دی۔

۱۔ لغات۔ آتش گل : شرح نگار سے ہے سوز جب اور انی شمع
بولی ہے آتش گل۔ آپ زندگانی شمع
زبان اہل زبان میں ہے سرگ ناموشی
یہ بات بزم میں روشن بولی زبانی شمع
کرے ہے صرف بہ ایسا شعلہ قصہ تمام
بطرز اہل قہ ہے فناء خوانی شمع
غم اس کو حسرت پر دان کا ہے لے شعلہ
ترے رزق سے ظاہر ہے ناتوانی شمع
ترے خیال سے روح ابترا کرتی ہے
ہمیشہ ریزی باد و بار پر فانی شمع
فناطہ دار غم عشق کی بہار نہ پوچھ
فلک گل ہے شہید گل خزانہ شمع
جئے ہے دیکھ کے یاسین باد پر مجھ کو
نیکوں پر دل پر مرے وارخ بدگمانی شمع

۱۔ لغات۔ آتش گل :

لغوی معنی چول کی آگ۔ یہاں
اشارہ ہے محبوب کی سرخی و شمار
کی طرف جو آگ سے مشابہ ہے۔
شرح : شمع میں آتش
سوز اور جلی موجود ہے۔ وہ محبوب
کے دھار کی وجہ سے ہے۔ یہی
آتش گل ہے جو شمع کے لیے۔
آگ حیات ہی گئی ہے۔ یعنی محبوب
کے دھار ہی کی بدولت شمع میں
روشنی ہے۔

شعر کا ایک پہلو یہ بھی ہے
کہ محبوب کے صحن پر حسد کے ثلث
شمع میں جلی پیدا ہو گئی گویا اس
کے بیٹھے کی وجہ دھار محبوب کا حسد
ہے۔ اور مرے صراع کا مطلب
میں حسرت میں بھی دینی رہے گا
اور اس پر چٹا ہے۔ یعنی یہی دھار
جئے بہ اعتبار دوست و دشمن و بڑی
جہول اور ڈوٹے ہاتھ کے باعث

آگ سمجھنا چاہیے، شمع کے لیے آگ حیات بن گیا۔

۲۔ **مشریح :** اہل زبان کے ہمارے میں موت چپ ہو جانے کا نام ہے یہ حقیقت جس میں شمع کی زبانی روشن و آشکارا ہوئی۔

شعر میں کلمہ صفت آتا ہے کہ شمع کے بجھنے کو خاموش ہو جانا بھی کہتے ہیں جس طرح موت چپ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شمع کا بجھنا اس کے لیے موت ہے، لیکن دردِ روشن ہو کر اسے زندہ بناتا جاتا ہے۔ محفل، اس کی روشنی سے خاندان اعلیٰ ہے۔ یہ حقیقت بھی شمع نے بزم میں روشنی سے آشکارا کر دی۔ اگر دردِ روشن نہ ہوتی اور بجھ جاتی تو بزم میں اسے ادھیڑ لگتی۔

مرگ، خاموش بزم، دردِ روشن، شمع کی مناسبت محتاج بیان نہیں۔
۲۔ **لغات :** ایما : اشارہ۔

مشریح : دیکھیے شمع صفت شعلے کا اشارہ پاتے ہی اپنا نقشہ تمام کر دیتی ہے۔ بین جل جہنمی ہے۔ اگر یا شمع کی امانتِ خوانی میں بھی اہل نسا کا طریقہ نمایاں ہے۔ جس طرح بہت دور لوگ حلقِ حقیقی کی کو لگا کر فانی القادس ہو جاتے ہیں، اسی طرح شمع شعلے کا اشارہ پاتے ہی سر سے پاؤں تک پھسل کر ختم ہو جاتی ہے۔
قصہ اور عنوانِ خوانی کی مناسبت ظاہر ہے۔

۳۔ **مشریح :** آپ نے اکثر دیکھا ہو گا کہ موسمِ شبنم بھاؤ جیسے تو اس کی نورِ زبان ہوتی ہے۔ اسے شعلے کا رزق ہزار دیا۔ کہتے ہیں کہ اسے شعلہ اتیرے ہونے سے جا ہرے کہ شمع بے مدد کمزور داتا توں ہو گئی ہے۔ پھر خود ہی دبی جان کر تے ہیں کہ اسے پروانے کی حسرت کا خم کھا گیا، وہی خم اس کی ناتوانی کا مسبب بنا۔

۴۔ **لغات :** استہزاء : لغوی معنی جھٹکنا، حرکت دینا کہ سرور و نشاط میں جس ممبر کے اندر ایک نامِ چستی اور حرکت پیدا ہوتی ہے اس میں یہ غلط سوز و گداز کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔

میلورہ ریز ہی لایو : ہوا کا ہلکا ہلکا تالپتی چلنا۔

پرفشانی شمع : شمع کا پھڑپھڑانا بین بھٹکتا۔

شرح : اسے محبوب تیرے خیال سے درج ہے اسی طرح جنبش و حرکت پیدا ہوتی ہے جس طرح غرا کے پھٹنے سے شمع بھٹکتے گھٹتی ہے۔

دوسرے صبر میں ہوا کے پھٹنے اور شمع کے بھٹکنے کو تیسرا ادا میہ کہ بین دونوں کے ساتھ فاس کا مہر تیسرا لگا یا مطلب یہ ہوا کہ یقیناً تیرے خیال سے روح رقص کرنے لگتی ہے اور اس کے لیے ہم ہوا کے پھٹنے اور شمع کے بھٹکنے کی قسم کھاتے ہیں۔ مطلب یہ ہر حال وہی ہے جو پہلے بیان ہو چکا۔

۶۔ لغات۔ گل خزانہ : وہ بھول جس پر خزانے سے اڑ گیا ہو۔

شرح : غم عشق کے داغ سے ہمیں دوسرا درخشاں حاصل ہے، اس کی بہار کے بارے میں کچھ نہ پوچھو یہ سمجھو کہ شمع کے خزانے میں دھندلے و پھڑپھڑے ہو جانے پر گھٹکتی قربان ہو رہی ہے۔ شمع کا خزانہ دیر بھول وہ لگی ہوا ہے جو اس کے پھٹنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اسے داغ غم عشق سے تیسرا دی گئی بہارِ نشاط کے لیے ٹلگٹل گئے۔

۷۔ لغات۔ بالین : سراٹا۔

شرح : شمع جیسے محبوب کے سر ہانے دیکھ کر حسد سے جل رہی ہے۔ یعنی وہ مجھے اپنا قریب سمجھ رہی ہے، اس کی ہر گانی کا اس کا میرے دل سے محبت نہیں ملکتا۔

ہم قریب سے نہیں کرتے و دایر جو کشش
محبور ہیں تاکہ جو ہے اسے اختیارِ حقیقت :
جتنا ہے دل کہ گیوں نہ ہم ایک بار مل گئے
اسے ناتواںی نفسِ شعلہ بار : سیمف :
۱۔ شرح : ہوا اسی تو بہا ہے
مناکر ہوئی دھواں کو رخصت کر دی
اور دیوانے بن کر مینے مائیں : لیکن
و قریب کے ڈونے مجھ کو روپا اور
پوش و سواں کو رخصت نہ کیا۔
اسے اختیار : تجھ پر افسوس !

قریب ہے کہ نا تو ہوش و سواں کھو دیتے سے و قریب پر داغ عشق نا ش ہو جاتے لہذا

یہ اندیشہ ہے کہ ہم جو خوش ہو اس کو بیٹے تو رقیب محبوب کے انتقامات سے بے تکلف
خارجہ اٹھائے گا۔ اختیار پر انہوں کا سبب یہ ہے کہ اگر یہ نہ ہوتا تو ہم یقیناً خوش و جا
کھو بیٹھے کہتے ہیں اب ہم اس درجہ عجیب ہو گئے کہ جو خوش و جا اس کو بھی رخصت نہیں
کر سکتے۔ اس لحاظ سے اختیار پر انہوں کی وجہ یہ ہے کہ اس سے کام نہیں لے سکتے
اپنے اختیار اور بے اختیار میں کوئی فرق نہ رہا۔

۲۔ **مشریح :** ہمارا دل اس پر گرفتار ہے کہ سانس لے کیوں ایسی آگ نہ
برساتی جو ہمیں ایک ہی دلدہ جلا دی تھی۔ آہ ! اس آگ پر سانس دے سانس کی
ناتوانی اور اور اپنی کہ وہ پہل پہل آگ پر سانس دے۔ جو نہ ہمیں جلا سکی اور نہ جلنے
سے نجات دلا سکی۔

○
زخم پر چھڑکیں گداں، طفلان بے پروا تک
کیا مزہ ہوتا، اگر سچر میں بھی ہوتا تک
گرد و بار بار ہے سامان ناز زخم و دل
ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا تک
مجھ کو آرزو آتی ہے، تجھے کو مبارک ہو جیو
نالہ بلیل کا درد اور خندہ گل کا تک
شور و جولاں تھا کتنا بھر پر کس کا کہ آج
گرد و حاصل ہے یہ زخم موجز و یا تک

۱۔ **مشریح :** لڑکوں کی
بے پروائی اور لالچابی پن سے
کیاں امید ہو سکتی ہے کہ زخموں
پر تک چھڑکیں گے، وہ تو دینے
کو پتھر مارنا کہ ایذا دینے اور
خوش ہونے کے عادی ہیں، کاش
پتھروں میں بھی تک ہوتا، لڑکے
مجھے پھر اتنے اور خوش ہوتے۔
اس طرح ایذا کے علاوہ زخموں
کے لیے تک کا انتظام بھی ہوتا
باتا اور خوب طفت آتا۔

۲۔ **مشریح :** زخمیوں
کے لیے غمزدہ و کامیاب محبوب

کے راستے کی گرد ہے۔ اُسی گرد
سے دشمنوں کو تنگ کا مڑہ مل سکتا
ہے اُسی سے وہ بھر سکتے ہیں
ورد دنیا میں اتنا تنگ کہیں پیدا
ہوتا ہے کہ نہ تنم دل کے لیے بڑھ
نزدق لذت اور اندمال کا سامان
بنایا ہو سکے۔

۳۔ لغات۔ اور زانی
نصیب ہے، ہوتا ہے۔

شرح : شعر میں

ت و نشر مرثب ہے۔ یعنی پہلے
معرب کے پہلے لکڑے کا تعلق

دوسرے معرب کے پہلے لکڑے سے ہے اور پہلے معرب کے دوسرے کا دوسرے شعر

کے دوسرے سے۔
مطلب یہ کہ مجھے نازِ بیل کا درد نصیب ہے۔ میرے لیے یہی مناسب ہے اور
میں کو زائد کی کا حاصل سمجھتا ہوں اور اسے محبوب اچھے خندہ گل کا تنگ مہارک جو۔
خندہ گل سے مراد پھولوں کا بکھڑا ہے، جسے پھولوں کی ہنسی قرار دیا جاتا ہے
اور محبوبوں کی ہنسی شاعروں کے نزدیک تنگ کا حکم رکھتی ہے، تصورِ ماضی حالت
میں کہ عاشق پر مشعل حال اور دور سے لاچار ہوں، وہاں ہمہ محبوبوں کی ہنسی میں فرق
نہ آئے۔ یہ کیفیت گل و بیل کے معاملے میں بالکل آشکار ہے۔ یعنی بیل کے دل
سے درد تنگ پیدا نہیں ہوتا ہوتا ہے۔ پھول جو ستور کھینچ دیتے ہیں اور ان کی ہنسی
میں کے دھم دلی پر تنگ پھر کچھ دیتی ہے۔

۴۔ لغات : شعور بولوں : گھوڑا اور ڈانٹنے اور شمشادری کرنے

داد دیتا ہے برے زخم جگر کی 'واو' واہ
یاد کرتا ہے مجھے، دیکھے ہے وہ جس تنگ
چھوڑ کر جاتا تو مجروح عاشق ہیئت ہے
دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگے ہیں احسا تنگ
غیر کی بہت نہ کھینچوں گانے تو غیر درد
زخم، مثل خندہ قاتل ہے، سہرا پانگ
یاد میں غالب : تجھے وہ دن : کہ وہ بعدِ وقت
زخم سے گرتا تو میں پلوں سے پنتا تھا تنگ
کے دوسرے سے۔

کا شود۔
تشریح : آج سند کے کنارے کس کے گھوڑا روڑاٹنے کا شور مچا رہا
 کہ ساحل کی مٹی موج دریا کے زخم کے لیے ٹمک بن گئی ؟ شور سے بیاس دو معنی
 مراد ہے ، اولیٰ غور و مہنگہ مرہ دوم ٹمکین ۔ پھر سند کا کنارہ لٹنے اور اس کے
 اندر جو وہیں اٹھتی تھیں ، ان میں زخم فزنی کے لیے اور ان کے لیے ساحل کی مٹی کو
 ٹمک بنا دیا ، جس میں حقیقت محبوب کے گھوڑا روڑاٹنے سے حاصت پیدا ہو
 گئی تھی۔

مرزا نے خود عباد اللہ ان شاکر کو لکھا ہے :

”پندرہ برس کی عمر سے پچیس برس کی عمر تک مہمان میں بھائی نکھایا
 دس برس میں بڑا دیوان جمع ہو گیا۔ آخر حبیب قلیز آئی تو اس دیوان
 کو دور کیا ، اور ان ایک قلم پاک کیے۔ دس پندرہ شعر دسٹے ٹوٹنے
 کے دیوان مال میں پہنچے رہے۔“

مرزا نے نہیں بتایا کہ وہ کون کون سے شعر تھے ، جو ٹوٹنے کی غرض سے باقی
 رکھے ، لیکن وہ ایسے ہی ہوں گے ، جیسے شعر یا پوری غزل ، جس کی روایت ٹمک
 پسند فرمائی۔

۵۔ **تشریح :** دادا محبوب میرے زخم جگر کی خوب داد دیتا ہے ، جہاں
 کہیں ٹمک دیکھتا ہے ، میرا سے یاد آجاتا ہوں ، اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ وہ
 چاہتا ہے ، سند ٹمک میرے زخم جگر کے لیے وقت جو جائے ، دوسرے معنی
 یوں پیدا ہوتے ہیں کہ یاد کرنے سے مراد یاد لینا یا جانے ، یعنی محبوب کو جہاں
 ٹمک نظر آتا ہے ، مجھے یاد لینا ہے کہ میرے زخم جگر پر ٹمک دے گا ، اس میں تھوڑا
 مقصد کہ دنیا بھر کا ٹمک بھی میرے زخم جگر کے لیے کافی نہیں ، محبوب کو
 اس حقیقت کا علم ہے اور وہ میرے زخم کی داد دے گا ، یہی طراغ جو سنگی سے دے
 رہا ہے۔

۶۔ لغات : تین مجروح : زخموں سے پھر جسم ۔

شرح : اسے محبوب عاشق کے جسم کو جو زخموں سے چوڑ ہے ، یوں چھوڑ دینا قابل اسوس ہے ۔ اس کا دل چاہتا ہے کہ اور زخم لگیں ۔ اٹھنا چاہتے ہیں کہ ان پر خوب نمک چھڑکا جائے ۔ گویا عاشق کے زخم تو لگا دیے گئے ہیں جتنے زخموں کا وہ طلب گار تھا اتنے نہ مل گئے گئے اور ان پر نمک پاشی بھی نہ ہوئی ۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جسم کو تو بھروسہ کر دیا ، لیکن دل پر کوئی چرکا نہ لگا ۔ حالانکہ وہ بھی زخموں کا طلب گار ہے اور اعضاء کو نمک بھی نصیب نہ ہوا ۔ غرض عاشق کی لذت ایذا کے لیے تسکین کا کوئی سامان نہ ہوا ۔

۷۔ مہنت کھینچنا : احسان اٹھانا ۔

توفیر : دوا کرنا ، دوا کرنا ۔

شرح : میں اپنا درد بڑھانے اور نہ زیادہ کرنے کے لیے غیر کا احسان نہ اٹھانوں گا ۔ میرا زخم خود بخود تھک جائے یعنی محبوب کی مہنت کی طرح میرا سر نمک ہی ہے ۔ اس لیے خود بخود میرے درد میں اضافہ ہو رہا ہے ، پھر غیر کا احسان کیوں اٹھانوں ؟

۸۔ لغات : وجہ ذوق : طعت کی سرسستی اور لذت کی بھڑکی

شرح : اس شعر میں ایک پرانا خیال شاعر نے پیش نظر رکھا ، جو عورتوں میں رائج تھا ۔ یعنی نمک کے سسلے میں استیلاؤ کی غرض سے کہا کرتی تھیں کہ دیکھنا ، نمک گرلے نہ پاتے ، وہ نہ قیامت کے دن پاکوں سے ٹھینا پڑے گا ۔

یہ خیال ناکیا یوں پیدا ہوا کہ زمانہ قدیم میں ان حصّوں کے اندر نمک کیاب تھا ، جو ساحل بحر یا نمک کی کالوں سے دور تھے ۔ اس لیے نمک کی حفاظت نہ زیادہ سے زیادہ ضروری تھی ۔

شعر کا مطلب یہ ہے کہ اسے غالب : تجھے وہ دن بھی یاد ہیں ، جب بے

کی سرسختی اور لذت کی جزدی میں میری حالت یہ تھی کہ اگر تک زخم سے گر جاتا
تھا تو میں اسے پلوں سے چٹتا تھا :

بعض اصحاب نے لکھا ہے کہ یا تو "تجھے" کی جگہ "مجھے" ہونا چاہیے یا میں
کی جگہ "تو" لیکن اس تغیر کی کوئی ضرورت نہیں۔ دو آدمی ایک کیفیت دیکھ چکے
ہوں تو ایک دوسرے کو مخاطب کر کے وہ کیفیت پاؤں لگتا ہے۔ شاعر نے غائب
کو اپنا رفیق اور ساتھی قرار دے کر یہ سب کچھ کہہ دیا کہ تو تو اس کیفیت سے
واقف ہے میں ایک زمانے میں زخموں سے گرتا ہوا تک پلوں سے چٹتا تھا۔



۱۔ لغات۔ سر ہونا :

اس عبارت کے معنی میں اختلاف
ہے اور کسی ایک معنی کو ترجیح
دینے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں۔
خارسی میں "سر شدن" شروع
ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

سر شدن قلم لا مطلب ہے قلم
نہن ہا ۱۔ مودنا طبا عباتی نے
اس کے معنی سمجھے اور باخیر
ہونے کے لکھے ہیں۔ تو لغات

میں مرزا غائب کا یہ شعر
طوبہ سند پیش کر کے سر ہونے
کے معنی پہنچنے کے بتائے
ہیں۔ ساتھ ہی لکھ دیا ہے کہ
اس کا یہ معنی متروک ہیں۔ اس

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہوئے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر جو تنگ
دام ہر موج میں ہے، علقہ صد کام تنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ لکھ جو تنگ
عاشقی صبر طلب اور تنہا جیتا ب
دل کا کیا رنگ کروں، خون جگر ہوئے تک
ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے، لیکن
خاک ہو جاتیں گے ہم، تم کو شیر ہو تنگ
پر تو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
میں بھی ہوں ایک غایت کی نظر ہو تنگ

ایک نظر میں نہیں فرصت ہستی و غافل ! کے ایک عام سنی سحر کرنا بھی

گر مری بزم ہے اک رقص شراب و خجہنگ ^{ہے} شرح : آد کے اثر پذیر

غم ہستی کا اسد ! کس سے ہو خجہنگ علاج ہوئے کے یہ ایک مردگار

شع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک ^{ہے} اب محبوب اتیری زلف کے سر ہونے تک کون جینا

رہے گا زندگی ختم ہو جائے گی اور تیری زلف بدستور عاشقوں کے حال زاد سے

بے خبر رہے گی ۔ اس کے خبردار ہونے یا بچ و غم کھینے تک ہمارے یا کسی دوسرے

کے ذمہ رہنے کی امید ہی کب ہے ؟ یا کون کہہ سکتا ہے کہ تیری زلف کب سحر ہو گی اور ہم اس وقت تک بیٹھے رہیں گے ۔

۲۔ لغات : کام ہنگ : گرچہ کا ملق

شرح : خراب حال فرماتے ہیں :

” جو مطلب اس شعر میں لڑا کیا گیا ہے اور صرف اس قدر ہے کہ انسان

کو درجہ کمال تک پہنچنے میں سمجھت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے ۔“

کوئی شبہ نہیں کہ اس دنیا میں حوادث کے ہر طوفان اٹھتے رہتے ہیں ان میں سے

صبر و ہمت کے ساتھ گزرتے ہوئے کوئی بڑا کارنامہ انجام دینا بہت مشکل ہے اور

ہر انسان کسی بلند مقام پر مقصد پر نہیں پہنچ سکتا ، جب تک وہ ہر قسم کی مصیبتیں

برداشت کرنے کے لیے تیار نہ ہو جائے ۔ زندگی ایک ایسا سمندر ہے جس میں

قدم قدم پر جہاں بچھے ہوئے ہیں اور ان کے ملنے فواردوں سے تیار نہیں ہوئے

بلکہ ان کی جگہ گر چھوڑ کے ملحق رکھ دیے گئے ہیں ۔ پھر ایک ایک قدم پر سیکڑ لیا

گرچہ ملحق کھوئے بیٹھے ہیں ۔ ظاہر ہے کہ ان مصائب کو انگیز کرتے ہوئے کسی بلند

مقصد کی طرف بڑھنا ہرگز سہل نہیں ۔ مرزا نے پہلے مصرع میں خطرات کا منظر

پیش کیا ۔ دوسرے میں اصل مقصد واضح کیا ۔ پوری کیفیت کا خلاصہ یہ ہے :

۱۔ زندگی کے سمندر کی ہر موج ایک جہاں کی حیثیت رکھتی ہے۔ موج کو جہاں سے تشبیہ دینا عام مشاہدہ ہے۔

۲۔ یہ جہاں ڈوبدلوں سے تیار نہیں ہوتے۔ بلکہ سیکلڑوں مگر بچہ منہ کھولی کر بیٹھ گئے۔ اس طرح ان کے حلقوں کے تواتر سے جہاں تیار ہو گئے۔

۳۔ خطروں اور ہلاکتوں کی یہ کیفیت سامنے رکھ کر وہ سمجھتے ہیں کہ ان میں سے گزرتے ہوئے قطروں کو موتی بننا ہے۔

۴۔ قطرہ سمندر سے باہر نکلے گا تو مٹی میں جذب ہو جائے گا۔ اندر ہی رہو کر اسے اوج کمال تک پہنچنا ہے۔

۵۔ ظاہر ہے کہ وہ جب تک خطروں کے مقابلے کے لیے صبر اور اپنے مقصد کے لیے استقامت پیدا نہ کرے گا۔ منزلی مقصود پر نہ پہنچ سکے گا۔

۶۔ مرزا کا کمال یہ ہے کہ خطرات زیادہ سے زیادہ متیقن شکل میں پیش کر دیے۔ ذاتی راہیہ امر کہ عمل اور تقاریر میں قطرے پر کون کون سی آفتیں آئیں گی ان کا کوئی تعین نہ کیا اور تعین ہو بھی نہیں سکتا، کیونکہ ہر قطرے کو کیا حالتیں پیش نہیں آ سکتیں اور ان کا اندازہ ہر بڑھنے والا خطرات پیش نظر رکھتے ہوئے خود کر سکتا ہے۔ حقیقتاً شعر میں یہ عدم تعین بھی لطف اندوزی کا ایک خاص عامل ہے۔

پھر یہ خاص غور طلب نکتہ یہ ہے کہ ان تمام خطرات میں نصب العین قطرے کا گوہر رہنا ہے، جسے شاعر قطرے کے لیے مستحسانے کمال قرار دیتا ہے۔

۳۔ لغات - رنگ : حال۔ کیفیت۔

منشرح : عشق کے لیے صبر کے سوا چارہ نہیں اور تشابہ قرار ہے۔ یعنی جانتی ہے کہ ہر مقصد ابھی پورا ہو جائے۔ اب حیران ہوں کہ جگر کا غواں ہونے تک دل کا کیا حال کروں؟

تمنا کا مقام دل ہے اور صبر کا مقام جگر اور مرزا نے دل و جگر کے یہ وظیفے

ملک ملک واضح کر دیے۔ صبر کا نام یہ ہے کہ جگر پر زیادہ سے زیادہ بار پڑے اور دل کو
بوجھ کر بستا جائے۔ مرزا پوچھتے ہیں کہ صبر کی آخری منزل پر پہنچنے تک میں دل کو کیونکر تیار
کر دوں ؟

شعریں یہ لکھتی سے جنی سنا بہتیں میں کرو گی گئی ہیں، دور واصل، مجاہد مستوری کو یکسا
کر شہر میں۔

۴۔ شرح : عاشق محبوب سے اپنا حال بیان کر دیا ہے۔ محبوب گستاخ ہے و فکر
نہ کر دے میں تھکے سے حال سے تھنا نخل در بر توں گا ؟ عاشق گستاخ ہے : ” میں مانا ہوں کہ آپ
تھنا نخل نہیں کریں گے، لیکن یہ میں تو کھابہ رہے کہ بیٹا ملک آپ کو بہاری خیر ہے گی اور
آپ مجھ سے حال پر تو ہر فرمائش گئے، اس وقت ملک تو ہم غم ہو کر نہ لکھن خیر میں جا سون گے
بلکہ ملکہ آج ہم بھی مٹی میں مل جائے گا۔

شعریں دراصل محبوب کے تھنا نخل کا نقشہ نہایت پر آشیر انداز اور نہایت انشینی
الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔ کوئی مستور اس زمین کی کیفیت کی تصویر نہیں کھینچ سکتا اور مرزا
نے چند لفظوں میں اسے ایسا پروانہ سے دیا ہے کہ ہر فرد کے سامنے پوری کیفیت آ
جاتی ہے۔

۵۔ لغات : پرہیز تو خود : سورج کا جلوہ جس کی صورت اور نمائندگی شبنم کو دیا
لے جاتی ہے۔

شرح : سورج کی روشنی شبنم کے لیے فنا کا سبق ہے، یہی کہ نہیں پستے
ای شبنم کے قطرے اڑا کر غائب ہو جاتے ہیں۔ گو یا سورج کی کرنیں انہیں فنا کئے فنا
ہو پہنچا دیتی ہیں۔ اسے محبوب اس اسی طرح میری ہستی میں نہایت کی مرث، ایک نظر پہنچے
ملک باقی ہے، جب آپ کی نظر نہایت مجھ پہ پڑ جائے گی۔ میں طرح سورج کی کرنیں شبنم
پر پڑتی ہیں، یہ بھی اسی طرح فنا کے گھاٹ اتر جانوں گا۔

مناظرے و مرث مصرع میں کوئی مسیحا غائب نہیں، گھا، ہر اہم سے
مستور و مخمور حقیقی ہے، ہمیں کی نظر نہایت تمام غیر حقیقی اور اعتباری ہستیوں کو اپنے

اندر غریب کر سکتی ہے۔

۶۔ شرح : اسے غافل انسان زندگی کی لذت ایک نظر سے زیادہ نہیں،
یعنی نظر اٹھائی اور دیکھا اور غم ہو گئی۔ دوسرے غفلوں میں کہہ سکتے ہیں کہ یہ فرصت کب
بچنے تک محدود ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کہ بہت ایک بزم اور ایک ٹھن
ہے اس کی گرمی اور رونق صرف اتنی ہوتی ہے، جتنی دیر میں چمکری تڑپ کر
اٹھے اور غم ہو جائے۔

۷۔ شرح : خواب وصال فرماتے ہیں :

”انسان کی زندگی کو اس لحاظ سے کہ جب تک موت نہیں آتی، غم سے
خفاہت نہیں ہوتی، شمع سے تشبیہ وی ہے کہ جب تک شمع نہیں جوتی،
دور اور ملتی رہتی ہے۔“
ماتھے ہی فرماتے ہیں :

”اس قسم کی نامور و بدیع تشبیہات سے مرزا کے دونوں دیوان، اردو
اور فارسی بھرے ہوئے ہیں۔“

اسے استاد ! زندگی کے غم کا علاج موت کے سوا کون کر سکتا ہے ! یہ بجا ہی
موت ہی پر غم ہو گی۔ دیکھیے، صبح کو رات کے وقت جلاتے ہیں اور جب تک صبح
نہ ہو جائے، سویرا برہم رہتی رہتی ہے، یعنی اس کی سوزش کا ناترہ صبح طلوع ہو جانے پر
ہوتا ہے۔ یہ کیفیت غم بہت کی ہے اسے بھی ایک شمع سمجھنا چاہیے، جتنا برہم
رہے گی اور موت موت اسے بجھائے گی، کیونکہ غم بہت کی شمع کے لیے موت ہی
صبح کا حکم رکھتی ہے۔

۱۔ لغات : اجابت :

گر تجھ کو ہے یقین اجابت، دو عالم مانگ
یعنی بغیر کب و لی بے دو عالم مانگ

قبول ہوا۔ حضورؐ ہوا۔

آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یا د ا دل بے دردا : ایسا دل جس
 مجھ سے مرے گئے کا حساب لے خدا ! نہ لگ
 کا کوئی دردا ہو جو ہر غرض
 سے پاک ہو ۔

شرح : اگر تجھے دماغ قبول ہوئے کا یقین ہے تو ایک ایک چیز کے
 لیے دماغ مانگ ۔ اگر مانگتا پاتا ہے تو خدا سے ایسا دل مانگ لے جس کا کوئی دردا
 نہ ہو جو غرض سے بالکل پاک ہو ، جب ایسا دل غیبا نہ لے گا تو کبھی کسی چیز کے لیے
 دماغ مانگنے کی ضرورت نہ رہے گی ، کیونکہ وہ بے دردا ہونے کے باعث کسی شے پر
 ملحقیت ہی نہ ہوگا ۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرزا نے دل بے دردا مانگنے کے لیے قبول ہونے کے
 یقین کی شرط کیوں لگائی ، یعنی کیوں کہا کہ اگر تجھے دماغ قبول ہونے کا یقین ہے تو یہ
 مانگ اور یہ نہ مانگ ؟ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر شخص کو یقین اجابت ہو تو دماغ مانگے
 مطلب صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر واقعی کسی کی کو قرآن سے اجابت کا یقین ہو
 ہائے تو دل بے دردا مانگنا چاہیے ۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ دل بے دردا کیوں مانگتا ہے ؟ کیا واقعی مرزا غائب
 لوگوں کو دماغ سے روک رہے ہیں اور اسی لیے انہوں نے دل بے دردا مانگنے کی
 تلقین کی ؟ بعض اہل تحقیق نے فرمایا ہے : خدا عالم انصاف ہے ، لہذا جو تمنا کسی
 کے دل میں پیدا ہوتی ہے ، اس کا علم عالم انصاف کو ہو جاتا ہے ، پھر مانگنے پر عمل
 ہے ۔ اگر وہ تمنا چوبی نہیں ہو سکتی تو اس کا بھی علم ہے اور مانگنا اس صورت میں
 بھی بیکار ہوگا ۔ لیکن یہ سب تفکرات میں مرزا نے دماغ سے نہیں روکا ، بلکہ ہر مانگ
 ہر وقت ایک ایک چیز کے لیے دماغ مانگنے سے روکا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ بخوشی
 خدا صبر و تحمل کی کوئی حد و بنیاد نہیں ۔ انسان مانگنے پر آتا ہے تو مانگتا جاتا
 ہے ۔ دل میں استقامت پیدا کرنی چاہیے ، دنیا کی چیزوں سے زیادہ دماغ کی طلب
 ہے اس غرض سے دل بے دردا مانگ لینا بہتر ہے ۔

دل بے مدعا سے بھی مرزا کا مدعا یہ نہیں کہ دل میں کوئی آمد نہ کوئی تباہی
ہی نہ رہے۔ مدعا حسرت یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی اور معمولی باتوں کے لیے جس کی
میںیت سراسر و نیوی ہے۔ مانگنا مناسب نہیں۔

۲۔ **تشریح :** اسے خدا! مجھ سے میرے گناہوں کا حساب نہ مانگ، کیونکہ
جب حساب کا معاملہ سامنے آئے گا تو گناہوں کے ساتھ مجھے یہ بھی یاد آئے گا کہ
کہ کون کون سی حسرتیں دل میں روئیں اور کتنی وہ بھی بہ انداز شاہیں ذکر رکھا۔ ان
حسرتوں کے داغ دل پر موجود ہیں اور گناہوں کا حساب دیتے وقت وہ تمام داغ
کا زور عیاں ہو جائے گا۔

مرزا کو یہ مضمون بہت پسند ہے۔ اور وہ میں وہ دوسری جگہ کہتے ہیں۔

ناگردہ گناہوں کی بھی حسرت کی شہ داد

یاد اب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

پھر نادمی کی ایک غزل میں فرماتے ہیں :

اند آں روز کہ پرسش روز از سرچہ گزشت

کاش باہن سخن از حسرت مانیز گشت

یعنی جس روز اعمال کی پرسش ہوئی۔ کاش اُس روز میری حسرتوں کے متعلق

بھی بات چیت کر لی جاسے۔

مشہور اور گہرازمین یہ مضمون تفصیل سے بیان کیا ہے۔ میں کا خلاصہ خواجہ

ماہی مرحوم نے اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے "یادگار غالب" میں پیش کر دیا ہے۔

خواجہ مرحوم فرماتے ہیں :

"بظاہر درخواست کرتا ہے کہ اسے خدا! مجھ سے میرے گناہوں کا

حساب نہ مانگ اور درپردہ الزام دیتا ہے۔ گویا کہتا ہے کہ گناہوں کا

حساب کیونکر کروں؟ دو شمار میں اس قدر زیادہ ہیں کہ جب ان کو شمار

کرنا ہوں تو وہ داغ اچھوٹنے و نیا ہونے والے ہیں اور جو شمار میں آسکی

کثرت سے ہیں جس کثرت سے میرے گناہ ہیں۔ ان کی گنتی یاد آ جاتی ہے۔

”گناہوں اور افوں کے شمار میں برابر ہونے سے یہ مراد نکلی ہے کہ جب کسی گناہ کا مرتکب ہوا تو یہ سبب مدغم و متطافٹ کے اسے غلط خواہ نہ کہ بیکار، کوئی نہ کوئی حسرت سرور باقی رہ گئی۔ مثلاً شراب پیا تو مدخل نصیب نہ ہوا، مدخل تیسرا آیا تو شراب نہ ملی۔“

”اب یہ گہر بار کی مناجات میں کم و بیش تو سے اشعار اسی موضوع پر ہیں اور وہ اس قابل ہیں کہ انہیں پڑھ کر مرزا غالب کے نقطہ نگاہ و کاہجہ اماند کیا جائے۔ گناہوں کے سلسلے میں بے انتظامی کے باعث حسرت رہ جانے کا قصہ آتا سوز و درد سے بیان کیا ہے کہ انسان کے لیے اسے اطمینان سے بڑھنا مشکل ہے اور لطف یہ کہ جلدگی اور عبودیت کا کوئی بھی پہلو باقی نہیں چھوڑا، آخر میں کہتے ہیں۔“

بہر چرم کز دوسے و نتر دوسد	ذم حسرتے در برابر دسد
بغزاسے کہیں و ادوری چوں بود	کہ از چرم میں حسرت افزوں بود
ہر آئینہ بچوں منے را ہمیشہ	توئی فرخند بود منے گزانہ
بدین مویہ در روز اتمید و نیم	بکریم ہا انسان کہ عشق عظیم
شرواز تو سیداب ما چادر بچو	تو بخشش بدان گریم آبرو

مطلب یہ کہ جو چرم چرم میرے اعمال نامے سے پیش کیا جائے گا یہی اس کے مقابلے میں ایک حسرت پیش کر دے گا۔ اب فرمائیے، فیصلہ کیونکر ہوگا؟ حسرتی تجربوں سے بڑھ جائیں گی۔ میرے لیے تو سزا کے بجائے توفیق کا سرور ہو رہا ہے۔ کیا صحت کے دن میں اس درد سے دونوں کا کوئی عیش عظیم غلبے سے نکلے گا؟ مجھے یقین ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ میں زندہ ہوں، یاد ساقی کی کوئی پیڑ چھ میں موجود نہیں، میری فکر کی ہے اور میں آتش پرست ہوں۔ جو اپنے آپ کو سلسلہ کا ہر کہہ رہا ہے۔ لیکن

میں تیری کتاب کا پرستار اور تیرے پاک نبی کا محبوب ہوں۔ میرے لیے آزادی کا فرماں صادر کر دے۔

یہ بھی عرض کر دینا چاہیے کہ مرزا غالب ناسزا امور میں بھی برابر سزاوار اور طریقے کے قائل رہے۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں :

بادشاہ و ام خور و دوزخ و زہر و قمار باخشاہ

وہ کوڑا بہر چہ ناسزا است ہم بہ سزا نہ کر ایم

یعنی شراب اوصاف پیتے رہے اور پیسے جوئے میں ڈال دیے۔ افسوس کہ ہم نے غیر شاہان افعال میں شاہان طریق پر نہ کیے۔ جو پیسے جوئے میں ڈالے، وہ شراب کی قیمت میں ادا کیے جا سکتے تھے، یہ شاہان طریقہ تھا۔

۱۔ لطافت و پاک :
ہے کس قدر پاک فریب و فائے گل
شاہنشاہ و والد و شفیقہ۔

شرح : اس شعر کا
دوسرا مصرع ہے، ایک غزل
میں آچکا ہے، یعنی :

بہل کے کار و بار پہ ہیں خندہ دانگل
کہتے ہیں جس کو عشق و عقل ہے داغ کا

شعر کا مطلب یہ ہے کہ بہل
کی ناست نہ کیجیے، وہ چوروں کے
عشق کے فریب میں مرتب ہوتا ہے۔

پہوں و فادہ داری کریں گے جاہک
من اور دنا ایک جگہ جمع نہیں ہو

سکتے ہیں بہل کی فریب و خود دگی

خوش حال اس حریف سیہ مست کا کہ جو
رکھتا ہوہ مثل سایہ گل، سر بہ پائے گل

ہے۔ پھولوں کی کیفیت یہ ہے کہ
اُس غریب کے کاروبار کی ہنسی
اڑا رہے ہیں۔

پھولوں کے کھلنے کو ان کا تہہ
یعنی ہنسی قرار دیا اور شاعر کے
تصور کے مطابق یہ ہنسی عین کی
نادانی اور غریب خوردگی پر ہے
کہ پھولوں کی محبت پر مٹی باری
ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اسے
خوب غریب دیا۔

ایک لڑکا سے ہر عشق کی
کیفیت یہی ہے کہ حق ناشناس
لوگ اس کی ہنسی اڑاتے ہیں۔
خدا و اس عشق کا تعلق کسی لڑکے
سے جو یاسفد ہے۔

ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لیے بہار
میرا قیب ہے، نفسِ حطر سائے گل

شہرِ سندھ رکھتے ہیں مجھے باؤ بہار سے
مینا سے بے شراب و دل بے پورے گل

سطوت سے تیرے جلوۂ سخنِ غیور کی
خوں ہے مری نگاہ میں رنگِ ادا سے گل

تیرے ہی جلوے کا ہے یہ دھوکا کائناتِ کس
بے اختیار روڑے ہے گلِ نورِ وفا سے گل

مالتب! مجھے ہے اس سے ہم آغوشی آرزو
تیس کا خیال ہے گلِ جیبِ قبائے گل

۱۔ شہرِ گانیم کے پیرِ آزاد کی کچھ نہ پھولوں کے اشتیاق و آرزو کا جو مال بچھا ہوا ہے اس
کے حلقے ٹوٹے پڑے ہیں۔ اس شعر میں چند امور غرض طلب ہیں :

- ۱۔ پھولوں کے اشتیاق و آرزو کا جو مال بچھا ہوا تھا اس سے کلامِ جوہا ہے
اور بہار آئی تھی۔ جس میں پھولوں کی کثرت تھی اور لوگ شوق سے پھول دیکھنے آتے تھے
- ۲۔ اس نام کے حلقے ٹوٹنے پڑے ہیں مراد ہے کہ بہار ختم ہو گئی اور خزاں

۳۔ جب پھولوں کی کثرت تھی، شمع کو پابندی سے ان کی خدمت بجا لانی پڑتی تھی
لیکن پھولِ گانیم ہی کے چلنے سے کھلتے تھے اور وہی ان کی خوشبو مایہا یہی ہے جرتی تھی۔

۴۔ جب پھول سے تو نسیم کے لیے پاندی بھی ختم ہو گئی لہذا اڑایا اسے
آزادی مبارک وہ جہاں چاہے ہائے۔ جن طرف چاہے چلے۔

۵۔ بال کے ملنے ٹوٹ جائیں تو وہ اس قابل نہیں رہتا کہ شکار اس میں پھنسے۔
نسیم اس اعتبار سے بھی آزاد ہو گی

۶۔ تقریباً تمام شادریں نے نسیم کے معنی خوشیوں کے شرح کی ہے جو منوں
معلوم نہیں ہوتی۔ اگر خوشیوں ہی مراد تھی تو مرزا نے نسیم کی جگہ نسیم کیوں نہ لکھا ؟

۷۔ لغات : لب خونیں نوا : وہ لب ہیں سے جو بھری صدا میں لکھتی ہیں
شرح : جسے دیکھو وہ رنگ کی لہر سر کے دھوکے میں پھنس گیا۔ آہ !

پھول کا وہ نالہ کسی نے نہ سنا جو لہو بھری صدا میں بلند کرنے والے لب پر جاری تھا
مطلب یہ ہے کہ ہر شخص لہو ابر میں الجھا ہوا ہے انھیں پیڑوں پر نظر رکھنا

ہے جو حواس کو اپنی طرف کھینچتی ہیں، لیکن حقیقت پر کسی کی نظر نہیں۔ پھول کے
اند سے بھی غول بھری فغان بلند ہو رہی ہے اس پر کسی کی توجہ نہیں اور رنگ

پر سب شے جاری ہے ہیں انا کا کہ وہ معنی دھوکا ہے، محض ظلم ہے جو جلد سے
جلد ٹوٹ جائے گا۔

۸۔ شرح : وہ شخص کتنا خوش نصیب ہے جو عشق کی سیاه مستی میں
پھول کے سامنے کی طرح اپنا سر پھول کے پاؤں پر رکھنے رہتا ہے۔

بیاں پھول سے مراد محبوب ہے۔ یعنی خوش نصیب وہی عاشق ہے جو ہر
تعلق سے کنارہ کش ہو کر بخود و ہوش آدمی کی طرح اپنے محبوب کے قدم

چھوڑے اور سارے کی طرح اس کے قدموں پر جھکا رہے۔
۵۔ لغات : نفسِ مطر سائے گل : پھول کا مطر بھرا سانس یعنی اس

کی دقادر خوشبو۔
شرح : اسے محبوب میں جانا ہوں کہ بہار نے پھول حیرت تیرے لیے پیدا

کیے ہیں کہ تو ان سے کام لے۔ مثلاً بار بار کر گئے میں ڈالے نہ لطف و کمال میں لگاؤ

بستر پر بچھائے، اس کی خوشبو سونگھے، اس سے نکلا ہوا عطر جسم پر ملے۔ چوں کہ سقویا
معتبر سائنس میرا رقیب بن گیا ہے اور مجھے اس کی حالت پر شک آ رہا ہے۔ کہ وہ
بہر غلط تیرے ساتھ رہتا ہے اور میں تجھ سے ملد ہوں۔

۴۔ **شعر** : میری مرامی شراب سے خالی ہے۔ دل میں پھولوں کی سیر
کا کوئی دلوں نہیں، یہ حالت میرے لیے فصل بہار کے سامنے شرمندگی اور ندامت
کا باعث ہے۔

بہار کا تقاضا یہ ہے کہ شراب پی جائے اور پھولوں کی سیر کی جائے لیکن
میرے پاس فصل بہار کے غیر مقدم کا یہ سامان موجود ہی نہیں اس لیے میں شرمندہ
ہو رہا ہوں۔

میرا ناظم اقبال کے ارشاد کے مطابق شعر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اسے سوالیہ
کا جواب سمجھ لیا جائے، یعنی میرا شراب پیا اور باتوں کی سیر کرنا لوگ بُرا سمجھتے ہیں
مگر ایسا کرو تو مجھے باد بہار سے شرمندگی ہوتی ہے، لہذا میں شرمندگی گوارا
نہیں کر سکتا اور اپنا مسئلہ ضرور بہاری رنگوں کا۔

۵۔ **غزات** - سطور : دہرہ ۔

شعر : اسے محبوب اترائیں فیو۔ اس امر کی ناپ نہیں دے سکتا کہ تیرے عاشق
کی نظر کسی اور طرف، مثلاً اسی مٹھی غنچہ کے دوپٹے میری نگاہوں میں چوں کے رنگت
کو نہ یاد دیا۔ یہی ہے اس کی رنگین کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتا اور یہ سب کچھ تیرے
فیو۔ ہجو حسن کے دھبہ اور دہرہ بے کار کر رہا ہے۔

۸۔ **غزات** - گل در قفا سے گل : چوں کے نیچے چوں۔

شعر : اسے محبوب : تیرے ہی مہوے کا دھوکا ہے کہ آج تک اس
دھوکے ہی جتنا ہو کر چوں کے مہوے دیگرے بے اختیار دوش سے چلے آ رہے ہیں کہ شاید
اس مہوے سے فیضیاب ہو سکیں۔

مطلب : یہ کہ دوسرے مہوے پر چوں کی غواشا دہی اور شعلگی کا جو کبھی قسم

نہ ہونے والا سلسلہ جاری ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ شرعی طور سے کے اشتقاق میں
یہ اجتہاد اپنے آپ سے ہیں۔ حالانکہ وہ بھی ملو نہیں، بلکہ اس کا سبب انہیں ٹھیکے
پے آ رہا ہے۔

۵۔ شرح : اسے ثواب ! مجھے اس محبوب سے ہم بغل ہونے کی آرزو
ہے جس کا خیال بھی پھول کی جیپ تبا کے پے ایک آرائش پھول کی حیثیت رکھتا ہے
عام طریقہ ہے کہ تبا کی زیب و زینت کے لیے مناسب مقامات پر پھول کاڑھ
لیے جاتے ہیں۔ ثواب کا محبوب ایسا ہے جس کا خیال اور تصور پھول کی تبا کے پے
زینت کا باعث ہے۔

۱۔ شرح : مجبوری میں
فرماتے ہیں :
- دنیا کی ملکیت عاقبت سے
ہے۔ جو لوگ امانت و نسبت سے
بروی ہیں اور اہم سے بھی ہلکدوش
ہیں۔ آواز اور حاضر میں سب سے زیادہ
آواز دہاتے اور نہ نچ اٹھاتے ہیں اور
شب و روز سارے اہم نمائے میں
رہتے ہیں لیکن رات قدر تم کا اثر
ان پر عام ہے اور عجزی ہوتا ہے
مرزا اپنے اس سکون طبیعت کی
کیا فرق انہیں مثال دیتے ہیں کہ جب
برق چاگر قی ہے تو ہم سما جہ نورانی
اور پریشان ہونے کے کمال طبعین

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش ازیک نفس
برق سے کہتے ہیں روشن شمع اہم خانہ ہم
محضیں برہم کرے ہے گنجہ باہر خیال
ہیں ورق گردانی نیرنگ یک تنہا مسم
باوجود یک جہاں ہنگامہ سپردانی نہیں
ہیں چراغان شہستان دل پروانہ ہم
منصف سے ہے انے قاضی یہ ترکہ جستجو
ہیں و بال تکیہ گا و تہمت مروانہ ہم
دائم المجلس اس میں ہیں لاکھوں متناہیں احمد
جاستے ہیں سینہ پر غزل کو زنداں خاندان ہم

سے اٹھ کر جزائز برقی سے اپنے الم کدے کی خاموش و کشتہ شمع روشن کر لیتے ہیں۔

بلکہ اس دنیا میں انسان کے لیے رنج و غم مومن کی بنا پر ہے اور آزاد لوگ وہی کہتے ہیں۔ میں کا دامن مومن سے پاک ہو جیسا کہ علم اعلیٰ میں ہوتا ہے کیونکہ جب تک تہ کی بات ہے، مومن سے کامل علیحدگی ناممکن ہے چونکہ ان کا دل کسی شے سے گہری وابستگی نہیں رکھتا۔ اس لیے علم بھی پائے اور نہیں ہو سکتا اور مزے ان کے دل کے مطابق وہ صورت و مہر کے لیے متاثر ہوتے ہیں۔ صاحب کی چوکیدہ میں پرگرتی میں انہیں کو اپنے ماتم جانے کی شمع بنا لیتے ہیں۔ یعنی بھلی چلی، گری، ایک لمے میں غائب ہو گئی۔ بس۔ یہی کیفیت آزاد لوگوں کے علم کی ہے۔

ایک اور پہلو میں الفاظ سے واضح ہے۔ یعنی دنیا ابھی سے لڑائی اور کاہنہ ہے۔ ہمارے لیے اس کی حقیقت ایک دیا مومن کی ہے۔ بکلی چھل اور ہم نے سہریا کو ہرے ماتم جانے کے لیے روشنی کا سادھن دیتا ہو گیا۔

۴۔ لغات۔ گنجینہ دانش کہ عربی کا ایک کھیل، جس کے پتے تاش کے چور کے برعکس گول ہوتے ہیں، نیز ان کی تعداد باون کے برابر ہے چھپانے سے ہوتی ہے اور آٹھ آدمی اسے مل کر کھیلتے ہیں۔ گنجینہ باز، گنجینہ کھیلتے والا۔

درواقی گردانی : تاش یا کھیل کے پتے چھپنا اور ہاتھوں میں پھرانا۔
نیرنگ : غائب۔

ثبت خانہ : مراد ہے آرزوؤں اور تمناؤں کا ثبوت خانہ

شرح : جہاں سے سامنے تمناؤں اور آرزوؤں کا ایک ثبوت خانہ غائب و غائب ہے اور اس سے۔ اس کی دروق گردانی کا نقشہ ہم نے جوئے میں انجیل کا گنبد : انہی چور کو برابر پلٹ جا رہا ہے۔ ایک نقشہ آگاہ ہے اور وہ دریم ہو جاتا ہے۔ ہر اور صراحت سے آگاہ ہوتا ہے۔ اس طرح غفلتیں قائم ہوتی اور کھیرتی ہیں۔ یہی دنیا کی زندگی کا عام نقشہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس نقشے کو

پیش کرنے کی یہ ایک بہترین صورت ہے۔

۳۔ لغات - پیدائی : ظہور - نمودنائش۔

شرح : ہماری حیثیت پر نظر ڈالیے، دنیا بھر کا ہنگامہ بپا کر دکھا ہے لیکن نور و نمائش ہیج ہے، اس کا کہیں تپا ہی نہیں پلندا۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ہم دلی پردانہ کے شبستان میں چراغوں کی طرح ہیں۔

پردانے کے دل کو ایک شبستان مرقع کی، پھر اس میں چراغوں کا اشتعال ہوا۔

گویا ایک سورج و مہر و صحت پیدا ہو گئی۔

جس طرح شمع روشن ہوتے ہی پردانے کے دل میں شوق وصال کی بخیر و ہی ہنگامہ

بپا کر دیتی ہے اور وہ اگر ایک لمحے میں اپنے محبوب یعنی شمع پر قربان ہو جاتا ہے۔ اس طرح ہم نے دنیا بھر کے ہنگامے کا سرد دان کر دکھا ہے، لیکن پردانے کے شوق وصال کی کھلی میں چراغوں کا خار ہی وجود کو قوت نہیں، وہی حیثیت ہماری ہے۔

۴۔ لغات - نگہی گاہ : سہارے کی جگہ - ٹیکہ لگانے کا مقام۔

شرح : ہم نے ٹیکہ دو دو چھوڑی ہے تو اس لیے نہیں کہ ہم میں قناعت پیدا ہو گئی ہے، بلکہ ہم اتنے کمزور و ناتواں ہو چکے ہیں کہ ٹیکہ دو کر ہی نہیں سکتے۔

تجاہر ہے کہ اس حالت میں ہم بہت مردانہ کی نگہی گاہ کے لیے دعوت تلک ہیں، یعنی ہمارا موقف ایسا نہیں، جسے مردانگی کے نزدیک نہ یا سمجھا جاسکے، مردانگی کا تقاضا ہے تھا کہ ہم آزمائشوں پر قابو پاتے۔ اور کم سے کم پرتقاعت کر سکتے، مگر ہماری جاگ

دور اس وقت تک دور کی، جب تک ہماری قوت و طاقت ختم نہ ہو گئی۔ یعنی ہم جاگ دوڑ کے قابو نہ رہے۔ پھر محبت مردانہ کے لیے ہم دلی ثابت ہوئے تو

اس پر تعجب کیا ہے؟

۵۔ لغات : دائم العیس : ہمیشہ کے لیے قید - عر قیدی۔

شرح : اے استاد! ہم اپنے لبو بھرتے سینے کو تیرا نہ سمجھتے ہیں، کیونکہ اس میں لاکھوں آئینہ ہمیشہ کے لیے قیدی ہیں اور انہیں کے خواب زندہ جانتے سے

سینہ لہو سے بھر گیا ہے ۔

بہ نالہ حاصل دل بستگی مزا عسم کر ○
۱۔ لغات : دل بستگی :
دل کا تعلق ۔

مثبتہ عادت زنجیر ، بڑا عدا ، معلوم
تشریح : اسے عاشق ، تو میں
آہ و فغاں کر ، کیونکہ دل لگانے اور محبوب سے عشق کرنے کا حاصل اس کے سوا کچھ
نہیں ، تیری حیثیت زنجیر کی ہے ۔ زنجیر کے گھر کا مال و متاع آواز کے سوا کچھ
نہیں ہوتا ۔

مجھے کو دیار غمیر میں مارا وطن سے دور ○
۱۔ شرح : خواہ مخواہ
فراتے ہیں :
تیرے میں میرا مرنا ، ہر شخص
وہ حلقہ ہائے زلف ، کہیں میں ہیں اے خدا
رکھ لیو میرے دعویٰ وار سنگی کی شرم
کا شکر اس لیے کرتا ہے کہ اگر
وہاں بے گورد و گھن پڑے رہے

نہ کچھ معافی نہ دیں ، کیونکہ کوئی شخص نہیں جانتا کہ یہ کون تھا اور کس رہے کا
آدمی تھا ، لیکن وطن میں مرنا ، جہاں ایک زمانہ راحت حال ہو اور
غیر درد و غم نہ ہو ، وہاں مردے کی اس طرح مٹی خواب
جوئی سونت رہواتی اور نرس کا یا صحت ہے ۔ پس خدا کا شکر ہے کہ
اس نے پر ویش میں مار کر تیری بیکسی کی شرم رکھ لی ۔ اس میں کوئی غصہ
خدا کا شکر ہے ، اگر فی الحقیقت سراسر اہل وطن کی شکایت ہے ۔
تس کو ایک خاص پیرا ہے ہر لانا ہر کیا ۔

اتنا حرف کر دیا ضروری ہے کہ شکر کا نیاں پہلو بیکسی کی شرم رکھ لینے پر

خدا کا شکر نہیں، نمایاں پہلو یہی ہے کہ اہل وطن میری حقیقی حیثیت سے آگاہ رہے
انہیں کچھ خیال نہ آیا کہ میں کس قدر عزت کا مستحق تھا۔ اس ناقدی اور کسی میری
کی حالت میں میں بہتر بڑا کہ مجھے اہل وطن سے بہت دور ایک اجنبی ملک میں موت
آئی۔ اس طرح میرے وحیم دگریم خدا نے میری بیکسی کی شرم رکھ لی۔
مرزا نے اس سے ملنے پہلے شعر بھی کہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں
اہل وطن کی ناقدی کا بہت گہرا احساس تھا!

تھی وطن میں شان کیا غالب کہ ہو عزت میں قدر
بے تکلف ہوں وہ مشیت خس کہ گلشن میں نہیں

نیز :

کرتے کس منہ سے ہو عزت کی شکایت غالب !
تم کو بے مہری یاران وطن یاد نہیں؟

۲۔ لغات - کہیں : گھات -

دارشکی : آزادی -

تشریح : اسے خدا محبوب کی ذلت کے ملنے گھات میں بیٹھے ہیں اور بے
پہاؤں بیٹھے کے درپے ہیں۔ میں آزادی کا دعویٰ کروں، اب اس دعوے کی شرم
رکھ دینا تیرے ہی ہاتھ ہے۔

شعر کا مقصد یہ ہے کہ محبوب کے ملنے بلشک گرفت سے بچنے کی کوئی امید نہیں
اب بیداری کی حالت میں اپنے دعوے آزادی کی شرم محفوظ رکھنے کے لیے کوشاں
ہیں۔



۱۔ لغات : دام : لوں دام بخت خفتہ سے ایک خواب خوش اور

قرض، ادھار

غالب : یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کر دوں
خواب خوش : بے مہری

کی نیند، گہری نیند، جس میں نعل کا کوئی اثر نہیں ہو۔

مشریح : میر انصیب گہری نیند سو رہا ہے اور میری حالت یہ ہے کہ نیند آتی ہی نہیں۔ کبھی خیال آتا ہے کہ نصیب ہی سے ایک آدھ نیند اور چار باگ ہو، لیکن اسے غالب : غوث یہ ہے کہ یہ فرض اور کہاں سے کروں گا ؟
شعر کا مقصد صرف یہ ہے کہ بد نصیبی کا اظہار کیا جائے، جو استقامت پر پہنچی ہوئی ہے اور نصیب کے اس طرح سو جاننا یقیناً انتہائی بد نصیبی ہے۔



دو لڑاقی اور وہ دو سال کہاں ؟	دو شب و روز و ماہ و سال کہاں ؟
فرصتِ کار و بارِ شوق کے	ذوقِ انظار و جمال کہاں ؟
دل تو دل، وہ دماغ بھی نہ رہا	شورِ سودا سے خط و قال کہاں ؟
تھی وہ اک شخص کے تصور سے	اب وہ رعنائی خیال کہاں ؟
ایسا آسماں نہیں ہو رہا نا!	دل میں لالت، جگر میں مال کہاں ؟
ہم سے چھوٹا قمار خانہ عشق	وال جو باویں گروہ میں مال کہاں ؟
فکرِ دنیا میں سر کھپاتا ہوں	میں کہاں اور یہ دیاں کہاں ؟
مضمحل ہو گئے قوی، غالب !	وہ عناصر میں اعتدال کہاں ؟

یہ پوری غزل اس گزشتہ مجھے زمانہ کی یاد میں لگتی ہے، بسبب عشق اپنے ایک میں تھا اور پوری غزل مسلسل میں جا رہی ہے۔

۱۔ **مشریح :** وہ سے اشارہ اسی گزشتہ مجھے زمانہ کی طرف ہے جس

کی یاد اس فراق میں تازہ کی گئی ہے۔

وہ دور اب کہاں؟ جب فراق کو فراق اور وصال کو وصال سمجھتا تھا؟
یعنی جب عشق کا زور تھا، محبوب سے جبرائی تڑپاتی تھی اور اس کا وصال، زورائی
اور تمناؤں کے لیے روزہ عید تھا۔ دور اقیانوسوں اور مہینوں اور دو سال اب
کہاں ہیں؟ سب رخصت ہو گئے۔

۲۔ **شرح :** اب یہ حالت ہے کہ شوق کے کاروبار اور اس میں مشغولیت
کے لیے فرصت ہی نہیں رہی۔ محبوب کے جمال سے لذت اندوز ہونے کا ذوق
ہی باقی نہیں رہا۔

۳۔ **شرح :** دل کا تو ذکر ہی کیا، پہلے بیچارہ اب بھی باقی نہیں رہا جس
کے خط و خال دیکھ کر بخیر بخیر اور دیوانگی طاری ہوتی تھی۔ وہ اب کہاں باقی ہے؟
۴۔ **شرح :** جب عشق ندروں پر تھا تو خیالات میں رنگینی اور خفاقی اور
شرعی نمایاں تھی۔ اب دو سال کہاں؟ یہ کیفیت صرف ایک شخص کے تصور پر
موقوف تھی۔

مولانا طہطائی نے بیچ فرمایا ہے کہ اس شعر میں "اک شمع" کا لفظ بہت
بیچ ہے۔ اگر اس کی جگہ "اک شمع" کہا جوتا تو یقیناً محبوب کی سترفت نکلتی، لیکن
ملاحظہ ہو، ظاہر ہوتا کہ ابھی تک ذوق و شوق باقی ہے۔ لیکن یہ مغلغٹا سے مقام کے
نہایت ہوتا، کیونکہ یہاں ذوق و شوق کی نفی منظر ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ
لگن کی خفیت ہی کیفیت بھی باقی نہ رہے۔

۵۔ **شرح :** اور دونا آسان نہ سمجھا جائے۔ دل میں طاقت و قوت ہو اور
بگر اپنے اصل حال میں ہو۔ یعنی اس میں خون جو جزن ہو اس وقت شور و باجنگنا
ہے۔ جب دل و جگر اپنی ہر چیز کھو چکے ہیں تو ہوا کیونکر دیا جائے۔

اس مقام پر لفظ "آسان" نے نظریاتی کا ایک شعر ہے اختیار کر دیا :

نہیست آسان بر صفت آتش زودن می نماید گر میر از پروا نہ خوشتر

یعنی شعلہ افروز آگ پر مردانہ وار جاگنا سہل کام نہیں، اگرچہ پروانے کا محل
مرکب کہتے والے کو بڑا اچھا منظر معلوم ہوتا ہے۔

۴۔ لغات : قمار خاند : جو کیلئے کی جگہ۔

شرح : ہم سے عشق کا جو اگھر چھوٹ گیا۔ وہاں جایش تو ہمارے پاس
مال کہاں ہے۔ جو دائرہ پر لگائیں : نکتہ قوائد نے خوب کہا کہ نہ لفظ دل پاس ہے
نہ رائے ہیں جو اشرفیوں سے مشابہ ہوتے ہیں۔ نہ دہرہ دہر ہے جسے نہ سمجھا نہ سنے
اور نہ سہرہ شکیب کی دوست ہے۔ عاشق کے لیے ہی الہ و متاع ہے جسے نہ کر
وہ عشق کے تقدح نے میں بازی لگانے ہاتا ہے۔

۵۔ شرح : اب دنیا کی پریشانیوں میں الجھا رہتا ہوں، جگہ نہ ملے اس
دہال ہاں مشغلے سے کوئی مناسبت نہ تھی۔

۶۔ لغات : مضحمل : کمزور، سست۔ ضعیف۔

قوی : قوت کی وجہ۔

عناصر : عنصر کہ جمع یعنی وہ اجزاء جن سے اجسام مرکب ہوتے ہیں۔

شرح : اسے نائب جسمانی قوتیں ضعیف، کمزور اور سست ہو گئیں

جس اجزاء کے وجود میں اعتدال باقی نہ رہا۔

اجزائے وجود کا اعتدال قوتوں کے اوج کمال کا نام ہے۔ یہ اعتدال محضاً

اپنی شباب میں اعلیٰ چوٹ پر ہوتا ہے، جب شباب گیا، بڑھاپا آیا تو قوتوں کا اعتدال
اعتدال کا نام باقی رہ گیا۔

شرح : محبوب نے ہم

سے دنا کا آواز کیا تو غریبوں

اور تہیوں نے دنا کو دنا کا

نام دے دیا۔ ان کا مقصد

کہ دنا ہم سے تو غیر اس کو دنا کہتے ہیں

تو قی آتی ہے کہ اچھوں کو بڑا کہتے ہیں

یہ تھا کہ محبوب کے حبس ہو کر
 پر ہمت چینی کر کے اسے
 برکت دے کر دیں تاکہ وہ دنیا
 ترک کر دے۔ عاشق کو یہ
 اندیشہ پیدا ہوا تو اس نے
 کہا کہ غیروں کی کلمہ چینی
 کوئی بات نہیں۔ دنیا کے
 لوگوں کا دست ہمیشہ سے
 یہی چلا آتا ہے کہ وہ اچھل
 کو بڑا کہتے ہیں اور نیک
 کام کی مذمت کرتے ہیں۔

۲۔ شرح : ہم

نے فیصلہ کر لیا ہے کہ دل
 کی پریشانی کا حال محبوب
 سے جا کر لے آئیں۔ کہنے
 جاتے تو ہیں، لیکن دیکھیے
 کیا کہتے ہیں۔

دوسرے مصرع کے
 دو مطلب ہیں :

۱۔ ہم دل کی پریشانی

محبوب سے کہنے کے لیے

جاتے تو ہیں، لیکن دیکھیے

وہاں جا کر کچھ کہا ہو گا

آج ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے
 کہنے جاتے تو ہیں، پر دیکھیے کیا کہتے ہیں
 اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ بھر
 جو سے و غم کو اندوہ رہا کہتے ہیں
 دل میں آجائے ہے، ہوتی ہے جو فرست
 اور پھر کون سے نامے کو رسا کہتے ہیں
 ہے پر سے سرحد اور اک سے اپنا سب
 قبلے کو اہل نظر قبلہ نہ کہتے ہیں
 پاسے افکار پہ جب سے تجھے رحم آیا ہے
 خارِ رہ کو ترے ہم ہنر گیا۔ کہتے ہیں
 اک شعر دل میں ہے اس سے کوئی گہرائی کا
 آگ محبوب ہے ہم کو، جو ہوا کہتے ہیں
 دیکھیے لاتی ہے اُس شوخ کی نخوت کیا نا
 اس کی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہیں
 وحشت و شیفہ اب مرثیہ کہیں، شا
 مر گیا غالب آشفہ نوا کہتے ہیں

یا محبوب کو دیکھ کر ایسی محویت طاری ہوگی کہ زبان پر کچھ کہی نہ سکے گا۔
میر تقی نے کہا ہے :

یہ کہتے، وہ کہتے ہم قضا دل پہ جو بار آتا
سب کہنے کی باتیں ہیں، کچھ بھی نہ کہہ جاتا

یعنی جب تک یا دوسرے نہ قضا دل میں نہیں کہتے تھے کہ یہ بات بھی اسے سنائیں گے
وہ بات بھی اسے سنائیں گے، لیکن یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ دوسرے آنا تو کچھ
بھی نہ کہہ جاتا۔

۲۔ ہم کہنے جاتے تو ہیں، مگر دیکھیے وہ یہی محبوب سن کر کیا کہتا ہے۔

۱۰۔ لغات - اندر وہ دُبا : غم دُور کرنے والا۔

شرح : جو لوگ کہتے ہیں کہ شراب اور گانے سے غم دُور ہو جاتا ہے،
وہ پرانے زمانے کے بھروسے ہیں اور سادہ لوح لوگ ہیں، جنہیں اصل حقیقت
سے آگاہی نہیں۔ انہیں کچھ کہنے یا سمجھانے کا کیا فائدہ ہے ؟ وہ اصل حقیقت کا
اندازہ کر ہی نہیں سکتے۔

مطلب یہ ہے کہ شراب اور راک رنگ غم عشق کو زائل نہیں کر سکتے اور دل
کی گلی نہیں بچھا سکتے، بلکہ ان سے غم اور بڑھتا ہے۔

۱۱۔ لغات - نالہ و دہا : ایسی عزیز و فضاں جو مقصد پر پہنچ جائے۔

یعنی جس میں تاخیر ہو۔

شرح : میں آدھ فضاں کرتا ہوں اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ آدھ فضاں بے اثر
ہے، کیونکہ مقصد پر نہیں پہنچتی، لیکن یہ خیال غلط ہے، آہ کرتے ہی مجھ پر عشق طاری
ہو جاتا ہے۔ جب وہ کیفیت دور ہوتی ہے تو پھر نالہ و دہا آ جاتا ہے، اب بتاؤ
کہ اگر وہ نہیں تو کون سے واسطے کو رسا گیا جاسکتا ہے، جس میں اثر ہو اور جو مقصود کو
پہنچ جائے۔ عاشق مجرب کے طریق سلوک سے آنا یا اس ہو چکا ہے کہ برائے آئے
ہی واسطے کا دل ہی آ جاتا، اس کی رسانی قصہ کیے بیٹھا ہے۔

۵۔ لغات : اور اک : پایا : عقل : سمجھ :

موجود : جسے سمجھ کیا جائے ۔

قبیلہ نما : ایک آدمی جو قبیلے یعنی کعبے کا رنج بناتا ہے ، جیسے عقبہ بن قلاب کا رنج بناتا ہے ، یہاں قبیلہ نما سے مراد وہ مقام ہے ، جو حقیقی قبیلے کی طرف رہنمائی کرتا ہے ۔

مشرع : ہم کعبے کی طرف سمجھ نہیں کرتے ۔ بلکہ اس سمجھ تو اس وجود حقیقی کی طرف ہے ، جو عقل اور سمجھ کی مدد سے باہر ہے اور ہمارے باہر ہی جو اس سے پانچیں سکتے ، جس مقام کو عام اصطلاح میں قبیلہ کہا جاتا ہے ، یعنی کعبہ ، اس کے پاس میں تو اہل علم و بصیرت کا قول یہ ہے کہ وہ حقیقی قبیلے کی طرف رہنمائی کرتے والا ایک مقام ہے ۔

مولانا ابوالخیر بنی مزارتے ہیں ، مرزا نے یہاں :

” اس مسئلے کو تفہیم کیا ہے کہ کعبے کی طرف سمجھ کرنے سے کعبے کو سمجھ

کرا ، مقصود نہیں ۔ جسے ہم سمجھ کرتے ہیں ، وہ حیات سے مرزا ہے

اور سمجھ کے لیے حجت مرزہ ہے ، اس سبب سے حجت کعبہ کو نہیں

کر لیا ہے ۔۔۔۔ وہ بہت بہ منزلہ قبیلہ نما ہے ۔

۶۔ لغات : پاسے : انگار : زخمی پاؤں ۔

بہر گیا : ایک نہایت میں کی خاصیت یہ بتائی جاتی ہے کہ اس کی ہڈ جس کے پاس ہوا لوگ اس پر مہربان جوتے ہیں اور اس سے محبت کرتے ہیں ۔

مشرع : اسے محبوب ، پیر سے پاؤں تیرے ، اتنے کے کانٹوں سے زخمی ہو گئے ، انھیں مہربان دیکھتے ہی تجھے رحم آگیا ، ہم نے اسی وقت سے تیرے ہاتھ کے کانٹوں کو ” بہر گیا “ کہنا شروع کر دیا ، کیونکہ انھیں کی دھرم سے ، رحم ملنے تیرے دل میں جوش ملا ۔

۷۔ شرح : مولانا ابوالخیر بنی مزارتے ہیں :

میں نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ بے حیوانی، جڑوں میں ہے، اس کی حرارت سے گھبرا کر انسان کو مائٹ لینے کی ضرورت ہوتی ہے، بلکہ اصل یہ ہے کہ آواز اس کا اشتعال مطلوب ہوتا ہے، یہی باعث ہے کہ ہوا آتش ضرورت میں داخل ہے، ایسی چھ چیزیں، جن کے بغیر زندگی ممکن نہیں، تاکہ بار بار مائٹ لینے سے حرارت (زیادہ) کا اشتعال ہو تا رہے، اس معنوں کو مصنف نے تو ایک تفسیر شعریت کی طرح نظم کر دیا، لیکن وہ زبان خوب کا سنا جب سے ثابت ہوا، اس سے ظاہر ہو گیا کہ واقعہ میں ایسا ہی ہے، ہر مائٹ میں ہوا سے روح حیوانی کو اشتعال مطلوب ہے اور جو حیوان نکلتی ہے، بعینہ وہی ہے، جیسی ہوا چراغ کی ٹو سے پیدا ہوتی ہے، اس شعر سے مصنف کے فلسفیانہ مذاق کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہمارے دل میں عشق یا زندگی کی جو چنگاری ہے، اس سے ہم کیا گھبراہٹیں گے، ہم ہوا کے نہیں، آگ کے خواہاں ہیں اور ہوا سے مقصود یہ ہے کہ یہ آگ کو خوب بھڑکا دے، کیونکہ ایک چنگاری سے ہمارے ذوق کی تسکین نہیں ہوتی، ہمیں تو زبردست اشتعال درکار ہے اور وہ ہوا کے بغیر ممکن نہیں، شعر کے فلسفیانہ پہلو پر حمد و ثناء مولانا عبدالحق نے ٹالی ہے، اس میں کسی انسانے کی ضرورت نہیں۔

۸۔ لغات : تمام خدا : دہائیہ کلر یعنی اللہ اللہ چشم بہ بندہ،
 مخرج : ہم محبوب کی بات است پر نام خدا، اللہ اللہ چشم بہ بندہ کہ ہے
 میں اور اس کا حکم بڑھتا جا رہا ہے۔ دیکھو، یہ تمیز، یہ غرور آخر کیا رنگ داتا ہے
 اور کیا گل کھاتا ہے۔

۹۔ لغات : وحشت : سید غلام علی خاں وحشت، دہلی کے مشہور لوگوں
 میں سے تھے، اور کا نام سید فرحت اللہ خاں، خود وحشت مولانا، شیدائین خاں (جو)
 کے دادا تھے، اور انہی دو بھائیوں میں عنایت خوش بیان تھے۔ شعر کا مذاق

بہت جلد تھا۔ پہلے سرکار انگریزی میں ملازم رہے۔ پھر انگریزوں کو جدا ہو گئے۔ بعد
ازاں لکھنؤ چلے گئے اور ایک معزز خدمت پر ملازم ہوئے۔ شیفتہ کے بعد سرشت
تعلیم میں شغف ہو گئے تھے۔ مصطفیٰ نماں شیفتہ کے نہایت عزیز دوست تھے۔ نہایت
سے بھی گہرے تعلقات تھے۔

شیفتہ : نواب مصطفیٰ نماں، اردو میں شیفتہ اور فارسی میں حسرتی تخلص۔
شیفتہ : شیفتہ انوکھی کے بعد نہایت سے مشغول تھے کہ وہ بے نہایت عزیز
دوست تھے، جنہوں نے ہر موقع پر نواب کی درگاہ کی۔

آشفۃ لڑا : جس کی لڑائی سے پریشانی نہ تھی، دور و بھر سے نئے نئے دلا۔
شرح : دور و بھر سے نئے نئے دلا۔ نواب دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اب
شاہد و شہادت اور شیفتہ اس کا مرثیہ کہیں، کیونکہ وہ اس کے نہایت عزیز دوست تھے۔

○

۱۔ لغات :
ننگ پیرا بن : لباس
کے لیے باغ نکالنا
شرح : اس
پھول کی عزت و تہ کو دیکھا
ہو سکتی ہے جو باغ میں
نہ ہو، کیونکہ پھول باغ
ہی میں پہلے گئے ہیں۔
جہاں لوگ سیر و تفریح
کے لیے جاتے ہیں۔ ان
کے رنگ، خوشبو اور طرز
سے لطف اٹھاتے ہیں۔

آبرو کیا خاک اُس گل کہ گلشن میں نہیں
ہے گر یہاں ننگ پیرا بن، جو دامن میں نہیں
صفت سے لے کر یہ پکچھ باقی ہرے تن میں نہیں
رنگ ہو کر اڑ گیا، جو خوش کہ دامن میں نہیں
ہو گئے ہیں جمع اجزاء سے ننگ و آفتاب
فرتے اس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں
کیا کہوں تار کی زندان غم اندھیر ہے
بندہ نور صبح سے کم، جس کے روزن میں نہیں

رونقِ مستی ہے عشقِ خانہ ویراں ساز سے
 انجمنِ بے شمع ہے، مگر برقِ غم میں نہیں
 زخمِ سلوانے سے، لہجہ پر چارہ جوتی کا ہے طعن
 غیر سمجھا ہے کہ لذتِ زخمِ سوزن میں نہیں
 بسکہ ہم ہیں اک بہارِ ناز کے مار سے ہوئے
 جلوہ گل کے ہوا، گرد اپنے مدفن میں نہیں
 قطرہِ قطرہ اک بیوی ہے نئے ناسور کا
 خوں بھی، فوقِ درد سے، بخارِ ہرے تن میں نہیں
 لے گئی ساقی کی غوث، قلمِ آسٹامی مری
 مودِ بے کی آج رگ، مینا کی گردن میں نہیں
 یونشارِ صنعت میں کیا ناتوانی کی نمود
 قد کے جھکتے کی بھی گنواؤں ہرے تن میں نہیں
 حقِ وطن میں شان کیا، غالب اک ہر عزت میں تھا
 بے تکلف، ہوں وہ مشتِ خس کہ گلشن میں نہیں
 باغ میں کیفیتِ گریبان
 کی ہے، اگر وہ چٹ کر
 دامنِ تلک پہنچ جائے تو
 سچو مینا ہے کہ باس
 کے باغ میں قیاسِ میراں
 کھلا اور اس نے عزت آیت
 کا تمام حاصل کر لیا۔ اگر
 وہ چٹ کر دامنِ تلک میں
 پہنچ سکتا تو باس کے بے
 باعث تلک و مار ہی جیتا
 اور اس کی حیثیت وہی
 ہو گئی، ہو باغ سے باہر
 چول کی جوتی ہے۔ یعنی
 وہ ٹھکانے سے خودم جو
 جاتا ہے۔

شعر میں پہلے گریبان کے
 چٹ کر دامنِ تلک آئے
 کو چول کے کھٹنے سے
 قیاسِ میراں اور کوئی شہین
 کہ جس لباس کو پارہ پارہ
 کر کے دامنِ تلک پہنچا دیا

جائے وہ کھٹے چوتے چھری سے مشابہ ہو گا، کیونکہ اس کی تینوں بھی کھٹنے کے بعد
 وہی ہی شکل اختیار کر لیتی ہیں، پھر دامن کے گھیرے کو گلشن کے برابر رکھا، جس میں نہاں

گرمیاں کے پھول کھلے بستے ہیں۔

۲۔ **تشریح :** اسے گرمیہ اکمز دی نے میرے بدن میں کچھ باقی تھیں چھوڑا۔ جب جسم میں طاقت تھی۔ میں خون بھی روتا تھا اور وہ خون آنسو بن کر بھی آنکھوں سے بہتا تھا۔ جب طاقت ہی نہ رہی تو دونوں کیونکر ؟ میرے رونے میں جو خون چلے بہا تھا اور دامن کو اس نے رنگین کر دیا تھا، وہ بھی رنگ بن کر اڑ گیا، غرض صحت ملنے کچھ بھی میرے پاس نہ چھوڑا۔

۳۔ **تشریح :** محبوب کے گھر کی دیواروں میں جو روشنی طالع ہیں، ان میں ذرے و قسماں نظر آتے ہیں۔ اصل میں یہ ذرے نہیں، بلکہ سورج نے اپنی نگاہ کے اجزا پیدا دیے ہیں تاکہ کسی طرح محبوب کے جمال کی ایک جھلک دکھائے۔

جب سورج کی کرنیں دیوار کے روشن طالع سے گزرتی ہیں تو روشنی میں عنایت چھوٹے چھوٹے ذرے و قسماں کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مراد اسنے ان ذروں کو آفتاب کی نگاہ کے اجزا قرار دیا۔ آفتاب اتنی جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ نگاہ کو اصل حالت میں روکنے سے گزار دے، لہذا اس نے نگاہ کا ٹھکڑہ کیا اور ذرے بنا کر اسے روکنے میں پہنچا دیا تاکہ وہ براہ راست اوجیہ مار کے الزام سے بری نہ رہے۔

۴۔ **لغات :** چشمہ : پ پر نہر اور پیش سے دونوں طرح مستقل ہے، معنی روانی، روانی کا چھوٹا سا گولا یا گولہ جو پرانے زمانے میں میاں سے بہ رہی دیکھتے تھے اور کافروں میں رکھنا اب تک رائج ہے۔

تشریح : غم کے قید خانے کی تار کی کمال کیا جاتوں ؟ اس کا اندازہ یہ ہے کہ اگر اس کے دونوں میں روانی کا چھوٹا سا گولا رکھ دیا جائے تو ایسا معجزہ ہو کہ سپید سحر ظہور ہوگا۔

عجب آری کی استقامت پہنچ جائے تو چھوٹی سے چھوٹی سفید شے بھی اس میں مدائن ڈالنا ہاں نظر آتی ہے۔

۵۔ لغات - خانہ ویراں ساز : گھر برباد کر دینے والا۔

شرح : خواہہ مال فرماتے ہیں۔

دنیا میں جو رونق اور چل چل ہے، وہ عشق و محبت کی بدولت ہے خواہ زن و فرزند کی محبت ہو، خواہ مال و دولت کی۔ خواہ ملک و ملت کی خواہ کسی اور چیز کی۔ میں اگر خرمین میں برق مین دروں میں محبت نہیں تو اس کی مثال اس انگلیں کی ہے، جس میں شمع کی روشنی نہیں، یقیناً عشق گھر میں برباد کرتا ہے مین انسان کو کسی چیز کی لگن ہو تو وہ اپنے لقمہ نقصان کی کوئی پردہ نہیں کرتا، لیکن یہی عشق ہے جس سے دنیا کے کارخانے میں رونق پیدا ہوتی ہے، حتیٰ کہ ہر انسان گل کی مادہ میں جو بھی قدم اٹھاتا ہے، وہ عشق و محبت ہی کہے گی پراٹھا ہے۔ پھر عشق کی قسمیں ہیں اور مقاصد کی بنا پر اس کے درجے ہیں، مگر اس کے بغیر سچی کار کاوا میں رونق ہو ہی نہیں سکتی، اگر عشق نہ ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ ہستی کے خرمین پر بھی نہیں گری۔ اگر اس خرمین پر بھی نہ گرسے تو یقین کر لینا چاہیے کہ یہ ایک ایسی محفل اور ایسی انجمن ہو گی، جو شمع سے محروم ہو اور معلوم ہے کہ دنیا کی کوئی انجمن شمع کے بغیر جم ہی نہیں سکتی۔

دیکھیے، آٹھ آٹھ غفلتوں کے دو سرے ہیں لیکن زندگی کی کتنی بڑی حقیقت نہیں غفلتوں میں پیش کر دی اور غفلت یہ کہ اس سلسلے میں شاعری کے نام کی حالت غفلت رکھتے۔ ساتھ ہی ایک حقیقت کے سلسلے میں کئی حقیقتوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے مثال دیکھو انوکھی کہ اگر یہی خرمین میں نہ ہو تو انجمن بے شمع رہ جائے گی۔

۶۔ شرح : میں نے نہ تم بلو ایچہ، خیراں نے طعن دیا کہ دیکھو کہ یہاں عشق جو کہ خوں کا علاج کرانے کے وہ ہے، حالانکہ عشق صادق ہو تو وہ چارہ جوتی ہے اور جو ہی نہیں سکتا، لیکن خیر حقیقت کو کیا سمجھ سکتے ہیں؟ انہیں یہ خیال ہو نہیں سکتا کہ زخم جینے کے لیے سوئی سے کام لیا جاتا ہے اور خود سوئی بھی ہند نہیں ہوتی ہے۔ یہ کہ خوں کی لذت سے کہہ کر خرمین رہ سکتا ہوں، خیر اس کے

اندازہ شناس نہیں کر سکتے۔

دیکھیے، چادر بنوئی میں بھی لذت آزار کا پیلو پیسے اگر کیا۔

۴۔ **تشریح :** جسم ایسے محبوب پر مرٹھے ہیں، تو سراپا ناز و انداز کی بنا پر ہے۔ اس لیے بیمار کی لہر میں جو گرد نظر آتی ہے، یہ گرد نہیں، بلکہ پھولوں کا جلوہ ہے اور بیمار ناز نے دُور سے دُور سے میں پھول ہی کہا دیے۔

۸۔ **لغات :** میوئی : وہ بازو جو ہستی کی صورتوں کا عمل سمجھا رہا ہے مثلاً مٹی سے کرپٹے ٹھونڈا بنا دیا، پھر اسی مٹی سے ایک پرندہ تیار کر دیا، گھوڑے اور پرندے کا میوئی وہ مٹی ہے جس سے یہ بنے۔

ناسور : روزِ غم جو ہمیشہ رہتا ہے اور کبھی اچھا نہ ہو۔

تشریح : میرے جسم میں ج خون ہے، وہ بھی درد کی لذت ہی ڈوبا ہوا ہے اور اس لذت سے اسے فزائیت حاصل نہیں، دلیل یہ ہے کہ اس خون کی ایک ایک قطرہ ایک نئے نئے ناسور کا بیج بنی ہوئی ہے۔ گویا جسم کا ایک ایک قطرہ خون ناسور بنی جانے والا ہے، جو ہمیشہ رہتا رہے گا اور کبھی اچھا نہ ہوگا۔

۵۔ **لغات :** شغوت : تکبر، غرور۔

تقرصم آشیامی : سمند پی جانا، مینا پی جانے کی ہر صورت کو دینا۔

تشریح : ساقی کو اپنی بکھش و مطاہر پر بڑا غرور تھا، لیکن میں سمند کے سمندر اندر ہی لینے والا بازو کش آگیا تو ساقی کا تکبر و غرور ختم ہو گیا، شجوت یہ ہے، آج دنیا کی گردن میں سوچے شراب کی کوئی رنگ نظر نہیں آتی، یعنی مرا میں شراب سے بالکل بے غائی نظر آتی ہیں۔

ساقی کا دعویٰ یہ تھا کہ میری شراب پی کر سب نہیں، غالب کی بازو نوشی نے یہ دعویٰ باطل کر دیا۔ دوسرے مصرع میں سوچے سے کہ، گنگ مینا کی گردن میں نہیں، اس لیے کہ گنگ مینا کا غرور ٹوٹ جاتا ہے تو گردن میں گنگ جاتی ہے اور گنگ گردن میں لگ جاتی نہیں، یہی۔ غرور لذت کثرت سے شراب پی گیا، مرا میں بے غائی ہو گئی

گو یا ان کی گردنیں مورچے کی رنگ سے مخروم رہ گئیں۔ اب مرد اگر نہیں سکتیں۔

۱۰۔ لغات - فشار : ہر طرف سے بھینچنا۔ چاروں طرف سے دباؤ۔

مشرع : صنف اور کمزوری نے کچھ چاروں طرف سے اس طرح بھیج دیا ہے کہ ہر اقد جبکہ بھی جنس ملتا ہو تاوانی کی یہی عادت ہے۔ اب مزاجیہ۔ اس فشار میں میں جبکہ کیونکر سکتا ہوں اور میری تاوانی دنیا پر آگے۔ کیونکر ہو سکتی ہے؟

۱۱۔ شرح : خواہ حال مخروم فرماتے ہیں :

- اپنے تئیں شس یعنی پھونس وغیرہ سے اور وطن کو گھٹن سے تشبیہ دی

ہے۔ یعنی جس طرف پھونس گھٹن میں جرتا ہے تو ہٹتا ہے اور گھٹن میں

نہیں جرتا تو اس کی کچھ قدر جنیں ہوتی۔ یہی حال میرا ہے کہ وطن میں

خفا تو جلتا تھا اور اب پردیس میں ہوں تو بے قدر ہوں۔

اسے نائب اوطن میں میری کون سی شان تھی کہ عزت یعنی مسافری اور ملک

غیر میں میری قدر ہو؟ میری مثال گھاس پھونس کی اس ٹھٹھکی کی ہے جو گھر یا باغ

جی ہو تو اسے اٹھا کر ایک طرف پھینک دیتے ہیں پھر بحث میں ملا دیتے ہیں۔ یہی

گھاس پھونس یا کائٹے جی سے باہر ہوئے تو حسب بھی حقیر سمجھے جاتے ہیں اور

جی میں ہوئے تو حسب بھی ان کی حسرت میں ملتا اور ان کے اٹھانا ہی ہے۔

کمال : ہے کہ وطن اور عزت دونوں جگہ بے قدری اور انکسیرت و اذیت

کے لیے مثال ایسی تلاش کی جو سب کے سامنے ہے مگر کبھی کسی کو سو بھی نہیں۔

جو نائب کی باغ نظر ہے۔

آخر میں اتنا اور بتا دینا چاہیے کہ یہ مقلع نیاں فریت سے تعلق نہیں رکھتا۔

۱۲۔ حسب مراد پیش کے مقدمے کے لیے حکایت کہنے تھے تو یہ غزال داد کے ایک

نندہ سے ہیں جو مٹی گئی تھی۔ گو یا اس شعر میں جو کچھ کہا۔ وہ عالم عزت میں کہا۔

یہ شعر بھی اس دیوان نائب سے ہوتا ہے۔ جس کا خلی شکر حافظ شیرازی مخروم

نے فرمایا تھا اور اب وہ پنجاب پر عہد سنی لاہور کی سی ہے۔ دیوان کے
حاشیے پر لکھا ہے کہ یہ غزل پانڈویں کہی گئی۔

○

۱۔ شرح : ہیں عہد سے سے عرج ناز کے باہر نہ آ سکا
گراک اور اہو تو اسے اپنی قضا کہوں
حلقے ہیں چشم بکے کشادہ بہ سوسے دل
بہر تار نہ لطف کو نگہ سوسہ سا کہوں
میں اور صد ہزار تو اسے جگر خسراش
تو اور ایک وہ نہ شنیدن کہ کیا کہوں
ظالم ہمرے گان سے مجھے منفعل نہ چاہ
ہے ہے خدا نہ کر وہ تجھے بیوقوف کہوں !
۱۔ شرح : ہیں عہد سے سے عرج ناز کے باہر نہ آ سکا
گراک اور اہو تو اسے اپنی قضا کہوں
حلقے ہیں چشم بکے کشادہ بہ سوسے دل
بہر تار نہ لطف کو نگہ سوسہ سا کہوں
میں اور صد ہزار تو اسے جگر خسراش
تو اور ایک وہ نہ شنیدن کہ کیا کہوں
ظالم ہمرے گان سے مجھے منفعل نہ چاہ
ہے ہے خدا نہ کر وہ تجھے بیوقوف کہوں !
۱۔ شرح : ہیں عہد سے سے عرج ناز کے باہر نہ آ سکا
گراک اور اہو تو اسے اپنی قضا کہوں
حلقے ہیں چشم بکے کشادہ بہ سوسے دل
بہر تار نہ لطف کو نگہ سوسہ سا کہوں
میں اور صد ہزار تو اسے جگر خسراش
تو اور ایک وہ نہ شنیدن کہ کیا کہوں
ظالم ہمرے گان سے مجھے منفعل نہ چاہ
ہے ہے خدا نہ کر وہ تجھے بیوقوف کہوں !

۲۔ لغات : نگہ سوسہ سا : سرگین آنکھ کی نظر سوسہ آنکھوں کا۔
شرح : میرے محبوب کی زلف میں جو گر میں نظر آتی ہیں ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ وہ گر ہیں نہیں۔ بیکہ کشی ہوئی آنکھوں کے حلقے ہیں۔ میں کارٹ وٹ کی
طرف ہے۔ ان آنکھوں میں زلف کے بہر تار کو ایسی نگاہ کی حیثیت حاصل
ہے جو سرگین آنکھ سے نکلتی ہے۔

۳۔ لغات : نہ شنیدن : نہ سنتا۔

شرح : میرے دل سے آنکھوں آہیں اٹھ رہی ہیں جو مگر کو ہر صاف

ٹکڑے ٹکڑے کر سکتی ہیں۔ اسے محبوب ! تیری حالت یہ ہے کہ تو ایک بھی آہ
سننے کے لیے تیار نہیں اور غم پر اڑا بیٹھا ہے۔ ایسے حالات میں میرے لیے
کچھ کہنے کی کیا گنجائش ہے ؟

۴۔ لغات - منفعل : شرمندہ ، منفعل نہ چاہ ، دراصل "منفعل نحو او"
کا اردو ترجمہ ہے اور یہ شعر لفظاً اُسی دور کے ہیں جب مرزا پر قاضی سیٹ غائب تھا۔
خدا نہ کر وہ : خدا نہ کرے۔

تشریح : اسے ظالم محبوب ! میرا گان تو تجھے بے دانا سمجھا بیٹھا تھا لیکن
میں نے تیرے حق میں ایسا خیال گوارا نہ کیا ، اب خدا کے لیے تجھے میرے گان
سے تو شرمندہ نہ ہونے دے کہ میں بے بس ہو کر یہ کہنے پر مجبور ہو جاؤں تو واقعی
بے دانا ہے۔

اس شعر کی لفظی اور معنوی خوبیاں بیان کرنا مشکل ہے۔ مثلاً محبوب کو ظالم
کہہ کر خطاب کیا ، گویا ایک لفظ میں بتا دیا کہ وہ برابر ظلم کر رہا ہے اور دانا کا ایسے
کچھ خیال نہیں۔ پھر مرزا یا گان پہلے ہی ہیں کہ نہ ! تھا لیکن میں گان کی بات
ناخن کے نیلے سیرگزی تیار نہ تھا۔ پھر مرزا یا کہ اب میں شرمندگی سے درپنا ہو
رہا ہوں ، کیونکہ گان سچا نکلا اور میں بھولنا ثابت ہوا۔ اس حالت میں دانا
دیتے ہیں کہ کچھ سوچا ، کچھ خیال کر۔ ہے ہے ! خدا نہ کرے میں تجھے یوں ناکوں !

○

۱۔ تشریح : اسے محبوب !
تو نے سخی کی ، میں دل برداشتہ
ہو کر ٹھک بیٹھ گیا ، کیا تو
مے نہ سمجھ دیا کہ میں دوبارہ
تیرے پاس نہیں آ سکتا ؟
یہ بالکل غلط ہے۔ خدا ہر دانا

مہرباں ہو کے بلالو مجھے ، چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں
منفعت میں طعنہ ! اختیار کا شکوہ کیا ہے
بات کچھ سرتو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں

زائے اور مجھے باہر بھیجے۔
 ذہر ملتا ہی نہیں ٹچے کو۔ ستمگر اور نہ
 بیگ گزند اور وقت دوبارہ
 کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں
 نہیں آسکتا۔ لیکن کیا میں
 گزند اور وقت ہوں کہ دوبارہ آ بھی نہ سکوں ؟

سورہ شہرہ : بیگ مجھ پر انتہائی صنعت جاری ہے اور غیر ملنے دے
 رہے ہیں۔ ان طعنوں کی کیا شکایت کروں ؟ طعنہ محض باتیں ہیں، پھر کیا باتیں
 کوئی سر میں کہ اٹھا بھی نہ سکوں ؟
 مطلب : کہ خیروں کے طعنے اٹھا سکتا ہوں یعنی برداشت کر سکتا ہوں
 البتہ مجھ میں صنعت کے باعث سہراٹھانے کی تاب نہیں۔

سم۔ لغات۔ ملنے کی قسم کھا لینا : ملنے سے انکار کر دینا۔
 شہرہ : خواہ حاکمی فرماتے ہیں۔

جب کہا جاتا ہے کہ اس کو خدا کا کام کرنے کی قسم ہے تو اس کے
 یہ منی ہوتے ہیں کہ اس کو اس کام کے کرنے سے انکار ہے۔ میں
 عاشق معشوق کے ملنے کی قسم کیونکر کھا سکتا ہے ؟ کہتا ہے کہ نہ ہر
 کچھ تیرے ملنے کی قسم نہیں کہ اس کو کھا نہ سکوں، چونکہ وہ ملتا نہیں
 اس لیے نہیں کھا سکتا ؟

اے عالم ! مجھے ذہر ملتا ہی کہاں ہے ؟ اور نہ کیا وہ تیرے ملنے کی قسم ہے
 جو کھا بھی نہ سکوں ؟

ان تینوں شعروں میں افعال ایسے لائے، جن کے دو معنی ہیں، ایک حقیقی
 دوسرے مجازی یعنی ایک از دوئے لغت، دوسرے از دوئے محاورہ، مثلاً
 آج وقت کا بھی ہو سکتا ہے اور اپنا بھی اٹھانا بات کا بھی ہو سکتا ہے اور سر
 کا بھی، کھانا نہ ہر کا بھی ہو سکتا ہے اور محبوب سے ملنے کی قسم کا بھی۔ اس
 قسم کے اشارہ اساتذہ کبار دیوانوں میں شاذ ہی ملتے ہیں۔

ہم سے کھل جاؤ بروقت سے پرستی، ایک دن
 ورنہ ہم چھڑیں گے، رکھ کر عذر مستی، ایک دن
 مکتبہ ادب بنا سے عالم امکاں نہ ہو
 اس بلندی کے نصیبوں میں ہے مستی، ایک دن
 قرض کی چتے تھے، لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
 رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی، ایک دن
 غم ہائے غم کو بھی اسے دل باغیت ہائے
 بے صدا ہو جائے گا یہ ساؤرہ مستی، ایک دن
 دھول دھپا اُس سرایا ناز کا شیوہ نہیں
 ہم ہی کر بیٹھے تھے، غالب اپنی مستی، ایک دن
 شراب پی لی مستی، ہوش و حواس قائم نہیں تھے۔ ارادے کی باگ ڈور ہے اختیاری
 کے حواسے ہو گئی تھی۔ اگر کوئی ایسی ویسی حرکت سرزد ہو گئی تو سمجھ لو کہ چارادہ
 ہو گئی اور مستی میں انسان کو اپنے آپ پر قابو نہیں رہ سکتا۔
 ۴۔ لغات : سفر کا : عذر، گھنڈا، ناز، فخر۔
 پنا : بنیاد۔

عالم امکاں : ممکنات کی دنیا یعنی یہ کائنات جو ہر حال فنا ہو جائے گی۔
 دنیا۔

تشریح : اس دنیا کی بنیاد کے بلند ہونے پر غور، ہرگز دنیا نہیں۔ کیونکہ

۱۔ لغات : کھل جاؤ :
 بے تکلف ہو جاؤ۔

مے پرستی : شراب نوشی۔

تشریح : ہائے محبوب :

کسی روز شراب نوشی کے

وقت ہمارے ساتھ بیٹھ

کر بے تکلف ہو جاؤ۔ اور

ہم مستی اور مدح و شہی کا ہوا

بنا کر ہمیں چھڑنے لگیں گے

اس طرح چھڑ کر وہی

کیفیت پیدا کر دیں گے۔

جو بے تکلفی میں ہمارے

پیش نظر ہے، اگر کچھ

کسو گے یا اعتراض کرو گے

تو ہم کا دیں گے کہ جیسا !

اس بلند ی کی قسمت میں ایک دن پستی ملتی ہے ۔

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ کائنات جس جس جو جائے گی ۔ اس کی بلند عمارتیں ، نمایاں قصر ، وسیع اور مزجت افزا باغ ، عرض حجر کچھ اس میں فروز کا باعث ہو سکتا ہے ۔ وہ سب مٹ جائے گا ۔ پھر اس پر فروز ناز کی کون سی وجہ ہے ؟

۳۰۔ لغات ۔ فاقہ مستی : اس کے در معنی ہیں ، اول لذت و تلذذ مستی میں بھی مست رہنا اور تنگی کو محسوس نہ کرنا ، مہنگی کا وجود قمر من سے کہ شراب بنایا اور مست رہنا ۔

تشریح : ہم قمر من کی شراب پیتے تھے ، لیکن اس حقیقت سے خوب آگاہ تھے کہ یہ سہاری فاقہ مستی ایک دن لازماً ناک لائے گی اور ضرور گل کھولے گی ۔ ایک قصہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ مرزا غائب پر قمر من کے سسلے میں دھنی دائر ہوڑا ۔ مقتدر مفتی صدر الدین آئندہ نے سنا جو صدر الصدور تھے ۔ مرزا کے بیان کی باری آئی تو یہی شعر پڑھ دیا ۔ صدر الصدور شعر سن کر مسکرائے ، ڈگری غائب کے غائب کر دی اور قمر من کا روپیہ اپنی جیب سے دے دیا ۔

اس قصے کے سسلے میں یہ تعریف کر دینی چاہیے کہ اگر ایسا ہو تو کوئی چھوٹے سے قمر من کا مقتدر ہوگا ، کیونکہ مرزا پر قمر من کی جو بڑی رئیس و احباب تھیں ۔ وہ انھوں نے خود ہی ادا کیں ۔

۳۱۔ تشریح : اسے دل ! اگر مسرت و شادمانی کے نغمے سننا ہمارے مقتدر میں نہیں تو علم ہی کے لغوں کو غنیمت سمجھو ، کیونکہ آخر مستی کا یہ سنا ایک دن بے آواز رہ جائے گا اور اس سے مسرت و شادمانی ہی نہیں ، غم کے نغمے بھی نکلنے بند ہو جائیں گے ۔

جواب : ایک زمانے کے بعد ذرا صحت باقی رہے گی ، ذرا بچ ، نہ زندگی کے سانسے نشاط کے نغمے بلند ہوں گے ۔ نہ درد کے ۔ اگر ایک چیز تھیں مٹی ، تو

دوسری ہی تھی۔

دوسری جگہ مرزا نے اس سے بتا جتنا شعر کہا ہے۔

ایک ہنگامے پر موقوف ہے گھر کی مدافن

نومذہب ہی تھی۔ فخر شاہی نہ تھی

لیکن واضح ہو کہ ذریعہ شعر میں نومذہب سے غم نہیں، نقد ہائے غم ہی کی دینی
دروازوں اسٹاٹوٹھے ہیں۔ ایک سترت پیدا کرتا ہے اور سراسر غم۔ پھر یہاں گھر کی مدافن
پیش نظر نہ تھی، بلکہ ساز مہستی کا ہے صدا ہو مانا پیش نظر تھا۔ لہذا جو کچھ بھی نصیب
ہو، اسی کو غنیمت سمجھنا ضروری ہو گیا۔

۵۔ شعر ح : اسے نائب ! میرے سراپا ناز محبوب کا طریقہ تو یہ نہیں کہ

دعول دھتے سے کام لے اور زود کو بنگ نہ بہت ہنپائے، مصیبت یہ پیش آتی
کہ ہمیں سے ایک روز دوست و رازی میں پہل ہو گئی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا اب اسے
ہوا داشت ہی کرنا ہو گا، شکوہ شکایت سے کچھ نہیں بن سکتا۔



ہم پر جفا سے، ترک وفا کا لگساں نہیں

اک چھڑ ہے، وگرنہ مراد امتحان نہیں

کس منہ سے شکر کیجیے اس لطیف خاص کا

پتہ ہمیش ہے اور پانے سخن در مسیاں نہیں

ہم کو ستم عزیز، ستم گر کو حسم عزیز

نامرہاں نہیں ہے، اگر مہرہاں نہیں

۱۔ شعر ح : محبوب

ہم پر جفا کر۔ اسے تو اس

کا مطلب یہ ہے کہ اسے

ہم سے اپنے عشق پر پورا

عبر دے اور خیال بھی

نہیں ہو سکتا کہ ہم کسی صورت

میں وفا چھوڑ دیں گے اور اس

سے رشتہ توڑ دیں گے۔ اسی

یقین نے اسے لیے پروا نہ

ویا ہے۔ جتنا کا مطلب یہ تھا

نہیں کہ ہمارا امتحان مقصود

ہے، یعنی محبوب یہ بھی نہیں

چاہتا کہ ہمارے عشق کے

غصوں کی آڑ ماضی کرے۔

جنب دلاں چیریں ختم ہو

گئیں، یعنی نہ ہم پر ترک و نا

کا گمان ہے اور نہ امتحان

مقصود ہے تو حجاب ہے کہ

جو بھی حجاب کر رہا ہے وہ

عشق ایک چھڑ ہے، ایک

مہربانہ ادا ہے اور نہ بھی

منجھڑا ہی چیزوں کے ہے،

جن پر ہم مزیقت و مذاہم

۲۔ لغات -

پائے سخن در میاں نہیں:

بات کا پاؤں در میاں نہیں

یعنی بات کوئی نہیں کی سنت

سے کہہ نہیں کہا۔

شرح: محبوب

کے اس خاص لطف و نوازش

کا ٹکرا کر سننے کے پتہ نہ

کہاں سے نازل؟ مجھ میں

بوسہ نہیں، نہ دیکھیے، دستِ شام ہی نہیں

آخر زباں تو رکھتے جو قسم، گر دباں نہیں

ہر چند جاگد اذی قہر و عتاب ہے

ہر چند پشتِ گر بنی تاب و نواں نہیں

جاں، مطلب: ترانہ کھل جتن قہر دنیا ہے

لب، پردہ سنج زمزمہ الا ماں نہیں

خجھر سے چیر سینہ، اگر دل نہ ہو دو نیم

دل میں چھڑی چھو، مڑہ گر غلوں چکاں نہیں

ہے ننگ سینہ دل، اگر آتش کدہ نہ ہو

ہے عایدِ نفس، اگر آذر فشاں نہیں

نقصان نہیں، جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب

سورگِ زمیں کے دے، بیاہاں گراں نہیں

کہتے ہو: کیا کھا ہے قریٰ سر نوشتِ مہا،

گویا جبین پہ سجودِ ثبوت کا نشان نہیں

پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی

نور القدس اگرچہ مرا مہرباں نہیں

جہاں ہے ہمارے بوسہ دے کیوں کہے ۱۰ بھی اور اے شکر کی محال اور بہت
 کہاں ہے ؟ غلط و نوازشا
 یہ کہ اشعاروں اور اداؤں

سے حال پوچھ رہے ہیں، لیکن مجھ سے کچھ نہیں کہا، بات کوئی نہیں۔

• مطلب خاص : اس لیے کہا کہ حال پوچھنے کا یہ طریقہ محبوب نے صرف شاعر
 کے لیے مخصوص رکھا، اور وہی کے تعلق میں اس سے کام نہیں لیا۔

۳۰ • مخرج : ہم اپنی ایذا دوستی کے باعث محبوب کے جو درد ختم کو پسند
 کرتے ہیں۔ اس کے برعکس محبوب ہمیں طرد کر دیتا ہے اور جو درد ختم اس پر ہمارے
 پر نہیں کرتا کہ ہمارا درد وہی ختم ہو جائے، اس لیے کہ ہر جہے کہ اگر وہ ہم پر ہمدردی
 نہیں تو ہمارا دل بھی نہیں۔

شعر بہت سہل اور واضح ہے، مثالیں بھی مل جائیں گی کہ شاعروں نے غظوں
 کے الٹ پھیر سے بڑے اچھے شعر کہے ہیں، لیکن ایسے شعر کی مثالیں بہت کم نظر
 آئیں گی کہ صرف دو غظوں پر پورا معنوں قائم ہے، یعنی "ستم" اور "عربان" زیادہ
 سے زیادہ ایک غلط "مخرج" اور شامل کر لیجیے۔ "جو حقیقت" بنا سے شعر نہیں، بلکہ
 معنوں شعر کا لازمہ ہے۔

۴۰ • مخرج : دہن کی تنگی کو لازم عشق میں سے ہے، اگر شاعروں نے
 مبالغہ کرتے کرتے محبوب کے دہن کو ایک غلط "موجوم" بنا دیا، بلکہ حد نہایت تک
 پہنچا دیا۔ مرزا نے بھی اس شعر میں شاعروں کے اسی تصور سے کام لیا ہے، کہنے
 ہیں کہ اسے محبوب، بوسہ دینے کا بہانہ تو یہ ہو گیا کہ ہمارا منہ ہے نہیں، جو بوسہ
 دیں، لیکن بوسہ نہیں دیتے تو گالی ہی دے دیجیے، کیونکہ آپ کا منہ معدوم ہے تو زبان
 تو موجود ہے، اس سے تو کام لیا جا سکتا ہے۔

۵۔ ۶۔ لغات : پشت گری : پوری، اور، تقویت، سہارا، ملحقہ،
 مطرب : گانے والا۔

بل من مزید : قرآن مجید کی ایک آیت کا ٹکڑا جس کے معنی ہیں : کیا کچھ
اللہ بھی ہے ؟ یہ ٹکڑا سورۃ ق سے ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

یوم نقول لجدہ قمر هل امثلت جس دن ہم روزِ قمر سے کہیں گے کہ
ونقول هل من مزید کیا تو بھر گئی ؟ اور وہ کہے گی : کیا کچھ
اللہ بھی ہے ؟

پھر وہ سچ : اساز کے پردے سے کام لینے والا یعنی نغزِ زن ، لو اگر ۔

الامان : پناہ ، رحم ۔

شرح : اگرچہ محبوب کا غضب اور غصہ جان گھٹاتے ہمارا ہے ، مگر یہ
طاقت و قوتِ ساتھ دینے اور سہارا دینا کرنے کے لیے تیار نہیں ، پھر بھی جانِ بل
من مزید کا ترانہ گارہی ہے یعنی ہا متی ہے کہ غضب اور غصہ اور زیادہ ہو اور
مجھے مزید شدت سے ان کا تختہ مشق بنایا جائے ۔ ساتھ ہی لب کی یہ طاقت ہے
کہ اس پر پناہ یا رحم کا زمرہ کبھی نہیں آیا ۔

مطلب یہ کہ جانِ گھٹل ہمارے ہی ہے ، جسم کی طاقت جو اب دے چکی ہے ، لیکن
عشقِ حزیں یہ تہ و ثقاب کا قلب گارہ ہے ، لبِ شہت اور سختی سے پناہ مانگنے کے
لیے تیار نہیں ۔

۷ ۔ لغات ۔ دو نیم ۔ دو ٹکڑے ۔

شرح : اگر شیرِ دلِ عشقِ و محبت میں دو ٹکڑے نہ ہوں ، جو تو تجھے چاہے کہ
خیزے سینہ چیرے ۔ اگر چکوں سے ٹوٹ نہیں ٹپکتا تو ضرور ہی ہے کہ دل میں پھیری
چھوڑ دے ۔

دل اسی طرح پارہ پارہ ہو سکتا ہے کہ سینہ خیز سے چیر دیا جائے اور آنکھوں

سے آنسو میں جہنم اور دوزخِ مذکور استہاں ہوتے ہیں ، عربی میں جہنم نزلت ہے ، ستا
ترکے میں قرآن مجید ہی کی پیروی کی گئی ۔

سے ہوا اسی وقت چپکے گا، جب چہری چھوئے سے دل خون ہو جائے گا، لیکن مردانہ
نمائش کا مطلب یہ نہیں کہ واقعہ ایسا کیا جائے، مطلب صرف یہ ہے کہ دل کو ہلکا
دور پارہ اور پتکوں کو ہلکا سا خوشحال کرنا چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہو تو معین اس قابل ہے
کہ اسے غیظ سے چیر دیا جائے اور دل اس حالت میں ہے کہ اس میں چہری چھو دی جائے
یہ حقیقت اگلے شعر سے بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

۸۔ لغات : آتشکدے : آتش کا گھر۔ آتش پرستوں کا عبادت خانہ،
جہاں ہر وقت آگ جلتی رہتی ہے۔

آذر قشاں : آگ بجھا دینے اور برسانے والا۔

شرح : جو دل آتش عشق سے سراپا آتش کہ ڈھن بجائے وہ بیٹے
کے لیے باپ کا آگ ہے اور جو سانس آگ نہ اٹھے وہ دل کے لیے عمارت
شرم کا موجب ہے۔

۹۔ شرح : دیوانگی کی حالت میں گھر خراب ہوتا ہے تو ہوتے دو
میں بیابان کے پکڑے لگاؤں کا تو گھر کی دیکھ بھال کرنے والا کون ہوگا؟ اس حالت
میں وہ اچڑاتا ہے تو اچڑ جائے۔ اس میں میرا کیا نقصان ہے؟ گھر کی نہ بین نہ یاد
سے زیادہ سوگند ہوگی۔ اس کے برعکس میں مجھے بیابان ملتا ہے، جس کی وسعت
اور پیمائی کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

تفصیل : گھر اور بیابان کا موازنہ کرتے وقت صرف رقبہ پیش نظر
نہ تھا اور اندازہ بیان ایسا اختیار کیا کہ پڑھنے والے کو کسی دور سری پہنچ کا احساس
ہی نہیں ہو سکتا، یہی شاعر کا کمال ہے۔ درد گھر اور بیابان کے موازنے کی یہ کوئی
اچھی صورت قطعاً نہیں، اس میں جس شبہ نہیں کہ اگر ویرانی میں دونوں کہانوں
تو ترجیح کا فیصلہ وسعت رقبہ ہی کی بناء پر کیا جائے گا۔

۱۰۔ لغات : سرفروخت : تقدیر، قسمت، تخت پیشانی میں پیش آنے والے
حالات کی فہمی نظریہ، تقدیر۔

تشریح : اسے محبوب : تم پوچھتے ہو کہ تیری قسمت میں کیا کچھ لکھا ہے ؟
مقام حیرت ہے کہ تمہیں میری پیشانی پر نہتے کے سجدے کا نشان نظر نہیں آیا !
اپنے محبوب کو سجدے کرتے کرتے میرے اسے پر تو گنا پڑ گیا اور پوچھتے ہو کہ
تیرے خطہ پیشانی میں کیا کچھ لکھا ہے ؟ حالانکہ ہاتھ کا نشان خود میرا خطہ پیشانی
اور میری تقدیر واضح کر رہا ہے اور اسی پر مجھے ناز ہے ۔

۱۱۔ لغات ۔ روح القدس : حضرت جبریلؑ ۔

تشریح : اگرچہ جبریلؑ میرا ہم زبان نہیں ۔ یعنی جو زبان مجھے ملی ہے وہ
اسے نہیں ملی ، لیکن اس سے اپنے کام کی کچھ داد پاتا ہوں ۔ یعنی وہ اپنی تو تمہیں
کچھ کچھ میرا کام سمجھتا ہے ۔

مطلب یہ کہ میرے شعر میں اسرا دہائی ہیں ۔ مگر ہندوستان کی وسیع سرزمین
میں ان کے سمجھنے اور داد دینے والے کہاں ملتے ہیں ، صرف روح القدس سے
کچھ داد پاتا ہوں ۔

خدا برحق نے بالکل سچ لکھا ہے کہ ہر زبان کے لفظ میں ایسا نام ہے نہ کہ ہر
معنی تو یہی ہیں کہ انسان اور فرشتے کی زبان ایک نہیں ہو سکتی ۔ وہ پردہ اس میں
یہ اشارہ ہے کہ جیسی فصیح میری زبان ہے ، ویسی روح القدس کی نہیں ۔

۱۲۔ لغات ۔ بہانہ قیمت ۔ معارف ۔

تشریح : بیگم محبوب نے بوسے کی قیمت جان رکھ دی ہے ۔ یعنی بوسے
کے عرصہ میں وہ جان چک کر رہے ہیں ۔ لیکن ابھی اس کے اعلان کے لیے تیار
نہیں ہو کیوں اعلان کرے ، جب جانتا ہے کہ ابھی غائب نیم ہاں نہیں ہوا ۔

حاصل یہ ہے کہ جب پوری جان بوسے کی قیمت ٹھہری تو غائب فوراً اعلان
کرنے کے لیے تیار ہو جاتے گا ۔ حالانکہ محبوب کی مرضی یہ نہیں ۔ چنانچہ وہ انتظار
میں بیٹھا ہے کہ غائب عشق کی سنجیدگی نہ کر نیم ہاں جو مانگے ۔ اس وقت پکار
کر گزرنے لگا کہ اب جان بوسے کر بوسہ دیا جاسکتا ہے اور غائب نیم ہاں کی بات

ذمہ دہرہ قیمت اور اگر نکلے گا اور نہ بوسے کا حق دار بنے گا۔

○

ماہر دشت نور دی کوئی تدبیر نہیں
ایک پکڑے میرے پاؤں میں ازنجیر نہیں
شرق اُس دشت میں دوڑانے سے مجھ کو کر بیا
باد غیر از نگہ دیدہ تصویر نہیں
حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے
باد راو دنا بہ زم زم شبیر نہیں
ریخ زمیدی جاوید ! گوارا رہو
خوش ہوں، مگر نالہ زبونی کش تاثیر نہیں
سہ کھاتا ہے جہاں از بزم سراخچا ہو جائے
لذت سنگ اب اندازہ تقریر نہیں
حب کرم و نصیب ہے یا کی و گستاخی دے
کوئی تقصیر بجز غلبت تقصیر نہیں
غالب اپنا یہ عقیدہ ہے یہ قول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتبر میر نہیں

۱۔ لغات۔ دشت نور دی :
بیابان کی خاک چھانتا، جنگل جنگل
پھرتا، سواگر دی۔
پکڑ : پھرنے کی کٹ گردشی
کا حادثہ ثانیہ یہ جاتا۔

شرح : مجھے کوئی تدبیر
سواگر دیابان کی خاک چھانتے
سے دو کھنے والی نہیں۔ دیوانے
کو نہنجیر میں اس سے پناہی جاتی
ہیں کہ وہ باہر پھرتے نکلے۔ گویا
ایک تدبیر بتاتی ہے۔ جو
اسے سواگر دی سے روک دیتی
ہے، لیکن جس شخص کے پاؤں
کی زنجیر خود ایک پکڑ بن جائے
اسے زنجیر یا اس کی کوئی روک
تدبیر کیونکر روک سکتی ہے؟

جو شخص ہر وقت پھرتا رہے
اس کے مشق کہتے ہیں کہ اس
کے پاؤں میں پکڑ ہے۔ جس شخص
کے پاؤں میں نہنجیر لگائی جائے
یعنی گردشی سے روکنے والی چیز

خود گردش ہیں جانتے اسے کون رک سکتا ہے ؟

۲۔ **مشریح :** عشق مجھے اس صحرا میں دوڑا رہا ہے وہاں کوئی راستہ ہے تو صرف ایک اور وہ تصویر کی آئینہ کی نگاہ ہے، گویا بالکل موحوم ہے۔

بھڑری مری مری اس شعر پر تیسرا کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

۔ دشتِ دنیا میں عشق کی آگ و دود کا انجم موت ہے۔ اس بھر سراپ

کا کوئی ساحل نہیں، کوئی جادو نہیں، جس سے مسافر نہاں سلامت

سے پاس کے۔ دوا و عدم کو مرزا کا بی شاعری سے یوں بیان کرتے ہیں

کہ صرف ایک راستہ ہے اور وہ نگہ دیدہ تصویر ہے، یعنی کوئی راستہ

نہیں، عدم کو وجود کے لباس میں کیا خوب جلوہ گر کیا ؟

۳۔ **مشریح :** خواجہ جاتی فرماتے ہیں :

۔ جادو یعنی میاں دیکھنا دمی، کو ہم شمشیر سے تشبیہ دی ہے۔ مطلب

شعر کا یہ ہے کہ عشق کے آزاد و تکلیف میں جو لذت ہے، ہی تو یہی

چاہتا ہے کہ اس لذت سے خوب دل کھول کر متنع ہوں۔ مگر چونکہ

دعا کی راہ سرا سر تلوار کی دھار پر ہے، اس لیے پہلے ہی عدم پر

موت نظر آتی ہے۔ پس انہوں نے کہ لذت آزاد کی حسرت دل

کی دل ہی میں رہی جاتی ہے ؟

تلوار کی دھار پر جو بھی عدم دیکھتے گا اور یقیناً کٹ مرے گا اور دعا کا راستہ

تلوار کی دھار کے سوا کوئی ہے بھی نہیں، اس لیے خدا ہرے کے عاشق دکھائے

اور ایسا ہے کہ جس لذت کے دنیا میں دتلوار کی دھار پر چلنے سے وہ پوری بوقی

نظر نہیں آتی، لہذا صورتِ حالی یہ ہے کہ دنیا کو چھوڑ سکتے ہیں، عدم شمشیر پر

چلنے میں متامل ہو سکتے ہیں، نہ کہ دنیا کی لذت بہ تدبیر و ذوق حاصل کر سکتے ہیں، اس

لذت کی حسرت دل ہی میں رہی جاتی ہے۔

ہم۔ لغات۔ زبونی : ہے ہی، لامپاری۔ ذمت، عاجزی، زبونی کش

کے معنی میں تو امت اعطاء نہ والی۔

مشریح : اسے ہمیشہ کی مایوسی اور نامرادی کے رنج ! مجھے تو ہی خوشگوار معلوم ہوتا ہے۔ خدا کرے تو یہی مجھے نصیب رہے۔ میں اس بات پر خوش ہوں کہ میری آمد و رفتان نے تاثیر کی تو امت نہ اعطائی۔

ہمیشہ کی مایوسی کا رنج گوارا کر لیا۔ مگر تاثیر کا احسان نہ اعطایا۔

۵۔ لغات۔ بہ اندازہ تقریر : وہ بات جو تقریر میں نہ سنا سکے۔

جس کی حقیقت کا اظہار لفظوں سے متبادر ہو۔ یعنی لفظوں میں بیان نہ کیا جاسکے۔

مشریح : سرکارِ زخم اچھا ہو جاتا ہے تو سر کھانے لگتا ہے۔ یعنی اسے

پیر میں آواز دہیلا ہوتی ہے کہ چتر بوسانے جاتیں اور وہ از سر نو زخموں سے بھر ہو جاتے۔ پتھر کھانے میں ایسی لذت ہے کہ اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ تقریر کا لباس نہیں پہنایا جاسکتا۔

سر کھاتا ہے۔ میں خوبی کا ایک پہلو یہ جس سے کہ جب زخم اچھا ہو جاتا

ہے اور کھرنڈ بن جاتا ہے تو مقامِ زخم پر کھیل شروع ہو جاتی ہے۔ اسی کھیل کو نام لوگ زخم کے اندام کی دلیل سمجھتے ہیں۔

۶۔ لغات۔ فحلت : شرمندگی۔

مشریح : جب محبوب کا لطف و کرم بیا کی دو گستاخی کی اجازت دے

دے تو سچ لیتا چاہیے کہ کوتاہی پر شرمساری کے سوا اور کوئی کوتاہی نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جب محبوب نے ازراہ کرم اجازت دے دی کو تم جو

کچھ کرنا چاہتے ہو اگر کو تو جو بھی اس اجازت سے فائدہ اٹھانے میں توقف نہ کرنا۔ وہ گنہگار ہو گا۔ کیونکہ اس نے محبوب کے کرم سے فائدہ نہ اٹھایا۔

مشرعین و اصل اس حقیقت پر نکتہ دیا ہے کہ اصل شے محبوب کی رضا اور

خواہش ہے۔ گناہ دہی ہے۔ ہو محبوب کی رضا کے خلاف ہو۔ میں امور کو اس

نے اندر اب لطفت و نوازش لگائی ہوں سے خارج کر دیا۔ دل کا نہ کرنا بقیتا لگتا، سمجھنا جانا چاہیے۔

۴۔ **شرح :** اسے غائب انا سچ کے قول کے مطابق ہمارا بھی یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص میر تقی میر سے عقیدت نہیں رکھتا، وہ دراصل غور و شاعری سے سبکدوش ہے۔ یعنی تیرے عقیدت ہر شخص کے لیے لازم ہے۔

نقد مہدیہ میں اس شعر کا پہلا مصرع یوں بھی ہے۔

رہنمائی کا وہ نظوری ہے بہ قولی ناسخ

اس زمین میں ایک اور شعر بھی غائب سے منسوب ہے، یعنی :

میر کے شعر کا احوال کیوں کیا غائب !

جس کا دل ان کم از گلشن کشیر نہیں

۱۔ **لغات :**
مردمک دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں
میں جمع سوید اسے دلِ چشم میں آہیں
کی چٹنی :
سویدا : دل کا
سیاہ نقطہ ۔

شرح : یہ نہ سمجھے کہ آنکھ کی چٹنی میں نگاہیں موجود ہیں، یہ کہیے کہ آنکھ کے دل میں جو ایک سیاہ نقطہ موجود ہے، اس میں آہیں میج ہو گئی ہیں۔ یہ کہ کندن و گدہ پر آہ و دہن کی عجیب مثال ہے۔ اپنے آنکھ کی چٹنی کو آنکھ کا دل قرار دیا، پھر نگاہیں کو اس دل کے سیاہ نقطے میں آہیں کیا۔

برشکال گریٹ عاشق ہے، دیکھا چاہیے
 ۱۔ لغات - برشکال :
 برکھادت - برسات۔
 کھل گئی مانند گل - سو جا سے دیوار چمن
 شرح : عاشق کی آنکھوں
 لافٹ گل سے غلط ہے دعویٰ وار شکی
 نے جو جھڑی لگا رکھی ہے
 دیکھیے وہ کیا رنگ لائے،
 سرور ہے باد صغ آزادی گرفتار چمن
 بارخ کی دیوار سو جگہ سے چمن
 کی مانند کھل گئی ہے۔

مولانا صاحبانی کی یہ رائے خاص توہر کی معنی ہے کہ ہے۔ کی جگہ اصل میں نہایت
 بھی - کا لفظ تھا۔ کاتب نے غلطی سے بھی - کی جگہ ہے بنا دیا۔ یعنی عام برساتیں
 تو دیکھ چکے۔ اب ذرا دیر عاشق کی برکھادت بھی دیکھیے اور اندازہ کیجیے کہ یہ کیا
 رنگ لائے گی۔

دوسرے مصرع میں لفظ کھل اور کھل "دوڑوں طرح معنی دیتا ہے۔ دیوار سے
 مناسبت کھل جانے یعنی پھٹ جانے یا شکافتہ ہو جانے کو ہے اور پھول سے تشبیہ
 کا تقاضا یہ ہے کہ اسے "کھل" پڑھا جائے۔ معنی دوڑوں صورتوں میں ایک ہے۔
 شعر کا مضمون بظاہر یہ ہے کہ دیر عاشق کی جس برسات نے دیوار چمن کو پھول
 کی مانند شو جگہ سے کھل دیا اس نے چمن میں خدا جیسے کیا گل کھلائے ہوں۔
 ۲۔ لغات - وار شکی : آزادی۔

شرح : خواہجہ عالی فرماتے ہیں :
 مطلب یہ ہے کہ کوئی کیسا ہی آزاد اور استعزازی ہو، دنیا میں عاشق کو
 کے چہندے سے نہیں چھوڑ سکتا :

چوں کی محبت سے آزادی حاصل کرنے اور ہمیشہ راپاٹنے کا دعوئے بالکل
 غلط ہے۔ سرور کو دیکھیے اسے آزاد کیا جاتا ہے، لیکن آزادی کے باوجود وہ بارخ
 میں قید ہے، گو بارخ کے جام محبت میں گرفتار ہے۔

صحیح ہے کہ زندگی میں دشمنی و عنادی سے چھٹکارا نہیں پاسکتا۔ اس کے مزاج میں کتنی بے پرواہی اور بے نیازی جو، لیکن اس کا رشتہ محبت و پیار سے بہر حال قائم رہے گا۔

عزتی صرف درجوں کا ہوتا ہے۔ کسی کی گرفتاری کا درجہ بہت بڑھ جاتا ہے اور کسی کا کم رہتا ہے۔ کوئی ان دشمنوں میں مسرتا پا چکا جاتا ہے کسی کو نسبتاً فراغت حاصل ہوتی ہے۔ مگر کامل آزادی کا دعویٰ صحیح نہیں سمجھا جاسکتا۔

عشقِ تاثیر سے فوسید نہیں	ہاں سپاری شجر بید نہیں
سلطنتِ دستِ پرست آئی ہے	جامِ مے، خاتمِ حبشید نہیں
بے تکلیفی تری سامانِ وجود	ذرتِ بے پروا تو خورشید نہیں
رازِ معشوق نہ رسوا ہو جاتے	وہ نہ مر جانے میں کچھ بھید نہیں
گردشِ رنگِ طرب سے ڈرتے	غنیمِ محرومی جاوید نہیں
کہتے ہیں، جیتے ہیں اُمید پر لوگ	بہم کو جینے کی بھی اُمید نہیں

۱۔ لغات۔ جاں سپاری : جان سونپ دینا، یعنی جان قربان کر دینا، جان فدا کرنا، جان نثاری۔

شجر بید : بیدار اور نشت۔ بید میں کوئی نہیں گلتا۔ اس لیے اسے بے اثر و دست کہا جاتا ہے۔ چونکہ شعر کے معنوں کو اس پسو سے خاص تعلق ہے اس لیے تصریح ضروری ہوئی۔

شرح : عشقِ تاثیر سے نا اُمید نہیں ہو سکتا۔ ۱۰م ہے کہ وہ مراد پر پختہ

اور کامیابی حاصل کرے۔ وہاں پر کہیں جاتا اور زندگی سے باقی دھو لیا ہوا کدھت نہیں کہ اسے کوئی پھل نہ ملے اور بالکل بے ثمر رہے۔

بھونڈی مرحوم فرماتے ہیں کہ مرزا غالب نے افلاطون کے استاد سقراط کی طرح زہر آب کو ہمیشہ خوش شیریں پر ترجیح دی۔ غالب کا علم افلاطون جوں سچا ہی ہے اور :

وہاں سپاہی شجر میوہ نہیں

مرزا نے اس شعر میں ایک بہت بڑی حقیقت واضح کی ہے۔ اس دنیا میں جتنے بھی کام ہوئے ہوئے ہیں یا آئندہ ہوں گے۔ ان کی تہ میں عشق کا مرنا ہے۔ لوگ سپاہیوں کی مانند تریں چوٹیوں پر پہنچے، انہوں نے استاد سقراط کے ڈرامے، تراجم آباد کر دیے، مصوفوں کو گلزار بنا دیا، قطبین کے نام معلوم کر دیے۔ ایک دوسرے سے بڑھ کر حیرت انگیز ایجادیں کرتے کرتے انہوں نے زمین کا اندازہ ہی دیکھ لیا۔ اب ستاروں کی طرف اڑے جا رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی ساکار نامہ ہے، جو عشق یعنی ایک خاص گھن کے بغیر انجام پایا اور گھن بھی ایسی کہ ایک کے بعد ایک پشتہ پشت تک ایک کام کی دھن میں نہ رہے رہا۔ یہاں تک کہ کئی پشتوں کے بعد راز لگا اور منزل مقصود تک، ساقی منسوب ہوئی۔ اگر عشق تاثیر سے نا اُمید ہو جاتا اور جائز می و جانفشانی چھوڑ دیتا تو یہ سب کچھ کیونکر ہو سکتا؟ انسان کسی مقصد کے لیے جاتا ہے یا نہ؟ اور جو جانے تو وہ ایسا مقصود مقصد میں ناکام نہ رہے گا۔ اور انسانی پس منظر کی صورت ایک سلسلے کی ہے۔ ہر انسان قدم قدم آگے بڑھتا جاتا ہے جہاں ایک کی زندگی ختم ہوتی ہے۔ دوسرا اس کا کام سنبھال لیتا ہے، اس طرح منزل مقصود سامنے آ جاتی ہے۔ یہ بہت بڑی حقیقت ہے، جو آٹھ دس غلوں میں مرزا غالب نے پیش کر دی۔

اس شعر کی عالیشان و آفاقیت کا یہ حال ہے کہ اسے عشق مجازی و عشق حق

علم و حکمت، سیاست و ملک وادی، ایجاد و اکتشاف سب پر کیاں چسپاں کر
سکتے ہیں۔

۲۔ لغات۔ ہمیشہ : ایران کا بادشاہ، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ
اس نے سب سے پہلے شراب بنائی۔

خاتم : وہ انگشتری، جس پر ملک کا نام کندہ ہو۔

سلطنت سے اشارہ جام سے کی طرف ہے۔

شرح : جام سے کی حیثیت ایک سلطنت کی ہے اور یہ سلطنت باقی
باقیہ چکر کھاتی ہوئی چلی آ رہی ہے۔ آج ایک کے پاس ہے اور کل دوسرے کے
پاس، ہم کیوں سمجھیں کہ جام سے ہمیشہ کی انگشتری ہے، جس پر اس کا نام کندہ
تھا اور وہ اسی کے لیے مخصوص تھی۔ یہاں تخصیص کی کوئی وجہ نہیں، کسی زمانے
میں ہمیشہ اس سلطنت کا ملک تھا، آج ہم ملک ہیں۔

۳۔ شرح : اسے ملک حقیقی، ایرانی ہی ملکہ و مزانائی سے وجود کو
سر و سامان نصیب ہوا، یعنی کائنات وجود میں آئی۔ بے شک اس کی حیثیت
ایک ذرے کی ہے، لیکن کوئی ذرہ سورج کے جلوسے کے بغیر تب و تاب
کا حامل نہیں ہو سکتا۔

۴۔ شرح : خواہ برائی فرماتے ہیں،

”بھید کے معنی پوشیدہ بات کے ہیں۔ خواہ پوشیدہ مصیبت ہو اور

خواہ پوشیدہ نجات ہو۔ یہاں پوشیدہ نجات مراد ہے۔ اگر مر جانے

کی جگہ نہ مرنے کا لفظ ہو تو بھید کے معنی پوشیدہ مصیبت کے

ہو جاتے۔“

مطلب یہ ہے کہ تیرے مر جانے میں کوئی پوشیدہ نجات موجود نہیں، صرف
یہ غم کھانے کا واسطہ ہے کہ اس طرح کہیں محبوب کا رازِ خاش نہ ہو جائے اور اس
کی دوائی نہ ہو۔ یعنی لوگ یہ نہ کہیں کہ دیکھو اس شخص کے مر جانے کا باعث

علاں یعنی محبوب ہے۔ اس طرح مجھے اس سے جو عشق ہے۔ وہ سب پر مکمل ہائے تھا۔ یہ تو محبوب کی رسوائی ہوئی۔ خود مجھے لوگ یہ طعنہ دیں گے کہ اسیو عشق کا مدعی تھا اور اس کی کڑیاں منہ نہ سکا۔ یہ طعنہ میرے علاء محبوب کے لیے عزت کا باعث نہ ہوں گے۔ اگر ان قباحتوں کا ثر نہ ہوتا تو میرے لیے مر جان کون سا مشکل کام تھا؟ میں تو موت کا فیہ مقدم کرتا۔ کیونکہ عین اور صحتوں سے نہایت مل جاتی۔ لیکن کر دیں کیا۔ راز محبوب کے کھل جانے کا خوف پریشان کر رہا ہے۔

۵۔ شرح : ڈر ہے تو یہ کہ عیش و نشاط کا عالم بدل جائے گا۔ یہ گردش کی نذر ہو جائے گا اور ہمیشہ باقی نہیں رہ سکتا۔ لہذا میں عیش و نشاط کا خواہاں ہی نہیں۔ کیونکہ جو چیز آج ہے اور کل نہیں ہوگی۔ اسے بے کر کیا خوشی ہو سکتی ہے اور وہ حاصل میں ہو جائے تو ہر لمحہ اس کے بدل جانے اور ختم ہو جانے کا خوف درگاہ رہے گا۔ اس وجہ سے عیش و نشاط حاصل ہونے کی حالت میں بھی اطمینان سے قائم نہ اٹھایا جاسکے گا۔ اس کے برعکس ہمیشہ کی خودی کا کوئی ختم ہی نہیں۔ کیونکہ برابر ایک حالت قائم رہے گی اور اس میں تبدیلی کا کوئی اندیشہ نہ ہوگا۔

مرزا نے یہ معنون ایک فارسی شعر میں بھی نہایت عمدہ طریق پر باندھا ہے۔

زینبا۔ از نقب آتش جادو بہ مژدس

خوش بہادریست کز دیم خزان پر خیزد

یعنی ہمیشہ کے لیے آگ میں جھنکے کی مژدے کا اندیشہ ہو تو خوفزدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس بہادری کی اچھاٹی میں کسے کام ہو سکتا ہے۔ جس پر کبھی خدشہ نہ آئے۔

۶۔ شرح : مشور ہے کہ لوگ اُمید پر جھنکے ہیں۔ دنیا بہ اُمید قائم ہو گیا اُمید جھنکے کا سہارا ہے۔ لیکن بیاں خود زندگی ہی معرکہ خطر میں ہے۔ یعنی جس چیز

کے لیے امید سہارا ہی مل سکتی ہے۔ وہ چیز ہی بچتی نظر نہیں آتی تو مبادے سے بے
 امید کیونکر کہیے گا وہ بن سکتی ہے۔ خواہجہ خانی نے بالکل درست فرمایا ہے :
 "یہ شعر سہل ممتنع ہے" یعنی اتنا سہل ہے کہ بظاہر معلوم ہو، ایسا کہ
 لینا کچھ مشکل نہیں۔ مگر جب کوئی کہنے بیٹھے تو کوئی نہ سکے۔ یقیناً اس ذہن
 ہیں اس سے بہتر شعر نکالنا مشکل ہے۔

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں	خیاباں خیاباں اُردم دیکھتے ہیں
دل آشفٹاں خال کُنچِ دہن کے	سویدیا میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں
ترے سروِ قیامت اک قدمِ اُردم	قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں
تماشا کر، اسے مجھ آئینہ باری	جھبے کس تماشا سے ہم دیکھتے ہیں
سراغِ قلبِ نالہ کے داغِ دل سے	کہ شبِ رُوح کا نقش قدم دیکھتے ہیں
بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غائب	تماشا سے اہل کرم دیکھتے ہیں

۱۔ لغات۔ خیاباں : پھولوں کی کیاری، باغ کی روشِ تہنہ، گل
 نادرہی کے کسی لفظ کی تکرار کثرت کے معنی دیتی ہے، یعنی خیاباں خیاباں کے
 معنی ہیں، بکثرت تہنہ ہائے گل۔

۲۔ اُردم : ایک قدمِ شمر کا نام، جوشِ نادرہ سے منسوب تھا اور وہ اس کا شہرہ
 آفاق باغ تھا، جہاں تھا۔ اپنی لفظ مطلق بہشت کے معنی میں مستعمل ہے۔

۳۔ شرح : اسے محبوب! جہاں کہیں ہم تیرے پاؤں کے نقش دیکھتے ہیں،
 ہمیں ایسا نظر آتا ہے کہ ہر طرف بہشت کی کیا رہاں پھیلی ہوئی ہیں، جن میں کثرت

سے پھول کھلے جوتے ہیں۔ یعنی مرزا نے محبوب کے نقش قدم کو بہشت کی ایسی گیارہی سے تشبیہ دی، جس کا واسطہ چوہوں سے بھیڑا ہوا ہو۔

۱۱۔ لغات۔ دل آشفگان : آشفہ دل۔ وہ لوگ جن کے دل محبت سے پریشان ہوں، عشاق۔

غالب کچھ دہن : دہن، جو دہن کے کسی ایک سرے پر ہو۔

شرح : شعر کا پورا مضمون شاعروں کے اس مبالغہ آمیز تصور پر مبنی ہے کہ محبوب کا دہن تنگی کے سبب معدوم ہو گیا ہے۔

کہتے ہیں کہ جو لوگ تیرے دہن کے سرے کے چل کی محبت میں دل کھو بیٹھے ہیں۔ وہ اپنے دل کے سیاہ قندیلے میں عدم کی سیر کرتے ہیں۔

پتہ لگا دینا پید ہے۔ اس لیے اسے عدم قرار دیا۔ چل کو سویرا سے نسبت ہے۔ لہذا سویرا میں میچ کے عدم کی سیر جو رہی ہے۔

۱۲۔ شرح : خواجہ غلامی فرماتے ہیں :

اس کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ تیرے سر و قامت سے فتنہ قیامت کفر

ہے۔ دوسرے یہ معنی بھی ہیں کہ تیرا قد اسی میں سے بنایا گیا ہے۔

اس لیے وہ ایک قد آدم کم ہو گیا۔

قیامت، قیامت، سرور، قدر، فتنہ وغیرہ الفاظ کی مناسبت ہی ہر جے، دیکھیے

چندوں کی بھر کے شعر میں بھی وہ معنی پیدا کر لیے اور کم سے کم لفظوں میں بھی شعر کو بے تکلف چلو اور چلا دیا۔ یہ کلمات غمزہ و فکر اور دیا محنت سے حاصل نہیں کیے۔

یہ اس کی دہی ہے جسے پروردگار دے

۱۳۔ لغات۔ آئینہ دار می : آئینہ سا منہ رکھنا۔ شعر میں اس کا معنی ہم

یہ ہے کہ آئینہ سا منہ رکھ کر اس میں عکس ہو جائے۔

شرح : اسے آئینہ سا منہ رکھ کر اپنے حسن و جمال میں عکس ہو جانے والے

محبوب : خدا ہی تو دیکھ کہ ہم تجھے کس قدر حق و شوق سے دیکھ رہے ہیں۔

اس شعر میں ایک خاص منظر پیش کیا ہے۔ جب تک اسے پیش نظر نہ رکھ لیا جائے، شعر کی معنویت واضح نہیں ہو سکتی۔ محبوب آئینہ رکھ کر اپنے جمال میں غور ہے۔ عاشق بار بار چاہتا ہے کہ محبوب کی نظر اُس کی طرف اٹھے، مگر محبوب پر دستور معنویت کا عالم ظاہری ہے، آخر پریشان ہو کر عاشق بیکار اٹھتا ہے کہ اسے اپنے حسن و جمال میں محو ہاتے واسے! ذرا ہمیں بھی نگاہِ لطافت سے شاد کام کر دیکھو، ہم کس آئینہ اور کس معنویت سے تجھے دیکھ رہے ہیں؟ محض اس لیے کہ تیری نگاہِ مہلت اٹھے گی تو ہماری آئینوں کے چمن میں سازگی و شادابی کی بہار آ جائے گی۔

۵۔ لغات - لقب ثانیہ : آؤ دفنات۔

شبِ رَو : رات کو چلنے والا۔ یہ لفظ عموماً چور کے لیے مستعمل ہے اور یہاں بھی اس سے چور ہی مراد ہے۔

تشریح : اگر تو بہاری آؤ دفنات کی گرمی اور شیش کا کھوٹ ملگنا چاہتا ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ بہار اور باغِ دل دیکھو، کیونکہ عام قاعدہ ہے، سچو کا کھوٹا ملگنا ہو تو اس کے پاؤں کے نشان دیکھتے ہیں، گویا دل کا داغ بہاری گرم آؤ دفنات کا ایک نقشبِ پاس ہے۔

تائے کو شبِ رَو اس لیے کہا کہ آؤ دفنات عموماً رات ہی کو کی جاتی ہے۔

۶۔ تشریح : اسے غائب : ہم نے اہلِ گرم کے غم و غم و غم کا اندازہ کرنے کے لیے فقروں کا بھیس بنایا ہے۔ ہمیں انگٹے کی ضرورت نہ تھی، درویش اختیار کر لینے پر مجبور نہ تھے، محض اس لیے درویش کا بھیس بدل لیا کہ وہ کیسے اہلِ گرم کی داد و دہش کا کیا حال ہے؟ وہ فقروں سے کیا برتاؤ کرتے ہیں؟ ان کے دینے کا اندازہ ایسا ہے کہ انھیں واقعی اہلِ گرم میں شمار کیا جاسکے؟

اہلِ گرم کی حقیقی حیثیت کا اندازہ کرنے کے علاوہ شعر کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ ہم محتاج نہ تھے، لیکن محض اس لیے درویش اختیار کر لی کہ ہمیں اہلِ گرم

کا اندازہ جیت پایا معلوم ہوتا ہے۔ اس نے ہمارا دل بھانپ لیا اور ہم فقیر بن گئے۔
شعر میں تمنا "یہ معنی" میر ہے۔

۱۔ لغات - التهاب :

اشتعال، شعروں کا بھڑک اٹھنا۔

مشریح : مجھے دوزخ میں

ڈال دیا گیا، جہاں ہر طرف آگ

بھڑک رہی ہے اور انگارے

دبک رہے ہیں۔ یہ اشتعال

میرے محبوب کی طبیعت و عادت

سے ملتا جلتا ہے، اس لیے

مجھے جتنا عذاب ہوتا ہے، اتنی

ہی راحت نصیب ہوتی ہے

کیونکہ میں اپنے آگ بھسک کا عذاب

کے غیظ و غضب کا مادی چن

آتا ہوں۔ اگر اس عذاب میں

راحت نہ ملے تو بھی دینا چاہیے

کہ میرا ایمان جا کر رہا اور میں

کافر ہو گیا۔

۲۔ مشریح : میں کیا بتاؤں

کہ اس جہاں خراب میں کب سے

مقیم ہوں ؟ اگر بھڑک رہا ہوں

کو بھی حسد میں شامی کروں۔

بھتی ہے خوسے یار سے نار، التهاب میں

کافر ہوں، اگر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں

کب سے ہوں ؟ کیا بتاؤں ؟ جہاں خراب میں

شب ہائے حیر کو بھی رکھوں کہ حساب میں

تا پھر نہ انتظار میں فیند آئے غم بھر

آنے کا وعدہ کر گئے، آئے جو خراب میں

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں

میں جانتا ہوں، جو وہ لکھیں گے جواب میں

لکھ کر تک کب اُن کی بزم میں آتا تھا دوزخ عالم

ساقی سننے لکھ مل نہ دیا ہو سدا ب میں

جو مشکور و قاتل ہو، فریب اس پہ کیا چلے

کہوں بدگمان ہوں دوست و دشمن کے برابر

میں مضطرب ہوں و نسل میں خوب رقیب سے

ڈال دیا ہے غم کو دہم نے کس پہنچ دتا ب میں

خود رازی میں اپنی مثال آپ
ہوتی ہیں تو میرے لیے اس دنیا
میں رہنے کا اندازہ ممکن ہی نہیں
یہ معاملہ حساب میں آ ہی نہیں سکتا
اور کوئی وقت معین ہو ہی نہیں
سکتا۔

اس شعر میں مرزا نے شبلیہ
بجور کی رازی کا معنوں کا معنی
اچھوتے انداز میں پیش کیا ہے۔
اس سلسلے میں دو شعر پیش
کیے جاتے ہیں جن میں مرزا کے
اس شعر کا آئندہ قرار دیا جاتا
ہے۔ اول امیر خسرو کا شعر
”سچے عمر و دوزخ عاشقان گر
شب بچوں حساب عمر گیرند
یعنی دواہ عاشقوں کی عمر
کتنی دیر ہے، بہتر ہے کہ بچوں کی عمر
میں عمریہ شکار کی جائے۔“

دوم کمال امینی کا شعر :

”ز قصر عمر فرعون است عشق بزاں را“

”اگر نہ عمر شامد دوزخ بچوں را“

عاشقوں کی عمر خسرو سے بھی بڑھ جائے۔ اگر وہ بچہ کے دنوں کو ہی عمر ہی شمار

کر لیں۔

میں اور حقیقت وصل، خود اساتذہ بات ہے
جہاں نذر و نی بھول گیا، اضطراب میں
ہے تیوری چڑھی ہوئی، اندر نقاب کے
ہے اک شکن پڑی ہوئی، طرف نقاب میں
لاکھوں لگاؤ، ایک چراغاں لگا ہوا۔
لاکھوں بناؤ، ایک بگڑا عتاب میں
وہ نالہ دلی میں شش کے برابر جگہ نہ پائے
جس تالے سے شکات پڑے آفتاب میں
وہ سحر دنا علی میں نہ کام آئے
جس سحر سے سفینہ دواں ہو سراب میں
فتاب چھٹی شراب و پاسب بھی کبھی کبھی
پتیا ہوں دوزخ ابرو شب ماستاب میں

امیر خسرو کے شعر میں بھر کہ ماضی کا ذکر یقیناً ہے۔ اگر سارا فرد عاشقوں کی دہائی پر ہے۔ کمال اصفہانی کے شعر میں "دوڑ بھراں" دیکھو، مگر مقام کا انحصار شب بھراں تھا۔ پھر تعین کر دیا کہ عاشقوں کی عمر حضرت سے بڑھی ہوئی ہے۔

ملا وہ بریں دونوں شعروں میں شریعت میں درجے کی ہے اس کے متعلق کچھ کہنا غیر ضروری ہے۔ ان دونوں کے برعکس مرزا نے پہلے مصرع میں درابامام پر کیے اتنی یہ کہ "کب سے ہوں" دوسرا یہ کہ کیا تباؤں "اور دنیا کو جہان خراب" کیا۔ خواہ اس لیے کہ یہ ہے ہی خراب، خواہ اس لیے کہ مرزا کو پھر وفات کے مصائب کے باعث یہ جہان سازگار نہ ہوا۔ یہ درابامام اس امر کے گواہ ہیں کہ شہنائے بھراں کو حساب میں شامل کر لینے کے بعد نہ کوئی مدت انگور کی رسائی میں آتی ہے اور نہ اس کے متعلق کوئی متنی بات زبان پر آتی جاسکتی ہے۔ پھر یہ حیثیت مجموعی شعریت کمال پر پہنچا دی۔

اگر فرض میں کر لیا جائے کہ مرزا نے اصل معنوی امیر خسرو اور کمال اصفہانی سے لیا تو اس میں کیا کام ہے کہ اسے ایسے انداز میں پیش کیا، جو اس کا حق ہے ساتھ ہی واضح ہو گیا کہ امیر خسرو اور کمال اصفہانی اصل معنوں پر اپنی جہان کے باوجود اس کے بیان کا حق اور ادا کر سکے۔

۳۴۔ ششرح : میں محبوب کا انتظار کرتے کرتے سو گیا، لیکن اس شوح کو میرا سونا پسند نہ آیا۔ چنانچہ خواب میں آیا اور وہ عہدہ کر گیا کہ میں آنوں گا۔ یوں اس کا مقصد یہ تھا کہ اسی انتظار میں میری عمر گزر جائے، نہ وہ عہدہ پورا کرے نہ نہ مجھے قید آئے۔

مولانا صاحبان فرماتے ہیں کہ شعر میں مرزا نے "وہ" کا لفظ ترک کیا۔ اس ترک سے یہ لطیف معنی پیدا ہوئے۔ جیسے ہم سب جانتے ہیں کہ اس کے سوا کسی کا ذکر نہیں کرتے یا یوں سمجھو، جیسے دل سے محبوب کی باتیں کرتے کرتے یہ بات زبان سے نکل گئی اور تفسیر دل ہی میں رہ گئی۔

۴۔ مشرح : خواہ مائی مرزا سے ہیں :

دوسرے مصرع میں بطور طنز کے لکھا ہے کہ جو کچھ وہ جواب میں لکھیں گے، مجھے معلوم ہے، یعنی وہ کچھ نہیں لکھنے کے، اس لیے قاصد کے واپس آنے سے پہلے ایک اور خط لکھو، لکھو :-

شعر کا مطلب صاف ہے، یعنی میں جانتا ہوں کہ وہ جواب میں کچھ نہیں لکھیں گے، پھر قاصد کے واپس آنے آتے کیوں نہ ایک اور خط لکھو، لکھو :-

بعض اصحاب نے اس شعر کا آفہ مرزا ابیدل کا مندرجہ ذیل شعر قرار دیا ہے :

آج جواب نامہ عاشق قنائل است

میرود انتظار خبری کشیم

یعنی محبوب کے ہاں عاشق کے خط کا جواب قنائل کے سوا کچھ نہیں تھا، ہے کہ ہم خواہ خواہ خبر کا انتظار کر رہے ہیں۔

مرزا ابیدل کا شعر اچھا ہو یا بُرا، لیکن اسے غائب کے شعر سے کوئی تعلق نہیں۔ ابیدل نے صرف یہ کہا کہ محبوب کا پیشہ ہی قنائل ہے، وہ عاشق کے خط کا جواب کچھ نہ دے گا اور قنائل بڑے گا۔ لہذا اجماعی طور سے کسی خبر کا انتظار فضول ہے۔ غائب کے ہاں مصنفوں کا ملنا مرزا ہے، لیکن انھوں نے خود لکھا، مرزا ہی سمجھا، اگر یہ ساقی ہی انھیں علم ہے کہ محبوب کچھ جواب نہ دے گا۔ خواہ اس کو وہ یہ ہو جو غائب نے خود ایک جگہ بیان کی۔

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پارسا کتب

مگر مستزود ہوں ذوق خاص مرزا کا

خواہ یہ ہو کہ :

خط لکھیں گے۔ اگرچہ مطلب کچھ نہ ہو

ہم تو عاشق ہیں نہاد سے ۱۲م کے

مولانا صاحبانی لکھتے ہیں کہ یہ شعر بہت عجیب ہے۔ معاذ اللہ عشق میں اپنا

صاحبِ شعر اور معشوقوں کا مزاج دان ہونا اور معشوق کا ہر عہد و حیلہ خوب ہونا۔ یہ سب معنی اس سے سمجھ میں آتے ہیں۔

۵۔ **شرح :** خواہر ماتی فرماتے ہیں :

”اس شعر میں پہلے مصرع کے بعد اتنا جملہ مہذوف ہے، پھر آج جو غلابِ عادتِ جام کی قربت لہجہ تک پہنچی ہے، اس مہذوف نے شعر کا رتبہ بہت بلند کر دیا ہے، ایسا طوف جس پر قرینہ وکالت کرتا ہو اور جو الفاظ مہذوف کیے گئے ہیں، وہ بغیر ذکر کیے دونوں مصرعوں میں ہوں دیکھیں۔ محسوسات شعر میں شمار کیا جاتا ہے؟
خود مرزا غالب غفلت کو سمجھتے ہیں۔

”اب جو دور لہجہ تک آ یا ہے تو میرے قراتا ہوں۔ یہ میرا جملہ مقدار ہے میرا نارسا دیوان جو دیکھے گا یا سنے گا کہ جملے کے بدلے مقدار چھوڑ دیا ہوں۔“

محبوب کی بزم میں پہلے تو دورِ جام کہیں نہیں آیا تھا، یعنی ٹھیکے شراب نہیں چانی گئی تھی۔ پھر آج جو غلابِ عادتِ جام پر نوازش ہوئی ہے کہیں ایسا تو نہیں ہوگا کہ ساقی یعنی محبوب نے شراب میں کچھ ملا دیا ہو؟
مرزا نے خود نہیں بتایا کہ کیا ملا دیا یا صرف اتنا کہا کہ ”کچھ ملا دیا ہو“ یہاں بظاہر قرینہ زیر کا ہے۔ لیکن قرائی کا دروازہ کھلکا ہوا ہے، جس نے کی آہستہ آہستہ تصور میں آئے، وہی فرما کر دیکھیے۔

۶۔ شعر میں دوست سے مراد محبوب ہے اور دشمن سے مراد رقیب۔

شرح : محبوب و وفا کا منکر ہے۔ نہ خود اس نے کسی سے وفا کی اور نہ دوسرے کی وفا کا کہیں اسے یقینی ہوا۔ اگر اس نے رقیب سے میل جول شراب کر دیا ہے تو میرے لیے جانگاہ کی کوئی دیر نہیں۔ عیب میں جاتا ہوں کہ وہ کسی کا بھی ہو کر نہیں رہ سکتا اور اسے کوئی فریب نہیں دے سکتا تو میرے لیے رقیب سے اس

کامیل بول پریشانی کا باعث کہیں ہو اور میں کیوں یہ خیال کروں کہ رقیب نے اسے
وام فریب میں الجھایا ہے ؟

کہاں یہ ہے کہ مرزا کے نزدیک رقیب کے پاس فریب کے سوا اور کوئی
تدبیر ہے ہی نہیں۔ لیکن جو محبوب وہی کا منکر ہے، اس پر کسی کا فریب کیونکر کاہل
ہو سکتا ہے ؟

۷۔ **تشریح :** مجھ پر تو وصل میں اس لیے اضطراب غاری ہے کہ کہیں رقیب
اس موقع پر نہ آجائے اور رنگ میں بھٹک نہ پڑ جائے۔ تمہیں کس وجہ سے یہی داتا
میں ڈال رکھا ہے ؟

عاشق اس لیے پریشان ہے کہ بڑی مشکل سے محبوب کے ساتھ ملاقات کا
موقع مل چکا ہے۔ اگر اس موقع پر رقیب آگیا تو لطف صحبت، بر باد ہو جائے گا۔
محبوب یہ سمجھتا ہے کہ عاشق نے کسی اور سے رشک محبت استوار کر رکھا ہے اس
لیے اس پر گھبراہٹ غاری ہے۔ عاشق اسے محبوب کا وہ ہم قرار دے کر حقیقت
واضح کر رہا ہے تاکہ میں بیچ و تاب میں رہتا رہے اور زائل ہو جائے۔

۸۔ **لغات :** خدا ساز : خدا کا بنایا ہوا کام خدا کی جوئی نعمت
خدا داد ۔

تشریح : میرے نصیب ایسے کہاں کہ وصل کا مفاد حاصل ہوتا ہے یہ تو
خدا کا بنایا ہوا کام تھا، اس کی عطا کی ہوئی نعمت تھی۔ اس خوشی میں شادی مرگ
جو ہوتا ہے وہ خدا۔ مگر مجھ پر ایسی گھبراہٹ اور حیرت غاری ہوئی کہ جان پر غور
نہ کر پیش کرنا قبول کیا۔

معاذت کے یہ درحقیق پہلو اس حسن و خوبی اور اس قادر الکلامی سے بے تکلف
پیش کرو یا مرزا غایت پر ختم ہے۔ وصل کی خدا ساز نعمت و شادی مرگ کی قربت
کیوں نہ آئی ؟ صورت اس لیے کہ مجھ پر اتنے بڑے۔ غیر معمولی اور سر اسر غیر متوقع
واقع سے حیرت غاری ہو گئی اور اس عالم میں جان کی نذر دینا قبول کیا۔

۹۔ **مشرع** : عاشق محبوب کے ذہن اور سے فیض یاب ہونے کا مشتاق ہے لیکن محبوب نے عاشق کو دیکھتے ہی فتنے سے تیموری چڑھائی اور جنتوں پر بل ڈال دیے اس کا نتیجہ ہوا کہ نقاب کے گوشے میں شکنیں پڑ گئیں۔ یہ دیکھتے ہی عاشق پر محبوب کا عتاب داخل ہو گیا اور اس نے سمجھ لیا کہ دینار کی تفتاب بر آئے کا کوئی امکان نہیں۔ محبوب کے عتاب کی شانِ خاطر مزامیٹے کہ اس کی چٹوان کا لیل نقاب میں منکس ہو کر ابھر آیا۔

۱۰۔ **مشرع** : غلامِ عاقی مزماتے ہیں :

- یہاں لگاؤ سے مراد لگاؤٹ ہے، یعنی معشوق کا عاشق کے ساتھ ایسا رتناؤ کرنا، جس سے اس کا انفعات اور میلان طبع پایا جائے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ دوست کی لاکھوں لگاؤٹیں ایک غرت، اس کے دکھوں بناؤ سنگار ایک غرت اور عتاب میں بگڑنا ایک غرت۔ یہ شعر بھی مہربانی متغیہ ہے۔ اگر الفاظ کی غرت دیکھیے تو تعجب ہوتا ہے کہ کیونکر ایسے دو ہم تہہ مصرعے ہم پختی گئے، جہی میں حسن تر جمیع کا پورا پورا حق اور کیا گیا ہے اور اگر معنی پر نظر کیجیے تو ہر ایک مصرع میں ایک ایسا معاملہ بانہا گیا ہے، بھڑکی الواقع عاشق و معشوق کے درمیان گزرتا رہتا ہے۔ معشوق کی لگاؤٹ عاشق کے لیے ست بڑی چیز ہے، مگر اس کا آنکھ چراتا، جو لگاؤٹ کی منہ ہے، عاشق کی نظر میں لگاؤٹ سے بہت زیادہ دلفریب دو لگاؤٹ ہوتا ہے۔ اسی طرح بناؤ سنگار سے معشوق کا حسن بیشک دو لگاؤٹ ہوتا ہے، مگر اس کا غفلت میں بگڑنا اس کے بناؤ سے بہت زیادہ خوش نما اور دلربا معلوم ہوتا ہے۔ اس شعر کے متعلق یہ سب ظاہری اور اداری باتیں ہیں جو ہم لکھ رہے ہیں۔ اس کی اصل خوبی و عبادتی ہے جس کو صاحبِ ذوق کے ہوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

مولانا صاحب اپنی مزارات پر ہیں : جملوں کی ترکیب میں قائل اور لفظوں کی نشست
 میں اس تعادیل کی مثالیں شاذ ملتی ہیں، اردو میں یہ شعر بھی اس قائل و قافیہ کی مثال ہے
 تاہر مثال ہے ۔

۱۱ - لغات - حتماً طلبی : مقصد حاصل کرنا مطلب پر آ کر ۔

سفینہ : کشتی ۔

شرح : جس نقاں سے آفتاب میں شکات پڑ جاتے وہ محبوب کے
 دل میں غم کے برابر ہیں نہیں سمجھی جاتی، یعنی اس کی حیثیت یہ ہے، کیونکہ غم
 یزدن تکا بالکل بے حقیقت شے ہے ۔

وہ جاوہر مقصد حاصل کرنے میں کچھ کام نہیں دے سکتا، جس کے زور سے
 سراب میں کشتی چلائی جا سکے ۔

مطلب یہ ہے کہ جن تہیروں کو زور اور تاثیر کے اعتبار سے غیر معمولی حیثیت
 حاصل ہے، مثلاً فریاد و غلاں آفتاب میں شکات پیدا کر دیتی ہے، حالانکہ یہ بادیہ
 غیر ممکن ہے اور سراب میں کشتی چلائی جا سکتی ہے، حالانکہ اس کا بھی کوئی سنگین
 نہیں، ایسی پُر زور اور پُر تاثیر تہیریں بھی نہ محبوب کے دل پر کوئی اثر رکھتی ہیں
 نہ ان سے مطلب پر آ کر کسی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے ۔

۱۲ - شرح : اسے غائب : شراب تو چھوٹ گئی، اس کا بالآخر نام پینا
 تو ختم کر دیا، لیکن اب بھی کبھی پی پینا ہوا، پینے کے دو موافق ہیں، دن کے
 وقت صبح اور چھایا بڑھا ہوا اور ترشح ہو رہا ہو، رات کو صبح پانہ پی چھلک
 ہوئی ہو ۔

یاد دل اور برسات کے موقع پر پینے کا ذکر غائب کی زبان سے پہلے بھی آ
 چکا ہے، یعنی :

بہارِ بہارِ یوں برشکال ہاں غائب !

وہی شعر ان کمرہ ہم کو ہم شراب سے بہت

شب بستان کے سلسلے میں فرماتے ہیں :

یہی جس قدر لے شب بستان میں شراب
اس بطنی مزاج کو گرمی ہی داس ہے

نیز :

کوئی کہے کہ شب میں کیا برائی ہے
بلا سے آج اگر دن کو ابرو باد نہیں

مقطع میں شراب چھوڑنے کا جو ذکر ہے، وہ محض سخن گسری ہے، کیونکہ مرزا کی زندگی میں اتوار سے شراب کا مستند واقعہ صرف ایک ہے، یعنی ۲۲۔ جون ۱۹۱۲ء سے ۱۔ جولائی ۱۹۱۲ء تک، عیساکر ملانی کے نام ایک کتب سے واضح ہے۔ یہ دو غزل بظاہر ششما کا ہے، کیونکہ اس زمین میں موتی کی جی ایک غزل ہے اور فوق کے بھی چند شعر ہیں۔ ان سے واضح ہوتا ہے کہ یہ سب ایک طرحی مشاعرے کا کلام ہے۔ موتی کا انتقال ۱۹۱۲ء میں ہوا اور یہ دو غزل اس سے پیشتر کا ہونا چاہیے۔ گویا مقطع میں کسی واقعے کی طرف اشارہ نہیں، محض سخن طرازی کی گئی ہے۔

لغات : خست : تھک
کہو میں ۔

سو و ظن : غیر نمایاں گی۔
شرح : خواجہ صاحبی فرماتے ہیں :

۱۔ آج اس غزل سے شراب
دراں کہ کل نہ رہے گی، ساقی کوثر
کی قیامت پر سو و ظن کرنا ہے ۔

کل کے لیے کہ آج نہ خست شراب میں
یہ سو و ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں
ہیں آج کیوں ذلیل، کہ کل تک نہ تھی پسند

گستاخی فرشتہ ہمسایہ جناب میں
جہاں کیوں نکلنے لگتی ہے تن سے دم سحر
گرد و عدا ساقی سے چنگ در باب میں

رو میں ہے خوش عمر کہاں دیکھیے تھے

نے ہاتھ ہاگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

اُتسا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُند ہے

بتنا کہ وہم غیر سے ہوں بیچ و تاب میں

اصل شہود و شاہد و مشہور ایک ہے

حیراں ہوں پھر مشاہد ہے کس حساب میں

ہے خشک نونہ صُورہ پر وُجُودِ بحسب

یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و حباب میں

شرم اک اداسے تازہ ہے اپنے ہی سے بھی

ہیں کہنے بے حجاب کہ ہیں یوں حجاب میں

اگر آئیں جمال سے فارغ نسب میں ہنوز

پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

ہے غیبِ حجب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود

ہیں خواب میں ہنوز جو بیاگے ہیں خواب پر

غائبِ بدیم دوست سے آتی ہے بوسے دوست

مشغول حق ہوں بندگی نہ خواب میں

سہل کے لیے کے دو

مطلب ہو کہتے ہیں ایک

روزِ قیامت کے لیے دوسرا

روزِ آئندہ یعنی فردا کے لیے

پہلے مضموم کے مطابق شعر کا

مطلب ہے کہ روزِ قیامت

کے خیال سے شراب پانے میں

بخلِ ذکرِ عوام کا عقیدہ ہے

کہ جو لوگ یہیں شراب سے

پرہیز کریں گے انہیں قیامت

کے دن حضرت ساقی کو کُترِ شراب

ملوے جائیں گے منہ اکتے میں

کہ ساقی کو کُتر کی قیامتیں عام ہے

اس میں کسی کے لیے کلام کی

گونا گوش نہیں یہ اس پاکیزگی

کے متعلق غیر شاہانِ گمان ہے

کہ وہ کسی کو اپنی عام قیامتیں

سے غور و فکر نہ کر اور اعتراض نہ

اس مضموم کے مطابق

لفظِ خست یعنی بخل کا مطلب

کیا جو گاؤں آیا بخل سے مراد

یہ ہے کہ پانے والوں کو

کر میں پاتا ہوں شہرِ قیامت میں

دیتا ہے۔ یا اس سے پانے کی مطلق نفی مراد ہے ؟

دوسرا مقدم یہ ہو سکتا ہے کہ مرزا نے اپنے واروے سے شراب مانگی مجھے
بقول مائی تاکید کر دی گئی تھی کہ نئے کی حالت میں زیادہ شراب مانگوں تو ہرگز نہ
دیتا، واروے نے قدر کو دیا کہ کل، یعنی فردا کے لیے بھی کچھ، کہ جیسے، مرزا کہتے
ہیں کہ دیکھ تو کل کا بندہ رکھ کر شراب دیتے ہیں، کل نہ کر، یہ ساقی کو ٹرکے باب
میں غیر شاہنشاہان ہے، جس طرح اب تک شراب لیتی رہی، اسی طرح ساقی کو ٹر
کی صربانی سے آہندہ بھی لیتی جائے گی، اس پاک ذات کی صربانی کے متعلق دل میں
غلط گمان کو جگہ نہ دے۔ یعنی دنیا میں جو کچھ پیئے کو مٹا ہے، یہ بھی ساقی کو ٹر ہی کی
صربانی ہے۔ جس طرح قیامت کے دن جو کچھ عطا ہوگا، وہ بھی ساقی کو ٹر ہی
کی صربانی سے عطا ہوگا۔

۴۔ لغات۔ کل : اس سے مراد یوم الاست ہے، میں روزِ دوم
سے ہند کی کا اقرار کیا گیا تھا اور انسانوں کے اہل آقا یا حضرت آدم کی جناب میں
سجدہ نہ کرنے پر عزازیل کو جو فرشتوں میں محسوب ہوتا تھا، سزا دی تھی۔ تمام فرشتوں
نے سجدہ کیا تھا یعنی آدم کی عظمت تسلیم کر لی تھی، کیونکہ آدم ہی حقائق اشیاء بیان
کرنے لگے۔

شرح : کہتے ہیں کہ آج ہم یعنی انسان اتنے ذلیل کیوں ہو گئے کہ کوئی بھاری
بات بھی نہیں پرچتا، یومِ اکست میں تو فرشتوں کو بھی کہاں نہ تھی کہ بھاری نشان میں
گستاخی کریں

یہ شعر حقیقتاً شرف انسانی کے لیے ایک دعوت ہے، یعنی مرزا میر انسان
کو اس طرح متوتیر کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارا مرتبہ فرشتوں سے بھی بالاتر تھا، لیکن
انسان ہر کچھ باعث ہم ذلیل ہو گئے اور اپنے مقامِ شرف سے گر گئے، جس سوجھ
بوجھ کے ایسا کیوں ہوا اور ان اعمال سے دست کش ہو یا نہ چاہیے، ہوتا ذلیل
کا باعث ہوئے۔

اس شعر میں لفظ کیوں - استغنام کے لیے نہیں - بلکہ تنبیہ کے لیے ہے -
خواجہ حاکمی فرماتے ہیں :

- اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ معشوق کو یا تو بہاری خاطر ایسی غریزہ فطری
کہ اگر بالظرفی فرشتہ جس بہاری نسبت گستاخی کرتا تو اسے گوارا نہ ہوتی
اور یا اب ہم کو بالکل نظر اٹھانہ کر دیا گیا ہے ، دوسرے عدد معنی یہ
ہیں کہ اس شعر میں آدم اور فرشتوں کے اس قصے کی طرف اشارہ
ہے ، جو قرآن مجید میں موجود ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عالم کو پیدا
کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو فرشتوں نے کہا : کیا تو دنیا میں اس شخص
یعنی اس نوع کو پیدا کرنا چاہتا ہے ، جو اس میں فساد اور غوریزی
کرم سے بے دہان سے ارشاد ہوا کہ تم نہیں جانتے ، جو کچھ میں جانتا ہوں
پھر آدم سے ان کو نیک دلوانی اور حکم دیا کہ آدم کو مسجد کریں -
کستا ہے کہ ہم آج دنیا میں کیوں اس قدر ذلیل ہیں ، کل تک تو ہماری
ایسی عزت ہوگی ؟

سم - لغات - سماج : راگ -

چنگ : ایک بابا جو ستار کی قسم سے ہے -

رباب : سازنگی کی ایک قسم -

شرح : اس شعر میں بھی کہیں "استغنام" کے لیے جیسے تنبیہ کے لیے ہے

اگر چنگ و رباب میں جو آلات موسیقی ہیں - محبوب حقیقی ہی کی صدا سنانی ہوتی

ہے تو عجیب بات ہے کہ یہ صدا سنتے ہی بدن سے جان کیوں نکلنے لگتی ہے ؟

وہ صدا تو بہر حال جان بھٹس اور حیات اور زندگی ہونے چاہیے - کیونکہ حقیقی

محبوب کی صدا ہے ، معلوم ہوتا ہے کہ اگر باب و چنگ و حال اس صدا پر پورا اعتماد

نہیں رکھتے ، اگر اعتقاد ہو تو ان کی روٹوں میں پامیدی آئے ، لیکن وہ ٹرپنے اور

لوٹنے لگتے ہیں -

اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر باب و ہندو مالی اپنے محبوب کی
حصانہ کر اس میں جذب ہو جانے کے لیے ہتیاں ہو جاتے ہیں اور ان کا تڑپنا
اور ٹوٹنا اسی کیفیت کا نتیجہ ہے ۔

۴۔ لغات ۔ زور و داد و رفتار ، پانی کا بہاؤ ، وحارہ ، بیابان اس کے معنی
گرم زور اور تیز رو کے ہیں ۔

دشش : گھوڑا ، رستم کے گھوڑے کا نام ہی تھا ۔

مشرع : عمر کا گھوڑا تیزی سے دوڑا جا رہا تھا ۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ
کہاں پہنچ کر ٹھہرے ؟ ہم اس پر سوار ہیں ۔ لیکن حالت یہ ہے ۔ نہ ہانگ یہ ہاتھ ہے
نہ پاؤں نہ کاب میں ہے ۔

انسانی زندگی کی بے بسی اور بے اختیار بی کا نقشہ اس سے بہتر الفاظ میں کھینچنا
غالباً ممکن نہیں ۔ گھوڑے پر انسان سوار ہو کر نہ ہانگ قبضے میں ہو ۔ نہ کاب قابو
میں اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ گھوڑا اس پر پٹ دوڑا جا رہا ہے اس کا رخ کس طرف
ہے اور وہ کہاں پہنچ کر رکھنے والا ہے ؟ اس سے بڑو کر سوار کی بے اختیار بی کیا
ہو گی ؟ اور رفت کی زندگی کا یہ نہایت صحیح نقشہ ہے ۔

غزادہ حالتی فرماتے ہیں :

” سوار کی بے اختیار بی اور گھوڑے کا اس کے قابو سے باہر ہو جانا
اس سے بہتر بیان نہیں ہو سکتا اور عمر کو ایسے بے قابو گھوڑے سے
تشبیہ دینا حسن تشبیہ کا حق ادا کر دیتا ہے ۔“

حوتہ سمجھا جاتا ہے کہ مصور موقوفہ سے جو تصویر بنا دیتا ہے اس میں غلبہ نظر
کے لیے زیادہ سے زیادہ تاثیر پیدا ہو جاتی ہے ۔ کیونکہ جو غلبہ نقشہ آنکھوں کے
سامنے آ جاتا ہے اور ایسے معاملات میں الفاظ ایسا کام نہیں دے سکتے ، لیکن
مردانہ حالت نے الفاظ میں جو نقشہ پیش کر دیا ہے اس میں بڑے سے بڑا مصور
ہانگ و رفت کے ذریعے سے وہ تاثیر پیدا نہیں کر سکتا جو مردانہ نقطوں کے

قد پے سے پیدا کر دی ہے۔ غالب کے جن شعروں کی تصویر بنانا بظاہر دشوار
ہی نہیں، محال ہے، ان میں سے ایک شعر یہ بھی ہے۔ ایسا ہی شعر یہ ہے۔

سنجھنے دے مجھے کہ تا امید کی کیا تباہی ہے

کہ داناں خیال یار چھوٹا جانے ہے مجھ سے

۵۔ لغات - بُعد : دوری۔

تشریح : عبدالرحمن بجنوری اس شعر کے سلسلے میں فرماتے ہیں :

”روح اور مادے کا امتیاز حقیقت میں ایک قریب خیال ہے اور نہ

مادہ محض مایا ہے، جب ادراک کامل اور عقل رسا ہو جاتی ہے تو

مادے کی غیریت خود بخود منسوخ ہو جاتی ہے۔“

میں غیر کے دہم میں مبتلا بیچ کتاب کھاتا ہوں اور جس قدر اس خیال گور کہ

دھند سے میں الگ ہوتا رہتا ہوں۔ اُن کتابیں اپنی حقیقت یعنی وجود حقیقی سے دور

ہوتا جاتا ہوں۔

خواجہ جاتی فرماتے ہیں :

”غیر سے یہاں ماسوی اللہ مراد ہے جو صوفیہ کے نزدیک بالکل

معدوم ہے۔ اس لیے کہ وہ وجودِ واحد کے سوا سب کو معدوم

سمجھتے ہیں۔“

۶۔ لغات - مشہور : دیکھنا، رویت اصطلاحاً صوفیہ میں ایک درجہ ہے

جس میں سادگ، مراتب کثرت اور موجوداتِ صمدی سے گزر کر ایسے مرتبے پر

پہنچ جاتا ہے کہ اسے ساری موجودات میں جلوۂ حق بلکہ ہر شے میں حق نظر آنے

لگتی ہے۔

مشاہد : دیکھنے والا، شہادت دینے والا۔

مشہور : جتنے دیکھا جائے۔

مشاہدہ : دیکھنا، مشاہدہ کرنا۔

تشریح : جب مشہور شاہ اور مشہور کی اصل ایک ہے اور یہ قبولی لفظ ایک ہی مادے سے ہیں اور حیرت کا مقام ہے کہ مثلاً ہے کہ کیا سمجھا جاتے اور اسے کس دہے میں رکھا جاتے ؟

پوری کائنات صرف وجود اور معنی وجود حقیقی کی وجہ سے قائم ہے تو شاہ و مشہور ایک ہی ہوتے۔ اس کے سوا اور وجود نہیں۔ جو بھی شے ہے وہ سراسر معنی ذات ہے۔ کیونکہ ذات اور وجود میں غیریت نہیں ہو سکتی۔ مثلاً یہ اس عادت میں ہوگا جب شاہ و مشہور میں غیریت ہوگی۔ جب غیریت ہے ہی نہیں تو مشاہدہ کدایں رہا۔ وجود و معنی کا نہ وجودوں کا تقاضا کرتا ہے ؟

۴۔ لغات - مشتعل : مثال - محیط۔

مغور : منظور، وجود، نمانش۔

مغور : صورت کی جمع۔

تشریح : غرضی قابل فرماتے ہیں :

آیہ شعر ادھرت وجود اور کثرت مجموع کی تشکیل ہے۔ قطره و موج و صاب کے بچ و ناچیز ہونے کو ایک نام عذری سے اس طرح ادا کرنا کہ :
"یاں کیا دھرا ہے" مستحسنہ جو فضا ہے ۔

قطرے، موج اور ٹپیلے کی اپنی کوئی ہستی نہیں ہے تو سمندر میں چند صورتیں ہیں جو عام معنی طور پر نمایاں ہو گئیں اور ان کی ہستی سمندر ہی پر کوثرت ہے۔

شعر میں جو غور و تشفی یہ بتایا گیا ہے کہ حقیقی ہستی صرف وہی وجود کی ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ ممکنات میں شامل ہے۔ ممکنات اس وقت تک ہیں جب تک سمندر ہے۔ سمندر نہ ہو تو یہ بھی ناپید ہو جائیں۔ گویا ہندسہ، لہریں اور

ہندسہ سمندر کی ذات سے الگ وجود نہیں رکھتے۔ لہذا انہیں کوئی وجود شمار کرنا ہے اس کی ایک مثال یوں سمجھتی چاہیے کہ قوت نامیہ فریج کی جہرہ ہند کی سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا تصور و نہایتی ہوں اور فصلوں کی شکل میں ہوتا ہے۔ لیکن اصل نامیہ ایک

شے ہے۔ ممکنات واجب کے مختلف شیوں ہیں، ان کی اپنی کوئی حیثیت نہیں۔
مولانا صاحبانی کے قول کے مطابق اس تمثیل کی غرض یہ ہے کہ ممکنات کی ہستی
کو وجود واجب کے ضمن میں ثابت کیا جائے۔

۸۔ **تشریح :** بیشک محبوب حقیقی کا شرفِ انا اور سامنے نہ آتا ایک محبوبِ ابرا
ہے۔ اگرچہ یہ ادا اپنے ہی ساتھ ہے، کیونکہ یہاں وہ صراحتاً کوئی موجود ہی نہیں۔ گویا ان
کا پروردہ اختیار کرنا اور عجب میں رہنا بھی تو بے جوابی ہی ہے۔

مقصود یہ ہے کہ وجود واجب نے کائنات کے اندر مختلف صورتوں میں ظہور کیا
لیکن شرم و عجب کا یہ عالم ہے کہ اب تک عقل کر سامنے نہ آیا، بلکہ اس کا پروردہ
میں رہنا اور عجب کرنا بھی ادا اسے ناز کی حیثیت میں ہے جوابی ہی ہے۔ یعنی عقل
کر سامنے نہ آتا ہے، نہ پوری طرح مستور رہتا ہے، نہ بین بین رو کر عشاق کو تزیینا ہے۔
۹۔ **تشریح :** بھڑی مرحوم فرماتے ہیں :

”مستحقِ عالم وجودِ اوست کے نقاب میں چھپا ہوا ہے، برابر اپنی ہوائِ انا
میں مصروف ہے اور آئینہ نقاب ہی میں بے ہوش ہوئے اپنے فائدے کو
درست کر رہا ہے۔ جب عالم تکمیل کو پہنچ جائے گا تو نقاب اٹھ دیگا
عالم کو دیکھنے ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کسی چیز کی کمی ہے بیشک
حبیب آراستہ چور ہے ہیں اور منتظر ہیں“

مطلب یہ ہے کہ ابھی تک کائنات کی تکمیل نہیں ہوئی اور اس کی آرائش کا مفرد
برابر جاری ہے۔ اس کا خالق یعنی وجود واجب نقاب میں بھی آئینہ سامنے رکھتے
ہوئے ہے، گویا بتا سوتا بدستور جاری ہے اور آہِ انا ہوائِ انا سے مزاحمت حاصل
نہیں ہوتی۔ قرآن مجید کی آیت : ”خلق جودھو خلق شان“ (پروردہ ایک شان
نہایت سے ابھی اسی کی معرفت اشارہ کر رہی ہے۔

۱۰۔ **لغات :** غیبِ غیب : اس سے مراد مرتبہ اعلیٰ ہے، یہاں
تک عقل، ادراک اور ہرگز رسائی ممکن نہیں۔

تشریح : خواب برحالی فرماتے ہیں :

۔ سالک کو تمام موجودات عالم میں حق ہی حق نظر آنے تو اسے شہود کہتے ہیں اور غیب الغیب سے مراد مرتبہ احدیت ذات ہے ۔ تو عقل (اور آگ اور پتھر و بصیرت سے ورادہ اورا ہے ۔ کتا ہے کہ جس کو ہم شہود سمجھتے ہوئے ہیں ، وہ درحقیقت غیب الغیب ہے اور اس کو فطرت سے شہود سمجھنے میں ہماری مثال ایسی ہے جیسے کوئی خواب میں دیکھے کہ میں جاگتا ہوں ۔ پس گودہ اپنے نہیں ہمارا جھنسا ہے ۔ مگر فی الحقیقت وہ الہی خواب ہی میں ہے ۔ یہ مثال بالکل نئی ہے اور اس سے بہتر اس معنوی کے لیے نہیں ہو سکتی :

مطلب یہ ہے کہ ذات احدیت حقیقتہً غیب الغیب ہے یعنی غیب کے اندر غیب ہے ، لیکن ہم اسے شہود سمجھتے ہوئے ہیں ، یعنی یہ قرار دے بیٹھے ہیں کہ اس نے ظہور اختیار کیا ، ہماری مثال ایسی ہے ، اگر یا کوئی شخص سو یا بوا ہوا اور خواب دیکھے کہ جاگ رہا ہے ، ظاہر ہے کہ شخص جاگنے کا خواب دیکھ رہے ہیں ، اسے ہمارا نہیں سمجھا جاسکتا ، ایسا سمجھنا سراسر دھوکا ہے ۔

۱۱۔ لغات ۔ تدویم : ہم نشین ، مدیم ، رفیق ۔

جو قرابت : حضرت علیؑ کی کنیت ۔ اگرچہ صریح کنیت کی ہے ، لیکن حقیقت میں یہ ان کا لقب ہے ۔ رعایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؑ مسجد نبویؐ میں فرشتہ خاں پر سونے پرے تھا اور آپؐ کے کپڑے خاک آلود ہو گئے تھے ۔

۔ رسول اللہؐ و صلعم ، تشریف لائے تو فرمایا :

۔ اے یو خواب ! (خاک میں پڑے جوے یا خاک آلود) اٹھ ۔ پس اسی وقت سے حضرت علیؑ کا یہ لقب مشہور ہوا ۔

تشریح : پہلے صراح میں دوست سے دروڈ بگڑا ہوا ہے ۔

اسے غائب ، دوست (اللہ) کے رفیق اور ہم نشین (حضرت علیؑ) سے دوست

ہذا ای کی خوشبو آتی ہے۔ میں حضرت علی کی بندگی میں مصروف ہوں اور اس طرح میں خدا کی بندگی کر رہا ہوں۔

۱۔ شرح : میرے

دل اور جگر دونوں پر کای فرمیں
نگہ چکی ہیں۔ دونوں پر گریہ
نوم ضروری ہے، لیکن میں
ہر ایک وقت دونوں کے سامنے
میں یہ فرض اور انہیں کر سکتا
استقامت میری تو ایک ماتم
کرنے والا ساتھ رکھوں جگر
میں ہنسے دل پگھلاؤں اور وہ
ہانٹے جگر کتا جائے، اس طرح
دونوں کے ماتم کا حق اور جو
مرد کا مقصود صرف

یہ خاص کر ہے کہ عشق میں دل
اور جگر دونوں فنا ہو گئے اس
کے سوا جو کچھ ہے۔ وہ اسلوب
بیان ہے۔ جس نے شرکی
حیثیت کچھ سے کچھ بنادی۔
اسلام سے پیشتر عرب
میں یہ دستور تھا کہ گھنے والوں
کی طرح نوم کرنے والوں کے

حیراں ہوں دل کو روئیں کہ پیٹوں جگر کو میں
مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں
چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں
مبراگ سے پوچھتا ہوں کہ جانوں کہ جھڑکیں؟
جانا پڑا رقیب کے در پر۔ جسٹارہ باد
اسے کاش! جانتا نہ تری رہ گزر کو میں
جے کیا؟ جو کس کے باندھے؟ میری جھاڑے
کیا جانتا نہیں ہوں قصاری کمر کو میں؟
نوحہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو کٹا تا نہ گھر کو میں
چلتا ہوں قصوری دور ہراگ تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی۔ راہبر کو بھی
خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار
کیا پوچھتا ہوں اُس ثبت بیدار کو میں؟

پھر بخودی میں مجبور کیا اور اس کو سے یاد
 جاتا اگر نہ ایک دن اپنی خبر کو میں
 اپنے پر کر رہا ہوں تباہی اس اہل دہر کا
 سمجھا ہوں دل پذیر، متابع بہتر کو میں
 غائب! خدا کرے کہ سوا یہ سمندر تازہ
 دیکھوں علی بہادر عالی گٹر کو میں
 بھی طائفے جوتے تھے جھپٹیں
 ماتم کے موقع پر ٹھہرایا جانا تھا
 اور وہ ماتم کر کے گھر والوں کو
 خوب دیا کرتے تھے، کچھ وقت
 بیشتر تک بندہ دستان میں بھی
 پیشہ دار تھی اور میں موجود نہیں
 مرزا بھی کسی ایسے ہی سے لڑا
 کے خواہی تھے تاکہ دل و جگر
 دونوں کا ماتم یہ ایک وقت ہوئے

۲۔ شرح : عاشق بیزار ہو کر گھر سے نکل آیا ہے۔ اس کا دل کسی صورت
 میں نہیں پاتا اور وہ ہے اختیار پکار رہا ہے، کیا کروں؟ کہ ہر جاؤں؟ شکست کا مقام
 صرف محبوب کا گھر ہے، لیکن رشک کے مارے اس کا نام نہیں لینا اور یہی پکار رہا
 ہمارا ہے، کہ ہر کو جاؤں؟ اس طرف کا رخ کروں؟ رشک یہ کہ میں نے محبوب کا نام
 لے لیا تو دوسرا شخص بھی اس سے واقف ہو جائے گا۔ اندیشہ ہے کہ دیکھنے ہی وہ
 محبوب پر عاشق ہو کر رقیب بن جائے گا۔ اس ڈر کے مارے محبوب کا نام نہیں لیتا۔
 ۳۔ شرح : تیری آمد و رفت کے واسطے سے میرا واقف ہو جانا غضب
 ہو گیا۔ اور اسے رقیب کے گھر کے سامنے سے گزرتا ہے تیرے شرابی دیدار میں
 مجھے ہزار مرتبہ وہاں جانا اور رقیب کے گھر کا دروازہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کون ہوتی
 دل پر ایسی چھریاں پھیں کہ تو زخمی ہو رہی ہے، اکاش! مجھے تیری گزرتا علم نہ ہوتا۔
 ۴۔ شرح : پہلے بتایا جا چکا ہے کہ شاعروں نے جس طرح محبوب کے
 وہن کی غفلت میں مبالغہ کرتے کرتے اسے معذور قرار دے دیا اسی طرح کر کے نازک
 اور تپتے ہوئے پر زور دینے دیتے اسے ناپید کر دیا۔ اب محبوب غائب سے کر رہا
 ہے کہ میں نے تیرے قتل کے لیے کرکسی ہی سے یعنی ہانتہ اور دکر کیا ہے کہ مجھے نہیں

چھوڑوں گا۔ جواب دیا ہے کہ آپ کی کمر بے کیا جسے کس کے ہاتھ جاسے؟ کیا اس کی حقیقی حیثیت سے واقف نہیں؟ یعنی جو کمر اتنی پتلی ہے کہ اسے سورجیوم ۲۰ جاتا ہے، اسے آپ کس کر کیا ہاتھ میں لے گئے؟

۵۔ مشرح دہی نے محبوب کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے گھر بار لٹا دیا اور اپنی حیثیت بگاڑ لی۔ اس پر دوسروں کا طعنہ دینا تو تعجب کا مقام نہ تھا لیکن دیکھیے، محبوب جس ہی کڑا داسے کہ یہ ایک بے تنگ و دام شخص ہے۔ نہ اس کی کوئی حیثیت ہے۔ نہ معاشرے میں کوئی مرتبہ ہے۔ نہ اسے کوئی امتیاز حاصل ہے۔ اب میں ایسے شخص سے کیا ملوں، جس کے پاس نہ گھر ہے نہ شریفیوں کا ساتھ ملتا ہے اور مالی اسباب ہیں۔

شعر کا اسلوب دیا ہے کہ اسے مضامین غزل کے بچائے زندگی کی ہر صورت میں پر فہم رکھتے ہیں۔ مثلاً سیکڑوں مثالیں مثنوی میں کہ لوگوں نے قوموں اور ملکوں کی بسترانہ بدترکی کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دیا اور انھیں لوگوں کی نظروں میں بے وقعت اور ذلیل کر دیا۔ جس کی خاطر قربانیاں کی تھیں۔ غرض مثنوی میں محبت ہے اور اس کا اخلاق تعلیمت معاشات پر ہر رکھتا ہے۔ مرزا کے غیر فانی شعروں میں ایک یہ بھی ہے۔

۶۔ مشرح : خواہر مائی مرزا سے چھا :

”عالم پر او خدا کو جو حالت ابتدا میں پیش آتی ہے۔ اس کو اس تسلی میں بیان کیا ہے۔ غالب اولی اولی جس شخص میں کوئی کرم یا وجہ و سبب نہ ہو وہ خوش و خوش دیکھتا ہے۔ اسی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ چھرتا ہے۔ پھر جب کوئی اس سے بڑھ کر نظر آتا ہے تو اس کا لقب کرتا ہے۔ ”وہ تم جڑا اور وجہ اس تہذیب اور تزلزل کی یہی تو ہے کہ وہ کامین کو پہچان نہیں سکتا۔“

یہ شعر کرامت ایک پہلو ہے۔ زندگی کے ہر ادارے میں ایسے ہی حالات پیش آتے دیکھتے ہیں کہ انسان جس شخص کو دوسروں کے مقابلے میں ذرا تیز چلتے والا پاتا ہے۔

اس کا دامن اس امید پر قائم رہتا ہے کہ اس کے فدیے سے وہ بھی منزل مقصود پر پہنچ جائے گا۔ غمزدگی کا یہی ننگ ساتھ چلتا رہتا ہے، پھر وہ صبح ہو جاتا ہے کہ منزل بہت دور ہے اور یہ شخص تو وہاں تک نہیں پہنچا سکے گا۔ بعد ازاں کسی دوسرے تیز رفتار کے انتظار میں بیٹھ جاتا ہے۔ یہ کیفیت اس وقت تک جاری رہتی ہے، جب تک حقیقی رہنما اور رہبر کی پہچان نہ پیدا ہو جائے۔ قوی خدمت کے دائرے میں ایسی مثالیں عموماً زیادہ ملتی ہیں۔

۷۔ مرتبہ کے انتظار اساتذہ کے وادائیں بہت کم ملتے ہیں۔

۸۔ **تشریح :** میں تو اپنے عالم محبوب کی محض پیادہ میں مبتلا ہوں، غفلت کے اندھوں اور عمقوں نے اسے پرستش قرار دے دیا لیکن یہ سمجھ لیا کہ میں اسے خدا سمجھ کر پوج رہا ہوں، یہ کتنا اندھیر اور کیسی گہنی بونی بات ہے؟

شعر کی اصل خوبی یہ ہے کہ خود عاشق کو پرستش اور خواہش کے درمیان سبکی کی تیز طبعی، وہ جس نے کو خواہش قرار دے رہا ہے، عملاً وہ پرستش کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ لوگ غفلت کے رعبے ہیں کہ عاشق نے محبوب کو پوجنا شروع کر دیا، لیکن عاشق حقیقی حالت سے بے خبری کے عالم میں اسی بات پر زور دیتے جا رہا ہے کہ میرے دل میں تو اس کے لیے صدمہ چاہا ہے اور جو لوگ پرستش کا طعنہ دیتے ہیں، انہیں الحق قرار دے کر اپنے دعوے کو قوت پہنچا رہا ہے۔

۹۔ **تشریح :** عاشق ایک مرتبہ محبوب کے کوبے میں پہنچا اور اپنا سب کچھ کھو کر محزون رہ گیا، اسی عالم میں اس نے کئی مرتبہ کوئے یار کا قصد کیا، لیکن بیخودی کے عالم میں راستہ بھول جا کر بار بار گہن کا گہن جاپنچا، اب وہ پرستش پر کوکتا ہے کہ اکیسے مرتبہ نے پھر کوئے یار کا قصد کیا تھا، اس بیخودی کے باعث راستہ بھول گیا اور نہ وہاں محزون جاتا اور اپنی خبر سے کو آتا۔

یہ کہ میں مرتبہ وہاں جاسکے یا بخود پہنچا تھا، یعنی اپنا آپ وہاں کھو آیا تھا، اس سے خود تو اسے کچھ خبر نہیں، وہاں جاسکے تو اپنا چاہے کہ کیا حالت ہوئی۔

شعر میں۔ بخودی کے لفظ سے جو دقیق معنی پیدا کیے ہیں اور مرزا غالب ہی کا
حقیر ہے۔

۹۔ لغات۔ دل پذیر : دل میں سما جائے والا۔ دل میں اتر جانے والا۔
تشریح : میں عقل و دانش اور بصیرت و ادراک کو دل میں اتر جانے والی چیز
سمجھتا ہوں۔ یہ ایسی شاعری ہے جس کے حسن و خوبی اور غنیمت میں کلام کی گنجائش
نہیں۔ اپنے آپ پر قیاس کرتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ دنیا بھر کے لوگوں کی یہی
کیفیت ہے، لیکن یہ میری قلم نہی ہے، حقیقت اس کے برعکس ہے، اپنی دنیا
کے نزدیک یہ چیزیں کچھ تعدد و قیمت نہیں رکھتیں اور میرے جیسے ساری دنیا کو اپنا
بہنیاں، ہم مشرب اور ہم ذوق سمجھنا قطعاً درست نہ تھا۔

اس شعر میں انتہائی خوش اسلوبی سے علم و سیر کی سب سے واقعی اور تعدد ناشناسی کا
اظہار کیا ہے اور یہ طریق اظہار بھی مرزا غالب ہی کا حقیر ہے۔

۱۰۔ لغات۔ علی بہادر : اس سے مراد قوالب علی بہادر ہیں جو انار

بہادر قوالب نامہ ہے۔ علی بہادر مشتمل ہے مسند نشین چوہا، مشتمل میں
مجاہدین آزادی کے ساتھ مل گیا۔ قوالب مشتمل میں مکہ و مکہ پاکستان
امکان حصول کی بنا پر اس نے اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر
دیا۔ انگریزوں نے یہ راستہ چھین لیا اور اندوہ میں نظر بند کر دیا، صرف
تین سو روپیہ مالانہ وظیفہ دیتے تھے۔ مشتمل میں انگریزوں کو کچھ خیال
آیا اور اسے بہت زیادہ کر دیا، مگر وہی گئی۔ مشتمل میں رجسٹر لائی۔
شیر شکوہ آزادی کو قوالب علی بہادر سے ذلی تعلق تھا۔ اس کی وفات
پر جو تاریخ لکھی۔ اس میں قوالب کی چودہی سیرت کا نقشہ پیش کر دیا۔

قوالب علی بہادر : اسے بھر کر م	یوسف حسرت : شجاع کیا ہے ہے :
لئے قاتل شہان و آزاد و جہاد و حیر	لئے اہل سخن کے عزت افزا ہے :
لئے مسند نشین خلق و اقبال و مشکوہ	لئے بزم کرم کے حند آرائے ہے :

انھو جانتے جہاں جو توڑنے سے اپنے صدیعت انیس سو اور لیا ہے ہے :
 کو کج تری یہ رو کہ کتا ہے شیر قیاضی ناما امیر زبیا ہے :
 بڑا فیاض اور دوست نواز تھا۔ مرزا غالب کے ساتھ شخصیاں کے قریب سے
 رشتہ داروں میں تھی۔ کلکتہ جاتے ہوئے مرزا اسی رشتہ داری کے باعث ہندو شہرے
 تھے۔ غالب اس زمانے میں ذرا فقار بہادر خواب تھا۔ اسی کے لیے غالب نے غاری
 میں کہا ہے :

غلاب تو الفقار بہادر کہ بود است

نام تو رہصاوت ملک تو فقار میں

شرح : اسے غالب انہماک سے کہ میں اپنے عزیز غلاب علی بہادر کو جس
 کا خاندان بہت بلند ہے افروز اقبال کے گھونٹے پر سوار دیکھوں۔

۱۔ شرح : محبوب کو یہ

بھی منظور نہیں کہ کوئی شخص

اس کی محفل میں میرا ذکر برائی

کے ساتھ کرے۔ یعنی اسے

اپنی عزت ہو گئی ہے کہ کسی

بھی شکل میں میرا نام سنا

گوارا نہیں کرتا۔ رشتہ داری

ہے کہ اس سے میرا ذکر برائی

کے ساتھ کرے۔ اب اس

پر محبوب بگڑ جائے اور تعجب

کو بھی قہر و عتاب کا تھوڑا مشتق

بنائے تو کچھ بدیدہ نہیں۔

ذکر میرا یہ جہی بھی اسے منظور نہیں

غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دُور نہیں

وعدہ سیر گلستان ہے خوش طالع شوقی !

مرزا قتل مقتدر ہے جو مذکور نہیں

شاہد مہدی مطلق کی کمر ہے عالم

لوگ کہتے ہیں کہ ہے ۔ پر بھی منظور نہیں

نظر اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا ، لیکن

ہم کو تقلید تنگ نظر فی منظور نہیں

۲۔ لغات - مقتدر :

بات کرتے یا کہتے وقت ایسے الفاظ چھوڑنا جو قرینے سے سمجھ میں آجائیں۔ پوشیدہ مراد۔

شرح : میرے

عشق کی کتنی خوش نصیبی ہے کہ محبوب نے بارغ کی سیر کا وعدہ کر لیا ہے۔ اس وعدے میں ایک بات مقتدر چھوڑی اور اس کا ذکر نہ کیا۔ یعنی عشق قتل کی خبر بھی بھی سنائی۔

مطلب ہے کہ سیر

بارغ سے حقیقتہً سیر مقصود

حسرت والے ذوق خرابی : اگر وہ طاقت نہیں
عشق پر غریبہ کی گویاں تن رہنمائی ہیں
میں جو کتنا ہوں کہ ہم ہیں گئے قیامت میں نصیب
کس دعوت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم جو نہیں

ظلم کر ظلم، اگر مطلق و ریغ آتا ہو
تو تلافی میں کسی رنگ سے معذور نہیں
صاف دلدی کش پیسا نہ بھم ہیں۔ ہم لوگ
والے وہ باد کہ آفشروہ انگور نہیں
ہوں غلامی کے مقابل میں خفائی نالہ

میر نے دعویٰ پر یہ فحشت ہے کہ مشہور نہیں

نہیں۔ بلکہ میرا خون بہانا مقصود ہے تاکہ اس کی سرخی سے گرد و پیش میں کچلے ہوئے نظر آئیں اور زمین میرے خون سے اسی طرح آراستہ ہو جائے، جس طرح بارغ چھوڑنے سے آراستہ ہوتا ہے۔ یہ سب کہ عاشق نے سیر گلستان کے وعدے سے سمجھا۔ یعنی سیر گلستان کا ذکر ہوا اور عاشق نے اسے مشرودہ قتل سمجھ لیا۔ ذکر سیر گلستان ہوا اور مقتدر مشرودہ قتل۔

۳۔ لغات - شاہد بہتی مطلق : وہ محبوب جو علی الاطلاق موجود ہے

یعنی محبوب حقیقی۔

منظور : مراد اظہار عیانی نے اسے مشہور حقیقی (یعنی دیکھا گیا) کے

معنی پر لیا ہے ، پھر فرمایا ہے کہ محاورہ ساتھ نہیں دیتا ۔

لیکن اس تلفظ کی ضرورت کیا ہے ؟ منقولہ نہیں ۔ کو عام معنی میں کیوں استعمال نہ کیا جائے ؟ یعنی ہم نہیں مانتے ، یہیں یہ تسلیم نہیں ۔

شرح : لوگ کہتے ہیں کہ یہ دنیا محبوب حقیقی کی کمر ہے ، جو شاخوں کے نزدیک موجود مانی جاتی ہے ۔ یقیناً اس طرح ہستی دنیا کی نفی تو ہو گئی ، لیکن لوگ ساتھ ہی کہتے ہیں کہ لفظ استعمال کرتے ہیں ، جس سے اثبات کا پہلو نکلتا ہے ، لہذا ہم ان کا قول تسلیم نہیں کرتے ، کیونکہ دنیا اس درجہ معدوم ہے کہ اس کی نفی کرتے ہوئے بھی کوئی اثباتی لفظ لاتا قابل قبول نہیں سمجھا جاتا ۔

۴۔ لغات ۔ تنگ نظری : ظرف کا تنگ ہونا ، کم حوصلہ اور بے حسبت ہونا ۔
منصور : اصل نام حسین تھا ، منصور اس کے والد کا نام تھا ، لیکن شعراء میں اصل نام کے بجائے باپ ہی کے نام سے مشہور ہو گیا ۔ روایت ہے کہ اس نے - (۱) الحق - کہا ، یعنی میں خدا ہوں اور موت کی سزا پائی ۔

شرح : یقیناً ہمدانی ہستی کا نظریہ بھی سمندر میں بی کر سمندر ہی جیسا ہے ،
یعنی جس میں ثنائی الزامات کا مقام حاصل ہو چکا ہے ، لیکن ہمارا ظرف منصور کی طرح تنگ نہیں کہ چھٹک حاضی اور آواز الحق " یکبارہ اٹھیں ۔ ہم اس کم حوصلہ اور بے حسبت کی سپردی نہیں کر سکتے ، جو ثنائی الزامات کے مقام پر پہنچ جانے کے بعد اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے ۔ اور صبر و ضبط نہ کر سکے ۔

۵۔ لغات ۔ چتر عہدہ : جنگجو ، لڑاکا ، جنگجو مرد ۔

گوئی : روشنی ، ڈھب ، قابل ، قانون ۔

دہخورد : بھیاں ، کمزور ، نالواں ۔

شرح : اسے خرابی کے فوق و فوق ! اندیشوں کے پہلے کی سی حالت ہوتی

اور یہی میراجیم عشق کے مدد سے شدت کر اس درجہ بھیاں ، کمزور اور نالواں ہو گیا کہ
اسب عشق کی معرکہ آرائیوں اور جنگجو مشینوں کے قابل نہیں رہا ۔

حسرت اس امر پر ہے کہ مزید تباہ و برباد ہونے کا ذوق باقی ہے۔ لیکن جسم اب ساتھ نہیں دیتا۔ عشق امیں بلا ہے کہ اس کے لیے ہر قسم کی سختیاں سہنے کی تاب برقی چاہیے۔ میرے جسم میں اب یہ خصوصیت باقی نہیں رہی۔

۶۔ لغات : رجحونت : غرور۔ تکبر۔

شرح : جب میں اپنے محبوب سے کٹا ہوں کہ قیامت کے دن جزا و جزا کا فیصلہ ہو گا۔ ہم جنت میں جائیں گے اور حوریٰ عین گی تو ہم کہیں گے کہ بہارِ محبوب ہی ہمیں دے دیکھے اور تمہیں کو ہم لے لیں گے تو دیکھیے۔ کس غرور و تکبر سے جواب دیتے ہیں! سبحان! ہم حور نہیں! کہ آپ ہمیں لے سکیں۔

اس شعر میں میں اچھوتے انداز سے محبوب کو حوروں سے اتنا برتر ثابت کیا گیا ہے کہ وہ نفرت بھرے غور سے اپنے حور جو نے کا منکر ہے۔ گویا حور کو ایک حقیر چیز سمجھتا ہے۔

۷۔ لغات : دریغ آنا : دریغ ہونا، اتالی کرنا، بھل سے کام لینا۔

معذور : عذر کیا گیا۔ مجبور۔ ناچار۔ معافی کے قابل۔

شرح : اے محبوب! اگر تجھے لعل و کرم میں اتالی ہے اور اسے میرے لیے گوارا نہیں کرتا تو ظلم ہی کرتا جا۔ ظلم کی تکرار سے مقصود تاکید ہے کہ غرور و ظلم ہی کر۔ لیکن تو تلافی سے کام لینا چاہتا ہے۔ اس بارے میں تیرا کوئی مقابلہ تسلیم نہیں سمجھا جاسکتا۔

تلافی کا مطلب یہ ہو گا کہ تجھے ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ میں منظور نہیں دوں توں میں سے کوئی ایک اختیار کرے۔ تو ہمیں صراحتی کے قابل نہیں سمجھتا تو نہ ہوں۔ ہم ظلم سہنے کے لیے تیار ہیں۔ ان حالتوں میں تجھ سے تعلق قائم رہتا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ مرزا نے کہا ہے :

تعلق کیجئے نہ تعلق ہم سے

کہہ نہیں ہے تو صلاوت ہی ہی

نیز :

وارد ستہ اس سے جس کو قیمت ہی کیوں نہ ہو
کیجئے مہار سے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

۸۔ لغات - وژدنی کش : پیچٹ پیٹے والے۔

جہم : حبشہ ایران کا بادشاہ جس سے شراب کی ایجاد منسوب ہے۔

افشرودہ انگور : انگور کا پتھر اور عرق۔

شرح : ہم لوگ حبشہ کے پیالے کی تمیث چنے والے ہیں اس شراب
پر انوس اجرا انگور کے عرق سے تیار نہ کی گئی ہو۔

اپنی شراب نوشی کو حبشہ سے منسوب کر کے اس کا رتبہ درجہ بلند کر دیا۔ پھر
اس کا اس رتبے کے سیکشن کے لیے عرق انگور کے سوا جو شراب ملے وہ باعث
منوس ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سرزاد کو ویسی شراب سے سخت نفرت تھی جو گڑا اور بول
لی چال سے تیار کی جاتی تھی۔ وہ خود ایک خط میں لکھتے ہیں : یہ گڑا چال کی
شراب مجھے پسند نہیں آتی مجھے معذرت کرتی ہے۔ "نارسی میں بھی کہا ہے :

غائب اس شراب قندی بندم کہاب کو

ذہن مجد باوہ اسے گوارا کشیدہ باد

نیز :

شراب قندی بندو ستال دافم سوخت

ذشیر و غانا کشیر آورد شراب

اس لیے وہ انگوری شراب کے رسیا تھے۔ لہذا کہا :

واسے وہ باوہ کو افشرودہ انگور نہیں۔

۹۔ لغات - ظہوری : لفظ معنی صاحب ظہور یعنی ظاہر و آشکار اور

مشہور۔ "نارسی کا ایک مشہور شاعر ادیب جس نے زندگی کا بڑا حصہ بیابانوں میں گزارا

اور وہیں وفات پائی۔

خفائی : لفظی معنی چھپا ہوا اور پوشیدہ، یعنی جو شہرت سے محروم ہو۔
 شرح : اسے غالب : میں خفائی ہونے کے باوجود ظہوری کی ٹکڑا ہوں
 میرے دلوے پر دلیل یہ ہے کہ مجھے شہرت حاصل نہیں۔
 چونکہ میں مشہور نہیں، اس لیے ظہوری کے مقابلے میں مجھے خفائی کہنا چاہیے
 لیکن مشہور نہ ہونے کے باوجود میں ظہوری کا برا مقابل ہوں۔
 "ظہور اور خفا، نیز ظہوری اور خفائی کا تقابل بالکل واضح ہے۔"

۱۔ لغات ۔

حسن طلب : کوئی چیز
 اچھے طریقے پر طلب کرتا۔

ستم ایجابو : وہ محبوب،
 جو ظلم و ستم کے نئے نئے طریقے
 نکالتا ہے۔

شرح : اسے

ظلم و ستم کے نئے نئے طریقے
 نکالنے والے محبوب، اگر

ہیں آہ و فغاں کرتا ہوں تو
 اس سے تیرے ظلم و ستم

کی شکایت مقصود نہیں بلکہ
 یہ تو حسن طلب ہے۔ میرا
 مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ تجھ
 سے مزید جو دردِ جفا کا تقاضا

نالہ، تجزِ حسن طلب، اسے ستم ایجابو ! نہیں
 ہے تقاضا ہے جفا، شکوہ بیداد نہیں
 عشق و مزدوری عشرت گہ خسرو، کیا خوب
 ہم کو تسلیم نکو نامی ضرر باد ہنسیر
 کم نہیں وہ بھی خرابی میں، یہ وسعت معلوم
 دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یا دہلیہ
 اہل منش کو ہے طوفانِ حوادث، کہتا
 نظریہ موج کم از سیلی استاد ہنر
 واسے ! محرومی تسلیم دہدا ! حال و
 جانتا ہے کہ ہمیں طاقت مزید نہ

رنگِ تمکین گل و لالہ پریشاں کیوں ہے ؟
 گردن ۔ لیکن ایسے طریق پر
 جو اچھا اور پسندیدہ ہو ۔
 مطلب یہ ہے کہ اور جو درد
 کا اتفاق یوں کیا کہ آہ و غنا
 شروع کر دی تاکہ محبوب
 ناراض ہو اور غصے میں آ
 کر مزید بیدار کرنے لگے ۔
 گویا آہ و غناں مزید جھوٹا
 کی باتیں کا ایک اچھا اور
 احسن ذریعہ بن گئی ۔

۴۔ لغاتِ خسرو :
 ایران کا ایک بادشاہ ،
 جسے خسرو پرویز کہتے ہیں
 مشہور حسینہ شیریں اس کی
 بیوی تھی ۔

نگہ تمکین گل و لالہ پریشاں کیوں ہے ؟
 گر چہ سراخانِ سرِ رہنمائی باد نہیں
 سب کو گل کے تلے بند کرے ہے گلچیں
 مژدہ ، اسے مرغِ اکہ گلزار میں صیاد نہیں
 نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا
 دی ہے ہمارے ذہن اس کو دمِ ایسا د نہیں
 کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے بہشت
 بھی نقشہ ہے ۔ ولے اس قدر آباد نہیں
 کرتے کس منہ سے جو غربت کی شکایت غالب
 تم کو بے لہری یارانِ وطن یاد نہیں

عشرت گز : دو مقام ، جہاں عیش و عشرت کی بات ہے ، یہاں اس سے
 مقصود خسرو کا محل اور باغ ہیں ، یہ بتا دینا چاہیے کہ بقدر اسے ہمدان کی
 طرف باغیں تو خواہ نقیہ و سلعان کے درمیان پہاڑوں میں ایک مقام
 آتا ہے ، جہاں ایک مقام اب تک قمر شیریں کے نام سے معروف
 ہے ۔ یہی مقام تھا ، جسے "عشرت گز خسرو" کہا جاسکتا ہے ، وہیں
 کے صوفیہ کھنڈہ رہ گئے ہیں ۔

مژ باد : شیریں کا عاشق ، جس کے متعلق پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اسے
 شیریں کے باغ کے لیے پہاڑ چیر کر نہر بنانے کا حکم دیا گیا تھا اور وہ وہ

کر دیا گیا تھا کہ نہ مکمل ہوتے ہی شیریں قمیص مل جائے گی۔ مرنے والے
نہ مکمل کر دی، لیکن اسے شیریں کے مرنے کی جھوٹی خبر بنا کر
خود کشی پر مجبور کر دیا گیا۔ یہ عام امنا ہے۔ تاریخی معائنہ سے
اسے کوئی تعلق نہیں۔ البتہ سمجھا جاسکتا ہے کہ پانی منور پہاڑ سے
لا گیا۔ مگر پہاڑ کاٹ کر نہیں دیا وہ تو دسی ہی حوالہ گزر لگائی
بنا کر جسے پانی لٹنے کے لیے تنگ دریچے سے باہر کرتے تھے۔

تشریح : مرزا کہتے ہیں کہ مرزا تو مشن کا دعویٰ رکھتا تھا، پھر اس نے
اپنے رفیق خسرو پرورد کے بارغ اور محل کے لیے پہاڑ کاٹ کر مرنے والے کی
مزدوری کیوں قبول کی؟ حلالہ سچے عاشق بھی رفیقوں کی عیش و عشرت کے لیے
مزدوری کر کے مزدوری سرور سامان بہم پہنچاتے ہیں، حق یہ ہے کہ ہم تو مرزا
کی نیک نامی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔

بحث یہ نہیں کہ مرزا اچھا تھا یا بُرا، اس کا رتبہ بلند تھا یا نہیں تھا یہاں
بحث صرف یہ ہے کہ مرزا نے مرزا کے اشارے سے ایک نکتہ ایسا پیدا کر لیا
جو یقیناً اس مسکین کے لیے نیک نامی کا باعث نہیں سمجھا جاسکتا۔ یعنی عاشق
جو کہ رفیق کی عیش و عشرت کے لیے مزدوری پر آمادہ ہو جائے تو کون سی خوبی کی
بات ہے؟ اگر کہا جائے کہ مرزا شیریں کے لیے مرنے والے پر آمادہ ہوا تھا تو
شیریں خسرو پرورد کی بیوی تھی، اس کے محل اور بارغ کے لیے جو مرنے والی گئی،
وہ بہر حال خسرو پرورد ہی کی عشرت گاہ کے لیے تھی۔

۳۔ تشریح : پہلے معروض ہیں وہ۔ کا اشارہ گھر کی طرف ہے، تصریح
اس لیے مزدوری ہوئی کہ مرزا غالباً مزدورت شہری سے مجبور ہو کر دشت
کو گھر سے پہلے لائے۔

بیشک میرا گھر بھی خرابی و بربادی کے اعتبار سے دشت کے مقابلے میں کم
میتیت نہیں رکھتا، لیکن اس میں وہ پناہی اور کشادگی کہاں، جو دشت میں ہے

گھر کا رتبہ زیادہ سے زیادہ سوگڑا اور دشت کے طول و عرض کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے دشت میں میری زندگی ایسی خوش اسلوبی سے گزر رہی ہے اور میں اتنا خوش ہوں کہ گھر مجھے یاد ہی نہیں۔

۴۔ لغات۔ اہل بیض : اہل عقل و دانش و پیر و در۔

حوادث : حادثہ کی جمع۔

نظر : تہیہ

پیش : پہلے۔

شرح : حادثوں کے جو طوقان اٹھتے ہیں وہ اہل نظر و بصیرت کے لیے ایک درس گاہ ہیں۔ جہاں انہیں زندگی کے سرمدی سبق ملتے ہیں۔ یعنی ان سے کوئی غلطی ہوتی ہے تو تیار پل ہاتا ہے کسی معاملے میں ٹھیک ٹھیک تدبیر نہ کر سکے ہوں۔ اس لیے نقصان اٹھا کر جو حقیقت ان پر واقع ہو جاتی ہے۔ گویا تمام آفتیں اور حادثے ان کے لیے دہری اور نہانی کا سامان ہیں اور ہر حادثے کی لہر سے ان پر جو ضرب لگتی ہے وہ دور اصل استاد کا پیڑ پڑتا ہے جو شاگرد کو غلطی پر تہیہ کرتے اور اس میں سراسر شفقت کا پہلو ہوتا ہے۔

مرزا نے طوقانِ حوادث کو کتب قرار دینے میں حقیقت اس طرح واضح کر دی کہ اس سے زیادہ توضیح ممکن نہ تھی۔ مثلاً :

۱۔ جس طرح معمولی علم کے لیے کتب میں جانا ضروری ہے، اسی طرح زندگی کے مراحل میں طوقانِ حوادث سے گزرنے بغیر چارہ نہیں۔

۲۔ جس طرح کتب کا ماحول شاگرد کے لیے شفقت و تربیت اور علم و بصیرت کا ماحول ہوتا ہے، اسی طرح حوادث کو بھی خود یا کراہت سے نہ دیکھنا چاہیے۔ خود کی طرف سے ان کا انتظام اس لیے ہوتا ہے کہ انسانوں نے جو باتیں سیکھیں نہیں پاسکیں اور قبول کئے یا انہوں نے فہم و بصیرت سے ٹھیک ٹھیک کام نہ لیا، حوادث کے ذریعے سے ان کی کوری کر دی جائے۔ گویا زندگی کے مراحل میں حوادث کی حیثیت وہی ہے

جو مکتب میں استاد یا اساتذہ کی ہوتی ہے۔

۳۔ طوائف حوادث کو مکتب قرار دیتے ہیں۔ ان کی کہنی، تاخوشگاری اور دہشت نازل کردہ اور ہتادیا کہ ان سے مزید علم حاصل کرنا چاہیے اور حوادث کے بغیر علم تجویز میں پختگی پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔

۴۔ یہ حقیقت آشکارا کر دی کہ زندگی میں انسان کے لیے کتنے ہی ناخوشگوار واقعات پیش آئیں۔ اگر حقیقت پر نظر ہو تو وہ تمام واقعات درنگ ہیں جن سے جن میں یکساں جاتا ہے تاکہ زندگی زیادہ کامیابی سے بسر کی جاسکے۔

۵۔ لغات۔ جدا : بہت بُرا۔ انوس۔

شرح : آہ تسلیم درنگ کا منظوم جو نامہ اور انوس اون کی برہمائی، ہم تو اس لیے خاموش ہیں کہ محبوب سے وفاداری پر کوئی حرف نہ آئے اور اس کے رد پر تسلیم درنگ میں خلل نہ پڑے۔ لیکن اس نے یہ سمجھ لیا کہ ہم میں آہ و فغان کی طاقت بھی نہیں رہی۔ گویا ہم نے جو طریق عشق و محبت کے تقاضوں کی بنا پر اختیار کیا۔ محبوب سمجھتا ہے کہ وہ ہمدردی و پیار کی دنیا تو ان کا نتیجہ ہے۔ حال ہی کہ کہ تسلیم درنگ کی منظوم اور دنا کہ برہمائی اس سے بڑھ کر کیا ہوگی ؟

۶۔ لغات۔ تمکین : ٹٹکٹ۔ طوائف۔ جہاد۔ قرار۔

شرح : اگر کارو لگی ہو اس کے راستے پر پر افاق کی حیثیت نہیں رکھتے تو ان کے طوائف، جہاد اور قرار رنگ پر مٹاں کیوں ہے ؟

جو چراغ راستے پر جلتا یا جاسے اور راستہ بھی بڑا کا ہو وہ کبھی طبعی طریق پر روشن نہیں رہ سکتا۔ بڑا پر جھلکتا یا رہے گا اور جلد بجھ جائے گا۔ بالکل یہی کیفیت قاعدگی کی ہے۔ ان کی حیثیت بھی چراغ کے راستے کے چراغ کی ہے۔ وہ بھی جلد بجھ جائے گا۔ اسے ہیں اور ایسے چراغوں میں قیام و قرار کا رنگ کا زنا پر مٹاں ہو گا۔ یعنی ان کے لیے قیام و بقا کی کوئی صورت نہیں۔ آہ بجھتے ہیں، قصویٰ دیر میں پکھڑیاں ایک ایک کر کے الگ ہو جائیں گی اور وہ ناپید ہو جائیں گے۔ ایسی چیزوں کے لیے ثبات کا رنگ

جتنے کی کوئی صورت نہیں۔

جو چیزیں زندگی میں حسن و جمال کے اعتبار سے بہت عزیز سمجھے جاتے ہیں ان کی بے ثباتی ایسے عہد اور مناسب حال انداز میں پیش کی گئی ہے کہ اس سے بہتر طریقہ نہیں دیا جاسکتا۔

۷۔ لغات - سُبْدِ گُلُّ : وہ ڈگری جس میں پھول چن چن کر جمع کیے جاتے ہیں۔
 شرح : اسے پرندے انوشجری جو کہ گھیس یعنی پھول بیٹنے والا تھے پھولوں کی ڈگری کے نیچے بند کر رہا ہے اور صیاد باریج میں موجود نہیں۔

مرغ سے مراد بظاہر کھیل ہے۔ پھولوں کی ڈگری میں بند کر دینے سے ان کی ہنجر سے کی خفیاں ختم ہوئیں اور دم پھولوں سے نہ محض قریب حاصل ہوا، بلکہ پھول کے ارد گرد ہر طرف پھول ہی پھول ہوں گے اور صیاد جو پرندے کے لیے سب سے بڑی مصیبت ہے، موجود نہیں۔

جس صورت حال پر اس کا اطلاق نہایت محاذوں طریق پر ہو سکتا ہے۔ ہر حال میں وہ مرغ اس کے سامنے نہ تھی۔ مثلاً انگریزی تسلط کے آخری دور کو سے پہلے۔ آزادی کا جذبہ عام ہو گیا تھا۔ انگریزوں کے لیے اطمینان سے مستطرب رہنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ انھوں نے اصلاحات کا خاکہ تیار کیا، اور اسے نافذ کر دیا، یہ پرندے کو سبھل کے تھے بند کرنے کی صورت تھی اور ظاہر یہ کیا گیا تھا کہ صیاد باریج سے نکل گیا ہے یا اس نے صیاد کی جگہ گھیس یعنی اعتبار کر لی ہے یعنی اب پہلے کی طرح شکار نہیں کرنا چاہتے کے بل پر محکموں کو نہیں دیا تا صورت مالی کا نقص اٹھاتا ہے، یعنی پھول پھلتا ہے۔ ایسی صورتیں مختلف احوال میں مختلف مقامات پر پیش آئیں۔

۸۔ لغات - فَعْنی و اِشْبَات - فَعْنی کے معنی - نہیں - اِشْبَات کے معنی - ہاں۔ اصطلاح میں ان دونوں مفکوں کے معنی مرصع ہیں۔ کھنڈیہ جسی اعلیٰ و ادنیٰ کا مجموعہ ہے۔ پہلے کھنڈیہ یعنی لا الہ الا کوئی معبود نہیں، پھر کھنڈیہ اِشْبَات یعنی لا الہ الا کے سوا، معنی اصطلاح تصورات میں اپنے آپ کو دوسرے مختلف میں لگا کر دینے

اور اس طرح اس وجود کا اثبات کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ انکار میں ذکر نفی و اثبات سے مقصود کلمہ یقینہ کا ذکر ہے۔

تراویح : چنگ۔ نکلن۔ کھڑ ہونا۔

مشریح : جس طرح کلمہ توہید میں نفی سے اثبات کا تصور ہوتا ہے وہی کیفیت ہمارے محبوب میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے وقت اسے وہی قریب ہی نہیں۔ اس کی جگہ نہیں۔ اسے وہی عین وہ ہر بات پر انکار کرتا ہے اور کلمہ نفی استغاثی کہ اس کا شیوہ ہے۔ اسی نہیں اسے ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کا وہی ہے۔ گو یہ نفی سے اثبات کا تصور ہوتا ہے۔

میشتر اصحاب نے اعتراض کیا ہے کہ مرزا اسے یہاں اثبات کو مؤثر استعمال کیا۔ صاف کہ یہ ذکر ہے اور مرزا خود کہ گئے ہیں :

ہر رنگ میں بہار کا اثبات پائے

لیکن جو الفاظ کی تذکیر و تائید حق تعالیٰ ہے۔ ان میں زیادہ میں جیگہ نہیں لکھائی جا رہی۔ جو عین ہوں کہ مرزا اسے ایک معنوں پیدا کیا اور "اثبات کرتا ہے" کہنے تو کرتا۔ "کالف و ب" ہوتا اور مرزا نے خود سناج کے نام لکھا ہے کہ جہاں لٹ رہتا ہے۔ میرے کلمے میں ایک تیر لگتا ہے۔ یقیناً اسی وجہ سے کرتا ہے کہ بھانے کرتی ہے۔ لکھ دیا اور اعتباری تذکیر و تائید میں اسے قابل گرفت نہ سمجھنا چاہیے۔

۹۔ مشرح : ظاہری جلوہ آرائی میں بہشت میں تیرے کوپے سے کم نہیں۔

نقشہ قوراقسی ہی ہے۔ لیکن وہاں اتنی آبادی نہیں۔

مطلب یہ کہ محبوب کے کوپے میں عشاق کا جو جہم رہتا ہے۔ وہی باجم بہشت میں نظر نہیں آتا۔

ایک پہلو یہ نکالا جا سکتا ہے کہ محبوب حقیقی کے شیدائیوں کا جو جہم اس کا جلوہ دیکھنے کا مشتاق ہے۔ وہ تعداد میں اتنا زیادہ ہے کہ بہشت میں جانے والوں کی تعداد کو اس سے کوئی مناسبت نہیں۔ مرزا ان بات کہ کلمے کے مطابق بہشت میں وہ باجم لگتا

جو نیک عمل کی جزا پائیں گے۔ لیکن وہ لوگوں کے آرزو مند بہشت سے کوئی سروکار نہ رکھیں گے اور دیکھ رہے ہیں کہ مشغور رہیں گے۔ ان کی تعداد سب عمل کی جزا پانے والوں سے بہت زیادہ ہوگی۔

۱۰۔ تشریح : اسے غالب ! تم کس شہد سے بے وطنی کی شکایت کر رہے ہو؟ کیا تمہیں یاد نہیں کہ وطن کے دوستوں اور دشمنوں نے کیسی بے مہری سے کام لیا اور تمہاری قدر و منزلت پہچانتے سے کس درجہ غفلت برتی۔

وطن سے محبت اہل وطن کی مہربانی، قدر شناسی اور ہمدردی کی بنیاد ہے۔ جب یہ چیزیں ناپید ہوں، وہاں وطن اور بے وطنی میں کچھ فرق نہیں رہتا۔ مرزا غالب بھی بے وطنی کی شکایت اسی بنا پر یہاں قرار دیتے ہیں کہ ہمارا وطن سے بے مہری کے انتہائی حد سے اٹھا چکے ہیں۔

دورانِ غالب کا جو نسخہ بشرانی مرحوم نے فراہم کیا تھا، اس کے حاشیے کی تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ یہ غزل بھی باندھ میں کہی گئی تھی، جب مرزا غالب ٹھکرتے تھے تو بے باندھ میں شعر لکھتے تھے اور اغلب بے اداس کے کسی مشاعرے میں پڑھی گئی ہوا لفظ مطلع کی مناسبت کسی تشریح کی محتاج نہیں۔

۱۔ تشریح : غلابی حالت فرماتے ہیں :

”اپنی مزاج جو مسلکی انداز کے ساتھ مشرقت نفس کا اظہار ہے۔ یعنی میں جو دونوں جہان سے کرنا خوش رہا، اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ میں جی پر کافی ہو گیا۔ بلکہ مجھ کو زیادہ

دونوں جہان دے کے وہ سبھی بے خوش رہا
یاں آپڑی یہ شرم کہ ٹکرا کر کیا کریں
تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رو گئے
تیرا پتا نہ بتائیں تو ناچار کیا کریں؟
کیا شمع کے نہیں ہیں جوا خواہ اہل بزم؟
جو غم ہی جہاں گداز تو غم خواہ کیا کریں؟

مانگئے اور بکرا مار کر نے سے شرم آیا۔ اس لیے خاموشی اختیار کر لی :

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دلوں جہان دے دیے۔ دنیوی زندگی کی شادمانیوں اور کامرانیوں میں غلامی کی، اخروی زندگی کی نعمتوں بھی بخشیں اور انہیں انسان کے لیے خوشی کا سامان قرار دیا۔ انسان ان پر قناعت نہیں کر سکتا تھا۔ دل سے خوش نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ یہ نعمتیں ذات سے جدا ہی قبول کرنے کی صورت میں مل رہی تھیں، لیکن یہاں یہ شرم و انگیزہ توئی کہ اب غلامی کے واسطے سے بکرا مار کیا کریں۔ کیا کہیں کہ ہمیں ان نعمتوں کے بھانے صرف ذات میں منم ہی رہنا منظور ہے۔ واقعی خواہجہ عالی کے ارشاد کے مطابق یہ فراخ حوصلگی اور شرافت نفس کا انوار ہے اور اسے انسان کی جہدگی و جہدیت کا بھی ایک کرشمہ سمجھنا چاہیے کہ جو کچھ مل گیا، اگرچہ اس پر قناعت کی کوئی وجہ نہ تھی۔ لیکن غلامی کے واسطے سے بکرا کو عبودیت کے منافی سمجھا اور شرم کے واسطے ہنپ رہا۔

۲۔ **مشرع :** تیرے شیدائی تیری عاش میں بٹکے، لیکن دو در چادر چادر سوک و معرفت کی منزلوں میں خاک خاک کر مٹرتے گئے۔ تو ہی تیرا کہ تیرا چٹا دھڑے تو یہ بے جا اور بے چادر لوگ کیا کریں ؟

مطلب یہ ہے کہ سوک و معرفت کی کتنی ہی منزلیں طے کر لی جائیں۔ لیکن غلامی کے لیے حقیقت تک پہنچنا مشکل ہے۔ جسے دیکھ کر مغز سے چور ہو کر کسی نہ کسی منزل پر ٹنگ گیا ہے، آگے قدم بڑھانے کی ہمت نہیں رہی۔

۳۔ **لغاضت :** ہوا خواہ : خیر خواہ، بھروسہ، محکمہ۔

مشرع : کیا تم نے سمجھتے ہو کہ اہل باہم کے دل میں شیع کی خیر خواہی، بھروسہ اور محکمہ کی کوئی جذبہ موجود نہیں ؟ یہ قہر ہے، مصیبت یہ ہے کہ جب ہم اہل باہم کے دھڑے والے ہو تو بچپان سے غمخواروں کے ہنس میں کیا رہ جاتا ہے ؟

محفل کا جوار بہا صرف شیع کے روشن رہنے پر موقوف ہے۔ شیع نہ ہو تو محفل جہم ہی نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں کون کڑھکتا ہے کہ اہل محفل شیع کے بھروسہ نہیں ؟ لیکن اس کے لیے قدرت نے ہم کا دیا سوز مقدور کر دیا ہے، جو اس کی روشنی کا نور ہے۔

وہ جب تک روشن رہے گی۔ گھٹتی جائے گی۔ اس جان گھٹا دینے والے تم کا علاج غمخوار
نہیں کر سکتے۔ علاج یہ ہے کہ شمع بجھا دی جائے۔ شمع بجھ جائے گی تو محفل ہی باقی
نہیں رہے گی۔

اس شعر میں ایک حقیقت یہ بیان کی ہے کہ ہر شے کا وجود کسی نہ کسی مقصد کے
لیے ہے۔ شمع کے وجود کا مقصد یہ ہے کہ محفل میں روشنی کرے۔ روشنی ہوگی تو وہ
چمکے گی اور غمخواروں کی بھونڈی اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی، کیونکہ اسے مقصد سے
جڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ہستی ختم ہو جائے۔ اسی طرح کائنات کا ہر وجود قدرت
کا مقصد کیا چیز کا مقصد پورا کر رہا ہے اور تکمیل مقصد کے جو لازم ہیں اس سے وہ بچی نہیں
سکتا۔

ہر گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کا گر ۱۔ شرح : غیر کی خوش بانی
عشق کا اُس کو گماں ہم بے ڈباؤں پر نہیں اور چکنی پیڑی اتنی محبوب کے
دل پر افروز کرتی ہیں اور اس نے
غیر کو اپنا تھا عاشق بھی لیا ہے۔ ہم اپنے پاس سے یہ کہہ گئے سے اتنا پرہیز کر رہے ہیں کہ گنا
چاہیے ہم بے ڈباؤں ہیں۔ ہم واقعی اس کے بچے عاشق ہیں، لیکن ہم پر اسے عشق کا بھی
تک نہیں۔

اس شعر میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ہر اوقات انسان خلاصہ ہی خود کو نشانہ
اثر قبول کر رہا ہے اور وہ حقیقت تک پہنچنے کی کوشش نہیں کر رہا۔ اسی وجہ سے وہ اپنی
اور ہر اعتبار حاصل کر رہے ہیں، کیونکہ وہ اپنے متعلق یہ تکلف طے چڑھے دھڑے کرتے رہتے
ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ غفلت میں اور غلوں کی بنا پر نہ باقی و غلوں کو کوئی وقعت نہیں
دیتے اور عروم وہ جانتے ہیں، زندگی کے ہر دائرے میں اس صورت حال کی بے شمار
مثالیں موجود ہیں۔

۱۔ شرح : عاشق نے محبوب کو رام کرنے کی فوض سے جنوں اور میلی کا تہہ سٹایا جب یہ بتایا کہ میلی تیس کی دھار کا کے لیے اس کے پاس صرا میں بیٹھ گئی تھی تو ستم دیکھیے کہ اس پر محبوب کے دل میں کوئی مہر طافی اور کوئی طانت پیدا نہ ہوئی، بلکہ وہ تعجب سے بولا کہ آیا دنیا میں ایسا بھی جو ہے ! یعنی یہ بھی جو کہ ہے کہ محبوب بے حجاب ہو کر عاشق کے پاس پہنچ جائے۔

مولانا عبدالباقی نے اس شعر سے لزوم کا ایک طویل سلسلہ پیدا کیا ہے۔ فرماتے ہیں، یعنی کے اس فعل پر تعجب کا سبب یہ ہوا کہ محبوب نے ایسا شرم و حیا کے خلوت سمجھا، شرم و حیا کے خلوت سمجھنے سے یہ معنی لازم آئے کہ میلی پر اس سے تشبیح کی میلی سے طعن دیا۔ سادہ ہی یہ حقیقت ظاہر ہو گئی کہ خود محبوب کے نزدیک عاشق کی خبر لینے میں شرم و حیا مانع ہے۔ عزم اس شعر میں جادقت کی دہر یہی سلسلہ لازم ہے۔

۲۔ شرح : اسے غالب ! مجھے محبوب کے نازک دل پر رحم آتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تو اس کا مزہ کو عشق کی آذائش میں سرگرم نہ کر۔

مطلب یہ کہ عاشق عشق کا امتحان دیتے کے لیے نہ محض تیار ہے، بلکہ محبوب کو آادہ کر رہا ہے کہ وہ اٹھے اور میں غریب پر چاہتا ہے۔ آذائش کر لے۔ آذائش کا سب سے بڑا آادہ یہ ہے، جس میں عاشق کو جان قربان کر دینے کی نوبت آئے۔ عاشق اس کے لیے بھی بہتر بنا رہا ہے، لیکن اس کا رفیق اور مدیم عاشق کو سمجھا رہا ہے کہ یعنی ! تو تو ہاں شادی سے اپنے عشق کا ثبوت دے دے گا، مگر محبوب کا دل نازک ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ تیرے جان دے دینے پر پیشیاں و ملول ہو گا اور اس کا نازک دل علی برداشت نہ کر سکے گا۔ بہتر یہی ہے کہ تو اسے عشق کی آذائش پر آمادہ نہ کرنا گراں

کا دل صدمہ اور مہر اندیشے سے محفوظ رہے۔

۱. **تشریح :** محبوب جو
 دل لگا کر لگ گیا ان کو بھی تنہا بیٹھنا
 آفریں سے دل دلائی
 یعنی کسی پر عشق ہو گیا۔
 اب وہ بھی تم عشق میں مبتلا
 بیٹھا رہتا ہے، بار سے
 اس طرف سے چلی ہوگی
 اور تنہائی کی درد منی ہوگی
 جس طرح ہم عاشق ہو کر سب سے الگ ہو جاتے ہیں
 اب یہاں سے محبوب کی ہے۔

۲. **لغات :** زوالی آمادہ : فنا ہو جانے پر آمادہ، جیٹا ہو
 جانے والا۔

آفرینش : پیدائش، مخلوق۔

تشریح : خواہر ساقی فرماتے ہیں :

”یہاں سورج کو اسی طرح سے کہ وہ بھی اجڑا کر فنا ہو جائے گا
 اور تمام اجڑا کر فنا ہو جائے گا اور فنا ہو جائے گا
 تشبیہ دی ہے، جو بالکل نئی تشبیہ ہے۔“

گاہات میں جتنی بھی چیزیں ہیں، ان کے لیے فنا ہو جانا مفقود ہے۔
 حق تعالیٰ عزوجل نے یہی وجہ رکھی کہ وہ الجلال والا کرام الہیہ میں اپنے
 سب سے بڑے اور نمایاں دیو سورج کا ہے، جس پر پورے نظام شمس کا انحصار
 ہے، لہذا امر ڈالنے فنا کا ثبوت دینے کے لیے اسی کو بطور مثال چنا اور بتایا
 کہ یہ سورج جو آسمان پر روشن نظر آ رہا ہے، یہ کہا ہے : ایک ایسا چرخہ ہے

جو نوا کے راستے میں روشن ہے۔ کیا کہا جا سکتا ہے کہ کس وقت کون سا نوا
آئے گا۔ نوا سے لگن کر دینے لگا اور دل ہر جے کہ جو چراغ ہوا کی گزرا گواہی
مدن جو گا۔ اس کا زیادہ دیر تک جلتے رہنا ممکن ہی نہیں۔ جب سب سے
بڑے وجود کا یہ حال ہے تو باقی اشیاء کا سالہ قابل تو یہ بھی نہیں۔

مولانا علی ہادی فرماتے ہیں :

”ہر استعداد سے نہانے کے تجدد و مرد سے غیر محسوس کو
محسوس سے تشبیہ دی ہے، پھر وہ شے حرکت ہے۔ اس سبب
سے یہ استعداد بہت ہی بدین ہے۔“

۱۔ تشریح :

حالتِ خرقہ میں ہمارے نظریات

دیوار اور دروازے پر

تجلی ہوئی ہیں۔ دیوار پر

اس لیے کہ شاید وہاں

یہ کوئی پیغام ہے آئے۔

دروازے پر اس لیے کہ

شاید سارا خط پہنچا ہے

جو اب سے گزرا ہے۔

میاں میں شاعروں

کی خبر دہلی اور نامہ پر

ہے وہ دیوار ہی کے

ادھر سے آ سکتی ہے۔

یہ ہم جو ہجر ہیں دیوار و در کو دیکھتے ہیں

کبھی صبا کو، کبھی نامہ برد کو دیکھتے ہیں

روائیں گھر میں ہمارے، فدا کی قدرت ہے

کبھی ہم اُن کو، کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

نظر لگے نہ کہیں اُس کے دست و بازو کو

یہ لوگ کیوں میرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

تو ہے تو اس پر طرٹ کا کہ کو کسب اکھیں

ہم ادھر طابعِ عمل و گوہر کو دیکھتے ہیں

میں اوراقِ درد و ہاشم کی نظریں بار بار دیوار کی غرت اٹھ رہی ہیں، خاصہ درد

ہی سے آنے کا اس لیے دروازہ بھی عاشق کی نظروں کا مرکز بنا ہوا ہے ۔
اسل معقد صرف وہ واضح کرتا ہے کہ حالت راق میں میں محبوب کی طرف
سے کوئی نہ کوئی بیخام پہنچنے کا کئی اشتیاق و انتظار ہے اور یہ طبعی حالت کا
نہایت عمدہ نقشہ ہے کہ نظریں دیوار در پر بھی پڑتی ہیں :-

۱۰۔ شرح : خواہم حاتی فرماتے ہیں :

- اپنے گھر میں معشوق کے آنے سے جو تعجب اور حیرت ہوتی
ہے ، دوسرے مصرع میں اس کی کیا عمدہ تصویر کھینچی ہے ۔ یعنی
کبھی معشوق کو دیکھتا ہے ، کبھی اپنے گھر کو دیکھتا ہے کہ اس
گھر میں اور ایسا شغف و درد ہوتا ہے :-

مطلب یہ ہے کہ عاشق کو اپنے گھر میں محبوب کی آمد کا یقینی نہیں آتا ،
اگرچہ وہ آچکا ہے ۔ عاشق پر حیرت کا عالم عادی ہے ۔ کبھی اپنے گھر کی حالت
دیکھتا ہے ، کبھی محبوب پر نظر ڈالتا ہے ، کبھی یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ گھر میں
نہیں ، کسی اور کا ہے ۔ کبھی یہ خیال ، انگیزہ ہوتا ہے کہ محبوب نہیں آیا کوئی
عذر آیا ہے ، جہاں کہیں بالکل خیر معمولی اور بیک سر خیر ممکن الوقوع واقعات پیش
آجائے ، وہاں صاحب خاتہ کی کیفیت ہر سہو میں پڑتی ہے ۔

۱۱۔ شرح : خواہم حاتی فرماتے ہیں :

منق حقیقی جو یا بھاری اس کے زعم کی گرائی اس سے بہتر

کسی محبوب میں بیان نہیں ہو سکتی :-

لوگ کیوں آکر میرے جگر کا گھاؤ بچھو دیے ہیں ، جو درد و جگر ہے ،
عاشق ہر دکھ میں ایسا بزدل بن سکتا تھا ۔ مجھے یہ درد ہے ، کہیں نہ تم کی گرائی
کا ستافش آ میرا کر کہنے سے میرے محبوب کے دست و بازو کو نظر نہ لگائے
نام قاصد میں ہے کہ جب کسی کی تعریف کرتے ہیں تو نظر جگا اٹھو نہ لکھنے کے
لیے کوئی نہ کوئی کھوکھلیاں لیتے ہیں ، مثلاً چہم بہ درد ، اشد اشد وغیرہ ۔ عاشق کی

جہاں شادی اور محبت کے کماہستہ لحاظ ہوں کہ اپنے کارہی زخم کا کوئی شیاں
نہیں، صرف یہ خیال ہے کہ محبوب کے دست و بازو کو نظر نہ لگ جائے۔

مولانا غلامحالی بالکل بجا فرماتے ہیں:

- اس شعر کی غویں بیان سے باہر ہے، برے برے مشابہ شعراء
کے دیوانوں میں اس کا جواب نہیں نکلی سکتا۔

یعنی لوگوں سے اس کا اقتدار اس کا منہ رعینہ زمیں شعر قرار دیا ہے:

بہر گس کہ زخم کارہی نہ افشاہ کرد

تا حشر و صمت و بازو سے اوراد مانگد

ظاہر ہے کہ اس شعر کو مرزا کے شعر سے قطعاً کوئی مناسبت نہیں، اس
کے مصنفین اور مرزا کے مصنفوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہ بڑی محاوریت
ہے، وہ خاص عشق ہے۔

۴۔ لغات - ظریف لکھ: ٹوپی کا گوشہ، جہاں مرتبہ کافی وغیرہ
لگا ہوتے ہیں۔

مشریح: ترخانے اپنے گاہک کی کلفتی میں جو اسرات ٹانگ پیچے ہیں، ان سے
لیے ان سے تیرے شمن میں کوئی افتادہ نہیں ہوتا کہ انھیں بار بار دیکھیں، البتہ
یہ ضرور دیکھ رہے ہیں کہ ماشاء اللہ لعل و گہر کی قسمت کتنی اچھی ہے کہ انھیں
نیری طرف گاہ میں بیکہ ضعیف ہوئی۔ منظور بہر حال دیکھ رہے ہیں، لیکن مرزا
حاجت جب ذکر کریں گے تو طرف گاہ کی آرائش نہیں، بلکہ لعل و گہر کی جگہ انھیں
ہی کا ذکر کریں گے۔

۱۔ لغات - روزِ جزا:

وہ روز جب احوال کا بدلے گا

پانی صاف قیامت۔

نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں

شبِ فراق سے روزِ جزا زیادہ نہیں

کوئی کہے کہ شب میں کیا بُرائی ہے؟
 بلا سے آج اگر دن کو ابرو باد نہیں
 جو اکوں سامنے اُن کے تو سر جہانہ کہیں
 جو باتوں والے سے کہیں کو تو خیر باد نہیں
 کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں
 کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں
 نہ وہ عید کے متی ہے اور دن بھی شراب
 گداسے کو پتے غلام نامہ راو نہیں
 جہاں میں ہو غم و شادی جسم ہمیں کیا کام
 دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں
 تم کر کے دھڑکے گا ذکر ان سے کیوں کرو گے
 یہ کیا کہ تم کو اور وہ کہیں کہ "یاد نہیں"
 یہ تو جادو کہ چاندنی رات میں محض نوازش جانی جانتے تو کیا مستانہ ہے؟
 مرزا خاتیب ہی نہیں۔ بلکہ ہر صاحب ذوق کے لیے حق نوازش کے وہ
 ہی ہوتے ہیں۔ یادوں کے وقت اور چھایا ہوا جو اثر شیخ بردا جو اور شمس
 جو ایل و پی جو وراثت کے وقت جب چاندنی چھٹی ہوئی ہو۔ اس شمس

شرح : یہ کہنے کا کہ
 میں قیامت کا منکر ہو گیا ہوں؟
 یہ فطرت ہے میرا اعتقاد قیامت
 پر بدستور قائم ہے۔ البتہ یہ
 لغزہ کشاںوں کہ چاندنی کی رات
 میں جو سببیں اور مشقیں عاشق
 پر گزری ہیں۔ وہیں قیامت کے
 دن چلی نہیں آسکتیں اس
 لیے قیامت کو دن چیر کر رات
 سے بڑھا بُرائیں۔

کتنے سہلی اور نام نہان
 ہے۔ ایک محض بیان کی خوبی سے
 سے کہیں کا کہیں پہنچا رہا۔

۲۔ شرح : اگر آواز دے
 یاد نہیں چھانے اور غنڈہ
 جو اچھے چل رہی۔ اسی لیے
 شرب کا سنا کار نامہ ہو رہا
 نہ تو نہ سسپی، آخر

دو ذریعہ کا ذکر کر دیا۔

۲۔ لغات : مرحبا : دعائیہ کلمہ، کلمہ تحنیں، یہ موجب تسکین ہے جس کے معنی ہیں کشتہ نشن اور فراخی۔ مرحبا کہا جاتا ہے تو مقصود یہ ہوتا ہے کہ آنے والے کو بتایا جاتے، ہمدانگہ وسیع اور کثرت دہے، آپ کے لیے کوئی ٹھکانہ یا غیر بار : غیر تبت جو، اچھے، جو۔

دونوں میں سے مرحبا کسی کے آنے وقت اور غیر بار تاتے وقت کہنے کا مستعمل ہے۔
تشریح : مراد اس شعر میں محبوب کی آنکھ کے لیے خوشی اور یہ عشاق کا فتنہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرے لیے مانتے مانتے مانتے تو کہیں اس کی زبان پر ترنما کا لفظ نہیں آیا اور اس کے پاس سے کسی حرف نہ آیا اور یہ تو کہیں اس سے غیر بار نہیں کیا، اس سے بڑھ کر بے نیازی اور یہ تو کہیں کہیں ہوگا۔
۳۔ تشریح : پہلے شعر سے عا بڑا شعر ہے، میں اگر محبوب کو کسی وقت میرا خیال آ ہی جاتا ہے تو وہ یوں ذکر کرتا ہے کہ کیا بات ہے، آج ہماری مجلس

میں کوئی شہنا و ساد لفظ نہیں آتا کہ از ہم میں پہنچ جاتے تھے تو مرا ایک سے ڈرتے تھے کہ یہ بے تکلفی میں کسی کی زبان سے کوئی بات نکل گئی تو مرزا بھر پڑتے تھے، کہیں کسی نے شوح نظروں سے محبوب کو دیکھ لیا تو مرزا نے ان کی چھٹیوں کی، یوں محبوب کی بزم میں ایک منظر یہ پارہ ہوتا تھا، مرزا موجود نہیں ہوتے تھے تو ہر طرف سکون و اطمینان نظر آتا تھا۔ میں یہی کیفیت اس شعر میں پیش کی گئی ہے۔

۵۔ تشریح : عید کے دن تمام فیضوں میں شیراز بنتی ہے، انہیں جیسا کہ لادستورہ میں کہ غیر است کے لیے خاص دن کا تعین جو، وہاں ہر وقت مسکنہ و ادود پیش ہادی رہتا ہے، میخانے کے گوشے میں جو درویش پھرتے ہیں ان کی مراد ہر ارباب تھی، مہتی ہے، گویا شرب خانا اٹانے کے کام دستوروں سے بالکل الگ اپنے خاص دستور رکھتا ہے، جنہیں زمانے کے نام و دستوروں پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔

۴۔ **تشریح :** اس شعر میں غمزدگی کی انتہائی صورت پیش کی گئی ہے۔ دنیا میں خوشی اور غم سے جملہ آتے ہیں۔ آج خوشی ہے تو کل غم ہے۔ آج غم ہے تو کل خوشی ہے۔ غمزاں کے بعد بہار اور بہار کے بعد غمزاں آتی رہتی ہے۔ کہتے ہیں کہ دنیا میں یہ دستور رائج ہو گا۔ شادی اور غم یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہو گئے۔ لیکن ہمیں ان سے کیا غم مل ہے ؟ بہار کی حالت تو یہ ہے کہ خدا نے جو دل ہمیں عنایت کر دیا ہے اس میں شادی اور مسرت کی کوئی کمی نہیں باقی نہیں۔ وہ سزا یا غم ہے۔ لہذا ہمیں غم کے ساتھ نشاط و مسرت کی کوئی امتیاز نہ رکھنی چاہیے۔

مولانا طیبی فرماتے ہیں :-

”دنیا میں غم، شادی کا ہم جو نام اس مقام پر ذکر کرتے ہیں، جہاں دنیا کے سرور، خوشی سے لذت ظاہر کرنا منظور ہو۔ اس شعر میں مصنف نے ہزنی یہ پیدا کی ہے کہ غم و شادی کے ہم جو نام پر مسرت ظاہر کی ہے۔ کہتے ہیں۔ ہمیں کیا کام ؟ یہی ہم تو غم و ہم جو نام شادی کو کبھی ایسی خوشی حاصل نہیں جو غم سے حاصل ہوا۔ شادی تصور غم کی مسرت کرنے سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ شادی کو انتہائی غمزدگی ہے کہ ایسی بچہ دہاکارہ طوطی کی قنارہ نکلتی ہے اور

یہی وہ بجا فطرت ہے اس شعر میں :-

”اے شہنشاہ جنگ عجب نے دھوکہ کیا اور اسے پورا نہ کیا۔ اے غالب ! اب اس سے کہہ دے کہ ذکر محبوب سے کیوں کرتے ہو ؟ ذکر کر دے تو نیکو کیا ہو گا ؟ یہ کہ وہ کہہ دیں گے، ہمیں یاد نہیں رہا۔ پھر اس سے کیا فائدہ ہو گا ؟ بہتر یہ ہے کہ اس ذکر ہی سے دست بردار ہو جاؤ۔

مولانا طیبی فرماتے ہیں :-

”معتوق کی یہ صدمہ و درد انتہائی کہ جو لوگ اس پلٹ کر کہا کرتے

ہیں وہ اس شعر میں تامل کریں کہ اس مضمون کہنے کو کیا آپ دیا ہے ! مطلب تو یہ ہے کہ میں جب انہیں دلدہ یاد دلانا چاہوں تو کہتے ہیں یاد نہیں ، مگر اس مطلب کو علامت گر کی ذہنی اور کیا ہے ، میں غبر کے پہلو کو رنگ کر کے مضمون کو اظہار کے سانچے میں اُعلیٰ ہے ۔

تیرے توسن کو صبا باندھتے ہیں	بہم بھی مضمون کی خواہاں ہوتے ہیں
آؤ کا کس نے اثر دیکھا ہے	بہم بھی ایک اپنی بڑا باندھتے ہیں
تیری فرصت کے مقابل اے عمر	برقی کو پا پہ صبا باندھتے ہیں
قید بستی سے رہائی معلوم	اتناک کو بے سرو پا باندھتے ہیں
نشر رنگ سے ہے دائرہ نکل	مست کب بند تبا باندھتے ہیں
غلیظ مائے مضا میں مت پوچھ	لوگ مائے کورسا باندھتے ہیں
اہل تبریک و اماں گسٹیاں	آہلوں پر بھی صبا باندھتے ہیں
ساز پڑکار میں خوباں فائز	بہم سے یہاں دغا باندھتے ہیں

۱۔ لغات : توسن : گھڑا ، بھلیں کرنے والا گھڑا

ہوا باندھنا : جھوٹ سا کھانا علم کرنا

شرح : ۱۔ اے محبوب ! جس بھلیں کرنے والے گھڑے پر نوسا ہے

جہے اسے بیا کے ساتھ تشبیہ سے دی ہے ، اس طرح اپنے مضمون کے پہلے

جھوٹی ساکھ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یعنی یہ تشبیہ ایسی نہیں کہ ہم اس پر غور کر سکیں۔

تو سن۔ مباد اور ہوا کی مناسبت محتاج بیان نہیں۔

۴۔ لغات۔ چکوا پاندھنا : رعب ہونا۔ دھردھکا نا۔

تشریح : ہم آہ تو گونے ہیں، لیکن اس کے اثر کی حقیقت ہم پر بخوبی واضح ہے۔ آج تک تو اس کا اثر دیکھا نہیں۔ بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس طرح ہم محبوب کے دل پر رعب جاتے اور اسے اپنا دھردھکا نے کی کوشش کرتے ہیں، نتیجہ معلوم۔ شعر کی ایک غلطی یہ ہے کہ فرمایا : آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے؟ یوں اپنی آوازوں کے اثر ہے ہی۔ مگر اس کی بے اثری کا ایسا یقین دل میں پیوست ہو گیا ہے کہ کسی دوسرے کی آہ کا اثر بھی قابل قبول نہیں سمجھا جا سکتا۔

۵۔ لغات۔ پاہ ہونا : جس کے پاؤں میں شند یا لگی ہو۔

تشریح : اسے گمراہی فرست اتنی غم، بلکہ بے حقیقت ہے کہ اس کے مقابلے میں بجلی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کے پاؤں کو شند یا لگی ہوئی ہے۔

مضبوط یہ کہ بجلی کی جھٹکا سے زیادہ کم فرسخت کوئی چیز نہیں۔ لیکن سحر اس کے مقابلے میں بھی اتنی کم فرسخت ہے کہ بجلی کے پاؤں کو بھی گویا شندی لگی ہوئی ہے۔

جس کے پاؤں کو شندی لگ جائے وہ اذل تو بھل ہی نہیں سکتا، ایسے گا تو تیز دھکی نہیں چھوگا۔ جس کے مقابلے میں بجلی کے پاؤں کو شندی لگتا ہے اس کی کم فرسختی کا تصور کرنا پڑیگا۔

۶۔ تشریح : ہستی کی قید سے۔ پاؤں پانے کی کوئی صورت نہیں۔

آئینہ کو دیکھیے کہ نہ اس کا سر ہے نہ اس کے پاؤں۔ گویا وہ ہستی کی قید سے نکل جاتا ہے کی پوری تیار کر چکا ہے، لیکن اسے جس بے سرو پائی کے وجود

بانڈ دیا ہوتا ہے یعنی شہرہ مضامین میں اسے اپنے سر و پاٹی گئے یا وجود بانڈ سے
بچے جاتے ہیں۔ پھر یہی کہ قید سے رہائی پانے کی کیا صورت ہے ؟

۵۔ لغات :- **اشتہار کل** : پھیل کا کھلتا۔

شرح : بھولوں رنگ کے نشے میں جہست ہو کر کھل جاتا ہے سب
رنگ جانتے ہیں کہ جہستوں کی تباہی کے بند کب بانڈ سے جاتے ہیں ؟
مطلب یہ کہ جب بھول نشے کے رنگ میں مست ہو گیا تو اس کی تباہی کے
بند کھل گئے، گو یہ وہ کھل گیا۔

پھر گو رنگ کی شرب نصرت نے پیر کرست کر دیا۔ اس قسم کی موزوں
شراب نصرت نے ہر وجود کے لیے تیار کر رکھی ہے۔ جب یہ شرب رنگ
دکھاتی ہے تو ہر وجود کے دل کا غنچہ بستہ بھول کی طرح کھل جاتا ہے۔

۶۔ **شرح** : اس شعر کے دو مفہوم بالکل واضح ہیں۔ اول یہ کہ نشے
کو رسا کرنا اور ظاہر کرنا بالکل غلط ہے۔ دوسرا اور گہرا مطلب یہ کہ اگر کلام
ہوتا تو بانڈ جسے میں کیونکر آتا ؟ اس کا بانڈ کھلا جائے اس امر کی دہائی ہے کہ
دوسرا نہیں، یعنی مسنون شعر کی غلط بالکل ظاہر ہے۔ بند کھلنے سے
اس کی رسائی کا بطلان ہوتا ہے۔

۷۔ لغات :- **درا مانہ گیاں** : دراندازی کی جمع۔ شکوہ۔ تنہا۔
بیچارگی، بے چاری۔

شرح : جو رنگ اپنے آپ کو الٰہی تحریر میں عقل و دانش اور چہرہ و گہر
سمجھتے ہیں، ان کی جہاد گویں اور چہرہ بوی پر نظر آئیے کہ کسی کے پاؤں میں جہاد
پڑ جائے تو ان پر منہ دی دکھاتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جیسے تو جہاد خود چلنے میں مانع ہوتے ہیں انسانی جہاد
منہ دی دکھا دی جاتے تو چلنا اور جہاد بھر جاتا ہے گا۔ یہ تو سیر اور چہرہ گری تو
دوسری، بلکہ چہرہ گری اور چہرہ بنادیا۔

اس شعر سے مراد اہل بیوان کی ستائش کا پہلو نکلیں آ یا، یعنی وہ پاؤں کے
پہلوں کے ساتھ صحرائے پُر خار میں بے تعلقت دوڑتے ہیں اور کانٹوں ہی سے
جھانوں کا علاج کرتے ہیں۔

۸۔ لغات - پُرکار : جو شیر۔ پالاک۔

شرح : اسے غالب : میٹک محبوب بھٹا بر سیدھے سادے اور عقیدت
بڑے چاکل اور جو شیر ہیں، ان کو کال دیکھیے، ہم ویسے لوگوں سے دکانداری
کا بیان بنا رہے ہیں۔ گویا ہمیں وفا کا یقین دلانا چاہتے ہیں، حالانکہ ہم اس
فریب میں نہیں آ سکتے۔

ان کی سادگی سے کہہ لیا، ہم ان کے فریب میں آ جائیں گے اور پالاک
یہ کہ ہمیں فریب دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

۱۔ لغات - سخت کم زار :

زمانہ سخت کم زار ہے، میان اسد
وگر نہ ہم تو تو قلع نہ یا و نہ رکھتے ہیں

مصدر جو کم زور دینے والا
شرح : اسد یعنی
غالب کی جہاں کی شہر زار

اپنے آپ کو بہت آزاد رہنے والا سمجھتا ہوگا۔ یعنی اس کا خیال یہ ہو گا کہ میں لوگوں
کو بہت دکھ پہنچاؤں گا، حالانکہ جتنا آزاد اب تک میں پہنچا ہے وہ تو بہت
کم ہے۔ بہرہ امید، کچھ جیتے تھے کہ اس سے بہت زیادہ دکھ دیا جائے گا۔
شعر میں بھٹا بر دکھ نہ جینے کی زیادہ سے زیادہ سخت کا اظہار کیا ہے،
گویا اس نے نے مصائب کے جو جام ہے اپنے بھائیوں کو لگائے وہ
ہمارے قریب برداشت کے مقابلے میں بہت کم تھے، لیکن اسی طے میں یہ
حقیقت میں واضح کر دی کہ نہ اتنے نے ہمیں دکھ دینے میں، بلکہ اس سے کوئی
کسر افتادہ نہیں۔ یہ اسی پر ہم نے بعض اس سے زیادہ دکھ برداشت کر سکتے تھے، بہرہ

امید بھی ہی تھی کہ اس سے زیادہ دکھ دے جائیں گے۔ گو یا حقیقتاً اس شعر میں بھی اپنی فراق نام زندگی کا نقشہ بڑے اثر انگیز انداز میں کھینچا ہے۔

۱۔ شرح: میری

زندگی کا کاروبار بیچ اور خریدی ہوئی
ہے، کیونکہ میں پتھر ہوتا تو ہمیشہ سے
کاش! پتھر ہوتا تو ہمیشہ سے
محبوب! غیر سے دور رہتا ہے
پر پڑا رہتا۔

عام جانداروں کا کہنا کہ انسان
کے صحن گلیوں سے اونچے
رکھتے تھے اور آمدورفت کی
آسانی کے لیے دبیز کے ساتھ
ایک پتھر لگا دیتے تھے۔ آج
کل ہی کام سینٹ یا اینٹوں
کے پائوں سے لیا جاتا ہے۔
اس پتھر کو سنگ مرمر یعنی مرمر
کا پتھر کہتے تھے۔

شاعر کہتا ہے، اگر میں
پتھر ہوتا تو میرے دروازے
پر پڑا رہتا۔ آتے جاتے تری
پاؤں نصیب ہوتی۔ اب میری
زندگی کس کام کی ہے کہ تیرے

واٹھم پڑا ہوا تیرے در پر نہیں ہوں کیا
خاک ایسی زندگی پر کہ مختصر نہیں ہوں میں
کیوں گردشِ مدام سے گھبرانا ہائے دل
انسان ہوں، پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

یارب! زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے؟
لوچ جہاں پر حرفِ مکر نہیں ہوں میں
عد پایا ہے سزا میں، عقوبت کے واسطے
آخر گنہگار ہوں، کافر نہیں ہوں میں
کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے
عللِ دُور و زور و گوسہر نہیں ہوں میں
رکھتے ہو تم قدم میری آنکھوں سے کیوں دیکھ
گرتے ہیں مہر و ماہ سے کھتر نہیں ہوں میں
کرتے ہو مجھ کو منہ قدم بوس کس لیے
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں؟

غالب وظیفہ خواہر ہو، دوشاد کو دغا
 وہ دن گئے جو کہتے تھے، لوگ نہیں ہوں میں
 دائی گردش، ہمیشہ پھرتے رہنا۔
 ۴۔ لغات۔ گردش۔ گردش نام:

تشریح: شراب کی عقل میں پیار و سافر ہمیشہ گھومتے رہتے ہیں۔
 کا وظیفہ ہی یہی ہے کہ پھر تیار ہیں تاکہ مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگ باری باری
 نوبت بہ نوبت شراب پیتے جائیں۔ لیکن یہ کام پیار و سافر کا ہے، جن کا خاصہ
 ہی ہمیشہ گھومتے رہنا ہے، میں انسان ہوں، پیار و سافر نہیں کہ پیہم اور مسلسل
 گردش سے میرا دل گھیرا نہ جاسکے۔ پھر کون سی وجہ ہے کہ میں اس مسلسل گردش
 میں مبتلا ہوں؟ کیا آسمان نے مجھے انسان کی جگہ پیار و سافر سمجھ لیا ہے؟

۴۔ لغات۔ حرمت مکرر: وہ حرمت جو عقل سے دوبارہ نکھلا جائے
 ایسا حرمت مٹا دیتے ہیں اور عقل کی تلافی جو جاتی ہے، مرزا اسے مٹائے جاتے
 کی بنا پر اپنے آپ کو حرمت مکرر میں حرمت غلط سے تشبیہ دی ہے۔

تشریح: اسے اشد اذمان کیوں مجھے مٹانے کے درپے ہے؟ کیا میں
 عین کی عقل پر کوئی ایسا حرمت ہوں جو دوبارہ نکھٹے جاسکے؟ باعث غلط
 قرار پایا ہو اور اسے مٹا دینا ضروری ہو؟
 مونا نا علیا خانی مزارتے ہیں،

- اگر لوگ کہتے کہ امان مجھے حرمت غلط کی طرح مٹائے دیتا ہے تو
 اس قدر بلوغ نہ ہوتا جس قدر اب بلوغ ہے اور ہر غصہ کی وجہ
 زیادتی صحت ہے اب اسے صحت اور بڑھے ہیں کہ باوجودیکہ میں
 حرمت مکرر نہیں ہوں اور کوئی وجہ میرے مٹانے کی نہیں ہے
 وہو ایس ہر امان مجھے مٹا دیا ہے۔

اس شعر سے یہ نکتہ سمجھنا چاہیے کہ ایک تشبیہ مستعمل میں

زیادتی معنی پیدا کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ پھر زیادتی معنی سے
جانت کس قدر بڑھ جاتی ہے۔

۴۔ لغات - عقوبت : عذاب، تعذیب، ستم، سب، مصلوب
نے سزا و عقوبت کو جم معنی بتایا ہے۔ لیکن معاملہ عام و خاص کا ہے۔ یہ ایسی
ی بات ہے، جیسے محض سزائے قید اور قید یا مشقت و دوزوں ایک چیز نہیں۔
شرح : جزا و سزا کا عام معنی عقیدہ یہ ہے کہ مومن کو گناہوں کے
مقابلہ میں سزائے کی اور وہ سزا و انعام ہوگی، لیکن مشرک و منکر کے لیے سزا کی
کوئی حد نہیں، خود قرآن کہتا ہے : **وَاللّٰهُ لَا یُعْطِیْهِ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ**۔ اللہ نہیں
بخنے گا جو اس کے بارے میں شریک کا مرتکب ہوگا، اسی عقیدے کی بنا
پر سزا کہتے ہیں کہ گناہوں کی سزا میں مجھے جو عذاب دیا جا رہا ہے اس کی
کوئی حد تو ہونی چاہیے۔ میں گناہوں کا کافر نہیں۔ یعنی مجھے گناہوں کے
مقابلہ میں سزا دی جا سکتی ہے، جو بہر حال عام معنی ہونی چاہیے۔ کفر و شرک کی
طرح و ان کی سزا کا مستوجب قوت سمجھنا چاہیے۔

۵۔ ۶۔ ۷۔ لغات - قدم بوس : پاؤں چومنا۔

شرح : یہ تینوں شریعتیں سمجھ جاتے ہیں اور عقیدہ نہیں اور معنی یہ
محول نہیں کیا جا سکتا۔ یا رسول اللہ و صلعم و حضور اس عاجز کو کس وجہ سے عزت
نہیں جانتے ؟ میں معل نہیں، از مر و نہیں، سو مانع، موق نہیں، یعنی مجھے میں ان کی
دولت کی کوئی خصوصیت موجود نہیں، واقعی یہ دولت تو حضور و اہل کی نگاہوں
میں براہ سجد و قنوت رہی۔ جب میں دولت کے گوشے سے پاک ہوں تو حضور
مجھے عزت و عزت فرماتے، حضور و اہل نے سراج کی رات سرد ماہ کو تہہ لگا دیا۔
میں رہے میں سرد ماہ سے کم نہیں، پھر سرد میری آٹھوں کو قدم مبارک سے کیوں
مشرقت نہیں فرماتے، حضور نے سراج کی رات آسمان کو قدم بوسی کا شرف عطا
فرمایا، لیکن مجھے یہ سعادت نصیب نہیں جوتی کیا آپ کا وہ نام آسمان کے میں

یہ وہ نہیں ہے

۸۔ شرح : اسے غائب ! تم یا مٹاؤ کے ذلیلہ فرما دو۔ بارگاہ شامی سے
تخصیص کا نام اور تفریق ملتی ہے۔ لفظ یا مٹاؤ کو دناؤ۔ اب دعوہ وقت تو نہیں رہا جب
کہا کرتے تھے : میں یا مٹاؤ کا نوکر نہیں۔ اب تو قصائی کی خدمت کا باقاعدہ انتظام ہو
گیا ہے۔

مرزا غائب : جرنالی مشہور کو ملازم ہوئے تھے۔ انہوں نے ہر روایت
عربی صاحب خود تو اب محکم علی ناس والی رام پور کو مشہور میں لکھا کہ جب
شاہ ولی نے مجھے نوکر رکھا۔ خطاب دیا کہ خدمت آ رہی لگا دی تو ولی نے غلامی کی
توسلے سے یہ غزل طرز تازہ پر لکھی۔
تھاکر سے کہ یہ غزل ۲۔ جرنالی مشہور کے بعد قریب دہائی کی ہے۔

۱۔ شرح : شاعر
کی نظر لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
پر پڑی تو خیال آیا کہ
ایسی چیز یہ تو صرت
حسینوں کی مٹی سے
پیدا ہو سکتی ہیں ساتھ
میں یہ سوچا کہ تیرا ماننے
زمین میں کیسی کیسی ہو گیا
علاجی ہیں، مہندوں نے
ظہور تازہ کے لیے ڈالا گل
کی شکل اختیار کی وہ لکھی
تجسّس حسین تیرے میں ہا

سب کہاں : کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
نہال میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پتلاں ہو گئیں
یاد تیریں مج کو بھی رنگ رنگ پر آمیاں
لیکن اب نقش و نگار یہ طاق نسیاں ہو گئیں
تیریں باریک نقش گروں و لون کو پتہ میں نہاں
شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ غزلیاں ہو گئیں
قید میں یعقوب نے لی گوئیوسف کی خبر
لیکن آنکھیں رون رون دیوار تیراں ہو گئیں

چکے ہیں وہ سب توں
چوہوں کی شکل میں
نہا نہیں ہو سکتے ،
ان میں سے کچھ توں
مہوہ گری پر کماؤہ
ہو گئے ہیں ۔

داد و گل کی دہائی
اور دل باقی تے حساس
شاعر کے دل میں یہ
سلسلہ غیالات پیدا کر
دیا۔ کہ ان یہ ہے کہ
اس کی نظر لاندہ گل
کی معنائی میں الجھنیں
بیکہ صد ان صورتوں
کی طرف متغزل ہو گئی
جو نہ سن میں جا چکی ہیں
اور ان میں سے سب
نہیں کچھ دیں جہاں
افروز ہوئیں ۔

یعنی صاحب نے
اس شعر کا پانچہ نظام
کی ایک دہائی اور ہر
کے ایک شعر کو ترجمہ کیا

سب رقصوں سے ہوں ناخوش اپر زمان مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محو مادہ کنساں ہو گئیں
ہوئے خوں آنکھوں سے بہنے رو کہ ہے شام فراق
میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں
ان پر ہی زادوں سے یس گے فلک میں ہم انتقام
قدرت حق سے میں تو رہیں اگر دال ہو گئیں
غیر اس کی ہے اداس اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
تیر کی نہیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں
میں چن میں کیا گیا ، گو یا دستاں کھل گیا
بلیس سن کر مرے نامے ، غزل خواں ہو گئیں
وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یا رب دل کچھ
جو مری کوتاہی قسمت سے ، مڑ گاں ہو گئیں
بسکہ رو کا میں نے اور سینے میں ابھر میں ہے پہلے
میری آہیں پنجرہ چاکب گر سیاں ہو گئیں
داں گیا بھی میں تو ان کی گالیوں کا کیا جواب
یار قصی جتنی دہائیں ، صرف دہاں ہو گئیں

جہاں قزاجے بارہ جس کے ہاتھ میں جام آگیا
 سب مکیریں ہاتھ کی لگو یا ادگ جہاں ہو گئیں
 ہم مٹو تہ میں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
 قتل جب مٹ گئیں اجڑے ایساں ہو گئیں
 سچ سے شوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے سچ
 مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آس ہو گئیں
 یوشی گرد مار باغائب! تو لے ایل جہاں!
 دیکھتا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں
 یہ جانو جیسے کھڑے دالے کی خاک سے آگاہ ہے۔

خستہ کا شعر ہے :

اے گل چو آمدی زمین کو چلو اند
 آن اند سے آگاہ تر گرم فنا شدند

یعنی اے پھول! تو زمین سے نکلا ہے، بتا! ان چہروں کا کیا حال ہے جو
 فنا کی گردش کے نیچے دب گئے؟

خفا ہر جے کہ ان دونوں شعروں کو غائب کے شعر سے کوئی خاص نسبت نہیں
 ختم سنے سبزے کو چہروں کے سبزہ خط سے لگا لگا دیکھا کہ اس پر پاؤں نہ رکھنا
 چاہیے، خستہ نے پھول زمین سے نکلا ہوا دیکھا تو پوچھا کہ جو گل رخ اس میں
 دفن ہو چکے ہیں، بتا ان کی کیا کیفیت ہے؟

ان کے ہر نفس غائب صورت پر کتا ہے کہ نہ رگلی کی شکل میں خام چھین تو

ہے ختم کتا ہے
 ہر سبزہ کو برکند جسے نہ آت
 گو زب فرشتہ خستہ نہ آت
 پا بر سر سبزہ تا پہن لای دانی
 کان سبزہ خاک ابر نہ آت
 یعنی جو سبزہ نہی کے
 کد سے آگاہ ہے، سمجھنا
 چاہیے کہ کسی فرشتہ خستہ
 کے لب پر سے آگاہ ہے
 دیکھ اس سبزے کو ذلیل
 سمجھتے ہو سے بے خیال
 سے پاؤں نہ رکھو کیونکہ

نما پاں نہیں ہو سکتے تھے، لہٰذا میں سے کہ نمایاں ہوئے ہیں، پھر لفظ دلکھ کی معنائی
 دیکھ کر کہتا ہے: خدا جانے کیا کیا صورتیں ہوئی گی، جو زمین پر نہ ہاں چکی ہیں، اس
 نے پورے منظر سے دنیا کی بے ثباتی کا جھکاؤ نکلتے پیدا کیا اور اسے نہایت پرہیز
 و پندیرا لحاظ میں پیش کر دیا۔

۴۔ لغات - نقش رنگا بر طاق نیساں : بھول کے طاق کی
 نہایت زوآرائش۔

شرح : ہمیں جس رنگ رنگ کی محفیں سہانا یاد تھا، لیکن اب وہ
 محفیں بھول گئے طاق کی آرائش و زیبائش ہو گئیں۔ یعنی بالکل عیوب گئیں
 اور زوآرائش کی لذت ہو گئیں۔

یہ شعر ان لوگوں کے لئے اور یہی جہت ہے، جو جوانی کے عالم میں رنگا رنگ
 محفیں آزماتہ کرنا کہے دے رہے ہوتے ہیں۔

مولانا طہطائی فرماتے ہیں کہ اس شعر میں "نہیں" کا لفظ دیکھنا ہاں ہے
 یہ دوسری کا لفظ نکال دیا جائے تو سوچئے، معنی شعر میں کس قدر کمی آجائے گی۔
 اس لفظ نے جو تازہ معنی پیدا کیے ہیں :

- جس طرح تم لوگ رنگا رنگ جیسے کیا کرتے ہو، کبھی ہم کو بھی

ان سمجھتوں کا شوق تھا، لیکن اب ہمارا حال دیکھ کر تم کو جہت

کرنا چاہیئے کہ شیب کو قیام نہیں ہے۔

۵۔ لغات - بنات النعش : نفوس معنی نعش اٹھانے والی

شمالی جانب سے سارے ہیں۔ چار کھوٹے کی شکل میں ہیں۔

جنہیں نعش کہتے ہیں اور تین ٹکے جوئے ہیں، جنہیں بنات کہا جاتا

ہے یعنی نعش اٹھانے والے، تین شاہوں میں سے بچ داہنے کے

پاس ایک چھوٹا سا ستارہ ہے، جو سنا گھٹاتا ہے، یہ ستارے

نقطہ کے اور گرد لگوتے۔ جتنے ہیں۔ ہزارہ اٹھانے والے

کو عربی میں "ابن النش" کہا جاتا ہے اور اس کی جمع عربوں کے
 محاورے میں "بنات النش" ہے۔ فارسی میں انھیں "سودختر"
 بھی کہا گیا ہے۔ اور اردو میں ساتواں ستاروں کو سات سیلیوں
 کا جھکا یا گنچا یا سات سیلیاں بھی کہتے ہیں۔ ان کا ایک نام
 عقہ لڑیا بھی ہے۔

شرح : بنات النش دن کے وقت تو پردے میں چھپن رہیں اور
 لڑکیوں کے لیے میں ڈیبا تھا کہ دن کی روشنی میں بے پردہ نہ ہوں اور چہرے
 چھپنے لگیں۔ رات کو خدا جانے ان کے دل میں کیا آیا کہ لڑکیاں بے پردہ
 ہو گئیں اور نقاب چھڑوں سے اتار دیے۔

مرزا نے اس شعر میں بنات کے لفظ سے اندازہ لٹایا ہے۔ بنات النش
 عربی محاورے میں تو ابن النش کی جمع ہے، لیکن مرزا نے بنات سے
 لڑکیاں مراد لے کر دن کے وقت ان کے چہرے نہ بننے اور سات کو بے پردہ
 ہوجانے کا معنوم پیدا کر دیا۔

دیکھا ہر مرزا نے صرت ایک منظور گلش انداز میں پیش کر دیا ہے لیکن
 کوئی شخص پاس ہے تو یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ سات سیلیوں نے محبوب کی ہر مشین
 کے نظارے سے لطف اندوز ہونے کے لیے چہروں سے نقاب اتار دیے۔

۴۔ شرح : بھڑی مرحوم فرماتے ہیں :

"حضرت یعقوب کی آنکھیں فرزند کے فراق میں روتے روتے
 سفید ہو گئی تھیں۔ مرزا کی فکر دماغ نے اس سے تاثیر عشق کا کیا
 غلط معنوں پیدا کیے ہیں کہ وہ روزی اجود یار و ذخایں پرست
 ہیں جن میں حضرت یعقوب کی نابینا آنکھیں ہیں جو اپنے فرزند کو
 دیکھتی رہتی ہیں۔ سفید نابینا آنکھوں کو روزی سے جو مست بہت
 ہے دیکھا ہے۔ غلط و غلط پانی اگر کہیں گرتا ہے تو عمر اور

نواب کب میں سوراخ کر دیتا ہے۔ حضرت یعقوب کی عدم ملکیت
 سے دیوار زنداں میں سوراخ ہو گئے ہیں۔ جس طرح روزانہ
 دیوار کبھی بند نہیں ہوتے، حضرت یعقوب کی نابینا آنکھیں
 بھی بند نہیں ہوتیں۔ رات دن بے خواب جانب یوسف نگاہیں
 رہتی ہے۔ حضرت یعقوب کی آنکھیں روزانہ دیوار زنداں پر
 گھمبیں تاکہ تاکہ کی اور محسوس سے یوسف کا دم نفاذ ہو۔ آنکھیں
 روزانہ دیوار زنداں پر گھمبیں تاکہ یوسف زنداں سے دنیا کا نشانہ
 دیکھ سکیں اور تنہائی سے پریشان نہ ہوں۔

شعر کی مراد یہ ہے کہ اگرچہ پہلا بہر حضرت یوسف سے ربط و تعلق قائم
 کرنے کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی، کیونکہ قدرت کو یہی منظور تھا، حضرت یوسف
 کو جس اور بچہ کمال پر پہنچانے کے لیے مصائب کا ریل ان پر آ رہا تھا۔ وہ اس
 پر پہنچ جائیں اور ان کی معنوی تکمیل کا سلسلہ پورا ہو جائے۔ پھر باپ اور بیٹے
 میں یکجائی کی صورتیں پیدا ہوں، وہاں یہ بہر حضرت یعقوب قریب از جلد کی
 تلاش سے ایک لمحے کو بھی غافل نہ ہوتے اور کسی تلاش کی آخری حد یعنی
 کہ حضرت یوسف زنداں میں پہنچے تو حضرت یعقوب کی آنکھیں زنداں کی دیوار
 میں روزانہ ہن گئیں۔

۵۔ لغات۔ زندان مصر: مصر کی وہ عورتیں جنہوں نے
 عزیز مصر کی بیوی زندگی گزارنا کو طے دیا تھا کہ وہ اپنے ایک قدام پر
 فریفت ہو گئی۔ قرآن مجید کے بیان کے مطابق عزیز مصر کی بیوی
 نے ان عورتوں کو وحشت دی۔ کھانے پینے کا سامان سبھا دیا۔
 جب وہ کھانے میں مصروف ہو گئیں تو یوسف چھ کبا کہ ان کے
 سامنے آ جائیں۔ انہوں نے یوسف کو دیکھتے ہی اپنے ہاتھ کاٹ
 لیے اور بے اختیار پکار اٹھیں کہ یہ تو انسان نہیں، بلکہ ایک فرشتہ

ہے، بڑے صبر سے دعا فرمائیے۔ اس طرح ان عورتوں پر حضرت
برسنت کی عظمت و عظمت آشکارا ہو گئی اور عورتوں کا طبع و فطرت
افلاک ثابت ہوا۔

تشریح : مرزا نے اس داستان سے یہ معنی پیدا کر لیا کہ دنیا بھر کے
لوگ، قیہوں سے ناخوش رہتے اور جیتے ہیں، لیکن عورتوں کی جو بی بی دنیا
ان قیہوں سے خوش ہے، جو حضرت برسنت کی عظمت کی معترف ہو
گئی ہیں اور دنیا کے خلاف طعنہ زنی پر پشیمانی ہوئی تھی۔

۴۔ **تشریح :** جدائی کی شام آگئی، اندھیرا چھا رہا ہے، میری آنکھوں
سے خون کی جڑ تڑپ رہی ہے، اسے سینے دیکھئے، میں یہ سمجھوں گا کہ اس اندھیرے
میں جہان کرنے کے لیے دو شمس روشن ہو گئی ہیں، گریبا آنکھوں سے طوفان ہلے گا
جہان کی روشنی سے قہقہہ دی۔

۵۔ **تشریح :** ان حسینوں نے دنیوی زندگی میں ہم پر جو مظالم ڈھائے
اور ہر آفتیں نازل کیں، ان کا بدلہ بھلائی میں لیا جائے گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ یہی
حسین عورتوں اور میں بن جائیں۔

یہاں سے یہ مراد نہیں کہ ہم ان پر ظلم و ستم کریں گے، مراد صرف یہ ہے
کہ زندگی میں ہم ان کی رہنمائی کریں گے اور بھلائی میں پہنچانے کے بعد
ہر پروردگار میں بن کر ہماری رہنمائی کریں جو بھلائی گئے۔

۸۔ **تشریح :** ان عورتوں کے پریشانیوں سے اشارہ اختتام کی گرجاؤں
کی طرف ہے۔ اسے محبوب! تو میں خوش نصیب عاشق کے بازو پر سر رکھ کر
مواستراحت ہو اور تیری زلفیں بازو پر گھیر لی ہوئی نظر آئیں تو تیرے کی حقیقی
عاشت اسی کو حاصل ہوگی، وہ اپنے آپ میں چھوٹا نہ سمجھے گا اور اس کا دل
سب سے اونچا ہوگا۔ راتیں بھی اسی کی عظمت و عظمت اور دنیا کا دشوار مانی ہیں
بہر ہو گی۔

مرزا کا اعلیٰ پایہ فرماتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ شعر بہت اعلیٰ ہے
اور کارنامہ ہے۔

۹۔ **شرح :** یہ نئے چین میں جاتے ہی وہ ہجرے نامے کیے تو بیبیوں
کے دل پر ایسا اثر پڑا کہ انہوں نے ایک دم غزل خوانی شروع کر دی۔ ایسا معلوم
ہو رہا تھا کہ یہ چین نہیں، بلکہ ایک مکتب، ایک درس گاہ ہے، جس میں بچے اپنا
اپنا آموختہ یاد کر رہے ہیں۔

شاعر کے نامے سن کر بیبیوں کا غزل خواں ہونا اس امر کی دلیل ہے۔ کہ
بیبیوں نے ان ناموں میں عشق و محبت کا ایسا سوز پایا کہ وہ خود بے اختیار جو کر
اپنے درد عشق کے اظہار پر مجبور ہو گئیں۔

بعض اصحاب نے اس سلسلے میں قسمت خانہ عالی کا یہ شعر پیش کرنا پسند
فرمایا ہے :

کب در نگاہ گلستان عشق آگنوں از من است

حق کیاں ہر چہ ای گویند معنوں از من است

یعنی باغ عشق کی رونق اب عورت میرے دم سے ہے، بیلیں ہر کچھ بھی
کہتی ہیں۔ معنوں مجھ سے لیتی ہیں۔

ہر صاحب ذوق پر آشکار ہے کہ دونوں شعروں کا معنوں ایک نہیں
اور قسمت خانہ عالی کا شعر لغات کے شعر کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔
۱۰۔ **لغات :** کو تا ہی قسمت : کم نہیں، بہتر نہیں۔

شرح : خواجہ عالی فرماتے ہیں :

”نگاہوں کے مڑاؤں برونے سے مراد ہے کہ شرم و حیا کے

سبب اور پر نہیں اٹھتیں، بلکہ ہلکوں کی طرح نیچے ٹھکی رہتی ہیں۔“

اگرچہ شرم و حیا کے باعث محبوب کی نگاہیں اور پر نہیں اٹھتیں اور میری
کم نفسی کے باعث نیچے ٹھکی رہتی ہیں، گویا ان کی حیثیت جیسا ہر مڑاؤں کی ہے

لیکن اسے خدا ایسی نگاہیں میرے دل کے پار کیوں ہوتی جاتی ہیں۔
 مطلب یہ کہ ظاہری کرتا رہی کے باوجود دل تک ان کی رسائی اور تاثیر نفوذ
 میں کوئی کمی نہیں آتی۔ یہ چیزیں ہمارے نہیں، احساس سے نفس و کھشتی میں ہیں
 کہ ایک پہلو مڑ گان کی انداز ہی ہے، لیکن مڑ گان انتہائی انداز کے باوجود
 ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھتیں۔ نگاہوں کی تاثیر دور تک جاتی ہے، مگر
 جوڑنے میں شرم و حیا کے باعث سمٹ کر مڑ گان کی صورت اختیار کر جاتی ہیں یعنی
 ٹھیک رہتی ہیں، ان کا عین اور ان کی جاذبیت بھی وہی ہے۔ اسے بیان میں نہیں
 لایا جاسکتا۔ اسی دکان بڑی کو مڑ گانے زیرِ غور شعر میں واضح کیا اور حق یہ ہے
 کہ اصل نکتے کی توضیح کے لیے اس سے بہتر طریقہ ذہن میں نہیں آسکتا۔

۱۱۔ **شرح :** آج آجوں کو بار بار سینے میں دوکتا تھا اور وہ بار بار جڑو
 سے ابھرتی تھیں۔ اس طرح پلے بپلے دباتے اور ابھرتے، دباتے اور ابھرتے
 کا منظر پیدا ہو گیا۔ گویا کپڑے کی سٹائی کی صورت سامنے آگئی، کیونکہ سٹائی
 یعنی بچنے میں بھی دھاگہ لپٹے اور پھینچے اور پھرتا رہتا ہے۔ اس جھٹک آجوں
 کو دکنے اور ابھرنے کا عام منظر تھا۔ بچنے کا سلسلہ دہرا گیا تو مڑ گانے اسے
 چاک گر یاں کی سٹائی سے تعبیر کر لیا، لطف یہ کہ گر یاں دھرا بیٹھے ہی پر سے
 چاک پھرتا ہے۔

مصنوعی محسن خیالی ہے، اگرچہ اسے رنگ و بوی دیا گیا ہے کہ بالکل
 واقعی اور فطری معلوم ہوتا ہے۔

۱۲۔ **شرح :** خواہم حال فرماتے ہیں :

اس نئی دھات کو فی زمین میں باقی نہیں رہی اور وہ مستعمل و ناجائز
 جوہر بن کر اسے چھک ہوئی، دوست کے حق میں عروت کرنے کو ہی
 نہیں چاہتا۔ شعر میں جو اصل غوی اور لطف ہے وہ یہ ہے کہ
 گویوں کے جواب میں دعا میں دینے کو ایک ایسی غزلیہ بات

برہائی ہر کرتا ہے گویا اس کو ہر شخص ضروری جانتا ہے۔ کیونکہ

سب سے حیران ہو کر پوچھتا ہے کہ بتاؤ! ان کی گالیوں کا کیا
جواب دوں گا۔ جبکہ دعائیں سب ٹیٹ ہو گئیں۔

شاعر کہتا ہے کہ میں محبوب کے پاس گیا۔ جتنی دعائیں مجھے یاد تھیں، وہ
سب کی سب دربان کو دے دیں، جس کی ہر بات کے بغیر شاعر اندر داخل نہیں
ہو سکتا تھا۔ پھر محبوب سے شکایت ہوئی تو اس نے معمول کے مطابق پورا ایسا
کنٹرا طرہ کر دیا۔ اب شاعر حیران ہو کر اس پاس والوں سے پوچھتا ہے کہ میں
ان گالیوں کا جواب کیا دوں؟ صرف دعائیں دے سکتا ہوں، لیکن دعائوں کے
سلسلے میں مصیبت یہ پیش آئی کہ جتنی مجھے یاد تھیں، وہ دربان کو دے دیں، جو
دعائیں دربان کے لیے صرف ہو چکیں، وہ محبوب کے لیے استعمال کرنا مناسب
نہیں سمجھتا۔

شعر میں یہ حقیقت واضح کرنا مقصود ہے کہ جتنے وسائل عاشق کے پاس
ہوتے، وہ سب اصل مقصد کے قریب پہنچنے میں صرف ہو گئے۔ اب مقصد سے
استفادے کے لیے کون سے وسائل سے کام لیا جائے؟

۱۲۔ شرح: شراب ہانی کے لیے آذگ اور قوت و توانائی کا موجب
ہے، جس شخص کے ہاتھ میں شراب کا پیالہ آ جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
ساتھ ہی اس کے ہاتھ کی لکیریں دگب جال بن جائیں گی، یعنی شراب لکیروں کی
رگوں کے ذریعے سے تازہ خون جان تک وڑا دے گی۔

مولانا طہطائی فرماتے ہیں کہ اس شعر میں لفظ "گویا" میں توجہ کا محتاج
ہے۔ عام شاعر "گویا" کا لفظ شعر میں بھرتی کے طور پر استعمال کرتے ہیں، لیکن
اس شعر کی کیفیت بالکل دوسری ہے۔ یہاں شاعر نے اس لیے "گویا" کا لفظ
استعمال کیا کہ مبالغہ مدار کا کہ سے محبوب نہ کر جائے۔ یعنی وہ یہ نہیں کہتا کہ لکیریں
میرے دھج جان بن گئیں، کہتا ہے "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دگب جال بن گئیں۔"

گو یا مہا لینے کو سر کے اندر رکھا اور اخراق نہ بنا یا۔ جو مومن اگر اسے سمجھتا ہے۔
 ہم ۱۔ لغات۔ موقوفہ و فوید پرست۔ خدا کو ایک ماننے والے۔
 وحدت مبداء کا قائل۔

کیش : مسک و مشرب، طریقہ۔

رسم : رسم کی جمع، مراد یہ ہے، یہ طور خود اختیار کردہ طور
 طریقے یا جنہوں کے رفتہ رفتہ مستقل مذہبی حیثیت اختیار کر لی۔
 ملت : فرقہ، گروہ، قوم، مذہب۔

شرح : خواہر مائی فرماتے ہیں :

- تمام عقول اور مذہبوں کو مہم و دیگر رسوم کے قرار دیتا ہے جن
 کا ترک کرنا اور مٹانا موحّد کا اصل مذہب ہے اور کہتا ہے کہ
 یہی تہیں جب مٹ جاتی ہیں تو اجزائے ایمان ہیں جاتی ہیں۔
 مولانا علی گاہی نے اس شعر کی تشریح یہ لکھی : نقطہ نگاہ سے فرمائی ہے۔
 وہ کہتے ہیں :

”ہم موحّد ہیں یعنی وحدت مبداء کے قائل ہیں اور اس کی ذات
 کو واحد سمجھتے ہیں اور واحد وہ ہے، جس میں نہ تو ”اجزائے متواتر“
 ہوں، جیسے غول، ”عزمن وغیرہ اور نہ“ اجزائے ترکیبی، جیوں جیسے
 حیوانی صورت اور نہ“ اجزائے ذمّی، جیوں، جیسے جنس و نسل۔
 ”عزمن اس کا علم بعض سلبیات کے ذریعے سے حاصل ہے، جیسے
 کہیں کہ اس کا کوئی شریک نہیں ہے، وہ جسم نہیں ہے، وہ
 متحرک نہیں ہے، وہ مرنے نہیں ہے۔۔۔۔۔ وہ حادث نہیں ہے
 ۔۔۔۔۔ یہ سب سلبیات ہیں کہ ان کے انفراد سے اور سب سلبیات

باعض و نحو جو جاتی ہیں۔ اور یہی ہیں اجزائے توہید ہیں۔

تاکہ جیسے کہ ذات، اسی تعالیٰ کے اس تصور سے لغتی لغات توہد مست

صفت پر مانتا ہے۔ ایجاب و اثبات کا کوئی ذرا بد یا خیر نہیں آتا۔ قرآن مجید نے
 خدا کا جو تصور پیش کیا، اس کا یہ پہلو تو بالکل واضح ہے کہ جس حد تک انسانی
 عقل کی پہنچ ہے، صفاتِ باری تعالیٰ کو مخلوق کی مشابہت سے پاک اور بلند
 رکھا جائے، اسی کو اصطلاح میں تسمیہ کہتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں
 کہ تفصیل کا راستہ کھول دیا جائے، صفتِ صفات کی نفی کر دی جائے۔ قرآن مجید
 نے اللہ تعالیٰ کے لیے صفاتِ خیر کا تصور پیدا کیا، ساتھ ہی مشابہتِ مخلوق
 کی نفی بھی کر دی۔ وہ خدا کی تمام صفات کو حسن و خوبی کی صفات قرار دیتا ہے
 یعنی وہ حق ہے، قیوم ہے، رب ہے، قادر ہے، رحیم ہے، سمیع ہے،
 بصیر ہے، عظیم ہے، لیکن ان صفات کا تصور عام انسانی صفات سے بالکل
 الگ ہے۔ لہذا نفی صفات کی تعبیر مرزا غالب کے اس شعر کے لیے کچھ روزوں
 معلوم نہیں ہوتی۔ مقصود یہ نہیں کہ مرزا غالب کے ہر شعر کو استثنیت کی
 ترازو میں تولنے کی کوشش کی جائے، تاہم اگر ایسی تعبیر ممکن ہو، جو تفصیل
 میں نفیِ ثبات کی طرف نہ لے جائے، تو اسے اختیار کر لیتے ہیں تاکہ نہ جو کچھ
 جس حد تک میں بچھڑ سکا ہوں، شعر میں بنیادی حیثیتِ توحید کو حاصل ہے
 اسی پر مرزا نے زور دیا ہے اور توحید ہی ہر شے اور انسانی مذہب کی اصل
 بنیاد ہے، مرزا سمجھتے ہیں کہ جن لوگوں نے مختلف فرقے گردہ، مباحث اور
 فرس بنالیں، انھوں نے اعتقادات کی بنیاد ان رسوم پر رکھی، جو یہ طور خود
 اختیار کر لیں اور وہ مذہب کی بنیاد و اساس یعنی توحید کے تحفظ پر مبنی نہ
 تھیں۔ پس توحید ہوں، میرے مسئلے کا آغاز توحید سے ہوتا ہے جبکہ دوسرے
 توحید کو مرکز نہ مانا اور الگ الگ رسوم کے پابند ہو گئے، وہ دراصل توحید
 پر ایمان ہی ہے اور غلط نہ تھے۔ اب ان (اختیار کردہ رسوم کو ہم جس حد تک
 ترک کرتے جائیں گے اور توحید کو بنیاد و اساس بنائے رکھیں گے، اصل مقصد
 کے قریب تر ہوتے جائیں گے۔ گو یہ مختلف گردہ ہوں گے درمیان کش مکش کے

جو سامان موجود ہیں۔ وہ گھٹتے جائیں گے۔ ان کا زور انفرادیت کے بجائے توحید پر ہوتا ہائے گا۔ اس طرح یہ خود ساختہ ملتیں، جس قدر میں گی، انھیں توحید پر چنے ایمان کے اجزائی بنی جائیں گی، واللہ اعلم بالصواب۔

۱۵۔ تشریح : خواہ برحق کی نزائے ہیں :

”یہ خیالی دامن اچھوتا ہے اور نرا خیال نہیں۔ بلکہ ایک ہے۔

ایسی خوبی سے بیان ہوا ہے کہ اس سے زیادہ تصور میں نہیں آسکتا۔ مشکلات کی کثرت کا اندازہ مندرجہ حقیقی یعنی ان کے آسمان

جو ہمارے سے کہنا درحقیقت حسن مہاند کی معراج ہے جس کی

نظیر آج تک نہیں دیکھی گئی۔“

نقدیات کا واضح مسئلہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی رنج و دیا اذیت دہان چیز کا عادی ہو جاتا ہے تو اس کا احساس رفتہ رفتہ کم جوتے جوتے بالکل مٹ جاتا ہے۔ نماز میں اذیت کے وقت انسان بیٹھتا ہے تو ابتدا میں بائیں پاؤں پر ہاتھ رکھتا ہے اور دائیں ہاتھ کی طرف ہوتی ہے، لیکن نماز کی عادت ہو جانے کو مقام نشست پر ایک گنا سا بڑھتا ہے، پھر نشست کے وقت تکلیف کا کوئی احساس نہیں رہتا، مرزا اس پہلو سے دیکھ کر اپنی مشکلات کا ذکر کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ مجھ پر اتنی مشکلیں اور معیبتیں مسلسل عذاب نہیں کرتیں کہ ان کا عادی ہو گیا اور ان سے جو تکلیف پہنچتی تھی، اس کا احساس ہی باقی نہ رہا، انسان رنج کا عادی ہو جاتے تو اس کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ اس طرح مشکلات کا جو ہم اور قرآن ہی میرے لیے آسان کا موجب بن گیا۔

یہ پہلو ایسے انداز میں پیش کرنا صرف مرزا پر ختم ہے اور بقول عائشہ رضی اللہ عنہا کا اندازہ مندرجہ حقیقی یعنی ان کے آسمان ہو جاتے ہے کہ حسن مہاند کی معراج ہے۔ یعنی اتنی مشکلات پڑیں کہ چاروں ہاتھوں میں ان کا غرر ہو گیا اور ان سے جو اذیت پہنچ سکتی تھی، اس کا احساس ہی باقی نہ رہا۔ واضح ہے کہ مشکلات ختم نہیں

ہوئیں۔ وہ بدستور قائم ہیں، لیکن ان کا احساس نہ رہا تو کجی ہو رہے کہ وہ مشکلیں
 نہ رہیں۔ خواہ یہ حالتی بجا نہ رہتے ہیں کہ اس شعر کی نظیر آج تک نہیں دیکھی گئی۔

۱۶۔ **شرح :** اگر غائب اسی طرح روئے تو اسے دنیا والوں، تم

دیکھنا کہ یہ بہتیاں اور آبادیاں جو تھیں نظر آ رہی ہیں۔ وہ سب کی سب اس
 کے سیلابِ اشک میں برابر دویران ہو جائیں گی۔ غائب دور رہے۔ ابھی وہ
 کیفیت پیدا نہیں ہوئی کہ فوج جیسا فوجان آجائے۔ لیکن اگر وہ اس طرح
 جاری رہا تو یقیناً وہ کیفیت بھی کچھ دور نہ سمجھنی چاہیے۔

ایک لحاظ سے اہل جہاں کے لیے یہ اعتبار ہے کہ وہ غائب کو یوں دیکھنے
 سے روکنے کی کوئی تدبیر کریں۔ وہ نہ دنیا کے دیوان ہو جائے میں کوئی کام نہیں۔
 یہ غزل مرثیہ کی ہے کیونکہ یہ ”وہی اور وہ اخبار“ کی اشاعتِ فوریہ

۱۶۔ شوال ۱۲۸۵ مطابق ۲۸۔ اگست ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی تھی اور شائع
 کرتے وقت تیسریں نکھائی گئی تھیں کہ مرزا ابوالدین، جو مرزا سلیمان شکر کے
 پوتے تھے، کلکتہ سے واپس آئے تو ساتھ ہی یہ ذہین لے کر آئے۔ بادشاہ نے
 بھی غزل کہی اور مرزا کو بھی غزل کہنے کا حکم دیا۔

خود مرزا نے منشی بنی بخش حقیر کو یہ غزل بھی تو ساتھ ہی لکھا:

”جانی! خدا کے واسطے غزل کی دعا دینا، اگر بخیرتہ ہے تو میرا

میرزا دیر تھی اور میرزا سودا کیا کہتے تھے؟ اگر وہ سچتہ تھا

تو پھر یہ کیا ہے؟“

(تاریخ غائب)

دیوانگی سے دوش پہ نہ تار بھی نہیں

یعنی، ہماری جیب میں ایک تار بھی نہیں

۱۷۔ **شرح :** دیدہ گی

کے جوش میں بہا رہا اس

طرح پڑہ پڑہ ہو گیا کہ ایک

دل کو تیار نہ حسرت دیدار کر چکے !
 دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں
 ملتا تھا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
 دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
 بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اوریاں
 طاقت یہ قدر لذت آزار بھی نہیں
 شہزادگی کے ہاتھ سے ہے سرو بال پوش
 صحرا میں اسے خدا ! کوئی دیوار بھی نہیں
 گنجائش عداوت اختیار اک طرف
 یاں دل میں، منت سے ہوں یا بھی نہیں
 لڑنا کہ اسے تار سے میرے خدا کو مان
 آخر تو لے مرغ گر منت رہ بھی نہیں
 دل میں ہے یاد کی صفِ مشکاں کے روشنی
 سارا کہ طاقتِ بخشِ نثار بھی نہیں
 اس سادگی پر کون نہ مر جائے اسے خدا !
 روتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

تار بھی جسم پر باقی نہ رہا۔
 جسے ہم نہ تار قرار دے سکتے
 اور جیسے کہ صم پرستی کے
 ذریعہ کا ایک لٹل تو بہتر
 جسم کا کوئی ہوتا ہے۔
 ۲۰۔ مشرح : مبارک
 دل محبوب کے دیدار کی
 حسرت میں ختم ہو گیا، گویا
 وہ اس حسرت کی جیت شہزادہ
 گیا، لیکن اپنی حالت پر غور
 کیا تو معلوم ہوا کہ ہم میں
 محبوب کے دیدار کا تاب و
 توان بھی موجود نہیں۔ یعنی
 جس مقصد کے لیے ہم نے
 زندگی کے بہترین مواقع
 صرف کر دیے، اس مقصد
 سے ناکام اٹھانے کی ہم
 میں طاقت ہی نہیں۔

۲۱۔ مشرح : خود
 مرزا غالب قاضی عبدالحمید
 جتوئی بریلوی کو اس شعر کی
 شرح یوں لکھتے ہیں :
 " اگر تیرا خدا آساں

نہیں تو ہر محبہ پر آسان ہے دیکھا استاد کو فنونیت و جہولت میں بار بار
 غیر تیرا اٹا آسان نہیں نہ دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں
 سہی نہ ہم مل سکیں گے نہ کوئی اور مل سکے گا۔ مشکل یہ ہے کہ وہی تیرا اٹا دشوار بھی
 نہیں جس سے تو پتا چلتا ہے، مل ہی سکتا ہے۔ بھر کو تو ہم نے
 سہل کر دیا تھا، رنگ کو اپنے اوپر سہل نہیں کر سکتے۔
 خواہر جاتی فرماتے ہیں :

• ایک ٹیکٹ کے بیان میں ایسے متناسب محاورات کا دستیاب
 ہو جاتا ایک حبیب افغان ہے۔ اس معنوں کو چارہ حقیقت کی
 طرف لے جاؤ۔ چاہو محاذ پر محولی کرو، دونوں صورتوں میں مطلب
 یہ ہے کہ اگر تیرا اٹا آسان نہ ہوتا یعنی دشوار ہوتا تو کچھ وقت
 نہ بھٹی، کیونکہ ہم باہوس ہو کر بیٹھ رہتے اور شوق و آرزو کی غلش
 سے چھوٹ جاتے، مگر مشکل یہ ہے کہ وہ جس طرح آسان نہیں
 اسی طرح دشوار بھی نہیں، اسی لیے شوق و آرزو کی غلش سے
 کس طرح خواہر نہیں ہوتی :

خواہر حال مرحوم نے شوق و آرزو کی غلش سے چھوٹنے کا بخود ذکر کیا، وہ
 میرے نزدیک مرزا غالب کے معنوم میں ایسا اٹا ہے، جس کے لیے بظاہر کوئی
 گنہگار نہیں۔ مرزا کا معنوم صرف یہ ہے کہ بھر کو برداشت کر لیا۔ شک بہداشت
 نہیں ہو سکتا۔ شوق و آرزو کی غلش ناقص ہے، لیکن مفارقت پر ہم صبر کر سکتے ہیں
 غیر کہ تجھ سے ملنا گوارا نہیں ہو سکتا۔

۴۔ تشریح : زندگی عشق کے بغیر سہر نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس کے
 لیے کوئی نہ کوئی لگن ہا ہے، خواہ اس کی نوعیت کچھ ہو۔ لیکن ہر عشق اور ہر لگن
 میں انسان کو دکھ اٹانے پڑتے ہیں۔ یہی ہیں جیسا کہ تاگزیرم ہوتا ہے۔ ہمدی

حالت یہ ہے کہ اتنی طاقت ہی نہیں جو دکھ نہ لینے اور مصیبتیں بھیج لینے کے لیے ضروری ہے۔ لطافت یہ کہ محض دکھوں کا ذکر نہیں کیا، بلکہ دکھوں، مصیبتوں اور پریشانیوں سے لذت اٹھانے کے لیے کا ذکر کیا۔ لذت آزار خود وہی سے قابل توجہ ہے۔ اول یوں کہ جب تک شوق سے دکھ نہ اٹھاتے جائیں، عشق کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ دوم یہ کہ اگر دکھ اٹھانے میں ایک خاص لذت نہ ہو تو کون اسے قبول کرے گا اور کیونکر ممکن ہے کہ اس حالت میں اصل مقصد عشق کے لیے سنی و کوشش جاری رہے ؟

۵۔ لغات : شور یہ گئی : دیوانگی، پریشانی، آشفتگی۔

شرح : حالت جنوں میں پریشانی اور آشفتگی کا یہ عالم ہے کہ سرگندہ ہونے کے لیے ایک مصیبت فیز بوجہ ہی گیا ہے، لیکن صحر میں ہیر ہو رہی ہے۔ وہاں کوئی دیوار بھی تو موجود نہیں کہ اس سے سر پھوڑوں اور اس وہاں سے نجات پائیں۔

۶۔ شرح : صفت کی شدت کا یہ عالم ہے کہ اس میں رقیبوں سے دشمنی کی سنائی تو کیا ہوتی : خود محبوب کی آرزو میں باقی نہیں رہی۔

شعر کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ محبوب کی آرزو باقی نہیں رہی، مرزا کا مطلب صفت کی انتہا ثابت کرنا ہے اور اس کے لیے اس سے بہتر پیرایہ کوئی نہیں ہو سکتا تھا کہ اتنا کمزور ہو چکا ہوں، دل میں محبوب کے لیے آرزو بھی ہو مگر میں نظر آتی ہے۔

۷۔ شرح : اسے محبوب : میری درد بھری فراہ و نقاں سے ڈرا اور خدا کا خوف کر۔ کیا یہ فراہ و نقاں اس پند سے کا درد بھرا گیت ہے جو تجھ سے ہیں بند شے : مطلب یہ کہ میری فراہ و نقاں ایسی بے اثر نہیں، جیسی کسی قیدی پرندے کی سدا ہو سکتی ہے۔

۸۔ لغات : رگوشی : غلاب

مشرح : دل میں محبوب کی صفت مڑگاں کے سامنے ڈٹ جانے کا ارادہ ہے۔ بین ارادہ کیے بیٹھے ہیں کہ تیر پر تیر کھائیں گے اور سامنے سے نہیں ہٹیں گے، حالانکہ دل کی حالت دیکھی جائے تو ایک کانٹے کی غش بھی ہوا شست کر لینے کی ہمت نہیں رکھتا۔

یہ شعراں لوگوں کی کیفیت کا نہایت عمدہ اور کمال مرقع ہے جو بڑے بڑے عزاظم دل میں لیے بیٹھے ہوں، لیکن ان کی خاطر خفیت سی بھی رحمت اٹھانے سے گریز نہیں ہوا، حالانکہ کوئی بڑا عزم اور کوئی بڑا مقصد انتہائی گہری مشقیں اور اذیتیں اٹھانے بغیر ہوا نہیں ہو سکتا۔

۹۔ مشرح : محبوب کی اس سادگی اور سحر لین پر کون جان دے دینے کے لیے آمادہ نہ ہو گا کہ بڑا ہے، لیکن ہاتھ میں تھوار بھی موجود نہیں ہے، مقصود یہ ہے کہ محبوب تیغ و خنجر سے نہیں لڑا کرتا، اس کی لڑائی مس ہڈی، حمزہ داد اور تازہ انداز کے بل پر ہوتی ہے۔ اسے مرزا نے سادگی قرار دے لیا اور کہا یہ سادگی ہی ایسی چیز ہے کہ ہر شخص اس پر جان قربان کر دے۔ تھوار سے کہہ جاتے تو اس کا انجام بھی اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا؟

مولا ناشکی نے پہلی جنگ یورپ پر ایک نظم کہی تھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ایک جرمن نے عذر دیا کہ آکر کہا کہ ہماری فتح آسان نہیں تو دشوار بھی نہیں، برطانیہ کی فوج تعداد میں بھی کم ہے اور تیار بھی نہیں، غرض اس دند ہے، اسے جنگ سے کیا کام؟ میں نے کہا کہ تو غلط کہتا ہے، ہم ابی ہندوستان سے دس لگتے ہیں، وہ عذر سے میری بات سنا دے گا، پھر اس نے جو کچھ کہا، وہ لاتوق اقدام نہیں رکھا!

اس سادگی پر کون نہ مر جاسے اسے خدا!

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تھوار بھی نہیں

مرزا غالب کے شعر کا آفاقی پہلو ملاحظہ ہو کہ اس سے ایک خاص جنگ

بحث میں بھی کام لے لیا گیا۔

۱۰. **تشریح :** ہم نے اسد یعنی غائب کو تہنائی اور مجلس دونوں فقرے میں لایا دیکھا۔ اگر تم اسے دیوانہ اور پاگل نہیں سمجھتے تو یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ عقل و خیر سے کوئی سروکار رکھتا ہے، یعنی وہ ہوشیار ہے۔

۱۔ لغات

در خور :

قائم۔

چشم سوندان :

سوئی کا کاٹنا۔

تشریح :

میرے بدن کا

کوئی میں زخم

یہ حالے کے

قابل نہ سمجھا

گیا۔ اس سے

انتہائی یا اوس

ہوئی۔ سوئی

کی آئینہ بینی

فلکے پر جو

دھا گا تھا

وہ یا اوس کے

آئینوں کا کچھ

نہیں ہے زخم کوئی بچنے کے درخورد میرے تن میں

ہوا ہے تار اشک یا اس، رشتہ چشم سوندان میں

ہوئی ہے مانع ذوق تماشا، خاندان ویرانی

کف سیلاب باقی ہے ہر رنگ پنیہ روزن میں

و دلالت نمائے بیدار کا دشمنانے مرگاہوں

نگین نام شاید ہے، مرا ہر قطرہ غم میں

بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستان کی

شب نہ ہو، جو رکھ دیں پنیہ دیواروں کے روزن میں

کلو مبش مانع ہے رطبی شور جنوں آئی

ہوا ہے خندہ احباب بخیمہ حبیب و دامن میں

ہوئے اُس ہر دوش کے جلوہ تماشا کے آگے

پراشتاں ہو ہر آئینے میں دشن ذرہ روزن میں

ہو گیا۔
 نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں، پر صحبت مخالف ہے
 جو گل ہوں تو گلشن میں، جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں
 بہت نہیں۔
 ہزاروں دل دیے جو ش جنوں عشق نے مجھے کو
 نہ غم، نہ بھید،
 سید ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خوں تن میں
 تار، انگ
 استاد زندانی تاثیر الفت سائے خواباں ہوں
 چشم، رشتہ
 خیم دست نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں
 سوزن وغیرہ
 الفاظ کی
 مناسبیت ظاہر ہے۔

۲۔ لغات - مانع : روکنے والا۔

شرح : ہمارے گھر کا بریاد جو نا نظارے کے ذوق میں بھی
 رکاوٹ بن گیا۔ جو سیلاب آیا تھا اور گھر ویران کر گیا۔ اس کا حیاگ
 مدنی کی طرح روشن دان میں نظر آ رہا ہے۔

جن لوگوں نے ندیوں اور دریاؤں کے کنارے کی آبادیوں میں رو کر
 خیر کیا ہے یا ان کی کیفیت دیکھی ہے، انہیں معلوم ہے کہ سب طبعانی
 آتی ہے اور پانی دور شور سے چڑھتا ہے تو جہاں جہاں آبادی میں اسے
 راستہ ملتا ہے، نکل جاتا ہے۔ جہاں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، وہاں پانی
 کا جوش ہیاگ لے آتا ہے، جو دوسرے دالوں یا دوسرے چھوٹے چھوٹے
 شگافوں میں اکٹ کر جم جاتا ہے۔ اسی منظر کے پیش نظر مرزا صاحب نے
 یہ شعر کہا۔ یعنی سیلاب آیا، گھر ویران ہو گیا۔ روز لڑوں اور شگافوں میں
 حیاگ اکٹ کیا۔ اب یہ اندر بیٹھے ہوئے یا سیر کا نظارہ کرنا چاہتے ہیں،
 روزان کے سوا کوئی جگہ نہیں، جہاں سے دیکھ سکیں۔ اس میں حیاگ، شگاف

ہوتا ہے اور باہر کی کوئی چیز نظر ہی نہیں آتی۔ یوں خانہ دیرانی ذوقِ نظر سے
دکھوت ہی گئی۔

۳۔ لغات : دروہیت : امانت : دروہیت خانے سے مراد ہے
دروہیت۔ جہاں لوگوں کی امانتیں محفوظ رہیں۔

تنگین : انگشتری کا گیندہاں پر ہلکے کا نام کندہ ہوتا ہے۔
شرح : محبوب کی ہلکوں نے چمچہ شہو کی جو غلیم کیے ہیں ان کا امانت
بن گیا ہوں۔ میرے بدن کے خون کا ایک قطرہ ایسا ہے جس پر گینے کی طرح
محبوب کا نام کندہ ہو چکا ہے۔

یہ شعر بھی کہ گندہ دکان پر آؤروں کی حبشیت دکھتا ہے مرزا غالب
پہلے بھی کہ چکے ہیں۔

ایک ایک قطرے کا بچہ دینا بڑا حساب

خوبی بگر دروہیت مرزا کا یہ یاد تھا

۴۔ لغات : ظلمت گسٹری : ظلمت آدانی : اندھیرے کا پھیلنا
شبستان : رات بسر کرنے کی جگہ۔ گھر۔

شرح : میرے شبستان میں اندھیرے کا پھیلنا جو صورت اختیار کر
چکا ہے اس کی کیفیت کو ہی بیان کر سکتا ہے : حالت ہے کہ اگر کوئی
ناکوئی کاں و لواردن کے روز توڑی ہیں دکھ دیں تو ایسا منظر پیدا ہو جائے۔
گویا چاندنی مہلکی ہوئی ہے۔

پہلے ایک شعر میں روانی کے اسی گامے کو فوراً صبح مڑایا تھا۔

کیا کون تاریکی زندانی غم اندھیر ہے

پہلے تو یہ صبح سے کم اس کے سہو میں ہیں

۵۔ لغات : لگو ہش : حالت : محبوب :

شرح : دوستوں نے میرے شور مچوں کی سبک دہلی اور سے آئیں

دانت کی۔ میری ہنسی اڑاؤ۔ اس وجہ سے شوق جنون دک گیا۔ گویا دوستوں کا خندہ دندان نما اور ہنسی، جس میں دانت ظاہر ہو جائیں، میرے جیسے اور داس کے چاک کے لیے بنی ہوئی ہیں۔ یعنی وہ چاک رفتہ ہو گئے اور شور جنون ختم ہو گیا۔

خندہ کو خندہ دندان نما سمجھنا اس لیے ضروری ہے کہ اسے نیچے سے مشابہت پیدا ہو جائے۔

بے رابطی شوق جنون اس لیے کہا کہ جنوں کا ہر فعل بے ربط و مضطرب ہوتا ہے۔

۴۔ لغات۔ ہر روش : سورج جیسا۔

تمثال : صورت، پیکر، تصویر۔

پرفاشان : پرچٹھڑانے والا۔

تشریح : میرے سورج جیسے محبوب کا پیکر عود العزہ بنو اتو اس کے آگے آنیے کے جوہر اسی طرح اڑنے اور پرچٹھڑانے کے جیسے سورج کی کرنوں میں، روزی کے اندر چھوٹے چھوٹے ذرے بیتا بان اڑتے نظر آتے ہیں، یعنی آنیے کے جوہر اس کے ہلنے کا سہارا بن کر گئے۔

۵۔ لغات۔ گلغن : بھٹی، بھاڑ۔

تشریح : مجھے کچھ خبر نہیں کہ اجنبیوں یا غریب، دیہیوں یا جانتا ہوئی کہ میرا حوالہ سازگار نہیں۔ جس دائرے میں مجھے رکھا گیا ہے، اس کے ساتھ میرے لیے موانعت و ممانعت کی کوئی صورت نہیں، اگر میں اچھا ہوں تو میری مثال بھول کی س ہے۔ جسے بھولوں کی زلفوں سے بستر کی تہیت جتا جائیے، اس کے برعکس مجھے بھٹی میں ڈال دیا گیا ہے۔ اگر میں بُرا ہوں تو سمجھنا چاہیے کہ میری حیثیت گھاس چھوٹ اور فوس و فاشاک کی ہے۔ گویا میرا حساب مدح بھٹی ہے، لیکن مجھے داغ ہے دکھایا گیا ہے۔ میں فوس و فاشاک

کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا اور اٹھا کر باہر بھیجنے کی کوشش کرتا ہے۔
 مذکورہ نظر نفلوں میں دو دم شبیہوں سے ٹپک دہ اور نامانگارہ کی طرف
 کی کیفیت اس طرح بیان کر دی کہ اس سے بہتر ممکن نہیں۔

۸۔ **شرح :** میرے بدن کے خون کا ہر قطرہ جنون عشق کے
 باعث سیاہ ہو کر سودا بن گیا۔ یعنی اس سیاہ نقطے کی صورت اختیار کر گیا
 ہو دل میں تصور کیا جاتا ہے۔ گویا ہر قطرہ ایک ولی کی صورت اختیار کر گیا
 اس طرح جنون عشق کے جوش نے میرے لیے ہزاروں دل تیار کر دیے۔
 جتنی نقطہ نگاہ سے معلوم ہے کہ سودا یعنی جنون کا رنگ سیاہی
 نائل ہوتا ہے۔ اسی لیے اسے سودا کہتے ہیں۔ یعنی کالا۔

۹۔ **لغات :** زندانی : قیدی۔ اسیر۔
شرح : اسے اسند میں حسینوں کی تاثیر محبت کا قیدی ہوں۔
 اظہار نے مہربان ہو کر میرے گلے میں بائیں ڈال دیں۔ وہی بائیں میرے
 لیے اسیری کا ایسا طوق بن گئیں جس سے رہائی پانا ممکن نہیں۔
 تاثیر الفت اس لیے کہا کہ محبت نے اثر پیدا کیا اور حسین غلاب
 عادت اتنے مہربان ہونے کے اس کے گلے میں بائیں ڈال دیں۔

۱۔ **شرح :** بھاری
 نگاہ میں دنیا کی لذتیں
 اور راحتیں بچ رہ گئی
 ہیں۔ بیشتر خوبی بھر چنے
 میں حزمہ آتا تھا اور یہی
 بہادر و مستور تھا کہ خون
 پانی کر دندگی گزارا کرتے

مڑے جہان کے اپنی نظریں خاک نہیں
 سوائے خونِ جگر۔ سو جگر میں خاک نہیں
 مگر غبارِ جو سے پر ہوا اڑا لے جانے
 وگرنہ تاب و توانِ بالی و پر میں خاک نہیں

تھے، مگر اب بگڑیں بھی
 کچھ آتی نہیں رہا۔ خون
 کی جتنی دولت تھی، وہ
 سب ہم نے صرف کر ڈالی
 شعر میں قابلِ غور
 نکتہ یہ ہے کہ خوب چکڑ چٹا
 کسی کے لیے ہیں باعث
 راحت نہیں ہو سکتا، لیکن
 مرزا اس کے عادی جو
 گئے تھے اور اس میں طبع
 پیتے تھے، اب انتہائی
 دکھ کی یہ چیز ہیں، پس
 سے عادی جو نے کے
 باعث طبع آئے لگا
 تھا، ختم ہو گئی۔

۲۔ لغات - مگر : شاید۔

مشریح : میرے بالِ حیر میں اب طاقت و قوت بالکل باقی نہیں
 رہی۔ گویا یہ ممکن نہیں کہ میں خود اڑ کر اپنے آشیانے یا محبوب تک پہنچ سکوں
 البتہ یہ ممکن ہے کہ اب میں پڑے پڑے فرسودگی سے گراؤ، عیاں بن جاؤں
 اور ہوا اسے اڑا کر منزلیں منقطع ہو پہنچا دے۔

۳۔ لغات - شمائلی : شید کی بیج، سرشت، طبیعت۔

خصیلت، عادت۔

مشریح : یہ کون سے بہشت جیسے فضائل و سرشت کے محبوب کی۔

یہ کس بہشت شمائلی کی آمد آمد ہے
 کہ غیر جلوۂ گل و بگزہ میں خاک نہیں
 بھلا اُسے نہ سہی، کچھ بھی کو رحم آتا
 اثر میرے نفس ہے اثر میں خاک نہیں
 خیالِ جلوۂ گل سے خراب ہیں میکش
 شراب خانے کے دیوار و در میں خاک نہیں
 ہوا ہوں عشق کی غارت گری سے شرمندہ
 سوائے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں
 ہمارے شعر میں اب صرف دل لگی کے استاد
 کھلا کہ فائدہ عرض بہز میں خاک نہیں

کو آکر ہے کہ راستے میں خاک کے بھائے چھوڑوں کا جلوہ نظر آتا ہے ۔

جس محبوب کی خصلتیں بشت کی سی ہوں اور اس کے ذوق میں بھی
انتہائی لطافت نمایاں ہو ، وہ ہر جے کہ وہ آئے تو گرد و غبار کا متعلق نہیں
ہو سکتا ۔ ہاں ، خاک کی جگہ چھوڑوں کا جلوہ جو تو ہست بنتی ہے ۔

۴۔ **مشرح :** اگر محبوب کو میری مزایا و نعمتیں پر رتم ڈاٹا تو خیر
خود مجھے تو آپنے آپ پر رتم آنا چاہیئے تھا ۔ اگر میری مزایا و نعمتیں میں اتنا اثر
نہیں تھا کہ محبوب کو متاثر کر سکتا تو خود مجھے تو محزون متاثر کر دینا چاہیئے تھا
لیکن قاصر ہو گیا کہ میری مزایا و نعمتیں بالکل بے اثر ہے ۔ یہ محبوب پر تو کیا
اثر کرے گی ، مستم ہے کہ مجھ پر بھی کچھ اثر نہیں کرتی ۔

۵۔ **لغات :** شراب : مست ۔ مہوش ۔

مشرح : شراب پینے والے جلوہ گل کے تصور سے مہوش ہو
گئے ہیں ۔ شراب خانے کے دیوانہ دور میں تو کچھ بھی نہیں ۔

جلوہ گل سے اشارہ بہار کی طرف ہے ۔ ہلکے ہر مطلب یہ معلوم ہوتا ہے
کہ شراب خانے میں تو کچھ بھی نہیں رہا ۔ اس کے دیوانہ دور میں تو خاک اثر
ہی ہے ۔ اب شراب نوشی بہار کے خیالی سے بہت ہے ۔

۶۔ **مشرح :** عشق نے میرا سب کچھ مبرا کر دیا ۔ اب میرے گھر
میں تحیر کی صورت کے سوا کچھ باقی نہیں رہا ۔ یعنی پھر سے سب کچھ بنا چنے
کی آرزو ہے ، لیکن بنا لینے پر قدرت حاصل نہیں وہ آرزو صورت بہت کر رہ
گئی ہے ۔ عشق یہ دستور قدرت گری میں لگا چکا ہے وہ بربادی کی تو جھوٹ
نہیں سکتا ۔ میں شرمندہ ہوں کہ اس کے ذوق قدرت کی تسکین کے لیے کیا
پیش کروں ؟

۷۔ **مشرح :** اسے اشد : اب ہم صورت دل لگی کی خاطر شرم گئے ہیں
مزدود جو غمناک تھا کہ ہم صاحب بہن ہیں اور دنیا کو اپنے حیرتوں میں لگے تو

مسکور کر لیں گے۔ وہ غم نہ ہو گیا۔ ہم نے دیکھ لیا کہ ہنر مندی کی کوئی بات پیش کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ یہ لوگ ہنر کو پہچان نہیں سکتے۔ اس کی تہذیب نہیں کر سکتے، لہذا ہم ان کے لیے کیا لکھیں؟ اب تو صرف اپنے دل کی تسکین کے لیے کچھ لکھ رہے ہیں۔
معاشرے کی خیر و فلاح پر کتنا بڑا ملن ہے۔

۱۔ تمہید:

یہ غزل دہلی اور

دخبر کی شامت

بہت ۴۰ جمادی

۱۱۰۱ قمری ۱۱۰۱

۱۱۰۱ قمری ۱۱۰۱

میں چھپی تھی۔ قید

میں ۴۰ جمادی

گئی تھی، اس کا

مغنا یہ تھا کہ مرنا

نور الدین انیسویں

سینہ ہی تھوڑا مختصر

ہو شامی دہلی آئے

اور انہوں نے

شاہی دربار اور

مشاعروں میں شعر

کوئی کے کلمات

دل ہی تو ہے، نہ سنگ و خشت اور سے بھرنا آئے گی

رو میں گئے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں؟

ذکر نہیں، حرم نہیں اور نہیں، آستائے نہیں

بیشے ہیں، مگر یہ ہم، کوئی ہمیں اٹھائے کیوں؟

جب وہ جمالِ دل فرور، صورتِ ہر نیم روز

آپ ہی ہو نظارہ سوز، پر سے میں منہ چھپائے کیوں؟

دشتِ عمر و جاں ستاں، نادکِ ناز ہے پناہ

تیرا ہی نکسِ رخ بھی، سامنے تیرے گئے کیوں؟

قیدِ حیات و بندِ غم، اصل میں دونوں ایک ہیں

موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

خس اور اس پہ خنِ عمر، گئی تو العوس کی شہم

اپنے پہ اعتماد ہے، خیر کو آواز سے کیوں؟

وال وہ غور و غزو نماز، یاں یہ حجاب پاں وضع دکھاتے، بیدار
 راہ میں ہم بھیں کہاں، ہر دم میں وہ بلائے کیوں؟ شاد و ظفر نے
 ہاں وہ نہیں خدا پرست، جاؤ وہ بے وفا سہی مرزا قاتل سے
 جس کو ہر دین و دل عزیز، اس کی گلی میں جانے کیوں؟ غرضش کی کہ کوئی
 غائب خستہ کے بغیر، کون سے کام جتہ ہیں؟ ایسی غزل کہیں
 رویتے نہ ازار کیا، یہ کیسے ہاسے ہاسے کیوں؟ ہمارے میں پر
 چنانچہ مرزا قاتل

صفحہ ۱۷ غزل کہیں اور مرزا نور الدین نے - ادنیٰ غور و تامل میں کمال محبت سے
 محسوس تھا کہ کسے چڑھ دیا اور سب حضار و بار و املا نے نہایت پسند کیا، حضرت نے
 پانچ دفعہ اس محسوس کو پڑھوایا اور بہت خوش ہوئے۔

مرزا نور الدین کا محسوس سناٹے نہیں کہ اندازہ کیا جا سکے، وہ کہا تھا -
 در بار یوں اور بہادر شاہ کی پسندیدگی یا خوشنودی کوئی معیار نہیں، مرزا نور الدین
 شاہی خانہ رانی کے فرزند تھے، اس لیے سب انھیں شہزادہ سمجھ کر ادا عادت -
 متانت کرتے تھے اور بہادر شاہ ظفر کے اسلوب کلام سے بھی واضح ہے کہ
 ان کا ادق کس قسم کا تھا۔

ملاحظہ فرمائیے: ہمارے پہلو میں دل ہی تو ہے جو تانے اور دکھ دینے
 سے الم زدہ ہو جاتا ہے، اسٹیل اور پتھر تو نہیں کہ اس پر کچھ اثر ہو، اگر
 ہمیں دکھ پہنچے گا تو ہزار بار روئیں گے، یہ بات کہ کسی کو ہمیں دکھ دینے
 کا کیا حق ہے؟

شعر کی وضع و سیاق سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ محبوب مستم زدہ عاشق سے
 کہہ رہا ہے، ہم مزدہ ظفر و مستم جاری رکھیں گے، نصیب ہرگز دو تانہ چاہیے

اور صبح کچھ بعد و تحمل سے برداشت کر لیتا جاسکتے۔ غریب عاشق پریشان ہو کر کہتا ہے کہ میرے پہلو میں اینٹ یا پتھر کا بے حس ٹکڑا نہیں، دل ہے، جو الم انگیز سلوک پر درد سے بھر آتا ہے، ہم تو محض درد میں گئے، کوئی میں متا کیوں ہے ؟

لفظ "کوئی" سے مراد محبوب ہے، کیونکہ عاشق کو محبوب کے سوا کوئی نہیں متا کہتا، لیکن "کوئی" کے لفظ سے اجنبیت ظاہر ہے اور جب انسان ظلم و ستم سے گھر پڑے تو وہ متا ہے، اس کے کانام بیٹے یا اسے براہ راست غائب کرنے کے بجائے ایسے ہی لفظ استعمال کرتا ہے، جن سے ایک گونا گونا اجنبیت یا تنگی نکلتی ہو۔

۲۔ شرح : ہم بہت خانے کے سامنے نہیں بیٹھے کہ پش توں اور برسوں کو ہمیں اٹھا دینے کا حق ہو۔ ہم نے کبھی کے درد اذ سے پریشست نہیں جیانی کہ آفتاب انتظام ہمیں اپنے خیال کے مطابق دے دیا ہے مشرب سمجھ کر اٹھانے کے درپے ہوں۔ ہم نے کسی محبوب یا کسی بڑے آدمی کا درد اذ نہیں سہوا، کسی کے آستانے پر ڈیرا نہیں جیایا۔ ہم تو راستے کے کنارے بیٹھے ہیں، جو گزرگاہ عام ہے، پھر کسی کو کیا حق ہے کہ ہمیں اٹھائے ؟

مولانا غالب لسانی فرماتے ہیں کہ اس شعر کی تعلیم کے لیے الفاظ ہمیں مل سکتے۔

۳۔ لغات : مہر نیمروز : دو پیر کا آفتاب، جس کی غرت نظر اٹھانے ہی آنکھیں بندھی جاتی ہیں، یعنی وہ "نظارہ سوز" ہوتا ہے۔

"منہ چھپانے کیوں" کے معنی ہر ایشہ دو ہیں۔ اول یہ کہ اسے منہ چھپانے کی کیا ضرورت ہے ؟ دوم یہ کہ اس نے منہ چھپایا ہی نہیں، بلکہ بے نقاب اور آشکارا ہے۔

شرح : میرے محبوب کے جمال سے دل میں روشنی اور نور پیدا ہوتا ہے۔ ساتھ ہی وہ ہر کے آفتاب کی طرح وہ جہاں اس درجہ سے پتا ہے کہ اس

کی طرف آنکھ نہیں اٹھ سکتی۔ جو آنکھ اٹھے گی، معاً چھوڑ دیا جائے گی اور اس
جہاں سے بہرہ اندوز نہ ہو سکے گی۔ جب حالت یہ ہے تو اسے پردے میں
چھپے رہنے کی کیا ضرورت ہے ؟

پردے میں چھپنے کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ کوئی اسے دیکھ نہ سکے جب
آنکھ میں اسے دیکھنے کی صلاحیت ہی موجود نہیں تو پردہ بالکل بے سود ہے۔
جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا، دوسرا مفہوم یہ ہے کہ وہ واقعی پردے
میں چھپا ہوا نہیں، بلکہ پوری شان سے جلوہ آ رہا ہے اور جانتا ہے کہ اس
کے جہاں سے کوئی لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کسی نگاہ کو اسے دیکھنے
کی ہمت ہی نہیں۔

خواہ مخواہ کے قول کے مطابق ہر شعر محاذ اور حقیقت دونوں پر محمول
ہو سکتا ہے، حقیقت پر بد جا زیادہ، کیونکہ وجود حقیقی کائنات میں نمایاں
اور آشکارا بھی ہے اور پناہ و مستور بھی، یہاں جس کوئی اس کے جہاں
سے براہ راست بہرہ اندوز نہیں ہو سکتا۔

۴۔ لغات، کوشش و خنجر۔

جہانستان : جان لیوا۔

نادک : تیر۔

شرح : غمزدے کا خنجر جان لیوا اور لانا کا تیر اس درجہ سخت ہے
کہ کوئی پناہ اس سے محفوظ نہیں رکھ سکتی، ہم نے نادک تو ہی اپنا چہرہ آئینے
میں دیکھنا چاہتا ہے، لیکن خدا کے یہ عزہ کر کہ ناز و ادا کی ان گواراوں
اور تیروں سے تیرا کیا حال ہو گا ؟ ضروری ہے کہ تو اپنا چہرہ آئینے میں
نہ دیکھے تاکہ وہ صورت، جس نے دنیا کو نہ خون سے تڑپا رکھا ہے تیرے
پے بھی کسی آفت کا باعث نہ بن جائے۔ تیرے سوا تو جتنے تھے وہ زنا
کر گئے، تو اپنے آپ کو کیوں ایسے خطروں میں ڈال رہے ہو ؟

۵۔ **مشریح :** زندگی کا ایک وقت سفر ہے۔ جسے بسر کرنے پر ہم بھروسہ ہیں۔ ساتھ ہی ہم کا سلسلہ لگا ہوا ہے۔ یہ دونوں چیزیں اصل ایک ہیں لہذا ممکن ہیں جنہیں کہ انسان زندگی کی ایجاد پوری کیے بغیر ہم سے نجات حاصل کرے۔ جب دونوں چیزیں اصل میں ایک ہیں تو ہر حال میں ساتھ ساتھ چلنا اور دونوں اکٹھے ختم ہوں گی۔

یہ بھی ایک حکیمانہ نکتہ ہے۔ جو نہایت اثر انداز میں بیان کیا گیا ہے زندگی نام ہے احساسات اور اکالت کا۔ جب تک قوت احساس باقی ہے انسان کے لیے ممکن ہی نہیں کہ اس دنیا میں چلے پھرے۔ زندگی گزارے اور ماحول سے متاثر نہ ہو۔ یہ تاثر بعض اوقات وقتی طور پر سترت و نشاط میں پیدا کرتا ہے۔ لیکن احساس اس کا بھی غم کے سوا کچھ نہیں۔ مثلاً کوئی اچھی چیز کھاتی یا دیکھتی، پھر وہ چھٹی یا جاتی رہی، جس کا نتیجہ غم کے سوا کچھ نہیں جو سکتا غم میں جب تک دنیا کی احساس بھری زندگی قائم ہے۔ غم زندگی کے لیے ایک ناگزیر شے ہے جس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں غم اسی وقت جاتے گا جب زندگی ختم ہوگی اور زندگی کے غموں کی کوئی صورت نہایت نہیں ہے۔

۶۔ **لغات :-** بلوالہوس : ہوا و ہوس سے جہاں ہوا یعنی غیر شرع
مشریح : مرزا غالب نے شاعری عبد الجلیل سنوٹا کو اس شعر کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے :

مولوی صاحب ! کیا لطیف مستی ہیں ! داد و دینا ، حسن عارض اور حسن فطن وہ حقیقتیں محبوب میں جمع ہیں۔ یعنی صورت اچھی ہے اور گمان اس کا بھیج ہے۔ کبھی خطا نہیں کرتا اور یہ گمان اس کو نسبت اپنے ہے کہ میرا دارا کبھی نہیں پگھلا اور میرا تیر عمر وہ خطا نہیں کرتا پس جب اس کو اپنے اوپر ایسا غور و ساس ہے تو رقیب کا امتحان کیوں

کہے : حسی ظن سے رقیب کی شرم دکھ لی ۔ دورۂ یہاں محبوب
نے ملاحظہ کیا تھا ، رقیب عاشق صادق نہ تھا ، ہوس ناکہ
آوی ملتا ۔ اگر اپنے استخوان درمیان آتا تو حقیقت کھل جاتی ۔

شعر کے معنی بالکل واضح ہو گئے ، یعنی رقیب نے عشق نہیں ، محض ہوس
کی بنا پر محبت کا دھوٹی پیش کر دیا ، محبوب حسین بھی تھا اور اسے اپنے
بابے میں انسانی حسن ظن بھی تھا ، یعنی یہ کہ میں جس پر ایک نظر اٹا دوں ۔
وہ عاشق ہوئے بغیر رہ ہی نہیں سکتا ۔ اس وجہ سے استخوان لیے بغیر ہی
محبوب کو رقیب کے عشق کا یقین ہو گیا ۔ اپنے حسن پر اعتماد اور حسن ظن
پر اعتماد کی بدولت رقیب کی آزمائش کا وقت ہی نہ آیا ، یوں اس کی شرم
رو گئی اور بھرم نہ کھڑا ۔ اگر استخوان کی نوبت آجاتی تو رقیب کے لیے یقیناً
بڑی مصیبت پیش آتی ۔

۷۔ لغات - پاس وضع : وضع داری کا لفظ ۔

شرح : شعر میں لغت و شعر غیر مرتب ہے ۔ یعنی غزور غزوانہ
کا تعلق ہے ، بزم میں نہ جانے سے اور محاب پاس وضع کا تعلق ہے راہ
میں نہ ملنے سے ۔

محبوب کو اپنے غنا و تمکین کا غرور ہے ، لہذا وہ ہمیں بزم میں جانے
پر آمادہ ہی نہیں ہو سکتا ، کیونکہ جانے سے اس کے غرور کو سدھ رہے ہیں گا ۔
ہم اپنی وضع داری کے لحاظ میں ڈوبے ہوئے ہیں ، ہمیں بزم ماستبانی
سے گورہا سستے ہیں اس سے کہاں ملیں ، کیونکہ راستے میں محبوب سے ملنا
وضع داری کے خلاف ہے ۔ غرض اس غرور غزوانہ اور اس محاب پاس
وضع کا نتیجہ یہ ہوا کہ محبوب اور عاشق میں ملاقات کی کوئی صورت نہ رہی راہ
میں ملنا اور بات کرنا مشکل اور بزم میں جا یا جانا غیر ممکن ۔

۸۔ شرح : شعر کے اسلوب سے ظاہر ہے کہ دنگ مراد کو سمجھا

دیکھتے ہیں۔ تو کہیں محبت میں پڑ گیا ہے ؟ جسے محبوب بنانے بیٹھا ہے اسے
 ملاحظہ سے کوئی واسطہ ہے نہ وفا ہے ۔ وہ منکر بھی ہے اور بے وفا بھی !
 تیرا دین بھی برباد ہو گا اور دل بھی شمر بھر بے وفائی کی ٹھوکریں کھائے گا ۔
 مرزا ان سمجھانے والوں کی بات کاٹنے پر سے کہتے ہیں : آچھا بھئی ! ہم نے
 مانا ، ہمارا محبوب کافر بھی ہے اور بے وفا بھی لیکن تم میرے بیٹے اپنا دین
 اور اپنا دل پیار ہے ، وہ اس کی ٹھکی میں کیوں بیٹھتا ہے ، جہاں دونوں برباد ہوتے
 ہیں تو دین و دل دونوں برباد کر چکے ۔ ہمیں تمہاری نصیحتوں کی ضرورت نہیں ،
 مولانا طابا طبائی فرماتے ہیں کہ اس زمین میں یہ شعر بھی بیت الغزل
 ہے ۔ اس سلسلے کی طرف اشارہ ہے کہ لوگ سمجھا رہے ہیں اور یہ ان کی
 بات کاٹ رہے ہیں ۔

۹۔ شرح : غالب اس دنیا سے رخصت ہو گئے ، اب وہ اپنے
 کسی رفیق کی زبان سے دوستوں ، عزیزوں اور ماتم و اراکوں کو سمجھا رہے ہیں
 کہ بھئی ! زار و زور دوسرے اور ہائے ہائے کرنے سے کیا فائدہ ہے ؟ کیوں
 اس طرح ماتم کیا مانتے ؟ ایک غمستہ حال غالب کے بغیر دنیا کے کوئی
 سے کام رک جائیں گے ، ماتم چھوڑو اور صبر سے کام لو ۔

۱۔ شرح :

غنیچہ نا شگفتہ کو ، دور سے محبت دکھا کہ یوں
 بوسے کو پوچھتا ہوں میں امن سے مجھے بنا کہ یوں
 پرسش طرزہ لہری کیجیے کیا کہ ، بن سکے
 اس کے ہر اک اشارے سے نکلے جسے ادانگیوں
 میں نے پوچھا کہ اور
 کیونکر پایا جاتا ہے
 تو نے دلا سے ہے
 اب منہ بند مینے
 نا شگفتہ کی دکھا دی
 اس کے دکھانے سے

رات کے وقت سے پہلے، ساتھ رقیب کو سیے
 آئے وہ یاں خدا کرے! پر نہ کرے خدا کہ یوں
 "غیر سے رات کیا جی؟ یہ جو کہا تو دیکھیے
 سامنے آن بیٹنا اور یہ دیکھنا کہ یوں"
 بزم میں اُس کے روبرو کیوں نہ خوش بیٹھے
 اس کی تو غامشی میں بھی ہے یہی تو عا کہ یوں
 میں نے کہا کہ "بزم ناز چاہیے غیر سے تھی،
 شن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ تو کی؟
 مجھ سے کہا جو یاد نے" جاتے ہیں ہوش کس طرح
 دیکھو کے میری بخود ہی، چلنے لگی ہوا کہ "یوں"
 کب مجھے کوئے یاد میں رہنے کی وضع یاد تھی
 آمینہ دار بن گئی، حیرت نقش پا کہ یوں"
 گھر سے دل میں ہو خیال، وصل میں شوق کا زوال
 موج محیط آب میں، مارے ہے دست و پا کہ یوں
 جو یہ کہے کہ رنجیت کیوں کہ جو رشک فارسی
 گفتہ نامت ایک بار، پڑھ کے اُسے سنا کہ "یوں"

کیا فائدہ ہا میں نے
 تو یہ سوال کیا ہے؟
 مت سے ہوسے
 کرتا کہ یوں یا
 بنانا ہے۔

اس میں غریبی
 صورت یہ ہے کہ
 جو سے لیتے وقت
 مت کا نقشہ بالکل
 ناگفتہ گل کا سا
 ہوتا ہے۔

۲۔ شرح:

میں محبوب سے
 دل لینے کا طریقہ
 کیا پوچھوں؟ کہہ
 جاتے بغیر ہی اس
 کے ہر اشارے سے
 سے کوئی نہ کوئی
 لہو اچک رہا ہے
 جو بتاتی ہے کہ
 دل یوں لیا جاتا ہے
 ۳۔ شرح:
 اس میں غلط فہم

مرتب ہے۔

رات کا وقت ہوا محبوب نے شراب پی رکھی ہو۔ خدا کرے وہ یہاں
موجود آئے۔ ساتھ ہی خدا کرے کہ وہ رقیب کو ساتھ لے کر آئے۔

۴۔ **مشریح :** جب میں نے محبوب سے پوچھا کہ رات غیر کی صحبت
میں کیا صورت پیش آئی تو دیکھیے وہ سانسے آہٹا اور بولا : ”دیکھنا یوں۔“
”دیکھنا کہ یوں“ کے دو مطلب ذہن میں آتے ہیں۔ اول یہ کہ غصے سے

عاشق کی طرف دیکھنا۔ مقصد یہ تھا کہ تمہارے لب پر ایسا گستاخانہ سوال نہ
آتا چاہیے تھا۔ دوسرے یہ کہ محبوب نے ڈھٹائی اختیار کر لی اور سانسے جھڑ
کر کہا کہ یوں صورت پیش آئی تھی۔ گویا بے ایمانی اور بے تلافی کی صورت تھی

۵۔ **مشریح :** ہوم میں محبوب کے دو پردہ چپ بٹھے رہنے کے سوا
چارہ نہیں، وہ خود چپ بیٹھا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی اور کو بھی
کچھ نہ پوچھتا ہے۔

۶۔ **لغات :** ستم ظریف : وہ شخص جو ظلم و ستم میں بھی ظرافت
کا پلودہ چھوڑے۔

مشریح : میں نے محبوب سے کہا کہ آپ نے ہوم تازہ آراستہ
کر رکھی ہے۔ ایسی مغل غیر سے بالکل خالی کراہیں چاہیے۔ یہ سنتے ہی
اس ستم ظریف نے مجھے ہوم سے اٹھا دیا۔ پھر پوچھا کہ تمہاری مراد یہ تھی :
شعر میں ستم ظریفی کا پلودہ ہے کہ مرزا نے اپنے آپ کو خورشید سمجھنے ہوئے
غیر کو اٹھا دینے کی تدبیر کی۔ ظالم محبوب نے خود مرزا ہی کو غیر سمجھ کر اٹھا
دیا۔ ساتھ ہی پوچھا : ”تم بھی چاہتے تھے؟“

۷۔ **مشریح :** جب محبوب نے مجھ سے پوچھا کہ بوش کس طرح شستہ
ہیں تو مجھ پر تجویز کا عالم جاری ہو گیا۔ یہ دیکھتے ہی ہوا اپنے نگی اور اس
نے بتایا کہ بوش لہو اٹھتے ہیں۔ یعنی محبوب کا جلوہ دیکھ کر بوش و حرا

اس طرح رغبت ہو جاتے ہیں جیسے بڑا چلتی ہے ۔

۸۔ **شرح :** مجھے محبوب کے کوچے میں رہنے کا طور طریقہ یاد تھا ۔ یہ دیکھتے ہی نقش پا کی حیرت میرے لیے آئینہ دار بن گئی ، یعنی اس نے دکھا دیا کہ محبوب کے کوچے میں رہنا چاہو تو اس کی صورت پر ہے کہ نقش پا کی طرح خاک میں مل جاؤ اور سیلوٹا حسن سے سراپا حیرت بن کر پوری زندگی گزار دو ۔

۹۔ **لغات :** مویغ غیظ : حسد کی لہر

شرح : اگر تیرے دل میں یہ خیالی ہو کہ وصل کے بعد شوق پر نزال آجاتا ہے تو یہ صحیح نہیں ۔ حسد کی لہروں کو دیکھو ، وہ عین پانی میں بھی بہ سناور لہر مارتی رہتی ہیں ۔ یعنی وصل کا کمال بھی ان کے شوق پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتا ۔ وہ ہمیں بتا رہی ہیں کہ شوق سچا اور فاعلی ہو تو دصال کے بعد بھی اس کی مینائی اور بقرادی میں کوئی فرق نہیں آتا ۔

۱۰۔ **لغات :** رنجتہ : اردو غزل

شرح : اگر کوئی شخص کہے کہ اردو کی غزل کیونکر فارسی کے لیے باعث رشک ہوتی ہے تو اسے ایک بار غالب کے کچے جوئے شعر سنا دے ساتھ ہی کہہ دے کہ اچھے شعرواقعی فارسی کے لیے باعث رشک ہوتے ہیں ۔

۱۔ **شرح :**

غدا میری مالی مرآتے

ہو :

یہ محض خیال

مستند نہیں ہے

بلکہ حقیقتِ واقعی

حسد سے دل اگر اندر وہ ہے ، گرم تماشا ہو

کہ عیشِ تمناک ، شاید ، کثرتِ نظارہ سے دہمو

ہر قدر حسرتِ دل ، چاہیے فوقِ معاصی بھی

بھروسہ ایک گوشہٴ دامن ، اگر آپِ بیغت دریا ہو

کو ایک نہایت اگر وہ سرو قد، گرم عطر ام ناز آ جاوے
 عدد پیرائے کف ہر خاک گلشن، شکل قمری، نالہ فرسا ہو
 میں بیان کیا

ہے۔ فی الواقع جب انسان گھر کی چار دیواری میں محصور دنیا
 کے حالات سے ناواقف اور لوگوں کی ترقی و تنزلی کے اسباب
 سے بے خبر ہوتا ہے تو اپنی محدود جماعت میں سے کسی کو محدود
 حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن جس قدر اس کا دائرہ شعور
 زیادہ وسیع ہوتا جاتا ہے، اسی قدر اس پر یہ بات کھلتی جاتی
 ہے کہ لوگوں کی خوش حالی بعض اوقات نہیں ہے، جس پر حسد و
 رشک کیا جانے، بلکہ ان کی محنت و تہمت کا نتیجہ ہے اور اس
 لیے انصاف و فیاضی اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے اور خود
 بھی کوشش و تہمت کی طرف مائل ہوتا ہے۔ بھانے حسد و رشک
 کے اعداؤں کی بریں اور پیروی کرنے میں متوجہ ہو جاتا ہے،
 اس معقول بات کو ایک محسوس تخیل میں بیان کرتا ہے کہ چشم
 تنگ شاید کثرتِ نفاذ سے داہو۔ جس طرح شعرا نے بخل
 کے دل کو تنگ بنا دیا ہے، اسی طرح حاسد کی آنکھ کو تنگی
 کے ساتھ موصوف کیا۔

مونا مہا بھاتی نے حسد کرنا اس لیے بجا قرار دیا کہ "دنیا میں دولت
 کے لیے کوئی سبب درکار نہیں، ہر ملک ہی حال ہے، یہیں اگر کوئی شخص
 بھرپور دیکھے گا تو اس پر واضح ہو جاتا جائے گا کہ دولت خاص اسباب کی
 بنا پر ہوتی ہے۔ مثلاً ایک تاجر کا بیٹا صرف اس لیے دولت مند بن جاتا
 ہے کہ اس کا باپ دولت مند تھا اور یہ تو سب کو معلوم ہے کہ بادشاہ کا
 بیٹا ملک کا دانی بن جاتا ہے، حالانکہ اس میں ملک دار ہی کی کوئی خصوصیت

نہیں ہوتی۔ جب کوئی شخص اس قسم کی مثالیں کثرت دیکھے گا تو امید یہی ہے کہ صد اس کے دل میں یا تو بالکل باقی نہیں رہے گا یا بہت کم رہ جائے گا۔

دولوں صورتوں میں سے خواہ معاشی کی اختیار کرو وہ صورت بہترین ہے۔ اسے واقعی انصاف بنی قرار دے سکتے ہیں۔ محض یہی نہیں کہ دنیا میں چل پھر کر حالات پر ناز نظر ڈالی جائے تو انسان کے دل میں کسی بھی نقطہ نگاہ سے تنگی باقی نہیں رہ سکتی۔ بلکہ بعض ملکوں اور قوموں کا ماحول ایسا ہوتا ہے کہ دوسری قوموں کے شکستے افراد وہاں پہنچ کر اعلیٰ درجے کے کارکن بن جاتے ہیں۔ اسی طرح انسانوں کے دل سے صد دور ہو سکتا ہے۔ مرزا نے "شاید" کا لفظ استعمال کیا، جس سے مراد یہ ہے کہ لازمی اور یقینی نہیں، مگر شخص پر کثرتِ نظارہ کا یہی اثر ہو۔ اثر زیادہ یا کم بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ بالکل نہ ہو۔ بعض طبیعتیں کسی بھی حال میں احتیاط قبول نہیں کرتیں۔ لہذا "شاید" کی قید بالکل بجا ہے اور میرزا کی گہری بصیرت کا پتہ دیتی ہے۔

۴۔ لغات۔ معاصر : معصیت کی جمع۔ گناہ

تشریح : میرے دل میں مختلف گناہ نہ کر کے کی جتنی حسرت ہے اسی کے مطابق گناہوں کا ذوق ہو نا چاہیے۔ میری حسرت لا متناہی ہے۔ اس لیے ذوقِ گناہ بھی لا متناہی ہے۔ حالت یہ ہے کہ اگر گناہ سات سو گناہیں تو میرے دامن کا صرف ایک گوشہ نہ ہو سکے گا۔

میرزا پہلے بھی اس مسئلہ کا اب شعر کا چکے ہیں :
دو ہائے معاصر تک آئی سے جزا غلب

میرزا میرزا میں بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

۵۔ لغات۔ تالہ فرسا : آہ و فغان کرنے والا۔

تشریح : اگر میرا محبوب جس کا تہ سرو کی طرح بلند ہے ، انا و انا
سے نکلتا ہوا باغ میں آجائے تو خاک باغ کی ہر مٹھی قمری کی طرح آواز
نکال کر اٹھے۔

خاک کی ہر مٹھی کو قمری اس لیے قرار دیا کہ قمری ناغہ کی ایک قسم
ہے ، جس کا رنگ خاکی ہوتا ہے پھر قمری کو سرو سے جو تعلق ہے وہ محتاج
تشریح نہیں اور سرو کے لیے خرام ناز کی موزونیت واضح ہے۔

۱۔ لغات :
کنشت : بُت خانہ
تشریح :
اگر میں کہے میں
جا کر مقیم ہو گیا ہوں
تو مجھے طعنہ نہ دو ، کیا
میں وہاں جا کر بُت خانہ
کے لوگوں کا حق صحبت
بھول گیا ہوں ؟ ان
میں رو کر میں نے جو
نبیض پائے ، جن
سہرا نیوں سے غافل
اٹھایا اور جو کہہ سکیں ،

کہے میں جا رہا ہوں تو نہ دو طعنہ ، کیا کہیں
بھولا ہوں حق صحبت اہل کنشت کو
طاقت میں تا رہے نہ سے و آگس کی لگ
دور رخ میں ڈال دو کوئی سے کہرشت کو
ہوں منحرف نہ کیوں نہ درسم ثواب سے ؟
ٹیرھا لگا ہے قسط تقیم سہر نوشت کو
غالب کچھ اپنی سعی سے کہنا نہیں مجھے
خوش من جلے ، اگر نہ بلج کھانے کشت کو

اسے بھول سکتا ہی نہیں ، وہ بدستور میرے دل میں تازہ ہیں۔

مقصود یہ ہے کہ مقام کی تبدیلی سے غم نہیں آتا۔ انسان کے
نکرو خیال اور عقیدت و نیاز میں بھی تغیر آجائے انسان کہے میں جا کر بھی

بُھت پرست رو سکتا اور بُھت پرستوں سے محبت رکھ سکتا ہے۔ عقیدہ و ایمان کا تعلق دل سے ہے۔ مذکورہ کسی خاص مقام میں قیام سے۔

۲۔ لغات - طاعت : بندگی، عبادت، فرمانبرداری۔

سے و انگلیں : شراب اور شہدہ - اشارہ ہے بہشت میں شراب اور شہدہ کی سبزیوں کی طرف۔

شرح : خواجہ جاتی فرماتے ہیں :

”جب تک بہشت قائم ہے، لوگ عبادت اس امید پر کرتے

ہیں کہ وہاں شہدہ اور شراب بطور وغیرہ ملے گی۔ پس بہشت کو

دور رخ میں مھونک دینا چاہیے تاکہ یہ لالچ باقی نہ رہے

اور لوگ غافلانہ عبادت نہ کریں۔“

عام عقیدہ یہ ہے کہ خدا کی عبادت کرنے سے بہشت میں شراب اور

شہدہ کی سبزی ملے گی۔ میرزا کہتے ہیں کہ عام لوگ شراب اور بہشت کی

آرزو دل میں سے کر خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ سچی اور بے لوث عبادت

تو نہ ہوتی۔ جو سرِ عرض کی آلائش سے پاک ہو اور صرف خدا کے لیے ہو۔

مناسب یہ ہے کہ بہشت کو اٹھا کر دوزخ میں ڈال دیا جائے تاکہ لوگ صرف

خدا کے لیے عبادت کر سکیں۔ اور کوئی غرض ان کے سامنے نہ رہے۔

۳۔ لغات - مغفرت : چھوڑ دینا۔ برکشتہ

میرزا نوشت : تقدیر قسمت۔

شرح : میں بطور تقریری سے کیوں نہ چھوڑاؤں جن پر چلی کر

ثواب حاصل ہوتا ہے، میری حالت تو یہ ہے کہ جس قوم سے میری قسمت نکلی

گئی ہے اسے قطعاً ہی ٹیڑھا لگاؤ تھا۔ لہذا جو غریب کھسی گئی ہے وہ بھی ٹیڑھا ہے

اور میرے لیے سیدھے راستے پر چلتا اور ثواب حاصل کرنا طبعاً غیر ممکن ہو گیا ہے۔

۴۔ لغات - بلخ : مغربی

کرتا : قسمت ، نصیب ، ناکندہ ، حاصل

شرح : اے غائب ! میں اپنی کوشش و محنت اور جہود و جد سے کوئی ناکندہ حاصل نہیں کر سکتا ۔ اگر میں کبھی ہڈی کروں تو پہلے یقین ہے ہڈی ذل آ کر اسے مٹا چٹ کر جائے گا ۔ اگر اٹھ قیہ فصل ہڈیوں سے بچ گئی اور میں نے کھدیاں جمع کر لیا تو اسے پہلی ہڈی دے گا ۔

۱۔ لغات :

وارد شدہ : آئندہ

شرح : اے

محبوب ! ہم اس سے

آزاد ہیں کہ آپ ہم

سے محبت ہی کریں ۔

اگر محبت نہیں کرنا چاہتے

تو کچھ متبادل نہیں

دشمنی ہی کا طریقہ اختیار

کر لیں ۔ دونوں صورتوں

میں متفق قائم ہے گا ۔

ایک میں غمگوار اور

دوسری میں ناخوشگوار

لیکن دونوں ہی صورتیں

غائب پر عائد تر کمال

پہلے تعلق دونا ہو جائیگی

یہ کسی بھی حالت میں ممکن

وارد شدہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو

یکے چھوٹے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

چھوڑا نہ مجھ میں کشت نے رنگ اختلاف کا

ہے دل پہ بار ، نقش محبت ہی کیوں نہ ہو

ہے مجھ کو تجھ سے تذکرہ غیور کا گلہ

ہر چند پر سبیل شکایت ہی کیوں نہ ہو

پیدا ہوتی ہے کہتے ہیں ، ہر درد کی دوا

یوں ہو تو چارہ غم الفت ہی کیوں نہ ہو

ڈالنا نہ بیکسی نے کسی سے معاملہ

اپنے سے کھینچتا ہوں ، خیالت ہی کیوں نہ ہو

سب آدمی بجائے خود اک محشر خسیال

ہم انجمن سمجھتے ہیں ، غفلت ہی کیوں نہ ہو

ہنگامہ زبونی بہت ہے ، انفصال

نہیں میرا غور

کہتے ہیں :

حاصل نہ کیجئے دہر سے ہجرت ہی کیوں نہ ہو
دارشکلی بہانہ بیگانگی نہیں

اپنے سے کرنا نہ غیر سے دوستی ہی کیوں نہ ہو
نفع کیلئے نہ تعلق ہم سے

مٹا ہے فوٹ فرسٹ ہستی کا عزم کوئی
کچھ نہیں ہے تو عبادت ہی میں

۲۔ لغات

نہ عزیز نہ صرف عبادت ہی کیوں نہ ہو
اختلاط و میل جول

اس فقرہ نحو کے در سے اب اٹھتے نہیں اسد
تشریح : صنعت

اس میں ہمارے سر پر قیامت ہی کیوں نہ ہو
اسی پر مود گیا کہ سلی

جس تاب نہ رہی ۔ حالت یہ ہے کہ محبت کا نقش بھی دل کے لیے ایک ایسا
بول چر معلوم ہوتا ہے ، جو برداشت نہیں کیا جاسکتا ۔

اس شعر میں بھی صرف صنعت کی شدت واضح کرنا مقصود ہے ، یہ نہیں کہ
محبت ہی سے ہزار ہو گئے ۔ اسلوب بیان ایسا اختیار کیا کہ جو چیز ہیں سب

سے چار کر عزیز ہے بلکہ ہمارے لیے روح و دوا کی حیثیت رکھتی ہے جو
محبت ۔ وہ بھی ایسے صنعت میں بار محسوس ہو ۔

۳۔ لغات ۔ بر سبیل شکایت ، شکایت کے طور پر ، گلے کے

دھک میں ۔

تشریح : اسے محبوب ! مجھے تجھ سے یہ بلا ہے کہ خبر کا ذکر تجھ سے
کیوں کیا ، مانا کہ تیرا عقد اس کی شکایت کرنا تھا ۔ لیکن مجھے شکایت کے

دھک میں بھی اس کا ذکر کرنا نہیں ۔

۴۔ **شرح :** مشہور ہے کہ ہر فرد کے لیے دنیا میں دو امور ہیں اگر یہ قول درست ہے تو کون سی وجہ ہے کہ محنت کے حکم میں کوئی دوا کہیں نہیں ملتی۔ یعنی اس قول کو جو عام دوا چکا ہے، غلط ثابت کرنے کے لیے کم از کم یہ بدیہی مثالی تو ضرور موجود ہے۔

۵۔ **غناات - خجالت :** شرمندگی، پشیمان۔

شرح : میں عمر بھر تکیں رہا۔ کسی نے میرا ساتھ نہ دیا اور اس وجہ سے کسی کے ساتھ مجھے کوئی معاملہ پیش نہ آیا۔ اگر لوگوں سے تعلق ہوتا تو کوئی مجھ سے فائدہ اٹھاتا اور کسی کا حق پورا نہ کر سکنے کے باعث مجھے شرمندگی اور پشیمانی سے سابقہ پڑتا۔ جب کسی سے معاملہ ہی نہ پڑا تو شرمندگی بھی اپنے آپ ہی سے جوڑی ہے۔ اور کسی سے نہیں۔

شرمندگی اس لیے کہ میں اتنا ناقص ہوں، کسی کو میرے ساتھ معاملے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

۶۔ **شرح :** آدمی اپنے دل و دماغ میں گونا گویا خیالات کا ایک بحر لیے ہوئے ہے۔ کوئی وقت، کوئی صورت اور کوئی حالت ہو، ان خیالات سے الگ نہیں ہو سکتا۔ وہ مختلف منصوبے سوچتا ہے، نئی نئی ٹیکنیکی بناتا ہے اور ایک لمحے کے لیے بھی ان باتوں سے غافل نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ دنیا سے کٹ کر گوشہ تنہائی میں بھی بیٹھ جائے تو وہاں بھی اپنے خیالات سے منقطع نہیں کر سکتا۔ گویا گوشہ تنہائی میں بھی اس کے دل و دماغ کے اندر ایک متغیبل آئینہ آراستہ رہتی ہے، لہذا ہم اس کی غفلت کو غفلت نہیں، انہیں ہی سمجھتے ہیں۔

یہ دماغی نقطہ نگاہ سے شعر کا مفہوم یہ ہے کہ انسان دنیوی تعلقات سے الگ ہو جانے کے کتنے ہی دعوے کرے، اس کے لیے الگ ہونا ہے غیر ممکن، کیونکہ وہ دنیا و دماغ سے الگ ہو سکتا ہے، اس کے اندر دنیوی خیالات

کا جو مندر بیان ہے، اس سے الگ نہیں ہو سکتا۔

۷۔ لغات۔ نذوبنی بہتت : بہتت کی بہتت۔

انفعال : دوسرے کا اثر قبول کرنا۔

تشریح : دوسرے کا اثر قبول کرنا بہت بہتت کی دلیل ہے، لوگ زمانے

سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انھوں نے اپنی بصیرت سے

فائدہ اٹھایا، لیکن میں کتنا ہوں کہ زمانے سے عبرت بھی حاصل نہ کرنی چاہیے

کیونکہ یہ بھی دوسرے کا اثر قبول کر لیا ہے اور اثر قبول کرنا بہتت بہتت کا

باحت ہے۔ پھر کوئی سی وجہ ہے کہ انسان اپنے عزم و بہتت کے لیے وقت

رسوائی کا سامان فراہم کرے ؟

۸۔ لغات۔ وارستگی : آزادی

بیگانگی : بے تعلقی، اجنبیت

وحشت : دور بھاگنا۔

تشریح : آزادی کے دو یہ اردو ! آزادی کا مطلب یہ نہیں، کہ

اسے لوگوں سے بے تعلقی کا بیان نہ کیا جائے، بے تعلقی اپنی ذات سے پیدا

کرنی چاہیے، ذکر فیروں سے، وحشت و بیگانگی اپنی ہی ذات سے لازم

ہے، دوسروں سے نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ گرد و پیش سے الگ ہو کر سمجھتے ہیں کہ

ہم آزاد اور آزاد ہو رہے ہیں۔ آزادی یہ نہیں، جو تو اپنی ذات کی خاص

پاسداری اور دوسروں سے علیحدگی ہے۔ حقیقی آزادی یہ ہے کہ دوسروں

کے ساتھ ہم کران کی زیادہ سے زیادہ خدمت انجام دے جائیں، ان کے

دکھ بٹاتے جائیں اور ان کی ہر ممکن اعانت کی جائے۔ یہ اسی صورت میں

ممکن ہے کہ اپنی ذات کو مثالیہ جائے اور سب سے پیچھے رکھا جائے۔ یہی

حقیقی آزادی ہے۔

اقبال اس مقام میں کیا خوب کہ گیا ہے ،

خدا کے جسے تو میں ہزاروں بیوں میں بھرتے ہیں لے کرے

میں اس کا بندہ بنوں گا ، جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

۹۔ لغات - ثوبت فرصت : فرصت کا چھوٹا ، ضائع ہو جانے والا

تشریح : اگر انسان کی عمر عزیز کا ایک ایک لمحہ عبادت ہی میں صرف ہو ، جو بنائیت پاکیزہ مشغلہ ہے تو کیا اس حالت میں زندگی کی فرصت ضائع ہو جانے کا غم مٹے جائے گا ؟

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں زندگی بسر کرنے کی جو مسلت عطا کی ہے ۔ وہ اتنی بیش بہا ہے کہ انسان ایک ایک لمحہ خدا کی عبادت میں بھی گزار دے تو احساس ہی ہوتا ہے کہ اس فرصت سے پورا فائدہ نہ اٹھایا گیا ۔

ہاں لفظ عبادت ، حقیقی نہیں اور اسی معنی میں استعمال ہوا ہے ۔ حقیقی عبادت کا دائرہ نہایت وسیع اور بے نوز انسان کے لیے محدود و محدود رہتا ہے ۔ غالباً سیرۂ غائب ہی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ دواہی عبادت میں زندگی صرف کر لینے کے باوجود اس کا حق ادا نہیں ہوتا ۔ مطلوب یہ ہے کہ اسے واقعی ان کاموں میں صرف کیا جائے ، جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دے دیے ہیں اور انہیں کاموں کی بجا آدمی کو حقیقی عبادت قرار دیا ہے اگر ایسا نہ ہو تو کچھ سیر ہے کہ زندگی کی حادہی مسلت ضائع ہوئی اور اس کا غم باقی رہ گیا ۔

ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب تک انسان دل میں جمہور رکھتا ہے اس نے ارادۂ کسی ٹپک کام میں کوتاہی نہیں کی ، لیکن کیا کیا جا سکتا ہے کہ تمام کام ٹپک ٹپک اسی طرح پورے ہوتے ، جس طرح جو سنے چاہیں تھے ۔ لہذا یہ بھی فرصت ہستی کے منافع ہونے کا سبب بنا ۔

۱۰۔ **مشرع :** ہمارے محبوب کی قدرت ہی قدرت الگیزی ہے۔ اسے
 اتنا دبا دیا کہ اس کے دروازے پر آ بیٹھے ہیں اور پختہ ارادہ کر چکے ہیں۔ کہ
 یہاں سے نہیں اٹھیں گے۔ اگرچہ ہمارے سر پر قیامت ہی ٹوٹ پڑے جو
 مردوں کو قبروں سے اٹھا کر یا سرگھر آ کر دے گی۔
 "قیامت ہی کہوں نہ ہو" میں اشارہ قیامت کی طرف بھی ہو سکتا
 ہے اور یہ مطلب بھی نکال سکتا ہے کہ ہم پر ایسی مصیبتیں نازل کر دی جائیں
 جو قیامت سے مشابہ ہوں۔

ارتقاءات : قفس میں ہوں، اگر اچھا بھی نہ رہا نہیں میرے شیون کو
 شیون : ہرا زونا بڑا کیا ہے فوا سنجان گلشن کو
 تار، نعلوں : نہیں گر محمدی آساں، نہ ہو یہ رشک کیا کم ہے
 فوا سنجان : ندی ہوتی خدا یا آرزوئے دوست، دشمن کو
 گلشن : باغ میں گانے نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو، اس جراحیت پر
 باغ میں گانے : کیا سینے میں جس نے خو نچکاں، مژگان سوزن کو
 واسطے پرندے : خدا شرمائے لائقوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش میں
مشرع : کبھی میرے گریباں کو، کبھی جاتاں کے دامن کو
 میں چڑھے : ابھی ہم تنگد کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں
 میں قید ہوں : نہیں دیکھا شناور جوئے خوں میں تیرے توسن کو
 اور فریاد : باغ کے

آزاد و خوش دانا
 پند میں کو میری
 ز یاد و نمان بھی
 معلوم نہیں ہوتا
 لیکن میرے
 ہونے میں کیا
 بُرائی ہے ؟
 میرا وجود انہیں
 کیوں ناگوار
 معلوم ہوتا ہے
 مالاںکہ میری
 وجہ سے ان کی
 آزادی اور
 خوش فزائی کو
 کوئی نقصان
 نہیں پہنچتا
 لیکن ہے
 میرزا غالب نے
 اشکِ مرث
 عام کیفیت
 پیش نظر رکھتے
 ہوئے یہ شعر کہ دیا ہوا اور ان کے سامنے کوئی خاص واقعہ نہ ہو، لیکن جذبی
 ہند سے ملک کی قومی نہ گئی کئی ایسے واقعات آئے، جن پر یہ شعر شاید ٹھیک

ہوا چسپا جو میرے پانوں کی زنجیر بننے کا
 کیا ہے تاب کاں میں، جنبش جو ہرنے آہن کو
 خوشی کیا، کھیت پر میرے، اگر سو بار ابر آوے
 سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈے ہے ابھی سے برقِ خرمن کو
 وفاداری، بشرطِ استواری، اصل ایساں ہے
 مرے بُتِ فانی میں تو کبے میں گاؤں برہمن کو
 شہادت تھی میری قسمت میں، چوری تھی یہ نحو مجھ کو
 جہاں تلوار کو دیکھا، جھجکا دینا تھا گردن کو
 نہ لُٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا
 رہا کھٹکانہ چوری کا، دُعا دیتا ہوں رہزن کو
 سفن کیا کہ نہیں سکتے کہ جو یا ہوں جو اہر کے
 جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھودیں جا کے معدن کو
 مرے شاو سیماں جاہ سے نسبت نہیں، غائب
 فریون و جہم و کینسر و دار اس دہمن کو

منطیق ہوتا تھا۔ مثلاً ابتدا میں جی لوگوں نے بہت وجہات سے کام لے کر آزادی کے لیے سبھی وجہ شریعت کی اور وہ آلام و مصائب میں مبتلا ہونے تو ایک دو نہیں، ہزاروں افراد اپنے دل معقولات کی بنا پر یا حکمران قوم کو خوش کرنے کے لیے ان مجاہدین کی ذمت کرتے رہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک آزادی کا مہذب ناسم نہ ہو گیا۔ ایسے مجاہد اہل وطن کو یہی شعر سنا کر حقیقت حال واضح کر سکتے ہیں کہ قید ہم ہوتے، مصیبتیں ہم پر آتی، آزادی کی صدا ہم نے بلند کی۔ اس سے اہل وطن کے مشغلوں پر تو کوئی اثر نہ پڑا، پھر انھیں ہمارا وجود کیوں ناپسندیدہ معلوم ہوتا ہے؟

شاعر کے ٹکڑو نظر کی غیر معمولی صلاحیت کا ایک منظر بھی یہ کہ وہ شعر میں ایسی صورت حال پیش کر دے جو اگرچہ اس کے زمانے میں موجود نہ ہو، لیکن آگے چل کر ٹھیک ٹھیک اسی طرح پیش آنے والی ہو۔ اسے بھی شاعر کے کلام کی آفاقیت کا ثبوت سمجھنا چاہیے۔

۲۔ **مشرع** : اگرچہ رقیب کے لیے عشق و محبت اور وفا و خدا کا راز میں عجیب ہونا آسان نہ ہو، مگر یہ رنگ کم نہیں کہ اس کے دل میں بھی میرے محبوب کی آرزو ہے۔ اسے خدا کا شکر یہ آرزو اسے نصیب نہ ہو تو ! یعنی محبوب کے لیے کسی دوسرے کے دل میں خواہش کا پیدا ہونا بھی گوارا نہیں۔ اس سے میں رنگ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔

لکھتے قاتل (خارسی) میں ایک شعر ہے، جس میں اس سے لٹا ہوا حضرت یوں پیش کیا ہے۔

یاد از عدد نیادم دیں ہم زور و ہمت

کاہدہ دلم گواشتن ! یار ہم فیضیست

سم۔ لغات۔ جواحت : زخم، گھاؤ۔

مشرع : جن زخموں نے پیٹے کے اندر شہائی کی آنکھوں سے خون

ٹپکا دیا، اسے محبوب! اُن زخموں پر تیری آنکھ سے ایک بھی آنسو نہ
 بعض اصحاب نے اس لیے سوزن سے سوزن غم مراد لی کہ سینہ غم
 کا مقام ہے، لیکن یہ خیال نہ مزا یا کہ سوزن غم سے زخم سے نہیں جاتے۔
 اور جہاں میں آج کل کی طرح پہلے بھی اندرونی زخم برابر سے جاتے تھے
 اور سونوئی کی آنکھوں سے خون کے قطرے ٹپکتے تھے۔ سینہ یہ معنی صدر
 کی جگہ سینا یہ معنی دو عین سمیٹا بھی میرے نزدیک قرین صواب نہیں، شعر کا
 معنوں یقیناً زیادہ گہرا نہیں، لیکن شاعر محبوب کی بے پردائی اور بیدردی
 کی تصویر پیش کر رہا ہے اور اس نقطہ نگاہ سے شعر نہایت اچھا ہے۔

۴۔ م - مشرح : خدا کرے کہ میرے ہاتھوں کو لکھم آئے۔ ان کے
 وہی کام رہ گئے ہیں یا تو میرے گریبان کو کھینچا جانی میں رکھتے ہیں یا محبوب
 کے دامن کو کھینچتے ہیں۔ کاش یہ اپنے اس فعل سے باز آئیں۔

عاشق کے لیے زندگی کی وہی صورتیں ہیں یا محبوب سے دھمال یا ہجر
 و فراق۔ محبوب سے قرب ہو تو عاشق کے ہاتھ اس کا دامن کھینچ کر شروع
 کر دیتے ہیں یہ حرکت بھی نا زیبا ہے۔ اگر محبوب سے مفارقت ہو تو ہمتیابی
 اور بغیراوی میں عاشق کے ہاتھ گریبان تار تار کر دینے کے پے ہو جاتے ہیں،
 میرزا نے ہاتھوں کے لیے جدو جہد کر لی، لیکن ہجر و دھمال کا جو نقطہ پیش
 کر دیا وہ بالکل بے مثال ہے۔

۵۔ لغات - شناور : تیرے دانا۔

توسن : گھوڑا۔

مشرح : عشق کی قتل گاہ کوئی معمولی چیز نہیں۔ جب یہ رونق
 پر آتی ہے تو خون کا دریا بہ نکلتا ہے جس میں قاتل کا گھوڑا تیرتا پھرتا ہے۔
 اس شعر کی آفاقیت قابلِ غور ہے۔ قومی زندگی میں ایسے ہزاروں
 منظر پیش آتے اور میسج پیش آتے رہیں گے۔ لوگوں نے سمجھا کہ آزادی حاصل

کر لینا آسان ہے۔ جب قریبوں کا موقع آیا، ترلوں اور پشتوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ واقعی خون کے دریا بہ گئے، پھر آدھوں کی منزل میں قدم بٹھائے گئے، شعر میں یہ منظر نہایت خوش اسلوبی سے پیش کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ دو چار دس بیس قریبوں سے یہاں کام نہیں چل سکتا۔ اس منزل کو آسان نہ سمجھو۔ یہاں واقعی بے دریغ قربانیاں کرنی پڑیں گی۔

۶۔ مشرح : میں دودھ وحشی اور بھڑوں ہوں کہ جب میرے پاؤں کی زنجیریں کا چرچا ہوا تو جو میرا اس طرح حرکت میں آگئے کہ فولا دکان کے اندر، عجب وہ بے قرار ہو گیا۔ یعنی فولا دھن ایسے وحشی کی زنجیریں جانے کا انتہائی خواہش تھا۔

شعر میں گرفتاری اور قید و بند کے ذوق کا جو مزہ پیش کیا گیا ہے، دودھ واقعی اعلیٰ مقام صدمہ کے لیے جو دھندلے کرنے والوں کے تعلق میں قابض تسلیم ہے۔

۷۔ مشرح : اگر میرے کھیت پر بادل سوار بھی آئے تو اس کا صرف یہ پہلو نہیں کہ کھیت پر بارش ہوگی اور اس سے فصل کھ جائے میں مدد ملے گی۔ ایک پہلو یہ بھی تو ہے کہ ابر کی آمد مصیبت کا سامان بھی بن سکتی ہے، یعنی ابر کے پردے میں بھلی آئی اور تلاش کر دی ہے کہ کب موقع پائے اور کھیت کا حاصل ملے کہ رکھ کر دے۔

میرزا نے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ دنیا کی ہر چیز میں دو پہلو موجود ہیں، ایک منفعت کا ہے، دوسرا نقصان کا۔ انسان کو صرف ایک ہی پہلو پر نظر رکھنا چاہیے۔ لوگ ایسے اشعار کی بنا پر میرزا کو قنوطیت کا شاعر قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہاں رجائیت و قنوطیت کا کوئی سوال نہیں۔ بصیرت کا تقاضا یہی ہے کہ دونوں پہلو پیش نظر رکھتے جائیں۔ گویا یہ دوبار قنوطیت نہیں، بلکہ دعوت بصیرت ہے۔

۸۔ **مشریح :** ایمان کی اصل اس کے سوا کچھ نہیں کو فنا داری کے مسئلہ پر انسان پر ایمہ قائم و استوار ہے۔ یہاں تک کہ مر جائے۔ اگر نہ ہن اسی اصل ایمان کو پیش نظر رکھ کر بتائے ہیں مر جائے تو وہ اس قابل ہے کہ دفن کے لیے اسے کہیں میں جگہ ملے۔

ظاہر ہے کہ نہ ہر میں کو دفن کیا جاتا ہے اور نہ کہیں مکرّمہ قبرستان ہے کہ وہاں لوگ دفن ہوں۔ مقصود صرف یہ ہے کہ ایمان کی اصل اپنے عقیدے پر پوری و فنا داری سے قائم و استوار رہتا کی اہمیت و عظمت نمایاں کی جائے۔ جس فرد میں ایمان کی یہ اصل موجود ہو اس کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو وہ اس قابل ہے کہ اسے دنیا کے مقدس ترین مقام میں جگہ ملے۔

بعض اصحاب نے لکھا ہے کہ عرقی پیشتر ایک شعر کہ چکا ہے۔ جس کا مضمون قریب قریب یہی ہے، یعنی :

ہر گیش پر ہمنان آں کس از شہیدان است
کہ در عبادت ثبت ہوئے ہر ذریعہ میر

ہر ہمنوں کے عقیدے کے مطابق شہید وہ ہے جو نبوت کے سامنے سجدے میں گرے ہوئے ہوں دے دے دے۔

ظاہر ہے کہ اس شعر کو بہ اعتبار مضمون غالب کے شعر سے کوئی نسبت نہیں۔ عرقی صرف یہ بتاتا ہے کہ ہر ہمنوں کے عقیدے کے مطابق شہید کون ہے ؟ غالب ایمان کی اصل و اساس واضح کرتے ہیں اور اس پر پورے مضمون کی بنیاد رکھتے ہیں۔

۹۔ **مشریح :** میری قسمت میں شہادت کبھی تھی۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے میری عظمت ہی میں یہ چیز نازل دی کہ جہاں تلوار کبھی ہوئی دیکھتا تھا وہیں گردن جھکا دیتا تھا۔

ہیں لوگوں کے عذر و عہد بند ہوں، ان کی غفلت ہی ایسی ہوتی ہے کہ وہ غفلت سے ڈرتے نہیں، بلکہ ان کا غیر مقدم کرتے ہیں۔ یہی حقیقت اس شعر میں واضح کی گئی ہے۔

۱۰۔ **شرح :** اگر میں دن کے وقت و ہزن کے باطنوں نہ لٹ جاتا اور جو کچھ میرے پاس تھا دو چھین نہ لیا جاتا تو رات کے وقت میرے لیے ہوں سوجانے کی کوئی صورت تھی کہ سہو ٹیڈ ہی نہ رہی۔ بے خبری کی یہ فہم اس لیے آئی کہ چوری کا کوئی دھندلہ ہال نہ رہا اور رہزن کو دھاریا پڑا سو گیا کہ وہ دن کے وقت سب کچھ چھین لے گیا۔

اس شعر سے مٹا جاتا ایک شعر نظیری مٹا پڑی کا بھی ہے۔

یہ عربانی اذان شام کو از قشور میں آگے اوم

گر یہاں سے شام آگے از دست میں گیرد

یعنی میں پر ہنگی پر اس لیے خوش ہوں کہ قشور میں سے غار غ پر گیا میرے پاس کپڑا ہی نہیں، جو کوئی چھین کرے چلے۔

دروازوں کا مرکز کی معنوں ایک ہے۔ یعنی دنیا کا ساؤ سامان اور موقوف انسان کے لیے قشور میں داخلہ کا سرچشمہ ہیں۔ ان سے آواز دہنا یا حبیب اطمینان ہے، لیکن دروازوں کے بیان میں زمین آسمان کا فرق ہے، نظیر ہی کے محفل ایک دھوئی کر دیا اسرنا ہے پورے معنوں کو عام و قومی صورت دی اور کہا کہ رہزن دن کو سب کچھ لوٹ لے جاتا تو رات کو بے خبر ہو نا نصیب نہ ہوتا، کیونکہ چوری کا اندیشہ باقی رہتا،

پھر مرزا کی دقیقہ بینی کا ملاحظہ فرمائیے :

۱۱۔ دو شخص پیدا کیے، جو سامان لے جا کھتے تھے، ایک رہزن، جو دن بھر

نہر و وقت سے سب کچھ لوٹتا ہے، دوسرا چور، جو رات کو چھپ چھپا کر چربی اٹھاتا ہے۔

۷۔ رہزن اور چور دونوں موجب تقویٰ ہیں۔ مگر رہزن دن کو لوٹتا ہے اس لیے غیہ میں خلل انداز نہیں ہو سکتا۔ چور رات کو چوری کرتا ہے اور اس کے متعلق کھٹکادات کی غیہ حرام کر دیتا ہے۔

۸۔ انسان کو اطمینان و فراخ کی ضرورت سب سے بڑھ کر رات ہی کے وقت پیش آتی ہے کیونکہ یہی سونے کا وقت ہے۔ رہزن نے دن کو دست نقاب طار کیا اور رات کے لیے اطمینان بہم پہنچا دیا، لہذا امرزاکے نزدیک وہ دعا کا مستحق ٹھہرا۔

۹۔ پھر مرزا نے یہ پورا واقعہ ایسے انداز میں پیش کیا، گویا یہ جو میکا ہے یہ نہیں کہہ سکتے والا ہے۔

۱۱۔ **مشریح :** اس شعر میں کلام کو جو امرات سے اور سخن کوئی کوکان کنی سے افضل و برتر قرار دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ کیا ہم شعر نہیں کہہ سکتے کہ جو امرات فخر و شہتہ پھریں، کیا بھارت سے پاس ملکر نہیں ہیں کی کاوش سے اصلی درجے کے اشعار نکال سکتے ہیں کہ کاشیں کمورتے پھریں؟

۱۲۔ **مشریح :** ابوالفضل کاشانی نے ایران میں بڑے بڑے بادشاہ و گزشتے ہیں اشفاق مریدیوں، جمشید، کچھنرو، دارا گشتاسپ اور بھی، مگر ان سب کو میرے بادشاہ سے، جو حضرت علیؑ کا سارہنہ رکھتا ہے، کیا نسبت ہے؟

۱۔ لغات و پانوں و صحر کرینا
انسانی تعلیم
انسانی ذرا تروا
اور انسانی تہمت
کا ایک فصل ہے

دھوتا ہوں جب میں پھینے کو، اس سیم تن کے پانوں
رکھتا ہے، مند سے، کھینچ کے باہر لگن کے پانوں
وہی ساوگی سے جان۔ پڑوں کو کہ کن کے پانوں
بیہات! کیوں نہ ٹوٹ گئے، پیر زن کے پانوں

بھاگے تھے ہم بہت، سو اسی کی مزا ہے یہ
 ہو کر اسیر دیتے ہیں، راہزن کے پانوں
 مریم کی جستجو میں، پھرا ہوں جو دور دور
 تن سے سوا فگار ہیں، اس خستہ تن کے پانوں
 اندر سے ذوق وشت نوروں کی بعد مرگ
 شیتے میں خود بخود مرے اندر کفن کے پانوں
 ہے جوش گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف
 اڑتے ہوئے ابلتے ہیں، مرغ چمن کے پانوں
 شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں
 دیکھتے ہیں آج اُس بُت نازک بدن کے پانوں
 غائب! مرے کلام میں کیوں کر مزا نہ ہو؟
 پیا ہوں دھوکے خسرو شیریں سخن کے پانوں
 اس سے محبت کا یہ انتہائی اظہار کروں۔

۲۔ لغات : یہاں : تنگی سنی - محبت بید ہے - اور میں یہ
 کون سا ہے اور اس کے ایک ٹکڑے یعنی - بات - کو پاؤں سے محبت ہے۔
 پاؤں پر نہ : قدم چس، عزت اور تحکم کرنا۔
 پیرزن : مشورے کو قرعہ سے کیا گیا تھا، پہاڑ میں کر شریہ کے بارے

چنانچہ چند ہفتوں
 کے پاؤں دھوکے
 پیتے تھے۔ رہا ہوا
 میں بھی یہ دستور

رہا۔
 شرح :

میں اس میں وہ
 جیل کے پاؤں
 اس لیے دھوکا
 ہوں کہ دھوکہ
 پاؤں تو وہ
 منہ سے اپنے
 پاؤں کہیں کر گئے
 سے باہر وہ
 لیتا ہے۔ یعنی
 مجھے یہ سادات
 بھی حاصل نہیں
 کہ سفاک بنا کر

کے لیے ہنسنے آئے تو اسے شیریں دل بنانے لگی۔ مزاد سننے پر شرط پوری کر دی۔ اب خسرو کو متواضع ہوئی۔ آخر ایک بڑھیا کو یا ایک درایت کے مطابق ایک معاصیہ کو بڑھیا کا بھیس بدلوا کر مزاد کے پاس بھیجا گیا۔ وہ روتی پھاتی گئی۔ مزاد نے سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ میں شیریں کی دایہ ہوں میں نے ہی اسے پالا تھا۔ وہ کچھ مر گئی۔ مزاد نے یہ سنتے ہی قیثہ سر پر بار ادا کر گیا۔

تشریح : مزاد نے بھوپن سے جان و سہ وی، میرے دل میں اس کی اس سادگی کی انتہائی عزت ہے، سچی جانتا ہے کہ اس کے پاؤں چوم لوں انوس، صد انوس، اس بڑھیا کے پاؤں کیوں نہ ٹوٹ گئے جس نے شیریں کی موت کی جھوٹی خبر مزاد تک پہنچائی اور اسے یوں موت کے گھاٹ اتار دیا۔

مزاد کی سادگی یہ کہ محبوب کی خبر موت سنتے ہی چھان بین بھی نہ کی اور اسے درست مان کر جان و سہ دی۔

۳۴۔ **تشریح :** انسان سے جیسا جرم سرزد ہو، ویسی ہی اسے سزا ملتی ہے۔ اس کا نہایت اچھا نمونہ ہے اور اس سے اگلا شعر ہے۔ کہتے ہیں کہ راجن کا حملہ چڑا اور ہم نے اس کی گرفت سے بچ نکلنے کے لیے بھاگنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی، لیکن پکڑے گئے اور جہاد سے لیے یہ سزا تجویز ہوئی کہ راجن کے پاؤں دبا دیں۔ گویا گرفتاری اور اسیری سے بچنے کے لیے راجن کو جہاد دینا پڑا، اتنی ہی سزا مل رہی ہے اور سزا میں مشقت ہے کہ راجن کے پاؤں دبا دیں۔

۳۵۔ **تشریح :** میرا بدن دشمنوں سے چھو رہا تھا، ان دشمنوں کے لیے مریم کی تلاش میں جس دور دور پھرنا پڑا، اب حالت یہ ہے کہ پاؤں جہنم سے زیادہ دھنکی ہیں، دور دور پھرنے کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ پاؤں کو زیادہ سے زیادہ تکلیف پہنچے۔ شکر کی عموئی صورت ایسی ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ مریم کی تلاش میں دور دور پھرنے کا تو کچھ فائدہ نہ ہوا، یعنی بدن جیسا کہ

لغات و مباحث میں رہا۔ مزید مصیبت یہ پیش آئی کہ پاؤں تن سے بھی بڑھ کر نہ تھی جو گئے۔

یہ صورت حال میں زندگی میں پیش آتی رہتی ہے۔ مثلاً انگلیوں کو دور کرنے کے لیے تگ دو شروع کر دی، لیکن سورت میری اس کی خالی کے باعث پہلی انگلیوں دور کرنے کے لیے تگ دو شروع کر دی۔ لیکن سورت میری اس کی خالی کے باعث پہلی انگلیوں دور کرنے کے لیے تگ دو شروع کر دی۔ لیکن سورت میری اس کی خالی کے باعث پہلی انگلیوں دور کرنے کے لیے تگ دو شروع کر دی۔

۵۔ **شرح :** صحراؤں میں پھرنے کا ذوق اس طرح فطرت میں رچ گیا تھا کہ مرنے کے بعد غسل بھی دے دیا گیا، کفن بھی پتا دیا گیا، لیکن پاؤں بدستور بل رہے ہیں۔ یہ اسی فطری ذوق کا کرشمہ ہے۔

۶۔ **شرح :** بہار کے موسم میں ہر طرف پھولوں کے جوش کا یہ عالم ہے کہ پرندے آج میں اڑتے ہیں تو ان کے پاؤں جابجا اچھلتے ہیں۔ اس کے درمیان ہونکتے ہیں، اول یہ کہ پھولوں کا جوش غور حال کی طرح پورے باغ پر بچا گیا ہے اور اس میں پرندوں کے پاؤں الجھ رہے ہیں۔ دوم یہ کہ پھولوں کے جوش نے باغ میں ہر طرف عجیب کیفیت پیدا کر رکھی ہے، پرندہ اڑتا ہے، لیکن پھولوں کی کیفیت دیکھتے ہی پر مٹ کر نیچے آتا ہے، گو یادہ جابجا نہیں چاہتا۔

۷۔ **شرح :** پرانے اذان کا ایک عیانی شعر ہے، محبوب کی نازکیت کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں، آج اس نازک بدن کے پاؤں تو کھڑے ہیں، کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ رات کو کسی کے خواب میں آیا ہو۔ اس نازکیت کا کہنا کہ محبوب خواب میں بھی چل کر جاسے تو اس کے پاؤں ڈکھنے گئے ہیں۔

۸۔ **شرح :** اسے نائب امیر اکرام کیوں پر صفت اعد مزیداد
ہو : میں تو شیریں سخن خسرو کے پاؤں دھو کر پتا ہوں۔

آخری مصرع میں خسرو سے مراد بادشاہ بھی ہو سکتا ہے اور امیر خسرو بھی، دونوں شاعر تھے، اگرچہ شعر کے مروج میں بڑا فرق تھا۔

یہ غزل مرثیہ کے دیوان میں چھپی تھی۔ گویا یہ قلم کے ساتھ ملازمت کے تعلق سے پیشتر کی ہے۔ لہذا قرینہ یہی ہے کہ میرزا کے پیش نظر امیر خسرو ہوں۔ لیکن عموماً یہی سمجھا گیا ہے کہ اشارہ ابو ظفر بہادر شاہ کی طرف ہے۔
غسروہ شیریں اور مرزا کی مناسبت واضح ہے۔

۱۔ لغات۔

دواں اس کو بولِ دل ہے تو یاں میں ہوں شرمسار
بولِ دل : بول
یعنی : یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو
اپنے کو دیکھتا نہیں، ذوقِ ستم تو دیکھ
آئینہ تاکہ دیدہ نہ بچھیرے نہ ہو
شرم دار ہوتا ہے۔

شرح : محبوب کو بولِ دل کی بیماری ہو گئی ہے اور میں بیاں
مادم و شرمسار بیٹھا ہوں کہ یہ کہیں میری آہ و فغان ہی کا اثر نہ ہو۔
کہیں تو یہ عالم ہوتا ہے کہ جس آہ و فغان سے سورج میں شکات بڑ
جاسے۔ وہ محبوب کے دل پر نفسِ برابر اثر نہیں رکھتی اور کبھی خوش فہمی کا یہ
عالم ہوتا ہے کہ محبوب کو بولِ دل کی بیماری ہوئی اور عاشق نے سمجھ لیا
کہ یہ میری آہ کا اثر ہے اور آہ کے گرنے پر شرمندہ ہیں۔

۲۔ لغات۔ تاکہ : جب تک۔

پہنچیر : شکار۔

شرح : محبوب کا ذوقِ ستم غلط مزاج ہے کہ جب تک کسی ہاتھ کو
شکار کر کے نہ لے اور اس کی آنکھوں کو آئینہ بنا کر سامنے نہ رکھے۔

ذیباتش و آراء کثرت اور بے سوز نے ہی کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

شکارِ بادِ اجاسے تو اس کی آنکھیں یا تو بالکل کھل جاتی ہیں یا نیم وارہ جاتی ہیں اور صاف و شفاف آئینے کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ محبوب ایسا ظالم ہے کہ ان آنکھوں کو آئینہ بناتا ہے، پھر لگھئی چوٹی کرتا ہے۔

۱۔ لغات :

پچے ہم : ہم
لگا کر : مسلسل۔

صدرہ : سوسو

طرح : سوسو یا

آہنگ : آواز

زمین بوس : زمین

چوسا۔

شرح : محبوب

کے کوپے : پیچ کر

مجھے لگا کر غش پر

غش آتے ہیں، گویا

ہیں اپنے قدموں کی

زمین چوسنے کے لیے

سوسو طرح آواز دے

کرتا ہوں۔

قدموں نے محبوب

کے کوپے میں پہنچا

وال پیچ کر جو غش آتا ہے ہم ہے ہم کو

صدرہ آہنگ زمین بوس قدم ہے ہم کو

دل کو میں اور مجھے دل، مجھ و نا رکھتا ہے

کس قدر ذوق گرفتار ہی ہم ہے ہم کو

ضعف سے نقشب پے مور ہے طوق گردن

تیرے کوپے سے کہاں طاقت دم ہے ہم کو

جان کر کیجے تعافل کہ کچھ افسید بھی ہو

یہ نگاہ غلط انداز تو سہم ہے ہم کو

رنگاب ہم طرحی و در و اثر بانگب حزیں

نالہ مرغ سحر تیغ دو دم ہے ہم کو

سرازا نے کے جو وعدے کو مکر چاہا

ہنس کے بوسے کہ ترے سر کی قسم ہے ہم کو

وہاں پہنچ کر غش آئے
گئے۔ عاشق نے
سمجھا کہ یہ غش نہیں
بلکہ میں قدموں کے
احسان سے اتنا ڈرا
ہوں کہ جی چاہتا ہے
سو سو طرح ان کی
زمین چروں۔ کیونکہ
انہیں کی بدست میں
ہیاں پٹیاں جیسے
میرے شوق اور
میری آرزو کی منزل
سمجھنا چاہیئے۔

۲۔ لغات۔ ہم : ایک دوسرا جیسے باہم دگر۔
شرح : اگر چہ دنا کے واجبات اور کئے میں بڑی مصیبتیں اور بڑی
پریشانیاں اٹھانی پڑتی ہیں، پھر بھی میں دل پر زور دیتا رہتا ہوں کہ دنا کا
دوست نہ چھوڑنا چاہیے اور دل مجھے سمجھاتا رہتا ہے کہ آداب و نفا سے
گنگ نہ جونا۔ اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ مجھے اور میرے دل کو باہم دگر
مشق میں اچھانے رکھنے کا کتنا شوق ہے !

۳۔ لغات۔ نقش : پچھے مورد : چیر نئی کے پاؤں کا نقش۔
رم : بھاگ، چلا جانا۔

شرح : ہماری کمزوری کا یہ عالم ہے کہ چیر نئی کے پاؤں کا نقش
میری گردن میں ملوث کی حیثیت رکھتا ہے جس کے بعد اور ہر آدمی جس حال

ہے۔ اسے محبوب ! سوچ کہ اس حالت میں ہمارے لیے تیرے کوچے سے جھانکنے یا چلے جانے کی کون سی صورت ہے !

اس شعر میں صنعت کی شدت پر اس لیے زور دیا گیا کہ اگر چلے جانے کی طاقت ہوتی تو اس کا امکان خیال میں آسکتا تھا۔ جب طاقت ہی نہیں رہی تو امکان میں خارج از بحث ہے۔ ہم جانتے ہی نہیں۔

ہم - لغات - نگارہ غلط انداز : وہ نظر جو غلطی سے اٹھنے سے لیے اتفاقی سے بڑا ارادہ کسی پر پڑ جائے۔

منہم : نمبر۔

مشرک : شناسائی اور جان پہچان کا ساقط قل کیجے تاکہ دل کے لیے امید کی کوئی روشنی باقی رہے۔ یہ آپ انجانوں کے سے انداز میں بنے اتفاقی سے بڑا ارادہ جو نظر ڈال رہے ہیں، یہ تو ہمارے لیے ذمہ ہے، جو ہمیں موت کا پیغام دیتی ہے۔

میرزا نے اس شعر میں قنائل کی دو صورتیں پیدا کی ہیں، ایک وہ جو ہمارے پہچانے آدمیوں سے بڑا جاتا ہے۔ دوسرا وہ جو انجانے آدمیوں سے کیا جاتا ہے۔ میرزا قنائل پر راضی ہیں، لیکن ایسا قنائل جو ہمارے پہچانے آدمیوں سے رو اڑکھا جاتا ہے، کیونکہ اس میں عاشق کے لیے یہ مفید باقی رہتی ہے کہ کسی وقت قنائل منہم ہو جائے گا اور محبوب کے لغات سے ہی بھر کر غلطوچہ کرنے کا موقع ملے گا، لیکن جو قنائل انجانے آدمیوں سے کیا جاتا ہے، اس میں امید کی کون سی صورت ہو سکتی ہے وہ تو ہر انجان آدمی کے لیے بڑا جاتا ہے، وہ تو یقیناً عاشق کے لیے ذمہ کا حکم رکھتا ہے۔

۵۔ لغات - ہم طرحی - ہم مشرقی، ایک رنگی، ایک میا ہونا۔

پانگب حزمی : درد بھری صدا - غم انگیز آواز

تشیع دو دھم : دو دھاری توار۔

شرح : صبح کو پندرہ جو مزید و فغان کرتا ہے اور میرے سے
دو دھاری تھوڑے ہے۔ اس کی ایک دھاری تو یہ ہے کہ اس مزید و فغان میں میرا
انداز ہے اور دوسری سوز ہے، جو میری مزید و فغان میں پائے جاتا ہے یہ شک
دار کے ذات ہے دوسری دھاری ہے کہ اس کی حد انہایت عم الگیز ہوتی ہے
اور وہ جہاں جہاں پہنچتی ہے اور وہ کی آگ بھڑکا دیتی ہے۔

۴۔ **شرح :** خواہد حال فرماتے ہیں :

”ترے سر کی قسم ہے ہم کو“ اس جملے کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ
کہ تیرے سر کی قسم ہے، ہم ضرور اڑا دیں گے اور دوسرے یہ
کہ ہم کو تیرے سر کی قسم ہے، یعنی کبھی ہم تیرا سر اڑا دیں گے
جیسے کہتے ہیں کہ آپ کو تو ہمارے ہاں کھانے کی قسم ہے، یعنی
کبھی ہمارے ہاں کھانا نہیں کھاتے۔“

ہم نے جو یہ قسم سے سر اڑانے کا وعدہ دوبارہ لیتا ہاں۔ اس نے کرایا کہ
کو تیرے سر کی قسم ہے، اگر یا عاشق کو غلطے میں ڈال دیا دیکھ کہ سر کی قسم کا یہ
مطلب بھی ہو سکتا ہے، تیرا سر ضرور اڑا دیں گے اور یہ مطلب بھی ہو سکتا
ہے کہ ہرگز نہ اڑا دیں گے۔ اور مطلب یہ ہے کہ ”تیرے سر کی قسم ہے ہم کو“
کہا تو نہیں کر سکا۔

۵۔ **فغانات۔** ابھم : بہت فریاد ایسے۔

شرح : ہمارے لیے دل کو خون کھینے کی کوئی وجہ نہ تھی، لیکن کیا
کرتے، موجود ہو گئے۔ انکھیں بالکل بے رونق ہو رہی تھیں، دل خون ہو کر ان
میں نہ پہنچتا تو بے رونق دور نہ ہو سکتی اور آنکھوں کی بے رونق کا ہمیں بھید
پاس دیکھنا تھا۔ لہذا دل کو لہو میں تبدیل کر دیا تاکہ دوبارہ آنکھوں میں پہنچے
اور ان میں خونیں آنسوؤں سے تازگی و شادابی پیدا ہو۔

۸۔ **شرح :** تمہاری نزاکت کا یہ حال ہے کہ میں سے فریاد و فغان چھوڑ

کہ خاموشی اختیار کر لی۔ اور نزاکت کے باعث تم اس خاموشی کو بھی مزید و فتائل قرار دے رہے ہو۔ میری عاجزی اور ناتوانی کی یہ کیفیت ہے کہ تم نے ستم سے ہتھ کھینچ کر فتائل اختیار کر دیا تو میں اسے بھی اپنے لیے ستم سمجھ رہا ہوں۔ میرزا کا مقصد صرف یہ ہے کہ محبوب کی نزاکت اور شہ جرد ناتوانی کی کیفیت واضح کر دیں۔ اس کی نزاکت کے لیے خاموشی کو مزید و فتائل قرار دیا، اور اپنی ناتوانی کے لیے فتائل کو ستم بنا دیا۔

۵۔ ۱۰۔ ۱۱۔ لغات - مقطوع : سفر ختم ہونے کا مقام، آخری منزل

تجف : عام ہدایت کے مطابق وہ مقام جس میں حضرت علی کا درجہ ہے۔

ظوف حرم : خانہ کعبہ کے گرد طواف کرنا، یعنی گھومنا۔

کشتش کاف کرم : لفظ کرم کے کاف کی کشتش، چونکہ یہ کشتش

بہی ہوئی ہے اس لیے اسے راستہ قرار دیا۔ اس سفر کا مقصد حصول کرم تھا یعنی لطیف و کرم سے خاندان اصفیٰ کی آرزو تھی، لہذا کشتش کاف کرم کی مناسبت بالکل واضح ہے۔

شرح : ہمارے گھسٹ گھسٹے کا سبب واضح نہیں ہوتا۔ ایک دوسرے بھی ہو سکتی ہے کہ ہم شہر و قاشاکے لیے آئے، لیکن اس کے ہم نشیناں متعلق نہیں۔ یہ جی نہیں کہہ سکتے کہ گھسٹ ہمارے سفر کا مقام، اتمام اور ہمارے مقصد

شوق کی آخری منزل ہے، کیونکہ ہمارا ارادہ تو یہ ہے۔ تجف اشرف پنہیں، حضرت علی کے مدینے کی زیارت سے مشرف ہوں، پھر کرا کرم پہنچ کر خانہ کعبہ کا طواف کریں اور مدینہ سے فارغ ہو جائیں۔ گویا ہماری آخری منزل یہی تو تجف اور کرا کرم ہے۔

اسے غالب : ایک آئینہ ہمیں لیے جا رہی ہے اور کرم کے کاف کی کشتش ہمارے لیے راستہ بن گئی ہے۔

یہ غزل میرزا غالب نے ان دنوں میں کہی تھی، جب وہ پنہن کے لیے

مقتدے کے پہلے میں ٹکڑے جاتے ہوئے لکھنؤ شہر سے تھے۔ غالباً وہاں کوئی غریب مشاعرہ پڑا، جس کے لیے غزل کہی گئی، ورنہ ایسی زبان میں مرزا خود کوئی غزل لکھنے کے لیے تیار نہ ہوتے۔

میرزا کے خاندان کے لیے ابتدا میں دس ہزار روپے پنشن مقرر ہوئی تھی، لیکن فوآب احمد بخش نماں والی فیروز پور بھڑکے سنے پہلے یہ رقم نصف کرنا شروع کر دی۔ پھر اس میں دس ہزار روپے کا حصہ دار ایک ایسے شخص (مرزا عاچی) کو بنا دیا۔ جو مرزا کے خاندان میں شامل نہ تھا۔ گویا پنشن دس ہزار کے بجائے تین ہزار رہ گئی۔ میرزا فوآب اس لیے ٹکڑے گئے تھے کہ دس ہزار کی ابتدائی پنشن بحال کرنا شروع کر دی اور جتنی رقم لے لیا، وہ لے گئی، اور ہمیشہ وصول کر دی۔ اسی امید کا ذکر انھوں نے مقصد میں کیا ہے۔ مقتدے میں کئی سال صبر ہو گئے، نتیجہ میرزا کے قتل کا قطع کا پہلا مصرع ابتدا میں یوں تھا:

لالی ہے محمد الدولہ بھادہ کی امید

محمد الدولہ آغا میر اس زمانے میں اودھ کے نائب السلطنت یعنی وزیر اعظم تھے، لیکن ان سے ملاقات کی مناسب صورت پیدا نہ ہوئی اور میرزا نے صبر چاہا۔

۱۔ شعر: شعر سے

داغ ہے کہ اس میں ایک جھٹ

مقتدہ ہے، یعنی محبوب سے

بہت کہا کہ رقیب سے میل

جولہ دکھو اور ہمیں تلخ شوق تہا

لیکن محبوب سے شوق کی بات نہ تھی

کا خیال نہ کیا اور رقیب کی بات نہ تھی

یوہیہ کہ مقتدہ کا نام رکھا، اس

کے برعکس خود عاشق سے پہلے

تم جانو، تم کو غیر سے جو رسم و راد ہو

مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو

پچھتے نہیں مٹاؤ روزِ حشر سے

قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

کیا وہ بھی بیگنہ کُشر و حق ناشناس ہیں ؟
 مانا کہ تم بشر نہیں ، خود شدید واد ہو
 اُبھرا ہوا نقاب میں ہے ان کے ایک تار
 مرتبانوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو
 جب میکہ چٹا ، تو پھر اب کیا جگہ کی قید
 مسجد جو ، مدرسہ جو ، کوئی خانقاہ ہو
 تھے میں جو بہشت کی تعریف ، سب درست
 لیکن خدا کرے ، وہ تری جگہ گاہ ہو
 غالب بھی گرتا ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں
 دنیا ہو یا رب ! داد مرا بادشاہ ہو
 کر دیا کہ رقیب سے تمہارے تعلق پر اعتراض نہ کروں گا تو تمہیں میری پرستش
 حال میں کیوں آئی ہے ، کیسی گھبراہٹ ہو چھوٹا کر دے جی ! کیسے ہو نہ کہ کیوں کر
 گزرتی ہے ؟

ج ۔ لغات ۔ مواخذہ ۔ جواب دی ۔ پوچھ گچھ ۔

تشریح : اسے محبوب ! روزِ حشر کی جواب دی اور پوچھ گچھ سے تمہارے
 بچے رہنے کی کوئی صورت نہیں ۔ بیگنہ قتل کا ذمہ دار رقیب تھا ۔ لیکن تم اس
 قتل کے گواہ ہو ۔ میں اللہ جرم کا مرتکب و ذمہ دار ہوتا ہوں گا ۔ اسی طرح جرم کا
 گواہ پوچھ گچھ سے بچ نہیں سکتا ۔ خود ہی سہہ کہ اس سے گواہی لی جاسکے ۔

مطلق کر دیا ۔ اب
 عاشق بے بس رہا ہو
 گیا تو پریشانی ہو کر
 کہتا ہے کہ اگر تم
 رقیب سے رسم واد
 قائم رکھنے پر تھے
 بیٹھے ہو تو کس طرح
 رک شیں سکتے تو ہتر
 تم جاؤ اور رقیب
 واسطے ۔ میں ، شک
 کی معیت میں لڑتا
 لیکن تم سے بھی تعلق
 قائم رکھو تو کون سا
 گناہ ہو جاسکے گا ۔
 جب میں نے قرار

۴۔ تشریح : ہم نے مانا کہ تم بشر نہیں ہو، بلکہ سوچ اور چاند ہو سکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا سوچ اور چاند بھی بے گناہ ہوں گے اور حق میں اور لوگوں کا حق نہیں پہچانتے ؟

مطلب : ہے کہ بے گناہ و گوارنا اور حق نہ پہچانا محبوب کی خاص صفتیں ہیں۔ مراد اکتے ہیں کہ محبوب حسن و جمال کے بل پر سوچ اور چاند ہونے کا مدعی بن گیا۔ سوال یہ ہے کہ کیا سوچ اور چاند میں بھی وہ صفیں موجود ہیں جو محبوب کا خاصہ ہیں ؟

۵۔ تشریح : محبوب کے نقاب میں ایک تار ابھرا ہوا نظر آتا ہے۔ بدگمانی عاشق کا خاصہ ہے۔ اسے فوراً خیال ہوا کہ شاید یہ کسی کی نگاہ ہو، جو میں نقاب پر اگر جم گئی ہے اور اسی قسم کے بارے عاشق مر جا رہا ہے۔

۵۔ تشریح : خواجہ معالی فرماتے ہیں :
- اس شعر میں ازراہ تہذیب اس کام کا ذکر نہیں کیا، جس کے کرنے کے لیے مسجد و مدرسہ و خانقاہ کو مساوی قرار دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میکہ، جہاں عربوں کے ساتھ شراب پینے کا لطف تھا، جب یہی جھٹ گیا تو اب مسجد لی جائے تو اور مدرسہ و خانقاہ باقی آجائے تو سب جگہ کی یعنی برابر ہے۔ مسجد و خیرہ کی تخصیص ازراہ شونہ کی گئی ہے۔ یعنی یہ مقامات جو اس شخص کے بالکل لائق نہیں ہیں، وہاں بھی میکہ و چھٹے کے بعد پی لینے سے انکار نہیں ہے اور شراب پینے کی تصریح ذکر نامین مقتضائے چارعت ہے۔

جو مقام شراب نوشی کا مرکز تھا جہاں پینے کی تمام لذتیں مہیا تھیں، جب وہی لذت سے نکل گیا تو اب کسی خاص جگہ کی تہذیب سے وہاں بھی موقع لینے کی لینے سے انکار نہیں۔ مسجد، مدرسہ اور خانقاہ تینوں ایسے مقام ہیں

جہاں شراب نوش ہو ہی نہیں سکتی۔ معقولہ یہ ہے کہ حبیب ہم ان مقامات میں بھی پینے کے لیے تیار ہیں، جو شراب نوشی کے لائق نہیں تو باقی مقامات میں ہمیں گپ ہلکار ہو سکتا ہے۔

مورانا غامبائی، بھامزواتے ہیں کہ ماسیل زمین میں شہر ہے اور اسس کا اطلاق زندگی کے مختلف دائروں میں کیساں ہو سکتا ہے۔ میرزا نے اپنے دل کی جو کیفیت بیان کی ہے وہ بالکل طبعی اور عام ہے۔ جب وہ مقام ہفت سے نکل جاتے، جس میں دل اٹکھا ہوا ہو اور جو مختلف مشہدات سے عنایت روزِ ابط کا مرکز ہو تو ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان کو کسی اچھے یا بُرے عالم کا کوئی خاص لحاظ نہیں رہتا۔ تقسیم کے دورِ ان میں ہم نے دیکھا کہ جو آبادیوں کو صدیوں کے وطن چھوڑنے پڑے۔ وہ عالم غربت میں جہاں کہیں پہنچے، پھیل گئے اور ان کے دلوں میں کسی بھی مقام سے کوئی وابستگی باقی نہیں رہی تھی۔ یہ بھی اسی حقیقت کی دلیل تھی کہ حبیب میکہ و جھوٹ گیا تو کسی جگہ کی قید کا سوال ہی باقی نہیں رہ سکتا۔

۶۔ **تشریح :** بہشت کی مثال میں جو کچھ کہا جاتا ہے اس سے اختلاف کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم اسے لیتے ہیں کہ وہ بالکل درست ہے۔ جس میں کی خوبی میں کوئی کام نہیں۔ لیکن ہمارے لیے اصل معیار یہ ہے کہ تیرا جلوہ وہاں نظر آئے۔ خدا کو ہے کہ ایسا ہو، اگر یہ جلوہ موجود نہیں، ہم دیکھتے ہیں یہ نہیں ہو سکتے تو جو بھی خوبی بیان کی جاتی ہے۔ ہماری نظروں میں سچ ہوگی۔ اسے محبوب حقیقی! ہمارے لیے بہشت دی ہے، جہاں تیرا قرب نصیب ہو تیرا دیار میرا ہے۔ اگر یہ دولت ہمیں مل سکتی تو سب کچھ سچ ہے۔

میرزا غلامی نے جزا و سزا کے باب میں جو کچھ کہا، اس میں دو چیزیں بالکل قابلِ توجہ ہیں، اولیٰ یہ کہ حبشت میں کسی ایسے عیش و راحت کی کوئی طرفیب نہ ہو، جیسا مادی مصحف میں بیان کیا سکتا ہے۔ دوم بہشت سے

مقصود حقیقی وادی تہاں کا دیدار ہے۔ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ کیسے ناقابلِ توجہ ہے۔

ایک شعر "تری جلوہ گاہ کی جگہ" تراجلوہ گاہ "بھی ہے۔

۷۔ شرح : اے خدا ! تجھ سے میری دعا ہے کہ دنیا قائم رہے۔

اور میرا بادشاہ یعنی ابوظہر بہادر شاہ ہمیشہ تختِ حکومت پر جلوہ افروز ہو۔ بہتر توجہ ہے کہ غالب جیسا باکمال بھی ملاحظہ رہے، لیکن اگر یہ منظور نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اس سے کوئی نقصان نہ ہو گا۔ مگر دنیا اور بادشاہ کا ہونا بہر حال ضروری ہے۔

۱۔ شرح :

دو دن ہی نہ رہے
جب کہا کرتے تھے
کہ محبوب سے گفتگو
ہوگی تو کیسے کیا
کچھ کہا کرتے ہیں
جو کچھ کہنا تھا کہ کچھ
محبوب سے چلا اور
کچھ بھی نہ ہوا ادب
بتاؤ کہ دوبارہ کہیں
تو کیا ہو۔ میں دوبارہ
کہنے کا تہیہ کیا تھا گا

۲۔ شرح :

ہمارے ذہن میں

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو
کہے سے کچھ نہ ہوا۔ پھر کہو تو کیونکر ہو
ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام و نہال
کہ گرنہ ہو تو کہاں جائیں؟ ہو تو کیونکر ہو
ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیسی کیسی
حیا ہے اور یہی گونگو تو کیونکر ہو
تھیں کہو کہ گزارا حسنم پرستوں کا
توں کی ہو اگر ایسی ہی نحو تو کیونکر ہو
انجھنتے ہو تم۔ اگر دیکھتے ہو آئینہ
جو تم سے شہر میں ہوں ایک وہ تو کیونکر ہو

مجھے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا
 وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو؟
 ہمیں پھر ان سے امید اور انھیں ہمارے
 ہماری بات ہی پر حسیں نہ ہو تو کیونکر ہو؟
 غلط نہ تھا، ہمیں غلط پرگاہ تیلی کا
 نہ مانے دیدہ ویدار جو تو کیونکر ہو؟
 بتاؤ اس شرہ کو دیکھ کر کہ مجھ کو قرار
 یہ بیش ہو رہا جاں میں فرد تو کیونکر ہو؟
 مجھے جنوں نہیں، غائب ہوئے بہ قولِ حسنہ
 "مراقبِ یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو؟"
 داری کر دکھائے۔ اس طرح ہم کشمکش کی دایں پسے ہوئے ہیں، کچھ سمجھ
 میں نہیں آتا کہ کیا کرنا ہے دوسری طرف محبوب کی حالت یہ ہے کہ اس پر کیا جاری
 ہے اور وہ گو گو میں مبتلا ہے۔ اس کو گھر سے نجات دینا تو ہو سکتی ہے؟
 ہم، شرحِ ذلتِ محبوب! ہم نہیں سے ہو جیتے ہیں کہ اگر قبلاً ہی سبب
 کی حالت ایسی ہو، جیسی تعالیٰ ہے تو جی تو گویا کا شیوہ صبر پرستی ہے، یعنی
 وہ حسینوں پر جان دیتے ہیں اور انھیں پوجتے ہیں، ان کا گرا کر دیکھو گھر؟
 مطلب یہ ہے کہ بیک حسینوں کے بے غلغل اور غائب نہ رہا ہے، بلکہ
 اس حد تک کہ عاشق اسے برداشت کر سکیں اور اس طرح گرسد ہو جائے اگر

ایک نگرار ایک سوچ ہے
 اسی کو ہم وصال سمجھ رہے
 ہیں، سوچ ہے کہ اگر وصال
 نہ ہو تو کہاں جائیں اور جو تو
 اس کی صورت کیونکر ہے؟
 ہم رات دن اس سوچ
 میں ڈوبے رہتے ہیں، گویا
 اس سوچ سے آگے کوئی قدم
 نہیں اٹھا، نہ صاف ستھرا
 ہے کہ وصال نہیں آتا، میں
 اس سوچ ہی میں ہم ٹھہرے ہیں۔
 صراحت - شرح :
 ہم محبوب کا ادب اور پاس
 لگا کر کرتے ہیں، اور کلفناں
 اور اور مانوی نے دل پر مضطر
 داری کر دکھائے۔ اس طرح ہم کشمکش کی دایں پسے ہوئے ہیں، کچھ سمجھ
 میں نہیں آتا کہ کیا کرنا ہے دوسری طرف محبوب کی حالت یہ ہے کہ اس پر کیا جاری
 ہے اور وہ گو گو میں مبتلا ہے۔ اس کو گھر سے نجات دینا تو ہو سکتی ہے؟
 ہم، شرحِ ذلتِ محبوب! ہم نہیں سے ہو جیتے ہیں کہ اگر قبلاً ہی سبب
 کی حالت ایسی ہو، جیسی تعالیٰ ہے تو جی تو گویا کا شیوہ صبر پرستی ہے، یعنی
 وہ حسینوں پر جان دیتے ہیں اور انھیں پوجتے ہیں، ان کا گرا کر دیکھو گھر؟
 مطلب یہ ہے کہ بیک حسینوں کے بے غلغل اور غائب نہ رہا ہے، بلکہ
 اس حد تک کہ عاشق اسے برداشت کر سکیں اور اس طرح گرسد ہو جائے اگر

مٹنگ اور عقاب ہی پر سلوک کا دوا ہو تو ہی ہر ہے کہ جیسے عاشق زاید ہو سے
نیک گوارہ ذکر کہیں گے اور ختم ہو جائیں گے۔

۵۔ **تشریح :** خواہہ حال فرماتے ہیں :

اس کا مطلب ایک تو یہ ہے کہ تم جیسے نازک مزاج شہر میں
ایک دوا ہو جس کو شکر کا کیا حال ہو یا دوسرے معنی یہ ہیں کہ
جب تم کو اپنے عکس کا بھی اپنی مانند ہو گا گوارا نہیں تو شہر
میں اگر فی الواقع تم جیسے ایک دو حسین موجود ہوں تو تم کیا قیمت
دیا کرو گے ؟

محبوب آئیے میں اپنا عکس دیکھ کر غصے اور جوش میں آجاتا ہے۔ گویا اسے
اپنا عکس دیکھنا بھی گوارا نہیں۔ جب حالت یہ ہے تو ذاتی شہر میں ایک دو
عسین محبوب جیسے موجود ہوں تو خدا جانے اس کا غصہ اور عقاب کیا رنگ
دے گا ؟

دوسرے معنی بقولہ معانی یہ ہیں کہ ایک ہی حسین نے قیامت برپا کر رکھی
ہے۔ اگر ایسے ہی ایک دو اور شہر میں موجود ہوں تو واقعی اہل شکر کا جیہ دور نظر
ہو جائے۔

۶۔ **تشریح :** جس سیاہ نصیب کو اپنا ہی تیرہ و نا ایک دن نصیب ہو
جیسا میرے لیے عقد ہے۔ وہ شخص رات کو دن نہ کہے تو کیا کہے ؟
مطلب یہ ہے کہ میرے روز گار کی تار کی اس دوسرے پر پہنچی ہوئی ہے کہ
رات اس کے مقابلے میں بہ منزلہ رات کے ہے۔

یعنی صحاب نے اسے عرقی کے مندرجہ ذیل شعر سے متاثر قرار دیا ہے :

نہ خروخ آقا ہم نبود خبر کہ جیلے تو :

چہ روز لعل تست یکس شب دروزم از سیاہی

مجھے معلوم کی روشنی کی خبر ہی نہیں ہوتی، کیونکہ اسے محبوب ! تیرے بغیر

میرے دل اور رات تیری دو زلفوں کی طرح کیسا سیاہ ہیں۔
 تھا میرے کہ دونوں صفوں پختہ سیاہ انھیں کے ہیں، لیکن دونوں میں
 حقیقت کوئی کیسا ہی نہیں، نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسرا پہلے سے باخود ہے، دوسری
 کثرت ہے کہ سورج کے روشن ہونے کی بجائے شہر بھی نہیں ہوتی، کیونکہ میرے دل
 اور رات کیسا سیاہ ہیں، جس طرح تیری زلفیں سیاہ ہیں، غائب کثرت ہے میرا
 دل انسا تا ایک ہے کہ اس کے مقابلے میں رات، دن معلوم ہوتی ہے،
 سیاہ انھیں کے اور بھی بہت سے صفوں کے گئے، مثلاً میرا غائب
 نوید کی اگر تیرا آیام نہ ادا
 روز سے کہ یہ شہر و شام نہ ادا

بہادری ایسی میں دن رات کی گردش تاپید ہے، جو دن تک ایک جود ہے،
 اسی کی مسج و شام کیا ہو سکتی ہے؟ یا
 گشت و کار کی روزم نمایاں
 کو چرخے کا بجویم شام نہ ادا
 میری شام دن کی تاریکی میں چھپ گئی، چراغ کہاں ہے تاکہ میں اسے
 ڈھونڈ لوں۔

جو ہر طبع درخشاں است یک
 روزم انداز پر پنہاں می رود
 میری طبیعت کے جوہر یقیناً درخشاں ہیں، لیکن میرا دن تاکہ ایک لمحہ
 نہ چھپا ہو اگر نہ ہو۔

۷۔ شرح : جب محبوب بہادری ذات نہ دیکھے تو ہمیں اس سے
 کیا امید ہو سکتی ہے اور اس کے دل میں ہمارے لیے قدر و منزلت کی کوئی
 سی گنجائش رہا باقی ہے؟

۸۔ **تشریح :** ہم سمجھتے تھے کہ اسے محبوب ! تمہارا خط آنے سے
دل کو تسکین ہو جائے گی ، لیکن وہ بار کی مشقی آنکھیں نہ مٹا میں تو کیا کیا جانتا
وہ تو خط پر مہکنا نہیں ، بلکہ ملبودہ دیکھنے کی طلب لگا رہا ہے ۔

۹۔ **تشریح :** اس شعر میں خاصی تنقید ہے ، کہتے ہیں کہ محبوب کی
مرہ کو دیکھ کر قرار کیونکر آسکتا ہے ؟ یہ تو رنگ ہی کہ رنگ ہواں میں آ کر
جائی ہے اور چہ چہ رنگ ہی کہ رنگ ہواں میں آ کر جاتے ، وہ قرار کیونکر آئے دے گی ۔
قرار کا تعلق کیونکر ہو سکتا ہے اور تیرے ہی ہو رنگ ہواں میں فرو تو ،
نہج میں جہلا صبر نہ ہے ۔

۱۰۔ **تشریح :** یہ قول حق ہے ، واضح ہے کہ غلطی کا دوسرا مسرع
اور غلط ہمارا دشوار کا ہے ، جس کی تفسیر مرزا نے کر دی ۔

کہتے ہیں کہ اسے غالب ! میں دیوانہ نہیں ، اس لیے بیقرار ہوں کہ محبوب
سے سوائی کا عالم ہے ، اور یہاں شام ہوا عزا پہلے ہیں کہ محبوب کے فراق میں
تسکین و تسلی پانے کی کوئی صورت نہیں ۔

۱۔ **نکات :**
تو اسٹیج فنانا :
فرادہ کر کے :
تشریح :
عشق کا نفاذ :
یہ ہے کہ سب
ضبط کیا جاتے :
ماشت کے لیے
فرادہ و فنانا :
کسی کو دوسے کے دل کوئی ، تو اسٹیج فنانا کیوں ہو ؟
نہ ہو جب دل ہی سینے میں تو پھر مشہ میں نہ ہاں کیوں ہو ؟
وہ اپنی خورہ چھوڑیں گے ، ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں ؟
سبک سمری کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو ؟
کیا غم نوار نے رسوا لگے آگ ! اس محبت کو
نہلاو سے تاب تو غم کی وہ میرا راز و ال کیوں ہو ؟

زیبا نہیں۔ جب دلی کسی کو دے دیا تو روئے دھوئے اور قریب و قریب کرتے کا
مطلب کیا ؟ نہ ان دل کے غیر بات کی ترجمان ہے۔ جب دل ہی پہلو میں
نہ ہو تو نہ ان کیوں کھوئی جاسے ؟

۴۔ لغات : وضع : روش : دستور : طرز : اخلاقیات
پر معنی خود داری۔

سبک سر : اوجھا۔ کم بوسد

سرگراں : خفا، ناراض، ناخوش۔

شرح : محبوب ناراضی اور تنگی کی عادت نہیں چھوڑ سکتا۔ ہر اپنی
وضع میں خود ارسی کیوں ترک کریں ؟ کیا اوجھے اور کم بوسد ہو کر ہم سے
پوچھیں کہ ہم سے ناراض کیوں ہوں ؟

مرد تالیخ جالی مڑاتے ہیں : آس نے وہ بندش پائی کہ مٹر جیسا ہے
یہ جبتہ فقرے نہیں ہو سکتے نہ

۵۔ لغات - محبت : مراد ہے، غمخوار کی محبت، دلی سوزی

اور بہند دلی۔

شرح : غمخوار نے میری غمخواری سی کیفیت سنی اور اس اور میرے غمخواری
ہو گیا کہ سب کے سامنے راؤ عشق کاٹن کر دیا۔ اس طرح میں رسوا ہوا، میرے
عشق کا جید نکل گیا۔ جسے میں استغاثی صبر و ضبط سے جھیلنے میں تھا۔

محبوب کے لیے بھی رسوائی پیدا ہوئی۔ ایسی محبت، دوسوڑی اور غمخواری
کو آگ لگ جانے جس شخص میں غم کو ضبط کرنے کا حوصلہ نہیں، وہ میرا زادان
کیوں بنے ؟

شعرا غور طلب پیو یہ ہے کہ خود ہر محبت نہ رہے تھے لیکن، انسانی
بنیاد سے کام لے رہے تھے اور عشق اسی امر کا مقابلہ تھا۔ غمخوارت سہری
ات بھی برداشت نہ ہو سکی اور اس نے رسوائی تک قریب نہ کیا دی۔ گلے آگ

وفا کیسی؟ کہاں کا عشق؟ جب سہر پہوڑا ناٹھہرا
 تو پھر اسے سنگ دل! تیرا ہی سنگ آستان کیوں ہوا
 قفس میں مجھ سے رُو داو چمن کہتے نہ ڈر سمبہم!
 گری ہے جس پہ گل بجلی، دو میرا آسٹیاں کیوں ہوا
 یہ کدہ نکلتے ہوئے ہم دل میں نہیں ہیں پھر یہ بتلاؤ
 کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہوا
 غلط ہے جذب دل کا بھگودہ دیکھو، جرم کس کا ہے؟
 نہ کہینچو گرم اپنے کو، کشاکش ورمیاں کیوں ہو؟
 یہ نقد آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے؟
 ہوئے تم دوست جس کے دشمن اُس کا آسٹاں کیوں ہوا
 یہی ہے آزمانا تو سستا نا کس کو کہتے ہیں؟
 بدد کے جو لیے جب تم تو میرا امتحان کیوں ہوا
 کہا تم نے کہ "کیوں ہو غیر کے ہٹنے میں رسوائی؟"
 بجا کہتے ہو، سچ کہتے ہو، پھر کیوں کہ "ہاں کیوں ہو
 نکالا پاتا ہے کام کیا غصوں سے تو غالب؟
 ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہربان کیوں ہو؟

اس جہت کو سے آخر شعر تک ظم خوار کی ذمت سے واضح ہے کہ دھندلی اور سمجھ بھول کا طریقہ انتہائی ذرا غلطی کا باعث ہوا۔ نہیں چاہتے تھے کہ ایسا ہو، مگر ظم خوار کی بے حوصلگی نے کہیں کا نہ رکھا۔

۴۔ **شرح :** جب بہار سی دغا اور بہار سے عشق کی کوئی قصہ نہ ہوئی اور صرف سر ہونڈ کر مر جانا ہی باقی رہ گیا، تو اسے پتھر جیسے دل واسے محبوب بنانا کہ تیرے ہی دروازے کے پتھر سے کیوں نکرائیں؟ جہاں کہیں موقع ملے گا، یہ بھی کر لیں گے۔

محب یہ کہ محبوب کے سنگ آستان سے جو بھی تعلق ہے، اس کی بنیاد تو یہ ہے کہ عاشق کی وفاداری اور پُر غموس عشق کا پاس و نکال کیا جائے۔
محب پاس و نکال ہی نہ رہا تو سر ہونڈ کر باقی رہ گیا۔ اس کے لیے محبوب کے سنگ آستان کی تخصیص کیوں؟

مولانا طہطائی فرماتے ہیں: "یہ شعر دگ و سنگ ہیں گوہر شعور ہے۔ مر دانا نے شعر کے اس پہلو پر بھی سمجھ کی ہے کہ سنگ دل کی جگہ ہونا" کا تقویٰ آسکتا تھا، لیکن میرزا نے سنگ دل کو اس لیے ترجیح دی کہ یہ سنگ آستان سے قریب تھا اور بے وفا اس لیے نظر انداز کیا کہ وہ لفظ "دانا" سے ملکر ہو گیا تھا۔

۵۔ **شرح :** مولانا طہطائی نے بجا فرمایا ہے کہ ان دو مصرعوں میں اس قدر معنائی مماثلت ہے، جن کی تفصیل لفظ سے نکالی نہیں، مثلاً:
۱۔ لفظ "نفس" سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک پرندہ قیشیں سے ہوا ہو
کو تیر ہو گیا ہے۔ ۲۔ پورا لکڑا اصل شعر میں مفقود ہے۔ صرف لفظ "نفس" سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے۔

۳۔ اس پرندے نے اسٹار میں جھل گرے ہوئے دیکھی اور یہ حالت میری
سے غلط نہیں ہوئی کہ نہ اہلے میرا قیشیں اڑ گیا یا جھل گیا، گمال۔ یہ ہے کہ

دوسرے مخرج کا صرف ایک لفظ، یعنی "کل"۔ اس پورے مضمون پر دلالت کر رہا ہے۔

۲۔ ایک اور پرندہ، جو طائرِ امیر کا ہم معیار و ہمدم ہے، بیخوشی کے سامنے کسی شاعر پر آمیشا ہے۔ اس مضمون پر صرف لفظ "ہدم" دلالت کر رہا ہے۔

۳۔ طائرِ امیر ہمدم سے پوچھتا ہے کہ فردا بارش کی روداد تو جہاڑ-مین اس کا آستیناں جل چکا ہے اور ہمدم روداد سناٹے میں متروک ہو گیا ہے۔
۵۔ طائرِ امیر نے ہمدم کے نزدیک سے اخاذ کر لیا کہ اس کے نشین پر آفت آئی۔ مگر اپنے آپ کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیا کہ بارش میں سیکڑوں آشیانے ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ بھل میرے ہی آشیانے پر گری ہو؟

۶۔ اس طرح اپنے دل کو سمجھا کر ہمدم سے کہتا ہے کہ بھائی! تو بارش کی کیفیت جانے میں کیوں متذبذب ہے۔ جو بھی گل گری تھی، کیا ضروری ہے کہ وہ میرے ہی آشیانے پر گری ہو؟

۷۔ یہ پوری داستان اس درجہ درد انگیز اور غم ناک اخاذی میں بیان کی گئی ہے کہ ہر سننے والا تڑپ اٹھتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے شعر کہے نہیں جاتے، اتفاقاً ہوتے ہیں۔

۶۔ **مشرح :** پہلے مخرج میں استفهام انکاری ہے۔ یعنی تم پر نہیں کوہکتے کہ ہم دل میں موجود نہیں، جب حقیقت یہ ہے، یعنی دل میں تمنا ہے سو اگر وہی موجود نہیں تو جس بناؤ کہ آنکھوں سے کیوں تو سسیدہ ہو؟
بظاہر یہ غیبی محبوب حقیقی سے ہے اور تقاضا یہ ہے کہ بعض دل میں موجود نہاں کائناتیں، فردا آنکھوں کو جمال سے بھی شرف بخلیں۔

۷۔ **مشرح :** تمنا کسی پر ہرمان ہونا اور دوست بننا ایک ایسا تقاضا ہے، جو کسی کا کھرباؤ کرنے کے لیے کم نہیں۔ پھر آستان کو اس سے

دشمنی کرنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے ؟ یعنی اسے محبوب (قہراری دوستی کی حیثیت پر ہی ہے جو آسمان کی دشمنی کی ہے۔

اس شعر میں عشق کے لوازم کی تصویر نہایت عمدگی سے کھینچی گئی ہے۔

۹۔ **شرح :** جب تم نے میرے دشمن یعنی رقیب سے دوستی کا رشتہ جوڑ لیا اور اس کے محبوب بن گئے تو مجھے کیوں آزمائے ہو ؟ میرا احتساب کیوں کرتے ہو ؟ اگر اسی کا نام آزمائے تو بتاؤ کہ اسے کہتے ہیں : آزمائش کے لیے غزوری عدا کو رقیب کے ساتھ محبوب کا کوئی قص فیصلہ نہ ہوگا۔ یہ فیصلہ ہو چکا تو آزمائش راضی و دل آزاری ہے ، بالکل بے سبب اور بے وجہ۔

۱۰۔ **شرح :** ہم ہر چند کہتے رہے کہ غیر سے (غور و سوا) جو ہائے قربتے کیا ، جیسا اس میں رسوائی کی کیا بات ہے ؟ ان صاحب (ٹھیک کنج) کا بھر پڑا ہے کہ ان رسوائی کیوں ہو ؟ وہ صورت مصرع کا صحت طرف محبوب کے قول پر ایک بھر پور حجت ہے کہ اس سے بہتر حجت کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ مولا طہا ہائی ہے اختیار بکار اٹھے کہ اس کی بندش سحر کے مرتبے تک پہنچ گئی ہے۔ یقیناً بھر ہے۔

۱۱۔ **شرح :** اسے ثابت کیا اب طعنوں سے مطلب برآری مفہوم ہے ؟ یعنی محبوب کو یہ بھر کہ کر سر ہاں بنایا چاہتے ہو ؟ تم دیکھ ایسے غلطی وہ جیسا وہ تم پر سر ہاں کیوں ہوتے لگے۔

۱۔ **شرح :** دیکھ اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
 ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم قرباں کوئی نہ ہو
 اب کے غلطے
 ہاں ہرے کش حاکم
 دوستوں ، غیبتوں

اور ہم دونوں سے
 رہنے آئے اور پہنچے ہیں
 کردہ ان کی صحبت
 سے جڑ ہو گیا ہے
 میں بہ بیزار ہو
 گیا ہے کہ کسی ایسی
 جگہ جا رہنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ جہاں کوئی موجود نہ ہو۔ نہ کہیں سے بات ہو سکے نہ
 کوئی اس کی بات سمجھ سکے۔

”ہم معنی سے واضح ہے کہ کوئی ایسا شخص موجود نہ ہو جس سے بات کی جا
 سکے۔ ہم ذہن سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی ایسا شخص نظر نہ آئے جو اس کی
 بات سمجھ سکے، کیونکہ بات سمجھنے کے لیے ضروری لازم ہے۔ ہم جنہوں کی صحبت
 سے اتنی چیزیں اس امر کی دلیل ہے کہ اسے ہم جہاں کہیں پہنچے۔“

۲۔ مشرع : کیا ایسا ٹھہرایا جائے جس کی نہ کوئی دیوار ہو اور نہ کوئی
 دروازہ۔ مقام ایسا ہو جہاں نہ کوئی پڑوسی ہو اور نہ کسی چڑکی کی ضرورت پیش
 آئے۔ گویا مادی دنیا سے علیحدگی ہو۔

یہ بھی صحیح ہے کہ دیوار نہیں ہوگی تو پڑوسی بننے کا امکان ہی نہ رہے گا کوئی
 شخص پڑوسی اس صورت میں ہی کہتا ہے کہ اس کی جگہ متعین ہو جائے۔ نہیں کے لیے
 دیوار لازم ہے۔ عیب دیوار پانی ہی مسئلہ نہیں تو پڑوسی خود بخود خارج ہو گیا۔ چڑکیاں
 اور ان کے پرستار کیا جاتا ہے۔ عیب دروازہ ہی نہ ہو گا تو چڑکیاں کی کیا ضرورت
 رہی۔ کہان سے کہ ہے دروازہ گھر نہیں کہا تب دروازہ ساک گھر اگر
 نہ ہوگا ہے دروازہ کہہ دیتے تو گھر ہی نہ بنتا۔ اس لیے فرمایا ایسا گھر جو ہے دروازہ
 معلوم ہو۔

۳۔ لغت سے : تیمار دار : بیمار کی دیکھ بھال، علاج معالجہ اور تیمار

کرنے والا۔

شرح : اگر بیمار پڑ جائیں تو وہ اداوارہ کو کچھ بھال اور دعوت کرنے والی کوئی موجود نہ ہو۔ اگر مر جائیں تو نہ کوئی قسم کرے نہ کوئی طے کرے اور نہ کوئی سوگ منائے۔

از بہر تازہ دل و دل ہے آئینہ
طلوعی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ
لغات : شش جہت : چار طرفیں مشرق
مغرب شمال جنوب اور چھ مین دنیا۔

شرح : سورج سے قریب ایک آئینہ ہے۔ گویا طوعی کے لیے اس کائنات کی ہر شے آئینے کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس میں اسے اپنی شکل نظر آ رہی ہے۔

یہاں بقا بر طوعی سے مراد صاحب علم و غرض ہے جس پر حقیقت واضح ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اس کائنات کی کوئی شے ایسی نہیں جس میں وجود کو اپنی حقیقت اسی طرح نظر آئے جس طرح آئینے میں نظر آتی ہے۔ صاحب علم و غرض کے لیے پوری کائنات وجود حقیقی کا منظر ہے اور اسے ہر شے میں وہی وجود نظر آتا ہے۔

ہے سبز و زار ہر در و دیوار عظم گرد
تہیں کی بہار یہ جو پھر اُس کی خزاں نہ پوچھ
لغات : عظم گرد : عظم گرد
عظم گرد : عظم گرد
مرکز : مراد عاشق کا گھر
شرح : میرے
عظم گرد کی دیوار و دیوار
تہیں کی بہار یہ جو پھر اُس کی خزاں نہ پوچھ
تہاں ہر رنگ کی بھی حسرت اُٹھائے
دُشوار یہ رہ دستہم ہر دُش نہ پوچھ

دردِ دل سے پرانا سہزہ آگ آتا ہے کہ اسے سہزہ زادہ کتنا چاہیے۔ جس کی ہند کا یہ
عالم جہاں اس کی خزاں کے متعلق کیا کٹا جاتے ؟

کچھ مکاناتوں یا ان مکانات میں جو اینٹ گارے یا پتھر گارے سے بنے ہوں
برسات کے موسم میں سہزہ آگ آتا ہے۔ اپنی خانہ موجود ہوں تو دیکھ جہاں کے
سٹپے میں سہزہ جی الگ کرتے رہتے ہیں، لیکن سب گھر میں کوئی موجود نہ ہو تو
دیکھ جہاں ملیں ہوتی اور سہزہ خزانہ پا کر دردِ دل پر چھا جاتا ہے، کھنڈہ
میں ایسے نکلے ہوئے ٹوٹے ہیں۔ چونکہ سہزے کا آگن اور ابدِ تاباں کا منتظر ہے
اس لیے گناہ میں دیران اور ہر بار غنائے کی ہمارے سب کے ہر طرف سہزہ آگ
ہوتا ہے۔ اس کی خزاں کے متعلق کچھ نہ پوچھنا چاہیے۔

۲۔ شرح : دراستہ حدود جو دستور ہے اور سائنسی مسائل سے
جو حکم کیے اور ستم توڑے اور ناقابلِ جان ہیں، جی چاہتا ہے کہ کامل جم تھا
ہوتے، کوئی جہاں سائنسی نہ ہوتا۔ راستے کی دشواری تو برداشت کر لیتے، مگر
سائنسیوں کے حکم و ستم سے تو محفوظ رہتے، اب تھائی اور بیکی کی حسرت
دل میں بیٹے ہیں۔ سائنسیوں سے الگ ہو نہیں سکتے اور ان کے حکم و جو
برداشت کیے بغیر چارہ نہیں۔

۱۔ شرح :

آگہا اٹھاتے ہی محبوب
کے میٹروں پہلے
ساتھ آجاتے تھے
کی ہر جگہ گرہ لگاؤ
شوق پر احسانِ خاص ہے
ہم یہ اتنی طاقت نہیں

حدِ جلوہ درویش ہے ہجو مڑگاں اٹھائیے
طاقت کہاں کہ ویر کا احسان اٹھائیے
سے سنگ پر براتِ معاش جنوں جھٹ
یعنی بنوڑ منتِ طغیاں اٹھائیے

دیوار، بارِ مشقتِ مزدور سے ہے فلم
 کہ دیوار کا احسان اٹھاتے ہیں۔
 لے خانماں خراب : نہ احسان اٹھا ہے
 میرزا کا مقصود ہے کہ جس عزت بھی
 یا میرے زخمِ رشک کو رسوا نہ کیجیے
 اٹکیے اٹھے، محبوب
 یا پروردہِ مستم پہناں اٹھا ہے
 ہی قناعت شگول ہیں
 جلوہ گر نظر آتا ہے اور جلووں کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ ہم میں ان کے دیکھنے
 کا احسان اٹھانے کی تاب ہی نہیں، حقیقتاً وہ محبوب حقیقی کے جلووں کی فراوانی
 نمایاں کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے ہر ایک : اختیار کیا کہ ہم میں ان کے
 دیکھنے اور احسان دیدہ اٹھانے کا یارا ہی نہیں۔

۴۔ لغات - براتِ معاش : روزی کا دن یا کم احسن

تشریح : جونِ مشق کی روزی کا حکم پھر پر ہے، یعنی پھر کھائیے اور
 شگباری کا شوقِ شوق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اہلِ روزوں کا احسان اٹھانا
 مزدوری ہے۔

کوئی شخص میز کا شکار ہو جائے تو روز کے شرم سے پھر رہتے ہیں، حاجت
 کہنے ہیں کہ جونِ مشق کے لیے روزی کا جو میزان صادر ہوا، وہ پھروں کے لیے
 صادر ہوا، جو حلقہ ہادی قسمت میں لکھا ہے، وہ پھروں کا تھا، میں عزت باگری
 زمینیں ملتی ہیں یا فقہ روپے کے لیے غزانے کے نام نکلنے سے جا رہی ہو رہی ہیں
 اس طرح جونِ مشق کی روزی میں پھر کچھ دے دیے گئے اور پھر روز کے داتے ہیں۔
 گویا اس روزی کا اخصاص روزوں کا احسان اٹھانے پر ہے، وہ پھر داریا، تو
 جونِ مشق کی روزی کا سرو سامان ہو۔

۵۔ لغات - خانماں خراب : دو شخص جس کا گھر ہیں اور

تشریح : دیوار کو دیکھیے، یہ مزدور کے بارِ احسان سے بھج گئی ہے

اس سے واضح ہو اگر احسان اٹھانا صلیک نہیں۔ اس کا بوجھ دیرا ملک کو بھگتا دیتا ہے۔ انسان کا فرد کر ہی کیا۔ اسے وہ شخصیں! جیسا کہ گھر دیرا ہے۔ اس شخص سے عبرت حاصل کر اور ہم سب کے لیے میں لازم ہے کہ کسی کا احسان نہ اٹھائیں۔ خاندان خراب کا خطاب قابلِ توجہ ہے۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ جس شخص کا گھر دیرا ہو چکا ہو، وہ اسے دوبارہ تعمیر کرنے کے لیے مضروب ہوتا ہے، لہذا اسے میں موقع پر عبرت دلانا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ خاندان و پرانی قبول کر لیں چاہیے، احسان نہ اٹھانا چاہیے۔

۴۔ **تشریح:** یا تو میرے دل کے نہ قیم رنگ کو بدنام نہ کیجیے یعنی

لوگوں سے نہ کہنے پھرے کہ دیکھو، یہ شخص غیروں سے میرے بے تکلف میں جوں پر نہیں رہا ہے اور رنگ کے باعث اس کے دل میں گھٹاؤ نہ رہا ہے یہاں غیروں سے ہوسے میں چھپ چھپ کر مسکراتا اور ناز و انداز کرنا چھوڑ دیکھیے اس سے جو بھی سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ وہ خلوت میں نہیں، بلکہ دوسرے عام کیجیے گو یا نہ تم کے باعث دل پر جو کے اس وقت گئے ہیں، سب آپ پر سے ہیں غیروں کے ساتھ بیٹھ کر مسکراتے اور ہنستے ہیں۔

۱۔ لغاتِ خرابات:

شراب خانہ۔

قبیلہ حاجات بہ سب

کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے۔

تعلیم کا گھر ہے۔ اس کا

حقیقی معنی استعمال تو خدا

کے لیے ہے، لیکن عموماً

و اعظم شیخ اور بزرگ کے

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے

بچوں پاس آگئے، قبیلہ حاجات چاہیے

عاشق جوئے میں آپ بھی، اک اور شخص پر

آخر ستم کی کچھ تو مرکافات چاہیے

وسے داد ۱۰ اسے خاک! دلِ حضرت پرست کو

دل کچھ نہ کچھ غافل، مافات چاہیے

دل کچھ نہ کچھ غافل، مافات چاہیے

لیے جو مستل ہے۔

مشرع : شراب

نہ شراب خانے کو

آنکھ سے اور مسجد کو

یہ اشیاء بھرا ہوا ہو

یعنی بیوقوفوں سے تشبیہ

دی گئی ہے۔ شراب

قمار مسجد کے دیواروں

یعنی پاس مونا چاہیے

دیکھیے قیلہ مناجات

آنکھ لہرو کے پاس

ہو قیلہ ہے۔

مولانا طہا جلیانی

فراتے ہیں کہ قیلہ

مناجات، مسجد کے

ضلع کا غلط ہے۔ یہاں

عمق ضلع ہونے کے

لیے محاورے میں تعریف

کرتے ہیں۔ وہاں ضلع بڑا معلوم ہوتا ہے اور محاورہ پورا اترے تو ضلع بڑا

عش پیدا کرتا ہے۔ یہاں یہ غلط محاورے کے محاورے آیا ہے۔

۴۔ لغات - معکافات : جو ۵۔

مشرع : اے محبوب ! ہم آپ پر عاشق تھے اور آپ نے ہمیں

کرت پر مستم تو رہے۔ اب ماشاء اللہ آپ کو بھی کس سے عشق ہوا اور تجھے

جیسے میں مسرہوں کے لیے ہم سے دوری

تقریب کچھ تو ہر غافلت چاہیے

مے سے عرض نشاط ہے کہیں رو سیاہ کو

اک گونہ بخود ہی مجھے دن رات چاہیے

نشوونما ہے اصل سے۔ غالب : فروغ کو

نماوشی ہی سے نکلتے ہے۔ جو بات چاہیے

ہے رنگ لالہ و گل و شمس یہاں ابدال

ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے

سرمائے ختم یہ چاہیے صنگام بے خودی

رو سونے قیلہ وقت مناجات چاہیے

یعنی یہ حسب گردش پیمائے معضات

مناجات ہمیشہ مست ہے ذات چاہیے

کرتے ہیں۔ وہاں ضلع بڑا معلوم ہوتا ہے اور محاورہ پورا اترے تو ضلع بڑا

عش پیدا کرتا ہے۔ یہاں یہ غلط محاورے کے محاورے آیا ہے۔

۴۔ لغات - معکافات : جو ۵۔

مشرع : اے محبوب ! ہم آپ پر عاشق تھے اور آپ نے ہمیں

کرت پر مستم تو رہے۔ اب ماشاء اللہ آپ کو بھی کس سے عشق ہوا اور تجھے

کرت پر مستم تو رہے۔ اب ماشاء اللہ آپ کو بھی کس سے عشق ہوا اور تجھے

کرت پر مستم تو رہے۔ اب ماشاء اللہ آپ کو بھی کس سے عشق ہوا اور تجھے

علم آپ نے کیسے تھے، ان کا بدلہ لےنا چاہیے تھا، چنانچہ مل جائے گا۔ جزاء
سینۃ۔ سینۃ عشا۔

۳۔ لغات۔ طوائف واقعات : جو کچھ گزر چکا، اس کی تلافی
نقصان کا پورا ہونا۔

تشریح : اسے آسمان ! تو نے میری کوئی بھی آندہ پوری نہ کی، ہر
آندہ کا نتیجہ حسرت کی شکل میں نکلا اور میرا دل بے درد پے حسرتوں سے بھر
ہوتا رہا، وہاں تک کہ اس کے غصے میں حسرتوں کے سوا کچھ نہ آیا۔ اب میرے
دل کی حسرت پرستی ہی کی دلدل سے۔ میں پختہ جو دکھ اٹھا چکا ہوں، تو
معیشتیں برداشت کر چکا ہوں ان کی کچھ نہ کیجے طوائف تو ہونا چاہیے۔

مطلب یہ ہے کہ حقیقی آرزو تو کوئی پوری نہ ہوتی، اب آسمان سے صرف
یہ کہ رہے ہیں کہ دل نے جس بہت واسطافت سے حسرتیں برداشت کیں،
اسی کی دلدل ہائے حقیقت یہ ہے کہ جب انسان پر ہر قسم کی رنج و غم
کا ہجوم ہو تو ہمہ اتنی بات بھی بڑی تسکین کا باعث ہو جاتی ہے کہ کوئی نہ
دے، اور ان لوگوں شخص نے کس پامروسی سے کام لیا۔ میرزا آسمان کی طرف
سے اتنے کلمہ تمجید کو بھی اپنی برداشت کی پوری معیشتوں کی ایک حد تک
طوائف سمجھتے ہیں۔

۴۔ لغات۔ تقریب : ذریعہ اسباب، باعث، شادی بادی،
مجلس، موقع، محل، سفارش، ذکر۔

تشریح : ہم نے چاند جیسے چہرے والے، عیوبوں کی خاطر معذرتی
لیکھی ہے۔ آخر ان سے ملاقات کے لیے کوئی نہ کوئی سبب اور وسیلہ تو
ہونا چاہیے۔

معذرتی اس لیے لکھی کہ حسینوں کو پیشہ تصویریں کھینچنے کا شوق
ہوتا ہے اور وہ وقتاً فوقتاً انھیں دیتے۔ یہی گئے اور تصویر کھینچنے کے سبب

میں ان کے پاس بیٹھتے اور دیکھ کر اسے لذت اندوز ہونے کا موقع ملتا ہے گا۔
 شعر میں مقصود گیر سے کہے دہیے سے تصویر دیتا نہیں، بلکہ وہ تصویر مراد
 ہے۔ میں میں صاحب تصویر ماننے میں نہ کر مقصود سے تصویر (تو) کا ہے اور اس
 کی تکمیل میں کہی گئی وہ صرف ہو جاتے ہیں۔

۵۔ مشرع : شراب پینے سے کس رو سیاہ کا مقصد ہے کہ نشاط و نشاطی
 حاصل ہو جاوے گا۔ میرا مقصد تو صرف اتنا ہے کہ وہ رات ایک طرح کی ترقی
 ظاہری ہے۔

کمال یہ ہے کہ بیش و نشاط کی خاطر شراب پینے کو رو سیاہ ہی قرار دے دیا۔
 بعض اصحاب کہتے ہیں کہ میرزا کا یہ شعر عمر غلام کی مندرجہ ذیل رباعی سے
 اخذ ہے۔

سے خور و نین از برائے طرب است سنے بہر مقام دین و ترک ادب است
 خواہم کہ نہ بخوری جو آرام لے سے خودی دوست ہو نہ زنجیر است
 یعنی میں جو شراب پیتا ہوں تو اس لیے نہیں کہ خوشی حاصل ہو، اس لیے بھی
 نہیں کہ دین پر یاد ہو اور ادب کا رشتہ بھد سے چھوٹ جائے۔ صرف یہ چاہتا ہوں
 کہ بخوری کی حالت میں ایک سانس لوں۔ میرے شراب پینے اور ستارے جتنے کا سبب
 یہ ہے۔

بلاشبہ غلام نے دوسرے بعض امور کے علاوہ بیش و طرب کی بھی نفی کی اور
 بخوری کا لفظ بھی استعمال کیا، لیکن مرزا کا پورا مضمون اس سے الگ ہے اور
 نئے صرف نشاط کی نفی کی اور عام شراب نوشوں کے ماننے صرف ہی مقصود ہوتا
 ہے۔ ایک ہی مصرع میں نہ محض نشاط کی نفی کی، بلکہ یہ مقصد پیش نظر رکھنے کو
 رو سیاہی قرار دے دیا، گویا نفی آخری حد پہ پہنچا دی۔ پھر یہ نہیں کہا کہ ایک دو
 سانس حالت بخوری میں ملے ہوں، بلکہ فرمایا : ۷ رات ایک طرح کی بخوری چاہیے۔
 نشاط کی نفی کے بعد کسی دوسری طرف کی طرف اشارہ کیا اور یہ حال

صانع پر چھوڑ دیا کہ وہ اپنے حالات کی مناسبت سے جو مفید چاہے۔ پیش نظر رکھ لے۔ لیکن میرزا کو صرف دن رات کی ایک نائٹ میں بخودی درکار ہے۔ دن کو بخودی اس لیے مشغوب ہے کہ زندگی میں قدم قدم پر تکلیف و مصلحتیں پہنچا رہی ہیں۔ بخودی کی حالت میں ان کا احساس تک نہ ہوگا۔ رات کو اس لیے بخودی درکار ہے کہ دوسرے اور خواب پریشان نہ کریں گے۔

سب سے آخر میں یہ کہ خاتم کی راہی میں وہ کیفیت موجود نہیں جو اس کی اکثر رباہیات کا خاتمہ ہے۔ مگر مرزا نے دو مسرعوں میں تمام حقائق کیجا کر دیے۔ اور شعر کو اس درجہ پر کیفیت بنا دیا کہ انسان پریشانی اور وجد و سرخوشی میں مگر جو تباہی۔

۶ - ۵ - لغات - فروع : فروع کی جمع : شاخیں۔

شرعی : یہودی کا پھول۔

عارف : نڈا شناس، صاحب عرفان۔

شرح : اسے غائب و شاخوں کا بڑھنا اور پھولنا چڑ پر معروف ہے۔ جڑ چھپی ہوئی ہے اور شاخیں نمایاں ہیں۔ دوسری مثال پر جو سنسکتی ہے کہ مہرابت ناموشی سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی پہلے بات کا تصور ذہن میں آتا ہے پھر زبان الفاظ کی شکل میں دوزبان پر آجاتی ہے۔ یہی حالت اس کے پیچھے ہستے ہوئے کی تھی۔ دوسری حالت خود و تعارف کی ہوئی۔ گونا گوسوشی اصل ہے۔ باقی اس کی فروع ہیں۔

ایک اور مثال یہ ہے۔ دیکھیے اس کے گلاب اور سیوتی کے پھولوں کا رنگ و طبع قطعاً خوب اور ہر چیز مختلف ہے۔ لیکن ان سب کا پیدا ہونا بہار پر وقت ہے جس کا نام ہری وجود کو لی نہیں، پھول رنگ لاتے ہیں تو ہم کہتے ہیں۔ بہار آئی۔ بہار از صحت ہے کہ پھولوں کے رنگوں میں نہ لہجیں، بکر بہار کے اثبات پر نہ دیں۔ بہار اصل ہے، لالہ و گل و عنبر میں اس کی فروع ہیں۔

انسان کو زندگی میں مختلف حالات سے سابقہ پڑتا ہے اور ہر حالت کا

ایک دل میں مختصا ہے ، وہ مزور پورا ہونا چاہیے ۔ شفا بخوردی اور صحتی کا وقت
 ہو تو سر شراب کے ٹنگے کے پاؤں میں چلے تھپتے پر ہونا چاہیے اور دھوا دھوا
 کا مریج آجائے تو مرتبہ کی حرکت کر لینا چاہیے ۔ گویا بخوردی ایک کیفیت ہے ،
 جس کی اصل شراب کا قسم ہے اور نباتات ایک کیفیت ہے ، جس کی اصل قند ہے ،
 ان تمام پہاڑ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صفات باری تعالیٰ کا پیمانہ جس
 طرح گردش کرتا ہے ، یعنی مختلف صفات میں طرح و تلافی ظاہر کریں ، اب
 کے تقاضے مزور پورے کیے جائیں ، لیکن خواہشیں اور صاحب مرمان کے لیے
 لازم ہے کہ صفات کے تقاضے پورے کرنے کے ساتھ ساتھ ذات کو ہرگز نہ
 بھولے ، بلکہ اسی کی شراب سے ہمیشہ مست رہے ۔

ان چاروں شعروں میں مرزا نے اس حقیقت پر زور دیا ہے کہ کائنات کا
 مبداء ایک ہے ، زندگی میں اس کے مظاہرے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی ، ہر مفسر
 ان واجبات کا طلب گار ہے ، وہ مزور پورے کیے جائیں ، لیکن مبداء کو ایک
 ٹکے کے لیے بھی بھولنا نہ چاہیے ۔ مقصود حقیقی مبداء ہی ہے ۔
 مرقوم دیوانوں میں مختلف والا شعر سب سے آخر میں رکھ دیا گیا ، محقق کو
 اس کا اصل مقام اس وقت کا آنا ہے ۔

۱۔ لغات ؛	بساط عجز میں تھا ایک دل ، ایک قطرہ خوں ، وہ بھی
بساط عجز ؛	سورہتا ہے ، ہر انداز یکیدن سرنگوں ، وہ بھی
بساط عجز کی	رہے اس شوق سے آرزو ہم چندے نکلتے
بساط عجز کی	تکلف برطرف ، تھا ایک انداز جنوں ، وہ بھی
سورہ سادہ	

ہر اندازِ حکیمان
 نچکنے کے طور پر
 شرح :
 بھرتا ہر کی بنا
 میں جو سرد سانا
 ہے وہ مرث
 ایک ہے یعنی
 دلی اور اس
 کی کیفیت میں
 ہے کہ مرث
 خون کا ایک قطرہ
 ہے وہ قطرہ
 بھی سر جاکے
 نیچے کی طرف
 نکلا رہتا ہے
 گویا اسی ٹپک پڑے گا۔

خیالِ مرگ کب تسکینِ دل آڑوہ کو بخشے
 مرے دامنِ تنہا میں ہے اک صیدِ زہوں وہ بھی
 نہ کرتا کاش ! نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ، ہم
 کہ ہو گا باعثِ افزائشِ دردِ دروں ، وہ بھی
 نہ اتنا بجزِ ششِ شغِ جفا پر ناز و ناز
 مرے دیائے بے تابی میں ہے اک موجِ ثوں وہ بھی
 مے عشرت کی خواہشِ ساقی گروں سے کیا کہے
 جیسے بیٹھا ہے اک ، دو ، چار ، ہمام و اڑگوں وہ بھی
 مرے دلی میں ہے نالتِ شوقِ وصل و شکوہِ ہجران
 خدا وہ دن کرے ، جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

مطلب : ہے کہ دل کے سوا پیشِ پاں کو لے کر دانا نہیں اور دل کی کیفیت
 وہ ہے جس کی تفصیل جاری گئی ، یعنی ایک قطرہ خون ہے اور وہ بھی ٹپکا ہی
 پڑتا ہے ۔

بعض اصحاب نے اس شعر کو فیضی کے مندرجہ ذیل شعر سے مانور کیا ہے۔
 دریا بک کہ اندر است ذولِ قطرہ فروئے
 آلہ قطرہ ہم از دست تو لبریزِ ہیکیدان
 یعنی اسے ہر وہ جہان سے کہ دل میں سے غزن کا ایک قطرہ اتار دیا گیا

ہے اور اس قطرے کی حالت بھی تیرے ظلم و جور کے باعث سے ایسی ہو گئی ہے۔ گویا اس کا سپاہ شکنے سے لبریز ہو گیا ہے۔ یعنی ابھی گرا اور غلا ہوا چاہتا ہے۔

یہاں غائب کے شعر میں بھی دل، قطرہ، خون اور پکیدن کے الفاظ آئے ہیں، مگر دلوں کا مسنون ایک نہیں، فیضی نے بتایا ہے کہ دل میں سے صرف ایک قطرہ خون باقی رہ گیا، غائب نے اپنا کل سر و سامان دل بتایا اور وہ صرف لہو کی ایک بوند ہے، فیضی نے اس قطرہ خون کو محبوب کے ہاضموں ٹپکنے پر آمادہ قرار دیا۔ غائب نے یہ کہا کہ لہو کی جو بوند میرے پاس ہے وہ ٹپکنے کے انداز میں سر پہنے کیے ہوئے ہے۔ فیضی کا مسنون خاص ہے، غائب کا عام۔

بھڑوری مرحوم مرناتے ہیں کہ پرانی عمارتوں میں آب و ہوا کے اثرات سے ہا بھا کا لی جم جاتی ہے اور دیواروں سے پانی رسنے لگتا ہے۔ یہ پانی قطرہ قطرہ گرتا رہتا ہے، قطرے ایک دوسرے کا تقاب کرتے ہوئے آتے ہیں جو سب سے آگے ہوتا ہے، وہ ذرا سے توقف کے بعد گر پڑتا ہے، جو چیز ان کو ذرا اگر پڑنے سے روکتی ہے، وہ پانی کے سائنات کا باہم ملین ہوتا ہے، لیکن کہاں ایک قطرے کی قوت قرار، کہاں کرۂ ارض کی کشش ثقل، قطرہ کی تاب لا سکتا ہے، مرنے والا غائب نے اپنے دل کو ٹپکنے ہوئے قطرے سے مشابہ قرار دیا۔ الیاسے مرزا نے دل کو ناشپاتی سے تشبیہ دی ہے، حالانکہ اس کا بالائی حصہ چھوٹا اور زیری حصہ بڑا ہوتا ہے، حالانکہ دل کی کوئی تشبیہ ٹپکنے ہوئے قطرے سے بہتر ممکن نہیں۔

۲۔ لغات، تکلف پر طرف : حق تو ہے، سچ تو ہے۔

تشریح : ہم اپنے طوئ و رنگ محبوب سے متواری سی تیرت کے لیے نصیحت اور ہدایت کے طور پر لوگوں کو خوش رہنے، حق تو ہے کہ ہمارا یہ طریق

بھی جنوں عشق ہی کا ایک انداز تھا۔

مطلب یہ کہ محبوب سے آزدہ ہونے کی حقیقت بھال ہی نہیں۔ لیکن
نکاح سے آزدگی کی صورت پیدا کر لی۔ گویا سمجھنا کہ ایسا طریقہ اختیار کرینگے
تو محبوب کو خیال ہوگا وہ پوچھے گا کہ آزدگی کا سبب کیا ہوا؟ اس طرح
قدر و منزلت بڑھ جائے گی، لیکن حتیٰ یہ بناوٹ جو جنوں عشق کے انداز میں
اختیار کی گئی۔ جب دیکھا کہ محبوب پر کچھ اثر نہیں ہوا تو شک و شبہ پیدا ہوا
پہلے کی طرح اس سے ربط منقطع پر آمادہ ہو گئے۔

۳۔ لغات - صیدِ زہلولی : دجا اظہر و نا تو اس شکار جسے شکار
پسند نہیں کرتے۔

تشریح : جب دل رنجیدہ و غمزدہ ہو تو اسے موت کے خیال سے
کیا قتل ہو سکتی ہے؟ اگرچہ بھی تو میری یہ حالت ہے کہ آزدہ کے بھال ہی
بھنے شکار میں نے بھال رکھے ہیں، دن میں سے ایک دن اور مرلی شکار خیال
مرگ بھی ہے۔ یعنی مدت سے یہ مجھے بیٹھا ہوں کہ موت آئے گی اور غمزدہ
دل کے لیے تسکین کا سامان ہم پہنچے گا۔ لیکن موت آتی ہی نہیں اور یہ مرلی شکار
میری تباہی کے دام میں مدت سے الجھا ہوا ہے۔ گویا یہ ایک قنول اور بے خبر
خیال ہے جو پورا ہوتا نظر نہیں آتا۔

۴۔ تشریح : اسے ہمدمِ اکاش مجھے معلوم ہوتا کہ فریاد و فغان نہ
کرنی چاہیے۔ میں نے بے خبری میں کی، نتیجہ یہ نکلا کہ اس سے دل کا درد اور بھی
بڑھ گیا۔

فریاد و فغان کی غرض تو یہ تھی کہ دل کا بیمار نکل جائے گا جس درد
نے مجھے پریشان کر رکھا ہے، اس میں کمی آجائے گی، مگر اس نے اٹا کر کیا۔
درد میں اضافہ کر دیا، اگر پہلے سے مجھے اس تپے کی خبر ہوتی تو فریاد و فغان
کیوں کرتا؟

ہر ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ انسان بعض اوقات اپنے عذاب کی تخفیف کے لیے ایسی تدبیر اختیار کرتا ہے جس سے پریشانی میں کسی قدر تخفیف ہو جائے، لیکن وہ تدبیر مصیبتوں اور پریشانیوں کی شدت میں اضافے کا باعث بن جاتی ہے۔

۵۔ لغات۔ بُزِش : کاٹ۔

شرح : اسے محبوب ! تیغِ جفا کی کاٹ پر ہانکے کی کوئی سی دہی ہے، میرے دل میں جیاتی کا درد یا لہریاں نہ لہے، اُن لہروں میں سے ایک غمین لہر آپ کی تیغِ جفا میں ہے۔

مطلب : ہے کہ جن لہروں نے مجھے جیاتی و اضطراب کا تختہ مشق بنا رکھا ہے، آپ کی تیغِ جفا ان میں سے صرف ایک لہر ہے، اس کے علاوہ بھی نہایت کتنی لہریاں ہیں، یا میں اضطراب کی تصویر بنی ہوئی ہے ؟

۶۔ لغات۔ واثر گوں : اٹنا۔

شرح : جب جامِ امٹ دیا جائے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ جتنی شراب تھی، وہ پانی جا چکی۔ اب کچھ باقی ہی نہیں، جس کی خاطر جام سے کام لینے کی ضرورت ہو۔

آسمان کے ساقی سے حبش و مشرق کی شراب کی خواہش کا کون سا مقام ہے ؟ اس کے پاس ہے ہی کیا ؟ اک دو چار جام، جو اس کے پاس ہیں، انہیں بھی ادا کر چکا ہے، گو یا بہت سی شراب اس کے سینے میں تھی، وہ ختم ہو چکی۔

اک دو چار کو جمع کیا جائے تو سات بجتے ہیں، یہ اشارہ سات آسمانوں کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور سات تیاروں کی طرف بھی۔

مراد یہ ہے کہ اب آسمان کے ساقی سے کسی کو شرابِ مشرق نہیں مل سکتی، کیونکہ وہ سب کچھ ختم کر کے دکائی دے رہا ہے۔

بعض اصحاب نے کہا ہے کہ غالب کا یہ شعر باتی کے اس شعر سے
 اخذ ہے۔

چرخ را مدام نگویں دال گزے عشرت تہیت
 یادہ از جام نگوں جستن نشان ابلہیت

آسمان ایک اوندھا پیالہ ہے، یہ عشرت کی شراب سے خالی ہے۔ چو
 پیالہ اوندھا ہو، اس سے شراب و موندنا طاقت کا نشان ہے۔

یہ شہر دو تہی شعروں کی خلاہری وضع سے معنیوں کا تہا تھا معلوم ہوتا
 ہے، لیکن اسے پیش کرنے کا جو انداز غالب نے اختیار کیا، وہ باتی کے
 ہاں تاپید ہے، جاتی نے صرف یہ کہا کہ آسمان شورائ پیالہ لیے بیٹھا ہے۔

اٹنے پیالے سے شراب کیونکر حاصل کی جا سکتی ہے؟ غالب نے پختوں
 و اعلاۃ نہیں، حقیقی شاعرانہ رنگ میں پیش کیا اور کہا، آسمان کے ساتی سے
 بے عشرت نہیں مل سکتی۔ کیونکہ وہ تو خود اک دو چار پیالے اٹانے بیٹھا ہے
 بخود موندنی کہتے ہیں کہ غالب کو اپنی بے سرو سامانی پر کڑھنے کڑھتے

یہ خیال گزرتا کہ آسمان کے ساتی سے سوال کرنا چاہیے۔ شاید وہ ہمارے ہاں
 میں بھی کچھ ڈال سکے، پھر یہ ایک خیال آیا کہ وہ تو خود ہاں اٹانے بیٹھا ہے
 گویا اس کے اپنے پاس ہی کچھ نہیں، وہ دوسرے کو کیا دے سکے گا؟

بقول بخود: "دو تہی شعروں میں واقعہ اور بیان واقعہ کا فرق ہے
 ایک پیکریے جان ہے اور ایک پیکری ذی روح۔"

۷۔ **شرح:** اسے غالب! میرے دل میں وصل کا شوق بھی ہے
 اور جدائی کی شکایتیں بھی۔ خدا وہ دن لائے کہ میں اپنے محبوب سے دلوں
 چمزی کی سکوں۔ یعنی وصل کا شوق بھی عرض کروں اور ہجر کی جتنی شکایتیں
 ہیں، ان کا بخار بھی نکال لوں۔

۱۔ شرح :

میلوں کی بزم میں کھڑا
ہوں سے آرزو دار
ڈکھی ہے، گویا ہوں
نیک آہائیں چاہتا
یہ لوگ اتنے خوشام
طلب ہیں، چاہو سی
کے اتنے مادی ہیں
کہ ہم ملک آگئے ہیں
لڑنا و لڑائی کا طلب
ہے کہ ان کی مجلس میں
کوئی ایسی بات نہ آئے

سے بزم جہاں میں سخن آرزو ہوں سے
تنگ آئے ہیں ہم، ایسے خوشامد ظہور سے
سے دو بر تقدح و جہ پادیشاہی صبا
یک بار لگا دو غم سے میرے ہوں سے
رندان و ریکہ و گستاخ ہیں، نراہا
زخما نہ ہونا طرف ان سے اوہوں سے
بیدا و وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخر
ہر چند ہری جان کو تھاربط ہوں سے

وہی نہیں کہنے، جو سہانی اور راستبازی پر مبنی ہو یا ان کے حسن کی تعریف
کرنا گئے یا معوی فوائد میں کو اپنی خوش نصیبی قرار دیں گے یا ان کے غم و جور
کی مدح و ستائش کریں گے، غرض وہی باتیں نہ ہوں پر آجہاں، جو ان کے لیے
خوشی اور ان کی خوشنودی کا باعث ہوں۔ اس وجہ سے کوئی بات ہے تکلف
ہوں تک نہیں آتی۔ اسے کہیں گے کہ ہی لا پڑا ہے۔

عہدوں کے تعلق میں ہی اس شعر کی موزونیت مہیا ہے شرح نہیں لیکن
کہ تعریف اور شاعرانہ ماکوں کی مجلس کے تعلق میں فوریہ جہاں سے موزوں و
موزوں ہے۔

۲۔ لغات - دو بر تقدح : شراب پینے کا دور، جس میں چار داری
داری ایک ایک میز کے سامنے آتا ہے۔
صبا : شراب۔

تشریح : یہ جواری باری ساغر ایک ایک کے سامنے لایا جاتا ہے۔
اس سے تو شراب جزد جزد ہو کر کھجور باقی ہے۔ چاہیے کہ شراب کا ختم میرے
یوں سے ملکا دو تاکہ اسے یکدم پل ہاؤں اور پیالہ بھر بغیر کو باری باری دپنے
کی ضرورت نہ رہے۔

۳۔ **لغات :** طرف ہونا : مقابل ہونا۔ بحث و فکر اور کڑا۔
نہ ہونا : سرگز۔

تشریح : اسے زآبہ اسیٹھانے کے دروازے پر جوڑو میں دوڑے
گستاخ اور نہ بھٹ ہیں۔ ان بے ادبوں سے ہرگز سرگز بھٹ و ٹکڑا نہ کر چھنا۔
۴۔ **تشریح :** اگرچہ میری جان کو یوں سے گہرا ربط ضبط تھا، یعنی وہ
ہر وقت ہوں پر رہتی تھی اور دغا کا پورا حق ادا کرنا چاہتی تھی۔ لیکن دلی کے آٹھانے
اتنے کڑے۔ اتنے سخت اور اتنے جا بجا ز جوئے کو اس نے ہونہ کا ساتھ چھوڑ
دیا اور نکل گئی۔

مقصود شعر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دغا کے سٹھے میں عاشق کو جن مصیبتوں
اور آفتوں سے سابقہ پڑتا ہے ان کا بے پناہ ہونا واضح کیا جائے۔

۱۔ **تشریح :**

اب محبوب نے یہ طریقہ اختیار کر لیا ہے کہ جب
کوئی شخص میرا ذکر ان
کے سامنے پھیلا دیتا ہے
تو اسے منع نہیں کرتے
چپ چاپ سن لیتے
ہیں تاکہ میرے شکایت کی کوئی گنجائش نہ رہے۔ البتہ خود میرا ذکر کہیں نہیں کرتے
تاہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
سن لیتے ہیں، گو ذکر میں را نہیں کرتے
غالب ! ترا احوال سنا دیں گے ہم ان کو
وہ سن کے بولا میں۔ یہ اجارہ انہیں کرتے

اگر کسی کی طرف سے ذکر کر میں کر دیتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ محنت بگاڑ ہو گئی ہے اور عاشق کے لیے شکایت کا موقع پیدا ہوتا۔ اس صورت یہ ہے۔

۱۔ محبوب ذکر پر غفلت کبھی نہ کرے۔ اگر ایسا ہوتا تو عاشق محنت کر دیتا۔

۲۔ غفلت بھی نہ کرے۔ اگر ایسا ہو تا تو شکایت کی گنجائش پیدا ہو جاتی۔

۳۔ اظہارِ حال بھی نہیں کرتا کہ عاشق کے لیے مناسب کا موقع غفلت آتا۔ یہ تمام صورتیں ختم کر دیں۔ البتہ اگر کوئی ذکر بھیڑ دے تو سن میں ہے۔ حال بے تعلق ہے۔ نہ تعلق ہے۔ نہ حال ہے اور عاشق کے لیے یہ صورت حال گوارہ کی ہے۔ نہ وہ اسے تو تو قرار دے سکتا ہے۔ نہ بے توجہی۔

۴۔ تشریح : اسے نائبِ اہم تہ احوال محبوب کو مفرد سنا دیں گے۔ بلکہ وہ سب کچھ سن کر تجھے بلا لے۔ اس کا دفتر ہم نہیں لے سکتے۔

مولا نا طیب اللہ بانی نے لکھا ہے کہ اس شعر کے وجود کا علت بہت دقیق ہیں۔ بیچ والوں کا کہنا کہ سنا دیں گے ہم ان کو۔ اس کے معنی مفرد سے کے ہوتے ہیں۔ کہ کسی نہ کسی طرح مناسب موقع دیکھ کر اور محبوب کے مزاج کا اندازہ کر کے باتوں باتوں میں یا ہنسی ہنسی میں تہ احوال کو نقل کر دیا کریں گے۔ اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ تمام معنی الفاظ کے موقع استعمال سے ظاہر ہیں اور بتا رہا ہے کہ محبوب کو مفرد سنا دیں گے۔ خود ہی اور خود آقا ہے۔ مولا نا فرماتے ہیں کہ اگر ان الفاظ کی جگہ کہتے : "کرا دیں گے ہم ان سے" تو ان میں سے کثرتِ معنی ہوتی ہو جاسکتی ہے۔ چہرہ اندازہ نہیں کرتے۔ ایسے موقع پر جولاہا ہے، جب کوئی شخص اصرار سے کہے، اگر جس طرح بنے۔ میراں کا چاہ کرادو۔ غرض شعر سے عاشق کی جیتاں اور اصرار۔ محبوب کا مفرد و تازہ و نواں تصویریں واضح ہو گئیں۔

شرح :

میرے گھر میں کوئی چیز بقی ہی کہاں ہے

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اسے نارت کرتا ہے
وہ جو کہتے تھے ہم اک حسرت تعمیرِ صوبے

اسے محبوب ! تیرا غم عشق پر یاد کرتا ہے ؟ میں ایک تعمیر کی حسرت پہلے سے چلی آتی تھی ، وہ بدستور باقی ہے ۔ تعمیر کی حسرت سے مراد ہے کہ تعمیر کا خیال تو ہے ، مگر کوئی سامان موجود نہیں ۔ میں سے یہ آرزو پوری کی جا سکے ۔ حسرت باقی ہے ۔

۱۔ لغات ۔

تقریب : یہاں ہے

لفظ قریدہ : باعث

سبب کے معنی میں استعمال

ہوا ہے ۔ اصطلاح

مطلق میں تقریب کا

ایک معنوم یہ بھی ہے کہ

بات ایسے طریقے پر کی

ہا ہے جس سے دلیل

یا نتیجہ ذہن میں آجائے ۔

شرح :

غیر دنیا ہم پر اس طرح

سقط ہے کہ اول تو

سراٹھانے کی فرصت

ہی نہیں ملتی ۔ اگر کہیں

اتفاق سے سر اوپر

غم دنیا سے ، مگر پائی بھی فرصت سراٹھانے کی

فلک کا دیکھنا ، تقریب تیرے یاد آنے کی

کھیلے گا کس طرح مضمون مرے کتب کا یا رب

قسم کاتی ہے اس کا فرضے کا فز کے بٹانے کی

پیشا پر نیاں میں شعلہ آتش کا آساں ہے

وہ مشکل ہے حکمت دل میں سوزِ غم چھپانے کی

انہیں منظور اپنے زخمیوں کو دیکھ آنا تھا

اٹھے تھے سیرِ گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی

ہماری سادگی تھی الشفاست نماز پر مزا

ترا آنا نہ تھا غلہ ، مگر تمہید جاسنے کی

لکڑ کو پھوڑا دھوا کا تھلے کر نہیں سکتی
 اٹھتا ہے اور جو نظر آتا ہے
 جبری طاقت کہ ماضی تھی تہوں کے ناز اٹھا کر
 پر پڑتی ہے تو نہ تھی
 کہوں کیا خوبی اور صناع اہنا سے نماں نہایت
 ہے گویا آسمان پر نظر
 جبری کی اس نے جس سے ہم نے کی تھی بار بار
 پڑا تیرے یاد آنے کا
 اس طرح علم کا سامنا ہو جاتا ہے ۔
 سبب ہی جاتا ہے پھر

۶۔ لغات - قسم کھانا : جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس کے
 معنی ہیں ۔ ایک یہ کہ محبوب نے فیصد کر رکھا ہے جو کا فدا اس کے پاس پہنچے گا
 اسے جلا دے گا ۔ دوسرے یہ کہ وہ ہرگز نہ جلائے گا ۔

شرح : فرماتے ہیں اسے اللہ ! میرے خط کا معنیوں محبوب پر
 کیونکر لکھے گا ؟ اسے کیونکر معلوم ہو گا کہ مجھ پر کیا کچھ گزرا ہی ہے ؟ اس کا فز
 نے تو فیصد کر رکھا ہے کہ جو کا فدا اس کے پاس پہنچے گا اسے دیکھے اور کوئی
 بغیر ہی جلا دے گا ۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ خط کھول کر معنیوں پڑھ لینے کی تو اس سے کوئی عیب
 ہی نہ تھی ، البتہ اس نے ہر کا فدا جلا دینے کی قسم کھا رکھی تھی ۔ میرا خط جاتا تھا ،
 وہ آگ کی نذر ہوتا تھا ۔ اس سے شغلے اٹھتے تھے ۔ یوں میرا سوزِ علم آگ پر واضح
 ہو جاتا تھا ۔ اب اس عالم نے خط نہ جاننے کا فیصد کر لیا ہے ۔ گویا میرے سوزِ علم
 کے افکار کی جو گتھا نشانی تھی اس کا درد اذہ بھی بند ہو گیا ۔ فدا میں اپنے کثوب
 کا معنیوں کھٹنے سے بالکل محروم ہو گیا ۔

پہلا مطلب کسی پیچیدگی کے بغیر واضح ہے ۔ دوسرے میں کسی قدر عیب ہے ۔
 لیکن مرزا غالب کے ہاں مسموئی چہرے کی کوئی حیثیت نہیں ۔
 ص - لغات - پرتیاں : ریشم

مشریح : معلوم ہے کہ شعلہ ریشم میں بیٹا بڑا نہیں رہ سکتا۔ وہ فوراً بیکار
رہتا ہے۔ مرنے لگتے ہیں کہ شعلہ ریشم میں یہ آسانی بیٹا جاسکتا ہے۔ لیکن سہن غم کو
دل میں چھپائے رکھنے کی تدبیر بہت مشکل ہے۔

گویا یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ دل ریشم سے بددعا زیادہ آتشگیر اور غم عشق
کا سوز آگ سے زیادہ سرکش رہے پتا ہے۔

۴۰۔ **مشریح :** محبوب نے باغ کی سیر کا قصد کیا۔ شاعر کہتا ہے کہ
حقیقت وہ باغ کی سیر کے لیے نہیں نکلے، بلکہ یہ ایک شوخی آمیز بہانہ ہے۔ وہ
چاہتے ہیں کہ اپنے نفا کا وہ زمیوں کو ایک نظر دیکھ آئیں، گویا باغ میں پھولوں
کے کھینے کا منظر وہی حیثیت رکھتا ہے جو محبوب کے تیر نگاہ اور تیغِ فرس کے
گھائیوں کا ہے۔ بہانے کی شوخی کا مطلب یہی ہے کہ وہ ان گھائیوں کو دیکھ کر سیر باغ
کی طرح مزاحمت و انبساط کا باعث سمجھتے ہیں۔

۵۔ **لغات۔** الفتات : توجہ، مہربانی، لطف، اکرم

تسمید : اجلا۔ آغا۔ چلی خیمہ۔

مشریح : تو آگیا، ہم سادگی سے یہ سمجھتے رہے کہ ہم پر خاص توجہ اور
لطف و کرم ہوتا ہے، ہمارے لیے یہ لطف و کرم ایسی خاص چیز تھا، جس پر
ہمارے دل کا رک دینے کے لیے آمادہ تھے۔ لیکن اسے غلام، تیری حالت یہ کہ
ابھر آگیا، ادھر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ گویا تیرا آنا الفتات اور لطف و کرم
کی بنا پر نہ تھا، بلکہ تیرے چلے جانے کی تسمید تھا۔

دوسرے مصرع سے اول یہ واضح ہوتا ہے کہ محبوب صرف وہ ادوی آیا
اور چلی دیا۔ دوم اس میں ثورن ہے جسے کہ کوئی بھی آگاہ ہو وہ ہیر حال جانے کی
تسمید ہو رہا ہے۔

۶۔ **لغات۔** لکڑکوب : لکڑ مارا، ٹھکراؤ، پامان بکڑی خرمیں
مشریح : میری طاقت کسی داسے میں حسیتوں کے تازے ٹکٹ ٹکٹ

کرتی تھی، اس حالت یہ ہے کہ زمانے کے حادثات کی خبریں بھی برداشت نہیں کر سکتی۔

اس شعر سے جہاں اپنے صنعت اور ناتوانی کا اظہار مقصود ہے وہاں یہ بھی واضح کر دیا جاتا ہے کہ زمانے کے حادثات کی خبریں بہتر کے نازاٹھانے کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

۷۔ لغات - اوصاف و وضع کی جمع، طور طریقے، سلوک، برتاؤ دستور۔

اینا : زبان کی جمع : اپنا سے زبان سے مراد ہے، دیکھا دے، سام ہوگا۔
شرح : اس دور کے لوگوں نے جو طور طریقے اختیار کر رکھے ہیں اسے لغات : میں ان کے بارے میں کیا گویا؟ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اس فرد سے ہم نے ایک مرتبہ نہیں، بار بار نیک رہنا دیکھا، اسے جب موقع ملا، ہمارے ملحقہ برائی ہی کی۔

۱۔ لغات :

حاصل : پیداوار

مصل - فائدہ، نفع

آرزو خرامی :

غرام، حسب کردہ

یعنی اپنی کردہ کے

مطابق چلنا۔

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ، اسے آرزو خرامی

دل جوش گریہ میں ہے، ٹوہنی جوتی اسامی

اس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے

میں بھی علیحدہ ہوؤں میں، جوں و انج ناماتی

شرح : اسے آرزو کے مطابق نفع حاصل کرنے کی امید رکھنے والے

تو یہی درد سے ناامید ہو جا، کیونکہ روتے دھونے کے جوش میں دل کی اسامی
 شمع بنی ہے، یعنی اس کے پاس کوئی ایسی چیز باقی نہیں، یہی جو ہاتھ آسکے۔

مطلب یہ ہے کہ خیال قمار و دھوکہ کرتا حاصل کر لینے کی کوئی صورت
 نکال آئے گی، لیکن رونے و رونے نے دل کی یہی سہی حیثیت بھی ختم کر ڈالی۔
 ۲۔ مشرح : میری مثال اس شے کی سی ہے جسے جلتے جلتے کسی نے
 پھونک مار کر بھیا دیا ہو اور سر پائیل جالنے کا موقع نہ ملا ہو۔ اس فرق وہ
 جلتے ہوئی میں تو شمار ہو گئی، ساتھ ہی اس پر ناقہ کی کا داغ لگ گیا، یہی
 کیفیت میری ہے کہ جلتے ہوئی میں تو شامہ جوتا ہوں، لیکن پورا نہ جلا سکا اور
 ناقہ مر رہا گیا۔

کیا تنگ ہم ستم زدگاں کا سہماں ہے
 جس میں کہ ایک بیضہ مور آسمان ہے
 ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
 پر تو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے
 حالانکہ ہے یہ سیلِ خارا سے لالہ رنگ
 غافل کو میرے خیشے پر سے کا گمان ہے
 کی اس نے گرم سینہ اہل ہوس میں جا
 آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے
 کیا خوب اتم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
 بس چپ و چوہ ہمارے بھی منہ میں نہ جان ہے

۱۔ لغات :
 ستم زدگاں :
 ستم زدہ کی جمع،
 ظم کے اردے ہونے،
 بیضہ مور :
 جوتی کا اڈا۔

مشرح :
 ہم لوگ ظم کے اردے
 ہوتے ہیں۔ دیکھیے
 ہماری دنیا کتنی تنگ
 ہے، جس میں جوتی
 کے اندر تک کو
 آسمان کی حیثیت،
 حاصل ہے۔

نفاں مرچہ مبالغہ

بیٹھا ہے چو کہ سایہ دیوانہ یار میں
فرماں روا سے کشور ہندوستان ہے
ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا
کس سے کموں کہ دوزخ، جگر کا نشان ہے
ہے بارے اعتماد و فاداری اس قدر
غالب! ہم اس میں خوش ہیں کہ ناموران ہے

ہی نہیں، غلو معلوم ہوتا
ہے، لیکن غنیمت کے
نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے
تو اس کا نقشہ بالکل مختلف
نظر آئے گا۔ ہر انسانی
کے لیے دنیا کی وسعت
محض غنیمت اور ہمدردی
کے نقطہ نگاہ سے ہے
جہاں تک ہمدردی اور

محبت کا سلسلہ پھیل جائے گا، دنیا وسیع ہوتی چلی جائے گی۔ مگر جو لوگ غلو
اور ستم زدہ ہیں، انہیں کسی سے محبت اور ہمدردی کی توقع کیا ہو سکتی ہے؟
ظلم و ستم کی مزادانی کے ساتھ ان کی دنیا تنگ ہوتی جاتی ہے، یہاں تک
کہ یہ کہنا بھی آجے جاتیں، ان کی دنیا کا آسمان جیونئی کے انارے کی حیثیت
رکتا ہے۔

۲۔ شرح :۔ بخود کی مروت اس شعر کی شرح میں فرماتے ہیں :
۔ مادہ خود پہان اور جامہ ہے۔ جو چیز مادے کو تحریک و جنبش
میں لاتی ہے، وہ حرکت ہے، مگر حرکت خود اپنی ذات سے
آفرینش کی قدرت نہیں رکھتی، خوب ملک کر معین نہ ہو۔ اگر
حرکت میں قاعدہ نہ ہو تاکہ دنیا عالم مناو سے عالم کون میں نہ
آسکتی، پس علت، العنل وہ ذات یا طاقت ہے جو حرکت
کے پس پشت حرکت کو نہیں دیتی ہے :

کائنات میں جو حرکت نظر آتی ہے، اسے مالکِ نخل ! وہ خبرے دوتی ہوئی
کی وجہ سے ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ذرہ خود کوئی حیثیت نہیں رکھتا،

لیکن دنیا بھر کو تابان و درخشاں بنا دینے والا آفتاب ذرے پر چلے آفتاب
ہوتا ہے تو اس میں جان پڑ جاتی ہے۔

یہ حقیقی منظر کی تصویر ہے۔ آپ اسے دیکھنا چاہیں تو کسی روزانہ میں
سے سورج کی کرنیں گزرنے کا سماں دیکھ لیں۔ اس میں آن گنت ذرے
حرکت کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ گویا آفتاب کی روشنی نے کرنوں کے
ذریعے سے ان میں جان ڈال دی۔ یہی کیفیت کائنات کی ہے۔ اس میں
جو جنس، تڑپ اور اضطراب نظر آتا ہے وہ کائنات کے خالق کے
ساقی و عشق و محبت کا کرشمہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے اہر چھوٹا بڑا وجود عشق
میں سرشار اُسی کی طرح دوڑا چلا جا رہا ہے۔

میرزا غالب نے یہ معنوں مختلف معنوں میں بانٹا ہے مثلاً:

ہے تجلی تری سامان وجود

ذره بے پرو تو نور شد نہیں

طبیعیات کے نقطہ نگاہ سے بھی یہ معنوں بالکل مطابق حقیقت ہے
آفتاب کے پرتو عین حرارت کے باعث ہوا گرم ہو کر چلتی ہے اور چیلنے
کے باعث پانی ہو کر اوپر چڑھتی ہے۔ دوسری جگہ سے ہوا دوڑ کر اوپر چڑھنے
والی ہوا کی جگہ مٹی ہے اس طرح ایک حرکت ایک مسلسل قائم ہو جاتا ہے۔ اس
طرح یہ کہنا بالکل درست ہے کہ آفتاب کے پرتو سے ذرات میں جان پڑ گئی
گویا جہاں جہاں یہ پرتو پڑا پوری فضا میں مسلسل حرکت شروع ہو جاتی ہے
اور یہ بغیر بالکل درست ہے کہ ذرات میں جان پڑ جاتی ہے۔

۳۔ کائنات - ریشم : تھپڑ - ضرب

شرح : حقیقت یہ ہے کہ میرے دل کا شیشہ رنگ خدا کی ضرب
کھا کر اسے کی طرح سرخ ہو گیا۔ جہن لوگوں کو حقیقت کی روشنی نہیں ملے وہ
سمجھتے ہیں کہ میرے دل کے شیشے میں شراب بھری ہوئی ہے۔

شاعر کو مقصود ہے کہ حقیقت عاشقوں کو گم میری ناپسندیدہ حالت دیکھ کر
سمجھتے ہیں، گویا میں اطمینان و دلچسپی سے عیش و عشرت میں مصروف ہوں، حالانکہ
دنیا کے آفات و مصائب کی خطرہوں سے میرا وجود سراپا خون آلود ہے۔

شاعر نے دو ہی صورتوں میں سرفی کو اہم اور شہر آشوب قرار دیا۔ خافضی اسے
شراب کی سرفی سمجھتے ہیں، حالانکہ اصلاً یہ سرفی حوادث کی چوٹ کا نتیجہ ہے۔
بعض اصحاب کو یہ دوسرا ہجو کہ پتھر کی ضرب شیشے کو چکنا چور کر دیتی
ہے، اس میں سرفی پیدا نہیں کرتی، لیکن شعر میں یہ کوئی بھیجیدہ مسالہ نہیں، شاعر
نے شیشے کو دل کا استعارہ اختیار کیا اور اس کے لیے چوٹ کے آئندہ کی عمومی حیثیت
پیش کر دی، یعنی ضرب شیشے پر نہ لگی، اول پر لگی اور وہ پتھر کی چوٹ نہ تھی، بلکہ
حوادث کی چوٹ تھی، لہذا اس شیشے کا لگا لگا ہوا جاتا قویہ غیر نہیں سمجھا جاتا،
۴۔ **مشرع** : محبوب نے اہل ہوس یعنی رقیب کے سینے میں مدافن افروز
ہونا مناسب سمجھا۔ اہل ہوس کا مکان فتنہ اہر، وہ مجلس آزمائی کے لیے کیوں پسند
نہ آئے۔

اہل ہوس کے سینے کو فتنہ اس لیے قرار دیا کہ وہ عشق کی حرارت سے
ہم آہستہ ہوتا ہے۔

شعر میں الفاظ کی مناسبت مناسب تشریح نہیں، معنوی اعتبار سے اس کی
حقیقت معمولی ہے۔

۵۔ **مشرع** : غواہ برائی فرماتے ہیں :

بھادے بھی منہ میں نہ رہا ہے : اس میں دو معنی دیکھتے ہیں، ایک
یہ کہ بھادے پاس ایسے ثبوت ہیں کہ اگر بوسنے پر کسے تو قسم کو
خافضی کر دیں گے اور دوسرے شروع صحتی ہے میں کہ ہم زبان سے
چکھ کر جان سکتے ہیں کہ غیر نے بوسہ دیا یا نہیں۔

شعر کے عام انداز سے ظاہر ہے کہ عاشق اور محبوب میں بوسہ رقیب کے

مستحق بحث اور مذکورہ شروع ہو گئی تھی۔ عاشق محبوب پر الزام لگاتا تھا کہ تم نے ضرور رقیب کو بوسہ دیا۔ محبوب انکار کرتا تھا۔ چپ چبڑے سے طویل کھینچا تو عاشق نے کہا: "اچھا، بڑے سامنے کرتے ہو؟ ہم شہوت پیش کر سکتے ہیں یا زبان سے چکھ کر بتا سکتے ہیں کہ تم نے رقیب کو بوسہ دیا۔ اس میں بھی لفظی منابہتیں واضح ہیں۔

۶۔ **مشرح** : جو شخص محبوب کی دیوار کے ساتھ میں جا بیٹھا ہے وہ بھی حیثیت اور وہی شان و عظمت حاصل ہو جاتی ہے۔ جو ہندوستان جیسے وسیع و عظیم ملک کے فرما نرواد کو حاصل ہو۔ ہندوستان سے صرف ہندوستان جیسے ہندوستان مقصود نہیں، بلکہ وہ ملک مقصود ہے جس میں پاکستان میں شامل تھا اور جس کی صدی فیصد غیر سے برائے نام اور قراقرم سے اس کی ماری ملک پھیلی ہوئی تھیں۔

کشور ہندوستان کا فرمانروا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مرزا کے قتل کے مطابق جو شخص اس وسیع ملک کے تحت کا ملک ہو، وہ کوئی اس کی عظمت کا مقابلہ کر سکتا ہے اور نہ اس کی کوئی آرزو و اماند و تکمیل ہو سکتی ہے۔ یقیناً محبوب کے ساتھ دیوار میں بیٹھنے کا تجربہ ہی یہی ہو سکتا ہے۔

ایک پہلو یہ بھی نکال لیا گیا ہے کہ سایہ میں ایک گوند قمر کی پوتی ہے۔ ہند کے معنی بھی سایہ کے ہیں اور یہ ہے بھی کاسے لوگوں کا ملک، لہذا اسے سایہ کے ساتھ مناسبت پیدا ہو گئی۔ یہ مناسبت کسی دوسرے ملک کی فرمانروائی میں نہ ملتی۔

۷۔ **مشرح** : بہار اور سوز عشق سے جیتے جیتے محو ہو گیا اور اس کی جگہ ایک داغ پڑ گیا۔ جو جگر کی نشان دہی کر رہا ہے۔ لیکن غم کی وجہ سے نے میری یہ حالت کہ رکھی ہے کہ میری کا اعتبار ہی باقی نہیں رہا۔ وہ اعتبار ہی بالکل مٹ گیا۔ جیسا کہ داغ جگر کی نشانی موجود ہے۔ اگر اپنی نفسیاتی کیفیت کے

پیش نظر کس سے کہوں اور کیونکر کہوں کہ یہ واقعہ جگر کا قلم مقام ہے، ایسا کہنا
ہستی کے اعتبار کی دلیل ہوگا اور میرے دل سے وہ اعتبار بالکل نا اعلیٰ ہو چکا
ہے۔

مولانا طہطائی فرماتے ہیں "یہ مصنفون بہت بڑا اور خاص مصنف مرحوم
کا نچوڑ فکر ہے۔"

۷۔ **مشرح** : اسے غالب اجماع میں خوش ہیں کہ محبوب ہم پر
نامہ راز ہے۔ کسی بھی صورت میں لطف و کرم سے نوازنے کے لیے تیار
نہیں، ظلم و ستم ہی میں سرگرم رہتا ہے۔ اس سے واضح ہو گیا ہے کہ اسے
جہاز و وفاداری پر پورا بھروسہ ہے اور مانتا ہے کہ کتنی ہی بے وفائی اور سختی
کا بردار کیا جائے۔ یہ عاشق محبت ترک نہیں کرے گا۔

نامہ راز، اپنے وفائی اور کثرت ظلم و ستم کو اپنی وفاداری کے لیے متوازن
اعتقاد بنا کر غالب ہی کا حصہ ہے۔

یہ پوری فانی	درد سے میرے ہے تجھ کو بے قراری ہائے ہائے !
غزل کی روپ	کیا ہوئی ظالم تری غفلت شعار می ہائے ہائے !
کا مرثیہ ہے۔	تیرے دل میں گزرتا آشوب غم کا حوصلہ
تلفظ شعری	تو نے چہرہ کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے !
سے معلوم ہوا	کیوں میری غمخوارگی کا تجھ کو آیا تھا خیال ؟
ہے کہ اس	و دشمنی اپنی تھی میری دوست داری ہائے ہائے !
میں زیادہ تو	
اشعار اس	
وقت کا کیفیت	
پیش کر رہے	

عمر بھر کا تو نے پیساں دنا بانڈھا تو کیا
 عمر کو بھی تو نہیں ہے پائنداری ہائے ہائے !
 زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوا سے زندگی
 یعنی تجھ سے تھی اسے ناسازگاری ہائے ہائے !
 گل نشاہ سے ناز جلوہ کو کیا ہو گیا ؟
 خاک پر جوتی ہے تیری لالہ کاری ہائے ہائے !
 شرم رسوائی سے ہا چھپتا نقاب خاک میں
 ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے !
 خاک میں ناموس پیساں محبت بل گئے
 اٹھ گئی دنیا سے راہ و رسم داری ہائے ہائے !
 اتھ ہی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا
 دل پہ اک گئے نہ پایا زخیم کاری ہائے ہائے !
 کس طرح کاٹے کوئی شہاے تار بر شکال
 ہے نظر نحو کردہ اختر شہاری ہائے ہائے !
 گوش مجبور پیام و چشم محسوس جمال
 ایک دل ، بس پر یہ تا اُمید داری ہائے ہائے !

میں سب محبوب
 پر حالت نرس
 کاری تھی ۔

۱۔ شرح

اسے محبوب !
 آج تجھے نرس
 کی حالت میں
 دکھ کر میں نرس
 رہا ہوں تو تو
 بھی بیتاب
 و بیکار ہے ۔

وہ دن کمر
 گئے جب میں
 تجھ پر مڑا تھا
 اور تو قناعت
 سے کام لیتے

ہرے میری
 بات تک نہ
 پہنچتا تھا ۔

۲۔ لغات
 آشوب علم
 غم کا طوق
 غم کا بھرم ۔

عشق نے پکڑا نہ تھا، غائب! ابھی وحشت کا رنگ : **مشرح :**
 رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ شہوانی اسے ہستے :
 میں نے اس کے

ظہان پر داشت کر لینے کی ہمت نہ تھی تو تو نے کیوں مجھ سے ہمدردی اور غمخواری
 کا شیوہ اختیار کیا تھا؟ بہتر ہوتا کہ مجھ سے نا آشنا اور بے پروا رہتا کہ آج میری
 پریشاں حالی پر تجھے پریشان نہ ہونا پڑتا۔

۴۔ **مشرح :** تجھے کیوں میری غمخواری کا خیال آیا؟ کیوں میرے
 دل کو سنا اور سینے کے لیے قدم بڑھایا؟ آہ! مجھ سے دوستی کر کے تو نے
 اپنے ساتھ وحشت کی۔

۵۔ **مشرح :** بیشک تو نے عمر بھر کے لیے وفاداری کا عند کر لیا،
 لیکن اس سے کیا ہوتا ہے؟ عمر کو بھی تو پاداری اور استوری حاصل نہیں
 یعنی جو عہد وفا یا صدا تھا وہ اس اعتبار سے بھی تو بے استوار ہی رہا۔

۶۔ **مشرح :** اس دنیا کی آب و ہوا مجھے زیر معلوم ہوتی ہے،
 کیونکہ یہ آب و ہوا میرے لیے سازگار نہ ہوتی، تو نے کوچ کی تیاری کر لی تو
 میں بھی پیچھے سے ہانگل بیزار ہوں۔

۷۔ **مشرح :** پہلے تیری جلوہ افروزی کے وقت جلوہ و نماز کے
 پھول پھرتے تھے، آج یہ حالت ہے کہ تیری تربت پر پھول اگاے جا
 رہے ہیں۔

۸۔ **مشرح :** تو نے خاک کا پردہ اوڑھ لیا، لیکن عشق کی نیک نائی
 پر حرف نہ آنے دیا اور دھواں کی مشرم گوارا نہ کی، اسے میرے محبوب :
 تجھ پر محبت کی پردہ داری ختم ہو گئی، اس میں تو نے وہ کمال کر دکھایا جو
 دوسرے سے ممکن نہ تھا۔

۹۔ **مشرح :** انہوں نے محبت کی عزت خاک میں مل گئی اور دنیا میں

دوستی کی راہ و رسم باقی نہ رہی۔

۹۔ **شرح :** جس محبوب سے برابر زخم کھاتے رہنے کی آرزو تھی اس کا تیغ آذنا آتے ہی معطل ہو کر رہ گیا اور ابھی میرے دل پر ایک بھی کاری زخم نہیں لگا تھا۔

اس شعر اور اس سے پہلے شعر میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ابھی محبت کی ابتدا ہوئی تھی، اسی حالت میں محبوب دنیا سے رخصت ہو گیا۔ دل کی تمنائیں اور آرزوئیں دل ہی میں رہ گئیں۔

۱۰۔ **لغات :-** برشکال : برہات۔

شرح : ہماری نگاہیں تو بھر کی راتیں تارے گنگ گنگ کر کاشنے کی عادی ہو گئی تھیں۔ برہات کی اندھیری راتیں آگئیں، انہیں کوئی کس طرح کاٹے؟ برہات کی راتیں اس لیے کہا کہ فراقِ محبوب میں مسلسل رونے دھونے کے سوا کچھ کام نہیں اور یہ بھی تھا ہر جے کہ برہات کی کالی راتوں میں اور کے باعث تارے عموماً نظر نہیں آتے اور جو شخص تارے گنگ گنگ کر رات کاتنے کا عادی ہو، اس کی عروسی بھانج بیاں نہیں۔

۱۱۔ **شرح :** کانِ محبوب کا پیغام سننے کے لیے ترستے ہیں اور آنکھیں جمال دیکھنے کے لیے تڑپ رہی ہیں۔ پہلو میں ایک دل ہے اور اس پر دیوی دانا میدی کا یہ طوفان اُٹھ آیا ہے، کوئی کرے تو کیا کرے؟

۱۲۔ **شرح :** اسے غالب! میرا عشق ابھی وحشت کے درجے پر نہیں پہنچا تھا۔ یعنی دنیا اور اہل دنیا سے بے پروا ہو کر رسوائی اور ہنوائی کی طرف سے آنکھیں بند کرتے ہوئے صراگردی اور وحشت نوردی کی قربت نہیں پہنچی تھی۔ دل میں زلفت و رسوائی اور شہزادی و ہنوائی کا جو ذوق تھا، وہ دل ہی میں رہ گیا۔

شعر میں عشق اور وحشت کے آثار واضح کر کے دونوں میں جو فرق نمایاں کیا

وہ خاص توجہ کا محتاج ہے۔

۱۔ افات -

سرگشتگی بہرہ پر
جنون دلو اگی۔

شرح : جنون دلو اگی نے یہ حال کر دیا ہے کہ اب زندگی سے بالکل نا امید ہو گئی۔ آرام د سکون کی خواہش کو خوشخبری ستا رہا کہ مر جانے کی امید ہے اور مرتے ہی جنون دلو اگی سے نجات مل جائے گی۔ یعنی جو چیز موت کا سبب ہے اور ہی آخر تکیں آرام کا باعث بن جائے گی۔

۲۔ شرح :

عرب معظرو نے اختیار دل کی ذرا پردائیں کرتا۔ یعنی وہ اس سے نفاق نہ رہا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اب تک دل میرے ہی پاس ہے۔ حالانکہ وہ میرے اختیار سے باہر نکل چکا ہے۔

سرگشتگی میں، عالم ہستی سے پاس ہے
تسکین کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے
لیتا نہیں میرے دل آوارہ کی خبر
اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے
کیجے بیاں سرور تپ غم کہاں تلک
ہر مو میرے دل پہ زبانِ سپاس ہے
ہے وہ غرور حسن سے بیگانہ و فنا
بہر چند اس کے پاس دلِ حق شناس ہے
پہن جس قدر بے شبِ متاب میں شراب
اس بغنی مزاج کو گرمی ہی راں ہے
ہر اک مکان کو ہے مکین سے شرفِ استاز
مجنون جو مر گیا ہے تو جنگل اُو اس ہے

میرے ہی پاس ہے۔ کے دو مضموم ہیں۔ اول یہ کہ عاشق کے پاس ہے جس کی تشریح اور پہلی دوم یہ کہ محبوب ہی کے پاس ہے اور جو چیز اس کے پاس ہے اس کے تعلق ہے غیری اور تعلق کسی تشریح کا محتاج نہیں۔

۳۔ لغات۔ سپاس : شکر، شکرگزاری

تشریح : تب چڑھنے کے وقت جن کے دل گتھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی کیفیت کے پیش نظر فرماتے ہیں کہ تب غم چڑھنے کی لذت دشنامی کہاں تک بیان کی جائے یا میرے جسم کا ایک ایک رملٹن شکرگزاری کے لیے زبان بنا جو ہے۔ یہ اس ہمہ وقت معروض بیان میں نہیں آ سکتی۔

۴۔ تشریح : محبوب کو حسن کے گھنٹے دانا داری سے بے پروا کر دیا ہے، حالانکہ اس کے پاس حق پہاٹنے والا دل موجود ہے۔

حق چھانٹنے والا دل محبوب کا دل نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو غرض اس سے دانا داری سے برگشتہ نہ کر سکتا۔ یہ عاشق کا دل ہے۔ یعنی اگرچہ عاشق کا حق شناس دل اس کے پاس ہے، جو دانا کے تعارض سے اسے آگاہ کر رہا ہے، لیکن حسن کے غرور نے اس میں حق شناسی کا جو سہرا باقی ہی نہیں چھوڑا۔

۵۔ تشریح : چاندنی رات مطلوب ہونے کے باعث خشکی ہوتی ہے اس لیے کہتے ہیں کہ چاندنی رات میں صحنی بھی شراب لے، یہاں کیا کرے بغیر کی اصلاح شراب ہی سے ہو سکتی ہے۔

۶۔ لغات۔ مکیں : رہنے والا، سکونت رکھنے والا۔

تشریح : سے استہ! ہر مکان کی عزت و برتری اور رونق و آبادی اس میں رہنے والے پر موقوف ہے۔ دیکھیے، بھونچا جب تک سحر میں تھیم تھا وہاں رونق اور چہل پہل تھی۔ جب سے وہ مرا ہے، پورے صحرے پر اسی بھونچائی ہوئی ہے۔ نہ کہیں کوئی جنگ رہے، نہ کہیں آبادی نظر آتی ہے۔ ایک شام ہے، جو ایک صحرے سے دوسرے صحرے تک کیٹاں طاری ہے۔

۱۔ لغات ۔

اختلاف: جھگڑا

پوشیدہ: کھن۔

تشریح: اگر

خاصی کا فائدہ ہی

ہے کہ انسان کی دلی

کیفیات اور حقیقی حالت

پہچے رہتے ہیں اور

لوگوں پر واضح نہیں

ہوتے تو میں اس بات

پر خوش ہوں کہ یہ فائدہ

مجھے پورے کے باوجود

حاصل ہے، کیوں کہ جو

باتیں میں کہتا ہوں ان

کا سمجھنا بے حد مشکل

ہے ۔

خاصی کا معنی

ہے کہ انسان چپ

رہے اور کوئی بات

دہان پر نہ لائے لیکن

اگر کوئی شخص باتیں کرتا

تو اور ان کا سمجھنا ممکن نہیں تو پورے کے باوجود اسے خاصی کا حقیقی فائدہ

حاصل ہے ۔ یہی حقیقت مرزا قاضی امین شعر کے ذریعے سے واضح کر رہے ہیں

گر خامشی سے فائدہ اخفا سے حال ہے

خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا گلہ

دلِ فردِ جمع و خرچ نہ بانہا سے لال ہے

کس پردے میں ہے آئینہ پر دازن سے خدا

رحمت کہ عذر خواہ لب بے سوال ہے

ہے خدا نخواستہ اور دشمنی

لے شوقِ منتقل ! یہ نتیجہ کیا خیال ہے

مشکلیں لباسِ کعبہ علی کے قدم سے جان

تابِ زمین ہے نہ کہ تابِ غزال ہے

دشتِ پیرِ میری عرصہ آفاق تنگ تھا

وریا زمین کو عرقِ انفعال ہے

ہستی کے مت فریب میں آجا تیرا آمد

عالمِ تمام حلقہٴ دامِ خیال ہے

ہستی کے مت فریب میں آجا تیرا آمد

عالمِ تمام حلقہٴ دامِ خیال ہے

ہستی کے مت فریب میں آجا تیرا آمد

عالمِ تمام حلقہٴ دامِ خیال ہے

ہستی کے مت فریب میں آجا تیرا آمد

عالمِ تمام حلقہٴ دامِ خیال ہے

ہستی کے مت فریب میں آجا تیرا آمد

عالمِ تمام حلقہٴ دامِ خیال ہے

ہستی کے مت فریب میں آجا تیرا آمد

اقلب ہے اس اشارہ مرزا کے کلام کی طرف ہو جسے عام اسلوب بیان کے عادی مشکل سمجھتے تھے اور آسان کہنے کی زبانیں کرتے رہتے تھے۔

۲۔ لغات۔ فنون جمع و تفریع : دو رجسٹر جس میں آمدنی اور خرچ کا اندراج ہوتا رہے۔

زبانہا سے لال : گوئی زبانیں۔

شرح : جو کچھ سیرے دل میں ہے، انہیں اس کے کہیں بیان نہ کر سکا۔ اس باب میں جو حسرت رہ گئی، اس کا گلہ کس سے کروں؟ دل کی یہ کیفیت ہے کہ وہ گوئی زبانوں کی آمد و خرچ کا رجسٹر بنا ہوا ہے۔ یعنی اس کا پورا اندازہ گوئی زبانوں پر مشتمل ہے، جن سے مناسب موقع پر حقیقی کیفیت ظاہر نہ ہو سکی۔

دل کی کیفیت کا اظہار زبان گویا پر موقوف ہے، جو زبان گویائی کی صلاحیت سے محروم ہو۔ وہ کچھ نہیں کہہ سکتی۔ مرزا کہنا چاہتے ہیں کہ دل میں جتنی بھی کیفیتیں ہیں، وہ اس لیے معرضی بیان میں نہ آسکیں کہ جو زبانیں ہیں وہ گوئی نہیں، لہذا ان کیفیات کے اظہار کی حسرت باقی رہ گئی اور لطف یہ کہ اس حسرت کا شکار ہمیں کسی سے نہیں کر سکتا۔

۳۔ لغات۔ آئینہ پر دار : آئینے کو ہار دینے اور روشنی کرنے والا۔

مذہر شخوہ : خود غور کرنے یا کسی کا عقد قبول کرنے والا یعنی وہ جو غور و غور خواہ ہو یا دوسرے کو مفہور سمجھے۔

شرح : اسے خدا! تیری رحمت کس پر دے میں آئینے کو ہار دے رہی ہے؟ وہی اس لب کی مذہر خواہ ہے جسے سوال کا واسطہ نہیں اور وہ گناہوں کی کثرت کے باعث گم ہوا اثر ہوتا ہے۔

رحمت کے لیے آئینہ پر داری کا ذکر کرنا اس لیے کیا کہ اسی کی برکت سے

گناہوں کے رنگ نہ اُٹھ جاتے ہیں۔ اب ہے سوال اس بنا پر بھی جو گناہ ہے کہ گناہوں کی مراد ان کے پیش نظر کو پہنچنے کی محبت نہیں پڑتی، اس بنا پر بھی جو گناہ ہے کہ نظر صرف اللہ کی رہنا ہے اور دینا صرف اس سے کچھ کسنا رہنا کے معنی ہیں۔ سوال کا جواب یہ ہے کہ جو اب بے سوال ہو گا، اس کا بے نفس ہو آخروں ہی ہے۔ انسان بولے اور آغیتہ منہ کے پاس ہو تو وہ ماضی سے گذر رہا ہے، غالباً اس سے رحمت کو آغیتہ پر انداز قرار دیا۔

۴۔ لغات - منقول : شرمندہ، پیشانی۔

مشریح : شوق اپنی تمام کوششوں کو سب سے بڑا دیکھ کر شرمندہ و پیشانی ہے اور اسے یہ خیال ہو رہا ہے کہ میں نے جس سے محبت کی اور دوست نہیں رکھتا ہے۔ شاعر شوق کو سمجھا رہا ہے کہ تجھے یہ خیال کیونکر آیا؟ خدا ذکر سے کہیں یہ ممکن ہے کہ محبوب ہم سے وطن کا طریقہ اختیار کر لے۔

اصل مقام یہ ہے کہ محبت کے راستے میں مختلف منزلیں آتی ہیں۔ تحقیق پر پڑتے ہیں، مصیبتوں اور نا کامیوں سے بھی سابقہ پڑتا ہے۔ آخر مزلے لوگ ایسے مواقع پر محبت اور پیوستہ ہیں۔ لیکن مرزا اپنے شوق کی تعدادیں بند باندھتے ہوئے کہتے ہیں کہ محبوب کی طرف سے دشمنی کا خیال بھی نہیں ہو سکتا۔ شوق کی سرگرمی پر دستور جاری رہنی چاہیے۔

۵۔ لغات - لباس کعبہ اس سے مراد وہ کپڑا ہے جو عزم پاک کی دھاریوں کو داسر سے ڈھانپنے رہتا ہے اور جسے عام مسخروں میں خلعت کہہ جاتے ہیں۔ ابتدا میں خلعت کے لیے رنگ کی کوئی تخصیص نہ تھی، اب وقت سے سیاہ رنگ ہی کا خلعت چڑھایا جاتا ہے، یہ غالباً عباسیوں کے عہد میں شروع ہوا، جنہوں نے لادانی لٹائوں کے لیے کالا رنگ اختیار کر لیا تھا۔ اس رنگ کی ایک ٹولی یہ بھی ہے کہ اس میں میلے پن کا اثر نمایاں نہیں ہوتا، نیز

وصوب یا بادش کے باعث اس میں تغیر نہیں آتا۔

نافذ زمین : زمین کا مرکز۔

نافذ غزال : بہرن کی نافت، جہاں ایک خاص قسم کے بہرن میں مکلف پیدا ہوتا ہے۔

شرح : حرم پاک کے لباس کا ٹٹک جیسا رنگ حضرت علی کے قدم کی برکت ہے، وہ تیرہ مقدس مقام زمین کا مرکز تو یقیناً ہے، لیکن بہرن کی نافت قطعاً نہیں۔

لوگوں نے نافت زمین پر بحثیں کی ہیں، حالانکہ ان کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ مولا اولیاء طہائی فرماتے ہیں کہ کہے کہ نافت زمین کتنا حدیث کا معنی ہے۔ اور نافت زمین سے وسطی زمین مراد ہے، لیکن کعبہ وسط زمین نہیں، کیونکہ خط استوا سے ہٹا ہوا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اسی حدیث بہت کم ہیں، جن کا مخفیہ معنی اور قسطنطنیہ دور ہونا ثابت ہو۔ ایک توجیہ انھوں نے دی ہے کہ جن غلوں میں بہرن اور سردی کی انتہا ہے، وہاں ایسے مائتروں کی بڑیاں ملتی ہیں، جو گرم ملکوں کے، بننے والے ہیں۔ گویا ایک زمانے میں انتہا سے شمال کا منطقہ بارہ منطقہ مدار میں تھا، اس وقت عرب کا ملک جزیرہ خط استوا پر ہو گا۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، یہ بحث بالکل بے عمل ہے، حرم پاک کو نافت زمین جغرافیائی اعتبار سے نہیں کہا گیا کہ اس بارے میں خط استوا کی بحث ضروری ہوئی۔ یہ متبرک مقام اپنی عظمت و جلال اور تقدس و پاکیزگی کے اعتبار سے زمین کا مرکز اور اس کی نافت ہے، کیونکہ جاہلیت و ارتداد کی بہرن اس سے نکل کر انتہا سے عالم میں پھیلتی ہے۔

۶۔ نفات - عرصۂ آفاق - وہ سے زمین کی وسعت۔

عرق الفضال : شرمندگی اور ندامت کا پسینا۔

شرح : جب کعبہ پر وحشت طاری ہوئی اور میں نے صحرانوردی شروع

کی تو دنیا و محبت کے باوجود میرے لیے تنگ نظر آئی۔ اس پر اسے فراموش
کا پسینا شرم و غم ہوا۔ وہی پسینا ہے، جس سے نہ پا کر وہ یاؤں اور سمندر وں
کی شکل اختیار کر لی ہے۔

۷۔ **مشرع :** یہ دنیا محض خیال اور اعتباری حیثیت رکھتی ہے یعنی
تکثر خیال کا پیدا کیا ہوا ایک حلقہ ہے، اس کی حقیقت کوئی نہیں۔ اسے استد
کلیں اس دھوکے میں مبتلا نہ ہو گیا تاکہ دنیا کا وجود حقیقی ہے اور ہستی کوئی خارجی
حیثیت رکھتی ہے۔ اعتباری اور خیالی شے کو حقیقی سمجھ دینا یقیناً عقل و فہم کا
غریب سہ ہے، جس سے دور رہنا چاہیے۔

تم اپنے شکوے کی باتیں نہ کھو نہ کھو کر پوچھو
دل میں ہے خدا شکوے
موجود ہیں اور ان کی
حیثیت ایسی ہے۔
گو یا راکھ کے پتے
انگارے دیتے ہیں
میں۔ اے محبوب !

تم کہہ کر یہ کر پوچھ رہے ہو کہ آخر تمہیں کیا شکایت ہے ؟ خدا کے لیے اس
سے قطع نظر کرو۔ اگر تم اس طرح کر رہے رہے تو راکھ کے پتے سے دے
ہوئے انگارے نکل پڑیں گے اور آگ بھڑک اٹھے گی۔
راکھ کے پتے دے ہوئے انگاروں سے غلط کیے ہوئے شکووں کی تہنیت
ہر پل تہنیت ہے۔

۲۔ **لغات :** متفقہ : غیبت سمجھا گیا یعنی غیبت۔
مشرع : اسے دل آؤ دکھ اور تم سے کہیں ٹھہرا رہا ہے ؟ یہ بھی

تو ہر حال ایسی چیز ہے، جو غنیمت سمجھنی چاہیے، کیونکہ آخر میں کار و ناہی
ختم ہو جائے گا اور آدمی مات کی آہ و فغاں کا بیٹھا نہ بھی ضرور پڑ جائے گا۔
یہ مضمون مرزا نے مختلف شعروں میں باندھا ہے، مثلاً:
نغمہ داسے غم کو بھی اسے دل غنیمت جانے
جسے صدا ہو جائے گا یہ سناؤ سستی اکبہ دن

نیز :

ایک ہنگامے پہ موت ہے گھر کی مدد فن
نور ظلم ہی ہے، نور شادی نہ سہی

۱۔ لغات :
غلط بردار کا غلط
وہ کاغذ جس پر سے
کوئی نقطہ یا حرف
برکاسانی مٹایا جا سکے
اور اس کا کوئی نشانہ
باقی نہ رہے، غائب
یہ اس مسئلہ کے جو
کاغذ کا نام تھا، جیسا
آج کل کاغذ کا پیچ
کھینے کے لیے استعمال
کرتے ہیں، اس پر
سے بھی ٹرڈن پھری
یا جاقو دکن کتب تصویف

ایک جا حرفِ وفا لکھا تھا وہ بھی مٹ گیا
ظاہر اکاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے
جی جیلے ذوقِ فنا کی ناتمامی پر نہ کیوں
ہم نہیں جلتے نفس بہر چند آتشِ یاد ہے
آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہے صدا
بہر کوئی در ماندگی میں ناسے سے ناچار ہے
ہے وہی بد مستی بہر فردہ کا خود غم نہ خواہ
جس کے جلوے سے زمیں تا آسمان سرشار ہے
مجھ سے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی
زندگی سے بھی مرا جی الہ دنوں بیزار ہے

کے ذریعے سے :

اسا کی مثالیں

ہیں اور کولٹ

باقی نہیں رہتا۔

شرح و توضیح

مالی فرماتے ہیں :

” یہاں از راہ لغز افت غلط پرورد کے یہ معنی ہے ہیں، جس پر سے

حرف غلط خود بخود اڑ جائے۔ گنا ہے، غلط میں مرث، ایک ہنگام

وق کی کہی جتا۔ سو وہ بھی مرث گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ

کے غلط کا کاذب غلط پرورد ہے کہ جو بات چنے دل سے اس پر

نہیں نکلی جاتی، وہ خود بخود مرث جاتی ہے۔“

محبوب نے غلط میں حرف وفا لکھا۔ چونکہ وہ محض رسماً لکھ دیا تھا اور محض

پر مبنی نہ تھا، اس لیے کاذب نے غلط پرورد ہونے کے باعث اسے خود بخود مرث

کر دیا۔ مراد مرث یہ ہے کہ محبوب کہیں وفا کا ذکر بھی کر دی تو اسے بے نیا و

سمیٹا جاتا ہے۔ کیونکہ اس جیسے سے وفا کی احمیہ جو ہی نہیں سکتی۔

۲۔ شرح : سانس پہلے اور پہلے آگ پر سار ہے۔ لیکن ہم جیسے تھے

ویسے ہی رہے اور چلے نہیں۔ محراب ہے کہ یہ صورت حال دل کی جان کا باعث

ہے۔ کیونکہ ذوقی فنا کا تمام کا تمام رہا۔ سانس کی آفتابری کے باوجود میں جی

نہ سکا۔ اس معنیوں کا ایک شعر پہلے بھی آچکا ہے :

جہاں ہے دل کو کہیں نہ ہم اک بار جہاں گئے

اے آفتابی نفس شعلہ باد حیف

مور نامہ باقی تھے اس کی حاشیہ تک تو وہ فرماتی ہے : ”میں ہر نفس پہنے

تجہ کر شعلہ الیہ یاد کرتا ہے اور وہی اشتعال با حریف حیات ہے۔“ حالانکہ ہر

اشتمالی میں جسم کا اُنس اور بدن کا ہیر (جو ہر سنت) فنا ہوتا ہے۔ اس سے
 یہ بات صحت ثقلیٰ کہ یہ حسب طبیعت و بہ مقتضائے نظرت ہر ذوقی حیات کو
 ذوقی فنا ہے اور وہی اشتعال جو فنا کرتا ہے، عین حیات ہے، لیکن اس
 ذوقی فنا کی ناقصی پر ہی جلتا ہے کہ ایک بار جہاں کیوں نہیں دیتا، جو لوگ مصنف
 کی سوانح عمری سے واقف ہیں، انھیں حیرت ہو گی کہ ان کو یہ مسئلہ دربان
 خوں کہاں سے معلوم ہوا؟

۳۔ شرح : اگرچہ آگ خاموش ہے اور اسے زبان عطا نہیں ہوئی
 لیکن جب بجھانے کے لیے اس پر پانی ڈالا جائے تو اس سے ایک صدا آتی ہے
 اُٹھتی ہے۔ اس سے یہ نظریہ پیدا ہوا کہ حالت در ماندگی میں ہر وجود کو مادہ و تنہا
 کے ساتھ چارہ نہیں، جہاں لفظ اور مادہ کی خاص لائق کا محتاج ہے۔ آگ جیل رہی
 ہو اور اس پر پانی ڈالی دیا جائے تو وہ پانی و مادہ چارہ بھرتی ہے، اس لیے مادہ کی
 پر آہ کرتی ہے۔ نظریہ کے لیے جو مثال پیدا کی ہے، وہ یقیناً بے مثال ہے۔
 بجز ذریعہ فزائے ہیں :

۔ کس شاعر نے آج تک اُنس کے لرزہ ہونے کی اسی خاموشی اور ذوقی
 کیفیت کو مثلاً ہر اور محسوس کیا ہے ؟ لفظ ہیر کوئی "میں آگ
 کے طبعا مغرور اور سرکش ہونے کا اشارہ نہایت خوبی سے
 مضمون ہے۔"

۴۔ لغات - سر شاہ : ہیر بزرگ لبالب افراد ان۔ بعض اصحاب
 نے اسے مست و بخود کے معنی میں بھی استعمال کیا ہے۔ یہاں بظاہر ہیر یعنی
 قابل توجہ معلوم ہوتے ہیں۔

شرح : خواہ مخواہ فزائے ہیں :
 اس شعر میں دعویٰ ایسے طریق پر کیا گیا ہے کہ خود دعویٰ مستحق نہیں
 واقع ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ فزائے عالم یعنی ملکات - خود

فی الحقیقت معلوم محض ہیں، ان کی بدستی و غفلت کا عذر
خواہ وہی ہے، جس کے پر خود خود سے یہ تمام مصائب وجود
کا دم بھرتے ہیں۔

اس کائنات کی مخلوقات سے بدستی اور از خود غفلت میں جو کچھ سرزد
ہو رہا ہے، اسی کا الزام ان پر عائد نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ تو حرکت اختیار ہی
وجود رکھتی ہیں۔ ان کے اندر جان اور حرکت تو اس حقیقی وجود کی وجہ سے
ہے، جس کے مخلوق کی فراوانی نہ میں و آسمان پر چھائی ہوئی ہے اور کوئی
وجود ایسا نہیں، جو اس مخلوق اعزازی سے مست و سرشار نہ ہو۔
گویا قدرتِ الہی اسی حقیقی وجود کی ہے، ان ذرات یا ممکناتِ عالم کی
کیا قدرتِ الہی ہو سکتی ہے، جو حرکت اس وجود کے پر تو کی بدست نہ کرے۔
یہ کائنات کہ حرکت حیرتِ ذوق سے
پر تو سے آفتاب کے ذرے میں جاں ہے۔

۵۔ شرح: شعر سے لفظ ہرے واضح ہوتا ہے کہ عاشق یعنی مرزا غالب
محبوب سے خفا ہو گئے ہیں۔ محبوب انہیں مٹا رہا ہے۔ باتوں باتوں میں اس
سے کہہ دیا، ابھی تو تو میری اپنی زندگی قرار دینا تھا، جیسا کہ کتا کتیرے
بیٹے کا مارا تو ہے، یہ غفلت کے عالم میں فرمانے میں کہ ایسی بات منہ سے نہ
لٹکایے، میرا دل ان دوسری زندگی سے بڑا رہے، یعنی وہ حقیقی چیز سے
بڑا ہی تو اس سے بڑا کیوں نہ ہوں گے، جسے مہر آواز کی کہتے تھے۔
عشق و محبت میں اس قسم کے معاملات بھی پیش آتے رہتے ہیں اور
میں ممکن وقوع میں، لیکن مرزا غالب کے سوا کون ہے جس نے انہیں
ایسے دلکش انداز میں بانٹ دیا جو

۶۔ شرح: میں نے بتا لیکن کہ تمام پرماگوں کی تصویر کھینچی
ہے، ان سے محبوب اپنے پر واضح ہوا ہے کہ میری حسرت دیکھ کر کیا ہو گا۔

”نکل جانے کو سڑنا سے بھی مٹا جیت ہے اور آنکھ سے بھی“

لغات :
 پینس : پینس پینس
 پینس میں گزرتے ہیں جو کو چوڑے دو میرے
 یا پاکی : ایک سواری
 کنہا بھی کھاروں کو بدھنے نہیں دیتے
 جسے کھار اٹھاتے تھے
 اور حکماً امرار یا عورتوں کے بیٹے استہان ہوتی تھی۔

شرح : محبوب پینس میں سوار ہو کر میرے کو چوڑے سے گزرتا ہے تو
 اتنی تیزی سے نکل جاتا ہے کہ کھاروں کو کنہا جانے کا موقع بھی نہیں دیتا۔
 مبادا ایک دوسرے کی دیر ہو جانے اور مرنا غائب گھر سے باہر آکر اتفاقاً تیرا
 کر میں۔ اسی سے محبوب کی انتہائی بے رحمی واضح کرنا مقصود ہے۔

لغات :
 غنقا : ایک پرندہ
 مری بستی فضائے حیرت آباد تھا ہے
 جو مشہور ہے حد ہے
 جسے کہتے ہیں نالہ و اسی عالم کا عطا ہے
 نہیں اس کا وجود
 خزاں کیا، فصل گل کہتے ہیں کسکو؟ کوئی موسم ہو
 کوئی نہیں۔
 وہی ہم ہیں، قطع ہے اور ماتم بال و پر کا ہے
 شرح : محبوب
 و نائے دلیراں ہے اتفاقی ورنہ اسے ہدم
 کی تمنا ہے اس وجہ
 اثر فریادوں کے حزن کا کس نے دیکھا ہے
 حیرت میں توں دکھتا
 نہ لاشے شوخی اندیشہ تاب رنج تو میدی
 سے، گو یا حیرت کی
 کتب افسوس ملنا عمدہ تشدید تمنا ہے
 ایک بستی آباد ہو گئی
 ہے۔ میرا وجود اور

میری بستی اس بستی کی مثل ہے۔ تھکے بیٹے تو دماغی جزو ہی سے، لیکن حیرت کا تقاضا یہ ہے کہ حرکت اور آواز دونوں چیزوں کی غلی ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ جن حد تک نادر و نایاب کا تعلق ہے، اسے اس نفا کا تقاضا سمجھنا چاہیے کہ اس کی مشرت تو ہے، مگر کبھی کسی نے دیکھا نہیں، سراسر معدوم و موزوم ہے۔ مساوت الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ تھکے حیرت پر نہ تھا ہے اور قرار دینا کوئی نہیں۔

۲۰۔ لغات: فصل گل: چوں کہنے کا موسم، موسم بہار، شرح: جہیں معلوم نہیں کہ غزل کیا ہوتی ہے، درجہ کے کہتے ہیں کہ غزل بھی موسم جو، ہماری کیفیت یہ ہے کہ اسے حال پر قائم ہیں، بخیرے میں بند ہیں اور بال و پر کا اتم کر دے ہیں:

مرانا طہا لہائی مزماتے کیا:

اس شعر کی بندش میں یہ حسن ہے کہ چھ جگہ دو مصرعوں میں آ گئے اور دوسرے منائی میں یہ حسن ہے کہ میں کی ذہانی شکارت برکت ہے اور شکایت میں انساب لطف دیتا ہے، حسن تعلیق کو الفاظ کثیر میں یہاں حشمت نے ادا کیا ہے اور انساب کا زیادہ لطف اسی میں ہوتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے جملے بہت سے ہوں، مثلاً یہ کہ ایک عذرا کی عید ہو، گویا اس میں الفاظ زیادہ تر ہوں، مگر انساب کا لطف نہیں پیدا ہوتا۔

۲۱۔ شرح: اسے ہم نہیں، مگر محبوب عاشقوں سے وفا کرتے ہیں اور یہ پر میراں ہوتے ہیں تو اسے ایک اتالی خوش نصیب سمجھنا چاہیے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ دمنہ دلوں کی قرار کا اثر کس نے دیکھا ہے؟ کون ان کی مہربانی کو آواز دینا یا محبت کی تاثیر کا نتیجہ قرار دے سکتا ہے؟ مقصود یہ ہے کہ ہم تاثیر کے قائل نہیں۔

۴۔ لغات : کہتے انوس : لغات : انوس کے عالم میں ہاتھ لگنا چاہیہ
کوئی شخص انوس اور پیشانی کے عالم میں ہو تو حیداً ہاتھ لگنے لگتا ہے ۔

عہدہ تنجید پر تعلق : تنہا آواز کرنے کا عہدہ ۔ جب کوئی عہدہ گزارہ کیا جاتا ہے
تو ہیئت کی طرح ہاتھ پر ہاتھ لگتا ہوتا ہے ۔ کہتے انوس : تنہا اور تنجید پر تعلق کا
عہدہ کرنے کی مناسبت واضح ہے ۔

تشریح : ہمارے اندیشے کی خوشی تا امید ہی اور ایسی کار باریک پر داشت
نہ کر سکی ۔ ایسی کے عالم میں ہم نے ہاتھ لگنے خوشی کو دیکھ ۔ یہ دراصل ایسی
کا انجہ نہیں ، بلکہ ہم تنہا آواز کرنے کا عہدہ ہاتھ لگتا ہے ۔

ہاتھ دو دوسو صورتوں میں مل جاتے ہیں ۔ انوس کی صورت میں بھی اور عہدہ
ہاتھ لگنے کی صورت میں بھی مردانہ کی خوشی اندیشے نے انوس کی کیفیت کو از سر نو
تنہا کرنے کی کیفیت سے تعبیر کر لیا ۔

۱۔ لغات :
بُود : ہستی ۔
چراغ کُشتہ :
لُٹکا ہوا چراغ ۔
بیمار و فدا :
جو شخص و فدا کا بیمار ہو
جیسے بیمار محبت ۔ جسے

رجم کر ظالم کہ کیا بود چراغ کُشتہ ہے
منہش بیمار و فدا و فدا چراغ کُشتہ ہے
دل لگی کی آرزو ہے چین رکھتی ہے ہمیں
ورنہ ہاں بے رونقی سو چراغ کُشتہ ہے

کوئی چیز وہ و فدا سے ہٹا دے ، عاشق صادق و جانناز ۔

تشریح : اسے ظالم محبوب ! میں عشق میں مجھے ہوتے چراغ کی صورت
اعتقاد کر گیا ہوں ۔ تو خود سوچو ۔ مجھے ہونے چراغ کی ہستی ہی کیا ہوتی ہے ؟
چنانچہ جانناز عاشق کی منہش وہی حیثیت رکھتی ۔ جو مجھے ہونے چراغ سے ہٹنے

و اسے دھڑکی کی برقی ہے کہ اٹھا اور ختم ہو گیا۔

مولانا صاحبان فرماتے ہیں :

”بعض کو درجہ چراغ کشیدہ سے تشبیہ متحرک یا متحرک ہے اور وہم تشبیہ میں حرکت ہے جیسا سرور ہونا، کمزور ہونا، تشبیہ کھڑا ہونے ہونا وغیرہ جتنے یہ سب معانی تھکے ہوئے چراغ کے دھڑکی میں ہیں اور سب وہم تھکے وقت نہیں ہوتا میں چومے ہیں، انصاف ہے کہ متحرک کی تشبیہ میں مصنف کو یہ طوطی ہے۔“

الطاف اس وقت کی بعض کو درجہ کشے ہیں، یعنی کھڑے کے رنگینے سے تشبیہ دیتے ہیں کہ طوطی میں درجہ کھڑے کو کہتے ہیں۔
دروں تشبیہوں کے مقابلے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کی تشبیہ اس سے زیادہ تر جلد ہے :

۲۔ مخرج : سر شمع کا مشابہہ کشیدہ جو چراغ ان کے لیے روشنی ہوتا اور بہت نقصان کا باعث ہے، کیونکہ جتنے سے شمع پھیل پھیل کرتی ہوتی جاتے گی۔ چراغ کا تیل اور فیکہ دروڑوں کم ہوں گے، لیکن ان کی مدنی روشنی رہے اور جلتے ہی سے ہے اگر انہیں جلایا نہ جائے تو بالکل بے رونق رہے گی۔ گویا روشنی نہ ہوتا اور بے رونق رہتا شمع و چراغ کے لیے نفع بخش ہے یہی کیفیت بیماری ہے۔ ہم جس بے رونق فیوں کہ ہیں اور عقل کے ہلکے سے نکلی جاتی ہیں تو اس میں جہاں نفع ہے، مگر مصیبت ہے کہ ہمیں نہ کہیں دل لگا لینے کی آرزو ہے چہرہ دکھتی ہے۔ یہ ہے جہتی بیماری سے نقصان کا باعث ہے۔

عزیز انسان میں دل لگا لینے کی جو فطری تڑپ موجود ہے، اس کی طبیعت وہی ہے جو شمع و چراغ کے روشن ہونے کی ہے، انسانی زندگی کی رونق

اسی تڑپ سے ہے جس طرح شمع چراغ کی روشنی ان کی روشنی سے ہے۔
 روشنی شمع و چراغ کو رفتہ رفتہ فنا کے گھاٹ اُتار دیتی ہے، اسی طرح انسان
 کے لیے عشق کی تڑپ پیغام اجل بن جاتی ہے۔

۱۔ لغات :-

نوا پر آواز :-
 بولنے والا، باتیں
 کرنے والا۔
 شعلہ آواز :-
 آواز کا شعلہ۔ اس
 سے مراد وہ پرسوز
 آواز ہے جو لوگوں
 میں اثر کرتا ہے۔

چشم خواب نامشی میں بھی نوا پر آواز ہے
 مٹ مٹ تو کہو سے کہ دو شعلہ آواز ہے
 پیکر عشاق، ساز طالع ناما ساز ہے
 نالہ گویا گروشن تیار کی آواز ہے
 دست گاو دیدہ خوشبار بچنوں دیکھنا
 یک بیابان بلوڑ گل فرش پا آواز ہے

شرح :-

حسینوں کی آنکھ خاموشی میں بھی بڑی دل پذیر باتیں کرتی ہے، مطلب یہ ہے
 کہ اس سے ہر لحظہ ایسے عشق سے اور اثناء سے ہوتے رہتے ہیں، وجودوں میں
 اُتر جاتے ہیں اور عاشقوں کے لیے ان میں باتوں سے جبر جہاں آبادی کوڑی
 ہوتی ہے۔ پھر وہ آنکھوں میں سرمہ لگا لیتے ہیں۔ یہ سرمہ گویا آواز کے شعلے
 کا دھواں بن جاتا ہے۔

سرمے کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے کھانے سے آواز بیٹھ جاتی ہے،
 لیکن حسینوں کی آنکھ کے سرمے کو ان کی دل آویز گفتگو کے شعلے کا دھواں
 سمیٹا چاہیے۔

۲۔ لغات :- طالع ناما ساز : ناما ساز گارہمت، پرہیز۔

گروہ شہسار : ستارے کی گردش جیسی قسمت کا پتہ ۔
 شہسار : عاشقوں کا وجود ہی تقدیر کی ناسازگار ہی اور یہ طبعی کاساز
 ہے اور جو وہ خراب و لغزائے کرتے ہیں اسے ستارے کے پتہ کی جانے کی گواہ
 سمجھنا چاہیے ۔

مطلب یہ کہ عاشق بہر حال سیاہ بخت میں اور تقدیر ان کاسازتے نہیں
 دیتی ۔ ہمیشہ خلاف رہتی ہے ۔ بیکر ، ساڑ ، ۱۰ ساڑ ، ۱۱ ساڑ ، گروہ شہسار ، گواہ
 کی مناسبت لکھنا تشریح نہیں ۔

گروہ اعلیٰ طبائی فرماتے ہیں کہ عشاق بھی ساز کے ضلع کا غلط سے ۔ کیونکہ
 ان غاروں کی موسیقی میں مقام عشاق ایک رنگ کا کام ہے ۔

سو ۔ لغات ۔ دستہ گاہ : وقت ، قدرت ، عبادت ، قدرت دوسری ۔
 ایک بیاباں جلوۂ گل : پہلوں کی انتہائی کثرت ۔

فرش پا انداز : وہ فرش یا اثاثہ جو چوتوں کی گروہات کرنے کے
 لیے کرے کی بیرونی چوکھٹ سے طائر بھی دیتے ہیں ۔

شہسار : دیکھیے ۔ جنوں کی سو دوسرے والی آنکھ کی قدرت دوسری
 کا کیا عالم ہے ! خود کے صغریٰ بھی بھولوں کی کثرت اس پہانے پر پہنچ گئی ہے
 کہ چوٹی ہی فرش پا انداز کا کام دے رہے ہیں ۔

دستہ گاہ و عیدہ خونبار : ایک بیاباں جلوۂ گل ، فرس پا انداز کی مناسبت
 واضح ہے ۔

عشق مجھ کو نہیں دشت ہی بھی میری دشت تری شہرت ہی بھی
 قطع کیجے نہ تعلق ہم سے کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی میں

میرے ہونے میں ہے کیا جوانی اسے وہ مجلس نہیں غلوت ہی سہی
 ہم بھی دشمنی تو نہیں ہیں اپنے غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی
 اپنی بستی ہی سے ہو جو کچھ ہو آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی
 عمر ہر چند کہ ہے بربق خرام دل کے خوں کر نیکی فرست ہی سہی
 ہم کوئی ترک وفا کرتے ہیں نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی
 کچھ مجھے اسے خاکِ انصاف آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی
 ہم بھی تسلیم کی ٹوڑا لیں گے بے نیازی تری عادت ہی سہی
 یار سے چھیڑ چلی جائے اسد گر نہیں واصل تو حسرت ہی سہی

۱۔ شرح : محبوب عاشق کے مینا یا نا اہلِ عشق پر کہتا ہے کہ یہ عشق
 ہے ؟ یہ تو وحشت و دیوانگی ہے ۔ عاشق جواب دیتا ہے ۔ بہتر وحشت و
 دیوانگی ہی سہی اور میری دیوانگی بہرِ عالی آپ کی شہرت کا باعث ہوگی ۔

۲۔ شرح : یہ معنوں مرزا قاضی کا خاص ہے اور ایک سے زیادہ
 شعروں میں مختلف انداز میں کے ساتھ آچکا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر محبوب
 انصاف کے بھائے دشمنی سے کام لے تو یہ بھی تعلقی کی ایک صورت ہے
 اس لیے محبوب سے اٹھا کرتے ہیں کہ آپ ہم سے رشتہ تعلقی نہ توڑیں ۔
 اور کچھ نہیں تو دشمنی ہی قائم رکھیں ۔

اس معنوں کے بعض دوسرے اشعار ملاحظہ فرمائیے :

لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ

جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا

دارِ مستقر اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو
 کیجئے جہاں سے ساتھ۔ مددِ حق ہی کیوں نہ ہو
 اب جہاں سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ
 اس قدر دشمن اور آپ وفاق ہو جائے

مولانا خلیفہ بائی فرماتے ہیں :

”معاذتِ عاشقانہ میں یہ عنوان بھی مصنف کے حصے کا ہے۔
 خوب خوب اسے نظم کیا ہے اور جہاں نظم کیا ہے نئے انداز
 سے باز رہا ہے۔“

سلا۔ شرح : محبوب سے پوچھتے ہیں کہ آپ فرمائی، میرا موجود ہونا
 آپ پر کیوں گراں گزرتا ہے ؟ اس میں آپ کی کیا، سوالی ہے ؟ اگر مجلس
 میں میرے حاضر ہونے سے آپ کو یہ خیال ہو کہ لوگوں کی انگلیاں میری
 طرف اٹھیں گی اور اس طرح آپ کی بدنامی ہوگی تو میں مجلس سے دور گزرا
 تنہائی میں بلا لیجیے۔

شعر کی خوبی یہ ہے کہ جس مقامات کو بدرجہ شہزادی قبول کرتے ہیں اور
 معاذتِ عاشقانہ میں آرزو کی آخری منزل ہے۔

۴۔ شرح : اگر غیر کو تجھ سے محبت ہے تو مجھ ہی تو اپنے
 دشمن نہیں۔

شاعر کا مقصود یہ ہے کہ محبوب سے محبت نہ کرنا اپنے سے دشمنی ہے
 لہذا ادراک ہے کہ ہم اپنے دشمن نہیں گویا اگر تو سمجھتا ہے کہ غیر کو تجھ
 سے محبت ہے تو جہاں ہی محبت کا بھی یقین ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر تجھ سے
 محبت نہ کی جائے تو وہ اپنے سے دشمن ہوگی۔

جیسا کہ پہلے نے اس شعر کا مطلب یہ سمجھا کہ اگر تجھے غیر کی محبت
 کا یقین ہوگا ہے تو ہم تجھ سے محبت کر کے اپنے ساتھ دشمن کیوں کریں۔

انہوں نے مرزا کے اسلوب بیان پر پورا حق نہیں کیا اور دوسرے مصرع کا معنوم بھی ٹھیک ٹھیک ذہنی نشیون نہیں عطا کیا۔ ان کا بیان کردہ معنوم آداب عشق کے اعتبار سے سراسر نازیبا ہے اور مرزا غالب سے ایسا معنوم منسوب ہی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ عشق نہیں۔ بلکہ ایک عام یازاری جنس ہے کہ ایک دکان سے ذلی، دوسری سے لے ل۔

۵۔ شرح: اس دنیا کے تعلق میں انسان کے لیے روش کی دو صورتیں ہیں۔ اولیٰ یہ کہ مختلف اشیاء سے کچھ حاصل کیا جائے، دوم یہ کہ ان سے غفلت اور بے پروائی اختیار کر لی جائے، مرزا کہتے ہیں کہ انسان کو اپنی ذات کے سوا کسی کا خیال تک دل میں نہ لانا چاہیے۔ اگر آگاہی مقصود ہے، حقیقت بھی منظور ہے تو وہ بھی اپنی ہی ذات سے جو۔ اگر غفلت و بے پروائی اختیار کرنی ہے تو وہ بھی اپنی ہی ذات سے کرنی چاہیے۔

تعبوت کا بہت بڑا مسئلہ ہے، جو مرزا نے ان چند الفاظ میں چٹکی کر دیا ہے اور الفاظ بنایت عریضوں میں۔ اپنی ذات سے آگاہی کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی حقیقت سے آشنا ہو جائے، سمجھے کہ وہ بندہ ہے اور دنیا میں اس کے پیدا کرنے کا ایک خاص مقصد و نصب العین ہے، جو پورا ہونا چاہیے اور یہ نصب العین قاصح کا مقرر کیا ہوا ہے۔

وہا اختلافات الجین والجنس اور میں نے جنوں اور انسانوں

لہذا یعبودہنا کو پیدا نہیں کیا اگر اس لیے کہ

وہ میری عبادت کریں۔

عبادت سے مقصود احکام اللہ کا پیروی ہے، اسی طرح اصل مقصد پیدا ہونا ہے۔

ایک روایت مشہور ہے، جسے حدیث نہ لایا جاتا ہے، اگرچہ غائب بھی

نہیں ہے۔

ہم صرف نقصہ نقصہ عرف
جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس
نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا۔

یہ لہجہ ذات سے آگاہی ہے۔

خلقت دے پر دانی یہ ہے کہ اپنے آپ کو بالکل بے وجود اور نیست
سمجھے۔ اس کا نتیجہ بھی خدا کو وجود حقیقی ماننے کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ گویا
اپنی ذات کے متعلق آگاہی اور خلقت ددوں صورتیں اختیار کرتا، اس کے
اس منزل پر پہنچا دیتا ہے کہ اس کے نزدیک خدا کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔
مولا علیا علیہ السلام کیا خوب فرماتے ہیں:

”اس شرک تعریف کے لیے الفاظ نہیں ملتے، حق یہ ہے
کہ مٹ گئے طرقت میں کا کلام تو زبان حقیقت بڑا کرتا ہے ان
کے دیوان میں آئی اس شرک نظیر سے نالی ہیں۔“

۲۔ لفاظت - برقی خرامم : بھل کی طرح تیز رفتاری۔

تشریح : ہم نے مانا کہ عمر بھلی کی طرح تیز رفتار ہے یعنی برقی
اور آواز دھڑکتی، بھل اور نامید ہو گئی، گویا فرست اتنی کم ہے کہ کوئی خاص
کلام انجام نہیں دیا جاسکتا۔ چلو آواز کچھ نہیں ہو سکتا تو اس حالت سے
فائدہ اٹھا کر دل ہی کو خوں کر لینا چاہیے۔

اکثر لوگ اس وجہ میں مبتلا رہتے ہیں کہ عمر کی حالت بے حد تکمیل ہے،
کری تو کیا کریں، مرزا فرماتے ہیں کہ اگر اس فرست کو چھلک برق بھی تھوڑی
کر لیا جائے تو مضائقہ نہیں، مگر کچھ کرنے سے باز نہ رہنا چاہیے۔ مرزا کے
تذویک سب سے اجم اور مزوری کام یہ ہے کہ دل کو خوں کر لیا جائے۔
بعضا میں زندگی کا نہ بہا تری کام ہے۔ دل کے خون کر لینے کا مطلب یہ ہے
کہ وجود حقیقی سے سچا عشق پیدا کرنا چاہئے۔

مولا علیا علیہ السلام فرماتے ہیں : ”وجہ مہمبت یہ کہ برق جس کو نہیں لگتا“

۷۔ **شرح :** ہم نے عشق کیا۔ اگر تکلیفوں اور مصیبتوں کی فراوانی کے باعث عشق مصیبت ہی گیا تو کچھ پروا نہیں، ہم صبر و سکون سے برداشت اور ہر مصیبت برداشت کریں گے۔ لیکن ترک و فراق پر کبھی آمادہ نہ ہوں گے۔

۸۔ **شرح :** اے نالغظ آسمان! میں یہ نہیں کہتا کہ وہی مجھے دے، جس کی آرزو ہے، مزید و نعمان کی نعمت میں دے دے۔

شعر میں جو کیفیت بیان کی گئی ہے اسے سادہ الفاظ میں پیش کرنا سہل نہیں، حقائق معلوم ہوتا ہے کہ ایک مصیبت زدہ شخص ایک ایک آرزو اور مراد کے لیے کوششیں کر چکا ہے، مگر ناکامی کے سوا کچھ اس کے ہاتھ نہیں آیا۔ انتہائی یاس و ناامیدی کی حالت میں وہ کہتا ہے کہ اے آسمان! اگر تو کوئی مراد پوری نہیں کرتا تو اتنی ہی رخصت دے دے کہ میں اپنی حالت پر روپیٹ لیا کروں۔

لفظ "نالغظ" سے واضح ہے کہ آسمان نے شاعر کی کوئی بھی مراد پوری نہ کی اور اتنی بے انصافی کی کہ اسے مزید و نعمان کا بھی موقع نہ دیا گیا اور وہ بچھاؤ کی عالم میں اور کچھ نہیں مانگتا، صرف اسے پشیمانی اجازت مانگتا ہے۔ یہ آسمان کی نالغظی اور شاعر کی یاس و ناامیدی کی دہشت ہے۔ آسمان کے ہاتھوں وہ اتنا تنگ ہے کہ دوسرے پشیمانی کو بھی ایک نعمت سمجھ کر آسمان سے طلب کرتا ہے۔

جس کی بناء پر جو پھر اس کی خواہش نہ پوچھو

۹۔ **شرح :** ہم نے مانا کہ بے نیازی تیری عادت ہے۔ تو کسی سبیل کی حالت پر متوقف نہیں ہوتا اور تیرا عام شیوہ یہ ہے کہ ہر ایک سے بے پروائی اختیار کیے رہے۔ اگر حقیقت یہی ہے تو ہم بھی رشتہ رشتہ علم کی خریدار کریں گے اور تیری بے نیازی کو برداشت کرنے کے عادی ہی بنائیں گے۔ خود ڈالیں گے اسے واضح ہوتا ہے کہ ابھی طبیعت پر برداشت کی عادی

نہیں۔ روضہ رفته اسے جاہوں میں لاکر عادی بنائیں گے۔

۱۰۔ **شرح** : میر تقی میر نے یہ شعر نیز تاشیح کا ایک شعر مرزا غالب کی خدمت میں پیش کر کے پوچھا تھا کہ سہی اور تو سہی کا ترجمہ فارسی لغت میں کیا آیا ہے۔ جواب میں مرزا فرما گئے ہیں :
 - اسماء کے واسطے یا لغات کے واسطے یہ بات ہے کہ عربیہ میں یہ کہتے ہیں اور فارسی میں یہ اور ہندی میں ہے۔ غرض لغت ہندی کی فارسی یا فارسی کی ہندی کہیں نہیں ہو سکتی، مثلاً چوری کا لڑ پیٹا۔ اس کی فارسی نہ پوچھیے گا۔ مگر تھان۔ سہی اور تو سہی کی فارسی کیونکر ہے ؟ یہ روز مرہ کی آواز ہے۔
 اگر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

اس مطلب کے مطابق فارسی عبارت یوں ہو سکتی ہے : وصل

اگر غیت حسرت نیز ملے وار دے

شعر کا مطلب یہ ہے کہ اسے اس قدر محبوب ہے چھڑ کا سلسلہ پار قائم رہنا چاہیے۔ اگر وصل قیصر نہیں آتا تو رہنا ایذا نہیں، وصل کی حسرت کا اظہار ہی کرتے رہنا چاہیے۔

۱۔ لغات۔ آرمیدگی:	سہ آرمیدگی میں نکویش بھیجے
آرام پاتا، راحت ظلی۔	صبح و غن سے خندہ و نواں نہا بھیجے
نکویش : طاقت اندیش	زمنہ سے ہے اس مفتی آتش نفس کوچی
شرح : میں سمرا	تس کی سوا ز جلیو برقہ فلا بھیجے
گردی اور درشت خودی	
چھوڑ کر راست کی غمناک	

گھر آ بیٹھا تو بیٹک میں مستانہ طے کروں ہوں مردہ وادی خیال
 دامت و سرز نش کا سزا ہوں میرے گھر یعنی
 کتاب باز گشت سے نہ رہے مدعا مجھے وطن کی صبح میرے پیے
 کرتا ہے بس کہ بارغ میں تو ہے حجابیاں دندان خاندان و جی ہوئی
 آنے لگی ہے نکست گل سے حیا مجھے ہے تو یہ ہرگز بھانیں
 کھلتا کس پر کیوں مرے دل کا معاملہ ہر باطل بکا ہے
 شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے مقصود یہ ہے کہ
 عشق میں راحت و آرام

کا شائبہ بھی کسی کے لیے تو بیا نہیں۔ اگر کوئی راحت نہیں پر اہل ہو تو اہول کی
 ہر چیز اس کے لیے پیغام راحت بن جائے گی۔

۲۔ لغات۔ مفتی گل خانہ۔
 آتش نفس : جس کا دم آگ اُٹھے جس کی آواز سوز و گداز سے بھری
 ہوئی ہو۔

شرح : دل ایسے گانے و سنے کا طبلہ ہے جس کی آواز سوز و گداز
 سے اس طرح لہریز ہو کہ میرے لیے فنا کی بجلی کا جلد و ہن ہانے جیسا ایسے
 سماج کا شواہد ہوں جو مجھے ہوا کرتا کر دے۔

۳۔ لغات۔ باز گشت : واپسی و مراجعت۔
 شرح : یہ خیال کی وادی مستی و بخودی کے عالم میں ہے کہ کتابوں
 تاکہ نوٹنے سے مجھے کوئی غرض نہ رہے۔

استان جو راستہ ہر شہر کی کے عالم میں ہو کسی رو کرے کرے اس کے
 نشیب و فراز، موٹروں اور ٹرکوں کے غاصات و فتنوں کی بدولت میں باقی
 رہ جاتی ہے۔ لیکن جو راستہ بخودی اور ہوشی میں ہے جو اس کے حلقوں کے

خیال نہیں رہ سکتا۔ مرزا بھی خیال کی داوی اسی انداز میں طے کرتے ہیں کہ
وہ اس نہ آئیں مطلب یہ کہ ہر وقت خیال میں غرق رہتے ہیں۔

۴۔ شرح : ہرگز نہ آئے۔ اے میں ایسی بے حجابیاں شروع کر دی ہیں کہ مجھے
پھولوں کی خوشبو سے شرم آنے لگی ہے۔

شرم کی وجہ یہ کہ میرے نزدیک تو نکست گل ہی بے حجاب حتیٰ کہ ذرا
ہوا کی ہوا میں اور وہ پھول کا پردہ چاک کر کے بے اختیار نکل پڑی۔ لیکن
اسے محبوب! تیری بے حجابیاں اس پیانے پر پہنچ گئی ہیں کہ میں جو پھول کی خوشبو
کو بے حجابی کے طے دیا کرتا تھا اب شرم کے مارے اس کے آگے آگے نہیں
اٹا سکتا۔

۵۔ شرح : میرے دل کی حقیقی کیفیت کسی پر شک شکاک
نہیں ہو سکتی تھی۔ مصیبت یہ پیش آئی کہ میں نے اپنے مطلب کے شرعاً چٹن
کہ جو مجھ کو تیار کیا اس نے میرا راز فاش کر دیا۔

شاعر کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے دل کی جو حالت ہو، اسی کی مناسبت
سے وہ اشعار کا انتخاب کرتا ہے۔ یہی انتخاب دوسروں کے لیے اس کی اصلی
کیفیت معلوم کر لینے کی کلید بن جاتا ہے۔ اگر اپنے مطلب کے شعر نہ چن سکتے
تو رسوائی کی نوبت نہ آتی

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے
شرح : جب اس شکل سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے
گزری تو ہم کیا یاد
کریں گے کہ ہمارا بھی کوئی خدا تھا۔

دوسرا شعر جو ہے کہ پورا ایک کلمات سے جو حسن و خوبی سے نظم کر دی

گفتی ہے، فخری ہیں ہی معذرتوں پر انہو کا ہے :

گفتی نیست کہ بر غالب ناکام چہ رفت

ہی تو ان گفت کہ ایں بند و خداوند تراشت

مرزا آفتہ کو ۱۷۔ جولائی سن ۱۲۸۷ کے ایک خط میں فرماتے ہیں کہ اپنے
کے جو سے تمام اشعار جدول کیا، صرف ٹیڑھ شعر یاد رہ گیا، ایک متعلق معنی :

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب !

ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

دس پانچ بار یہ پڑھ لیتا ہوں، پھر جب سنت گھبراتا ہوں تو یہ مصرع

پڑھ کر چپ ہو جاتا ہوں کہ :

اے مرگ ناگہاں ! تجھے کیا انتظار ہے :

۱۔ شرح : محبوب کی

بزم میں خیرت اور عیاداری

سے کام لیا جیسے تو گزاردہ

نہیں ہو سکتا اور بے عیادے

بغیر چارہ نہیں، چنانچہ میں اس

کی متعلق میں گیا، اگرچہ لوگ

اشعار سے کہتے اور آواز سے

کہتے ہے، لیکن میں ان سے

بے پروا ہو کر بیٹھا رہا۔ پروا

کہتا تو اٹھنا پڑتا اور یہ گوارا

نہیں ہو سکتا تھا۔

اُس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کیے

بیٹھا رہا اگرچہ اشعار سے مجھ کیے

دل ہی تو ہے سیاست دربان کوڑ گیا

نہیں اور جاؤں دوسرے تیسرے ہی خدا کیے

رکھتا پیروں ہوں خرقہ و سہاڑہ رہیں

حق ہوتی ہے دعوت آب و ہوا کیے

بے صرفہ ہی گزرتی ہے ہو کرچہ عمر حضرت

حضرت بھی کھل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کیے

۲۔ لغات :

سیاست و رہائی :

چوکیدار کی طرف سے

ان پر اس دور گیر

اور ڈانٹ ڈپٹ ۔

مشروح : دل

ہی تو ہے جو رہا

کی دلد گیر اور کچڑ

دھکڑے ڈر گیا ۔

درد کیا یہ ممکن تھا

کہ میں آپ کے ارادے

پر پہنچوں اور عدا

دگائے بغیر وہاں سے

گزر باؤں ؟

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ او لینم

تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کیے

کس روز تہمتیں نہ تراشا کیے عذوب

کس دن ہمارے سر پہ نہ آئے چلا کیے

صحبت میں غیور کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو

دینے لگا ہے بسے بغیر النبا کیے :

بند کی ہے اور بات مگر خو بڑی نہیں

بچنے سے اس نے سیکڑوں وعدہ دیا کیے

نائب تمہیں کہو کہ ملے گا جواب کیا :

ہانا کہ تم کہا کیے اور وہ سنا کیے

دل ہی تو ہے سکے دو پہلو ہیں ۔ اول یہ کہ وہ حساس ہے

خون پکتا ہے ، غمزہ رہاں چیز سے دور بھاگتا ہے ۔ وہ چوکیدار کی تعزیر سے

ڈر گیا ۔ دوم یہ کہ دل میرے قابو سے باہر ہے ۔ مجھے اس پر کوئی اختیار نہیں ۔

نہ اول کی وجہ سے مجھے چپ چاپ لنگر ہانا پڑا ۔

۳۔ لغات : شریک ۔ گھڑی ۔ جو نواز کا خاصاں اس میں سمیں مانی ہے ۔

سہاویہ جس پر سجدہ کیا جاتے ۔ جاتے نماز ۔

آب و نوا : یہاں اس سے مراد فصل بہار ہے ۔

مشروح : میں اب غرقہ اور مصفا شراب خریدنے کی غرض سے گرد

دکھنے کے لیے کوشاں ہوں ، کیونکہ مدت گزر گئی ۔ میں نے فصل بہار کی دوش

کا اہتمام نہیں کیا۔

دفعہ ہمارے دعوت کا مطلب یہ ہے کہ اس خوشگوار موسم میں باوجود
کالطعت نہیں اٹھایا۔ خرقہ و سجادہ و دوزن کو شراب کے پے کر رکھنے کی ضرورت
نہاں اس لیے پیش آئی کہ خاصہ مقدار بہم پہنچ سکے تاکہ بھی جھگڑا نہ ہو
میرزا غالب کے نزدیک اس سے بڑی چیز یہ بھی کوئی زیادہ حیثیت نہیں
رکھتیں، کیونکہ فرما رہے ہیں :

انداز رنگ آمدہ در مشہر فرادان شدہ است

جرور اوین عرض آید رہے انداز شدہ است

۴۔ نکات : بے ضرورت : بے نامہ : بے سود : بے نتیجہ ۔

شرح : عمر کتنی ہی لمبی ہو جائے، آخر بے سود اور بے نامہ ہی
گزر جاتی ہے۔ دنیا دار ہی کے جہاں اتنا موقع ہی نہیں دیتے کہ عام انسان
کوئی نمایاں کام انجام دے سکے، مثلاً حضرت خضرؑ ہی کی مثال سے لیجئے
ہی کی عمر عام روایت کے مطابق نہایت لمبی ہوئی، لیکن اب تک زندہ ہیں،
وہ بھی کل یعنی قیامت کے دن کیا فرمایش گے کہ ہم کیا کچھ کرتے رہے۔

مقصود خدا کا یہ ہے کہ حضرت خضرؑ کو جو بے نامہ یا بے نامہ
بلکہ طویل عمر کی ایک مثال پیش نظر رکھ کر حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں بے شمار
ایسے انسان ہیں جنہیں زندگی کی خاصہ مدت ملی ہے، مگر ان سے اپنی ذات
کے لیے نامہ و نامہ کے سوا کچھ نہیں ہو تا اور وہ شاید ہی کوئی ایسا کام انجام
دیتے ہیں جو خالق خدا کے نقطہ نگاہ سے مفید و نمایاں ہو۔

۵۔ نکات : فحش : کجی : کجی ۔

شرح : اگر کجی ہو کہ جس سے کسی بڑی نافرمانی سے بچیں کہ
اسے امر یا کجی : جو پیش بات نے جس طرح سے اسے منع اور تیری تیری
پہنچ سکے، وہ کس گتے اور ان کا کیا ہوا ؟

مطلب یہ ہے کہ بے شمار گراں قدر جہلیاں یہاں رونما ہوئیں۔ انھوں نے تو بے قدر کارنامے انجام دیے اور مگر تجھ پر دہن ہو گئیں اور اب ان کا کوئی پتا نہیں چلتا۔ زمین سے پوچھتے ہیں کہ تو نے ان سے کیا پروا کیا؟

۷۔ **مشرع :** ان کوں سے دن و شبوں اور کھانوں نے ہم پر تھیں نہ تراشیں اور کوں سے دن بھر سے سر پہ آکر نہ چلے، بسیں، اٹھائی دکھ نہ دیے گئے؟

تراشے 'اور' آکرے چلے، کی نسبت واضح ہے۔

۸۔ **مشرع :** محبوب نے وصل میں خاص انکساف سے کام لیا، تو عاشق کے دل میں یہ دوسرا پیدا ہو گیا کہ پہلے تو یہ حالت نہ ملتی اور ہر گئی کی بنا پر کھدایا کہ کس رتیب کی صحبت میں یہ حادثہ نہ چڑھ گئی ہو۔

مشہور ہے :

عشق است و ہزار ہر گائی

عاشق بے اتفاقی پر مرزا و نفاق کرتا ہے۔ لیکن محبوب کی طرف سے اتفاقات جو تو یہ شدید ہونے لگتا ہے کہ یہ حادثہ غیر سے اختلاف کے باعث نہ پیدا ہو گئی ہو۔

۹۔ **مشرع :** میرے محبوب کی عادت یقیناً بری نہیں۔ ابنت کہی عند پر آجائے تو جو کچھ کرتا ہے، نہیں کرتا۔ چنانچہ جب کہیں وہ عند میری گیا تو ایک دو نہیں، اس نے سیکڑاں دھبے چور سے کر دیے۔

اعتیاد رکھیے کہ خوسے محبوب کے بارے میں اذیت نہیں، غلی کا پلو اختیار کیا، بسن یہ نہیں کہا کہ تو اچھی ہے، یہی کہا کہ بڑی نہیں، مرزا کے کام کی یہاں دو کیاں اور خراگتیں ہیں۔ جو کسی دوسری جگہ حوا نظر نہیں آئیں۔

۱۰۔ **مشرع :** اسے ثابت اتم جو اپنا حال مناسف اور اندھا عشق کرنے کی غرض سے محبوب کے پاس جاتے ہو۔ خود ہی جانو کہ تعارضی داستان

میراث کا جواب کیا ملے گا ؟ ہم کہتے ہیں کہ اچھا ، تم نے سب کچھ کر دیا اور
 محبوب نے سن لیا ، لیکن اس سے نتیجہ کیا نکلے گا ؟
 یہ سب کچھ ایک مجدد و جامع مرزا کو سمجھا رہا ہے ، گویا اخبار عشق کا
 قصد دیکھ کر سمجھ گیا ہے کہ غائب و لوازم ہر دو اسے ۔ وہ اس کے سامنے
 اخبار عشق کرنے چلا ہے ، جہاں اس کے پہنچنے کا بھی کوئی امکان نہیں ،
 پھر پوری بات سن لینے اور اسے مان لینے کا کون سا امکان ہے ؟

۱۔ شرح : عمر

کی رفتار پر نظر ڈال جائے
 تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم
 حالت اضطراب میں کھٹے ملے
 راستے پر جا رہے ہیں ، سال
 کے حساب کی صورت یہ ہے
 کہ آفتاب بادہ منزل میں ملے
 کرے تو سمجھتے ہیں کہ ایک
 سال ہو گیا اور معلوم ہے کہ
 شمس سال تین سو پینسٹھ دن
 پانچ گھنٹے ، اٹھائیس منٹ
 اور ساڑھے بیسٹھایس سیکنڈ
 کا ہوتا ہے ، گھنٹوں ہی کی
 گنتی پوری کرنے کے لیے چھ
 سال مزدوری کے سمجھیں یہ ایک
 دن بڑھا دیتے ہیں ، جسے لوہ

رفتار عمر قطع درجہ اضطراب ہے
 اس سال کے حساب کو برقی آفتاب ہے
 میناٹے سے ہے سروفتاب بہار سے
 بال تندر و جلوہ موج شراب ہے
 زخمی ہوا ہے پاشنہ پاشے شہات کا
 نے بھاگنے کی گوں نہ اقامت کی تاج ہے
 جہاد و بادہ نوشی رنڈاں ہے شمشہیت
 غافل گمان کرے ہے کہ گیتی خراب ہے
 نظارہ کیا حریف جو اس پر تہی سخن کا
 جوش بہار جلوے کو جبکے نقاب ہے

میں نامرادوں کی تسلی کو کیا کروں
 کا دن کہتے ہیں۔ مرد فرماتے
 ہاں کہ تیرے رُخ سے نگہ کامیاب ہے
 ہیں کہ جس طرح سال کا حساب
 گزرہ اسد مسرت پیغام یار سے
 سوچ کی بنا پر کیا جاتا ہے
 تمام یہ مجھ کو رشک سوال و جواب ہے
 اسی طرح عمر کا حساب مطلوب
 ہر تو برقی کی بنا پر کیا جاتا
 ہے۔

مقصود یہ کہ غریبوں کی طرح تیز رفتار ہے اور نہنگی کی منزل طے کرنے
 کی وہی صورت ہے، جیسے کوئی مسافت حاجت اضطراب میں طے کی جائے۔
 - تیزی، رفتار، اضطراب اور ترقی کی مناسبت محتاج تشریح نہیں۔
 ۲۔ لغات - تذرو : ایک خوش رنگ اور خوش رفتار پرندہ جو
 استر آباد کے جنگل میں بکثرت ہوتا ہے۔ مقفین کے نزدیک ذالی ہی سے
 بھیج ہے۔ فاختہ اور قمری کی طرح شعراء تذرو کو بھی سرو کا عاشق قرار دیتے
 ہیں۔

شرح : شراب کی مراہی بہار کی شادمانی کے جوش میں سرو کی
 شکل اختیار کر گئی ہے یا یوں بھیجے کہ بہار نے ہر شے پر عیش و نشاط کی جی
 کیفیت طاری کر دی ہے کہ شراب کی مراہی سرو ہی گئی ہے۔ اسی طرح
 تذرو کے بال و پر میں شراب کا سرو معلوم ہوتے ہیں۔
 شعر میں بہار کا نقشہ و نگار انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
 ۳۔ لغات - پاشندہ : ایڑی۔
 گوئی : طاقت۔ بہت۔
 اقامت : قائم رہنا، برہنہ رہنا، ٹھہرنا۔

شرح : اپنی جگہ ٹھہر رہے ہیں یا ایڑی ہی نہ ٹھہری ہو گئی
 اب نہ جاننے کی بہت دولت ہے، نہ ٹھہر رہے ہیں کی طاقت ہے کہ کوئی

قیام و قرار کا انحصار ایڑیوں ہی کی سلامتی پر ہے۔

میدان جنگ میں دو ہی صورتیں پیش آ سکتی ہیں، یا دشمنی بہتت و جرات سے کام لے کر ثابت قدمی دکھانے یا نامرد بن کر ہٹا کر جانے، لیکن جس شخص کے پاس ثبات کی ایڑی زخمی ہو جائے، وہ دولوں میں سے کوئی بھی کام انجام نہیں دے سکتا اور گر جاتا ہے۔ اسی حالت اضطرار کا نقشہ مرزا نے اس شعر میں کھینچا ہے۔

مرزا نے اس سے ملتا جلتا ایک اور بھی شعر کہا ہے :

ہوسے ہیں پاؤں ہی پہلے نبرد عشق میں زخمی
زہیا گام جائے ہے عجب سے اندھڑا جاتے ہے جھر

۴۔ لغات، حارار : حارار، ملکیت

شمش جہت : چھ طرفیں، یعنی دنیا یا کائنات۔

شرح : یہ پوری کائنات رتوں کی شراب نوشی کے لیے جاگ رہی ہے۔ جسے حقیقت کا کوئی احساس نہیں، وہ سمجھے بیٹھا ہے کہ یہ جہاں بالکل دیران و تباہ حال ہے۔

مولانا غالباً بانی فرماتے ہیں :

۵۔ باد سے عرفان اور رند سے عارف مراد ہے اور عالم کے

شراب و دیران ہونے سے مطلب یہ ہے کہ جو شخص مبلوہ

حقیقت سے غافل ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اس کا کوئی صانع

اور مدبّر نہیں :

یعنی ساری کائنات ہاروں کے نزدیک معرفت کی ایک مبلوہ گاہ ہے

اس کی جبرشے سے حقیقت شناس دل یہ سبق لیتے ہیں کہ اس کے پس پردہ

ایک عظیم القدر صانع کی تدبیر و کافرانی جاری ہے۔ جو لوگ عرفان کا

ذوق نہیں رکھتے، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ دنیا ابترا ہے ترتیب اور سے سرور یا

سی ہے، جس کی کوئی کل سیدھی نہیں۔

مستقر نامہ فقط نگاہ کے علاوہ جس شعر یا ہی حقیقتوں کا حامل ہے۔ مرزا بدواً صبح کو پہنچتے ہیں کہ اس کا نامت میں کوئی بھی شے ایسی نہیں جو کوئی نہ کوئی مقصد چوراہہ کر رہی ہو۔ حقیقت شناس لوگ ہر شے سے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں اور دلتہ رفتہ فطرت کی قوتوں کو مستحضر کرتے کرتے انسان زمین سے ستاروں کی طرف بڑھتا چلا جا رہا ہے، لیکن جن لوگوں کو حقائق کا کوئی احساس نہ ہو سکا اور فاعل دے ہے، وہ اتنے ہی پر قانع رہے کہ دنیا کو بے حقیقت اور ناقابلِ توثیق قرار دے کر اس سے دور بھاگنے کی تلقین فرماتے رہے۔

۵۔ **تشریح :** نقارہ اس برقعہ جس کے جوسے کا کیونکر محفل ہو سکتا ہے، جس کے لیے فصلی بہار کا جوش پر دے کا کام دے رہا ہے،

مردانہ طابع کی جوش بہار کو عالم اجسام کے طور سے تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، "نقارہ جس شاہِ حقیقی کے لیے حفاظت کا باعث ہے، اسے نظر کیونکر دیکھ سکتی ہے؟" "نظر حبیب پڑے گی، نقاب سے پر پڑے گی، جیسی آنکھ حبیب دیکھے گی، اجسام ہی کو دیکھے گی۔"

مرزا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جوش بہار کی گھٹکاروں اور طلوع افروزیوں کا نقارہ آسمان نہیں، بلکہ ان کے جوش بہار میں حقیقی کا ایک نقاب ہے، اس صورت میں کوئی اصل سن کی تاب کیا لاسکتا ہے۔

۶۔ **تشریح :** "یہ نے مانا کہ نگاہیں تیرے ربّ اور چوڑی ہیں، لیکن اس نامزدی کو کیونکر تسلی دوں؟" وہ محض دیدار سے غفلت نہیں ہو سکتا، اس کے لیے کچھ اور چاہیے، جس کی تعبیر مولانا طابعیانی نے "سینہ، سینہ" ہونے کے کی ہے۔

۷۔ **تشریح :** "اسد میں غائب تھے، محبوب کے پیغام کی خوشی فرما کر وہی اور رشک برداشت نہ کر سکا کہ قصائد اس کے پاس ہمارے ایستہ جیت کرتے

پھر پیغام لکھتے۔

محبوب کا پیغام عاشق کے لیے ہمیشہ انتہائی مستریت کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن مرثیہ کو یہ منظور نہ ہوا کہ تا صدر پیغام لینے کے لیے جاتے اور محبوب سے ہم کلام ہو۔ اس رشک کے باعث پیغام وصول کرنے کی خوشی سے دست برداری اختیار کر لی۔

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پر رشک آجائے ہے	اشعار:
میں اسے دیکھوں، بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے	مرزا نے رشک کے عیب غریب
قد و حصول سے یہی گرمی گر اندیشے میں ہے	پہلو ہوا کیے ہیں، ان میں
آگیشہ تندی صبا سے پگھلا جانے ہے	سے ایک دو
غیر کو یارب! وہ کیونکر منع گستاخی کرے	مجھ سے جو اس شرم
گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرابا جاتے ہے	پیش کیا گیا؟
شوق کو یہ لت کہ بہر دم نالہ کھینچے جائے	غراتے ہیں و قسم و عقد
دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جاتے ہے	جو کہ مجھ خود اپنے آپ پر
مور چشم بہ تری بزم طرب سے داہوا!	رشک آنے کا محبوب
نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ میرا جاتے ہے	کی زبانت کرنا سچا
گرچہ ہے طرہ تفاعل پروردہ وایہ رات عشق	
پر ہم ایسے کھوتے جاتے ہیں کہ واپا جاتے ہے	

اس کی بزم آہ اسپاں سن کر دل رنجور یاں
 ہوں۔ گر رنگ
 مثل نقشِ قدمائے غیر بیٹھا جائے ہے
 یہ موقع ہی
 ہو کے عاشق و واپری رخ اور تازک بن گیا
 نہیں دیکھ کر
 رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے
 مروا اہل ہوائی
 نقش کو اس کے مستور پر بھی کیا کیا ناز بین !
 نے خوب دیا
 کہینتا ہے جس قدر آتا ہی کھینتا جائے ہے
 آتے نے رنگ
 سایہ میرا مجھ سے مثل دور بھاگے ہے اسد
 یہ کہنا ہے کہ
 پاس مجھ کو آتش بجاں کے کس سے ظہر ہاتے ہے
 اپنے تئیں میں محروم رکھتا
 اپنے تئیں میں محروم رکھتا ہے : اس قسم کے مزید اشعار میں سے ایک درج ذیل
 مرنے ہے :

ہم رنگ کو اپنے بھی گراں نہیں کرتے
 مرنے ہیں، مگر کی فتا نہیں کرتے
 تعلق بہرِ نفاذ کی میں ہی مسسب۔ لیکن
 وہ ایک ہائے، کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے جو سے
 چھوڑا، شک نہ کرتے کہ کسے کمر کا نام لوں
 ہر گ سے پہچانتا ہوں کہ ہاؤں کس کو میں
 بہ لغات - آگینے : شیشے کی مرامی

شرح : اگر نگر انداز کی گری کا یہی حال ہے تو اسی سے ہاتھ دھو
 بیٹھنے کے غیر ہار و تہیں، کیونکہ شراب انہی تیز و تند سبب جو شیشے کو ٹپکتا ہے

نہا رہی ہے۔

مگر اندیشہ کی گڑھی کو شراب تندہ سے لادول کو آگلیٹھ سے تشبیہ دی ہے۔
مطلب یہ ہے کہ دل کا آئینہ کھیل کر ختم ہو جائے گا۔

غالب نے دوسرے مصرع کا معنوں ایک فارسی شعر میں بھی بانجھا ہے
اگر مہربانی معنوں کچھ آلود ہے۔ یعنی :

مینا سے بے ازندی ایسی تھے گودادو
ہیٹام غمت در خواب تجھ میں مہیا نیست

۳۔ مشرح : خواہجہ مائی فرماتے ہیں :

یہ شعر مہیا ہے کہ ہے۔ جو غالب و مطلب کے درمیان کٹر گزرتا
ہے اور شاعر نے نزاکت دوسرے مصرع میں پانی باقی ہے۔ ظاہر
ہے کہ مہیا آتی اور شرفا نامہ اصل ایک ہی چیز ہے۔ پھر اس کے
کیا معنی کہ مہیا بھی آتی ہے تو شرفا مہیا ہے۔ بات یہ ہے کہ اس
مقام پر مہیا آنے کا متعلق اور ہے اور شرفا مہیا کا متعلق اور۔
اگر مہیا بھی اس کو آتی ہے۔ یعنی غیر کی گستاخی پر خواہجہ مہیا
سے تو شرفا مہیا ہے۔ یعنی غیرت یا اس کے ساتھ مگر ذکر کرتے ہیں :

شعر کا مطلب واضح ہو گیا۔ معرفت اشعار میں کر دینا ضروری ہے کہ مہیا اور شخص
جبکہ غلوں زیادہ سے زیادہ تکلیف اٹھا لیتے ہیں اور دوسرے سے ٹکرا نہیں کہتے
یا کوئی ایسی بات نہیں کہتے، جو اس کی دگدگاری کا باعث ہو۔ یقیناً غیر کی گستاخی
دیکھ کر محرم کو حیا آتی ہے۔ اور غیر کو منع کرتا پاتا جاتا ہے، لیکن اہتمام نے دلاری
میں جو مہیا داری کا لہجہ غماض ہے۔ منع کر نہیں سکتا۔ یہی بات مرزا غالب نے
شعر کے پہلے مصرع میں واضح کی ہے۔

۴۔ لغات - لغت : لپکا، ٹو۔ یہ لفظ لپکا کی طرح بری عادت

کے لیے بھی مستعمل ہے۔

شرح : شوق کو توڑ پکڑ گیا ہے کہ ہر دم فریاد و فغان ہی کرتا ہے۔ لیکن دل کی حالت صفت کے باعث ایسی ہے کہ سادش بچے ہوئے ہیں گھبراتا ہے۔ شوق اور دل کی اس کھٹکھٹ کے باعث جان صواب میں ہے۔

۵۔ شرح : اُسے بیش و نشاط کی جو محفل آں مست کر رہی ہے، خدا اسے بڑی نظروں سے دیکھتا ہے۔ داد و دیا : سہمان اللہ : اُس پریم کی یہ کیفیت ہے کہ میں تالا بھی کرتا ہوں تو وہاں پہنچتے پہنچتے وہ غمزدہ ہو جاتا ہے۔ گویا بڑھاپے کی نشانیوں میں شہر ہے جو نائے کو غمزدہ بنا دیتی ہے، ہدیا کہ دوسری جگہ لکھا ہے :

بھینٹیں دست کر کہ پریم کر نہ ہم عیش و مست

دل تو میرے تائے کو بھی اعتبار لغت ہے

۶۔ شرح : اگرچہ ہم نے ایسا انداز اختیار کر لیا ہے کہ عشق کا حب محبوب پر کھٹکے نہ پڑتے اور ہمارے لیے اس کے پاس ہاتھ میں دھک ٹوک کی فروت نہ آنے لیکن جب ہم اسے دیکھتے ہیں تو اس طرح کھوکے جاتے ہیں اور از خود رنگ کی کا ایسا عالم پریم پر غلامی ہو جاتا ہے کہ محبوب عشق کا راز ایک حد تک دیا جاتا ہے، یعنی اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کھویا جانے والی از محبت ہے۔

۷۔ لغات : دل بیٹھا جاتا : دل پر ضرور جو صفت ملے گی ہوگی۔

بیوقوفی کی ابتدائی حالت ۔

در بختور : زیادہ ۔ اندر ۔

نقش بیٹھا : نقش قائم ہو جاتا ۔ جس کے دل میں جگہ کے ہیں۔

شرح : محبوب کے اس عیش و نشاط کی غلطیوں اگر اندر ہو رہی ہیں، میں ان کا ذکر نہ کرتا ہوں تو کیا راز و دلی پر ضرور جو صفت کے باعث عشق غلامی ہوئے لگتی ہے۔ علم کے صاحب و متصور کو نقش قائم ہوتا جاتا ہے اور وہ محبوب کے دل میں گھر کرتا جاتا ہے ۔

پہنچنے کا تعلق عاشق کے دل سے ہے اور رقیب کے قہاس سے ۔ ایک
سے مراد اختلافی کیفیت ہے ، دوسرے سے مراد پوری کامیابی و کامرانی ۔

۸۔ لغات ۔ رنگ کھلنا : رنگ کا نمایاں اور زیبا ہونا یا سفید ہونا

تشریح : میرا پرہیز جیسے چہرے والا محبوب کس پر عاشق ہو گیا عشق
کا نتیجہ ہی ہو سکتا تھا کہ اس کا رنگ اڑنے لگے ۔ چنانچہ اس وجہ سے وہ اور بھی
نازک بن گیا اور نکاح ہرے کہ رنگ ہٹنا اڑنے کا اتنا ہی کھلے گا ۔ ہر فرد پر واضح
ہے کہ کسی چیز پر کوئی رنگ ہو ۔ وہ ہٹتا اڑتا جائے گا ۔ پھر اتنی ہی سفید ہو جاتی
ہوئے گی ۔

۹۔ لغات ۔ کھپتا جاتے ہے : ہر تصویر عشق مبارہی ہے وہ

محبوب جیسے ہٹتا جا رہا ہے ۔ یعنی پہلے کھپتا کی ضد ۔

تشریح : اس کی تصویر مصور سے بھی کیا گیا ناز کر رہی ہے ۔ وہ عشق
کو شش پوری کر دینے کے لیے کہتا ہے ۔ اتنا ہی محبوب دور ہٹتا یا نکشیدہ
ہوتا جاتا ہے ۔

مطلب یہ کہ محبوب کے ناز و انداز اور عشق و ادراکے باعث مصور کو
تصویر پوری کر دینے کا موقع نہیں ملتا ۔

۱۰۔ لغات ۔ آتش بھان : جس کی جہان میں آگ بھراک رہی ہو
جو سراپا آگ ہے ۔

تشریح : اسے اشد ! میرا سایہ اسی طرح مجھ سے دور بھاگتا ہے ۔
جس طرح آگ سے دھواں نکل کر آگ جو مٹا سکتا ہے ۔ جیسا کہ میرے دل و جان
میں آگ جڑ کر رہی ہے اور میں سراپا آتش ہوں ۔ جہاں میرے پاس ٹھہرنے
کی تاب کبھی ہو سکتی ہے یا ۔

گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے
تب اماں بھیریں وی بردیالی نے مجھے
فسید و فتنہ دو عالم کی حقیقت معلوم
لے لیا مجھ سے سری ہمت عالی نے مجھے
کسرت آرائی و صورت سے پرستاری و ہم
کر دیا کاغذ ان اصنام خیالی نے مجھے
ہو سب گل کا تصور میں بھی کھٹکانہ رہا
عجب آرام دیا ہے پردہ بانی نے مجھے
نیالی : نیل کی جیج و ایتیں۔

شرح : کائنات پر جو شکل بنی ہوئی تھی اسے دیکھتے ہی محبوب
باد آگیا اور میں نے فراق میں فریاد و فغان شروع کر دی۔ یہ سلسلہ رات بھر
جاری رہا۔ اسی کی بدولت راتوں کی سردی سے مجھے پناہ ملی، یعنی سردی مجھ
پر کوئی اثر نہ کر سکی، کیونکہ میں گرم مزاج تھا۔

۲۔ لغات : ہشتاد : عام صفت اور عام مقصود وہ چیز ہے، جو
ایسی ہوتی ہے، اُن کی اور آنے کی امید ہے۔ یعنی آخرت کی زندگی بہشت۔
نقد : وہ چیز جو میسر ہے، یعنی دنیا اور اس کی زندگی۔

شرح : مجھے دنیا اور عین کی حقیقت معلوم ہے، میری ہمت تہی
ہے، ان کے عرض چکا گوارا کیا، دونوں کو شکرا دیا، اور دونوں سے بے نیازی
برقی۔

۱۔ لغات : نہالی
ترکب : لغات : نہالی،
میں لفظ ہر لغات مراد
ہے۔ کائنات اور انوشکوں
پر آرائش کی طرح سے
عروش و سطح شکلیں بنانے
کا عام دستور تھا، جس
طرح چاندنیوں پر آب تک
جسم قسم کے نقشے اور
شکلیں بنائی جاتی ہیں۔
نمود : سردی،
نقد۔

مطلب یہ کہ انسان اپنی حقیقت پر غور کرے تو دنیا کی کوئی چیز اسے
 بچا کر دام میں لچا سکتی ہے اور نہ عقبن کی کوئی لغت اس کے لیے ترتیب
 کا سامان بنا سکتی ہے۔ وہ ذاتِ باری تعالیٰ کی رضا کے سوا ہر شے سے
 بے پروا رہے گا۔ پس دعوتِ مرزا غائب کا اصل مقصد یہ ہے۔

۳۔ لغات۔ احسانام : صنف کی جمع، نسبت

مشریح : وجود حقیقی صرف ایک ہے۔ جو لوگ ہزاروں لاکھوں
 وجودوں کو کسی نہ کسی شکل میں مانتے ہیں اور وحدت میں کثرت آرائی کے
 قائل ہیں، وہ حقیقت میں وہم کی پٹا گر رہے ہیں۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ
 ایک وجود کے سوا کسی کو نہ مانا جائے۔ تو سید کے معنی یہ ہیں۔ آہا لوگوں
 نے وہم کی پرستش میں جو خیالی ثبوت قائم رکھے ہیں، انہوں نے مجھے ایمان
 کے راستے سے ہٹا کر کاغذ بنا دیا ہے۔

جب ایمان تو حید پر جو تو کثرت کو تسلیم کرنا یقیناً توحید کے منافی ہے
 اس لیے اسے ایمان کے بجائے کفر کہنا چاہیے۔

۴۔ شرح : جب تک میرے بال و پر موجود تھے، دل میں پھولوں
 کی آمد نہ تھی، لیکن جب بال و پر کٹ گئے اور میں پرواز کے ہر مقام سے
 محروم ہو گیا تو ساتھ ہی پھولوں کی آمد و بھی افسرہ ہو کر رہ گئی، یہاں تک کہ
 اس آمد و کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، گویا اس معاملے میں خلیان کی کوئی
 صورت باقی نہ رہی۔

ہر مقصد و نصب العین کے حرکات و عوافل ہوتے ہیں، جن کی بدولت
 مقصد کے لیے سب کو کوشش کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے اور آمد و اتی
 وقت تک نہ تو بھٹی جاتی ہے، جب تک اس کے لیے تحریک کے موجبات
 موجود ہوں۔ پھولوں کی آمد و کے لیے بیل کے سامنے بال و پر و آمد و تک
 ملے۔ وہ جب پا جتی، مار کر ان کے پاس پہنچ سکتی تھی۔ جب بال و پر ہی نہ

ہے تو اس نے اور عید و عید کرنے کا سوال ہی نہ ہوا۔ اس طرح آندو سے کل اتر رہا ہے
ہے بیان ہو گئی، جب غرگ کا خاتمہ ہو گیا تو کامل قرآن فصیب ہوا۔

۱۔ لغات

کارگاہ و بستی میں لالہ داغ سماں ہے
برق خرمین راحت ٹھون گرم و بھان ہے
غنیچہ شگفتن با برگ عافیت معلوم ہے
باد جود و بھجی، خواب گل پریشاں ہے
ہم سے رنج بے تابی کس طرح اٹھایا ہے
داغ پشت و سب عجز شعلہ شش بوندان ہے
کارگاہ و بستی: دنیا کا
کارخانہ یعنی دنیا۔
شرح: خود مرزا
غائب نے ان تینوں کی
شرح اپنے شاگرد مودی
محمد عبدالرزاق کی آکر کوٹھن
تھی، وہی یہاں درج کی
جاتی ہے۔

داغ سماں مثل انجم انجمن، وہ شخص کہ داغ سماں کا سرمایہ و سامان
ہو، موجودیت لالہ کے کی منظر و نقش داغ پر ہے اور نہ رنگ و نور
پہلوں کہ بھی لالہ ہو تا ہے۔ بعد اسی کے یہ کلمہ لیجیے کہ بھو
درخت یا فلک جو کچھ بویا جاتا ہے، وہ بھان کو جوتے، دوتے، پانی
دینے میں مشقت کرتی پڑتی ہے اور یہ راحت میں ہو کر گرم ہو جاتا ہے
معتدود شاعر کا یہ ہے کہ وجود عین رنج و غم ہے، مزاج کا وہ
ہو جو کشت و کار میں گرم ہوا ہے، وہی لالہ کی راحت کے ترانہ
کے لیے برتی ہے، حاصل موجودیت داغ، داغ ظائف و راحت
اور صورت رنج۔

مطالعہ ہے کہ دنیا میں لالہ کے سرمایہ و سامان داغ ہے، یعنی بستی

باعثِ رخ ہے۔ وہ جان کا جو خونِ حنفت و شفقت میں گرم ہو گیا ہے، وہی کشتِ کردہ شے کے انبارِ راحت کے لیے بھل ہی جاتا ہے۔

۲۔ شرح : مرزا فرماتے ہیں،

”کلی جب فنی تھکے، یہ صورتِ قلبِ منور ہی نظر آئے اور جب تک پھولِ جنے، برگِ عافیت معلوم۔ یہاں معلوم یہ معنی معلوم ہے اور برگِ عافیت یہ معنی مانے آرام۔ برگ اور سرو برگ بہ معنی ساز و سامان ہے۔ خوابِ گل یہ اعتبارِ خاموشی و درجہِ اندرگی پریشانی ظاہر ہے، یعنی گفتگو، اور ہی پھول کی پتھر یوں کہ کھرا ہوا ہوتا۔ غصہ یہ صورتِ دلِ جگر ہے۔ بادِ صفتِ جمعیتِ دلِ گل کو خواب پریشان نصیب ہے۔“

کلی جب تک کھلے، اُسے آرام کا کوئی ٹھکانہ نصیب نہیں ہو سکتا، اگر پریشانی معلوم ہوتا ہے کہ اسے جمعیتِ دل نصیب ہے، نیکی حقیقت پر نظر رکھتی ہوتی تو اس کا خواب یعنی خاموش رہنا خوابِ پریشان ہے کیونکہ وہ کھلے گی اور کھلتی ہی ایک ایک پتھر ہی ٹھک ہو جائے گی۔

کلی کی حالت میں دل بھی اور جیل کی حالت میں پریشانی عام مشاہدے کی چیز ہے۔ مقصودِ شاعر کا یہ ہے کہ بتاتا ہر اس دنیا میں جو آوازِ ناش کا مقام ہے کسی بھی وجود کے لیے آرام کے اسباب ملتے نہیں۔

۳۔ لغات - پشت و دست : اصل میں پشت و دست ہر دو میں تھکان ہے، یعنی کسی کی تعلیم کرنا اور اس کے سامنے جھڑواؤ اور اس سے چٹا جھڑواؤ۔ جس چٹا اسی گرفتار : رانوں میں تھکا لیتا، زمانہِ قدیم کے ہندوؤں میں یہ طریقہ رائج تھا کہ جب کوئی گروہ کسی سے متروک ہو جاتا تھا تو متروک گھاس کا ٹکڑے میں لے کر گروہ گروہ کے دو دو چیتا جتا، مقصود یہ ہوتا تھا کہ متروک نے گھاس کی صورت پیدا کر لی، ہو گئی سن کناتی تھی، ہندوؤں کے نزدیک گھاس کو مارنے

سے برکت کر کوئی گناہ نہ تھا۔ اس بنا پر اس گروہ کو جو گناہ کی صورت میں سامنے آتا تھا، معاف کر دیا جاتا تھا۔ یوں جس جندہاں گرفتار یا کاد جندہاں گرفتار سے مراد عاجزی اور مظلومت کا اقدام ہوا۔

شرح : مرزا فرماتے ہیں :

- پشت دست صورت بزر اور جس جندہاں و کاد جندہاں گرفتار میں اٹھا دیا جڑ ہے۔ ہم جس عالم میں کور داغ سے پشت دست زمین پر رکھ دی ہو اور شیطانی نے تنکا دانوں میں لیا ہو، ہم سے کچھ نقصان کا تحمل کیسے طرح ہوگا؟

مطلب یہ کہ حسب داغ بتائی کاریج ہر داشت مذکر رکھ اور اس سے عاجزی سے پشت دست زمین پر رکھ دی۔ اسی طرح شیطانی نے تنکا دانوں میں سے لیا۔ گویا ہمارے بچے کو دیا جس بچے کی منتفی ہر سرا پا آدم چہرہ نہ ہو سکیں، اسے ہم کیونکر اٹھاویں؟

شرح : اسے

قوت اکھر رکھ دیا

پر سبزہ آگ رہا ہے

کیونکہ وہ پہلے آباو ہے

آگ رہا ہے در دو یوار سے سبزہ غالب

ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آتی ہے

اور اس کی دیکھ جہاں کرنے والی کوئی نہیں۔ ہم دشت و بیاباں کی خاک جہاں رہتے ہیں اور گھر میں فصل بہار طراوت و نشاط دانی کا سماں پیدا کر رہا ہے۔

اس شعر کی خوبیاں خاص توجہ کی محتاج ہیں، مثلاً :

۱۔ گھر کو چھوڑے ہوئے صحت گرد گئی۔ اس اثنا۔ جن کسی نے اس کی دیکھی۔

۲۔ وہاں ملک کے وہاں جنگل کا سماں خود ہو گیا۔

۳۔ در دو یوار پر سبزہ آگ آج ہے رونق اور دیرانی کی علامت ہے۔ مثلاً

تھے اسے بیمار کا طاق بنایا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جس صبر کی ورنہ خاک چھانٹا رہا۔
وہ اس روشید گسرے سے ناپیم تھی۔ اور جہاں صبر لی سے روئیدگی معلوم ہوئی
اسے عینقی حالت سے بے پروا ہو کر بیمار قرار دے دیا۔

۲۔ صابر ہے کہ جب گھر میں ویران کمال پر پہنچ گئی تو شکر کرتا ہے کہ اس
حالت میں صبر اگر دی کی کیا ضرورت باقی رہی؟

۳۔ اس شعر کا طرز کسی تصریح کا محتاج نہیں۔
میرزا غالب صابانی فرماتے ہیں: اس شعر میں بیان و بیان کی کوئی نوعیت نہیں۔
لیکن حدت صائب لفظوں میں حالت دیوانگی کی ایسی تصویر کھینچی ہے کہ جواب نہیں

شرح :

یہ صبر مت پر ابرو نہیں
اور سب تک ہے
کہ ہم اس کی سادگی
پر جہل دے دیں
اور گلا کاٹ کر مر
جائیں۔ مصیبت یہ
ہے کہ جب کسی م
نے ایسا ارادہ کیا
اس نے خنجر اٹھا
لیا وہی سادگی
ختم ہو گئی اور ہاری
صبرت دل ہی میں
رہی۔ اس خیال تھا

سادگی پر اس کی مرتبہ دل میں ہے
بہن چلنا کہ پھر خنجر کھنکھاتا ہے
دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کھا
ہے نہ یہ جانا کہ گویا یہ جی میرے دل پہ ہے
گرچہ ہے کس کس برائی سے دے باریاں بہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس مفضل میں ہے
بس جھوم نا امید ہی خاک میں مل جائے گی
یہ جو اک لذت بیماری سے بے حاصل رہا ہے
رہنے رہ کیوں کھینچے؟ واما مذکی سے عشق ہے
اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے

حلوہ و تدار آتش و دوزخ جس کا دل بھی !
 کہ یہ نکل جائے گی۔
 فتنہ شور قیامت کس کی آب و گل میں ہے !
 اور مان پورا ہو جائیگا
 ہے دل شوریدہ غالب عسکر بیچ و تاب
 لیکن اس ظلم نے
 رحم کرا اپنی تمنا پر، کہ کس مشکل میں ہے
 پھر بغیر سہاوی بیابا
 ہے ۔۔۔ ہم نے اپنے
 روئے میں۔

۱۰۔ مشرح : خواہ حال اس شعر کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :
 - کسی کے حسن بیان کی اس سے بہتر تعریف نہیں ہو سکتی کہ ہر بات
 قائل کے فہم سے نکلے، وہ سامع کے دل میں اس طرح اتر جائے
 کہ اسے شیر ہوا کی بات پہلے ہی سے میرے دل میں تھی۔
 بیشتر حقائق انسان کے دل میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ لیکن خوب نگاہوں
 کی طرف اشارہ دیکھا جائے، اکثر کو ان کا شعور و احساس نہیں ہوتا، جب شعور
 کو دیا جائے تو یہ خیال نہیں ہوتا کہ کوئی نئی بات سنتے ہیں آئی، یہی سمجھا جاتا
 ہے کہ جو بات پہلے سے دل میں موجود تھی، وہ تازہ کر دی گئی۔ تقریر کی سب
 سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انسان کے دل کی باتیں تازہ ہو جاتیں، ایسی ہی تقریر
 دل پذیر و غیر توفیقی ہے، اس حقیقت کی طرف مرزا غالب نے اشارہ کیا ہے
 مرزا کی دقیقہ سنی کا کمال ملاحظہ ہو کہ یہ نہیں کہا، وہ بات پہلے سے دل
 میں موجود تھی، یہ کہا، میں نے سنا، لگو یا یہ میں میرے دل میں تھی۔

۱۱۔ مشرح : اگرچہ محبوب کی محفل میں میرا ذکر اتھانہائی برائی سے ہو
 رہا ہے، لیکن یہ ذکر میرے ہر سے بہتر ہے کہ اس محفل میں پہنچ گیا ہے، اہ! میں
 تیار رہنے لگتا۔

ماشوق کو محبوب برائی سے بھی یاد کرے، محفل نشینوں کی بدگوئی گوارا
 کرے اور اگر ضرورت کے تو عاشق کے لیے یہ بھی ایک دل پسند شے ہے اور

مرزا غالب کا تو فلسفہ ہی یہ ہے کہ دشمنی بھی بہر حال تعلق ہی کا ثبوت ہے۔
وہ نفسِ ذکر پر خوش ہے، اس کے لیے اچھے بُرے کا سوال پہلے نہیں، بعد
میں آتا ہے۔

۴۔ **شرح :** اسے نا اُمیدی کے بدلے پناہ نیل : ذرا احمق بنا، اختیار
کا جو ہر اسے نام نہاد لگا ہوا ہے، وہ بھی کٹ نہ جائے، اُسی کی بنا پر ہم ذات
دل میں وکوشش میں لگے ہوئے ہیں، اگرچہ اس سے حاصل کچھ نہیں ہوتا،
لیکن مجاہدی دل لگی کا ایک ذریعہ ضرور ہے، اگر یہ سہارا بھی مل جائے، اور
امید کے پورے جانے پر اندھیرا چھا گیا تو اس کو کشش میں دل لگی اور دلچسپی
کا جو سامان ہے، وہ بھی ختم ہو جائے گا۔

انسان حصولِ مقصد کے لیے جو کوششیں کرتا ہے، وہ اُمید پر مبنی
ہوتی ہیں، اگرچہ اس کی حیثیت کچھ ہی ہو۔ کوششیں کامیاب نہ بھی ہوں تو
جب تک اُمید کا تصور اس میں باقی ہے، وہ مجاہدی ہیں لگی اور ان میں مصروفیت
کے باعث انسان اک گونہ لذتِ محسوس کرے گا، اگر نا اُمیدی ایک عوفان کی طرح
بجھوم کر کے آجائے تو ظاہر ہے کہ یہ سہارا بھی ختم ہو جائے گا اور نتیجہ کار
خیزی، نیز محسوس و کوشش کے تھقل کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

۵۔ **شرح :** ہم چٹنے کی زحمت کیوں برداشت کریں، روانگی اور
پہنچائی کو بہادری سے قدموں سے اس درجہ عشق ہو گیا ہے کہ جو بھی قدم رکھتے
ہیں، وہ اُٹھ نہیں سکتا۔

مطلب یہ کہ بہادری سے یہ روانہ لگ کے باعث چٹنا غیر ممکن ہے۔
مردِ ماضیاتی فرماتے ہیں کہ "منزل کے ساتھ" ہیں، استمالی ہو تو آدمی
سے مراد "داسٹر" ہوتا ہے، پر "استمال" ہو تو منزل مقصود سمجھنا چاہیے۔

۶۔ **شرح :** محبوب عاشق سے گستاخ کہ تھاوار دل تو جہنم کی آگ
بھڑکنے کا جلوہ دکھاتا رہے۔ عاشق جو اب دیتا ہے کہ جو کچھ آپ نے فرمایا

بھاسی، لیکن یہ بھی تو بتائیے کہ شور قیامت کے نھتے سے کس کی سرشت
سیر ہے ؟

ظاہر ہے کہ عاشق کے دل میں ہمیشہ عشق کی آگ مشتعل رہتی ہے اور
آتش و دھواں سے اس کی مناسبت کتنا بے بیان نہیں، مگر محبوب بھی تو اپنے
کاروانداز اور مشوہ وادرا کی بدولت قیامت کے نھتے سے کم نہیں ہوتے۔

۷۔ **شرح :** غالب کا دل دیوانہ بیچ واپ کا ایک غم ہے جس
میں ہر لحظہ جیتی و بھڑادی موجزن رہتی ہے۔ اسے محبوب ! اسی دل میں تیرے
قتلہ اور آواز چاگزی ہے۔

مجھ پر نہ سہی، اپنی قتلہ پر تو دم کر اور اچھ کر کن مشکلات میں چڑی ہوئی
ہے ؟ تو ہی اسے ان مشکلات سے بچھا سکتا ہے۔

شاعروں نے حبیب کے عجیب و غریب پہلو پیدا کیے ہیں، ان میں سے
ایک غالب کا یہ شعر بھی ہے۔ امیر مینائی نے کہا ہے۔

دل آپ کا کر دل میں جو کچھ ہے سب آپ کا
دل یہی ہے مگر میرے وہاں نکال کے

۸۔ **شرح :** اول اور

جگر دونوں تیرے تیرے تیرے نگاہ سے
ذخمی ہونے کے آواز مست
تھے، چنانچہ وہ تیرے دل کو چرتا
چرا جگر ہی آواز گیا، اس آواز
سے وہاں خوش ہو گئے۔
وہ دونوں کی آواز پوری ہو گئی
اور عسرت مائل نہ رہی۔

دل سے تیری نگاہ جگر تک اتر گئی
دونوں کو اک آوازیں دھنا مند کر گئی
شوق ہو گیا ہے سینہ خوشالذبت فراغ
تنگیست پر وہ دامنی زخم جگر گئی !
وہ بادۂ شہانہ کی سرمستیوں کہاں
اٹھتے ہیں اب کہ قدرت خواب سحر گئی

۲۔ لغات :

شق ہونا : پھٹ جانا

فرائع : بے فکری

مزاغت :

شرح : خدا کا

نگر ہے کہ میرا سینہ پھٹ

گیا اور اس کا چند بند کھل

گیا۔ پشیرہ جگر کے زخم کو

پوشیدہ رکھنے میں نہ مست ،

یعنی پڑتی تھی۔ اب اس

زحمت کی کوئی ضرورت نہ

رہی۔ بڑا ہی اچھا ہوا کہ

بے فکری کی لذت بستر آگئی۔

زخم جگر کی پر پادہ دیکھ

اسی وقت تک کار آمد بھی

جاسکتی تھی کہ سینہ کھلو نہ رہتا

جب سینہ پھٹ جاتے سے

خود جگر منظر عام پر آگیا ، تو

پروردگار کی کیا گستاخش باقی رہی ؟

شعر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ چھوٹی مصیبت میں ضبط و تحمل کا اہتمام

کرنا پڑتا ہے ، جب اس سے بڑی مصیبت پیش آجائے ، تو پہلے کا ضبط و تحمل

بالکل بے سود رہ جاتا ہے اور بڑی مصیبت میں چھوٹی مصیبت کی احمقانہ

یاد بھی نہیں رہتی ۔

اڑتی پھرے ہے خاک مری کو سے یاد میں

بارے اب اے ہوا ! جوں بال و پر گئی

دیکھو تو دل فریبی انداز نقشیں پا

مروج خرام یاد بھی کیا گل گنر گئی

ہر بو الہوس نے سخن پرستی شعار کی

اب آبرو سے شیوہ اہل نظر گئی

نظارے نے بھی کام کیا واں نقاب کا

مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی

فردا دوس کا تغیر قریب بارش گیا

کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی

مارا زما تھے نے اسد اللہ خاں تھیں

وہ و لو سے کہاں ؟ وہ جوانی کہ عمر گئی ؟

۳۰۔ لغات - بادۂ شباب : رات کے وقت شراب پینا۔

شرح : اس شعر میں دراصل عیش و نشاط کی ایک خاص کیفیت پیش کی گئی ہے۔ لوگوں کا عام دستور یہ تھا کہ رات رات بھر غفلت میں کہ شراب پیئے رہتے۔ رنگ رنگ ہوتے رہتے۔ صبح کو سو جاتے اور فیند کے مزے لیتے۔ میرزا کہتے ہیں۔ رات کو شراب پیئے کی برکتیں اب کہاں وہ تو ختم ہو گئیں۔ جب وہی نہ رہی تو خواب سحر کی لذت بھی رخصت ہو گئی کیونکہ وہ لذت تو رات بھر شراب پی کر سیاہ مست ہو جانے پر موقوف تھی۔ مولانا لمبا خانی فرماتے ہیں کہ شعر کے الفاظ معنی حقیقی پر محمول کر دیا تو کچھ لطیف نہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک میرزا کو استعارہ منظور ہے۔ یعنی بادۂ شباب سے فضا شباب اور سحر سے سحری کا استعارہ اور اٹھنے کا خطاب نفس فانی کی طرف ہے۔

بظاہر مولانا دراصل مشنوں کا شنگ اندازہ فرما سکے۔ اٹھنے کے خطاب سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بادۂ شباب کی سرستیوں سے خواب سحر کی لذت اٹھانے والا کوئی خواب یا نہیں ہے۔ جو ایسی سرستیوں میں اٹھا کر عادی بناتا ہے۔ تاہم اگر مولانا کے فرماتے ہوئے استعارہ سے پیش نظر رکھتے ہاں یہ تو مقصود یہ ہو گا کہ شباب کی سحر گزشتگی اور بڑھاپا کا گیا۔ اب خواب سحر میں وہ لذت باقی نہ رہی۔ کیونکہ وہ تو شراب نوشی کی فراوانی پر موقوف تھی جو شراب کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔ لہذا اب کچھ عبادت کرینی چاہیے۔

۳۱۔ شرح : میری خاک محبوب کے کوچے میں اذنی میری ہے۔ میں میرا مقصود تھا۔ یہی آرزو تھی۔ اسے بھلا اب مجھے بالیہ پر کی کیا ضرورت رہ گئی؟ وہ بھی تو اسی جیسے وہ کارہیئے کو میں کو یہ محبوب کی فضا میں اٹھ سکوں۔ جب میری خاک کو یہ شرف حاصل ہو چکا ہے تو اب (اے) پرستے بے نیازی میرزا گئی۔

مولا نا لمبا لپائی فرماتے ہیں کہ مجھ سے غلاب بظاہر ہے مگر اس کے اندر
جس کی مناسبت سے مختلف نے صبا کو چھوڑ کر صبا کو باذہا میرے نزدیک
لفظ جو بعض جوس کی رعایت ہی سے اختیار کیا گیا۔ خاک کو اڑانے کے
لیے صبا سے کہیں زیادہ جوا کی ضرورت تھی۔ صبا خوشبو دے جاسکتی ہے خاک
نہیں اڑا سکتی۔

۵۔ لغات۔ گل کترنا : کاغذ وغیرہ کے پھول بنانا، دکھادی کرنا
عجیب و غریب اور پیچھے کا کام انجام دینا۔ کسی کا کوئی ایسی بات کرنا جس
سے فساد برپا ہو اور وہ الجھ ہے۔

مشریح : محبوب چلنا ہے تو زمین پر پاؤں رکھنے کے رنگ ڈھنگ
صبر و تحمل اور قابل دید ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خرام محبوب کی
نہر گل کرتی ہوئی جاری ہے۔

گل کترنے سے یہ معلوم بھی ثابت ہے کہ محبوب چل نہیں رہا، بلکہ گھٹا ہوا
کر رہا ہے۔ یہ معلوم بھی واضح ہے کہ اس چال سے عشاق میں ایک جنگ مہم
ضار پیدا ہو رہا ہے اور خود محبوب کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

۶۔ لغات۔ جوا جوس : جوس پرست، جھوٹا عاشق۔

اہل نظر : معنویت پر نظر رکھنے والے سچے عاشق۔

مشریح : زمانے کے طور طریقے بدل گئے۔ جوس پرست اور جھوٹے
عاشق نے جس پرستی کو اپنا مشغلہ بنا لیا ہے، گویا یہ رسم نام جو گئی ہے۔ ظاہر
ہے کہ اب سچے عاشقوں کے طور طریقے کی عزت و اہمیت دیکھ جاتی ہے۔

شعر کی اناقصیت مناجاتِ شریع نہیں۔ زندگی کے ہر نکتے میں اس کا
کیاں اطلاق ہو سکتا ہے۔ جب سچے جھوٹے میں امتیاز کا کوئی نشان خاص باقی
نہ رہے تو بخوشی کی آہد کیا بات ہو سکتی ہے ؟

۷۔ شرح : محبوب کا نقد و بھانے خود ایک لغاب کی صورت اختیار

کر گیا۔ کیونکہ چونکہ اس کے ربیع انور پر پڑی اور مست اور از خود دولت ہو کر
ہر طرف بکھر گئی۔ ہر نگاہ کی حیثیت ایک تار کی تھی۔ بہت سے تاروں نے
اس کے چہرے پر کچھ کچھ کر ایک پردہ تیار کر دیا۔ یعنی نظارہ بجاوت خود حسن
سے نطفہ اندوز ہونے کے بجائے عروسی کا باعث بن گیا۔

مولانا شباطیانی فرماتے ہیں کہ مصنف نے "ہمز" کا لفظ یہاں پورا تعجب
بنانے کے لیے صرف کیا ہے۔ شعر کا مطلب یہ ہے۔ تیرا رخ دیکھ کر ایسی
اندوزہ نگلی ہوئی کہ سب دیر سے عروم رہے۔

۸۔ لغات - مرزا : آئندہ کل۔

دہی : گزشتہ کل۔

مشرح : خواجہ حال فرماتے ہیں :

"تمہارے جاتے ہی بہت خود رنگی و خود فراوانی کے یہ حالت ہو
گئی کہ آج اور کل کی مطلق تیز نہیں رہی اور ایسا ہی قیامت کی
نسبت کہا جاتا ہے کہ وہاں ماضی مستقبل دونوں مہل و زمانہ حال
ہو جاتیں گے۔ پس تم کیا گئے، گو یا ہم پر قیامت گزرتی۔ قیامت
گزر جانے کے دونوں معنی ہیں، نہایت صحت کا انداز اور
خود قیامت کا آجانا۔"

نکتہ بہرہ سے ہے۔ فرماتے ہیں، کل تم جہاں سے پاس سے دولت ہوئے
حشر ٹوٹ پڑا۔ آئندہ کل اور گزشتہ کل میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا۔ اس سے
بڑھ کر قیامت کا فتنہ کیا ہو گا؟ یہاں گزشتہ کل خراسان قیامت بن گئی۔

۹۔ شرح : اے اسد اللہ خاں! تمہیں زمانے نے تیار کر ڈالا۔ وہ
جو انی تیس پر تم نازاں تھے۔ کہاں گئی! وہ ہلکا مر تیز دلوں نے کیا ہونے کا
کہ جو ان کے ساتھ دلوں سے بھی گئے اور پھر آگئی۔ یہ اخطا ط زمانے کے
باعث ہو رہا تھا۔

میرزا کا پورا نام اسدا شہنشاہ تھا۔ ابتدا میں اسدا تخلص کرتے تھے۔ اور کہا
 گیا جہاں نے عزت پایا ہے کہ تخلص کے ساتھ پورا نام آجائے سے خوش پیدا ہوئی۔
 اور "نشان" سے یہ معنی نکلتے ہیں کہ کسی زمانے میں قوت و سطوت کے مالک تھے۔
 جسے چیری نے مٹا دیا، یعنی عظمت رفتہ کی یاد بھرا ہے، یہاں نہیں۔

تسکین کو ہم نہ روئیں، جو ذوقِ نظر سے

خوہاں غلہ میں تری صورت، اگر سے

اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دفن بعدِ قتل

میرے پتے سے غلق کو کیوں تیرا گھر بنے

ساقی گری کی شرم کرو آج اور نہ ہم

بہر شب پایا می کرتے ہیں سے مجھیں قدر سے

تجھ سے تو کچھ کلام نہیں، لیکن اسے ندیم!

میرا سلام کہیو اگر نامہ بر سے

تم کو بھی ہم دکھائیں کہ بھنوں نے کیا کیا

فرصت کشا کش غم پہناں سے گزٹے

لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں

بانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر سے

اسے ساکنان کو چہ ولد ار! دیکھنا

تم کو کہیں جو غائب آشفہ صر سے

۱۔ شرح:

اگر نظر کے لیے لذت

کا سامان فراہم ہو جائے

تو ہم دل کی تسکین کا

غم کیوں کریں؟ بہشت

کی حوری کتنی ہی پاکیزہ

کیوں نہ ہوں، لیکن

اسے محبوب! ان میں

خیری صورت منی چاہیے

کیوں؟ اس لیے کہ

دختری صورت کے سوا

نظر کسی حالت میں حقیقی

لذت پا سکتا ہے اور

دل کی تسکین کا سامان

فراہم ہو سکتا ہے۔

مشرقی مرزا غالب

فطرتِ بہشت کے متعلق پانچ

نقطہ نگاہ پوری طرح

والمع کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہاشمہ بہشت میں حمد ہی ملیں گی۔ لیکن جہان میں اپنا
ذوق نظر کہاں پائے گئے ہیں اور ہمیں تسکین کیونکر جو سکتی ہے؟ اسے محبوب
مقبول روغن تیرا جلوہ فیض آنا چاہیے۔ وہی ذوق نظر کا سراپا اور ہی تسکین نظر
کا دوا دہندہ ہے۔

۲۔ **مشریح :** اسے محبوب یا تو میرے قتل کے بعد مجھے اپنے کوچے
میں دفن نہ کرے۔ کیونکہ لوگ میری قبر کا نشان پا کر میرے گھر کے درد اڑے۔ بار
پہنچے نہیں گئے اور میرا جہیز نہ ملے گا۔ اس کا رد اوار نہیں ہو سکتا۔
یہ بھی ظاہر ہے کہ عاشق کو اپنی عظمت و شہرت کا پورا یقین ہے۔ وہ
دفن ہوگا تو لوگوں کو عظمت و شہرت کی بنا پر قبر تک آئے گا ہاں لٹا رہے گا۔
اس طرح انھیں تیرے گھر کا نشان مل جائے گا۔

ایک پیر یہ بھی ہے کہ لوگوں میں مشہور ہو جائے گا۔ دیکھو فلاں نے فلاں
کو قتل کر دیا۔ اپنے کوچے ہی میں اس کی قبر بنا دی۔ اس طرح قتل کا جید
تھس بننے کا اور نشان ہے۔ لوگ تجھ سے حوائذ سے کا سوال اٹھائیں۔

۳۔ **مشریح :** آج تم نے ساقی کا منصب اختیار کر لیا اور شراب پیا
رہے ہو۔ خدا کے لیے اپنے اس منصب ہی کا پاس دے لانا کرو اور جتنی چاہو
پیتے ہو۔ چاہو اور نہ میراث میں جتنی ملتی ہے۔ ہاں پیتے ہیں اور مسکین ہیں
تھادی ساقی گری کے لیے تو خدائی چاہا، کچھ باعثِ رحمت نہیں۔

۴۔ **مشریح :** خود مرزا غالب اس شعر کا مفہوم تاحضیٰ عبدالمجید بنوں
کو کہتے ہوئے یوں واضح کرتے ہیں۔

یہ مضمون کچھ آغا زچا ہوتا ہے۔ یعنی شاعر کو ایک قاعد کی خدمت
میں مقرر کیا گیا ہے کہ قاعد کہیں محبوب پر عاشق نہ ہو جائے
ایک دوست اس عاشق کا ایک شخص کو پایا اور اس نے عاشق
سے کہا کہ یہ آغا زچا اور معتمد علیہ ہے۔ جس مقام میں ہوں کہ

یہ ایسی حرکت نہ کرے گا۔ خیر اس کے ہاتھ خط بھیجا گیا۔ تصنا
 دا عاشق کا گمان سچ ہوا۔ قاصد معشوق کو دیکھ کر والدہ شہینہ
 چو گیا۔ کیا خط، کیا جواب، دیوانہ بن۔ کپڑے پھاڑ جنگل
 کو چل دیا۔ اب عاشق اس وقت کے بعد تدبیر سے کہتا ہے
 کہ فیہ دان تو فدا ہے، کسی کے باطن کی کسی کو کیا خبر؟
 اسے ندیم یا بچہ سے تو کچھ کلام نہیں۔ لیکن اگرچہ مدبر کیوں نہ
 ہو اسے تو اس کو میرا سلام کہو کہ کیوں صاحبہ تم کیا کیا دھوے
 عاشق نہ بوسے کے کر گئے تھے اور انجام کار کیا ہوا؟

کیسے سلام۔ دراصل ایک نہایت لطیف تشریف ہے۔

۵۔ **شرح :** اگر میں چھپے ہوئے ظلم کی کہیں جان سے نہایت مل

جاسے تو اسے محبوب باہم تمہیں بھی بتا دیں کہ مجھوں نے کیا کیا تھا۔

چھپے ہوئے ظلم سے مراد ہٹا ہریہ ہے کہ اگر مجھوں کی طرح کپڑے پھاڑ
 کہ صحران میں نکل جاؤں تو راز عاشق فاش ہو جائے اور اس میں محبوب کی سزا
 کا احتمال ہے۔ ہمارے لیے وہ سب کچھ کر و کھا نا بہت سہل ہے جو مجھوں
 نے کیا تھا۔ لیکن گونا گوں مصلحتیں ہمارے راستے میں حائل ہو رہی ہیں۔

۶۔ **شرح :** حضرت خضرؑ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ زندہ ہیں اور

بھولے بھٹکے مسافروں کی رہنمائی فرماتے ہیں کم از کم یہ ادنیٰ مستحبات میں سے
 ضرور ہے۔ مرزا لکھتے ہیں کہ ہمارے لیے حضرت خضرؑ کی پیروی لازم نہیں
 البتہ کہہ سکتے ہیں کہ راد سلوک میں ہمیں ایک جزو گہل گئے جو ہمارے
 ہم سفر تھے اور ان کا نام خضرؑ تھا۔

مغضب یہ کہ سلوک میں ہمارا مرتبہ خضرؑ سے کچھ کم نہیں کہ انہیں رہنما
 مان لینا ہمارے لیے لازم ہو۔

۷۔ **شرح :** اسے محبوب کے کوچے میں پسے والو! اگر کہیں تمہیں

غائب دیوانہ مل جائے تو دیکھنا اس کا کیا حال ہے اور اس کا خیال رکھنا۔

کوئی دن گر زندگی گئی اور ہے اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
آتش و وزخ میں پی گرمی کہا سو نہ ٹھما سے نہانی اور ہے
بار بار کہی ہیں ان کی رنجشیں پر کچھ اب کے سرگرائی اور ہے
وسے کے غلط منہ دیکھتا ہے لڑکھ کچھ تو پیغام نہانی اور ہے
قابلِ اعمار ہیں اکثر نجوم وہ بلائے آسمانی اور ہے
ہو چکیں غائب! بلا میں سب تمام ایک مرگ ناگمانی اور ہے

۱۔ شرح : فاضل عبدالمیل بیون نے اس شعر کی شرح خود مرزا غائب سے پوچھی تھی۔ جواب میں فرماتے ہیں:

۔ اس جہا کوئی اشکال نہیں، جو لفظ ہیں وہی معنی ہیں۔ شاعر اپنا قصہ کیوں بتانے کو میں کیا کروں گا؟ مجھ کہتا ہے کچھ کروں گا خدا جانے شہر میں یا قراچ شہر میں تکیہ بنا کر نظیر ہو کر بیٹھ رہے یا دیس چھوڑ کر پردہ میں چلا جائے۔

مولانا صاحبانی فرماتے ہیں :- ہندش کی خوبی اور محاورہ کے لطافت نے اس شعر کو مستحیل کیا۔ سورہ غائب یا غش اس بات سے بے خبر نہیں ہے کہ جہا کی بات جی میں رکھنا العلل فی بطن الشاعر کہتا ہے، اس شعر سے یہ سبق لینا چاہیے کہ ہندش کے حسن اور زبان کے مزے کے آگے مسادہ صنعتِ حسن کو جس گوارا کر لیتے ہیں۔

میرے اہل خانہ سے کے مطابق مولانا نے کسی قدر زیادتی فرمالی کسی لہر کو
 شعر میں تعدد سے منہ رکھنے کا مطلب لاؤ انا السن فی لہن ان عریس۔ یعنی
 مقامات پر اب ہم خواہندہ سے کے لیے ہر جہان زیادہ لطفت کا باعث ہونا ہے
 کیونکہ ہر مرزا اپنے خاص حالات کے اعتبار سے شعر کو خاص معنی پر دلچسپی لیتا
 ہے۔ اس طرح ایک شعر مختلف حالتوں پر جاری ہو جانے سے زیادہ اہمیت
 و اہمیت پیدا کر لیتا ہے، جیسا کہ میرزا نے خود مرزا یار شاہ نے اس دہر
 سے اپنا قصہ معین نہیں کیا کہ وہ چاہے فقیر ہی جائے۔ چاہے ہر دس چھوٹا
 چاہے کچھ اور کر گزرتے۔

جو کچھ وہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے غرضی اقدام نہ کرنے کا طریقہ
 پہلے صریح میں موجود ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر زندگی کے کچھ دن باقی ہیں تو
 ہم نے ہی میں کچھ اور شان رکھتی ہے۔ اس سلسلے میں شاعرین نے مختلف
 احتمالات پیدا کیے۔ مثلاً مرعاشی گئے۔ کسی اور سے محبت کر لیں گے یا محبت
 سے دست بردار ہو جائیں گے، لیکن مرزا نے ان احتمالات کی طرف تخیل
 یا بھی اشارہ نہیں کیا، کیونکہ ان میں سے کوئی بھی آپ محبت کے شایاں نہیں

۲۔ **تشریح :** دوزخ کی آگ میں اس قدر گرمی کہاں ہو سکتی ہے جیسے
 جو سے غلوں کی بجائے بالکل جدا گانہ حیثیت رکھتی ہیں۔ عین دوزخ کی آگ
 اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کہاں "استفہام" نکال رہی ہے، گو یہ سوال کیا،
 مگر مقصود غلطی ہے۔

۳۔ **لغات :** سرگرائی : سر کا بھاری ہونا، مراد ہے رنجش، غمگیں،
شرح : ہم ان کی رنجشیں بار بار دیکھ چکے ہیں اور وہاں سب عین
 میں محبوب کی رنجشوں سے سابقہ پڑتا ہی رہتا ہے، مگر اس مرتبہ ان کی غمگیں
 کا درجہ زیادہ بڑھا ہوا نظر آتا ہے۔

حقیقتہً زیادہ غمگیں ہے یا نہیں۔ لیکن عاشق کو دوسرے محبت میں اتنا

ہے امتحان پر بھی اس قسم کے وجہ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

۳۔ **شرح :** میں نے محبوب کو ایک خط نامہ بر کے ساتھ بھیجا تھا۔ اس نے جواب دے دیا۔ لیکن میرا منہ کھل رہا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ بھی کوئی پیغام دیا ہے۔

۴۔ ہم نے اپنے ہی میں ٹھانی اور ہے۔ کی طرح یہاں بھی مرزا نے نہ پانی پیغام کو مقلد یا ہمیں چھوڑ دیا۔ کیونکہ اسے معلوم کر بیٹے کے قریبی ترین شہر میں موجود ہیں۔ مثلاً وہ ایسا پیغام ہے۔ جو عمر بنی قریب میں داتا سب نہ سمجھا گیا۔ ظاہر ہے کہ نامہ بر کو بھی ڈالنا گیا ہو گا اور خط بھیجے ہوئے کی بھی خوب فہرشی گئی ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ نامہ بر اسے دہرائے میں تامل کر رہا ہے۔

۵۔ **نجات - قاطع - قاطع کرنے والا - کائنات والا۔**

اعلام : امر کی جگہ۔

شرح : اکثر شہر سے عروں کا رشتہ کاٹ دیتے داتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ نہ ان ستاروں کی گردش کا نام ہے اور نہ ان سے پہنچنے والے سے عروں کا مسئلہ ختم ہو رہا ہے۔ اس لفظ سے قاطع احوال ہی گئے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ درست ہے۔ لیکن وہ جو تھے آسمانی (محبوب) ان سب سے بڑھ ہی ہوئی ہے۔ ستاروں کی گردش کا نتیجہ صرف یہ ہے کہ عروں کے دن ختم ہو۔ جسے یہاں آخری طرح سب مرجع بن گئے۔ مگر میرے محبوب نے علم و حکم سے نہ ان کی بالکل نجات ہی پر داشتہ اور موت سے برتر بنا رکھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ستاروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ بیدار رہے۔

۶۔ **شرح :** اسے ثابت ہوا کہ اسے یہ سننی جاتی ہے۔

کی طرف سے مقلد ہیں۔ وہ پوری ہو چکیں۔ ہر سب کو قیامت میں۔ موت باقی ہے۔ جو جبرئیل انکسار اور اپنا کس آنے کی کیونکہ وہ کبھی کہیں کو فنا کر نہیں آتی۔

کوئی اُمید پر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی
 موت کا ایک دن متین ہے نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
 آگے آتی حتیٰ مالِ دل پر نہیں اب کسی بات پر نہیں آتی
 جانتا ہوں ثوابِ طاہت و زہد پر عبیدتِ ادھر نہیں آتی
 ہے کچھ ایسی ہی بات جو چہ نہیں در نہ کیا بات کر نہیں آتی
 کیوں نہ چنوں کہ یاد کرتے ہیں میری آواز گر نہیں آتی
 داغِ دل گر نظر نہیں آتا بُو بھی اسے چارہ گر نہیں آتی
 ہم دہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی کچھ سہارے خبر نہیں آتی
 مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی موت آتی ہے پر نہیں آتی
 کچھ کس منہ سے جاؤ گے غالب؟ شرمِ تم کو مگر نہیں آتی

۱۔ لغات - بر آنا : پورا ہونا۔

شرح : میری کوئی امید پوری نہیں ہوتی اور کسی کے پورا ہونے کی صورت جس نظر نہیں آتی۔ یعنی : یوسی اور نا اُمیدی کی آخری منزل ہے۔ نہ کوئی آرزو ہر آتی ہے نہ کوئی تہہ ہر پہن پڑتی ہے۔ نہ کوئی ایسی صورت پیش نظر ہے کہ کہیں کوئی نہ جا پورا ہو جائے گا۔

۲۔ شرح : موت کا دن اور وقت مقرر ہے۔ اسی میں رتو بدل اور پس و پیش ممکن نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ رات نہ لٹنے مرنے کے لیے بناتی ہے ۶

وَجَعَلْنَا مِنْكُمْ كُفْرًا

چرا کہ جو ہے کدورت بھر غنیمتیں آتی اور خدا اور کے لیے بھی آغوش نہیں
جسکی ہے کیا غنیمتیں موت ہی گئی ہے کہ معین وقت ہی پر آئے گی ؟

۳۔ شرح : پہلے یہ صورت تھی کہ دل کا حال دیکھ کر سبھی آجاتی
تھی، یعنی یہ کس طرح سکون و اطمینان سے بیٹھا ہو، عشق کے چکروں میں پڑا
اور کس نوبت کو پہنچ گیا۔ اب افسردگی و پژمردگی کا یہ عالم ہے کہ سبھی بالکل
نا امید ہو گئی۔ کسی ثابت پر شغف کی کا احساس ہی باقی نہ رہا۔
موت کا طلبہ باقی فرماتے ہیں :

یہ وہ شعر ہے کہ میر کو بھی جس پر رشک کرنا چاہیے۔ افسردگی
خاطر کو کس حوالہ سے بیان کر دیا اور کیا خوب شرح کی ؟

۴۔ لغات و طاعت و عبادت

شرح : میں عبادت اور پرہیزگاری کے ثواب سے واقف ہوں
لیکن کیا کروں، میری طبیعت اس طرف مائل نہیں ہوتی۔

مطلب : کہ بندگی اور پرہیزگاری کا ثواب جان لینا کافی نہیں، جب
تک خدا کی رحمت سے دل میں ان کے مطابق عمل کا جذبہ پیدا نہ ہو۔

۵۔ شرح : اس شعر کے پہلے مصرع میں پھر ایسا ہی ہے۔ کہتے ہیں
کوئی ایسی ہی بات چن آگئی ہے کہ میں چپ بیٹھا ہوں اور لب بند کر رکھے ہیں
ورنہ کیا یہ سمجھتے ہو کہ میں بات کر نہیں سکتا ؟

پہلے مصرع میں چپ، بچنے کی مختلف تعلیمیں ہو سکتی ہیں اور ہر خواہندہ
اسے اپنی حالت پر ڈھال سکتا ہے۔ شاعر :

۱۔ میرے چپ رہنے میں خاص حکمت ہے جو ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔

۲۔ مجھے یہ خوف دامنگیر ہے کہ کچھ کوئی گاتو را نہ عشق نامی شہ جو ہونے کا
اور میرے محبوب کی رسوائی ہو گی۔

۲۔ دل شکوہوں سے لبریز ہے، مرنے کھلے گا تو زبان پر شکایتیں آئیں گی اور ممکن ہے، شکایتوں پر محبوب غما ہو جائے۔

۳۔ اگر شکایتیں بھی کہیں تو ان سے محبوب کے دل پر کیا اثر ہوگا۔ لہذا پاس و شمع کا تقاضا ہی ہے کہ غیب ہے۔

۵۔ ممکن ہے، میرے کئے شکوے وغیرہ کے لیے خوشی کا سامان ہو جائے اور مجھے یہ منظور نہیں۔

غرض غنیمت و حیرت ہو سکتے ہیں، مرنا اٹھنے سے مبہم چھوڑ دیا اور شعر پڑھنے والے کے غم کے لیے پرواز کی گنجائش قائم رکھی۔

۶۔ **شرح :** میں نالود و مزید کیوں نہ کروں، اگر رونا اور چپ ہوتا ہوں تو محبوب کہتا ہے: کیا سبب ہے، اس کی آواز کاں میں نہیں آتی، یا کہ وہ مر گیا یا وہیں چھوڑ کر پردہ میں چلا گیا، میری مزید اسے جلی معلوم ہوتی ہے لہذا اب یہاں ہر جہان میں رہتا ہوں۔

۷۔ **شرح :** چارہ گر کے عقل و فہم پر حیران ہیں، مرنے سے ہیں، کہ میں نے ماما، تجھے دل کا داغ نظر نہیں آیا، لیکن اس کی بو تو سونگھی جاسکتی ہے، داغ کا نتیجہ ہی ہو سکتا ہے کہ گوشت سے اور اس کی بو آ جائے، غریب کرنے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر داغ اتنا نمایاں نہیں ہے یک نظر دیکھا جاسکے تو کم از کم اس کی بو سے تو پتا لگایا جاسکتا ہے، لیکن یہ چارہ گر کیا ہے، ہاں داغ دیکھ سکتا ہے نہ بو سونگھ سکتا ہے۔

۸۔ **شرح :** ہم عشق میں از خود رشتگی کے اس مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ ہمیں اپنے حال کی بھی کچھ خبر نہیں ملتی۔

یقیناً بخود ہی میں ایک مقام دیا بھی آجاتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو جس شکل بھول جائے، اس کا تجزہ ان لوگوں کو بار بار ہونا ہوگا، جو محنت بردار کے خود فکر کے عادی ہیں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کچھ سوچتا ہو،

باہر نکلی جاتا ہے اور قاضی کا صلہ اس عالم میں ملے کر جاتا ہے کہ اسے اپنی
زنت یا اگر دیش کا کچھ بھی خیال نہیں رہتا۔ ایسی ہی خودی مرزا پر ظاری ہوئی
جس میں وہ اپنے آپ کو کاملاً فراموش کر بیٹھے۔

۹۔ **شرح :** پہلا مرزا "ہزار ہے یعنی مرنے کا انتہائی شوق ہے"۔
دوسرا "مرزا" حقیقت ہے، یعنی موت کی آرزو انتہائی حد پر پہنچی ہوئی ہے
عشق میں ہمارا جو حال ہو چکا ہے، اس کے پیش نظر ایک لمحے کے لیے بھی دنیا
گوارا نہیں۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ موت کے شوق میں مرے جانے کی دوسری
موت نہیں آتی۔ اس وجہ سے سخت کشمکش میں مبتلا ہیں۔ (ایسی زندگی کو نہ
زندگی کہہ سکتے ہیں، نہ اپنے شوق کے مطابق مر سکتے ہیں۔)

۱۰۔ **شرح :** اسے نائب اتم نے ساری عمر برائیوں سے گناہوں
میں گزار دی ہے۔ ایک لمحے کے لیے بھی تم سے کوئی نیکی نہ ہوئی، اب کیجیے
جانے کے آرزو مند ہو، لیکن وہاں کیا تم سے کر جاؤ گے؟ کیا تمہیں اس بات
پر شرم نہیں آتی؟

نائباً **مرزا :** یا علیؑ میں ہمارا ثناء و تعریف سچ کا اور وہ کی قدر اور
اسی شے میں میرا نائب نے یہ آرزو ظاہر کی تھی :

نائب : اگر اس سفر میں کچھ ساتھ کے ہیں

چچ کا جواب : نذر کروں گا حضور کی

وہیے بھی انہیں حرمین شریفین اور نجف اشرف جانے کی بڑی آرزو تھی۔ اور
خود گھسٹو کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں :

مقطع سب سلا شوق نہیں ہے ۷ شعر

حرم میر نجف و طوب حرم ہے ہم کو

سناؤ ہی اس خیال نے پریشان کیا کہ دوسری زندگی میں میگز ہونے کے بعد
خاندان میں جانتے ہوئے یقیناً حرم آئے گی۔

دلِ نادر اس تجھے مجھ کو کیا ہے؟ آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟
 ہم میں مشتاق اور وہ بیزار یا الٹی یہ ماجر کیا ہے؟
 میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں کاش پوچھو کہ دعا کیا ہے؟
 جب کہ تجھے یہ نہیں کوئی موجود پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟
 یہ پرہی چہرہ لوگ کیسے ہیں؟ غمزہ و عشوہ واد کیا ہے؟
 شکن زلفِ عنبریں کیوں ہیں؟ لگہ چشمِ سر مر سا کیا ہے؟
 سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں؟ ابر کیا چیز ہے؟ مجھ کو کیا ہے؟
 ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے؟
 ہاں بھلا کر تیرا بھلا ہو گا اور درویش کی صدا کیا ہے؟
 جانِ تم پر نثار کرتا ہوں میں نہیں جانتا دعا کیا ہے؟
 میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب! مُقت باخدا آئے تو برا کیا ہے؟

۱۔ مَشرَح : پہلے مصرع میں سوال کا دعا استفادہ نہیں، بلکہ ایک گند

دہرت ہے۔ یعنی اے دل! جو سوجھ بوجھ سے بالکل ماری ہو چکا ہے، تو
 نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے؟ عشق کے جس درد میں تو مبتلا ہے۔ جا۔ اس کی
 کوئی دوا بھی ہو سکتی ہے؟ عشق تو ہمیشہ سے درد دانا گیا ہے۔

اس استفادہ سے مختلف پہلو پیدا کرنا شعر کو بے معنی بنا دینے کے مترادف
 ہے۔ مثلاً یہ مضمون پیش کرنا کہ تجھے جزا ہی کیا ہے، جس کا سوجھ بھلا ہے؟

یہ کہنا کہ اسے دل ! تو مرض کو چھپا کیوں رہا ہے ؟ صاف صاف بتا دے کہ میں تیرے علاج کا انتظام کروں ۔

۲۔ **مشریح :** جو خواہجہ حالتی لڑتا ہے میں :

- گویا وہ بھی عشق کے کوچے میں قدم رکھا اور معشوق و عاشق

میں جو ناز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں ، ان سے ناواقف ہے ،

اس لیے باوجود اپنے مشتاق ہونے کے محبوب کے اجیزاء

ہونے پر تعجب کرتا ہے ۔

مولانا جلالی فرماتے ہیں کہ مرزا اسے دوسرا مصرع جس محاورے میں

کہا ہے ۔ جو شخص اس کے محل استعمال کو نہ جانتا ہو گا ، اس کی نظر میں شعر

سخت اور مصرعے بے ربط ہوں گے ۔

• محل استعمال اس کا یہ ہے کہ جب کسی کے ہیکے غزلوں پر

استہزاء یا تشبیہ یا اظہارِ نفرت مقصود ہوتا ہے ، جب اس طرح

کہتے ہیں اور اس مناسبت سے مصنف نے مصرع لگا یا اور

معشوق پر استہزاء کیا ہے ؟

بظاہر صحیح معلوم رہی ہے ، جو خواہجہ حالتی نے پیش کیا ۔ یعنی ابتداء سے عشق

ہے اور ابھی یہ معلوم نہیں کہ محبوب علماًً اظہارِ نیاز پر اردو سے ناز ایسا حال

انتہا کر لیتے ہیں ، جس سے عاشق بیزار ہو کر اس کا اثر قبول کرے ، کبھی معمولی

بات پر روٹ جاتے ہیں ۔ مقصود یہ ہوتا ہے کہ جا نہیں اور پر کہیں ، عاشق کے

دل میں کشی لگتی ہے ، لہذا ناخیرہ کاری کے باعث عاشق کو تعجب ہوتا

ہے کہ ہم تو محبوب پر جان دیتے ہیں اور مجھ سے شوق کی حدود نہایت ہی

نہیں ، لیکن محبوب کی روش ایسی ہے ، جیسے ہم سے بالکل بیزار ہو ۔ خدا

جانتے ، یہ کیا معاملہ ہے ! اس پر اظہارِ استعجاب کیا ہے ۔

۳۔ **مشریح :** ” بھی ” سے ظاہر ہوتا ہے کہ محبوب غیر اس سے عالی

پوچھ رہا ہے اور مرزا کی طرف متوجہ نہیں۔ فرماتے ہیں۔ میں بے زبان نہیں
کہ آپ مجھ سے کچھ پوچھنا نہیں چاہتے۔ عزیزوں کی طرح میرے بھی منہ میں
زبان ہے۔ میرا دل بھی تمناؤں اور ارمانوں سے لبریز ہے۔ کاش! مجھ سے
بھی پوچھ لیتے تو کیا پتا چلتا ہے۔

۴۔ ۷۔ **شرح :** اسے خدا! جب تیرے سوا حقیقتہً کوئی موجود
نہیں تو ارد گرد جو جنگام بنا نظر آتا ہے، آخر یہ کیا ہے ؟

کہیں حسین اور دل بھلا بیٹے واسے محبوب موجود ہیں۔ پھر ان کے غمزدہ
ناز، عشق سے اور ادائیں ایسی ہیں، جنہیں دیکھ کر انسان بے اختیار غلطیہ ہو
جاتا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کچھ کیا ہے ؟

پھر عیروں کی سیاہ اور غیر چری زلیں اور ان کی سرمنی آنکھوں کی نظریا
ان سب کو کیا سمجھیں اور ان کی دلربائی و دلنرمی سے کیونکر بچیں ؟
یہ سب وہ گل، بہار کے پھول، مٹھ مٹھ، بادلوں کا چھانا، انہایت خوشگوار
پرواز کا چلتا، یہ سب کچھ کیا ہے ؟

دنیا میں یہ گونا گوں جنگامے اتنے دلکش ہیں کہ انسان ان میں الجھنے سے
باز نہیں رہ سکتا۔ بیشک اسے خدا! حقیقی وجود صرف تیرا ہے اور ہمیں
تیرے سوا کسی سے وابستگی نہ ہوتی چاہیے۔ صرف تیری ہی لگن، ہمارے دل
میں ہوتی چاہیے۔ تاہم تو نے ہی دنیا میں ایسی بے شمار چیزیں پیدا کر دی
ہیں، جو دلوں کو بے اختیار اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں کہ بغیر موانع و مصلحتی
سراپ کی گنجائش میں دنیا کی غلب سے باقہ دھوئے بیٹھے ہیں۔

۸۔ **شرح :** ہمارے سادہ لوحی اور نادانی کا خطہ فرمائیے کہ ان
عجوبوں سے دنیا کی امید لگانے بیٹھے ہیں، جو ہمارے ہی نہیں کہ دنیا کی چیز
ہوتی ہے۔

۹۔ **شرح :** درد میٹوں کی مدد اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ وہ

بجائے کہ تیرا عجب ہر گاہ۔

تو سادہ سلیس اور خوش شعر ہے اور حقیقت بیان کی گئی ہے۔ یہ بھی عام انسانیت کی بہت بڑی سپائیس میں سے ایک سپائی ہے۔ جو لوگ اسے غفلت کی بنا پر محبوبوں کی طرف سے جانتے ہیں، ان سمجھتے ہوں کہ وہ خواہ مخواہ نامناسبت کے مرکب پرستے ہیں۔

۱۰۔ **شرح :** بچے معلوم نہیں کہ دعا کے کہنے ہیں، البتہ اسے محبوب باقم پر جان قربان کر دینے کے لیے جوتی اور ہر لحظہ آمادہ ہوں۔
دعا کا مفقود کیا جوتا ہے، ہا کہ جس کے لیے دعا کی جائے کہ وہ بہتر سے بہتر حالت میں رہے، جو شخص دوسرے پر جان دے دینے کے لیے آمادہ ہو، ان کی دعا ہے، جو اس میں شامل نہ ہوگی، کوئی دعا جی شادی سے چھوڑ کر نہیں ہو سکتی، یہ حقیقت مردِ غائب نے اس شعر میں پیش کی ہے۔

ایک پہلو یہ بھی ہے کہ دعا خوشگوار الفاظ کا ایک مجموعہ ہوتی ہے جس میں زیادہ سے زیادہ نیک اور تعمیر طلب آدمیوں کا اظہار کیا جاتا ہے، تاہم وہ صرف الفاظ پرستے ہیں اور مردِ محبوب کے لیے جان دے دینے پر آمادہ ہیں، محض اچھے الفاظ کو دینے پر وہ قناعت کے لیے تیار نہیں۔

۱۱۔ **شرح :** میں تسلیم کیے لیتا ہوں کہ غائب کی حیثیت کچھ نہیں، تاہم اسے محبوب! ایک تمام مسرت آپ کو مل رہا ہے۔ پھر اسے ملنے میں مصدقہ کیوں جو؟

لطفت کا پہلو یہ ہے کہ بظاہر اپنے آپ کو مسرت محبوب کے خواہے کرتے ہیں، لیکن حاشق کے لیے اس قبول سے بلند تر مقام اور کیا ہو سکتا ہے؟

کہتے تو جو بوجہ سب کہ ثبت غالیہ ہو آئے
ایک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وہ آئے

۱۔ اوقات و فحارین
ایک مرتبہ غرضیہ چٹکے

ہوں کشمکش نزع میں ہاں، بذب محبت
 کچھ کہ نہ سکوں، پروہ میرے پوچھنے کو آئے
 ہے صاف حق و شغل و سیلاب کا عالم
 آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں، گو آئے
 ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں کے نکیر ہی؟
 ہاں منہ سے مگر باروہ ووشینہ کی پو آئے
 جلاو سے ڈرتے ہیں، نہ واعظ سے بھگوتے
 ہم سمجھے ہوئے ہیں اُسے جس جیس میں جو آئے
 ہاں، اہل طلب اکون تھے طعنہ تا یا منت
 دیکھا کہ وہ بلتا نہیں، اپنے ہی کو کھو آئے
 اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں
 اُس وہ پہ نہیں بار تو کبھی ہی کو ہو آئے
 کی صم نفسوں نے اثر گریہ میں تقریر
 اچھے رہے آپ اس سے مگر مجھ کو ڈبو آئے
 اس انجمن ناز کی کیا بات ہے، نالاب!
 ہم بھی گئے وہاں اندر ہی تقدیر کو رو آئے

عبر و غیرہ نو شیوہ
 مار کر تیار کرتے ہیں
 قالہ ٹو سے مراد
 ہے ایسا محبوب
 جس کی زلفیں اس
 مرکب نر شیوہ میں بسی
 ہوتی ہوں۔

شرح :
 اس نغزل کے دوسرے
 شعر سے معلوم ہوتا
 ہے کہ آخری وقت
 ہے نزع کی حالت
 ظاہری ہے۔ عاشق
 کو محبوب کا انتظار
 ہے۔ اسے تسلی دینے
 کے لیے دوست اسباب
 کو کہہ رہے ہیں کہ وہ
 آئے اور آئے۔
 لیکن عاشق نے ان
 کے پیروں سے
 اندازہ کر لیا کہ محبوب
 کی آمد کوئی معمول
 چیز نہیں۔ بادشاہ ہوا

سے بھی بڑھ کر محبوب و اب اور ہیبت کی چیز ہے۔ اگر واقعی وہ آزاد ہو تو دیکھنے والوں کے چہروں پر گھبراہٹ نہ طاری ہو جائے، اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ آئے آئے کھینچے سے کیا ترقی ہو سکتی ہے، گھبراہٹ کے کوکھ وہ آئے یعنی محبوب کی آخری آمد کی خبر وہ ہو سکتی ہے، جب سب پر گھبراہٹ طاری ہو۔

۲۔ **تشریح :** میں جان کنی کی کشمکش میں ہوں، اسے محبت کی کشمکش ! محبوب کہہ لیجیے۔ جانتا ہوں کہ میں یوں ذلکوں کا عید سے کچھ کیا نہ جانے گا، مگر آنا تو ہو کہ وہ میرا حال پوچھے۔

۳۔ **لغات :** محافظ، اگر نے وال بھل۔

تشریح : اس شعر میں آئے کی دو مختلف تعبیریں ہو سکتی ہیں۔ اول دنیا میں انسان کی آمد، دوم محبوب کی آمد۔ قرینہ دوسری تعبیر کا موثر ہے، لیکن پہلی تعبیر بھی بے شک درست دہائی بنا سکتی ہے۔

پہلی تعبیر کے مطابق مطلب یہ ہوا کہ انسان اس دنیا میں آتا ہے تو اس کی زندگی گرنے والی بھل یا ٹٹلے کی پیش اور پاد سے کی ٹاپ کی طرح ہوتی ہے۔ یعنی ایک ایک آتا ہے، جتنی مدت یہاں گزارتا ہے اسے قرار نصیب نہیں جو آ اور رخصت ہو جاتا ہے۔ ہم نے آنا کہ ہم جہاں دنیا میں آئے۔ لیکن یہ آنا ہی سمجھیں نہیں آنا کہ کھڑا تھی تھوڑی مدت کے لیے کیوں آئے اور جتنی بھی مدت تھی وہ کس لیے دنیا ہی و بقراری میں صرف ہوئی ؟

دوسری تعبیر کے مطابق معنوم یہ ہوا کہ محبوب نے فداوشی تو فرمائی یعنی آگیا۔ مگر کس رنگ میں جیسے پہلی گرمی، شعلہ چمکا، پارا بڑا اور وہ بھا گیا۔ لمحہ جبر کے لیے جس مضمحلہ میں نے تسلیم کر دیا کہ محبوب آیا، مگر مجھ ہی میں نہیں آتا کہ کیا آیا، کہوں آیا، اس آئے سے کیا حاصل تھا، ایسے صفت و کرم سے عاشق کے لیے نمکین کا کیا ساکن ہم پہنچ سکتا تھا ؟

۴۔ **لغات :** نکیرین : وہ درخت جو مرا سے بھر میں عقائد کی

کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نمکر کہتے ہیں۔
 باوجود دو شیعہ : گزشتہ شب کی پی ہوئی شراب۔

شرح : خواجہ عالی فرماتے ہیں :

- باوجود دو شیعہ یعنی راست کی پی ہوئی شراب جو مرے سے پینے کی تھی
 محض اندر اوٹوٹی کے کتا ہے کہ نمکرین کے سوال و جواب سے
 پچھنے کی کوئی تدبیر اس کے سوا نہیں کہ شراب پی کر مرے کو نمکرین
 اس کی ٹوکی کر بہت سے بغیر سوال جواب کیجے پینے جائیں :-
 مرزا کو شراب کی ٹو سے منکر نمکر کے گھبرا کر بھاگ جاتے کا اتنا یقین ہے کہ
 ایک مسلم حقیقت کی بنا پر پوچھتے ہیں، خطا ہے کہ نمکرین گھبرا کے نہ بھاگیں گے؟
 بہت شرط یہ ہے کہ شب گزشتہ کی پی ہوئی شراب کی ٹو گزشتہ سے آئے۔

دیکھیے نمکرین کے سوال و جواب کا معاملہ اور اسے محسوسات ہے اور
 انسانی عقل و فہم محسوسات پر مبنی ہے۔ یہ معاملہ محسوسات کا نہیں بلکہ مرزا
 پرور سے بھانپنے کو محسوسات کے عالم میں ملے آئے ہیں۔ جس طرح عام شراب نہ
 پینے والوں کو اس کی ٹو سے کراہت ہوتی ہے، اسی طرح مرزا فریق کیسے بیٹھے
 ہیں کہ فرشتوں کو تقدس و پاکیزگی کی بنا پر بہت زیادہ کراہت ہوگی۔ مگر شراب پی
 کر مرے تو ماضی کی آمد و رفت ختم ہو جاتے کے باوجود مرے سے مزہ نہ آئے گی
 اور فرشتے سراپا مروج ہونے کے باعث اس ٹو کی تاب نہ لائیں گے۔ یوں
 سوالی و جواب کی مغزلیہ شعر و عارفیت گزر جائے گی۔

۵۔ شرح : خواجہ عالی فرماتے ہیں :

اس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ رنج اور تکلیف سب مذاک طرف سے ہے۔
 مطلب یہ، ہم جیسے ہیں دیکھتے ہیں، اسے محبوب حقیقی ایسی جانتے ہیں کہ تو
 ہے، جہز و قتل کے لیے آتا ہے۔ ہم اس سے بالکل نہیں ڈرتے، کیونکہ اس کے
 ہمیں پرہیزگار و فاضل ہے۔ کوئی بھی نہیں دھنسا اور تیرے حکم سے جو۔ اسے اس

سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے ؟ وہ تو میں ہمارا مقصد ہے۔ اسی طرح واقعہ کو چھو بھی کہے، ہم اس سے جھگڑنے کے روادار نہیں اور گیوں جھگڑنے یا اس کے راعی و نظیمت کا سرسٹپ بھی تو ہے۔ گویا تو ہی اس کے اندر سے بول رہا ہے پھر بندے بے جھگڑنے کا کون سا مقام ہے ؟

سادہ مفکروں میں کیا جا سکتا ہے کہ ایک وجود حقیقی کو مادی لینے سے تمام خارجی امتیازات مٹ گئے اور کوئی وجود کوئی جھیں بدل کر آئے، ہمارے نزدیک تیرے سوا کوئی نہیں۔

۶۔ لغات : نایانت : نہ پاتا، حاصل نہ کر سکتا۔

شرح : اسے حقیقت کے طلبکارو ! ہم میں اتنی تاب کہاں کہ دوسروں کا لہو نہیں، اس سے حقیقت کو ڈھونڈا اور پایا۔ جب ہم پر واضح ہو گیا کہ حقیقت ہمیں نہیں ملے تو تلاش میں اپنے آپ ہی کو قتل دیا۔

مطلب یہ کہ ہمارے سامنے صرف دو صورتیں ہیں، مطلوب کو پا لینا یا اپنے آپ کو قتل کر دینا، تیسری صورت ہمارے نزدیک کوئی وجود نہیں رکھتی۔ یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ مطلوب کو ڈھونڈ میں نہ پائیں، زندہ رہیں اور لوگوں کے گلے نہیں کر دیکھو۔ اس نے بہت تلاش کی، لیکن مطلوب تک نہ پہنچ سکا۔

۷۔ شرح : ہمارا یہ دستور نہیں کہ کہیں آرام سے بیٹھ جائیں۔ ہم محبوب حقیقی کے دروازے پر پہنچے، حب دیکھا، وہاں بار نہیں دتا تو کعبہ چلے گئے کہ محبوب کی بادگاہ میں ماضی کا موقع نہیں تو چلو اسی جگہ میں مقام کی زیارت کر آئیں، جیسے محبوب کا گھر سمجھا جاتا ہے، یعنی بیت اللہ۔

اس سلسلے میں دو باتیں قابل غور ہیں، اول اس حقیقت کا اعتراف کہ بیت اللہ حاصل عبادت باری تعالیٰ کا ایک ظاہری نشان ہے۔ اس کا تقدس ذاتی باری تعالیٰ سے نسبت اور نشان عبادت کی حیثیت میں ہے۔

دوم اپنی تلک دود اس دانوسے سے باہر نہیں ہونے دی جو مقرر کر دیا گیا ۔
یعنی اصل آرزو محبوب حقیقی کے حضور میں باریاب ہونے کی ہے۔ اسی کے
لیے ٹوٹ رہے ہیں۔ لیکن جب تلک وہ نصیب نہ ہو۔ کیسے کی زیارت میں
بھی تاخیر نہیں۔ کیونکہ کعبہ غایت باری تعالیٰ سے خاص نسبت رکھتا ہے۔

۸۔ شرح : دوستوں اور ہم نشینوں نے میری آواز داری کے بارے
میں محبوب کے پاس نہایت پر تاثیر تقریر کی۔ بہت کہا کہ عاشق دروازہ کو اس
حالت میں رکھنا مناسب نہیں۔ بہر وقت دوتا ہے۔ ہر لحاظ فراہم کرتا ہے۔ اس
پر دم کیجیے لیکن محبوب پر کچھ اثر نہ ہوا اور یوں میری جو رہی سہی حیثیت تھی ۔
وہ بھی ختم ہو گئی ۔ مگر مجھ کو ڈبو آنے کی دو تعبیریں ہو سکتی ہیں اول وہی
جو پیش کی جا چکی یعنی محبوب پر کچھ اثر نہ ہوا ، دوم یہ کہ اب تلک میں خود داری
پر قائم تھا اور کبھی محبوب پر کوئی بات خاص نہ ہوئے دی ۔ دوستوں نے جو
تقریر فرمائی اس کے نتیجہ کیا نکلا ؟ اثر تو بوجہ نہیں سکتا تھا مگر میری
خود داری کا بیڑا بھی غرق کر دیا۔

۹۔ شرح : دوست کہتے ہیں : اے غالب ! محبوب کی بزم ناز کی
صحیح کیفیت کون پیش کر سکتا ہے ؟ وہ ایسی بزم ہے جس کا پورا نقشہ بیان میں
آہی نہیں سکتا۔ ہم جی گئے تھے اور تیری تقدیر کو رو کر ٹوٹ آئے ۔
تقدیر کو روکنے کے وہ مضموم ہیں ، اول یہ کہ اسی بزم ناز میں تجھے بار
میسر نہیں اور حتی یہ ہے کہ جسے بار میسر نہ ہوا سمجھ لیتا چاہیے کہ اس کی قسمت
بھوٹ گئی اور ایسی سیاہ نصیبی پر جسے اختیار دینا آتا ہے ۔ دوم اس مضموم یہ
ہے کہ ہم نے بزم ناز سے تیری دُور می کا حال محبوب سے کہ دیا ۔ گویا تیری
کم نصیبی کا ذکر نہایت دردناک الفاظ میں کر دیا ۔ تقدیر کو روکنے کا مضموم ہی
یہ ہے کہ کسی کی کم نصیبی کی شکایت کی جہت سے ۔

پھر کچھ پاک دل کو بقراری ہے سینہ تجویا سے زخم کاری ہے
 پھر جگر کھودنے لگا ناخن آمد فصل لالہ کاری ہے
 قبلہ مقصد نگاہ نسیاں پھر وہی پردہ عماری ہے
 چشم و لالہ جنس و سوائی دل و خردیا بہ ذوق خواری ہے
 وہی صد رنگ نالہ فرسائی تو ہی صد گوشت اشکباری ہے
 دل بولے خرم ناز سے پھر محشر ستارے بقراری ہے
 جلوہ پھر عرض ناز کرتا ہے روزہ باز اور جان سپاری ہے
 پھر اُسی بیوقوف پہ مرتے ہیں پھر وہی زندگی مہماری ہے
 پھر کھلا ہے در عدالت ناز گرم باز اور فوجداری ہے
 ہر دہا ہے جہان میں اندھیر زلف کی پھر سرشت داری ہے
 پھر دیا پارہ بگر نے سوال ایک فریاد و آہ و زاری ہے
 پھر ہوئے ہیں گواہ عشق شلب اشک باری کا حکم جاری ہے
 دل و مژگان کا جو مقدمہ تھا آج پھر اُس کی رو بکاری ہے
 بے خوئی ہے سبب نہیں غالب کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

۱۔ شرح : پھر دل بیخوشی کے لیے بقرار ہو رہا ہے اور سینہ کو
 پھر کاہنی زخم کھانے کی تڑپ ہے۔ گواہی پھر کسی کی نگاہ ناز کا بہت

ہنسنے کے لیے مضطرب ہوں۔

۲۔ **تشریح :** پھر بہاری آمد ہے۔ حال کاری کا سرو سامان ہو رہا ہے۔ میرے ناخن بھی جگر کے پیر کر میں کر ذخم تازہ کر رہے ہیں، گو یا لاکھری کا جواب دیا گیا جا رہا ہے۔

۳۔ **لغات :** عماری : باغی کے ہودے کو بھی کہتے ہیں اور اونٹ کے عمل کو بھی جس میں سوار یاں بیٹھتی ہیں۔ خصوصاً عورتیں، یہاں آخری معنی مراد ہیں۔

تشریح : پھر وہی عمل میری نگاہ تازہ کا اصل مقصد ہی گیا ہے جس میں محبوب پر وہ نشیں ہے۔

یہاں تبد کا لفظ اس بنا پر استعمال کیا کہ عمار کے ہودے کو پردہ کہہ قرار دے لیا۔

۴۔ **۵۔ تشریح :** پھر بہاری آنکھ نے جس در سواں کی دق و شوروں کر دی ہے۔ پھر بہار اول ذلت و عمار کی لذت کا طریقہ ہے۔ چنانچہ دل بیکڑوں طریقوں پر فزاد و فغان کر رہا ہے، جیسے پسے کر تھا اور آنکھ بھی پیلے کی مانند نو سو طرح آنسو بہا رہی ہے۔

آنکھ کے آنسو بہانے اور دل کے فزاد و فغان کرنے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ راز عشق کھل جائے اور میرے لیے ذلت و در سواں کا سامان ہم بنے۔

۶۔ **تشریح :** پھر دل کو محبوب کے خراب نامہ کی آواز دے اور اس کے لیے دو بیقراری کا عشرستان بنا جو اسے، اتنا بیقرار ہے، گو یا سیکڑوں تیا میں جو یک وقت بپا ہو رہی ہیں۔

محبوب کی مجال کو علم نامیاست بپا ہونے سے تعبیر کرتے ہیں، مرزا نے بھی اس شعر میں ہی حقیقت پیش نظر رکھی ہے۔

۷۔ **مقامات** : روزِ بازار : ہمیں زمانے میں مرکزی مقامات سے عزیمت کی چیزیں لانے کے جانے کی سہولتیں درخص ہیں، مقامات مقامات پہنچنے میں ایک یا دوسرے بازار گنگ جاتے تھے اور اس پاس کے لوگ اشیائے ضرورت وہاں سے خرید لیتے تھے۔ ان بازاروں کے لیے پہلے سے دن مقرر ہوتے تھے، یہی مقررہ دن روزِ بازار کہلاتے تھے۔ اس سے مراد ہے گرمی بازار یعنی خرید و فروخت کی کثرت۔

مشرع : جنس کے پھر عشوہ و ناز کی نمائش شروع کر دی ہے۔ گویا مجھ لینا چاہیے، جاتیں پھیلانے کو دینے کا نام موسم آگیا اور اس کی گرمی بازار شروع ہو گئی۔

مطلب یہ کہ محبوب کے عشوہ و ناز کی خرید واری کے لیے سب جانتی دے دینے پر آمادہ ہیں۔

۸۔ **مشرع** : ہم چرائی محبوب پر جان دے رہے ہیں جس نے ہم سے کہیں وفات کی۔ دوسرے مصرع کے دو معنوم ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ ہم نے نذر کی کے وہی طریقے اختیار کر لیے ہیں جو پہلے تھے، دوسرا یہ کہ وہی محبوب پھر ہماری تدویر کا سامنا کر گیا ہے، یعنی اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں۔

محبت میں نہیں ہے فرق جیتے اور مرنے کا

اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فریاد نہ نکلے

۹۔ ۱۴۔ **مشرع** پھر ناز کی عدالت کا اور وارز و گھل گیا اور نوجوانی کے مشت سے بہ کثرت ہونے لگے، دنیا میں اندھیر شروع ہو گیا اور دلِ محبوب نے پھر مر گئے داری کا متعجب نہ ہوا لیا۔

زلف کے ساتھ اندھیر، سر اور رشتہ کی مناعت مٹا چکا ہیں نہیں،

ہر کے ٹکڑے نے پھر ناز و وارز کر دی، آہ و زاری اور فریاد کا ہنگامہ

ہاں ہے۔

دوسرے مصرعے میں غلط : ایک : نہ ہو کے چھ ہے نہ تنگی کے لیے ایک
نفل استعمال کے اعتبار سے کثرت کے معنی دیتا ہے۔

عشق کے گواہ میر غالب کیے گئے ہیں تاکہ ان سے بیان لیے جائیں، ہر طرف
آؤں ہر دے میں، حتیٰ کہ گواہ بھی مستثنیٰ نہیں۔

عاشق کے دل اور محبوب کی بکوں کے درمیان جو تندرست چل رہا تھا، آج پھر
اس کی پیشی ہے، گویا یہ سارا رنگہ اس پیشی کے سلسلے میں بہا ہوا۔

۱۴۔ شرح : اسے نائب اتم کسی سبب کے بغیر بخیر نہیں ہو، ہم
نے بھی ایسا کچھ نہ کچھ چھپانے اور راز میں رکھنے کے لیے یہ طریق اختیار کیا
گیا ہے، گویا اتم بخیر جن کر عشق کا جید چھپا دیا جاتے ہو۔

۱۔ لغات :

جنوں تہمت کش تمکیں نہ ہو، گر شاہد مانی کی
نمک پاش خراش دل سے لذت نہ رنگہ کی کی

تہمت کش :

تہمت کھینچنے والا۔

کشا کش : اے مہن سے کرے کیا سعی آزادی
ہوئی نہ بخیر، موج آب کو فرست، دانی کی

یعنی وہ جس پر تہمت

لگائی جائے۔

نمک پاش : نمک
مہن کئے والا۔

پس مردن بھی دیوانہ زیارت گاہ لعلوں ہے
شراب رنگ نے تربت پہ میری گلفشانی کی

غرا عشق : زخم

شرح :

اگر مجھے تھوڑی دیر کے

لیے خوشی کرتا تو اس سے جہاز پر کراہم و سکون کی تہمت نہ لگنی چاہیے۔

پس مردن یعنی خوشی کرتا ہوں، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اے والی تکلیف زیادہ
سے زیادہ محسوس ہو، کیونکہ خوشی کے بعد بچہ و غم طبعاً زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

ہے۔ گویا زندگی میں تھوڑی سی لذت محسوس کرنا زخمِ دل پر نمک چھڑکنا ہے تاکہ درد اور بڑھ جائے۔ یہ آرام و سکون کی کوشش نہیں، بلکہ احساسِ رنج کو بڑھانے کی کوشش ہے۔

مولانا غلامِ شاہی کے قول کے مطابق دوسرے مصلحت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان تمام سببیتوں، پریشانیوں اور تکلیفوں میں بظاہر درد و رنج ہی نہ عملاً پر نمک چھڑکنے کے لیے کافی ہے۔

۴۔ لغات - کشاکش : کھینچ جان، کشاکش۔

مشریح : زندگی کی کھینچ جان اور کشاکش سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کیونکہ کاسباب ہو سکتی ہے یہ دیکھیے۔ آپ کے سامنے لہر کی مثال ہے۔ اسے مدافہ ہونے کا جو موقع ملا وہی اس کے لیے ایک زنجیر بن گیا۔ جیسا کہ اس نے زندگی کی کشاکش سے نکل جانے کی کوشش کی، لیکن وہ کوشش اسے مزید جکڑ لینے کا موجب بن گئی۔

دروازہ مستدر میں لہروں کو دیکھا جائے تو ان کی شکل زنجیر سے بالکل متفق نظر آئے گی۔ وہ مدافہ تو اس لیے ہوئیں کہ زندگی کی الجھنوں سے نجات پالیں، مگر وہی مدافہ ان کے لیے زنجیر بن گئی۔

۵۔ شرح : دیوانہ مرچکا، قبر میں دفن ہو چکا، بلکہ قبرِ محنت بھی کہی گئی، لیکن لڑکے اب نمک و ہلکا ہونے لگے ہیں اور اسی طرح، اینٹ پتھر و مادہ ہیں جس طرح دیوانے کی زندگی میں ہر مادہ بے فائدہ پتھر و محنت قرار دیتے ہیں تو لڑکے شہر سے پیدا ہوتے ہیں۔ دیوانہ یہ سمجھتا ہے کہ یوں اس کی قبر پر پھول پڑ جائے گا ہے میں اس اثناء سے قبر کو زیارت گا و قرار دیا، نشانہ نہیں بنا۔

۱۔ لغات :

نکو مشی : دشت
سود نقش :

خندہ دندان نما :

رو بلیں : جیس میں

دانت نمایاں ہو جائیں

یہ ہستی غمزہ و تعریک

کے لیے استعمال

ہوتا ہے

شرح :

جو عاشق محبوب کے

تعلیم و دستم کی فرما

کرے وہ یقیناً نشتر

و دھمت کا سرور

ہے کہ دور نہیں

کہ حشر کے دن کی صبح اس کے

اڑائے۔ حالانکہ حشر کا دن حق و انصاف کا دن ہے۔ اگر اُس جھوٹے عاشق نے

محبوب کے تعلیم و جوہر برداشت کر لیا ہو تو اسے ابر لب

۲۔ لغات : دریشگی : ریشے کی خامتیت ، یعنی اُن بڑھنا

پھولنا ، پھلنا

شرح :

اگر کسان اُس صحرا میں جہاں مجنوں نے زندگی گزاری اور

و میں مرست کر خاک ہو گیا اور اسے کی جگہ نشتر کی نوک ہو دے تو اس صحرا کی خاک

نوک نشتر سے ہیں کی خاک اگائے اور اسے پھولنے پھلنے کی قوت دے دے۔

نکو مشی ہے سزا ، مریاوی کی بیدار دلبر کی

مبارا ، خندہ دندان نما جو صبح محشر کی

رگ بلیں کو خاک و دشت مجنوں کی ریشگی بچنے

اگر ہووے بجا سے دانہ و ہتھکا ، نوک نشتر کی

پر پر واز شاہ باد بایں کشتی سے تھا

ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دور ساغر کی

کروں بیدار ذوق پر فغانی عرس کیا قدرت

کہ طاقت اڑ گئی اڑنے سے پہلے میرے شہر کی

کہاں تک روؤں اس کے نیچے کے نیچے قیامت

مری قسمت میں بادرب ! کیا نہ تھی دیوار تھکر کی

کہ حشر کے دن کی صبح اس کے

اڑائے۔ حالانکہ حشر کا دن حق و انصاف کا دن ہے۔ اگر اُس جھوٹے عاشق نے

محبوب کے تعلیم و جوہر برداشت کر لیا ہو تو اسے ابر لب

۲۔ لغات : دریشگی : ریشے کی خامتیت ، یعنی اُن بڑھنا

پھولنا ، پھلنا

شرح :

اگر کسان اُس صحرا میں جہاں مجنوں نے زندگی گزاری اور

و میں مرست کر خاک ہو گیا اور اسے کی جگہ نشتر کی نوک ہو دے تو اس صحرا کی خاک

نوک نشتر سے ہیں کی خاک اگائے اور اسے پھولنے پھلنے کی قوت دے دے۔

اس شعر میں بظاہر عشق و محبت اور عاشق و محبوبہ کا اتحاد ثابت کیا ہے اور اشارہ اس تعلق کی طرف ہے کہ ایک مرتبہ میں کی فصد لی گئی تھی۔ تو دوست غمزوں کی رنگ سے خون ہماری ہو گیا تھا۔ اسی پر کسی نے کہا تھا:

لوائی فصد میلی سے رنگ غمزوں سے خون آیا

محبت کے لیے لازم ہے اظہارِ اثر ہونا

۳۔ مشرع: مجلس گرم ہوئی، جس کے لیے طبع کا بہنا لازم تھا۔ طبع بھی تو پروانے آئے، جامِ شراب کا دور شروع ہو گیا، کشنی نے چٹنے لگی، شادی بند آنے کا پتہ اُس کشنی کے لیے پادہاں بن گیا۔

شعر کا مقصد یہی ہے، باقی مرزا اسے لفظوں کا ایک عجیب و غریب نظم بانڈھنے کی کوشش کی ہے۔ جس میں کوئی حسی نظر نہیں آتا، شراب کی کشنی وہ ہوتی ہے، جس میں شراب کی بوتلیں رکھ کر حوض کے اندر چھو دیتے ہیں تاکہ اوپر گرنے سے تمام سیکڑوں تک شراب بیچ جلتے۔ کشنی کے لیے پادہاں کا ہونا ضروری ہے اور مرزا نے کشنی سے کے لیے پروانے کا پرتھالی کیا۔ مجلس کی گرمی کا ایک لازمی جزو شمع ہے۔ شمع پر پروانوں کا آنا لازم ہے اس طرح مختلف چیزیں جو ذکر ایک منظر پیدا کر دیا ہے۔

۴۔ لغات: پیرِ فحاشی، پیرِ چڑچڑانا، اس کے معنی نپوں کا

گرجنا بھی ہیں۔

مشرع: پیرِ چڑچڑانے کا ہوا ذوق و شوق ہے، اس کا نظم و جو رہا کر نے کی قدرت مجھ میں کہاں ہے؛ کیونکہ اڑنے سے چٹے ہی میرے شہر کی فضا رخصت ہو گئی، یعنی میں ایک معمولی غبت بھی نہیں کر سکتا، دل میں اڑنے کا ذوق یقیناً ہے مگر ہے، لیکن وہ ذوق ساتھ نہیں دیتا اور میں بے بس ہوں۔ یہی اس کا نظم ہے۔

کسی نے گا ذوق و شوق ہو، مگر طاقت و استطاعت ساتھ نہ دے تو

صاحبِ فراق کی تکلیف و مصیبت محتاجِ بیان نہیں رہتی۔

۵۔ **شرح :** میں خیمہِ محبوب کے بچھوارے میں کب تک بند آہوں؟

اسے خدا! کیا میری قسمت میں پتھر کی دیوار نہ تھی کہ اس سے سر چوڑ لیتا اور
جگڑا ختم ہو جاتا، اب خیمے سے کیونکر سر چوڑوں؟ وہ تو کپڑے کا ہے۔

مصیبت یہ ہے کہ خیمے کے چھ کھڑے دور ہے ہی، سامنے ہوتے
تو کم از کم محبوب کے دیدار سے مزور فیضِ یاب ہو جاتے۔

۱۔ **لغات :**

سبک :

ہلکا، بے وقعت۔

شرح :

ہم مختلف مہارت

میں مدد سے تجاویز

کرتے رہے، اقبال

کا کوئی خیال نہ تھا

نیجہ یہ تھا کہ سب

میں بے وقعت ہو

گئے اور ہمارا دھار

کھا گیا۔ دوسرے

لفظوں میں کہہ سکتے

ہیں کہ جتنے آگے

بڑھے تھے، یعنی

بے اعتدالی کے باعث

بے اعتدالیوں سے تنگ سب میں ہم ہوئے

جتنے زیادہ ہو گئے، اتنے ہی کم ہوئے

پہنناں تھا و ام سخت قریب آشیان کے

اڑنے نہ پانے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

ہستی ہماری اپنی تھا پر دلیل ہے

یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے

سختی کشانِ عشق کی پوچھے بے کیا خبر

وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے

تیری وفا سے کیا ہو تلافی؟ کہ دہر میں

تیرے ہوا بھی ہم یہ بہت سے ستم ہوئے

لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خوشحکاکاں
 ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم جو سے
 اللہ سے تیری تندہی خواہ جس کے ہم سے
 اجزائے ناکہ دل میں ہر سے لائق ہم جو سے
 اہل ہوس کی فتح ہے ترکِ نبردِ عشق
 جو پاؤں اٹھ گئے وہی اُن کے قلم جو سے
 ناسے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے
 جو رواں نہ کھینچ سکے، سود ویاں آ کے دم جو سے
 چھوڑی اسد! نہ ہم نے گدائی میں دل لگی
 سائل ہو سے تو عاشقِ اہل کر م جو سے
 ہر سے نکل گئے
 تھے، اتنا ہی ہمیں
 کم ہونا اور پیچھے
 ہٹنا پڑا۔
 ہے اعتدال کے
 مقابلے میں زیادہ
 ہونا اور یکجہوتی
 کے مقابلے میں کم
 ہونا ہے۔
 ۲۔ تشریح،
 خواہ حقائق فرماتے
 ہیں۔
 جو مطلب اس
 طریقے سے ادا کیا
 گیا ہے، وہ یہ ہے

کہ ہم کو ہوش سنبھالتے سے پہلے ہی مصائب و شدائد نے گھیر
 لیا تھا۔

کہتے ہیں کہ ہمارے آشیانے کے اہلکے پاس جاں لگا ہوا تھا، جو ہماری
 نظروں سے پوشیدہ تھا۔ ابھی ہم نہ ہی تول رہے تھے، آڑے نہ تھے کہ
 اُس جاں میں پھنس گئے۔

شکاری جوئے جاں ایسے طریقے پر لگاتے ہیں کہ وہ شکار کی نگاہوں سے
 چھپا رہے تاکہ آسانی سے پھنس جائے۔ آڑے نہ پاتے تھے اسے بظاہر
 اور یہ ہے کہ ابھی آشیانے سے جہت کی تھی اور نقصان پہانہ و پھینکا کر توڑا

تائیم نہ کر سکے تھے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حالِ آشیانے سے آفاقی قریب تھا۔ گویا کہہ سکتے ہیں، بالکل ٹائیڈ تھا۔ جیسا کہ "سخت قریب" سے ظاہر ہے۔
۳۔ شرح : خود مرزا غالب میر جدی مجروح کو اس شعر کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"بچے یہ سمجھو، قسم کیا چیز ہے ؟ تو اس کا کتنا لیا ہے ؟ ہاتھ پاؤں کیسے ہیں ؟ رنگ کیا ہے ؟ جب یہ نہ بتا سکو گے تو جانو گے کہ قسم حیرت و حجابِ حقیقت میں سے نہیں، ایک انتہائی محفل سے وجود اس امر کا صرف تعلق میں ہے۔ صبرِ فتح کا سماں کا درجہ ہے۔ یعنی کہنے کو ہے، دیکھنے کو نہیں۔ میں شاعر کتا ہے کہ جب ہم آپ اپنی قسم ہو گئے تو گویا اس صورت میں ہمارا ہونا ہمارے فنا ہونے کی دلیل ہے۔"

معاذہ یہ ہے کہ فلاں شے ہمارے پاس قسم کھانے کو بھی نہیں، یعنی ہم کو بھی نہیں۔ کیونکہ اگر اس کا وجود کچھ ہوتا تو قسم کھانے کا ثبوت ہی سکتا تھا۔ یہی معاذہ مرزا نے اس شعر میں استعمال کیا ہے۔ مرزا لکھتے ہیں : "ہمارا ہونا، ہمارے فنا ہونے کی ایک دلیل ہے۔ ہم ٹھٹھٹے تھے اس قدر پریشانی گئے گویا اپنی قسم ہو گئے ہیں۔ یعنی نام کو بھی ہمارا وجود باقی نہ رہا۔"

۴۔ شرح : جن لوگوں نے عشق کی سختیاں جھیلیں، ان کے بارے میں کیا پوچھتے ہو ؟ وہ لوگ دھڑ دھڑ گھٹنے گھٹنے سر پا رہے و ظم نہ گئے۔ جس طرح شادریں میں ریلوے غم کا کوئی وجود نہیں، اسی طرح عاشقوں کا وجود بھی عشق کی کڑواں برداشت کرتے کرتے تحلیل ہو گیا۔

۵۔ شرح : اسے مجرب ! زبانے میں محفلِ تیری ہی طرف سے ہم پر ظم و ستم نہیں ہونے۔ تیرے معاوہ ہیں جس گونا گوں جفاکاریوں سے سابقہ چڑھا رہا۔ اگر تو خدا داری کا پابند ہو جائے تو تیرے غفلوں کی توحی

تو جوہانے گی۔ لیکن تیسرے دور جو علم جو ہے اس کی تلافی کیونکر ہوگی ؟

اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اول یہ کہ مجھے جو جہان میں تجلیانی پڑی ہو وہ صرف عشق کے باعث نہ تھیں۔ عشق کے علاوہ بھی مجھے بہ شمار۔ بیخ و تخم پہنچے۔ دوم یہ کہ اپنی پرفیاض حالی کو بڑھا چڑھا کر محبوب کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ دوسری نہ کہا کر خود آشکاری پر متوجہ ہو جائے۔

۴۔ شرح : ہم جنوں و دیوانگی کی داستانیں نقل و نقل کرتے رہے۔ جو اتنی دردناک تھیں۔ گویا ان کے لفظ لفظ سے خون ٹپکتا تھا۔ اگرچہ اس مسئلے میں ہمارے ہاتھ کٹ گئے۔ لیکن ہم نے داستان طرزی نہ چھوڑی۔

مطلب یہ ہے کہ ہماری دھن کی اور ہمارا عزم اعلیٰ تھا۔ ہم عشق و شفیقتی کی داستانیں مرتب کرتے رہے۔ دو اتنی درد انگیز تھیں کہ کلام مرادوں نے اس جرم میں ہمارے ہاتھ کٹا دیے۔ مگر ہم نے اس حالت میں بھی پوری عزیت کے ساتھ اپنا کام جاری رکھیں۔

یہ شرفی شاہدین حق کی عزیت آشکارا کر رہا ہے۔ جو بلند مقام کے لیے۔ صبر و مشورہ کرتے ہیں اور کوئی علم و جبر نہیں اس واسطے سے ابھر اور نہیں کر سکتا۔

۵۔ لغات۔ رائق ہم : ایک دوسرے کا رائق۔

شرح : اسے محبوب اپنی شکل و مزاجی اور تیز فہمی کے بارے میں کیا کہا جائے ؟ اس کے خوف سے میری جزا و قتل کے اجزاء ٹھٹھکی کر اور تحلیل ہو کر اندر۔ جی اندر ایک دوسرے کو کھا گئے۔ یعنی جزا و اس لیے نہ کوئی کثرت و تنوع کا ڈر تھا۔ اور دل سے اٹھتا تھا۔ پھر جزو جزو ہو کر اندر ہی اندر تحلیل ہو جاتا تھا۔ اور اس کے مختلف اجزاء ایک دوسرے کو کھا جاتے تھے۔

۶۔ لغات۔ اہل ہوس : جھوٹے عاشق جو عشق سے نا آشنا ہوں اور صرف ہوس پوری کرنا چاہتے ہیں۔

نمبر ۳ جنگ - لڑائی۔

شرح : مجھوٹے عاشقوں کے لیے بہتر یہی ہے کہ عشق کی جنگ سے لگ جویاں نہ ہو۔ وہ اس راستے کی سختیاں برداشت نہیں کر سکتے۔ سختیوں میں سرخرو نہیں ہو سکتے۔ ان کے لیے کامیابی کی کوئی صورت نہیں، صرف اس جنگ کے میدان سے باہر نکل جانا ہی ان کے لیے بہتر ہے۔ اسی کو انھیں اپنی فتح سمجھنا چاہیے۔ فتح کا نشان یہ ہوتا ہے کہ محض سے بلند کیے جاتے ہیں اور پریم لہرا سے نہاتے ہیں۔ اہل ہوس کا میدان عشق سے لگ جویاں اور پاؤں اٹھ کر چل پڑنا ان کے لیے فتح کا پریم لہرا ہے۔

گنا صرف یہ چاہتے ہیں کہ اہل ہوس کے لیے میدان عشق سے باہر نکل جانا ہی مناسب ہے۔ اس کے لیے حریق ذرا تکلف کا اختیار کیا۔

۹۔ شرح : قدرت نے روزِ اول ہی سے چھوٹے بھادے سپرد کر دیے تھے، جب تک ہم اس دنیا میں نہ آئے، تاہم کشمکش میں مشغول رہے، جب وہاں آگئے تو انھیں نالوں نے سانسوں کی شکل اختیار کر لی۔

شعر سے صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ جب سے ہماری ہستی کی بنیاد استوار ہوئی، مزید وہ نفاذ کے سوا بہار کوئی کام نہیں، یہاں تک کہ اس دنیا میں آکر ہم نے جو سانس لیے، وہ بھی وہ اصل ناس ہی تھے۔ جو یہاں آنے سے پیشتر کہیں نہیں گئے تھے۔

بعض اصحاب نے اس شعر کا تفسیر یہی کامند یہ ذیل شعر قرار دیا ہے :

نالومی کشم از درد تو گاہیے، لیکن

تا بسب می رسد از صدف نفس می گردد

یعنی اسے محبوب اچھے قرار دے دے عشق جتا ہے تو نالہ سر کر آجوں، لیکن صدف کا یہ عالم ہے کہ وہ بسب تک پہنچتے پہنچتے سانس میں جاتا ہے۔

ناسے کا سانس کی شکل میں تبدیل ہو جاتا تھا، مگر عرق اور غائب کے عنوان

بالکل ملک ہیں۔ مرنے مرنے کی کیفیت بیان کر رہا ہے جس کی دوسرے
 نامے سانس میں گئے۔ میرزا غالب اپنی فطری و انسانی دروندی کا اظہار کر رہے
 ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انسانی سے ہم دروند میں نالہ سر کرنا بھلا فطری و تخلیق قرار
 دے دیا گیا ہے۔ جو نامے ہم عدم میں سرزد کر سکے، وہی اس حیات مستعد میں
 اگر مہارے سانس میں گئے۔

۱۰۔ شرح : اسے استاد ہم نے گرائی اختیار کی تو دل لگی اور عشق
 کا مشعل اس حالت میں بھی نہ چھوڑا۔ ہم سائل تو بن گئے، لیکن اہل کرم کے
 عاشق ہو گئے۔

مطلب یہ کہ عشق ہمارے گھنٹی میں پڑا ہوا ہے۔ وہ ہم سے چھوٹ نہیں
 سکتا۔ یہاں تک کہ کوئی دوسرا پتھر بھی اختیار کر لیں تو عشق کے طور طریقے سے
 باہر آدھر نہ ہوں گے۔

۱۔ لغات :

نقد : نقدی ۔

شرن : روپیہ ۔

کھین : گھات کر

بخت کا شلہ یا بول کی

نقدی : یعنی اخراجی

کی گھاتی : ذکر سے ہیں

اسے ہر وقت گرم نہ

دکھتے تو بے زبانی

یعنی عارضی کی گھات

میں اندر دلی جیسی ہمیشہ ہے۔ وہ اس داغ کو ضرور کراسے گی۔ یعنی یہ داغ اپنی

جو نہ نقد و داغ دل کی، کرے شعلہ پا سبانی

تو غمزدگی نہاں ہے۔ یہ کہیں بے زبانی

مجھے اُس سے کیا توقع، یہ زمانہ جوانی

کبھی کودکی میں جس نے نہ سنی مری کہانی

یونہی دکھ کسی کو دینا نہیں خوب، ورنہ کہتا

کہ مرے درد کو یا رب بے میری زندگانی

میں اندر دلی جیسی ہمیشہ ہے۔ وہ اس داغ کو ضرور کراسے گی۔ یعنی یہ داغ اپنی

پیش کھو کر مٹ جائے گا۔

مضبوط یہ ہے کہ شعلہ محبت، سہر لحظہ داغ دل کو گرم رکھتا ہے اور نہ
عجوب سے دوری کے باعث ہوا سردی و سردی و سردی چھائی ہوئی ہے اور میں
کے باعث میں خاموش بیٹھا ہوں اور داغ دل کو افسردہ کر ڈالے گی۔

۲۔ **مشریح :** جس محبوب نے لڑکپن میں میری درد بھری کہانی نہ سنی
حالانکہ اس عمر میں کہانیاں سننے کا نام شوق جرتا ہے۔ اس سے جوانی کے نہانے
میں کیا امید رکھ سکتا ہوں ؟

۳۔ **مشریح :** کسی کو خواہ مخواہ دکھ دینا اور مصیبت میں ڈالنا اچھا
نہیں۔ درد میں دوا مانگی کہ یارب ! میری نندگی میرے دشمن کو عطا کر دے ۔
یعنی میری نندگی اتنی المیہ انگ اور درد انگیز ہے کہ دشمن کے لیے بھی ایسی نندگی
کی آرزو نہیں کر سکتا۔

واضح رہے کہ یہ بھی اپنی نندگی غم ناک و رنج افزا ہونے کا ایک اندازہ
ہے۔ راقی مقصود یہ نہیں کہ دشمن کے لیے ایسی دوا مانگی جائے۔

۱۔ **مشریح :**
میرزا خود اس شعر کی
مشریح کہتے ہوئے
عبدالرزاق شاکر کو
کہتے ہیں :

نکلت کدے میں میرے شب غم کا جوش ہے
اک شمع ہے دلیل سحر سو خموشش ہے
نئے مژدہ و جمال : نہ نطفہ رازہ جمال
موت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے
کہ شمع ہے دلیل سحر سو خموشش ہے
یہ خبر ہے۔ پتہ مع ۲
نکلت کدے میں میرے شب غم کا جوش ہے
لے شوق ایسا عبادت تسلیم ہوش ہے

گوہر کو عقد گروہی خواب میں دیکھنا
 کیا اور جہ پرستارہ گوہر فروش ہے
 دیدار بادہ اسوعلہ ساقی، نگاہ مست
 بزم خیال میگردے بے خروش ہے
 اسے تازہ واردان بساط بولے دل
 زندان اگر تھیں ہوں ناو نوش ہے
 دیکھو مجھے، خودیدہ عبرت نگاہ ہو
 میری سنو جو گوش نصیحت نبوش ہے
 ساقی بہ جلوه، دشمن ایمان و آگاہی
 سلب و فتنہ، رہزن تکین و پوش ہے
 یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط
 دامن باغبان و کعب گل فروش ہے
 طعنت خرام ساقی و ذوق حدیے چنگ
 یہ جنت نگاہ، وہ فردوس گوش ہے
 یا صبح دم چو دیکھیے اگر تو بزم میں
 لکھ نہ سرور و سوراخ خوش و خروش ہے

شب غم کا جوش یعنی اندھیرا
 ہی اندھیرا، طغیانی طغیان
 سحرنا پید، گویا خلق ہی نہیں
 ہوتی، ہاں ایک دلیلی صبح
 کہ یہ پر ہے، یعنی بھیجی ہوئی
 شمع، اس راہ سے کرشمہ و
 چراغ صبح کو بچھ جایا کرتے
 ہیں، طغیانی اس مغلون کا
 ہے کہ جس شے کو دلیلی صبح
 شمرایا ہے، وہ خود ایک
 سبب ہے منور دیباہ تارکی
 کے، میں دیکھا چاہیے ہیں
 گرمی ماسیت صبح نور طغیانی
 ہوگی، وہ مگر کتا، ایک ہوگا
 اس شمع پر شاکر کے
 ایک دوست نے اعتراض
 کیا، شاکر نے یہ اعتراض
 مرزا کو لکھ بھیجا، جواب میں
 فرماتے ہیں،

مروری نظام الدین
 گنجوی علیہ الرحمۃ کا ایک شعر
 عالم معلوم کے ہاتھ پڑا
 انھوں نے اندھیرے کا لکھنا

اس میں کہم کر، شروع کیا
 عروسی کے پاس جب وہ
 نکلتے پیچھے فرمایا :-
 کہ یاداں اشہر مرا بہ درود
 کہ بخود جا
 - جو صاحبہ خزانے

ہیں کہ مجموعہ پہلا مصرع مبتدا نہیں ہو سکتا، اس سے پوچھا جائیگا کہ
 کیا آپ اس پہلے مصرع میں سے "فلت کہے ہیں میرے" اس
 کو مبتدا اور شبہ غم کا جوش ہے۔ اس کو غیر طہررات میں باپہ
 اگر عین ہے تو بھی مطلقاً حاصل ہے۔ دوسرا مصرع دوسری غیر
 سی۔ آخر یہ بھی تو مستحکم فن نحو میں سے ہے کہ ایک مبتدا کی
 دو جگہ زیادہ غیر میں ہو سکتی ہیں۔

"یاں ایک قاعدہ اور ہے۔ یعنی مبتدا فعلیت کے ماقبل ہر مبتدا
 جوتی ہے، اس کو مبتدا نہیں کہتے۔ اس مطلق کا مصرع ثانی مبتدا
 امریت ہے۔ اپنے ماقبل مبتدا کو قبول کرنا ہے، اگر ہم نے نظر
 اس دستور پر مصرع اولیٰ کو مبتدا کہا تو ہمیں قیادت لازم نہیں آتی
 بہر حال جزو و صاحب اس پہلے مصرع کو قرار دیں، دو مجھے قبول
 ہے۔ مگر شعر میرا حاصل نہیں۔ فرمایا اس سے کیا لکھوں؟

میرے اندھیرے گھر میں شب غم کے جوش و شہت کا یہ عالم ہے کہ صبح
 کہ عین میں ناچنے میں، صرف ایک نشان رہ گیا ہے اور وہ بھی جوتی شے ہے۔
 اندھیرے کا شہت واضح کرنے کے لیے جس شے کو صبح کی ریں طہر یا عین شے
 کو وہ خود بھیجی ہوئی ہے، یعنی اندھیرے کے تصور میں اضافہ کرتی ہے۔

۲۔ لغات - آشتی : صلیح

شرح : اب نہ محبوب کی طرمت سے وصال کی خوشخبری آتی ہے نہ اس کے حسن و جمال کے نظارے کا کوئی موقع ہے۔ افسوس و باتوں پر چشمہ گوش میں کشمکش رہتی تھی۔ دیدار نصیب ہوتا تو کالوں کو شکایت پیدا ہوتی وصال کی نوید مٹی تو آنکھیں بھڑکاتی۔ اور غم باقی نہ ہونے سے آنکھوں اور کونوں کے درمیان صلی کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ نہ ایک کو شکوے کا موقع باقی نہ دوسرے کو گلے کا۔

۳۔ شرح : شراب کے نشے نے اُس محبوب کو ظہر و چہرے بے نیاز کر دیا ہے، جیسے ہر لحظہ آرائش کا خیال رہتا ہے۔ اسے شوقِ اُمی نہانت میں جوش و خروش گم کر دیا اور ضبط و تہ کے بند ٹوٹ جاتا، اصل جوڑے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

۴۔ لغات ۔ عتق ۔ در

شرح : گوہر پہنے والے نے موتوں سے جو ہر جہاد کیا اور حسیوں کی گردن میں پڑا تو قابلِ رشک نظر پیدا ہو گیا۔ دیکھیے، گوہر پہنے والے کا ستارہ کتنی بختی پر ہے !

بلند ہی اس لیے کہ اگر ہر حسیوں کی گردن میں پڑے گا جو بھر حال ایک بلند مقام ہے۔ رشک کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ گوہر فروزش نے جو ہر جہاد کیا اور خود حسیوں کو پٹا بنا، لگایا اس کے اپنے اللہ کی گردنوں میں جانی جو سے اور عاشقی اس کے لیے ہمیشہ تہستہ دہشتہ ہیں۔

۵۔ شرح : محبوب کے تصور کی عقل بھی ایک شراب قاتل ہے۔ مگر ایسا نہیں کہ کوئی میٹھا اور کوئی ہلاک ہو نہیں۔ اس شراب تلے میں دینار کی شراب جتی ہے اور ہمد ساقی گری کا کام اٹھا مودیا ہے اور رنگا میں مست رہتی ہیں۔

مطلب یہ کہ تصور میں بھی محبوب کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔ بتانا کہ

کا حوصلہ ہو۔ اس کے مطابق شراب مل جاتی ہے اور نگاہیں مست رہتی ہیں۔ یہاں تصور سے مراد مراقبہ بھی ہو سکتا ہے اور شعر محبوب بھائی کے بھانے محبوب حقیقی سے متعلق سمجھ سکتے ہیں۔

۶۔ ۱۶۔ لغامت : تازہ وارہ : تیار کیا آئے والے۔

بساط : بزم کا فرش، یعنی بزم۔

جوئے دل : دل کی خواہش۔

زخمہار : کلز کا کیدا جو لہنی اور اثبات دونوں کے لیے آتا ہے۔ یہاں اثبات کی تاکید مراد ہے۔

نار و فورش : نذر اور شراب۔

ویرہ عبرت نگاہ : عبرت کی نظر رکھنے والی آنکھ، وہ آنکھ جو عبرت

حاصل کرے۔ عبرت سے مراد ہے خاص حالت میں طبیعت کا فعلیت سے آگاہی کی حالت آتا۔ یعنی طبیعت حاصل کرنا۔

گوش نصیحت : گوش : نصیحت سننے والا کان۔

چنگ : ایک ساڑھ ساڑھ۔

مور : خوش، شادمانی

شرح : اسے وہ لوگوں جو دل کی خواہشوں اور آرزوؤں کی عقل میں

نئے نئے آئے ہو اور نعر و شراب کی غلب میں اندھے ہوئے ہمارے ہو۔

خبر داد :

اگر تمہارے پاس ایسی آنکھ ہے جو عبرت حاصل کر سکے تو مجھے دیکھو۔

مجھ پر نظر ڈالو۔ اگر تمہارے پاس نصیحت سننے والے کان ہیں تو میری بات

سنو۔ میں کاغوش کا تجربہ کر چکا ہوں اور میری باتیں گھر کے حید کی حیثیت

رکھتی ہیں۔

ساقی جلوہ دکھا کر اور شراب چاکر عقل و ایمان کو تباہ کر دیتا ہے۔ گمانہ

کا کر اور غرضاً کہ ہوش اور وقار و تمکنت کو غارت کر ڈالتا ہے۔ یعنی جیسے وہ پہلی
ساقی کے ہاتھ سے شراب پی چاہے تو نہ ایمان باقی رہتا ہے۔ نہ عقل اور کائنات
کے نعموں کی امت پر چاہے تو عزت و وقار بھی ضائع ہو جاتے ہیں اور ہوش و وقار
بھی۔

چراغ عیش و نشاط کی حالت کیا ہے؟ رات کو مجلس آراستہ تھی۔ تو
فرش کا سر گوشہ باغبان کے دامن اور پھول پہنچنے والے کے ہاتھ کی طرح چہلوں
سے بھرا ہوا نظر آتا تھا۔

ساقی کی خوش خرامی ایسا پُرکھٹ نظارہ پیش کرتی تھی۔ گویا نگاہ کے لیے
جنت کا منظر پیدا ہو گیا تھا اور سارے گلی کی سُر ملی آواز میں اتنی لذت تھی۔
گویا کالوں کے لیے مزید دس آراستہ ہو گیا تھا۔

یہ تو رات کی کیفیت تھی۔ لیکن صبح کو دیکھتے ہیں تو محفل میں دو سو سو روٹاواں
نظر آتی تھیں۔ وہ جو شہ و خرد دل مٹاتی دیتا تھا۔

مجلس اور ہم بہ ہم جو چلی تھی۔ اس کی بہا طرٹ گئی تھی۔ جو شہ رات بہر
جنت ہی تھی۔ وہ گلی ہو چکی تھی۔ گویا رات کی بہگام آرائی سے محرومی کا ایک
واغ بین کر دیو گئی تھی۔

بارے قہقہے میں وہ منظر پیش کیے گئے ہیں۔ پہلا اس وقت کا۔ جب مجلس
کی رونق عروج پر تھی۔ اور سارا اس وقت کا۔ جب ساری رونق اور پہلی پہلی قسم
ہو چکی تھی۔ شائے اور چتر کا عالم باقی رہ گیا تھا۔ مولانا علیہ السلام نے ہاتھ راست
کہنا ہے۔ آخر کے دو شعر اس سبب سے زیادہ بلیغ ہیں کہ ان کا اثر کہ فحش فاعل
ہے اور جو کہ فحش و افسہ کے بعد ہو۔ اثر قوی رکھتی ہے۔

سوارِ لغات - سریرِ خامرہ وہ آواز جو کھٹے وقت خم سے پیدا ہوتا
ہے۔ خم سے مراد کھٹک ہے جس سے قالب کے ترانے میں نکلتا جاتا تھا۔
لگہ پڑی نظم یا اندھی پلاٹ نہیں۔

نواسے سر دوش : لڑنے کی عداوت

مشرح : اسے غالب : تیرے خیال میں غیب سے مستنون آتے ہیں یعنی یہ تمام مطالب غیب سے تجھ پر افاقا ہوتے ہیں، اگر یا تیرے قلم کی آواز فرشتے کی صدا ہے۔

آ، کہ میری جان کو قرار نہیں ہے طاقت بیدار انتظار نہیں ہے
 دیتے ہیں جنت حیات دہر کچے نقشہ بہ انداز و ظہور نہیں ہے
 گر یہ نکلے ہے قری نرم سے مجھ کو ہا سے زکرو نے پناہیار نہیں ہے
 ہم سے جٹ ہے گمان رنجش خاطر خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے
 بول سے اٹھا طوطا جلوہ اسے مانا غیر گل آئینہ بہار نہیں ہے
 قتل کا مرے کیا ہے عہد تو ابے واسعہ : اگر عہد استوار نہیں ہے
 تو نے قلم میکشی کی کانی ہے غالب تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

۱۔ **مشرح :** اسے محبوب : ظہور عہد آ، کیونکہ میری جان کو عہد و قرار نہیں دو عہد و بہتیاں و اضطراب ہے، تیرا انتظار ایک بہت بڑی مصیبت ہے، اس مصیبت کی سختیاں اور پریشانیاں برداشت کرنے کی عہد میں طاقت نہیں۔
 ۲۔ **مشرح :** اس دنیا میں جو قوم و رنج اور اندوہ و قلق کا ایک طوفانی سمندر ہے، نہ لگی گوار چکنے کے بعد جنت میں ملے گی، لیکن جنت ان جنوں اور مصیبتوں کی کانی کر سکے گی جو ہم نے دے دی ہیں پر برداشت نہیں، جنت کا نقشہ ایسا نہیں، جو دنیوی زندگی کے عہد میں نہ آتے کی نگاہوں اور اوتھوں کے ترشوں کا مرہم بن سکے۔

لعل ملے کو مادی ہی صحیح انداز و فکر رکھتا ہے کہ جب نشہ ٹوٹتا ہے تو جسمانی انداز میں اعتبار ہے، اس پر کیا قیامت گزرتی ہے، قیامت عہد و عہد

اگر اسی کے مطابق شراب نہ لے تو تکلیفیں دور نہ ہو سکیں گی۔ یہی حقیقت اس شعر میں پیش کی گئی ہے۔ دراصل گناہ چاہتے ہیں کہ تمام بہشت و فیروزی زندگی کی مصیبتوں کا چوراہہ بنیں جو سکتی۔ اس کے علاوہ محبوب حقیقی کی پہچان دینا بھی بڑی چٹھی ہے۔ نری جنت ہمارے غم کی تلافی نہ کر سکے گی۔

فارسى میں بھی یہ خیال پیش کیا ہے :

حقیقت نہ کند چارہ امردگی دل

تعمیر بہ اندازہ ویرانی امانیت

میں ہمیں رنج و کمزورت اور دل گرفتگی کے جن اسباب سے سبب بڑا رہا۔ ان کی تلافی حقیقت نہیں کر سکتی۔ ہم یہاں جتنی بربادی سے دوچار ہوئے ہیں، تعمیر نو کا انتظام اس کے مطابق نظر نہیں آتا۔ یعنی بہشت کی آبادی اس دنیا کی ویرانی کا بہل نہیں ہو سکتی۔

۱۲۔ شعر ۱ : اسے محبوب ! میں تیری محفل میں پہنچ ہوں تو تیرے کھٹل اور بے اعتنائی پر بے اختیار آندہ لگتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مجھے جہرہ نکال دیا جاتا ہے۔ ضبط و صبر پر مجھے اختیار ہوتا تو نہ دوتا، افسوس کہ اختیار نہیں ہے۔

روئے پر محفل سے نکالے جانے کی کوئی دیر مرزا نے بیان نہیں کی۔ اسے ہنس چھوڑ دیا، کیونکہ ہر مرزا کے روئے کے اسباب مختلف ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک یہ کہ عیش و نشاط کی بزم میں کسی کا رونا یا کھلنے محفل جو تاس ہے دوتا یہ کہ روئے سے محبوب کی رسوائی ہو، ہے، تیسرا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ محبوب رفیقوں پر صراحت ہے اور عاشق صادق سے ہے اعتنائی ہوتا ہے۔

۱۳۔ شعر ۲ : اسے محبوب ! ہمارے مستحق یہ گناہ بالکل جیسا ہے کہ ہمارا دل آپ سے کھڑ ہو جائے گا۔ کیونکہ ہم تو بچنے عاشق ہیں اور بچے عاشقوں کی سنی گرد و غبار سے بالکل پاک ہوتی ہے۔ پھر ہمارا دل کھڑ

ہونے کا کون سا امکان ہے ؟

دوسرا چیلویہ ہو سکتا ہے کہ خاطر سے مراد خاطر محبوب لی جائے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے : ہمارے متعلق یہ گمان بھی نہیں کہ ہماری کسی بات سے آپ کے دل میں کھڑا پیدا ہوگا، کیونکہ ہماری خاک میں تو غبار یہ ہی نہیں۔ اگر ہوتا تو آپ کا دل میں جو جاسے گا بھی احتمال باقی رہتا۔

مولانا خطاب بائی فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ "خاک" طہیست کی جگہ لایا گیا ہے لیکن تفاوت محاذ وہ ہے۔ موجودہ صورت میں شعر کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم مرث کر خاک بھی ہو جائیں گے تو اس سے غبار نہ بنے گا، جو آپ کا دل کھڑا ہونے کا باعث ہو۔

۵۔ تشریح : اسے مخاطب باتیر سے پاس دل ہے تو ہمارے معنی آؤ تو کیا کے جلوں سے لطف اٹھا، ان جلوں کی حیثیت فعلی ہمارے ہی ہے اور ہمارے آئینہ چوہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا، جس طرح ہمارے حقیقی کیفیت چوہی میں نظر آتی ہے، اسی طرح دل ہمارے گئے ہونے حقائق سے ٹھیک ٹھیک استعارہ کر سکتا ہے۔

۶۔ تشریح : محبوب نے میرے قلب کا پختہ وعدہ تو کر دیا ہے، اتنی اگر یہ وعدہ عمل میں پختہ ثابت نہ ہوا، اس طرح محبوب کے باطنوں میں ہونے کا ارمان دل ہی میں رہ جائے گا، کیونکہ اس ارمان کا پورا کرنا حمد کی استواری پر کو تو مناسب ہے۔

۷۔ تشریح : قسم کھاؤ، صفت اٹھا، کسی چیز کی قسم کھاؤ، کسی چیز کو چھوڑ دیجئے گا حمد کرنا۔

صاف مطلب یہ ہے کہ اسے نائب : تو نے شراب چھوڑ دینے کی قسم کھائی ہے لیکن تیری قسم کا اقرار کیا ہے ؟ کون کہہ سکتا ہے کہ کب شراب چھوڑے گا، کب پھر مینا شروع کر دے۔

شعر کا ایک جزو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے نائب : تو نے میکش کا صفت اٹھا دیا ہے، جیسے : میکش کا، انتہائی کوئی ذکر نہیں، جب تیری قسم طہیست

بکر مستقام پہلو ہے جو سٹے سے تو اس پر اعتبار کیجئے جو سکتا ہے :

۱۔ **تشریح :**
 قلم خیل و زخیل اور
 قوت و قوت آہ ہے
 یہاں اور معلوم ہے کہ
 قلم کی حالت یہ ہے
 انسان کا سب سے مفید
 جبکہ جانتا ہے مرزا
 کا سر جو قلم کے باعث اتنا جھکا کر دامن کے سر سے پر پہنچ گیا۔ گویا دامن سے
 نکلے ہوئے تار اور تار نگاہ میں مرقق کرنا مشکل ہو گیا۔

۲۔ **تشریح :**
 یہ میں اپنے زخموں کو ٹانگے لگاؤں اور
 نہیں کہ زخم بھر جائیگا۔ بلکہ ٹانگے لگانے میں سوئی سے جو زخم ہوں گے ان کی
 لذت حاصل کرنا ہوتا ہوں۔ یہ دیکھنا چاہیے کہ مجھ پر اسے کو درد کے لئے
 کا کوئی سوال نہیں رہا اور اس سے ناقص ہو گیا ہوں۔

یہ مضمون مرزا پہلے بھی اتر چکے ہیں۔ مثلاً :
 زخم سلاسنے سے لہو پر پیارہ جوئی طبت طعن
 غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں

۳۔ **تشریح :**
 اسے ثابت : میرزا محبوب ہیں دماغ میں جو مرزا جو دماغ
 کھینچ کے چٹکنے کو دل کے چٹنے اور دماغ دماغ جو سٹے کی آواز سمجھنا چاہیے۔

۱۔ شرح:

میں سوراخے پتھر کاٹ
دیا تھا۔ پاؤں میں
اٹھنے کا نئے شیشے کو
بند کر دیا۔ جو کہ ہڈی
اور کاٹنے لگا ہونے کے
بچے پاؤں زانو پر
رکھ دیا۔ جہاں وہ
پہنچا تو اٹھا۔ اور
زانو کو آئینہ سمجھ دیا

پاؤں دامن جو رہا ہوں ہیں کہ میں صحرا نورد
غبار پاؤں جو ہر آنیختہ زانو مجھے
دیکھنا حالت مرے دل کی ہم آغوشی کے بعد
ہے نگاہ آشنا تیرا سر ہر منو مجھے
ہوں سراپا ساز آہنگ شکایت کچھ نہ پوچھ
ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ پھیرے تو مجھے

جانتے تو میرے پاؤں کے کاٹنے اس آئینے میں جو ہر معلوم ہوتے ہیں۔
اس شعر کے مطلع میں دو باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں۔ اول صوفیہ کے
تذکرہ سر زانو پر ہاتھ میں رکھنا ہوتا ہے۔ چونکہ مراد ہے کہ عالم علوی سے فیض
حاصل ہوتا ہے۔ دل بہا پاتا ہے اور اس لیے زانو کو اصطلاح صوفیہ میں آئینہ
کہتے تھے۔ دوم کاٹنے لگانے وقت پاؤں زانو پر رکھنا ہوتا ہے تاکہ تمام کانٹوں
کا پتلا جاسے اور انھیں لگانے میں سموت جوتی ہے۔ مراد اسے صوفیہ کی اصطلاح
کے مطابق زانو کو آئینے سے تشبیہ دی۔ پھر کانٹوں کو اس آئینے کے جوہر بنا دیا۔
جس کے پہلے ہر ذرات کو عین کیا جا چکا ہے۔ آئینے سے مراد قدوری آئینہ نہیں۔ بلکہ
قدوری آئینہ ہے۔

۲۔ شرح: محبوب سے ہم ہٹل ہونے کے بعد میرے دل کی حالت

دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ محبوب کے جسم کا بال بال مجھے ایسی نگاہ معلوم ہوتا
ہے۔ جو میری دل کیفیتوں سے آگاہ ہو۔

ہم آفرشی نصیب ہوئے کا مطلب ہی ہے کہ محبوب کے جسم کا بالی ہاں
لگاؤ آستانہ ہی ہاں ہے۔

۳۴۔ شرح : میں ایسا ساز ہوں جس میں گلوں اور شکووں کے رنگ
بھرے ہوئے ہیں۔ اسے محبوب ! میرے بارے میں کچھ نہ پوچھو۔ بہتر یہی ہے کہ
میں لوگ سچ ہوں تو تو مجھے نہ چھیڑے۔ چھیڑے گا تو سزا بھگنے لگے گا۔ گلوں
اور شکووں کا ایک سیل آستانہ آئے گا۔

۱۔ لغات کا مبداء
تعب و محنت
صورت دیوار :
دیوار پر چڑھتی تصویر
شرح : اسے مجھ سے
تو جس مصلحت سے آزاد کرانا
سے رہنے لگے اور اس
تیری جان ہنسی کے
مجاز سے اس تصویر پر
کے نام میں جان پڑ
جائے کہ جو دیوار پر چڑھ
جاتی ہیں ۔
یہاں گفتگو محبوب کا
جان بخش کا انوار مقصود
جس ہضم میں تو نماز سے گفتگو میں آوے
جہاں کالبدی صورت دیوار میں آوے
سائے کی طرح ساتھ پھری سرو و صنوبر
تو اس قدر درخش سے جو گلزار میں آوے
تب نازگراں مانگی اشک بھرا ہے
جب لغت بکری دیدہ ٹوٹا رہا میں آوے
دے تجھ کو شکایت کی اجازت کہ شکر
کچھ تجھ کو مرزا بھی مرے آزار میں آوے
اس چشم منوں گر کا اگر پاسے انار د
لو علی کی طلب ریح آئند گفتگو میں آوے

کانٹوں کی ترپاں سوکھ گئی پیاس سے یا دھب
 اک آبلہ پا و ادنیٰ پڑ غبار میں آدھے
 مریاؤں نہ کیوں رشک سے جبب وقتن نازک
 آغوشِ خم حلقہ زائد میں آدھے
 غارت گر ناموس نہ ہو گر جو جس زور
 کیوں شاہر گل باغ سے بازار میں آدھے
 تب چاک گریباں کا مزا ہے دلی تاداں
 جبب اک نفس اطمینا ہوا بر تار میں آدھے
 آتش کدو ہے سینہ مراد از نھاں سے
 لے دانے اگر معر من اخلار میں آدھے
 گنجینہ معنی کا طلسم اُس کو بھیجے
 جو لفظ کہ غالب مرے اشتہار میں آدھے

ہے اور غارت گشت
 میں آنے کا مطلب یہ ہے
 یہ نہیں کہ حسیب محبوب
 ناز و انداز سے گفتگو
 کرے گا تو ایسا ہو گا
 مقصود ہے کہ محبوب
 جبب بھی پوتا ہے
 ناز ہی سے بولتا ہے
 گویا اس کی ایک
 مستقل صفت ہے
 اس کی کوئی بات ناز
 سے غالی ہو ہی نہیں
 سکتی۔ اس مستقل صفت
 کے پیش نظر "ناز"
 کا لفظ مشاعرہ کو ضروری
 معلوم ہوا۔

۲۔ شرح :

اسے محبوب یا تر و کش

اور بزرگداشت کے ساتھ باغ سیا آبا سے تو سرور و منزلت بر بعضیں اپنی بلند تہذیب
 ناز ہے اس کے کی طرح ساتھ ساتھ چرتے گئیں۔

دہلی ہے کہ شام نے محبوب کے لیے توجہ و کش کا لفظ استعمال کیا۔ اس
 سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ محض غنیمت کی قیامت کوئی خوبی نہیں۔ قد آگاہی
 غنیمت کا چاہیے۔ تبنا کہ سوز و غمت کے باعث دل کو بھانپنے نرہی چہرہ کی صورت

اوقات نامریا بن جاتی ہے۔

مولانا حیات آبادی فرماتے ہیں کہ دوسرے مصرع میں "تے" کا لفظ غلط
 علت رکھتا ہے اور ہڑے ہمارے کا لفظ ہے اور مصنف چٹے شخص ہیں
 جس نے اسی مقام پر "تے" استعمال کیا۔ دوسرے شاعر اس طرح استعمال کیا
 کرتے ہیں :

اس قد کو اگرے کے ٹوٹزار میں آوے

۳۰۔ لغات - گراں ایگی : بیش بنا ہونا۔

شرح : آنسو کے لیے بیش بنا ہونے کا لفظ اسی صورت میں کہا
 سمجھا جا سکتا ہے۔ جب بگڑ بگڑے ٹکڑے ہو کر اور رونے والی آنکھ سے
 بہتے لگے، یعنی وہ آنسو کس کام کا، جس میں جگر کا لون ہو،
 مرزا نے ایک اور جگہ بھی کہا ہے :

دگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں تھکی

جب آنکھ میں سے نہ پکا تو پھر لہو کیا ہے

۳۱۔ شرح : اسے ظالم بیوب : مجھے لگے شک کے کی امانت اسے
 دے تاکہ تجھے میرے سامنے میں کچھ مزہ بھی آئے۔

مطلب یہ کہ میں شکایت کروں گا، تجھے یہ پتا چلے گا کہ تیرے ہاتھوں کو
 اٹھانے کا معاملہ کہاں تک پہنچ گیا ہے یا کچھ شکوہ سن کر تجھے نصرت آئے گا اور
 فتنے میں مجھ پر سختی کرے گا، یہ قاعدہ ہے کہ ظلم و ستم کا معاملہ اسی وقت
 بہ لطف بنتا ہے جب ایک طرف شکایت ہو اور دوسری طرف سختیاں کی
 جائیں، اگر سختیوں کو ٹیپ چاپ ممبر سے برداشت کر لیا جائے تو کچھ لطف نہ
 ہوگا، اس معاملے میں گرمی اور ہنگامہ خیزی صرف لگے شکوے ہی سے پیدا
 ہو سکتی ہے۔

مولانا حیات آبادی فرماتے ہیں کہ اس نہ میں کا حاصل اس شعر میں آیا۔

۵۔ **شرح :** اگر محبوب کی ہاؤد بھری آنکھ کا اشارہ پائے تو آئینہ طوطی کی طرح بولنے لگے۔

طوطی آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر بولنے لگتا ہے۔ محبوبوں کی آنکھیں اشارہ میں باتیں کرتی ہیں۔ مرزا کہتے ہیں کہ میرے محبوب کی آنکھ کے اشارے سے آئینہ طوطی بھی بولے۔

یہاں چلیم جنوں گر مینی ہاؤد بھری آنکھ اس لیے کہ طوطی کی طرح آئینے کا بول اٹھنا غالب عادت واقعہ ہے اور یہ ہاؤد کے بغیر ممکن نہیں۔
۶۔ **لفظت** - آباد پاؤں وہ شخص جس کے تلوے چھالوں سے بھرے ہوں۔

شرح : اسے اللہ! کانٹوں بھری داری میں ایک ایک کانٹے کی زبان پیاس کے مارے خشک ہو گئی ہے۔ کسی ایسے شخص کو بھیج جس کے تلوے آہوں سے بھر تڑپوں آکر وہ اس میں پھر نکلے اور آہوں کے پانی سے کانٹوں کی پیاس بجھ سکے۔

اس شعر کی خوبیاں خاص توفیق کی محتاج ہیں۔ مثلاً :
کانٹوں کی زبان سوکھ گئی۔ کہ کر ان کی وضع و حیثیت کا نقطہ بہترین انداز میں پیش کر دیا ہے۔ ان کی نوکیں دیکھ کر یہی معلوم ہوتا ہے کہ زبانیں خشک ہو کر ٹیکھل ہو گئیں۔

۲۔ عام قیادت کو میرا بگڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ مڑوں میں پانی چھوڑ دیتے ہیں، لیکن کانٹوں کو اس طرح پانی نہیں دیا جاسکتا ہے۔

۳۔ ان کے لیے سیرانی کا انتظام ایسا ہونا چاہیے کہ سوکھی ہوئی زبانیں توڑ سکیں اور اس کا بہترین طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ جس کے تلووں میں پھیلے ہوں وہ ان کانٹوں پر پھر نکلے۔

۷۔ **شرح :** محبوب کا آنگ جہم نثار کی آغوش میں دیکھ تو حرا یا کہ

میں رنگ سے کیوں نہ رہا ہوں، ہر جسم میری آفریں میں آتا چاہیے تھا۔ نہ کہ
اُس دھماکے کی آفریں میں جو گہرا برہمن باندھتے ہیں اور اسے مذہب کا
ایک خاص نشان سمجھتے ہیں۔

”ختم حلقہ“ زکوار کا مطلب ہے زکوار کے حلقہ کا ختم۔ زکوار باندھتے
ہیں تو کندھے پر اسے ختم دیا جاتا ہے۔ اسی کو ختم حلقہ قرار دیا۔

۸۔ لغات۔ زکوار : یہاں اس کے دو معنی ہیں، اول وہ زکوار سا
ذریعہ جو بھول کے اندر جوتا ہے، دوم مال، دولت اور قیمت۔

تشریح : اگر مال و دولت کی عرض عزت و ناموس کی بربادی کا باعث
ذاتی تو بھولی کا محبوب بارغ چھوڑ کر بازار میں کیوں آتا۔

مطلب یہ کہ بھول کے لیے اولیٰ زکوار کی ہوس یوں ظاہر ہوتی ہے کہ
جب وہ کہتا ہے تو اندر سے ذریعہ نکل آتا ہے۔ گویا اس نے ہاتھ میں زکوار
رکھ لیا ہے۔ دوم وہ کہنے کے لیے بارغ سے باز رہ گیا ہے۔ یہ بھی مانا
کہ ہوس ہے جو اس کی رسوائی کا باعث بنتی ہے۔ اگر وہ غیظ کی طرح
بند کا بند دھتا تو زکوار کے اندر کا ذریعہ نمایاں ہوتا، نہ بازار میں کہنے کی
نوبت آتی۔ اس سے یہ سبق حاصل ہوتا کہ زکوار کی ہوس انسان کے لیے سرائی
کا باعث ہوتی ہے اور اس کی عزت و ناموس پر بڑا گروہی ہے۔

۹۔ تشریح : اسے بے غیر اور حقیقت انکشاف والی اگر یہاں کہہ سکتے
ہیں، اُس وقت آسکتا ہے۔ جب ہزار میں ایک سانس اچھا ہوتا ہو۔ یہ
ہزار کے ساتھ سانس کھپا ہوا آئے اور دم نکل گیا ہے۔

تاکہ اگر یہاں اور تاہم نفس کی مناسبت مناسب مناجاں نہیں۔

۱۰۔ لغات۔ معرض : جاسے عرض میں وہ جگہ جہاں کوئی چیز پیش ہو
معرض اندر سے مراد ہے کہ کس چیز کا اظہار میں آتا، یعنی تفسیر مراد۔

تشریح : میرے سینے میں ایک ایسا چٹپٹا ہوا صید ہے جس کی گری

سے سینہ آتش کہہ رہی گئی ہے، یعنی اس میں سہرا سر آگ دہک رہی ہے، اگر
 یہ راز ظاہر ہو جائے تو خدا جانے کہاں کہاں آگ لگے اور کیا قیامت برپا ہو !
 ۱۱۔ شرح : اسے قالمت : میرے شعروں میں جو بھی لفظ آتا ہے ،
 اسے معنی کے خزانے کا ایک علم سمجھنا چاہیے ۔ یعنی لفظ لفظ میں معنی کے
 خزانے علم کے دریچے سے بھر دیے گئے ہیں ۔ جب تک کوئی شخص اس علم
 توڑ کر اصل جزائے تک نہ پہنچے ، میرے اشعار کی حقیقت اس پر واضح نہیں
 ہو سکتی ۔

مولانا غالبانی فرماتے ہیں :

”گنجینہ اس سبب سے ہے کہ معانی گنبد اس میں ہیں اور علم
 اس سبب سے ہے کہ پہلو بھی اس میں کئی نکلتے ہیں ۔ یہ ظاہر ہے
 کہ علم مشکل سے نکلتا ہے اور حیرت انگیز ہوتا ہے ، اسی طرح
 کلام میرا مشکل سے حل ہوتا ہے اور معانی سے اس کے حیرت
 پیدا ہوتے ہیں ۔ غرض لفظ کی نشیب وعلیہ سے نہایت مدلیج ہے ۔“

۱۲۔ شرح :

خواہ مخواہ فرماتے ہیں :

”میرے شعر کا

میں دھوئی سفتیج دہل

ہے ۔ معشوق کو

میرا خورشید کہاں اس

بے کما کا کہ اس کو

نامہ کمال پر توجہ دینے

کا وہ میرا ہوا جانے ۔“

حسن مرگرمیہ بہ ہنگام کہاں اچھا ہے

اس سے میرا مہر خورشید کمال اچھا ہے

بلو بسہر دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ

جی میں کہتے ہیں کہ محضت آنے تو مال اچھا ہے

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا

منا غریب سے مراجعہ سوال اچھا ہے

بے طلب رہیں تو مزار اس میں ہوا ملتا ہے
 وہ گدرا جس کو نہ ہو خوشی سوال اچھا ہے
 ان کے دیکھے سے جو آہاں سے منہ پر رونق
 وہ سمجھتے ہیں کہ جیسار کا مال اچھا ہے
 دیکھے پاتے ہیں عشاق تویں سے کیا نہیں
 اک پرچہ نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے
 ہم سخن پیشے نے فراد کو شیریں سے کیا
 جس طرح کا بھی کسی میں ہو کمال اچھا ہے
 قطرہ دریا میں جو ہاں سے تو دریا ہو جائے
 کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مال اچھا ہے
 خضر سلطان کو دیکھے خالق اکبر سرسبز
 شاہ کے بارگاہ میں ے تازہ نہال اچھا ہے
 ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
 دل کے خوش رکھنے کو لانا ہے خیال اچھا ہے
 جی بوسہ دینے کے لیے تیار نہیں۔ بلکہ ہر اس نے دل میں یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ
 اگر سنت بل جائے۔ جی بوسہ دینے پر دل اٹھا آجائے تو اچھا دل ہے اور نہ۔

اگرچہ چاند کو کالی بیوی
 چہرہ میں جائے تو بہت اچھا
 معلوم ہوتا ہے۔ لیکن میرا
 چاند جس کا حسن و جمال
 سورج کا سا ہے۔ بد
 سے بہتر ہے۔

تو وہ جاتی نرا ہی
 چلے میں۔ اپنے محبوب کو
 یہ غرض یہ حال اس لیے
 کہ کہ او کالی پر اس کی
 فقیہت و فصیح ہو جائے۔
 جس طرح چاند پر سورج
 کی فقیہت واضح ہے۔

۲۔ شہر و
 شہر و عمارتوں کے
 دل کی قیمت قرار دینے پر
 مرزا فراتے ہیں کہ میرے
 محبوب کی نظر میرے دل
 پر جمی ہوئی ہے۔ اسے
 ڈالنا پاتا ہے لیکن
 اس کی قیمت ادا کرتے،

جی بوسہ دینے کے لیے تیار نہیں۔ بلکہ ہر اس نے دل میں یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ
 اگر سنت بل جائے۔ جی بوسہ دینے پر دل اٹھا آجائے تو اچھا دل ہے اور نہ۔

لے لینا چاہیے۔

مولانا عبدالحامد بانی فرماتے ہیں کہ ول کا بوسے پر کچا قبضہ تو معتدلی ہے، لیکن یہاں کااد سے کی خوبی اور جدل کی اداسی اس معنوں کو نازہ کر دیا۔

۴۔ لغات : سافر جہم : جمشید کا پیالہ، جمشید ایران کا مشہور بادشاہ تھا۔ کہتے ہیں، شراب اسی شے ایجاد کی۔ اس کے سافر کی ایک ٹولی یہ بتاتی ہوتی ہے کہ اس سے زمانے کی خبریں مل جاتی تھیں۔

جام سفال : مٹی کا پیالہ۔

تشریح : شعر کی شرح سے پیشتر یہ کچھ لینا چاہیے کہ شاعر کے سامنے چند جدید معانی تھے جو کسی ثبوت کے محتاج نہ تھے، مثلاً :

۱۔ اسے معلوم تھا کہ مٹی کا پیالہ نہایت بے حقیقت چیز ہے۔

۲۔ معلوم تھا کہ سافر جہم بہت بیش قیمت اور نایاب تھا۔ دنیا میں وہ ایک ہی پایا تھا۔ عام ادھماک کے علاوہ اس اعتبار سے ہیں اس کی قیمت کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

۳۔ معلوم تھا کہ مٹی کے واسے جزا پیالے بھی جمع کر لیے جائیں تو وہ سافر جہم کی برابر ہی نہیں کر سکتے۔

۴۔ ہر ایسی چیز مرزا نے مٹی کے پیالے کی برتری کا ایک ایسا پہلو پیدا کر دیا، جس سے عقلی سلیم کو ایک لمحے کے لیے بھی اختلاف نہیں ہو سکتا اور نہ ہی مرزا کی اس حقیقت بانی سے پیشتر کسی کو برتری کے اس پہلو کا کوئی احساس بھی نہ تھا۔ مرزا نے صرف یہ سوچا کہ پیالے سے شراب پی جاتی ہے اور شراب نوشی کے لیے سافر جہم اور سافر سفال دونوں کیساں مہیبت رکھتے ہیں، جام سفال ٹوٹ جائے تو فوراً ہر شخص نازہ سے لے سکتا ہے، سافر جہم ٹوٹ جائے تو اس کا بدلہ ہی نہیں مل سکتا، لہذا "جام سفال" سافر جہم سے ہر دہا برتر ہے۔

پھر مرزا کے نزدیک اصل شے شراب نوشی ہے، پیالہ خواہ کیسا ہی ہو۔

دو خود بخود ہی کی ایک خال میں فرماتے ہیں :

نشا طعم غلب از آسمان، ذائقہ شکریت بزم

قدح سبائی زیاقت بارہ گر جلی مست

یعنی آسمان سے جمید کی شان و شوکت نہیں، صرف اس کے جلی و نشا
کی آواز کوئی دیکھے، اگر پالہ یا قوت کا نہیں تو کیا پروا ہے۔ شرب خاص و گہری
ہوتی دیکھے۔

بلکہ وہ تو پالے کے بھی محتاج نہیں اور کہتے ہیں۔

چرا سے لاک سے ساتی، اجر ہم سے لغت

پالہ گر نہیں دیتا، دوسے۔ شرب تو دوسے

۵۔ شرح : جس فقیر کو سوال کی طاقت نہ ہو وہی اچھا ہو تا ہے۔
کہ کنگارے جلی میں ہانے تو اس میں مزہ نہ زیادہ آتا ہے۔ اتفاقاً کی شاپ گری
اس لیے کہ میر شخص کو ملے غلب دیتا ہے۔

سوال کی طاقت نہ ہونے کو انسان ذاتی شرف کے احساس سے محروم
ہو جاتا ہے اور اس کائنات میں انسان کی اصل مقام وہی شرف ہے، اگر
چیز پر مقدم رہنا چاہیے۔

۵۔ شرح : خواہر عاتی فرماتے ہیں :

اسی کے قریب قریب سعدی کا بھی ایک شعر ہے :

گشتہ یروم چہ بیانی، ظہور دل انوایہ

یہ گہریم کو غم لادول بود، چون تو بیانی

وہ لڑائی سعدی اور غالب کے شعروں کا حاصل ہے کہ گہریم غم
اپنی تکلیف بارہی معشوق پر ظاہر نہیں کر سکتے، مگر سعدی کے
بیان میں یہ اظہار ہائی۔ جتنا ہے کہ شاید معشوق عاشق کی ظاہری
جہالت دیکھ کر سمجھ جائے کہ اس کا دل بھرا ہے، کیونکہ سعدی کے

بیان سے مراد یہ معلوم ہوتا ہے کہ معشوق کے آنے سے فراق ہوتا
 رہتا ہے، نہ یہ کہ ظاہری حالت میں یہ لگتا ہے، مگر مرزا کے
 بیان میں یہ احتمال باقی نہیں رہتا۔

محبوب کے آنے سے دل کو ایسی خوشی اور ہلکا شغف ہوتا ہے کہ بچہ و فلم
 کا کوئی اثر خیر سے پر باقی نہیں رہتا، اس کے برعکس مدون و نازکی آجاتی ہے،
 یہ حالت دیکھ کر محبوب بھی لیتا ہے کہ میرے پیار عشق کا حال اچھا ہے۔

اس سلسلے میں معذرتی کا شعر پیش کرنا ناگوار نہ سمجھیں، خواہ وہ مافی السدس
 میں جو احتمال بتایا ہے، اس سے مرزا کا شعر پاک ہے۔ اگر کسی معنوں کو کوئی اشارہ
 پہلے پیش کر چکا ہے اور اس میں کوئی پہلو تشدد لگایا ہے، بعد کا شاعر اس تشکیلی کو
 ہر دم احسن ذور کر دیتا ہے تو میں افضل مستقدم کہہ کر اس کی حیثیت کم نہ کرتی
 ہوں، مستقدمی نے محبت سے معنوں یا ذمے، لیکن ایسے معنوں میں بھی ہیں جو
 ان کے ان شیک نہ بدھ سکے، تاثر یہ ہے ان معنوں کے حسن میں بھی اضافہ
 کیا اور ان کی بندش بھی بہتر سے بہتر بنادی، ایسے حریق پر عرق ہی کا تول بھی ہے۔

اول رہ وہی نظم خود دیشاں بسیر و نہر

پس باز نمودیم ہم منزل لہ جسم را

یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر متاثر شخص تاثر زمانی کی بناء پر ہر مستقدم سے گزشتہ
 نہیں کے پاس لگتا۔

۶۔ شرح : خواب عاقی فرماتے ہیں،

گو یا معشوق کی قضا میں ایسا مستغرق ہے کہ دنیا و دنیا کی کچھ خبر نہیں
 میں تک کہ بیڈت سے جو سال کو اچھا لگتا ہے تو اس کے لیے
 یہی معنی سمجھتا ہے کہ شاید اس سال معشوق ما معشوق پر مرزا
 جو ماغیہ، مذہب کہ اس سال غمناک نہیں پڑنے کا یاد دہانی کے لیے کہ
 یہ لڑائیاں نہیں ہوئی وغیرہ۔

مشق کے نزدیک نہ آنے کی چھائی اور خوشگوار سی کامیاب صورت ایک ہے اور
 دوسرے کو حاضری کی کون کون سی مرادیں پوری ہوں گی۔

۷۔ **مشرع** : مقررہ کو سنگ تراشی کے سوا اور کیا آتا تھا؟ اس سنگ تراشی
 کی بدولت اسے شیرتی سے بات چیت کا موقع ملا۔ سنگ تراشی کا نشان پیش
 تھا۔ گویا پیشہ مقرر کا دوشیرتی کے درمیان بات چیت کا ذریعہ بنا۔ اس بنا پر
 یہ اصول وضع کر دیا کہ کمال کسی بھی فن میں حاصل کیا جائے۔ وہ ہر حال اچھا
 ہی ہوتا ہے۔

۸۔ **لغات** : کمال : انجام نتیجہ۔

مشرع : جس کام کا انجام اچھا ہو۔ وہ ہر حال اچھا ہوتا ہے۔ مگر
 کام سے مقصود معن کام نہیں بلکہ خاص نتیجہ ہوتا ہے۔ اس کی مثال یوں پیش
 کی کہ قطرہ دریا میں مل جائے تو خود دریا بن جائے۔ دریا میں مل کر دریا بن
 جانا نتیجہ ہے اور ایک قطرے کا دریا بن جانا نتیجہ اور انجام کی اچھائی کا بھی
 ثبوت ہے۔

جن اصحاب نے شعر کے چلے مصرع کو اصل مقصد قرار دے کر دوسرے
 مصرع کو اس کی دلیل بنایا، میرے نزدیک وہ غلطی میں مبتلا ہوتے۔ معلوم
 ہوتا ہے کہ چلے مصرع کے ہم معنی اشعار اب ان قاصد میں دیکھ کر ان کی توجہ
 راہ راست سے ہٹ گئی۔ پہلا مصرع صورت مثالی ہے، مقصود شعر دوسرا
 مصرع ہے۔

۹۔ **لغات** : **مختصر سلطان** : بہادر شاہ ظفر کا ایک بیٹا۔

جسے بحالہ لڑتے تھے سلطانہ میں شہزادہ مرزا مغل اور شہزادہ
 مرزا ابوبکر کے ساتھ دہلی دروازے کے باہر گولی سے شہید کر دیا
 تھا۔ **مختصر سلطان** اور **کمال** : ام صاحب کا بیٹا ہے کہ شہادت کے
 وقت چھپتے سال کی عمر تھی۔ گویا مختصر سلطان شہزادہ کے آس پاس

پیدا ہوگا۔

غور و مرآۃ کی طرح خضر سلطان بھی مرزا غالب کا شاگرد تھا۔
اچھے شعر کہتا تھا۔ مجموعہ کلام غزلوں کے ہنگامے میں تلف ہو گیا
صرف چند شعر تذکروں میں رہ گئے۔

تمازہ ثنائی : نیا پورا۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ غزل خضر
سلطان کی پیدائش پر لکھی گئی تھی۔ چونکہ پہلے مصرعہ حیدر خان کی اکبر
سے بظاہر اکبر شاہ ثنائی کی طرف بھی اشارہ ہے، جو اس وقت
بادشاہ تھا، اس لیے خیال ہوتا ہے کہ یہ شعر واقعی خضر سلطان
کی پیدائش پر لکھا گیا تھا اور یہ غزل مستحکم یا آس پاس کی ہوئی
چاہیے۔

اس صورت میں ایک کہش یہ بھی آئے گی کہ آیا شاہ سے
مقصود بہادر شاہ ظفر ہیں، جو اس زمانے میں دلدادہ تھے اور ان
کی دلچسپی خاصی مسترز دل پہل آ رہی تھی یا شاہ سے مقصود
اکبر شاہ ثنائی ہیں ؟

تشریح : شعر دعاغیدہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جو سب سے بڑا ہے، شہزادہ
خضر سلطان کو سرسبز رکھے ! بادشاہ کے بارغ میں یہ نیا پورا اجیت اچھا ہے،
خضر، سرسبز، بارغ : تمازہ اور ثنائی کی مناسبتیں تشریح نہیں۔
۱۰۔ تشریح : اسے ثابت ! حجت کا جو عام تصور ہے، یعنی بارغ، غریب
خود ہی وغیرہ، اس کی حقیقت ہمیں معلوم ہے، البتہ اس قسم کے خیالات دل
خوش رکھنے کے لیے ہلکے ہوتے ہیں۔

شعر میں مرزا نے حجت کے متعلق صرف عام افکار کا ذکر کرتے ہوئے
انھیں دل خوش رکھنے کا ذریعہ قرار دیا۔

۱۔ مخرج : اسے

محبوب یا اگر میرے مرنے سے

تیری تسلی نہیں ہوئی، اس

استحسان میں سے سرخرو لکنا

تیرے لیے تمکین کا سامان

نہیں بن سکے اور مزید کوئی

استحسان باقی رہ گیا ہے تو اس

کا انتظام بھی کرے تاکہ تیرے

اطمینان میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔

جہاں دے دینے کے

بعد مزید استحسان کیا ہو سکتا

تقدیر زیادہ سے زیادہ ہے کہ

لاش کو باز آروں میں گھسیٹا

جاتا یا مگر خاکستر اڑا دی

جاتی۔ شاعر کا مقصود ہے

کہ موت اس دنیا میں سب

سے بڑا استحسان ہے جو کسی

مرد کو چلی آ سکتا ہے، لیکن

نہ ہوئی اگر مرے مرنے سے تسلی نہ ہو

استحسان اور بھی باقی جو تو یہ بھی نہ ہو

خار غبار الم حسرت دیدار تو ہے

شوق گھسیٹ گھسٹاں تسلی نہ ہو

سے پرستانِ خیمے مند سے لگانے ہی ہے

ایک دن گر نہ ہوا جہم میں سہاگہ نہ ہو

نفسِ قیس کہ ہے چشم و چراغ صحرا

گر نہیں شمعِ سببِ فنا یعنی نہ ہو

ایک جنگل سے پر موقوف ہے گھر کی رونق

نورِ نغم ہی ہوئی نغمہ شاد ہی نہ ہو

نہ سائنس کی ترقی نہ صلے کی پروا

گر نہیں میں مرے اشعار میں موت نہ ہو

عشرتِ محبتِ خداں ہی نعمتِ محبوب

نہ ہوئی قابلِ است، اگر عمر طبعی، نہ ہو

اگر محبوب کے نزدیک اس کے بعد بھی کوئی امتحان باقی رہ گیا ہو تو پتے عاشق کو اس میں ایک لمحے کے لیے بھی تاقل نہ ہو گا۔

پھر یہ بعض خیالی نہیں بلکہ حق پرستی اور انسانیت دوستی کی تار پچ میں ایسی کئی مٹ لیں گئی ہیں کہ محاذوں نے جانیں دیں، اس کے بعد ان کی لاشوں سے نہایت ناز و نیاز سلوک روا رکھا گیا۔ یہ شعرا جیسے ہی حقائق کا آئینہ ہے۔

مردانہ لطافت فرماتے ہیں: اس شعر پر اگر غالب خدا سے سخن ہونے کا دعویٰ کریں تو خدا گواہ ہے کہ نہ سچا ہے۔ پھر دیکھیے تو نہ فن معانی کی کوئی خرق ہے نہ فن بیان کا کچھ حسن ہے نہ فن بلائی کے تکلفات ہیں۔

۲۔ مشرح: اگر میرا شوق تسلی کے بارے سے چھل نہیں چھ سکا تو نہ سہی، محبوب کے دیدار کی حسرت کا جو غم ہے، اس کا خار و ز تو موجر ہے۔ سادہ لفظوں میں مطلب یہ ہے کہ اگر شوق کی تسکین کا سامان ہم نہیں پہنچا تو بچے عاشقوں کے لیے حسرت و یاد کا غم تو موجر ہے۔

۳۔ مشرح: شراب پیئے واسے دوستو! اگر ایک دن محفل میں ساق نہیں آیا، جو بادی دایم ہر بھر کر دیتا اور ہم شراب پیئے تو کچھ ہوا نہیں۔ کیوں نہ ہم شراب کے چٹکے ہی کو منہ سے لگا لیں، اس کے بغیر چارہ ہی کیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ شراب نوشوں کا گزارہ شراب پیئے بغیر جو ہی نہیں سکتا ساق موجود ہو تو وہ تریب سے ایک ایک کو خاص پیمانے کے مطابق چائے گا، لیکن اگر ساق موجود نہیں تو تقسیم کا معاملہ خارج از بحث ہے۔ اس کے سوا چارہ نہیں کہ چٹکے ہی کو منہ لگا لیا جائے، مین جتن شراب کوئی پینا چاہتا ہے، پلے۔

اس شعر میں خاص پہلو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر محفل اور ہر دور سے کی تقسیم مرکزی شخصیت پر موقوف ہوتی ہے۔ شراب کی محفل میں ساق کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ تمام شراب نوش اسی کے طاعت و کرم پر نظر رکھیں گے۔ اگر مرکزی

شخصیت موجود ہو تو ترتیب و تنظیم ختم ہو جائے گی۔ ہر فرد بے ترتیبی سے جو پاس ہے گا کرے گا۔ مثلاً شراب کی محفل میں پیمانے کے مطابق پینے کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ ہر شخص جگہ کو منہ لگانے کے لیے مضطرب رہے گا۔

۴۔ لغات - سیاہ فاما بلی: بیل کا سیاہ گھر۔ یہ اس لیے کہا کہ عام روایت کے مطابق بلی کا خیر سیاہ رنگ کا تھا اور خود بلی ہم بھی بلی سے ماخوذ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا رنگ کا بھی ساوا لافتا۔ مولانا روم نے شذی میں ایک جگہ لکھا ہے کہ عقیدے میں کوٹیا کرو کیا تو وہ چنداں خوب صورت نہ لگی ہو چیا: کیا فری وہ بلی ہے جس کے لیے عیناں سرگرداں بھر رہا ہے؟

از بید خوابی تو انزوں نیست

گفت احاش شو تو عین شقی

۵۔ تمام عینوں سے بڑی ہوئی نہیں۔ بلی نے کہا: پُپ وہ (تو بون نہیں) **تشریح:** عینوں کا وجود صحرا کے لیے خیم و چراغ ہے۔ یعنی حوا جیسے بے رونق مقام میں پوری رونق عورت عینوں کے دم سے ہے۔ اگر بلی کے سیاہ شے میں اسے شمع کی حیثیت حاصل نہ ہوتی تو نہ سہی۔

مطلب یہ کہ عینوں کو بلی کی نرم لہڑ میں مستقل مابہ نہ ملے تو کچھ پیدا نہیں۔ اس کے دم سے سیاہی میں رونق کا بیگم گرم ہے۔

۵۔ **تشریح:** گھر کی رونق عورت ایک جگہ پر موقوف ہے۔ اگر سربت و شادمانی کا اثر نصیب نہیں تو کیا مضایقہ ہے؟ علم کا نور ہی سہی۔

کوئی شبہ نہیں کہ اس حوالے پر نا پائیدار زندگی میں انسانوں کو مختلف حالات پیش آتے ہیں۔ بعض کو یکے بعد دیگرے شادی و طہ دونوں سے سابقہ پڑا ہے۔ بعض پوری زندگی عیش و نشاط میں گزار دیتے ہیں۔ بعض کو رنج و غم سے ایک لمحہ کے لیے بھی حرا ج نصیب نہیں ہوتا۔ حقیقت پر نظر رکھنے والے عارف ایسی چیزوں سے بالکل بے نیاز ہوتے ہیں۔ وہ شادی و طہ دونوں کو بھی ہانتے

ہیں۔ اس زندگی میں دل لگی کسے کسے ایک کا وجود ضروری ہے۔ غائب کہتے ہیں کہ اگر جس خوشی منسوب نہیں ہو سکتی تو غم ہی ہے۔

یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ گھر میں رونق کی وہی صورتیں ہیں۔ یا مسرت کا ہنگامہ یا جو یا غم کا۔ مسرت و شادمانی پر بھی لوگ مہم ہوں گے۔ غم و الم اور رنج و ماتم کے موقع پر بھی مجدد و جوم کر سکے آئیں گے۔ اس طرح رونق کا انتظام ہو جائے گا۔ اگر دونوں چیزیں نہ ہوں تو کسی کے پیٹے آنے کا سبب کیا ہو سکتا ہے اور رونق کا انتظام کیونکر ہو گا؟

۶۔ مشرح : اگر سبب شرف نامیوں کے نزدیک صفی متہ غالب ہیں تو جوں ۔ شہ آواز ہے کہ کوئی میری تعریف کرے ۔ یہ خیال ہے کہ کہیں سے ملے۔

اگر کوئی فرد اپنی کسی چیز کے لیے شائستگی کی تمنا اور ملنے کی پروا سے بے نیاز ہو جائے تو اس امر کی کیا ضرورت باقی رہ سکتی ہے کہ دنیا اس کی چیز کے بارے میں کیا رائے رکھتی ہے ؟

مولانا شبلی نے بھی اس مسئلے میں ایک نہایت پر سادہ شعر کہا ہے : یعنی :

ازداد و از قبول تو غافل و نشست ایم

اے آگے خوب اندیشاں نہ نشست

جو شخص کسی فرد کی اچھائیوں اور برائیوں میں امتیاز نہ کر سکے ۔ اسی کے رویا قبول کی پروا کیوں ہو ؟

شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد مرحوم نے : آپ حیات میں جتنی تکلیف لوگوں کی دانتیں کھتی ہیں ۔ بھی سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ لوگ مرے اسکے کام کو بے معنی سمجھتے تھے ۔ خود بھی شائستگی ایسے انداز سے کی ہے ۔ جس میں تعریف کا پہلو صاف نمایاں ہے ۔ ساتھ ہی لکھا ہے کہ کام پر ایسے اعتراضات ہوں گے ۔ تو اس سبب بے نیازی کے بارشاد ہے کہ تعلیم سننے کا بھی بارشاد تھا ۔

اپنی غزل کے ایک شعر سے سب کو جواب دے دیا :

نہ سناؤں کی نسا، نہ سننے کی پردہ

گر نہیں چاہے اشرار میں سے کسی اور بھی

۴۔ لغات - علمِ خلیجی : عمر کا عام پیمانہ جو پہلے ایک سو میں

سال صحیح مانا تھا اب پچھتر اور اسی کے درمیان مانا جاتا ہے۔

تشریح : اسے ظاہر : اگر ہم دنیا میں عام پیمانے کے مطابق زندگی

بسر کر رہے کی قسمت نہ فی سہ تو کچھ معاف ہوتا نہیں۔ اسی کو غیبت سمجھنا چاہیے کہ

ہمیں عینوں کی محبت میں وہی گزارنے کی شان والی نصیب ہوئی۔

مطلب : کہ عمرِ خلیجی کی آؤڑ و نہیں اصل آؤڑ ہے کہ جینوں کی صحبت

قیمت ہے۔

۱۔ تشریح :

ہم اس خوشی

سے جلاؤ کے

آگے آگے جا

رہے ہیں کہ سر

کا سایہ پاؤں

سے دو قدم

آگے ہے۔

خوشی تو ہوتی ہے

کی سبب اور

آفتاب چھٹا

کی پشت پر ہو

عجب نشاط سے جلاؤ کے چمکے ہیں ہم آگے

کہ اپنے سامنے سے سر پاؤں سے بے دو قدم آگے

قصا نے تھا مجھے چاہا خراب بادہ الفت

فقط "شراب" لکھا بس نہ میل سکا قلم آگے

نہم زمانہ نے جھاڑی نشاطِ عشق کی مستی

وگر نہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذتِ اہم آگے

خدا کے واسطے داد اس جنوں شوق کی دین

کہ اس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے

یہ عمر بھر جو پریشانی اٹھاتی ہیں ہم نے
 تمہارے آئینوں کے فرقے بٹے غم بہ غم آگے
 دل و دگر میں پر افشائیں جو ایک موجِ خوں ہے
 ہم اپنے غم میں سمجھے ہوئے تھے اسکو دم آگے
 قسم جنازے پہ آنے کی میرے کھاتے میں غالب
 ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے
 تو اس کا سایہ اپنی
 سے آگے دیتا ہے۔
 شعر میں غور
 کا ایک پہلو ہے
 کہ نقل میں سرکش ہے
 اور سر ہستی کو پاؤں
 سے دو قدم آگے
 چلا ہے۔
 بجنوری مرحوم فرشتہ پند

”جب آفتاب و سہرو کی پشت کی جانب جوتا ہے تو سایہ سا پھرتا
 ہے۔ مرزا اور ہر کے قریب منقل میں جانے کے متعلق اپنا شوق یوں
 بیان کرتے ہیں کہ میرا سر پاؤں سے دو قدم آگے آگے ہے۔ اس
 کیفیت کو ہر شخص نفع انداز کے بعد خود دیکھ سکتا ہے۔“

۲۔ **شرح** : بقضا و قدر کی مرضی یہ تھی کہ مجھے خراب بادۃ الغلت و شرب
 عقیق میں پرست اور کئے۔ صرف ”خراب“ کا لفظ نظم سے نکالا تھا آگے کہ کچھ لکھا
 نہ گیا۔ یقیناً اس لیے نہ لکھا گیا کہ ”خراب“ لکھنے کے ساتھ ہی بقضا و قدر کے نظم
 پر یہ سنی غار ہی ہو گئی۔ گو یا مرزا غالب خراب بادۃ الغلت ہونے کے بھانسنے
 صرف خراب، تباہ حالی اور پرست ہو کر رہ گئے۔

۳۔ **شرح** : زانے نے ہمیں جو رنج و الم پہنچائے وہاں کا نتیجہ تو ہوا کہ
 نقاد و عشق کا نشہ ہی بہر ہو گیا اور ہم عشق سے جو نفع اٹھاتے تھے وہی اسی
 تر ہو گیا۔ جب تک دنیوی مسیتیں ہم پر نازل نہیں ہوئی تھیں، ہم محبت کے غم
 سے خوب مرزے لیتے تھے۔

اس شعر میں ”آگے“ کا معنی ”پیشرو“ استعمال ہوا ہے۔

۴۔ **مشرع** : عشق کی دیوانگی نے ہمارا جو حال کر رکھا ہے۔ خدا کے لیے اس کی داد دیجیے۔ یہ کتنا عجیب معاذ ہے کہ محبوب کو خط لکھ کر قلمبند کے حوالے کر دیتے ہیں، لیکن بیانیہ اضطراب میں قلمبند سے پہلے محبوب کے دروازے پر پہنچ جاتے ہیں۔

یہ کہ شہرِ محبت کی دیوانگی کا ہے۔ دیوانگی کا نقصان ہی یہ ہے کہ جو حرکت ہو وہ عقل و فہم سے عاری ہو۔ اب خدا بر ہے کہ خط لکھ کر نامہ بر کے ہاتھ بھیج دیا تو خود محبوب کے پاس روڑے جاتے کی کیا ضرورت ہے؟ اسے نہ بھولے، نہ جھوٹی شوق ہے اور حق یہ ہے کہ جہان کے جو مظاہر جانیں ہو سے وہ مرزا ذاتی ہی بیان کر سکتے تھے۔

۵۔ **لغات** - طرۃ بائے خم بہ خم : بیچ در بیچ زلفیں - تاجدار گیسو۔
- تمہارے آگے آئے - بدو ما ہے، ملکہ ٹوٹا کہتے ہیں - جو کچھ تم نے کیا ہے اور تمہارے آگے آئے۔

مشرع : اے محبوب کی بیچ در بیچ زلفو! ہم نے تمہارے لیے عمر بھر جو پریشانیاں اٹھائی ہیں، خدا کرے اور سب تمہارے آگے آئیں، یعنی تم ہمیشہ پریشان رہو۔

دیکھیے، بقا پر حدودِ ادبی، لیکن زلفِ محبوب کے لیے اس سے بہتر دعا کیا ہو سکتی ہے کہ وہ ہمیشہ پریشان رہے۔ کیونکہ پریشانی زلف کی سب سے بڑی خوبی اور سب سے بڑا حسن ہے۔

۶۔ **لغات** - زعم : گمان۔

مشرع : دل اور فکر میں خون کی ایک لہر تپ رہی ہے، جسے ہم ہمیشہ اپنے گمان میں سانس سمجھے ہوئے تھے۔

مطلب یہ کہ بنیاد سے سینے میں سانس نہیں، بلکہ خون کی ایک لہر ہے جو اسی طرح بھر رہی ہے، جس طرح پردہ پر بھڑ بھڑاتا ہے۔

مولانا صاحبزادے نے فرمایا ہے کہ دل کا تعلق تو ماضی سے ہے، مگر جگر میں
 ماضی کہاں؟ ماضی بھٹیچر سے میں ہوتا ہے، لیکن پیچھے پڑا اُس کا عارضی شش
 یا طربیہ ریتہ فیض غیر فیض تھے، لہذا شاعر نے ان کی جگہ، جگہ رکھی کہ بعض
 اندرون شے کو بھی جگر کہتے ہیں۔

۴۔ **شرح :** اسے غائب! اجنبی لوگوں کو پیشتر مجھ سے اتنی محبت تھی کہ
 میری زبان کی ختم کھاتے تھے، وہ میرے پیادے پر نہ آنے کی قسم کھاتے ہیں،
 یعنی آنے سے انکار کر رہے ہیں۔

مطلب یہ کہ پیشتر افراد زندگی میں انسان سے انتہائی محبت کے باوجود
 مرنے کے بعد اس سے یکایک جیزاد ہو جاتے ہیں، یہ عام تجربہ ہے، خصوصاً
 بچہ سے والد میں، کیونکہ یہ دور سراسر مادہ پرست اور لالچ باز ہے چونکہ مرنے کے
 بعد انسان سے جتنی کونئی مادی فائدہ اٹھانا ممکن نہیں، جی۔ اس لیے بے تعلقی
 اختیار کر لیتے ہیں۔ مرزا کے زمانے میں بھی عام حالت ایسی ہی تھی۔



۱۔ **شرح :**

میرا بے خبر محبوب
 شکوے کے نام سے

قفا ہوتا ہے۔ وہ

نہیں چاہتا کہ اس

کے حکم و جوڑ سے تعلق

اور شہنشاہی کے بارے

میں کچھ نہ بولے

چاہے۔ اتنی بات

میں مجھے زبان پر

شکوے کے نام سے بے خبر خفا ہوتا ہے

یہ بھی مت کہہ کہ جو کیسے تو گلا ہوتا ہے

پڑیوں میں شکوے سے یوں داگ سے جیسے باجا

اک ذرا چھریے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

گو سمجھتا نہیں یہ کہ حسنِ تلافی دیکھو

شکوہِ جور سے سرگرم ہوتا ہے

عشق کی راہ میں ہے چرخِ کوکب کی وہ پیاں
 سست رو جیسے کوئی آبد پا ہوتا ہے
 کیوں نہ ٹھہریں بہت ناوک بیداد کہ ہم
 آپ اٹھا لاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے
 خوب تھا پہلے سے جوتے جو ہم اپنے ہڈوا
 کہ جدا پا جتنے ہیں اور بُرا ہوتا ہے
 نالہ ہاتا تھا پر سے عرش سے میرا اور اب
 لب لبک آتا ہے جو ایسا ہی رہا ہوتا ہے
 غلام میرا کہ وہ ہے بارِ بزمِ سخن
 شاہ کی طرح میں یوں فتنہ سرا ہوتا ہے
 اسے شنناہ کو اکب سپہ و سرِ مسلم
 تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے
 ساتِ اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے
 تورد لشکر کا ترے فعل بہا ہوتا ہے
 ہر مجھے ہیں جو یہ بدر سے ہوتا ہے حال
 اسے شنناہ کو اکب سپہ و سرِ مسلم
 تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے
 ساتِ اقلیم کا حاصل جو فراہم کیجے
 تورد لشکر کا ترے فعل بہا ہوتا ہے
 ہر مجھے ہیں جو یہ بدر سے ہوتا ہے حال

نہ لانی پابھی کیوں کہ
 یہ میں لگے ہی کی
 ایک صورت ہے
 ۲۔ میں لگے
 شکوے سے اس
 طرح بھرا ہوا ہوں
 جیسے باہر والگ سے
 بھرا ہوتا ہے۔ اُنکے
 چھڑتے ہی فتنے
 نکلنے لگتے ہیں مجھے
 بھی ذرا چھڑ کر نشا
 دیکھیے۔ لگے شکوے
 کیونکر شروع ہو جاتے
 ہیں اور مزادع جو
 جابیں لگے تو ان کا
 سلسلہ ختم ہی نہ
 ہوگا۔

یہ معنوی مراد
 نے ایک اہل شعر
 میں میں دیکھا ہے

ان کے اسلوبِ فکر و فکر
 کے یہ بزرگوں کی توجہ نہ دے

ہیں جو گستاخ ہوں آئیں غزل خوانی میں

یہ بھی تیرا ہی کرم فزونی فرما رہا ہے

رکھیںو غائب! مجھے اس تلخ نوائی میں معنا

آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

سہ - لغات :

حسنِ تلافی : بھرا

طریق پر ہم لا دینا -

کسی کام کے سر انجام میں

کوئی کمی یا غلطی نہ ہونے

تو اسے بہتر طریق پر کر دینا

شرح : اگرچہ میرا محبوب کسی بے سادگی کے باعث میرے شکوکوں

اور غموں کا مقصد نہیں سمجھتا، لیکن میں کافی حد تک کیجیے کہ میں جیب کبھی اس

کے غم و غم کی شکایت کرنا ہوں تو وہ پیٹے سے زیادہ غم و غم شروع کر دیتا ہے۔

میں کافی سے ظاہر ہے کہ عاشق کا دماغ مزید غم و غم کے سوا کچھ نہیں

بجھتا اس حقیقت کو نہیں سمجھتا، تاہم جیب کبھی شکایتیں سنتا ہے تو دماغی

بغیر مزید غم و غم شروع کر دیتا ہے۔

یہ معنوں میں مرزا غائب نے ایک اور جگہ لکھا ہے :

تاکہ تجھ کو حسنِ طلب اسے ستم دیکھا دینا نہیں

بچے نقاش سے جفا، شکوہ پیداو نہیں

ہم - لغات - کوکب : گاندوں بھرا۔

شرح : عشق کے راستے میں سنا دی بھرے آسمان کی چال میں

ہے، جیسے وہ اسٹیشن آہستہ آہستہ چلتا ہے، جس کے پاؤں چھانویں سے بھرے

دوسے ہوں۔

آسمان کو تاروں بھرا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تارے آجوں سے مشابہ

ہوتے ہیں۔ گویا آسمان کے تارے بھی وہ اصل تارے نہیں، بلکہ اس کے پاؤں

کے چھانے ہیں۔

۵ - لغات - بدھ : نشاد

نادک : تیر

تشریح : ہم ظلم کے غیر کا نشانہ کیوں نہ بنیں ؟ اگر کوئی تیر تانے پر نہیں
بٹھتا اور خطا ہو جاتا ہے تو ہم خود اسے اٹھا لیتے ہیں اور نادک انداز کے چلنے
کر دیتے ہیں۔ یوں وہ سمجھ جاتا ہے کہ ہمیں اس کا نشانہ بننے کی انتہائی ضرورت ہے۔

۴۔ تشریح : بیماری قسمت کے ستارے کی قسمت کا یہ حال ہے کہ

ہم بعد کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں اور اس سلسلے میں انتہائی کوشش کرتے
ہیں۔ لیکن نتیجہ ہمیشہ بُرا ہوتا ہے۔ گویا ہم جو چاہتے ہیں وہ نہیں جوتا۔ بلکہ
اس کے برعکس ہو جاتا ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر کیا ایسا ہونا کہ ہم
مشرور ہی سے اپنے بد خواہ بن جاتے۔ چونکہ سرچیز بیماری خواہش کے
نفاذ پر مبنی ہے، اس بنا پر اپنی بد خواہی یقیناً بعد ان کا سبب بن جاتی۔

۵۔ تشریح : پہلے میری مزید دلفناں میں دتا زور تھا کہ دو عرش

سے بھی آگے نکل جاتی تھی۔ اب یہ کمینیت ہے کہ کسی مزید میں زیادہ سے
زیادہ دلفناں کی قوت ہو تو وہ سب اک آتی ہے، ورنہ اکثر آج میں بیٹھے ہی میں وہ
جاتی ہیں۔

۸۔ ۱۲۔ لغات : بار بار : غمزدہ پند پریشان و دیران کا

مشہور و داری گویا، جو شیراز کی سمت کا رہنے والا تھا۔

گو نگاہ سپہ : جس کی قوت متاثر ہے یوں یا شکاریا ستاروں کے ذریعہ

نور ڈالا۔

جس ظلم : سورج کے جھنڈے والا یا وہ جس کا جھنڈا یا پرچم سورج

جیسا ہو۔

باکرام : عزت، توقیر، بخشش، عطا۔

نعلی ہوا : غار سی مناد سے ہی وہ رقم جو کسی حمد اور کو حکم سے نہیں

کرنے کے لیے آوا کی جاسکے۔ اسے یہ میں وجہ نعلی ہوا کہتے ہیں کہ وہ حمد آؤ کے

گھوڑوں کے غلوں کی قیمت ہوتی ہے۔ افضل بندی کی رقم کو بھی کہہ سکتے ہیں۔
 ناخیرہ سا۔ پیشانی، گھسنے والا۔

مشرع : میرے قلم کو شعر کی محفل میں حضور پر بزرگ معنی کی حیثیت حاصل ہے۔ جس کا نام بادہر تھا۔ اب میرا قلم غزل کو پھونک کر بادشاہ کی محفل میں یوں نمودار ہوتا ہے۔

اے شہنشاہ و جس کی لوح شاد سے اور جس کا علم صوری ہے یا جس کی لوح شاد سے
 کہ برابر اللہ جہنڈا سودا جیسا ہے، تو نے جس میں کو عزت و توقیر بخشی اس کا حق کون
 ادا کر سکتا ہے؟

اگر سب سے دور تو میں پوری دنیا کی آمدنی اکٹھی کر لی جائے تو وہ رقم میرے شعر
 کے گھوڑوں کی محفل بندی کی قیمت ہوگی۔

ہر جہیزے پر اجازت ملتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ قریبی عزیز پر پیشانی
 لکھتا رہتا ہے یعنی پیشانی لکھتے چاند کی گود میں رات روز ختم ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک
 کہ وہ صحت پال رہا ہوتا ہے۔

میں نے غزل کہتے کہتے روح شروع کر دی۔ مگر یا غزل کے دستور کی پابندی نہ کرتے
 ہوئے گستاخی سرزد ہوئی۔ اب بھی قریب ہی لطف و کرم کا کرشمہ ہے۔ جو مجھ میں روح کا
 ذوق صدمہ بڑھاتا رہتا ہے۔

۳۱۔ لغات - تلخ قوائی - وہ یا نہیں گستاخ ہوں۔ وہ دھیرے نفیے لفظ

مشرع : اے غائب! میں ادھر دھیرے نفیے لکھ رہا ہوں۔ لیکن معافی
 کا خواہشگار ہوں۔ انھیں کہہ کر بے مزہ نہ ہونا۔ کیونکہ مجھ میں آج میرا دل
 بہت ڈکھ رہا ہے۔



ہر ایک بات پر کہتے ہو تم کو۔ تو کیا ہے؟
 ۱۔ **مشرع :** اے محبوب! تمہیں کہو کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے؟
 یہ تو بھی بات نہ ہوتی ہے؟

نہ شعلے میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا
 کوئی بتاؤ کہ وہ شوخ شہ شوخ کیا ہے ؟
 یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے
 وگرنہ خوب بد آموزی عدو کیا ہے ؟
 چمک رہا ہے بری پمہ سو سے پیرا میں
 ہمارے جیب کو اب عاجت رفو کیا ہے ؟
 جلا ہے ہم جہاں دل میں جل گیا ہو گا
 کر دیتے ہو جواب ، اکھٹے ہو کیا ہے ؟
 دگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قابل
 جب اکھٹے ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لٹو کیا ہے ؟
 وہ چیز جس کے لیے ہم کو ہر وقت عزیز
 سوائے بادۂ گلخام ہمشکبہ کیا ہے ؟
 یہیں شراب اگر تم بھی دیکھ لوں دو چار
 یہ ہمیشہ و قدر و کور و وسوسہ کیا ہے ؟
 رہی نہ طاقت گذار اور اگر ہو بھی
 تو کس امید یہ کہیے کہ آرزو کیا ہے ؟

ہوں گزرتے ہو تو کوئی ہے ؟
 تیرا کیا حقیقت ہے ؟ خود ہی
 فرماؤ کہ آخر ہانت جیت کا یہ کونسا
 طریقہ ہے ؟

چاہیے کہ بات اچھی
 سے سنی جائے اس پر غور
 کیا جائے ، اگر اس میں واقعی
 کوئی غامی ہو تو کڑوا جائے کہ
 یوں نہ ہو ، لیکن یہ کیا طریقہ
 ہے کہ شے ہی ہوں اٹھتے تیری
 کیا ہستی ہے ؟

۳۰۔ مشرح جب
 میں چاہتا ہوں کہ محبوب کو شل
 سمجھوں تو سوچتا ہوں کہ شے
 میں تو وہ کرشمے نہیں ہو سکتے
 جو اس طرح ہیں ، پھر جان
 ہوں کہ اسے بھی ترادے ہوں
 مگر میں اس کے سے غلوں
 اور اداسی کا ، ہاں ہاں ہے ؟
 گرد و خاک شہ تو شعلہ نہیں ،
 بجلی شہ تو توہم کے ہے تیار
 یہ ہے کیا ؟

۳۱۔ لغات ۔

نہا ہے شہ کا مصاحب پھر سے ہے اتر آنا
بعد آنکڑی : بری
ہاتھیں میکھا دے لفظ راستے
پہڑا نا۔

شرح : اسے محبوب باقم رقیب سے باتیں کرتے ہو۔ اس بات کا تو کوئی فکر
نہیں کہ وہ نصیب ہوگی باتیں میکھا دے لفظ راستے پر ڈال دے گا۔ کیونکہ تم کسی کے
چلنے میں آری نہیں سکتے۔ البتہ یہ دنگ دوسے بار دے گا اسے تم سے بات چیت کرنے
کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔

۴۔ شرح : بہادر پیرا میں لوگوں کو دولت بین پر چپک گیا۔ اب ہمارے
گرمیوں کا چاکہ رو کر نے کی کوئی ضرورت نہ رہی۔

جسم سے خون نکل آئے اور اس میں کیرا تر ہو بیٹھے تو وہ خشک ہو کر اس طرح غیم
سے چپک جاتا ہے کہ اسے جھٹک کر تھکے ہیں۔ اکثر دیکھا ہو گا کہ زخموں پر پٹی باندھتے
ہیں تو ابتدا میں وہ بھی لوہ کی مٹی کے باعث زخم سے چپٹ جاتی ہے۔
پھر ڈانٹنے یہ مصنوع فارسی کے ایک شعر میں بھی باندھا ہے :

ہو تجھ سپید بازم از خم خوننا یہ پیرا میں

خراش سینہ سطر بخیر شد چاکہ گرمیوں کا

۵۔ شرح : سوز عشق نے جہاں جسم کو جلادیا وہاں دل بھی جل گیا ہو گا۔

اسے محبوب : اب دیکھو گرمیوں سے تمہارا مقصد کیا ہے : اگر دل کی خراش ہے تو بالکل
منقول ہے۔ کیونکہ وہ جسم کے جل جانے کی حالت میں جھٹکا کیونکر ہو سکتا تھا ؟

۶۔ شرح : مجھ اس لوگ کے قافی نہیں جو دلوں میں دوزخا چر رہا ہے ہر

نزدیک تو جو ہوا اس سے ڈپٹے وہ لوگ ہیں !

نہا لہو دہانی خزانے میں :

شعرا اپنے خود دست ہونے کا حقوق بہتے کہا کرتے ہیں۔ مستحق نے اسے
نہتے ہوئے کہا اور میں بندل دیتے تھے اور اسے آواز میں انھوں نے سنا تو بھلا کیا

۸۔ **مشرع :** جنت میں بھی بہت سی نعمتیں ملیں گی، بہر شرم کے چھوٹی اور دوسری نعمتوں کے علاوہ چار قسم کی میزوں کا ذکر تو خود قرآن مجید میں ہے، مثلاً پانی کی میز، جو گڑھا نہیں، اور رک کی میز، جس کا مرنہ نہیں ہوتا، صاف کیے ہوئے شد کی میز اور شراب کی میز، جو پیئے والوں کے لیے لذت کا باعث ہوں گی۔ سر افراسے ہیں کہ بہشت کی نام نعمتوں میں سے جس نعمت کی بدولت ہمیں یہ حق ہے، وہ شراب کے سوا کیا ہے، جو پھول کی طرح مسرت بخور اور شہ سے ٹٹک کی ٹٹیں آئیں، لذت بخش ہیں۔

۹۔ **مشرع :** میں شراب کے دو جامے دیکھوں تو یہاں شروع کروں یہ صراحتی پلار، لکڑہ اور سیوکی حیثیت رکھتے ہیں، اتنی حقوی شراب دیکھ کر میرے دل میں چنے لاشوق جوش زن ہو سکتا ہے ؟

۱۰۔ **مشرع :** اہل قریم صفت سے اس حالت کو بچ گئے کہ بات کرنے کی تاب دونوں ہی ذہنی اگر کہہ کر میں کہتے ہوں تو کس امید پر کہیں کہ ہاری آرزو کیا ہے ؟

گویا محبوب نے شہر بھر نو بات مذہب بھی، یہاں تک کہ ہماری زندگی کا آخری وقت آگیا اور ہر حال میں مشکل ہو گیا۔ اب میں حریف مطلب نہ رہاں تو امید کیا ہے کہ وہ توجہ سے سنا جانے لگا ؟

مولا کا خطابانی فرماتے ہیں :

• آت سے پہلے کہ آرزو میں کام تمام ہو گیا، حالت گفتار تک باقی نہ رہی، مگر کبھی ذہنی سے حریف شوق نہ نکلا، نہ نے نا امید رہا جس نے غریب مطلب کا خون کر کے دل کی دل ہی میں دے دی ؟

۱۱۔ **مشرع :** غائب کو بادشاہ کا صاحب بنایا گیا ہے اور اس عزت پر وہ اذرا آچرا ہے اور نہ شرم اسے کون پوچھتا ہے ؟

مولا کا خطاب لہذا فرماتے ہیں : بادشاہوں کے لیے لذت سے کرا خفا بہ نظر ہے کہ

دریا اور انڈی کو، علی بن ابیہ ایک متہذبی معنوں ہے، جسے حجاز شہرت ہے، ٹوٹ کر
 کرتے ہیں، مصنف کی انت پر انداز کی کا نقد دیکھیے کہ اس پر اسنے معنوں کو حجاز انت
 میں ادا کیا ہے :

میں انہیں چھڑیوں اور کچے بڑکیں چل نکلتے جوئے چنے ہوتے
 قہر ہو یا بلا ہو، جو کچھ ہو کاش کے تم میرے لیے ہوتے
 میری قسمت میں غم گر آتا تھا دل بھی یاد ب اکئی دیے ہوتے
 آبی جاتا وہ راہ پر غالب کوئی دن اور بھی بھیجے ہوتے

۱۔ لغاتے - چل نکلتا : صر سے بڑھ جانا - تیز ہو جانا۔
 مشرح : قہر کی بات ہے کہ میں انہیں چھڑیوں اور کچے بڑکیں، اگر
 وہ نکلے کی حالت میں ہوتے تو صر اور کچھ پر جس پر تے اور ایک ہنگام ہو جاتا۔
 مطلب یہ ہے کہ محبوب شراب کے نشے میں اپنے سے باہر ہو جاتا ہے، اگر
 نشے کی حالت نہ ہو تو چھڑیوں کی بھی پتھریاں پر اٹھیں کرنا۔

۲۔ مشرح : میں نے مان کہ تم قہر ہو یا بلا ہو، آفت ہو یا قسمت ہو، جو کچھ
 میں ہو، کاش میرے لیے اور صر میرے لیے ہوتے۔

شر سے معلوم ہوتا ہے کہ عاشق نے محبوب سے بات کی اور اپنی دل آوازوں
 کا اظہار کیا۔ محبوب نے بے پردائی کے انداز میں کہ دیا کہ تجھ سے عشق و محبت تو کرتے
 ہو، لیکن یہ بھی ماننے ہو کہ میں کیا ہوں : میں قہر ہوں، بلا ہوں، عاشق کتا ہے کہ
 جو کچھ میں ہو، مجھے منظور ہے۔ مگر صر میرے بے دہو۔

جو کہ سیکڑی میں کہہ بھی ایک، صوب بیان ہے، جس میں ایک طرف محبوب کی
 تذخوئی، پہلے مراد فی اور ہے پردائی کی تصویر کھینچی گئی ہے، دوسری طرف اپنے

انہی ٹی شوق و محبت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔

سلا۔ **شرح :** شعر کا مانت مضرب یہ ہے کہ غم و الم کی مقدار اتنی بڑھ گئی ہے جتنے پہلے کے لیے ایک دل کافی نہ تھا، جبکہ بہت سے دل ہونے چاہیں تھے، ایسے موقع پر تشریح اٹھانے کے سوا کت پیدا کرنا بالکل بے عمل ہے۔ شاعر اپنا تاثر پیش کر رہا ہے اور اس کے لیے طریقہ ایسا اختیار کیا ہے جو بالکل عجیب اور نظری ہے۔ غلوں کا تحمل دل کا کام ہے۔ شاعر کہتا ہے میرے غلوں کی فراوانی کا معاملہ میرے بڑھ گیا ہے۔ اگر قصداً قصداً غلوں کی اتنی بڑی مقدار میرے لیے مختار کر دی تھی تو کاش مجھے دل بھی زیادہ دے دیتے ہو جتنے تاکہ میں اس مقدار کو مختلف دلوں میں بانٹ دیتا اور ان کی برداشت نہیں ہو پاتی، یہ اسلوب ممدی زبان میں بالکل نیا ہے جس سے کہ اتنا جامع اور قوی ہے جس کا صفت پائی نہیں صرف دہرائی ہے، مراد اسے اس طرح آنکھوں کے لیے بھی ایک جگہ کافی ہونے کا اظہار کیا ہے۔

ہے غلوں جگر خوش میں، دل لکھوں کے رونے

ہوتے جو کئی دم فرتوتا بہ قشہ یں اور

م۔ **شرح :** اسے ثابت ! اگر میری زندگی کچھ دل اور ساتھ ساتھ اور محبوب کی محبت میں بہ ستور ہر گرم، بہتے تو دھڑلے ہمارے اکٹا ہن لینا۔

بظاہر اس شعر میں دو پہلو پیش کیے گئے ہیں اور دونوں متضاد ہیں۔ اول یہ کہ ہم زندگی محبوب کو، اور دوسرے کے لیے کافی ثابت ہوئی۔ اس باب میں مزید کسی وک سسٹش کی ضرورت تھی، جو کچھ قلم سے بچھینے کی بنا پر کی جا سکتی تھی۔ دوم یہ کہ ہمارے ہونے کی کوئی وجہ نہیں، محبوب ایسا نہیں کہ کہتا بالکل نہ مانے، ایسا منت بہت کے لیے وقت زیادہ صرف کرنا پڑتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شاعر نے حوالہ امید و تم کے درمیان تعلق رکھا ہے، اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محبوب کی روشن ایسی نہیں، جو بالکل بالیسی پیدا کر دے، اگرچہ ہمارے زندگی میں وہ ہم پر سرائی نہ ہو۔

غیر میں محفل میں جو سے جا کے ہم میں یوں تشنہ لب پیغام کے
 خشکی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ تھکنڈے میں چرخ نیل غم کے
 خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے
 ذات پائی نذر مہر سے اور صبح دم دھوئے دھبے جانہ احرام کے
 دل کو آنکھوں نے چھنایا کیا مگر یہ بھی ملے ہیں تمہارے دم کے
 شاہ کی ہے غفلت کی خبر دیکھیے کب دن پھر میں جا کے
 عشق نے غالب نکلتا کر دیا ورنہ ہم بھی آدنی سنے کام کے

۱۔ **شرح :** نصیب سے مراد محبوب کی محفل سے اور پیغام سے اشارہ پیغام
 کی طرف ہے۔ یعنی اسے محبوب ! غیر تو جری محفل میں سب سنا کے ہوتے رہے
 ہیں۔ گو یا ہم سب سب کر شراب پی اے ہیں اور ہم پیغام طلب کے لیے بھی تشنہ
 ہیں۔ یعنی ہمارے کو بھی ترس رہے ہیں۔
 ۲۔ **لغات :** تشنہ محال و تشنہ دل : بربادی۔

شرح : ہم اپنی بربادی و تباہ حالی کا گم نام سے کیا کریں ؟ یہ تو جلتے
 رنگ کے آسمان کی حیلہ بازی ہیں۔ حیلہ بازی اور رتھ بازی ہیں۔ یعنی جہر پر تو حیلہ بازی
 آتش و دودھ کی قدر میں نہیں۔ اسے محبوب ! تم سے ہی کا گم کیا ہو سکتا ہے ؟
 ۳۔ **شرح :** ہم براہِ تمیں خط لکھتے رہیں گے۔ اگر کہنے کے لیے کوئی
 نئی بات نہ ہو۔ کیونکہ جو کچھ کہنا تھا وہ بات ہے کہ چلے ہیں۔ ہیں خط کھینچنے
 سے کوئی طرز نہیں۔ صرف یہ چاہئے ہیں کہ تمہارا نام یاد رہے کہیں۔ کیونکہ ہم اسی
 کے عاشق ہیں۔

۴۔ لغات - زمزم : گنبدِ مکہ میں کاشفِ کونوں جو کچھ سے صرف چند گز کے فاصلے پر مسجدِ الحرام کے اندر واقع ہے۔ اس کا اپنی مینا مسنون ہے۔ حدودِ بریں صحت کے لیے ہے جو سفید ہے۔ لوگ پیسے، زبے اور تکیاں بھر بھر کر ہاتھوں بزرگِ اعظم عالم میں سے جاتے ہیں۔

جامعہ احرام : احرام کے معنی میں پہنے اور حرام کو لینا، چھ اور عمرو کے موقع پر حرم پاک جانے کے لیے ایک خاص لباس پہنا جاتا ہے۔ جسے جامۃ احرام یا عتقۃ احرام بھی کہتے ہیں۔ یہ صرف وہ چادریں ہوتی ہیں، ایک گرمی یا نہ ہونے کے لیے، دوسری اونٹنے کے لیے، ان میں سفائی یا نکل نہیں ہوتی، سر نکالنا جاتا ہے۔ مختلف اطراف کے آدمی چھ و عمرو کے لیے جائیداد تو ہر طرف خاص مقامات مقرر ہیں، جہاں سے فسیل کے بعد یہ لباس پہن لینا چاہیے ساتھ ہی وہاں سے چھ و عمرو کے بعد جامۃ احرام آنا سب سے زیادہ مستحب ہے۔ یہ خاص پابندیوں کا حامل ہو جاتی ہیں اور اسی مسئلے میں جنتِ بائراور بھی متعلقہ وقت کے لیے ترک کر دینے چاہئے ہیں۔

مشرع : ذاتِ ہریمِ زمزم پر بیٹے مزارب پتے، ہے، جو جہاں تو اسی کے پانی سے جامۃ احرام کے، جتنے دھو کر ذرا پانی حرم پاک میں نہالی جائے۔ ایک ہراس سے مقصود نہ ہی نہیں، بلکہ یہ چانا چاہئے ہیں، ہم نے ہر حال میں بے شمار گناہ کیے، لیکن چھ کر کے میں ان جوں سے پاک ہو گئے، کیونکہ چھ نام پچھلے گناہ دھو ڈالتا ہے۔

۵۔ لغات - کیا : کیا، کس طرح، کیونکر۔

مشرع : دیکھو، میری آنکھوں نے کس طرح میرے دل کو خدا سے شوق کے حال میں چھلایا، شاید میری آنکھیں بھی تمہارے حال کے محفلے ہیں۔

مطلب یہ کہ میری آنکھیں صلیب و کچیتیں، نہ والی تعمیرِ عہد کے چھوٹے
 میں چلتے۔ آنکھوں کو تھارے بال کے جھٹکے اس لیے کھتا ہوں کہ انہوں نے بھی
 کام انجام دیا۔ جو تھارے ساتھ گیسو انجام دیتا۔

۴۔ مشرح : افواہ ہے کہ بادشاہ نے بیماری سے شفا پائی اور غسلِ صحت
 کرنے والے ہیں۔ دیکھیے۔ تمام کے دل کب بھر میں اس کی منت کب سارا گار
 ہو اور اس کی تقدیر کو کب چار چاند لگیں !

بہادر شاہ جو لڑائی مشعل میں سخت بیمار ہو گئے تھے۔ بیماری نے طول
 کھینچا اور خاص وقت تک ان کی صحت کے بارے میں پریشانی رہی۔ شفا ہوئی
 تو فوری صحت کا انتظام کیا، اگر صحت کے باعث غسل ۲۱۔ صفر مشعل ۱۰۲۰
 مشعل ۱۰ تک ملوئی رہا۔ بلا ہر حال غزل اگست ۱۰ ستمبر مشعل کی ہے۔ یعنی شفا
 اور غسل کی درمیانی مدت کی۔

۵۔ مشرح : اسے غالب ! عشق نے بھی کسی کام کا نہ دیکھا عہد ہم
 پہنچاں گئے گزرتے تھے۔ خود مرزا نے مرگو پائی نعت کو ایک خط میں یہ مقرر
 کھینچتے وقت تصور اساتیرت کر دیا تھا۔ یعنی :

صفت نے غالب لکھا کر دیا

دایم الدین اتھوئے "میر دلی" میں لکھا ہے کہ میں نے یہ شعر مرزا کے
 سامنے پڑھا تو فرمایا : "بھئی ! چپ رہو۔ یوں کہو کہ :

صفت نے غالب لکھا کر دیا

یا

دیر سے غالب لکھا کر دیا

عشق کیسا، عاشقی کا وہ زمانہ نہ رہا۔

(اقوال غالب مشعل)

پھر اس انداز سے بہار آئی کہ جوئے بہار و ماہ تماشا فی
 دیکھو اسے ساکنانِ خطہ پاک؛ اس کو کہتے ہیں عالم آرائی
 کہ زمیں جو گئی ہے سہر تا سہر روکشِ سطحِ چسورِ رخِ مینائی
 سبزے کو جب کہیں بگڑ نہ لے بن گیا۔ دسے آبِ بہار کا فی
 سبزہ و گل کے دیکھنے کیلئے چشمِ زرگس کو دی ہے مینائی
 ہے ہوا میں شراب کی تاثیر بادِ نوشی ہے بادِ بہار فی
 کیوں نہ دنیا کو جو خوشی غالب شاہِ دیندار نے شفا پائی

۱۔ شرح : یہ ایک مستقل نظم ہے۔ جس کے تمام شعر مسلسل چلے جا رہے
 ہیں۔ پھر بہار ایسے روکش و کش اور دوا دین اور انداز میں آئی کہ آسمان پر پہنچا اور سورج
 اس کے تماشا فی بن گئے۔ یعنی اس سے عطف اٹھانے لگے۔

۲۔ شرح : اسے حلقہ خاک یعنی زمیں کے بستے والو دنیا کی کرشمی و زیبائی
 اسے کہتے ہیں۔ مینا ہمارے آکر دنیا کے گوشے گوشے کو آراستہ کر دیا۔

۳۔ لغات : روکش : شرمندہ کرنے والا۔

چرخِ مینائی : چاند رنگ کا آسمان۔

شرح : زمیں ایک سرے سے دوسرے سرے تک سبز جو گئی اور نیلیوں
 آسمان کی سطح بھی اس کے ساتھ شرمندہ ہونے لگی۔

۴۔ شرح : سبزے کی کثرت کا یہ عالم ہوا کہ جب اس کے پے زمین
 پر کوئی بگڑ باقی نہ رہی تو وہ پانی کی سطح پر کاٹی ہوئی لگا۔

۵۔ شرح : سبزے اور چیلوں کو دیکھنے کے لیے عام آنکھیں تو نہیں ہوتیں۔

جوش بیدار نے دنگس کی آنکھ میں بھی مینائی پیدا کر دی

۶۔ لغات - باور مینائی : میوہ پھانگنا ، منہ دوسے میں نغزول اور محبت کا مکرنا۔

شرح : بیدار کے باعث جو اس شراب کی تاثیر پیدا ہو گئی ہے اور شراب نوشی اب ایک نغزول کام ہے یا میرا میں چلیں چھری تو شراب نوشی کا سرور حاصل ہوتا ہے۔

۷۔ باور مینائی : کے دو ذوقی منہ سے ہاں سکتے ہیں۔ اول بیدار کی خواہش اس درجہ نشاط بخشنے ہے کہ ہوا نوشی کی عزت سے نہیں رہی۔ کیونکہ جو اس شراب کی تاثیر موجود ہے۔ دوم یہ کہ جو اکلانے کو نکلیں تو یہ بھاسے خود ہوا نوشی ہے۔ گویا ہوا اکلنا جو شراب مینا ہے۔

۸۔ شرح : اے غائب ! دنیا کو کیوں خوشی نہ ہو ؟ بھاسے ہر بیدار بادشاہ کو اشد سے اپنی رحمت سے شفا بخشتی۔

۱۔ لغات :

تفاعل دوست ہوں میرا دماغ عجز عالی ہے
تفاعل دوست : بے توجہی اور بڑا اتفاق کو پسند کرنے والا۔
اگر پہنوتی کیجئے ، تو با میری بھی ثانی ہے
پہنوتی کرنا : کنوارہ کشی اور ملیں گی
رہا آباد عالم اہل سمیت کے نہ ہونے سے
نفسیاد کرنا : پرہیز کرنا
بھرے میں جس قدر ہام و سبوحینا خالی ہے

شرح : میں توجہ کو نہیں دے توجہ کو ، تو اصح کو نہیں دے دلی کو پسند کرتا ہوں اور میرے عجز کا دماغ بہت بلند ہے۔ یعنی میری ہا جزئی اور کمر نشی کو یہ سمیت اونچا ہے۔ اگر آپ مجھ سے طفل میں کنوارہ کشی کریں تو بے اتفاقی

برقیں فرمیری بلکہ میں آپ کے لیے خالی ہو گی۔

مصلحت یہ بلکہ خالی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم کے طور پر کسی شخص کے لیے اپنی بلکہ خالی کر دی جاسے۔ یعنی آپ کے اتفاق پر میں میں بلکہ جیسے وہوں کا شعر کا پورا معنیوں پہلوئی اور "خالی" کرنے پر مبنی ہے۔ مراد یہ ہے کہ میں ہے اتفاق کو اپنے لیے تعلیم و تکریم کا باعث سمجھتا ہوں۔

یہ مسئلہ تو اس میں بھی ایک جگہ کہا ہے !

وہاں غرض تھا غرض غرض مگر گئی تو اللہ یہ

تھی تھی مگر پہلو : یہاں ملو رہا جاو

نہاں شرح : خواہ خالی فرماتے ہیں !

یہ خیال شاید کسی اور کے دل میں بھی گزرا ہو۔ مگر قبیل نے اس

کو بالکل ایک اچھوت معنیوں بنا دیا ہے اور شعر کو نہایت بلند کر

دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ دنیا میں اگر اہل ہمت کا وجود ہوتا تو دنیا کو

حقیر ناچیز سمجھ کر اس کی طرف التفات نہ کرتے تو دنیا دیرانی جو

ہوتی۔ پس ہاں پانچویں کے عالم اسی سبب سے آباد نظر آتا ہے کہ

اہل ہمت معذور ہیں۔ یعنی جس طرح مچھانے میں عام دھوکا شرب

سے بھرا دینا اس بات کی دلیل ہے کہ مچھانے میں کوئی سمجھ دہی

ہے۔ اسی طرح عالم کا آباد ہونا دلالت کرتا ہے کہ اس میں اہل ہمت

معذور ہیں۔

اہل ہمت سے معذور ہے دنیا کو ٹھکانے اور اس سے بے نیاز نہ ہونے کے

لئے اگر ایسے لوگ موجود ہوں تو دنیا دیرانی ہو جاتی۔ چوں کہ وہ آباد ہے اسی

لئے سمجھنا چاہیے کہ اہل ہمت ناپید ہیں۔ مثال اس کی یہ ہے کہ اگر شراب خانے

میں چائے اور شکر شراب سے بھرے جو سے سوڑا ہوں تو صحیح دینا چاہیے کہ

شراب خانہ میزواروں سے خالی ہو گیا۔ کیونکہ اگر دو عموں ہوتے تو نام نہاد

شراب سے میرے کیونکر رہتے ؟

کب وہ سنتا ہے کہانی میری ؟	اور پھر وہ بھی زبانی میری
خلش غمزہ شوخیز نہ پوچھ !	دیکھ خوں نابہ نشانی میری
کیا بیاں کر کے مراد میں گے یار ؟	مگر آشفہ بہانی میری
ہوں نہ خود رفتہ بیدائے خیال	بھول جاتا ہے نشانی میری
مقابل ہے مقابل میرا	رک گیا دیکھ روانی میری
قدم سنگ سہرہ رکھتا ہوں	سنت اندازاں ہے گرائی میری
گرد باد روئے تابی ہوں	عصر عشق ہے زبانی میری
زمین اس کا جوڑ معلوم ہوا	کھل گئی بیچ روانی میری
کرو یا شغف نے عاجز نائب	تنگ پیری ہے جوانی میری

۱۔ مخرج : محبوب میرے عشق کی دردناک داستان سننے کا درد اور کیا
ہو سکتا ہے ؟ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ داستان میری زبان سے کہے
جب اس داستان کا کسی کی زبان سے بھی ملتا لیکن نظر نہیں آتا تو خود میری
زبان سے سننے کی امید کیا ہو سکتی ہے ؟

مولانا اعلیٰ بانی فرماتے ہیں ، مرزا غالب نے اس شعر میں سننے کے دو مرتبے
پیدا کیے ، اول عشق کی کہانی سننا ، دوم عاشق کی زبانی سننا :

”یہی امر خوب شعر کا باعث ہوا ہے اور معانی میں ایسی نادر تکمیل

ہمیشہ لطف دیتی ہے، دوم سارے شعر کے الفاظ ایسے درست و

ہیں کہ معلوم ہوتا ہے، پہلے ہی فکر میں دونوں شعر لکھ لئے۔

۲۔ **شرح :** جب میری آنکھوں سے خون بہنے کا سلسلہ جاری ہے تو
یہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے کہ غزلہ خورشید کی کھٹک کی کیا کیفیت ہے، جب
اس کیفیت کی گواہی مانتے موجود ہے تو پوچھنے کا کیا مطلب؟ یہ سب کچھ تو
میری خوشنقشانی دیکھ کر معلوم کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ **شرح :** دوست احباب میرے مرجانے کے بعد گویا شخصیت
یاد کر کے مجھے رونیں گے؟ اور تو مجھ میں کوئی خصوصیت ہے نہیں، صرف ایک
جیسے اور وہ یہ کہ دیوانگی اور یہ دنیاں عالی ہیں وقتاً فوقتاً اٹلی میدان باقی
کرتا تھا، جس میں نہ کوئی تڑپ تھی اور نہ ان کا کوئی ٹھکانا تھا۔

عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی مرجانے تو عزیز اور دوست مرنے والے
کے بیاں دوست یاد کر کے دوستوں میں اور تعزیت کی مجلس میں، خاص صحبت
کا ذکر ہوتا رہتا ہے۔ شاعر نے یہاں اپنی سب سے بڑی خصوصیت آشفتہ بیاں
قرار دی۔

۴۔ **لغات :** بیدار : صبر، اجنگی، بیاہن۔

شرح : میں خیال کے بیاہن میں از خود رفتہ ہو چکا ہوں، یعنی اپنے
آپ کو گم کر بیٹھا ہوں۔ میرا پنا نشان صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ احباب مجھے
بھول جائیں۔

۵۔ **لغات :** مستقبل : مستعار، بالمقابل، باجم مقام کرنے والا۔

شرح : مقابل سے بیاں مراد محبوب ہے، ترک جانے سے مراد ہے
چپ ہو جانا، خلفا ہو جانا۔ روانی، لطیف گوئی، بزلہ سبکی۔

خود مرزا غالب سے حمید اللہ آق شاکر کو اس شعر کی شرح یوں لکھی ہے :
"مقابل و مستعار کو کون دھانے کا؟ نور و غفلت، شادی و غم راحت لگتا"

اور معلوم۔ مقابلہ اس شعر میں نہ مسمیٰ مرجع ہے، جیسے قرینہ
کہ یہ معنی دوست کے بھی مستقل ہے۔ مضمون شعر یہ کہ ہم اور دوست
اندوہنے خود عادت عینہ ہم دیگر ہیں۔ وہ میری طبع کی روانی
دیکھ کر رک گیا۔

مطلب یہ ہے کہ میں اور محبوب متحد ہم دیگر ہیں، میری طبیعت نہروں پر
پرکھتی۔ پہلے در پہلے لطیف گوئی اور بزرگ بینی سے کام لے رہا تھا۔ محبوب نے یہ
کیفیت دیکھ کر تو خپ ہو گیا، یعنی بات چیت ترک کر دی۔ سمجھنا چاہیے کہ
اسے میری طبیعت کی روانی پسند نہ معلوم ہوئی اور ناراض ہو گیا۔
۶۔ لغات۔ گرائی : وزن میں بھاری ہونا۔ قدر و قیمت ہیں
پتہ پایہ ہونا۔

اثر ازل : وزن میں ہکا، قدر و قیمت میں بے حقیقت۔
شعر میں دونوں لفظوں کے دونوں معنی شاعر کے پیش نظر ہیں۔
مشرح : خواہو حال اس شعر کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :
میر نے قدر اس شعر کی ہے۔ جو راستے کے سرے پر پڑا ہو اور
ہر شخص اس پر آتے جاتے پاؤں رکھ کر گزرے، یعنی ہوں تو
گراں قدر۔ مگر اس شعر کی طرح بے قدر ہوں۔ پس میری گرائی
کس قدر اذہاں ہے :

جو پتھر راستے میں پڑا ہو یا جو بھاری ہونے کے باوجود سخت بے قدر
ہوتا ہے۔ کیونکہ آٹے جانے والے سب اسے پامال کرتے ہیں۔ وہی کیفیت
مرزا غالب کی ہے کہ قدر و قیمت میں بڑھا چڑھا ہونے کے باوجود بالکل
بے حیثیت سمجھے جاتے ہیں۔

مرزا نے یہ مضمون ایک نادر سی شعر میں بھی بیان کیا ہے :

نامکس نہ تو مندی تھا ہر نہ شود کس
چوں تنگ نہ بود کہ گراں دست و گراں نیست

۷۔ لغات - گرو باد : گولہ۔

عصر حاضر : آندھی۔

تشریح : میں بے تابی کے راستے میں ایک دو تپ کھانے والا گولہ ہوں۔
شوخی کی آندھی جیسے وجود میں لانے کا موجب بنی۔

مطلب یہ کہ میں گولے کی طرح بیقرار ہوں۔ مجھے کسی پہلو میں سکون نصیب
نہیں ہو سکتا۔ چونکہ آندھی گولہ لانے کا موجب بنی اور آندھی کے زور و قوت
کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا، لہذا میں بھی جب تک موجود ہوں وہاں بیقرار
رہوں گا اور مجھے سکون نصیب نہیں ہوگا۔

۸۔ لغات - پیچیدائی : کچھ نہ جانتا۔

تشریح : شاعر خود نا محبوب کے مُتہ اور مکر کو تکلی اور بارگی میں گمراہ
ہونے سے پہچانتا ہے بالکل بے وجود بنا گئے، یعنی بچ اور بے حقیقت۔

شعر کا مطلب یہ ہے کہ میں نے محبوب کے زمین کا سراج دیکھا اپنا ہاتھ
بالکل ٹکا کر دیا۔ اب دنیا پر آشکارا ہو گیا کہ میں کچھ بھی نہیں جانتا۔

اسی شعر کا پورا معنی لفظ ”پیچیدائی“ پر مبنی ہے۔ چونکہ وہ ”پیچیدائی“ ہے اور
میں اس کا سراغ نہ دے سکا، اس لیے پیچیدائی بن گیا، یعنی ”پیچیدائی“ نہ جانے دے سکا۔

۹۔ تشریح : اسے غالب! غفلت نے مجھ پر اس دور میں غلبہ پایا اور

مجھے دنیا عاجز کر دیا کہ میری جوانی بڑھا ہے سکے لیے باغیٹ تنگ ہو گئی، یعنی
جوانی بڑھنے کے باوجود اس دور میں غفلت اور کمزوری جوانی کو ہار گئی، اس غفلت
کو دیکھتے ہیں باغیٹ تنگ بنائیں۔

۱۔ لغات :-

آغوش کشائی :

کسی سے ہم نوا ہونے

کے لیے دونوں ہاتھ

بھیلائے۔

شرح :

اسے محبوب یا تیرے

باغ میں پیچھے پرکھیاں

خوشی سے بھولی نہیں

نہیں کہتے ہیں تو سمجھنا چاہیے کہ تجھ سے ہم نوا ہونے کے خرقہ میں نہ

گلشن کو تری صحبت اذہیں کہ پسند آئی ہے

ہر فنچے کا گل ہونا آغوش کشائی ہے

واں گنگر استغنا ہر دم ہے بلند می پر

یاں نامے کو اور الٹا دھوائے رسائی ہے

اذہیں کہ سکھاتا ہے غم ضبط کے انداز سے

جو داغ نظر آیا اک چشم نمائی ہے

نہیں کہتے ہیں تو سمجھنا چاہیے کہ تجھ سے ہم نوا ہونے کے خرقہ میں نہ

جے تاب ہیں۔

۲۔ لغات :- گنگر : روکنے ہوئے طاقت، جو خوبصورتی کی طرف سے

تعلو، نصیری اور دیواروں پر بنا دیتے ہیں اور جو انتہائی بلندی پر ہوتے ہیں۔

استغنا : بے نیازی، بے پروائی۔

شرح : اُدھر محبوب کی بے نیازی کے باوجود گنگر زیادہ سے زیادہ

بلند ہو گیا رہا ہے۔ یعنی اس کی بے نیازی برابر بڑھتی جا رہی ہے۔ اُدھر میری

فریاد و لغات کو یہ دھوائی ہے کہ میں ہر بلندی پر پہنچ سکتی ہوں۔

مطلب یہ کہ محبوب تو زیادہ سے زیادہ بے پروا ہوتا جا رہا ہے اور نامے کو

دھوائے ہے کہ میں تاثیر پیدا کر دلا ہوں۔

شرح میں الفاظ : اُٹا : محبوب انداز سے استعمال ہوا ہے۔

۳۔ لغات :- چشم نمائی : آنکھیں دکھانا، کھولنا، غصے سے دیکھنا

تنبیہ :-

شرح : غم عاشق کو صبر و ضبط کی تعلیم دے رہا ہے، جو یاد داغ دل

پر چڑا ہے۔ سمجھ دینا چاہیے کہ وہ اس استاد کی طرف سے غور سے اور تنبیہ کرنے کا

نشانی ہے۔

”دراج“ کی تشبیہ ”انگوٹے“ سے حجاج تشریح نہیں۔

انگٹات - نقش نامزد بت خنار بہ آغوش رقیب

نقش : تصویر - پاسے طاؤس پئے خامہ دانی مانگے

خنار : درمزد کی یہ توجہ بدخو کہ تحیر کو تماشا جانے

میں بات کہنے والا، تازہ سے چنے والا، شوخ، ہلکے۔ غم وہ انسان کہ آشفستہ بیانی مانگے

ماقی : ایک مشورہ و تپ عشق فنا ہے کہ پھر صحت شمع

معتد : جو بال کا افسانہ، شکل تا نہیں جگر ریشہ روانی مانگے

کمال علم و فن کی بنا پر جس

نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ ملک سے نکلا گیا اور حرکتان و بیچ میں ہر گاہ بڑا معتد گردا

کر شاہچند کے زمانے میں ایران آیا۔ ایک روایت کے مطابق مستشرقین میں پیدا ہوا

اور مشفقین میں وفات پائی۔

شرح : اگر میرا شوخ اور میاں محبوب رقیب سے ہم چلی ہو کر تازہ

کرنے گئے اور اس حالت میں اس کی تصویر کھینچی جائے تو معتد کے لیے لازم ہوگا

کہ عہد کے پاؤں کو نو قلم بنائے۔

مطلب یہ کہ محبوب کتنا ہی حسین و جمیل کیوں نہ ہو، لیکن حبيب رقیب کی خوشام

میں پہنچنا ہے تو اس کا حسن نہ محال اس قابل رہ جاتا ہے کہ عہد کے پاؤں سے جو

عہد و بزم کو وہ نماندہ بناتا ہے، اس کی تصویر بنائی جاسکے،

عہد کے پاؤں کو نو قلم بنانے کی طرف سے ہے کہ عہد بال و پر اور مجلس کے نقی

سے نہایت خوبصورت بنا دے، لیکن اس کے پاؤں سے عہد و صورت جوتے

ہیں۔ بیکہ مشورہ ہے، عہد خود پاؤں کو اپنے لیے اچھٹ نکال دیتا ہے۔

۲۔ لغامت : تعجیر : حیرانی کی حالت جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ
اشیاں چپ ہو جاتا ہے اور اس میں بات کرنے کی سکت نہیں رہتی۔

شرح : اسے محبوب ! تیری بدشگونی کا یہ عالم ہے کہ میں میرا پیر
ہی کر خاموش ہو جاتا ہوں تو تو اسے ایک دلچسپ قاشا سمجھتا ہے اور اس سے غلط
افغانا ہے۔ اگر میں عالم حیرت سے نکل کر اپنے غم کی گہائی تیرے سامنے پیش
کروں تو میری پریشانیوں کے باعث تو بے مزہ ہو جاتا ہے۔ گویا میرا چپ
رہنا تیرے لیے دلچسپ اور میرا غم دل گہا تیرے لیے باعث غم و کدورت ہے
۳۔ لغامت : ریشہ دوڑانی : ریشہ دوڑانا۔ جب کوئی دانا یا بیج
زمین سے اٹکے تو اس کے نیچے دو گود پھیل جاتے ہیں۔ انھیں ریشوں کی بدولت
زمین سے اس روئیدگی کو فغانا ہے۔

شرح : مجھے اُن تپ عشق کی آواز ہے کہ پھر شمع کی لو کی طرح آگ
کا شعلہ جگر کی رگ ٹھک پنا ریشہ دوڑا دے۔
مطلب یہ کہ میں طرح شمع کی نور جانے کے ذریعے سے اس کے اندر تک
نزارت پہنچا دیتا ہے اور پوری طرح کیمر گرم ہو جاتا ہے، اسی طرح میں جو عشق
کی اس حرارت کا آندہ دوند ہوں جو میرے ہر ٹھک آگ کے شعلہ دوڑا دے۔

۱۔ شرح : میں غم کے
یہ افواہ کی تہ پیر تک ہوتا ہے
میرے خدا ! اسے دشمن کی
قسمت میں مکھ دیکھے۔ لیکن میں
تو اس زخم دل کا آندہ دوند ہوں
جس زخم کی جو سکتی ہو تہ پیر فو کی !
لکھ دیکھو یا رب ! اسے قسمت میں حد کی
انچا ہے سر انگشت خدائی کا تصور
دل میں نظر آتی تہ ہے اک بو نہ لہو کی

- کیوں ڈرتے ہو عشاق کی سبے حوصلگی سے جو روبرو ہی نہ سکے۔
- ۲۔ لقات۔
سر انگشت حنائی؛
مشدی کی انگلی کا سرا۔
شرح؛ خواہ مخواہ
فرماتے ہیں؛
۱۰۔ لفظ تو سنئے جو دوسرے
مغرب میں ہے نہ صلی چو
کہ دیے ہیں کہ آنکھ سے دلو
- دلتے دلتے دل میں غزن کا ایک قطرہ پانی نہیں رہا ۱۰۔ اس لیے دوست
کے سر انگشت حنائی کے قطرہ کو نصیحت سمجھا ہے کہ اسی کی دہ سے
دل میں سو کی ایک پوند تو نظر آتی ہے؛
اس شعر کی شرح کے مختلف ہنرمو لا نامیا لکھائی نے نہایت اچھے انداز میں
پیش کیے ہیں۔ میں ان کا بیان خلاصہ ذیل میں پیش کرتا ہوں؛
- ۱۔ سر انگشت کا مشدی سے دل ہو کر سو کی پوند ہو جائے بہت ایسی تشبیہ
تشبیہ سے حبیب کی اکثر ترانیں و کتبیں مقصود ہوتی ہے۔ شاعر نے سر انگشت کی
خوب صورتی آنکھ سے دکھادی۔
- ۲۔ جس انگلی کی پور سو کی پوند برابر ہو اور انگلی کسی قدر بزرگ ہو گی۔ لیکن
میشہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہو گا ہے۔
- ۳۔ اس شعر میں جو شبہ مرکب ہے۔ یعنی پوند کی صرفی اور پوند کی شکل دونوں
سے جو شبہ کو ترکیب حاصل ہوئی ہے اور مرکب تشبیہ زیادہ وسیع ہوتی ہے۔
- ۴۔ یہ نئی تشبیہ ہے۔ پہلے کسی نے فکر نہیں کی۔
- ۵۔ اس تشبیہ سے بہت لگائی کہ دل میں ایک پوند تو ہو کر دکھائی دی۔ پھر

کہا تصور کیا ہو کہ وہ لڑائی میں کیسا بولن بعید ہے اور تباہی لڑنے سے
تشبیہ میں حسن اور عراست زیادہ جو جاتی ہے۔

۶۔ لفظ: تو نے یہ حقیقت واضح کر دی کہ شعر اس شخص کی زبان ہے جس

کا ہر سب خشک ہو چکا ہے۔ وہ اپنے دل کو ایک خیالی چیز سے تسکین دے رہا ہے۔

۷۔ بوند کے معنی میں ٹپک پڑنا داخل ہے۔ یہی حال قصہ کا خیال سے آؤ

جانے میں ہے۔ یعنی حرکت و جوش میں داخل ہے، گو لڑنے تشبیہ متحرک نہیں۔

۸۔ طعن یہ غایت غریب و بریع و تازہ تشبیہ ہے۔

۹۔ مشرح: خواہ حال فرماتے ہیں:

بے حوصلگی یعنی کہ غلطی۔ یاں سے مراد دنیا ہے۔ معشوق سے کہتا

ہے: تو اس بات سے کیوں ڈرتا ہے کہ ہم عاشق تیرے جورو و علم

سے تنگ آکر حکم سے یا خدا سے فریاد کر رہے ہیں؟ کیونکہ اگر ہم

میںا کر رہیں تو کوئی کسی کی فریاد ہی نہیں سنتا؟

اڈاں ہے عاشق اسے کم ظرفیت نہیں کہ محبوب کے علم و جبر و صبر سے برداشت

نہ کر رہیں، لیکن اگر اسے محبوب! تیرے دل میں یہ دوسرا سوچو وہ ہے کہ شاید عشاق

کے گروہ میں سے کوئی جیسے بہت نکل آئے اور مزید و نشان شروع کر دے تو کام

ہے کہ اس دنیا میں تو کوئی کسی کی فریاد سننے پر آمادہ نہیں، پھر تو کیوں پریشان ہے؟

۱۰۔ ۵۔ لغات۔ عربیہ مجروحہ جگہ۔ لڑا۔

مشرح: اسے غایت: اس کا کام فرود کے لیے سو مرتبہ امنوں، جو ہر جگہ

ایک جگہ محبوب کی حسرت میں رہا، اس محبوب کی کٹاؤ نے کسی آرزو مند عاشق کے

جگر کو تڑنا دیا اور محبوب کے بچنے کی کمی اس کے گنگے کی بات نہ پوچھی۔

جگہ محبوب کی آرزو اس لیے تھی کہ جگر کو کٹاؤ سے چھیدے اور گھر

سے کاٹے، لیکن عاشق کی ہر حسرت میں تڑنا لگتی اور آرزو پوری نہ ہوتی۔

سیماب پشت گرمی آئینہ دے ہے ہم

حیراں کیے ہوئے ہیں دل بے قرار کے

آغوش گل کشورہ برائے وداغ ہے

اسے عذریب اچھل کر چلے دن بہار کے

تورہ آئینہ بن ہوا ہے، گویا پارہ آئینے کے یہ پتیبانی کا کام دیتا ہے، لیکن

ہمارا ہمایاں وہی قرار دل، جو شمالی میں پاسے کی حیثیت رکھتا ہے اور جس سے

جس میں پیش نظر اصول کی بنا پر اعداد کی توقع ہونی چاہیے حتیٰ اور ہماری میرانی کا

باعث بنا ہوا ہے اور اس نے ہمیں سخت مضبوطی میں ڈال رکھا ہے۔

۲۔ لغات، وداغ، رخصت۔

شرح: پھول کھلے نہیں، بلکہ اس نے رخصت کے لیے اپنی آغوش

کھول دی ہے۔ اسے نہیں! تو بھی ہیں، کیونکہ بہار کے دی ختم ہو رہے ہیں۔

عام قاعدہ ہے کہ جب لوگ ایک دوسرے سے کچھ وقت کے لیے الگ

ہوتے ہیں تو یہ قریب لگن ہو کر رخصتی نکالت کرتے ہیں۔ گویا آغوش کھولنے کا مطلب

رخصت ہونا ہے۔ اسی طرح پھول نے رخصت کے لیے آغوش کھول، کیونکہ

بہار عیاں ہی ہے اور طبع کو بھی رخصت ہونا چاہیے، بلکہ خطاب سے معلوم ہوتا

ہے کہ شاعر بھی عیاں ہوا ہے اور کبیکل کو ساتھ لے کر جا رہا ہے۔

سے وصل حیر عالم تمکین و ضبط میں

مشوق شوق و عاشق دیوانہ پیا ہے

۱۔ لغات تمکین:

دانا سے ہٹنا، کوئی ایسی

حرکت نہ کرنا، جس کا رنگ

ہندباتی ہو۔ کیونکہ ہندباتی
اس لب سے مل ہی جائیگا بوسہ کبھی تو ہاں
شوقِ فضول و حراستِ زندانہ چاہیے
بہرِ جوتی میں

تشریح : اگر محبوب وصل کی حالت میں دھار و ملکیت سے بیزار ہے
اور عاشق غلط و مہر سے کام لے تو اُس وصل کو وصل نہیں، بھر بھنا چاہیے
وصل کی حالت کا تو نقصان ہی یہ ہے کہ محبوب کی عزت سے پہلے شہزادوں
سرد ہوں اور عاشق پر رک گونہ دیوانگی کی کیفیت جاری رہے۔
مرزا نے اس شعر میں وصل و بھر کے ماحول کی کیفیت و دو نقطوں میں نرمائی
یا معیت کے ساتھ پیش کر دی۔

۲۔ **تشریح :** محبوب کے ہوں سے بوسہ ضرور مل بہنے کا خواہ مخواہ کتنی
ہی دیر لگے، البتہ یہ ضروری ہے کہ شوق کا جوش و غروش جاری رہے، اس میں
کوئی کوتاہی نہ آئے، ساتھ ہی زہدوں کی اس حراست ہو، لیکن ایسی حراست جو
کس سے نہ رہے بالکل میہاک ہو۔

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے
یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے
عہدِ بندہاں سے واجبِ مہر
جائے سے اپنے کو کھینچا چاہیے
چاہئے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل
بارے لب اس سے بھی سمجھا چاہیے
چاکِ رت کر صیب ہے آیام گل
کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہیے
دوستی کا پردہ ہے بیگانگی
منہ مچھپاتا ہم سے چھوڑا چاہیے
دشمنی نے میر ہی کھویا عنبر کو
کس قدر دشمنی ہے وہ کیا چاہیے

اپنی دشواری میں کیا چلتی ہے سعی یار ہی جہنگامہ آرد اپنا ہے
 منحصر مرنے پہ جو جس کی اُمید نا امید ہی اس کی دیکھا چاہیے
 نائل ان مہر غلغلوں کے واسطے چاہئے والا بھی اچھا چاہیے
 چاہتے ہیں خوب دلیوں کو اسد آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

۱۔ **شرح :** دنیا میں صرف حسین اس امر کے حقدار ہیں کہ انہیں
 جہنم دیا جائے۔ اتنا چاہا جائے جو چاہنے کی آخری حد ہے۔ اگر خوش نہیں ہے
 تو جس چاہنے لگیں تو اس سے بڑی نعمت کوئی نہیں ہو سکتی۔

۲۔ **لغات :** کھینچنا : پیچھے ہٹنا۔ پرہیز کرنا اپنا۔ بے کے ساتھ
 کھینچنا۔ میکش کا ترجمہ ہے جس کا مطلب شراب پینا ہے، یہاں مراد اسے کھینچنا
 شراب کے ساتھ استعمال کیا، لیکن پہلے صبر سے شروع ہے کہ ان کا مقصود
 احتراز ہے۔

شرح : دندوں اور شراب نوشوں کی صحبت سے دور رہنا واجب
 ہے۔ وہاں ہمارے شراب پینے کے چھائے شراب سے پرہیز کرنا چاہیے۔
 ۳۔ **لغات :** سمجھنا : پہلے سمجھ میں، جاننا، خیال کرنا۔

سمجھنا : دوسرے صبر میں، صبر نہ کرنا، مزہ نہ کھانا، ہنسنے سے باز رہنا۔
شرح : اسے محبوب اور تیری پاہت کو ایک معمول کہتے ہیں
 تھا، یعنی اس کا خیال ہے تھا کہ یہ کوئی ایسا امر نہیں جو شکست کا باعث بنے
 لیکن ایک گاہم کو معمول اتنا سمجھ کر اس نے تہجد لیا تھا، اب غلام ہے
 کہ اسے اس حماقت کا مزہ چکھا یا جائے۔

۴۔ **شرح :** خواہ وہ حال فرماتے ہیں :
 پہلوں کے کھٹے کو چاک گریاں سے تھپہ دی جاتی ہے کہنا ہے کہ

سہرا ایک کام خیر کی ہدایت سے کرنا چاہیے۔ پس جب تک چوں
اپنا گرہ بان چاک نہ کرے۔ تو بھی گرہ بان چاک مت کر۔ اس میں
نکلت یہ ہے کہ مہنوں کو ہمیشہ بہار میں زیادہ بوش جنوں ہوتا ہے۔

عام قاعدہ ہے کہ بہار آتی ہے تو درختوں میں شکوفے چھوٹتے ہیں، کوئی نہیں
نکلتی ہیں، پھول کھلتے ہیں تو بھی موسم بہار کے بغیر اپنا گرہ بان چاک نہ کر۔ اس
کے لیے قدرت کا بھی کوئی اشارہ اور ایسا ہوتا چاہیے۔ یعنی جس طرح قدرت
کی دوسری چیزوں کے واسطے کہ بہار پر چاک ہوتے ہیں، اسی طرح تیرا واسطہ
بھی بہار کی آمد کے بغیر تاکہ تیرا نہ ہو نا چاہیے۔

۵۔ **مشرح :** اے محبوب! آپ نئے چھپا کر ہم سے بیگانہ بنتے ہیں،
مگر کہ یہ پردہ داری تو دوستی کا راز فاش کرنے کی دلیل ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں
کہ ہم سے بیگانہ نہ بنیں، تو سن چھپانا چھوڑ دیجیے۔ اگر آپ ہم سے پردہ داری
کرتے ہیں گے تو لوگ مجھیں گے کہ دالی میں کچھ کانا ہے۔ گویا اس ذریعے
سے مرزا حصولِ مطلب کی تدبیر کر رہے ہیں۔

۶۔ **مشرح :** خیر و بر میرے نوازش دہانی بھائی میں سرگرم رہا، یہاں
تک کہ محبوب کا دل میں اس سے آگیا گیا اور ہو وقار اعتماد اسے محبوب کے دل
میں ہو اعتماد وہ خاک میں مل گیا۔ گویا میری دشمنی میں اس سیاہ بھت نے اپنا
بھی بھرا غرق کر لیا۔ دیکھیے۔ اس کی دشمنی کا درد ہر کہاں پہنچا ہوا ہے۔

جب انسان کسی کے ساتھ دشمنی میں اپنے نقصان کی بھی پردا نہیں کرتا تو یہ
دشمن کی آخری حد ہوتی ہے، کیونکہ دشمن میں اپنی ذات کو بھی جھول جاتا ہے۔
یہی حقیقت مرزا نے اس شعر میں پیش کی ہے۔

۷۔ **مشرح :** عاشق خود اپنی رسوائی کے لیے کیا کوشش کر سکتا ہے؟
یہ معاملہ تو محبوب کی بیگاری آسانی پر موقوف ہے۔ وہ جب چاہے، کسی کو بے صبر
اور ہتیاہ بنا کر رسوائی کے راستے پر لگا دے اور اس کی عزت و وقار کو برباد

کر ڈالے۔

۸۔ **شرح :** خواہ مخواہ مرناتے ہیں :

۱۔ اُمید کی غایت اس سے بڑھ کر اور ایسی ٹولی کے ساتھ

شاید ہی کسی نے بیان کی ہو۔

جس کی امید کا پورا کرنا ہر وقت ہو، اس کی اُمید دیکھنے کے قابل ہے۔ یعنی زندگی میں اس کی کسی امید کا پورا ہونا بالکل ناممکن ہو گیا اور مرنے پر اُمید پوری ہی ہوئی تو اس سے کیا حاصل ہو گا؟ مرنے تو وہاں نہیں آ سکتا۔

۹۔ ۱۰۔ **شرح :** اسے اتنے اتم حسیوں کو چاہتے ہو تو اولاد دہائی

صورت تو دیکھو۔ یہ اس قابل ہے بھی کہ حسیوں کو چاہے۔

اسے غافل ! ان پانچ جیسے چہروں سے دیکھنا تو کو چاہنے کے لیے بھی

آدمی کو خوش و مضی اور خود بخود چاہیے۔

۱۔ **شرح :**

میری منزل کچھ سے

ہر قدم پر دور ہوتی

جہاں ہے وہیں کوشش

کر رہا ہوں کہ جہاں

پہنچا ہے پہنچ جوں

لیکن مقام مقصود آگیا

یہ بے حد دور جہاں

ہے، پہنچا ہی نہیں

کے نزدیک پہنچنے کی

ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں : مجھ سے

میری رفتار سے بھاگے جہاں مجھ سے

دور ہوا تو تماشاً بہ تفت فحل خوشتر

ہے نگہ رشتہ شیرازہ مرگاہ : مجھ سے

وحشت آتش دل سے شب تنہائی میں

صورت دور با سایہ گریز ان : مجھ سے

کو شش کر رہوں
اس کا سب سے
کہ یہاں اسی مقام
کے مطابق مجھ سے
بھاگ رہا ہے جس
مقام سے میں اس
کے قریب پہنچا چکا
ہوں۔

اس شعر میں یہاں
نے نظر کے اعتبار سے
اشتباہ کا وہ معاملہ
پیش کیا ہے، جس
کو تجربہ اکثر اشخاص
کو ہوتا ہے۔ یہی
ہوگا اس کا خیال
نہیں رہتا تاغرض
یکے کو آپ ریل یا
کری دوسری سواری
میں بیٹھ جاتا۔ وہ جتنی
تیز چلے گا، یہی سواری
ہوگا کہ سواری میں بیٹھ

غم عشاق نہ جو ساوگی آموزد بہستان
کس قدر غناؤ آئینہ ہے ویراں مجھ سے
اگر آبلہ سے عبادۂ صحرائے جنوں
صورتِ رشہ گوہر ہے چراغاں مجھ سے
بے خودی بسترِ تمہید فراغت ہو جو
پڑ ہے سانس کی طرح میرا بہستان مجھ سے
شوق دیدار میں گر تو مجھے گردن مارے
ہو نگہ مثل گل شمع پریشاں مجھ سے
بے کسی! نے شب بھر کی وحشت ہے!
سایہ نور شید قیامت میں ہے پناہ مجھ سے
گردشِ ساغرِ حدِ جلوہ رنگیں تجھ سے
آئینہ دارِ منی یک دیدِ حیراں مجھ سے
نگہ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے! اسد
ہے چراغاں شمس و خورشاک گلستانِ تجھ سے

جوئی ہے اور ارد گرد کی زمین تیزی سے پھٹنے کی طرف دوڑ رہی ہے۔ نیز
روڑنے والے شخص کو اسی قسم کا احساس ہوتا ہے۔ چنانچہ عورت افراتے ہیں کہ یہ

تینا منزل کی طرف دوڑتا ہوں۔ ہم القیاس و استنباط کی بنا پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منزلِ نچلے سے دھڑی چار ہی ہے۔ لہذا میری تیز رفتاری سے منزل کی دوری کا معاملہ دانسیج ہے۔

۲۔ **تلاش**۔ تلاش : جلوہ و دیدار۔ مجازاً اس سے تلاش سے دنیا بھی مراد لی جاسکتی ہے۔ جو یہاں زیادہ نمونوں سے اور تلاش سے محبوب بھی۔

مشرع : دنیا کی کتاب کا پڑھنا تو ممکن ہی نہیں، صرف اس کے عنوانوں کا سرسری تلاش بھی تعقل اور بے توجہی ہی سے کرنا چاہیے۔ صورتِ ایکٹی ہوئی نظر ڈال کر سرور ہی تہہ نکال لینا کافی ہے۔ یہ وہم ہے کہ میری نظر آنکھوں سے باہر نہیں نکلتی۔ اندر ہی اندر، حق ہے، گویا دھیرے پلوں کی بددش کے لیے شیرازہ ہی گئی ہے۔

مرزا کہتا ہے چاہتے ہیں کہ دنیا کی چیزوں کو بخود دیکھنا شروع کریں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ نگاہیں ان میں الجھ جائیں گی اور حیاتِ الٰہی کا جو تصور ہے، یعنی محبوبِ حقیقی سے فرونگا۔ اس کے فکرت کم ہوجائیں گے۔ فنانِ بصیرانی ہی کا طریقہ اختیار ہے۔

اگر تلاش سے تلاش سے محبوب مراد لیں تو مطلب یہ ہوگا، محبوب کو اس حالت میں دیکھنا چاہیے، جس میں خود اسے پتہ نہ لگے کہ کچھ ہے یا نہیں۔ یہ طریقہ ہی نے اختیار کیا اور اس وہم سے میری نگاہیں آنکھوں کے اندر ہی اندر رہتی ہے۔ لیکن اعتراض کرتے ہیں کہ اس تبصرے کی سہولت میں چٹے پھریں کا معلوم و واضح کرنے کے لیے گفتگو سے کام لینا پڑے گا۔ یہی معلوم وہی معلوم ہوتا ہے نہ جو ابتدا میں پیش کیا گیا۔

۳۔ **مشرع** : محبوب سے قربانی کی دعا ہے۔ اولیٰ میں آتشِ شوق ہی طرح تہزک۔ ہی ہے۔ اس سے دھشت زدہ ہو کر میرا سایہ و سونچ کی طرف مجھ سے بھاگ رہا ہے۔

شعر میں خوبی یہ ہے کہ آگ جتنی بھڑکے گی اوجھواں اس سے دُور ہی بجائے گا۔ یہ مہمنوں مرزا ایک آؤد جگہ بھی اندھ بجکے ہیں۔

سایہ میرا مجھ سے مثلِ مدد پیدا گئے ہے آمد
باسِ نیک آتشِ بچاؤ کے کس کے ضمیرِ جانے ہے

۴۔ - **تشریح :** خدا نہ کرے کہ محبوب عاشقوں کے غم میں بناؤ سنگ پھر
کہ ساوگی اختیار کرے۔ میں مر گیا اور میرے غم میں محبوب نے بناؤ سنگ پھر چھوڑ دیا۔
نتیجہ یہ نکلا کہ آئینہ دیکھنے کی ضرورت نہ رہی ہے۔ کیونکہ اس کی ضرورت بہ حیران
بناؤ سنگ نہ رہی کے لیے پڑتی ہے۔ گویا عادت آئینہ دیران ہو گیا اور اس کا سبب
میں بنا۔ اسے خدا! اتنی صبر دانی کہ کہ عاشقوں کا غم محبوبوں کو اس وجہ پر مٹا دے
نہ کرے۔

۵۔ - مَشرَح : میرے پاؤں چھالوں سے بھرے ہوئے تھے اور میں نے صحرائے جنوں میں چلتا شروع کر دیا۔ اس کی گپ ڈنڈی میرے چھالوں کے لیے دھماکا بن گئی۔ ایسا معلوم ہوا تھا کہ چھالے موتی ہیں اور ٹپ ڈنڈی کے دھمکے ستے انھیں موتیوں کی لڑی بنا دیا ہے۔ چھر موتیوں کے برعکس چھالوں میں پیش اور تراست ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ چراغاں کی طرف بھلے اٹھے۔ گوہ چھالوں نے صحرائے جنوں کے راستے کی بدولت رشتہ گوہر کی صورت بھی اختیار کیا اور چراغاں کی بھی۔

۶۔ لغات - مجموعہ : موجودہ مجموعے۔

مشرع : خدا کرے ! بخودی میرے لیے فراغت اور راحت و سکون کی تہیہ کا بہترین راستہ ہے۔ میرا شہنشاہی سایہ کی طرح فہم سے پھرا ہوا ہے۔
 مطلب یہ کہ میں بخودی کی ہدایت اپنی آرام گاہ میں بے حس و حرکت پڑا ہوں۔ خدا کرے ! میری یہ بخودی اسی طرح میرے لیے راحت و آسائش کا مکان بنی رہے ! اگر بخودی نہ ہو تو پھر اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ میں غلام

۹۔ **مشرع :** اسے محبوب ! سیکڑوں رنگین جلوں کا جامِ قہری بہت
مغل میں گردش کر رہا ہے اور میں ایک حیرت زدہ آنکھ کا آئینہ دار بنا بیٹھا ہوں
مطلب یہ کہ تیری مغل پر قسم کی رونق، چہل پہل اور جشن و نشاطانی سے
معمود ہے۔ میں سراپا حیرت بنا بیٹھا ہوں کہ یہ کیا ہو رہا ہے ! تو کس طرح
اپنے پتے عاشق سے بے پروا ہو کر عیش و نشاط میں مست ہے۔

۱۰۔ **لغات :** ایک : ایک کا مختلف، یہ لفظ بعض اوقات بڑا
مناسبت اور بہت کے معنی میں دیا ہے۔ مثلاً جات صاحب :

اس کو ہوا نہیں کوئی مر جائے

ایک جدید یہ مؤا ہے عشق

نیز اتیر مانی :

اقد سے گرمیاں مرے معشوق کی اتیرا

آیا خیال دل میں تو اک آگ لگ گئی

مشرع : اسے اتہ ! میری نگاہ گرم سے بے پناہ آگ لگ رہی

ہے۔ میں ناش میں پہنچا تو نگاہ پڑتے ہی عس و عاشاک جل اٹھے اور چراغاں
کا منظر پیدا ہو گیا۔

۱۔ **لغات :**

ٹٹائے ٹپٹے :

سنائے کی کوئی صفت

نہیں بنتی۔

بات کا ہٹنا :

کامیاب ہونا۔ تہہ پیر

ہی پڑنا، مراد حاصل ہونا۔

نکتہ میں ہے غمِ دل اس کو سنائے نہ بنے

کیا بنے بات۔ جہاں بات بنا لے نہ بنے

میں جلاتا تو ہوں اس کو مگر اسے ہڈیہ دل

اس پر بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

کھیل سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے، بھول نہ جائے
 کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے
 غیر پھرتا ہے یہ یوں ترے خط کو کہ اگر
 کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپانے نہ بنے
 اس نزاکت کا بڑا جو دوجھے میں تو کیا
 ہاتھ آویں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے
 کہہ سکے کوئی کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے
 پروردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے
 موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے
 تم کو پناہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے
 بوجہ دوسرے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے
 کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے
 عشق پر زور نہیں ہے یہ دُور آتش غالب
 کہ لگائے نہ لگے اور بھجائے نہ بنے

بات بنانا :
 بات کو پیر پھا کر
 اپنا مطلب لکھانا
 سخن سازئی کرنا
شرح :

میرا محبوب مدد دے
 نکتہ چیں ہے اسے
 غم دل سنائے کہ
 کوئی نہ ہیر میں نہیں
 پڑتی وہاں ہم پھر
 اور سخن سازئی سے
 مطلب لکھنا
 نہ جو دہائی مراد
 حاصل کرنے کی کیا
 صورت ہو سکتی ہے۔

اس شعر میں
 نہایت اہم لفظ
 نکتہ چیں ہے۔
 اگر کوئی مراد نہایت
 ضروری معاملہ بیان
 کر رہا ہو خصوصاً

غم و اندوہ کا معاملہ اور سننے والی بات بات پر نکتہ چینی اور اعتراض نہ کر
 دے تو وہ معاملہ اور اثر گہری پیدا کر سکے گا جو اس سے طبعاً پیدا ہونا چاہیے

یہی حقیقت اس شعر کی بنیاد ہے۔ عاشق جب اپنے عشق کی غم انگیز داستان سنا دیا ہوتا ہے تو محبوب بات بات پر ٹوٹتا جاتا ہے۔ کہیں اعتراض کر دیا کہیں کر دیا یہ غلط ہے۔ کوئی بات کاٹ دی۔ کسی میں سقم نکال دیا۔ اس طرح تاثیر کی وہ فضا بھی قائم نہیں رہتی جو ایک درد بھری داستان کے لیے ضروری ضروری ہے۔ نیز غم انگیز بیان کے لیے تسلسل لازم ہے یعنی اس میں مداخلت نہ ہونی چاہیے۔ محبوب کی نکتہ چینی قدم قدم پر مداخلت کا سامان پیدا کرتی ہے۔ لہذا غریب عاشق مجبور ہو کر کہتا ہے۔ میں کیا کروں؟ نکتہ چینی کے باعث اسے غم دل سنا نہیں سکتا۔ جہاں بات بتانے کی کوئی صورت نہیں وہاں بات بٹنے تو کیونکر؟

۲۔ لغات - بن جانا : مصیبت میں مبتلا ہو جانا۔ آفت آنے، مجبور ہو جانا۔

تشریح : میں محبوب کو جاتا تو ہوں۔ لیکن اس کے آنے کی امید نہیں البتہ اسے مجھ پر دل اتار کوئی ایسا اثر دکھا کر وہ بالکل مجبور ہو جائے اور میرے پاس آئے بغیر اس کے یہ پارہ نہ رہے۔
چند مصرع میں لفظ "تو" سے صاف ظاہر ہے کہ محبوب کو جاتا تو رہے ہیں، مگر اس کے آنے کی امید کوئی نہیں۔

۳۔ تشریح : میرے محبوب کے نزدیک عشق و محبت کا معاد ایک کھیل ہے کہ جب چاہا۔ کھیل لیا اور جب چاہا چھوڑ دیا۔ اسے وہ کوئی ایسا سفید و مشعل نہیں مانتا جس کے ساتھ دل تعلق ہو۔ لہذا عاشق کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ محبوب اس کھیل کو اسی طرح چھوڑ نہ دے۔ بھول نہ جائے جس طرح بچے کھیلوں کے متعلق عموماً روش اختیار کر لیتے ہیں۔ اس لیے عاشق آرزو کر رہا ہے کہ کلاش ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ محبوب کو مجھے ستائے بغیر نہیں نہ آئے۔ یعنی عشق و محبت کے معاملے کو وہ تو اس اپنا مشغلہ بنائے رکھے کھیل

ذبحے ۔

۴۔ مشرح : اسے محبوب ! تو نے دقیب کو جو نامہ شوق لکھ دیا ، وہ اسے یوں بے پیرتا ہے کہ اگر کوئی پوچھ بیٹھے ، یہ کیوں ہے تو اسے چھپانے رکھتا لیکن نہ رہے ۔

ظاہر ہے کہ جب لوگوں میں چرچا ہو گا وہ نامہ شوق آپ کی طرف سے ہے تو آپ کی رسوائی ہوگی ۔

۵۔ مشرح : بیشک وہ حسین ہیں ، اور ان کا حسن بڑا دلدادہ ہے ، مگر دیکھیے ، کتنے نادک ہیں کہ اذلی تو کسی کے ہاتھ نہیں گھٹے اور اگر گٹ ہائیں تو انہیں خیر نہیں جا سکتا ، حسن میں کام نہیں ، لیکن نزاکت نے عاشقوں کے لیے کیسی مصیبت پرا کر رکھتی ہے ۔

۶۔ مشرح : کوئی کہہ سکتا ہے کہ کائنات میں کون جلدو افزہ ہے ؟ کس نے اپنے وجود کی شان آشکارا کر رکھتی ہے ؟ پوری کائنات پر اسباب کا ایسا پردہ ڈال دیا گیا ہے کہ کس کو اٹھانے کی تاب نہیں یا اٹھانے کی کوئی تدبیر خیال میں نہیں آ سکتی ۔

بیب پردہ اٹھانا ممکن نہیں تو کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب جوسے کس کے

ہیں ؟

۷۔ مشرح : اس شعر کا مطلب منشی نے بخشش حقیر کو سمجھاتے ہوئے خود مرزا فرماتے ہیں :

بھائی ! مجھ کو تم سے بڑا تعجب ہے کہ اس بیت کے معنی میں تم کو تامل رہا ۔ اس میں دو استفہام آ رہے ہیں کہ وہ یہ طریقہ فنی و مخفی معشوق سے کہے گئے ہیں : " موت کی راہ نہ دیکھوں " ؟ کیوں نہ دیکھوں ؟ میں تو دیکھوں ہی گا کہ " یہی آئینہ نہ رہے " کیونکہ موت کی نشان دہی میں سے یہ بات ہے کہ ایک دن آئے ہوں گی ۔ اٹھنا نہ

منافع نہ بھائے گا۔ "تم کو چاہیوں؟" کیا خوب! کیوں چاہیوں؟
کہ نہ آؤ تو جانتے نہ بنے۔ یعنی اگر تم آپ سے آئے تو آئے
اور اگر نہ آئے تو پھر کیا بھال کہ کوئی تم کو چاہے۔

گو یا یہ عاجز مخلوق سے کہتا ہے کہ اگر میں تم کو چھوڑ کر اپنی
موت کا عاشق ہوا ہوں، اس میں یہ خوبی ہے کہ یہ بلائے بغیر
آئے نہیں رہتی۔ تم کو کیوں چاہیوں؟ کہ اگر نہ آؤ تو تم کو چاہ نہ
سکوں۔

بات یہ ہے کہ بڑھنے میں "تم کو چاہیوں کہ نہ آؤ" یہ جملہ خدا
بنوا سمجھ میں آتا ہے تو آدمی حیران ہوتا ہے۔ "تم کو چاہیوں؟"
اللہ ہے۔ کہ نہ آؤ تو بھائے نہ بنے۔ یہ جملہ اللہ ہے۔ تم نے
خود نہ کیا، اور نہ خود بخود کیفیت اس تعریف اور استغناء کی حامل
ہو جاتی؟

اس تو صلیح کے بعد کسی مزید تشریح کی ضرورت نہیں رہتی۔

۸۔ مشرح : میں نے محبت کا بوجھ بے تعلقت سر پر اٹھا
لیا، لیکن وہ اتنا بھاری تھا کہ سنبھال نہ سکا اور سر سے گر پڑا۔ اب
اٹھائے اٹھتا نہیں، اس عاجز اور بے بس ہوں، کام ہی ایسا آ پڑا ہے کہ
اسے درست کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

مولانا صاحبان فرماتے ہیں :

"ایک تو مستنون نہایت اچھا ہے۔ دوسرے دونوں مشرعوں
کی ترکیب کو قنابہ کر کے شعر کو اور بھی پرچست کر دیا۔"

۹۔ مشرح : عشق پر کس کا زور ہے؟ اسے غائب یہ تو ایسی آگ
ہے کہ نہ دھکے لگتی ہے، نہ اسے بھانے کی کوئی تہ جہیز پڑتی ہے۔
ایک صنوم یہ ہے کہ عشق کی آگ کس دل میں بھراک اٹھے تو اسے بجھانا

انسان کے پس میں نہیں۔ دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ یہ آگ لگا، لیکن جتنا تو ہر
 عاشق اپنے محبوب کے دل میں لگا لیتا۔ سمجھا لیکن ہوتا تو اپنے دل کی لگی بجھا کر
 انسان سے جڑ جاتا۔

پاک کی خواہش اگر وحشت پر عریانی کرے
 صبح کی مانند ازخیم دل گریبان کرے
 جلوسے کا تیرے وہ عالم ہے کہ گریکے خیال
 دیدل کو زیادت گاہ حیرانی کرے
 ہے شکست سے بھی دل نوید، یارب اک تک
 آگینے کوہ پر عرض گرا نیانی کرے
 میکدہ گر چشم مست ناز سے پاوے شکست
 موے شیشہ، دیدل ساعز کی مڑ گانی کرے
 خطہ عارض سے ملکا ہے زلف کو الفت نے جہد
 یکہ قلم منظور ہے، جو کچھ پریشانی کرے

۱۔ شرح :

پاک کی خواہش

جہن کو یہ خواہش ہو

کہ گریبان پاک کرے

تو صبح کی جڑ میرے

دل کا زخم گریبان

کر تا دتا رہوئے کے

پے تہذہ ہوئے۔

مطلب یہ ہے،

چاک گریبان میں ہی

وقت ہے کہ دل کا

گماڑ، جو پئے، ہی

ایک چاک کی حیثیت

رکت ہے، وہ بارہ

پاک ہوسے کے ہے

گریبان میں لگتا ہے

زخم، چاک، وحشت، عریانی، گریبان اور صبح، ان سب کی مناسبت مناسبت

نہیں، یعنی جو وہ لفظوں میں سے ہے ایسے ہی، جو باجم دست و گریبان میں،

میں شرح : اسے محبوب، ناز سے ہوسے کی کیفیت کہ گریبان کران : اگر

اس کا تصور بھی کر لیا جائے تو اس سے دل کی آئندہ حیرت کی ذہانت گام بہن جائے ،
 صاحب یہ کہ تیرے مجھ سے کے تصور ہی سے دل پر سراپا حیرت طاری ہو
 جاتی ہے ۔

سہرہ شمع : اگر پہلا ایک سنگدل محبوب سے آ پڑا تھا ، لیکن میرا دل
 ٹوٹنے سے بھی تانکید ہو گیا ۔ اسے ضرور اتوری جا کہ شیشہ کب تک پہاڑ پر اپنی عظمت کا
 کا اظہار کرتا رہے ؟

اس شعر میں محبوب کو سنگ دل کی بنا پر گروہ اور اپنے دل کو آئینہ نظر نہ دیا گیا
 ہے ۔ نہ ہر جے کہ پہاڑ کا ایک معمولی سا گڑا بھی ایک آن میں شیشے کو چٹکا خرد کر
 دیتا ہے ، مگر محبوب کی سنگ دل داغوں کا دل توڑ نہ سکی ، یہیں تک کہ وہ تانکہ ہو
 گیا ۔ ہنسا ہر شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی تنہاں برداشت کیں ، مگر عاشق محبوب
 سے دل توڑنے اور الگ ہونے پر آمادہ نہ ہوا ۔

ہم ۔ لغات ۔ موئے شیشہ : شیشے کے الی یعنی شیشہ تراشے جانے
 سے بنا ہوا کھیر یا پڑھا ۔

شمع : اگر شراب خانہ محبوب کی مست ہوا آنکھ سے شکست کھا جائے
 تو اس طرح صراخی میں جو بال پڑیں گے وہ سافری کی آنکھ کے لیے چمک پر چاہیں گے ،
 شاعر محبوب کی آنکھ کو شیشہ مست ہانہ جھٹے میں ۔ اس مستی کی بنا پر شاعر کے
 دماغ میں سیکڑہ آیا ۔ محبوب کی آنکھ اتنی مست تھی کہ پورا شراب خانہ اس کے مقابلے
 میں پیچ رہ گیا ، محبوب کے نازد انداز نے شراب بھری صراخیوں میں ال ڈال دیے ۔
 وہ ابلی سافری کی آنکھ پر مڑا گاں بن گئے ۔

سہرہ شمع : محبوب کے رخسار پر خط نہیں نکلا ، نگہ اعلیٰ سے اس پر
 عراج زلفت کو ایک صدمہ لکھ دیا ہے اور اس میں یہ مرقوم ہے کہ پریشانی جو کچھ
 بھی کرے وہ کب قوم از اول کا آخر منظور ہے ،

اس شعر میں بھی خط ، مرقوم ، زلفت ، ایک قوم ، پریشانی وغیرہ الفاظ کی مناسبت

محتاج شریع نہیں۔ علم کو اول رکھنے سے مناسب ہے، ورنہ خطہ عارضی کی بھی تعلیم ہوتی رہے۔

۱۔ لغات :
پہلے معنی میں خواب
کے سنی پیدا اور
دوسرے معبرٹ میں
نہند ہیں۔
مہال : در دے
کی جگہ اجودن گواہ
قدرت، طاقت۔
فرست، ابھارت،
موقع۔

شرح :
مہوب کے خود آئے
کی کو کوئی اُمید نہ
رکھنی چاہیے، اہتر
یہ امکان ہے کہ وہی
سوچاؤں، وہ خواب

میں آئے اور میری پریشانی کے لیے نہ کہ کامیابی ہم پہنچا دے۔ لیکن مہبت
ہے کہ میرے دل کی خواب اس درجہ بے پناہ ہے، جس کے ہونے پر نہ ہند ہی
میں آتی، نہند آجاتے تو یہ اُمید پیدا ہو کہ شاید وہ خواب میں آئے اور میرا دل
نہند دے۔

وہ آگے خواب میں تسکین اضطراب تو دے
دے مجھے تپش دل مہال خواب تو دے
کرے ہے قتل لگاؤٹ میں تیرا رو دینا
تیری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے
دکھا کے جنبش لب ہی تمام کر ہم کو
نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں خواب تو دے
چاہے اوک سے، ساقی اجو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیا، نہ دے، شراب تو دے
اسد انوشی سے ہرے ہاتھ پائو پھوٹ گئے
کہا جو اُس نے ذرا میرے پائو خواب تو دے

جناب آتی نے اس سلسلے میں فارسی کا ایک شعر نقل کیا ہے :

گفتی کہ بہ خواب اندر تسکین و بہت احسب

اما تو کہا آن بچوں خواب منی آید

و اسے محبوب : تو نے کہا کہ میں آج رات پہنے میں آکر تجھے تسکین دوں گا :

لیکن نیند ہی نہیں آتی تو تیرے آنے کی امید کیا ہو سکتی ہے :

جواب : یہ شعر ایک مرزا کے شعر سے قیاساً ہے ، لیکن دونوں شعر

میں جو فرق ہے ، وہ طبعی تشریح کا محتاج نہیں۔ فارسی کے شعر میں اول محبوب کی

زبان سے کہا گیا ہے کہ وہ خواب میں آکر تسکین دے گا ، مگر یہ بالکل غیر محال ہے۔

محبوب : اتنا میرا ہی نہیں ہو سکتا ، دوم غیبتہ آنے کی کوئی دلیلی یا حلیہ یا منع

وہ یہاں نہیں کی گئی۔ اس کے برعکس مرزا کا شعر بالکل طبعی ہے ، یعنی محبوب سے

خواب میں آنے کی ہرمانی کا امکان یا امید تو ہو سکتی ہے۔ لیکن دل کو اضطراب سے

ہی نہیں رہتا۔

(اصل مضمون کسی کا بھی ہو اسے پیش کرنے کی صحیح صورت وہی تھی جو مرزا

نے اختیار کی۔ یہی غائب مرحوم کی دقیقہ منی کا کمال اور قادر الکلامی کا تہجد ہے۔

مولانا طیبائی فرماتے ہیں :

- پہلے مصرع میں لفظ "تو" امکان کے معنی دیتا ہے ، یعنی اس کا خواب ہی

آتا نہیں ہے۔ دوسرے مصرع میں خواب کو محتم یا شان کرنے کے

جیسے "تو" استعمال کیا گیا۔ یعنی خواب ہی کا آنا بڑی چیز ہے :

۴۔ لغات۔ آب : اس کے دو معنی ہیں ، اول پانی جس کا اطلاق

دینے میں خواہ دوم نمود کی جگہ آب و تاب اور باتو۔

تشریح : اسے محبوب : سمجھنا چاہئے اور شکوہ آمیز طریق پر اظہار آواز

میں تیرا دینا مجھے اسے انا ہے ، دنیا میں جتنے حسین ہیں وہ اور کہ نہیں ہیں

کتنا ہی کمال پہا کر ہیں۔ لیکن تیری طرح نگاہ کی نمود کو ملنا اور آب و تاب دینا

کوئی نہیں جانتا۔

یہ کوئی قیاسی بات نہیں، بلکہ ایسا معاملہ ہے، جو اکثر عثمان کو پیش آ سکتا ہے۔ یعنی کسی وقت محبوب سے محبت کی باتیں کرتے کرتے پیچھے چھوڑ دینے کے طور پر کچھ ٹھیکہ کر دیا۔ محبوب کو کوئی جواب نہ سوجھا تو دوسرے لگا۔ کوئی سچا عاشق محبوب کے اس دوسرے پر جان دے دیتے ہیں اور پیچ نہیں کر سکتے، گویا محبوب کے آنسوؤں کے پانی سے اس کی نگاہ کی توار پر ہلچل مچا دے گئی۔

۴۔ شعر کے دوسرے مصرع میں لفظ "تو" دوسرا آ رہا ہے، مراد اولیٰ لہائی کے نزدیک پہلا "تو" شرط و جزا میں دہرایا گئے ہیں اور دوسرا جواب میں اختتام پہنچانے کے لیے ہے۔ "کیوں سے مراد کوئی نہ کوئی ہے۔

مشریح: تجھ سے بوسے کی اُتید تو یوں ہی نہیں سکتی۔ خیر اگر دوسرا دینا منظور نہیں تو لب ہمارے صاف انکار ہی کر دے تاکہ ہمارا کام تمام ہو جائے۔ یہ بیزل تیری طرف سے کوئی نہ کوئی جواب تو جونا چاہیے۔

۵۔ لغات۔ اوک: جب پیٹنے کے لیے برقی موجود نہ ہو یا چلنے والے برقی دینا نہ پایا ہے تو پانی پیٹنے والا دونوں ہاتھ ہاگ لگائی کسی پیدا کر لیتا ہے، چلنے والا اس میں پانی میں ڈالتا ہوتا ہے تاکہ پیٹنے والے کی پیاس بجھ جائے۔ جہن اوقات ایک ہاتھ بھی یوں سے لگا کر اسی طرح پانی پیا جاتا ہے، اسے اوک کہتے ہیں۔ یہ سلسلہ عموماً پھرت چھات سے پیدا ہوتا۔

مشریح: اے ساتی! اگر تجھے ہم سے اتنی نفرت ہے کہ یا بے عیب شارب نہیں دینا چاہتا تو منہ دیکھ نہیں، ہم ساغر ہو یا جام، ہر چیز سے بے نیاز ہیں، اوک یا پیٹنے کے لیے تیار ہیں، مگر شارب دینے میں دریغ نہ کر۔ اس نصت سے غور و فکر کر۔

۶۔ لغات۔ ہاتھ پاؤں بچھ لٹا۔ ہاتھ پاؤں کاٹوٹا جاتا، ہاتھ پاؤں کا

کا کام نہ دینا۔ ہنگامہ بیکہ حیران اور حواس باختہ رہ جاتا۔ جب ایک
انتہائی خوشی کی بات انسان سن لے تو عصب پر ایسا اثر پڑتا ہے
کہ وہ عورتی دیر کے لیے کام کاج سے رو جاتا ہے۔

شرح : اسے اتنا ؛ جب محبوب نے کہا کہ ذرا میرے پاؤں تو دوسرا
اس ناگہانی خوشخبری سے مجھ پر خوشی کی ایسی حالت طاری ہو گئی کہ میرے ہاتھ پاؤں
کام سے رو گئے۔

۱۔ لغات :
بائیں : نگہ
چند پانی کا سر نہا۔

شرح :
میں محبوب سے جہاں
کی حالت میں بستر پر
پڑا ہوا ٹوٹ رہا ہوں
اس وجہ سے بستر کا تار
تار کشش کی مصیبت
میں مبتلا ہے، میرا سر
ٹیکے کے لیے ایذا کا
دعوت ہے اور میرا
جسم بستر کے لیے تار
بنا ہوا ہے جو آفت
سے کم نہیں۔

۲۔ لغات :

پیش سے میری ، وقت کشش بہتر اور بستر ہے
میرا سر نہا بائیں ہے ، براتن باہر بستر ہے
سر شگ سر بہ صحرارادوہ نور العین دامن ہے
دل بے دست دیا افتادہ ، پر خرد اور بستر ہے
خوشا اقبال در تجوری : عیادت کو تم آئے ہو
فرود شمع بائیں ، طالع بیدار بستر ہے
بر طوفاں گاہ جو شمس اضطراب شام تنہائی
شمار آفتاب صبح محشر ، تار بستر ہے
ابھی آتی ہے بوبالش سے اس کی زلف نیکی کی
ہمدردی دید کو خواب زنیفا ، عار بستر ہے

کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے پھر بار میں غلاب! سر پہ صغرا

داؤد :

تو راہِ بندہ

کہ بیتابی سے ہر اک تار بستر، غلاب بستر ہے

آئو کاغذ آنکھ ہے، جب وہ اس گھر سے نکلے گا تو اسے آنکھ ڈالے

اور سر پہ صغرا داؤد کہنا جائے گا۔ اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ آئو

نکل کر صغرا میں بیٹھے اور وہاں سیلاب آگیا۔

لوہر العین : آنکھ کا نور، آنکھ کا تار، صغرا صغریٰ۔

بچے دست و پا آفتادہ : ہاتھ پاؤں مسطح جو ہاتھ کے باہت پڑا ہوں،

پر خود دار : پہل کھاتے والا، اندنگی سے پہل پاتے والا۔ اقبال متدحیٰ

انتہائی پیاسے بیٹھے۔ جتنی یا قریبی غروں کو کہتے ہیں۔

مشرع : آئو آنکھ سے نکل کر اس کی آنکھ کا تار بٹا دیا ہے۔

دل کی دہی حالت ہے، جیسے کسی کے ہاتھ پاؤں مسطح ہوں اور اس پر چھپا لگی کی

کیفیت جاری ہو، وہ بستر کا رخوار بٹا دیا ہے، یعنی آنکھوں سے آئو ہے۔

کر اس قدر ہو رہا ہے اور دل کو بچے دست و پا کی حالت میں بستر سے خاص آئو

پیدا ہو گیا ہے۔

سہ - لقاات - اقبال : خوش نصیبی۔

رخزری : بیماری، مریض۔

مشرع : میری بیماری کس وہ خوش قسمت ہے کہ اسے محبوب! تم

بیتابی کے لیے آئے ہو اس کی بدلت میرے سر اسے جو شمع جل رہی ہے

اس کی روشنی بستر کا جگمگاؤ، نصیباً ہی لگتی ہے۔

مطلب : کہ جی بید ہو کہ بستر پر پڑا ہوں۔ محبوب مزار پر ہی کے لیے آگیا۔

محض یہ ہی نصیباً نہ جاگا، بلکہ سر اسے چلتے والی مدنی بستر کی خوش نصیبی ہی

مہندی ہو گئی۔

۴۔ **تشریح :** محبوب سے جہان کی شام آئی تو بقراری کے جوش سے ایک طرفان کی صورت اختیار کر لی اور ایسی حالت پیدا ہوئی کہ میرے بستر کا تار صبح قیامت کے سورج کی کرن بن گیا۔ جو بستر آفتاب حشر کی کرنوں سے بنایا ہو۔ اس کے جوش اضطراب کا اندازہ کیا گیا ہو سکتا ہے ؟

۵۔ **لغات :** بالمش : تکیہ ، صرنا نا۔

تشریح : زمین کی طرح محبوب کو خواب میں دیکھنا اور اس کے دیدار سے لذت اٹھانا ہونا ہمارے بستر کے لیے باعث تنگ ہے۔ یعنی ہم کہیں کو اور نہیں کر سکتے کہ بستر پر بیٹھیں ، بچہ آتے ، پھر خواب میں محبوب جلوہ دکھاتے۔ جس طرح عام روایت کے مطابق زمین نے حضرت یوسفؑ کا جلوہ خواب میں دیکھا تھا۔ ہمارا محبوب تو خود ہمارے پاس آتا ہی رہتا ہے ، ابھی گل کی بات ہے کہ وہ ہمارے پاس تھا۔ اس کی منگ بار ذلت کی خوشبو ہمارے تکیے سے سونگھی جا سکتی ہے۔

عرفی نے بھی ایسا ہی ایک شعر کہا ، اگرچہ اس کا مضمون دوسرا ہے :

قانع بہ بوسے دوست نہ گردید شوقی

ایں جنس را بہ مطلق کشاں مسترد ختم

(ہمارا شوق محبوب کی خوشبو پا لینے پر تنہا نہ کر سکا۔ مطلق خوشبو

پر خوش ہو جانے کا معاملہ ہم نے حضرت یعقوبؑ کے حوالے کر دیا۔

جو ہمارے بالکل حق دوست تھے۔)

۶۔ **تشریح :** اسے غالب ! میں کیا بتاؤں کہ محبوب کے فراق میں دل

کی حالت کیا ہے ؟ بقراری کا سرسری اندازہ کرنا چاہو تو مجھ کو کہ میرے بستر

کا مبرا دکھانے کی حیثیت رکھتا ہے ، جو اس میں بچھا ہوا ہے۔

خطر ہے رشتہ الفت رگ گردن نہ ہو جائے
 غروب دوستی آفت ہے، تو دشمن نہ ہو جاوے
 عطر و سے کہ الفت کا رشتہ میری
 گردن کی رگ نہ سمجھ اس فصل میں کوتاہی نشو و نما غالب
 بن جائے اور اس اگر گل سر کے قامت پہ پیرا بن نہ ہو جاوے
 دم سے گردن کڑ

نہ جائے۔ محبوب کی دوستی اور محبت پر معزور ہو جانا ایک آفت ہے۔ ایسا نہ
 ہو کہ اسے محبوب : آج تو دوستی پر مانی ہے تو کل دشمن بن جائے۔

۱۰۔ شرح : اگر فصل بہار میں پھول بڑھ بڑھ کر اور پھوپھو پا کر سرو کے
 جسم پر لباس نہ بن جائیں تو سمجھ لیا جائیے کہ بہار نشو و نما کا کمال نہ دکھا سکی،
 بلکہ اس کا دل اسے کمال اور عداوت ہو گیا۔

مطلب : یہ فصل بہار میں نشرو و نمو کا جو ش اس درجہ ہو نا چاہیے کہ
 پھولوں کے موسم بڑھ بڑھ کر مہمہ ہوتے جائیں۔ یہاں تک کہ معلوم ہو، سرو کے
 پھولوں کا لباس پہن لیا ہے اور اس کا کوئی حصہ اس لباس سے نمائی نہیں۔



فریاد کی کوئی گئی نہیں ہے نالہ پا بند گئے نہیں ہے
 کیوں روتے ہیں باغبان تو ہے گر بارش گدا سے نہیں ہے
 ہر چند ہر ایک شے میں ٹو ہے پر تجھ ہی تو کوئی شے نہیں ہے
 ہاں اکیلو مست فریب ہستی ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے
 شادی سے گزر کہ غم نہ ہووے اُدھی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے

یہ سبھی باتیں سن کر وہ بے قرار ہو گیا۔
 "میں نے تم سے کہا تھا کہ تم میری بات نہ سناؤ۔"

۱۔ القیاس - کے پر مشرور حصہ۔

مشریح : مضر اور مضمیں راگوں اور لیتوں کے لیے ہیں۔ مضر دو وقتوں کے لیے مضر کوئی مضر نہ کہ ہے۔ نہ زمین۔ نہ آسمان۔ نہ کسی بھی حالت میں یا مضر سے کام لینے کا پابند نہیں۔ کیونکہ یا مضر سے پہلے وقت مضر کا وہ ہیں۔ لکھا جاتا ہے اور کوئی نہ کو مضر سے کوئی نہ بہت نہیں۔

مشرقی، اقصیٰ - باورے اور کارگری ملے پیدا کیے۔ خزانہ کے وقت ایسی کسی چیز کا سراغ ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ دل سے نکلتی ہے تو طبعی علم انگریزی سے رہا اثر پیدا کرتی ہے۔ اچترال مشرقی محتاج نہیں۔

حقیق یہ ہے کہ آزل مضمون نہایت ادا ہے، اپنی اسے پیش کرنے کے لیے
جراؤ اور اختیار کیا گیا ہے۔ وہ بے مثال ہے۔

۳۔ لغات - تونیا : ایک قسم کا میخ کہ وہاں سے اندر سے نکال کر کے دو دریش کنگوں یا چھاگل بناتے ہیں۔ جب مٹی کے برتن کم تھے تو تونیا سے شراب یا دوسرے مہکات کے لیے استعمال کیے جاتے تھے اور ان میں یہ خوبی بھی تھی کہ وہ ان میں بکے ہوئے تھے، اگر ان سے ٹوٹتے نہیں تھے اور ان میں آسانی حاصل کیا جاسکتا تھا۔ صدیوں تک شراب فروشی کے لیے تونیا ہی استعمال ہوتے رہے۔ چنانچہ طومرزا غالب عزاتے ہیں :

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اگر شراب فروش کو یہی تو ہے یہاں شراب دے دے تو اسے ہاتھ پر رکھ کر چل دے !

شرح : اگر باغ کو شراب کی بجائے مانگا مقصد نہیں تو باغیان

تو جسے کس لیے کاشت کرتے ہیں ؟

پھر کہ تو جسے درویشوں کے مشکلوں میں جھٹکتے ہیں، اس لیے کہا کہ باغیچہ شراب کی بجائے مانگنے کے لیے تو جسے بوستے ہیں۔

شعر سے بھی غنا ہر ہے کہ باغ اور شراب باجم لازم و ملزوم ہیں۔

۳۔ **شرح :** اسے محبوب حقیقی اسے شک و شبہ کائنات کی ہر شے میں تیرا جلوہ نظر آتا ہے، گو یا تو ہر وجود میں چھپا ہوا ہے، لیکن ساتھ ہی ظاہر ہے کہ تجھ ایسی کوئی چیز نہیں۔ یہ لیس کٹھنہ شینا کا ترجمہ ہے نیز تمام اشیا کے اقسام میں اور وہ ذات پاک جہانیت سے بالکل منتر ہے۔

۴۔ **شرح :** خیرداد اسمعی کا دھوکا نہ کھانا۔ کوئی گناہی کہے کہ خدا کے سوا کسی کا وجود ہے، ہرگز نہ ماننا۔ اس کے سوا وجود کوئی نہیں۔

۵۔ **لغات :** اُردی : مراد ہے اُردی ہشت۔ جو ایرانی ہیں۔ شمسی سال کا دوسرا مہینا ہے۔ بہار کا بھی یہ دوسرا ہی مہینا ہے، جس میں سبز و گل کی نباتات کمال پر پہنچ جاتی ہے۔

۶۔ **دوسرے :** شمسی سال کا دوسرا مہینا، جو بھرپور خزاں کا مہینا ہے۔

شرح : مرزا غالب کے اس شعر کا بنیادی معنی ہے۔

تعریف و ثناء با خدا یا یعنی چیزیں ایک دوسرے کی منہ سے پہنچانی جاتی ہیں، خوشی کا احساس غم کے احساس پر مبنی ہے اور خزاں کا احساس بہار کے احساس پر موقوف ہے۔

کہتے ہیں، دل سے سرت و شادمانی کا احساس ہو کر ڈال جا کہ غم کے احساس سے محروم ہو جائے۔ اگر تو بہار کی آمد سے خوش نہ ہوگا تو خزاں کی آمد تیرے لیے رنج و غم کا پیغام نہ ہی سکے گی۔ جو شخص شاد و بہار کو ہو کر نہ ہو، اسے خزاں کی افسردگی چھو بھی نہیں سکتی۔

۶۔ **لغات :** قدح : شراب کا پیار۔

گھس کی تھے : شہد : شہد کی کمی میں پھولوں، پھولوں سے دس چوستی ہیں اور شہد بنا کر شہد کے
 واسطے پھتے ہیں لاکھ دیتی ہیں : شہد کو زیادہ سے زیادہ مکروہ نما ہر کرنے کے لیے گھس کی تھے تو زیادہ
 مشرح : اسے زیادہ تو شراب کا پیلاہ کیوں شکر اس لیے اسے پی لینے سے انکار کیوں کرتا ہے یہ
 شراب ہے کمی کی تھے نہیں جس سے تجھے کراہت آئے ۔

۴۔ لغات : جن میں ہے : مکروہ لفظ ایک اس شعر میں یہ طعنہ احمق استعمال ہوا ہے اس لیے
 اسے " اسے نہیں ہے " کہہ کر خطاب کیا ۔

مشرح : اسے غائب : تا تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ تو حقیقتہً موجود ہے اور نہ کہ کہتے ہیں
 کہ تو غائب ہے وجود ہے ۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسے وہ شخص جو بار بار نہیں ہے ، نہیں ہے
 کہہ رہا ہے اور تجھے نہیں ہے " سوچ کر لیتا نہ یہاں ہے یہ تو بتا کہ آخر تو ہے کیا ؟ جس پر غافل مہر کی کا
 اطلاق ہو سکتا ہے وہ غافل مہر کی کا ۔

○
 د پوچھے سوچو مریم جو راحت دل کا کہ اس میں ریزہ الماس جزو اس عظم ہے
 بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیڑ وہ اک لنگہ کہ پہلا ہر نگاہ سے کم ہے

۱۔ لغات : الماس : ہیرا ، جو مریم میں ڈال دیا جائے تو نہ غم
 کو بڑھا جائے ، جس طرح نمک اور مشک نہ غم کی تکلیف میں اضافہ کرتے ہیں
 مشرح : نہ غم دل کے لیے جو مریم موجود ہے ، اس کے جزا کی
 تفصیل نہ پوچھو ، جس اتنا جان لے کہ میرے کا ٹکڑا اس کا سب سے بڑا
 جزو ہے ۔

۲۔ مشرح : اسے محبوب ! تو نے مدت تک میری طرف سے تغافل
 اور بے پرواہی اختیار کیے رکھی ۔ اس کے بعد ایسی نگاہ پیدا کی ، جو حقیقتہً
 نگاہ سے کم ہے ۔ یعنی ٹوٹنے دیکھنا بھی شروع کیا تو کلکیوں سے ، جس
 کا مطلب یہ ہے کہ کہیں کہیں گوشہ چشم سے مجھ پر نگاہ ڈال رہا ہے ۔
 مروتا دعا غیابی کہتے ہیں :

” بڑا احسن اس شرکایہ ہے کہ محبوب کے تعلق کی تصور دیکھ
 دے ہے۔ دوسرا لطف یہ ہے کہ ایک نگاہ میں ایسی تفصیل کہ
 نگاہ ہے اور نگاہ سے کم ہے۔ اس کے علاوہ ایک لفظ یہ
 بھی ہے کہ ”یقیناً نگاہ سے کم ہے کہ“ نگاہ میں اللہ ہے
 اور ”نگہ“ میں نہیں؟



ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے مرتے ہیں۔ سوائے ان کی تہا نہیں کرتے
 وہ پردہ اضماعیر سے ہے ربطِ نہانی ظاہر کیا یہ پردہ ہے کہ پردہ انہیں کرتے
 یہ باعثِ نو میدیِ اربابِ ہوس ہے غالب کو برا کہتے ہوئے اچھا نہیں کرتے

۱۔ شرح : رشک کے باعث ہمیں یہ بھی منظور نہیں کہ محبوب کی تہا
 کریں اور اس سے وصال کے دلگیر ہوں۔ ہمیں جان دے دینا منظور ہے۔
 لیکن رشک اپنا بھی گوارا نہیں۔

یہ ویسا ہی معنوں، جیسا مرزا نے دوسری جگہ کہا ہے :

دیکھتا قسمت کو آپ اپنے پر رشک آئے ہے

میں اسے دیکھوں، جہاں کب مجھ سے دلچسپا ہے

مولانا طہطاوی نے خوب فرمایا : جس طرح انتہائے بغل کا مرتبہ یہ
 ہے کہ بغل خود بھی اپنی دوست سے محروم رہتا ہے، وہی حال انتہائے رشک
 کا ہے کہ تہا سے وصل کرتے ہوئے اپنے اور آپ، رشک آتا ہے۔

۲۔ شرح : محبوب نے پردے پر اسے جو غیر یعنی رقیب سے
 پوشیدہ تعلق قائم کر رکھا ہے۔ مجھ پر یہ ظاہر کیا کہ ہر جو غیر سے ہے لطف

ہتھ ہیں اور پورہ نہیں کرتے تو دھریہ ہے کہ جم اسے اپنی سمجھتے ہیں۔ نیز ہم نہیں چاہتے کہ بدوہ کرتے سے لوگ ہمارے تعلق کے واسطے ہیں چہ میگوئیاں کر لے گئیں۔

۳۔ شرح اسے محبوب نام جیسے پتے دانش کو بڑا کہتے جو یہ شیعہ اچانک بیکور کہ جب سے عشق کی رنگت ہی رہی ہے تو جو لوگ ہوں گے ہمارے ہیں یعنی غیر وہ قریب وہ تو بالکل غایب اور اب اس پر جانیں گے۔



ار لغات	کرے ہے بارہ اتروے سے کسب رنگ فروغ
کسب :	خط پالہ مہرا سر نگاہ گلچیں ہے
مراحل گرد :	کبھی تو اس دل شوریدہ کی بھی داد سے
شرح :	کہ ایک عمر سے حسرت پرست بالیں ہے
اسے محبوب :	بچا ہے، اگر نہ سنے نالہ با سے بلبلی نثار
شراب تیرے :	کو گوش گل، ہم شبنم سے، چنبہ آگین ہے
ب لعلیں :	اسد ہے فزع میں، پھل ہے ونا برا سے خدا
سے فروغ کا :	مقام ترک حجاب و دواغ تمکین ہے
رنگ حاصل :	یعنی تیرے لب
گردی ہے :	کی بدست

اس میں دو تمام ہی مہری و معنوی خوبیاں پیدا ہو رہی ہیں، جو شراب کے لیے خاص مانتی جاتی ہیں۔ اور پیاسے میں پیمائش کے لیے جو خط لگا ہوا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتدا سے استراحت پھول چھٹنے واسطے کی لگا ہوا ہے۔

مطلب یہ کہ پیالہ تیرے لبوں سے چھوتے ہی شراب سے اتنا رنگ حاصل کر لیا، معلوم ہو رہا تھا، پیاسے کے اندر پھیلائی دیا ہو گا ہے اور خط پیالہ نے پھول چھٹنے شروع کر دیا ہے۔

۳۰۔ **مشرع :** میرا دیوانہ دل ایک مدت سے اس حسرت میں مبتلا چھوٹا آ
 ہے کہ اے محبوب ! میرا سر میرے شکم پر تھو۔ آخر کبھی تو یہ امتہاد پوری کر
 دیجیے۔ کہ ایک اس حسرت میں عمر گزار دی جائے گی ؟

۳۱۔ **لغات :** چنب آگئیں : روٹی سے جھرا ہوا۔

مشرع : اگر چھول۔ بچاری بھیل کی مرزا و قضا نہ کھئے تو اس پر
 تعجب نہ ہوتا چاہیے۔ کیونکہ اس کی نمی نے اس کے کانوں میں زندگی عطا فرما
 رکھی ہے۔

اس کے قطروں کو سفیدی کے باعث روٹی سے قلبیہ دلی اور کان
 میں پانی جمع ہو جانے تو سماعت میں فرق آجاتا ہے۔ نیم شبنم سے بیٹھا چلا
 ہیں تری جیسے ہوئی اور سودج کی روشنی میں شبنم سفید دکھائی دیتی ہے۔
 اس طرح گوشت گل شبنم سے چنب آگئیں ہو گئی۔

۳۲۔ **مشرع :** استعدہ باکسل کی حالت میں ہے۔ اے یوسف محبوب !
 خراکے لیے پہل آور اس کا حال پوچھ۔ یہ وقت ایسا ہے کہ مشرم و حجاب
 چھوڑ دیا جائے اور وقت و وقت کو رخصت کر دینا چاہیے۔



کیوں نہ چوبیٹیم بھان محو تغافل کیوں نہ جو ہ
 یعنی اس جیاد کو نظارے سے پرہیز ہے
 مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی
 دے نا کامی کہ اس کا نر کا خیر تیز ہے
 ۱۔ **مشرع :** عہدوں کی آنکھ
 تغافل سے کیوں
 کام نہ ہے ؟ وہ
 معذور کام ہے گی
 کیونکہ یہ ایسا
 جیاد ہے۔ چہ

نظارے سے عارض گل دیکھ دو سے یار یاد آیا ۱۰ است
 بد ہیز کی تاکید جو شمش فصل بہاری اشتیاق انگیز ہے
 کی گئی ہے۔

محبوبوں کی آنکھ کی ایک صفت بہار بھی ہے چشم بہار، نیشلی آنکھ۔
 لفظ بہار سے غائدہ اٹھاتے ہوئے کر دیا کہ بہاروں کو عموماً کسی نہ کسی
 چیز سے پر ہیز کی تاکید کی جاتی ہے اور چشم بہار کے لیے دوسروں کی طرف کینا
 ممنوع قرار دیا گیا ہے، لہذا ان کے لیے تغافل کے بغیر چارہ نہیں۔
 ۴۔ شرح : اگر خضر گندہ ہو تو کھا کھنے میں کچھ نہ کچھ دیر مزدور لگتی
 اور ہمیں محبوب کو دیکھنے کا موقع مل جاتا۔ اب اس نے خضر خوب تیز کر دکھا
 ہے، گو یا ایک لمحے میں کھا کٹ جائے گا اور دوسرے مرتے اسے دیکھ لینے کی
 آلودہ جی میں رہ جائے گی۔

۳۔ لغات : اشتیاق انگیز : شوق کو تیز کرنے والا۔
 شرح : اسے استہاجول کا چہرہ دیکھ کر محبوب کا چہرہ یاد آنا
 ہے۔ ہر طرف فصل بہار کا جوش ہے اور اس جوش کے باعث دل میں شوق
 کی آگ تیز ہو رہی ہے، کیونکہ ہر جانب پھول کھلے ہوئے ہیں اور ہر
 پھول دو سے یاد کی یاد تازہ کر رہا ہے۔



۱۔ شرح : دیا ہے دل اگر اس کو، بشر ہے، کیا کیسے
 عاشق سے محبوب کو خط
 ہوا، رقیب تو ہو، نامہ بر ہے، کیا کیسے
 یہ ضد کہ آج نہ آوے اور آتے ہیں نہ رہے
 نامہ بر تو شکیا
 قنفا سے شکوہ ہمیں کس قدر ہے، کیا کیسے :

رہے ہیں کہ وہ بے گھر کہ کو سے دوست کو اب
 اگر نہ کیسے کہ دشمن کا گھر ہے ۔ کیا کیسے ؟
 رہے گھر کہ بوں سے رکھا ہے ہم کو فریب
 کہ بن کہے ہی انہیں سب خبر ہے ۔ کیا کیسے ؟
 ہمو کے کرتے ہیں بازار میں وہ پر سسش حال
 کہ یہ کہے کہ " سر رہنورد ہے " کیا کیسے ؟
 تمہیں نہیں ہے سہر رشتہ ونا کا خیال
 ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے ۔ مگر ہے کیا ؟ کیسے ؟
 انہیں سوال پر نہ ہم جنوں ہے ۔ کیوں (کیسے) ؟
 ہمیں جواب سے قطع نظر ہے ۔ کہا کیسے ؟
 حسد مزاسے کمال سخن ہے ۔ کیا کیسے ؟
 ستم ہمارے متاع بہز ہے ۔ کیا کیسے ؟
 کہا ہے کس نے ؟ کہ غالب برا نہیں ۔ لیکن
 سوائے اس کے کہ آشتیہ سر ہے ۔ کیا کیسے ؟

نہیں سکتا ۔ پھر اسے فسود وہ کیوں ظہر ادا ہاتھ ہے میرے تو اسے نامہ ر
 بنا کر بیجا تھا ۔ اگر وہ میرا رقیب بن گیا تو اسے کیا کر سکتے ہیں ؟

وہ خطے گھر
 محبوب کے پاس
 پہنچا تو دیکھتے
 ہی دل دے
 بیٹھا اور عاشق
 کا رقیب بن گیا
 مڑاتے ہیں کہ
 اگر تار ہٹے
 محبوب کو دل
 دے دیا اور
 اس پر عاشق
 جو کہ میرا رقیب
 بن گیا تو اسے
 کیونکر آرام
 دوں ؟ آخر
 وہ انسان ہے
 اور کوئی سلیم الخ
 انسان میرے
 محبوب جیسے
 حسین کو دل
 دے بغیر وہ

دوسے شعر کا حاصل یہ ہے کہ کوئی انسان میرے محبوب کو ال دے بغیر
رو ہی نہیں سکتا۔

۲۔ **شرح :** موت بہر حال آئے گی، لیکن ہم آج اس کے آرزو مند
ہیں اور اسے منہ ہے کہ آج نہیں، بلکہ مقررہ وقت پر آئے گی۔ آہ! ہم کیا
کہیں کہ موت سے ہمیں کس قدر شکایتیں ہیں، جب اسے آنا ہی ہے اور کتنے
بغیر وہ نہیں سکتی تو آج کیوں نہیں آ جاتی ؟

۳۔ **شرح :** رقیب کو جب دیکھو وقت سے وقت محبوب کے کچے
بہرہ کو جو رہتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کو بچے کو رقیب کا گھر نہ کہیں تو کیا کہیں
گھر ہی مقام ہے، جہاں انسان عموماً رہتا ہے اور خاص مشاغل کے بغیر
وہاں سے باہر نہیں جاتا، رقیب رقیب نے کوئے یا در میں بسنے کی ایسی ہی
صورت پیدا کر لی ہے تو وہی اس کا گھر بن گیا۔

۴۔ **شرح :** یہ شعر تازہ تازہ انداز تو دیکھیے کہ جب ہم دل کی
بات کہنے کا ارادہ کرتے ہیں تو یہ لڑبڑ سے دیا جاتا ہے کہ ہمیں کچے بغیر ہی
سب کچھ معلوم ہے اور تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، اس طرح دودل کی
بات بھی نہیں بنتی۔

۵۔ **شرح :** جب کبھی بازار میں ملاقات ہو جاتی ہے تو خوب
سوچ بچ کر دیتا حال پوچھتے گھٹتے ہیں۔ حلقہ یہ جوتا ہے کہ عاشق بازار میں
دل کھولی کر بات نہیں کر سکے گا۔ وہ پر سسش کا مرضی اور اگر وہیں گئے اور
تو کچھ اٹھیں سنا نا چاہیے، اس کی ذہنت نہ آئے گی۔

شعر کا ایک پہلو یہ ہے کہ شرفاء خاص باتیں بازار میں کرنا اور کتنا خوب
کے خیالات سمجھتے تھے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ محبوب صدمہ میں شروع و ختم ہے
جو اگر دو چشم دیکھ کر حال پوچھتا ہے تاکہ تفصیل کی ذہنت نہ آئے۔

۶۔ **شرح :** اسے محبوب! تمہیں تھاقی کے باعث سہرہ شد و نا کا

فرا خیال نہیں۔ یہ دیکھو، ہماری مٹھی میں کچھ ہے، مگر کیا ہے؟ ذرا تہائے
تو

مولانا طیبائی فرماتے ہیں :

”اس شعر کا انداز بندش بھی نیا ہے اور معنوں میں نازدہ ہے۔
نازدگی معنوں تو یہ ہے کہ ہر دشتِ موعا کو ایک عروس شے
فرزین کر دیا ہے کہ مستحق سے پوچھتے ہیں۔ بناؤ، ہماری مٹھی میں
کیا ہے؟ بندش کی جوت یہ ہے کہ پوچھتے بھی ہیں، مٹھی میں کیا
ہے؟ پھر جو چیز مٹھی میں ہے اس کا نام بھی لے دیا۔“

۷۔ **تشریح :** محبوب سے سوال کیا جاتے تو فرماتے ہیں معلوم ہوتا
ہے کہ تم پاگل ہو گئے ہو۔ ہم نے اس ارشاد کا جواب نہ دینے کا فیصلہ کر رکھا
ہے، پھر کہیں تو کیا کہیں؟

مولانا طیبائی فرماتے ہیں : معنوں خوبی شعر کا سبب نہیں، بلکہ دونوں
معنوں کی بندش میں ترکیب کے قشابہ ہونے سے شعر میں حسن پیدا کیا۔

۸۔ **تشریح :** اگر کوئی شخص سخنوری میں کمال پیدا کرے تو اسے سزا
یہ عقی ہے کہ لوگ اس سے حسد کرنے لگتے ہیں۔ یعنی کوئی بلند پایہ سخنور رہا
نہیں جو حسد کا فتنہ مشق نہ بنا جو۔ اس طرح جس شخص کے پاس بہزندی
کا جیش ہمارا متاع ہو جو دے، اسے قیمت یہ عقی ہے کہ اسی پر علم کوڑے جاتے
ہیں۔ گویا اس شعر میں مرزا نے دانے کی تلک نظری، خیر و ذوق اور تندریشی
کی تصویر کھینچ دی ہے۔

۹۔ **تشریح :** یہ کس نے کہا کہ فاقہ بڑا نہیں؟ نہیں، غمزدار کیجیے کہ
”اگر آج بہت بڑا ہے، لیکن یہ تو سوچئے کہ آخر دیوانے کے سوا اسے
کیا کیا جاسکتا ہے اور کیا جبر ہے کہ دیوانے پر اچھائی برائی کا حکم لگانا، ایل
عقل و دانش کا کام نہیں۔“

دیکھئے، کس خوبی اور نیکو نوازی کے ساتھ اپنی ہر انہوں سے برائی
حاصل کر لے۔

دیکھ کر درپردہ گرم دامن افشانی مجھے
کر گئی وابستہ تن میری طریانی مجھے
بن گیا تیغ نگاہ یار کا سنگ دناں
مرحبا میں! کیا مبارک ہے گر انجانی مجھے
کیوں نہ ہو بے التفاتی اس کی خاطر جس سے
جانتا ہے غور پر سستہ سارے پنہانی مجھے
میرے فم غانے کی قسمت جب رقم ہونے لگی
لکھ دیا منجھڑا اسباب ویرانی مجھے
برگیاں جوتا ہے وہ کافر نہ جوتا کاشکے
اس قدر ذوقِ نولے مرغِ بستانی مجھے
داسے اداں بھی شورِ محشر نے نرم لینے دیا
لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے

۱۔ لغات:
دامن افشانی :
پد حجاب اور دنیا
چھوڑ دینا۔

شرح:
جب میری ہر جگہ نے
دیکھا کہ میں خفیہ خفیہ
پد حجاب کر دنیا کو
چھوڑ دیتے ہیں
سرگرم ہوں تو مجھے
جسم کے ساتھ وابستہ
کر دیا۔

مطلب یہ کہ
دنیا سے بے تعلق
ہو جاتا آسانی میں
جب تک انسان
ہر کے ساتھ وابستہ
ہے یہ نہیں کما جاتا
لکھا کہ وہ دنیا سے

دعہ آنے کا دوا کیجئے یہ کیا انداز ہے ؟

تم نے کیوں سوچی ہے میرے گھر کی درباری کیجئے ؟

ہاں ، نشاط آفر فصل ہساری ، واد واد

پھر جو اسے تازہ سودا سے غزل خروانی مجھے

دی مرے بھائی کو حق نے ، از سیر نو زندگی

میرزا یوسف ہے ، غالب ایوسف ثانی مجھے

میرزا ، جہانیاں سے کوئی ملاقات تھا ۔ جب مجھے سرگرم نفس دیکھا تو غزل
مجھے وابستہ جسم کر کے ، رخصت ہو گیا ۔

۳۔ مطلب یہ کہ عالم ، جسم کی نفس شادی میں مجھے سرگرم دیکھ کر گرد

نے زانہاں میں مجھے چھوڑ دیا اور آپ رخصت ہو گیا ۔ یعنی جسے وہ اس

انتہائی کاشوق پر اسے تہذیب و طربانی سے کیا واسطہ ؟

۴۔ تہذیب کے لفظ میں یہ رعایت رکھی ہے کہ نفس بھی جواب دہ
سے متعلق رکھتا ہے ۔

۵۔ لغات ۔ سنگب نماں : وہ پتھر میں پر حوالہ ۔ چٹری ۔

خیز و خیز تیز کیجئے ہاتھ ہیں ۔ سان ۔

گرا سنبالی : سخت جانی ، یعنی جان کا بہ مشکل نکلنا ۔

شرح : میری سخت جانی مبارک باد کے قریب ہے ۔ کیونکہ اس

کی بدست میں محبوب کی بیخ نگاہ کے لیے سان کا پتھر ہے ۔

اس میں سزا کے پیش نظر حقیقت ہے کہ یہ سخت جان ہوا ۔

مجھے عقل کرنا آسان نہیں ، کیا سخت مشکل ہے ۔ محبوب کی نگاہ کے بار بار

دنگ ہو گیا ۔

۱۔ ۲۔ ۳۔

۴۔ ۵۔ ۶۔

۷۔ ۸۔ ۹۔

۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔

۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔

۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔

۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔

بار ہوتے ہیں۔ لیکن میری جان نہیں ٹٹکتی اور سروار میں محبوب کی تیغ نگاہ میری
سخت جانی پر رگڑا کھانے سے تیز تر ہوتی جاتی ہے۔

۳۔ **تشریح :** وہ کیوں نہ مجھ سے بے رنجی بستے ؟ وہ جانتا ہے کہ
کبھی کبھار خواب میں اگر میرا حال پوچھ لیتا ہے اور میں اتنی ہی توجہ پر خوش
ہوں۔ اس سے اسے اطمینان ہے اور بے انتہائی میں کوئی تامل نہیں ہوتا۔

۴۔ **تشریح :** جب قسمت کھٹنے دانے نے میرے سیاہ ٹانے کی
قسمت لکھی تو دیرانی کے دوسرے اسباب کے ساتھ مجھے بھی شامل کر دیا۔ اسی
کاتجربہ ہے کہ میں دیرانی کا تختہ مشق بنا ہوا ہوں اور میری قسمت یہی ہے۔

۵۔ **تشریح :** میرے محبوب کے مزاج میں اتنی بدگمانی ہے کہ جب
مجھے بیل کے لئے مننے ہوئے دیکھتا ہے تو کچھ اور شبہ کرنے لگتا ہے۔
کاش ! مجھے بیہوں کے نئے مننے کا اتنا ذوق نہ ہوتا تاکہ اسے بدگمانی کا
بھانپ نہ لیتا۔

اس سے متعلق مضمون پہلے بھی لکچکے ہیں۔

کیا بدگمان ہے مجھ سے کہ آنیے میں برے
طولی کا مکس سمجھے ہے نہ نگاہ دیکھ کر

۶۔ **لغات :** تن آسانی : آرام طلبی۔

تشریح : مجھے آرام طلبی کا ذوق بڑی میں لے گیا تھا۔ لیکن انوس
داں میں قیامت کے شور نے دم نہ لینے دیا اور اٹھایا۔

تن آسانی کا تقاضا یہ تھا کہ نیند میں غفل کی کوئی صورت پیدا نہ ہوتی۔
شور و محشر نے آکر جگا دیا اور تن آسانی کی آرزو پوری نہ ہو سکی۔

مرگنا طلبہائی فرماتے ہیں کہ یہ شعر اس زمین میں بیت الغزل ہے۔
غزلی اس میں یہ ہے کہ قبر میں جانے کا توجہ بہت کاڑھ ہے۔ ذوق تن پرستی
اس شعر کی جان ہے۔ جس نے مضمون مردہ کو زندہ کر دیا اور مسکنت کی

معجزہ بانی پر ایک شاہد اٹھ آیا۔ حق پرستی اور آسائشِ عیسیٰ کی برائی کیا انہیں
طرح بیان کی ہے !

۷۔ **شرح :** محبوب سے خطاب ہے کہ میرے پاس آئے گا وہ وہ
کیا تھا، لیکن آئے نہیں اور میں بیٹھا انتظار کر رہا ہوں۔ گھر سے ادھر ادھر
نہیں ہو سکتا، گویا اپنے گھر میں وہ رہا ہوتا ہوں۔ یہ کیا انداز ہے ؟

۸۔ **شرح :** وہ اور اہلِ فضل بہادری آئی اور اس سے پیشہ شادی
ہو، اس میں ہونے لگی پہچان ہوئی کہ غزال سرائی کے میں جنوں کو فراموش کیے بیٹھا
تھا، وہ غور کر آیا۔

۹۔ **شرح :** وہ دہانے میرے بیٹائی میرزا یوسف کو بیاری سے شفا
بخش، درختے سرے سے زندگی بٹ گئی۔ اسے غالب : میرزا یوسف میرے لیے
پرسیدہ ثابتی ہے

میرزا یوسف مرزا غالب سے دو برس چھوٹے تھے، انہیں جوانی ہی
میں جنوں کا عارضہ ہو گیا تھا، جس سے عارضی طور پر شفا پائی، غالباً اسی
موقع پر یہ غزال کی گئی تھی۔ میرزا یوسف پھر بیمار ہو گئے اور مشقِ شریعت
جب انگریزوں نے دہلی کا محاصرہ کر رکھا تھا، ان کا انتقال ہو گیا اور اس
کی ایک مسجد کے احاطے میں انہیں سپرد خاک کیا گیا۔

یاد ہے شادی میں بھی، جبکہ مرزا "یارب" مجھے
نیکو مذاہب ہو اسے، غنیمت کہ میرا لب مجھے
ہے کشادہ خاطر و اسبتہ، در رہن سخن
تھا ظہیم قلم، ابجد، نہایت مکتب مجھے

۱۔ لغات :

یارب :

اسے چورہ لگا :

ایرا بنولنے

اسے دعا اور

دلی و دوزن : یارب اس آشفگی کی داد کس سے چاہیے ؟
 معنی میں استہلال : رشک آسائش پر سب زندانیوں کی ، اب مجھے
 کیا : شجر زائد : طبع ہے مشتاق لذت تہاے حسرت ، کیا کروں ؟
 زائد کی تفسیر : آرزو سے ہے شکست آرزو مطلب مجھے
 بیان مراد ہے : دل لگا کر آپ بھی غائب ! مجھی سے ہو گئے
 کسی عبارت گزار : عشق سے آتے تھے مانع ، میرزا صاحب مجھے
 کا تفسیر کر : جو نام طود پر ابستہ
 آہستہ کی جاتی ہے اور اصطلاح میں اسے ذکر خفی کہتے ہیں ۔ اس کی ضد ذکر غیر
 ہے ۔ یعنی بلند آواز سے ذکر کرنا ۔

خشنودہ زیر لب : بیوں میں ہنستا یعنی کھل کر نہ ہنستا ، مسکراہٹ تبسم
 شرح : مجھے بیش و نشا ط میں بھی خدا نہیں چھوڑتا کہ انسان ہو یا ہے
 اوقات میں خدا کو بھول جاتے ہیں ۔ پس اس حالت میں بھی یہ ستورہ یارب !
 اسے پروردگار ! اسے اللہ ! پکارتا رہتا ہوں ، یہاں تک کہ بیوں میں میری
 مینس یعنی مسکراہٹ بھی ایک پرہیزگار آدمی کا قبیح کرنا ہے ۔
 ۲۔ لغات : کشادہ : کھلنا ، کٹ مٹنا ۔

خاطر و ابستہ : بندھا ہوا دلی ، یعنی طویل اور پیچیدہ دلی ۔
 در رہن سخن : بات کے پس گو ، اس سے مراد ہے بات پر موقوف ہونا ۔
 قفل ابجد : اس کی تشریح پہلے ہو چکی ہے ، یعنی ایسا فعل جو مختلف
 حرفوں کو چاکر ایک عقد بنا لینے سے کھلتا ہے ۔

شرح : میرے طویل اور پیچیدہ دلی کا کھلنا اور شادمان ہونا ،
 بات پر موقوف ہے ، یعنی دل اس وقت کھول جاتا ہے ۔ جب وہ مسخنی گرائی

میں مصروف ہو، میرے لیے درگاہ بھی فتنل امجد کا فتنہ، یعنی جب تک
تعلقت عروہ کا کہ مجمع بات نہیں بنتی تھی، تفل نہیں کھلتا تھا، فیک
اسی طرح بات بننے یا بنانے پر میرے دل کی فرحت و کشادگی موقوف ہے۔
۴۔ لغات : زعفرانی : قیدی ۔

شرح : اسے خدا ! اس دیوانگی کی راہ گس سے بیاہیں کہ حبس میں
قید میں تھا تو یہ آرزو تھی کہ میرا خود ہی اور درشت بہانی کا موقع ملے۔ اب
دو آرزو پوری ہوئی تو اس امر پر رشک ہو رہا ہے کہ قیدی کتنے قدام
میں ہیں ۔

دیوانگی یہ کہ نہ پہلی حالت پر اطمینان تھا، نہ دوسری حالت میں سکون
کی کوئی صورت پیدا ہوتی، کبھی جنگوں میں پھرنے کا شوق تھا، اب معلوم
ہوا کہ جو لوگ جنگوں میں پھرتے ہیں، ان کے مقابلے میں وہ لوگ زیادہ
آرام سے ہیں، جو جیل خانے میں بند ہیں۔ اتنے زیادہ آرام میں ہیں کہ
ان کی حالت پر رشک آتا ہے۔

۵۔ لغات : شکست آرزو : آرزو کا ٹوٹنا یعنی پورا نہ ہونا۔
مطلب : اس شعر میں یہ معنی مطلوب، استغالی ہوا ہے ۔

شرح : میں کیا کروں، میری فطرت ہی حسرت و نامرادی کی رہی
ہے۔ اگر کسی چیز کی آرزو پیدا ہوتی ہے تو میرا مقادیر نہیں ہوتا کہ وہ
آرزو پوری ہو جائے، بلکہ اس کے پورا نہ ہونے کا قلب گاور ہوتا ہوں۔
حسرت و نامرادی کی لذت غیبت کو اس درجہ چند ہے کہ ہی کسی آرزو
کے پورا ہونے کا خواہش ہی نہیں۔

۵۔ لغات : آپ بھی : خود ہی ۔

میرزا صاحب : لغات، یہاں صاحب کی ج ملاحظہ کی گئی ہے۔
حال کہ حقیقت گسور ہے۔ دراصل مرزا نے غنت کے بدلے عام بول چال کو

نہیں دی۔ بول چال میں اسے مفتوح ہی بولتے ہیں۔

شرح : دیکھیے غائب دل لگا کر خود بھی مجھ ایسے ہی ہو گئے۔

تاکہ حضرت میرزا صاحب پہلے ہمارے کز و فر کے ساتھ مجھے عشق سے روکنے
رہتے تھے۔ جب خود ان کے دل پر بھی تو مادی پذیر و نصیحت بھری گئی۔

حضور شاہ میں ابلی سخن کی آزمائش ہے
چمن میں خوشنویاں چمن کی آزمائش ہے
قد و گیسو میں قیس و کوکبن کی آزمائش ہے
جہاں ہم ہیں وہاں دار و درسن کی آزمائش ہے
کریں گے کوکبن کے حوصلے کا امتحاں آخر
بنوڑ اُس خستہ کے نیر و سہ تن کی آزمائش ہے
فیہم مصر کو کیا پیر کنہاں کی بوا خواہی
اُسے یوسف کی بوسے پیر من کی آزمائش ہے
وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کیوں پھر کہ غافل تھے
شکیب و صبر اہل انجمن کی آزمائش ہے
رہے گردل میں تیرا اچھا جگر کے پار ہو بہتر
غرض شست بہت تارک فلک کی آزمائش ہے۔

۱۔ شرح :

شعرے ظاہر ہے
کہ وہ غزل جس
مشاعرے میں پڑھی
گئی تھی وہاں
بہادر شاہ ظفر
بہ نفسی نقیب موجود
تھے۔ اقلب ہے
یہ مطلع بادشاہ کے
موجود ہونے کی وجہ
سے موقع پر کہ
یاد کیا جو۔

آج بادشاہ
سعادت کے حضور
حضوروں کی آزمائش
ہے۔ گویا یہ بزم
مشاعرہ ایکسٹرا

نہیں کہ کچھ شہر و زمانہ کے پھندے میں گیرا
 زمانہ داری میں شیخ و پندہ میں کی آزمائش ہے
 پڑا رہا۔ اسے دل و ابستہ۔ عیانی سے کیا حاصل
 مگر چہرہ آب زلف پر شکن کی آزمائش ہے
 رگ و پے میں جب آترے زہرِ غم تب دیکھیے کیا ہو
 سنا ہے۔

۴۔ لغات :

دار و رس :
 سولی اور رستا ،
 جس سے موت کی
 سزا دی جاتی ہے ۔

شرح : بھوت اور مراد کا معاملہ عقل اور شہرتی کے قدر اور نفعوں
 تک نہ دیکھا ، لیکن جس مقام پر ہم ہیں وہاں آزمائش کے لیے سولی اور
 رستا موجود ہے ۔

شرح : مذکورہ دار سے اور گیسو کو رس سے جو تشبیہ دی گئی ہے ۔ :
 محتاج تشریح نہیں ۔ اصل نکتہ یہ ہے کہ اپنا مرتبہ یقین اور کو بھوت سے مراد ہوا
 بدتر نہایت کیا یعنی ان کی آزمائش صرف ان کے محبوبوں کے غم و گیسو ہی تھی
 ہمارے آزمائش دار و رس میں ہے اور دار و رس کہ سزائی تہہ گیسو کے محتاج ہے
 میں سزاوارد و رہ سخت ہے ۔

۵۔ لغات : نیرو : قوت ۔ طاقت

شرح : مراد کے حوصلے کا امتحان تو آگے چل کر ہو گا ۔ اہم تو
 اس غریب کی قوت بدن آزمائی ۴۰ ہی ہے ۔

اس شعر میں مزاد کے قصبے کی طرف توجہ ہے، یعنی اسے پہاڑ کاٹنے کا کام دے دینے کا مطلب مرث اتنا تھا کہ اس کے ہاں کی آنت آزانی ہائے دیکھا جائے کہ اس کی جہاں کی طاقت کتنے پانی میں ہے۔ وہ پہاڑ کاٹ کر جسے شیر دے سکتا ہے یا نہیں۔ اس آرائش میں وہ پورا اُترا۔ پہاڑ کاٹ گیا اور جسے شیر دے نکلی۔ اس کے بعد اس غریب کے حوصلے کا امتحان یوں کیا گیا کہ ایک بڑھیا کو بھیج کر شیریں کے مر جانے کی خبر پہنچا دی گئی۔ یہ خبر سنتے ہی مزاد کا حوصلہ جراب دے گیا اور اس نے آہ بھر کر تیشہ صریح مارا اور وہ غم ہو گیا۔ گویا اس آخری امتحان میں پورا اُترا۔

۴۔ لغات - پیر کھانا : کھانا کا بوڑھا، یعنی حضرت یعقوب۔
جو خواہی : خیر خواہی۔

مشرع : اس شعر میں حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کے واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں یوں آیا ہے، جب حضرت یوسف مصر میں بھائیوں پر قابض ہو گئے تو انہوں نے فرمایا:

”اب تم یوں کر دکر میرا یہ کرتا (بہ طور علامت کے) اپنے ساتھ لے جاؤ اور میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو کہ اس کی آنکھیں روشن ہو جائیں۔ پھر اپنے گھرانے کے تمام آدمیوں کو لے کر میرے پاس آ جاؤ اور جب دکر آئے کہ، تاملنے سے مصر کی سرزمین میں چلاؤ تو اُدھر کھانا ہیں، ان کا باپ بوڑھا، اگر تم لوگ یہ نہ کہنے لگو کہ بڑھاپے سے اس کی عقل باری گئی تو میں کہوں گا: مجھے یوسف کی ملک آ رہی ہے۔ (سورۃ یوسف)

مصر سے آئے انی نسیم کو حضرت یعقوب کی خیر خواہی کا کوئی خیال نہیں، اسے تو حضرت یوسف کے کرتے کی ملک آرائی ہے، یعنی یہ دیکھنا ہے کہ گرفتہ کی ملک مصر سے کھانا پہنچتا ہے یا نہیں۔

۵۔ شرح : دیکھو، غیر درجہ جو جادو، وہ قدرت اگر صبر بزم میں آ رہا ہے۔ پھر کہتا کہ آگاہ کیا گیا اور غافل رہے۔ بزم میں جتنے لوگ بیٹھے ہیں ان کے صبر و ضبط کا امتحان درپیش ہے۔ اسی معلوم ہو جائے گا کہ کون کون کی قدرت گزرتی ہے جتنا ہے۔

مولانا صاحبزادے فرماتے ہیں :

”جیسا صبر و ضبط نے یہاں لگا دیا، ادیب کی نظر میں مراد سے کوئی ڈنڈہ کر دینے سے کم نہیں، مضمون مردہ ہے، فقط صبر و ضبط لگا کر اس میں جان ڈال دی۔ یہ وہی مضمون ہے، جو گرد و غبار خدشا گیا کہ مشرق کے دیکھنے سے صبر و ضبط نہیں باقی رہتا، صبر و ضبط تو لگا دیا، اس کے تین ٹکڑے کر دوہ آ کر بزم میں، جیسے کہتے ہیں دو چاند تیرا (دیکھو) بندھا ہو جادو، دونوں کو منہ سال لو۔ (دیکھو پھر کو غافل تھے) یہ جلد بھی وہی سنی رکھتا ہے، جو دیکھنے کے ہیں۔“
یہیں یہ پتے جتنے کی تاکید ہے اور شعر میں ہیں اسی تاکید سے بہت پیدا ہو گیا ہے اور ”دو“ کے اشارے سے ہے۔
۶۔ لغات - شعست : نشانہ۔
تاوگ ٹکان : تیرا نشانہ۔

شرح : محبوب کا تیرا دل میں رہ جاسے تو وہ بھی اچھا، بلکہ پاد ہو جائے تو اس سے بہتر، بس میں وہ بدلت ہیں اور اس کی تیرا انداز کی آزمائش درپیش ہے۔

۷۔ لغات - گیرانی : گرفت، پکڑ۔

شرح : تمہیں اور تیرا کے پھتے سے میں کون سی پکڑا ہے، یہ دعا ہے کسی کو کیونکر گرفت میں رکھ سکتے ہیں، اصل چیز تو یہ ہے کہ آواز دے، شیخ اور برہمن کی دھڑ دھڑی کا کیا حال ہے، میں دو کب تک اپنے اپنے مسلک پر چلتے

لہہ سکتے ہیں اور اسے نیا دھک پہنا سکتے ہیں۔

۸۔ **تشریح :** اسے قیدی دلی جو ذہن کے پھندے میں بری طرح جکڑا ہوا ہے، آرام و اطمینان سے بیٹھارہ، بیانی اور بقراری سے کیا اٹھائے گا تو اس پھندے سے آزادی کی کوشش کن مرتبہ کر چکا ہے، لیکن تجھے دانی نہیں ملے۔ کیا چھڑائیں تم پر غم ذہن کی قوت گرفت آزمائنا چاہتا ہے جو بار بار آزمائو تاکہ کام رو چکا ہے ؟

۹۔ **تشریح :** بجنوری مرحوم نے لکھا ہے :

”قدرت نے قریب قریب ہر ممکن سیات کو تخلیق بنایا ہے۔ ہندوستان میں جو ذہن زیادہ تر خود کشی کے لیے مستعد ہیں، وہ تیلیا، سنگھیا، دھتورا، انیون اور کھٹا ہیں۔ یہ سب تلخ ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے مشکل اس کا مٹا دینا ہے۔ نہ ہر کا فعل معصوم کے فعل پر منحصر ہے اور دیر غلب ہے۔ چنانچہ دوسری سرحدوں اطراف، امتلا، قنیاں، جریان، خون، پیاس، غنیمت، انفس اور انقباض و تشنج جو موت کی علامتیں ہیں، اس وقت تک شروع نہیں ہوتیں کہ نہ ہر سرایت نہ کر جائے۔ مرنا اسے غم اور رنج کے اثر کا مقابلہ نہ ہر سے خوب کیا۔ آغاز میں غم صرف تلخ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن انجام کار قہر و فتنہ گھٹا کر مادیات ہے۔“

زہر غم رنگوں اور مشیروں میں اترے گا تو دیکھنا چاہیے کہ اس کا اثر کیا ہوگا۔ ابھی تو صرف قہر اور حلق کی کڑواہٹ کا معاملہ درپیش ہے، ابھی تو یہ دیکھنا جا رہا ہے کہ اس تلخ چیز کو کون کون کھانے کی ہمت دکتا ہے۔

۱۰۔ جو بچہ کھن کی آواز سے مراد چرخ کھن کی طرف سے آواز نہیں ہے۔

تشریح : کیا وہ میرے گھر آئیں گے ؟ بھلا یہ ممکن بھی ہے ؟ یا کہ انھوں نے دلدہ کر لیا۔ مگر اسے پورہ کر کے کا خیال کب رکھا ؟ اسے غائب !

دیکھنا کہ اب یہ بوڑھا آسمان ہمیں کس کس نئے نئے نقشے میں بند کر رہا ہے اور ہم پر
کیا کیا مصیبتیں ٹپکتا ہے ۔

کبھی نیکی بھی اُس کے جی میں گر آجائے ہے مجھ سے
جنت میں کر کے اپنی یاد، شرمنا جائے ہے مجھ سے
نورایا! نڈبہ دل کی مگر تاثیر الٰہی ہے
کہ بتنا کھینچتا ہوں اور کھینچتا جائے ہے مجھ سے
وہ بد خو اور میری داستانِ عشقِ طولانی
عبادت مختصر، قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے
اُدھر وہ بیگمائی ہے، ادھر یہ ناتوانی ہے
مذہب چھپا جائے ہے اس سے، مذہب بولا جائے ہے مجھ سے
سنبھلنے دے مجھ سے، اے ناامیدی! کیا قیامت ہے
کہ زمانِ شمال یا پھر چھٹا جائے ہے مجھ سے
تکلیف بر طرت، نظارگی میں بھی سہی، لیکن
وہ دیکھا جانے، کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

۱۔ شرح:
گر میرے بارے
میں محبوبِ کامل
کبھی پسپا ہوتا ہے
اور وہ جاتا ہے
کہ مجھ پر احسان
کرتے تو مصیبت
تو پیش آتی ہے
کہ وہ اپنے چلے
حکم و جور یاد کر
کے شرمنا ہے
اور ہمیں منہ
نہیں دکھاتا۔
یہ معصومی
ہمیں ایک شعر
میں بانٹ دے چکے
ہیں ۔

ظلم سے باز آتے۔ یہ باز نہیں کیا
کہتے ہیں۔ ہم تو کر مٹا دیکھتے ہیں کیا

۴۔ **شرح** : ہونے میں پائو ہی پہلے ، نبر و عشق میں نہ ٹھنی
 نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے ، نہ ٹھہر جائے ہے مجھ سے
 قیامت ہے کہ ہووے ، مدلی کا ہم سفر نائب !
 وہ کافر ، جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے
 اپنی جوت کھینچا ہوں ، نہ اور بھی نہ ہووے ، وہ دھنسا ہوتا اور مجھ سے دور
 بھاگتا ہے ۔

۵۔ **لغات** : توبہ : مراد ہے محبوب ۔

شرح : محبوب ہر مزاج اور تہذیب کا ہے ۔ وہ معمولی بات بھی تحمل
 کر سکتا ہے ، میرے عشق کی داستان بڑی لمبی ہے ، صاف توبہ ہے
 کہ میں وہ داستان نہ صبر کے سہنے دہراؤں ، تو وہ بھی گہرا اٹھتا ہے ۔ پھر یہ
 کہ اگر طعن ہے کہ میرا زور رخ محبوب اسے اڑکی سے آخر تک ہے ، اطمینان سن
 لے گا ؟

۶۔ **شرح** : محبوب کے دل میں توبہ لگانی بیشی ہو تو ہے اور وہ
 میرے دوسرے بہت کو جھوٹا سمجھتا ہے ۔ میں صبر و جفا تو ان دیکھو رہا ہوں
 محبوب کچھ دیکھنے کے لیے تیار نہیں ، اور میں صفت کے باعث ہر لہجہ میں کہتا
 ہوں وہاں لہجائی لڑائے میں : " اس شعر میں ترکیب کے تشابہ اور الفاظ
 کے تکرار سے بہت مٹن پیدا ہو گیا ہے ۔

۷۔ **شرح** : اسے نا اُمیدی احمد کے لیے دم کہ یہ کیا قیامت بزم
 کہ یہی ہے ، مجھے سمجھنے اور دم لینے دے ، یہ میم پور میں نہ کیے جا ۔ تو سنے میں
 تک تو بہت پہنچا رہی کہ میرے ذہن سے خیالی ایہ گویا میں چھوٹا جا رہا ہے ۔ یہ
 مہرٹ گیا تو اتنی کیا رہا ؟

مردنا سمجھتا ہے کہ کسی حالت کا نقشہ اللہ تعالیٰ کے بجائے رنگ و روغن کے ذریعے سے درج و باستر کھینچا جاسکتا ہے، لیکن مرزا نے اس شعر میں لفظوں کے ذریعے سے جو نقشہ پیش کر دیا ہے اسے قانیا کوئی مصور رنگ و روغن کے ذریعے سے پر اسے پر منتقل نہیں کر سکتا، کیونکہ ”میں نہ جانتے ہے“ کی قرین ہی حرکت تصویر میں نہیں دکھائی جاسکتی ہے۔

۶۔ لغات : لکھتے ہر طرف : صاف صاف کتنا، لکھی تھی، کتھے

بغیر کہ دینا۔

نظارہ کی : دیکھنے والا۔

شرح : مانا کہ میں بھی اسے دیکھنے والوں میں ہوں، لیکن صاف صاف

اور لکھی تھی کہ بغیر کہ دیتا ہوں کہ کیا میں یہ ظلم دیکھ سکتا ہوں۔ اس پیارے محبوب کو دیکھا جاتے، مجھے خود دیکھ منظور نہیں، مگر یہ پروا اشت نہیں کر سکتا کہ دوسرے اسے دیکھیں،

یہ مصروف دوسری جگہ یوں بات کر رہا ہے،

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پر، شکستہ ہاتھ ہے

میں اسے دیکھوں، میں کب تجھ سے دیکھ جانتے ہے

۷۔ شرح : خراب حالی فرماتے ہیں :

اس شعر میں ویرانی کیفیت کی تشکیل محسوسات کے ساتھ دی گئی ہے

مطلب یہ ہے کہ وہ قوی، میں سے عشق کے ترک کرنے یا اس کے

شواہد پر تحمل کرنے کی قدرت تھی، اجتہاد نے عشق میں افسوس کو

صبر پہنچا ہے، پس اب نہ عشق ترک ہو سکتا ہے، نہ اس پر صبر رکھ

کیا جاسکتا ہے ؟

بھونڈی مریوم اس شعر کی شرح کرتے جوتے فرماتے ہیں :

جنگ میں اس سے زیادہ مجبور کی کا عالم کوئی نہیں، جب شکستہ گولی

دل یا دماغ میں نہ گئے، انسان کو لڑنے سے فوراً معطل نہیں کر سکتی۔ بہا اور ثقات جدید ہر ایک کا ایک کی گویاں غیر معدہ میں ایک جانب سے دوسری جانب ہڈی لکھتے ٹکڑے کی پشت کی طرف نکل جاتی ہیں اور سوائے شادی بھی خفیف زخموں کے کوئی اثر نہیں ہوتا۔ غشاء معدہ کے سوراخ فوراً خود بخود بند ہو جاتے ہیں۔ بچھڑیوں میں، جگر میں گویاں جین مرتبہ جیسے ہی نہیں ہوتی اور قریب قریب جزو بدن ہو جاتی ہیں، لیکن پاؤں پر گول کا ٹکڑا غصہ ہے۔ نہ پاسے دفن نہ جاتے مرنے مرزا نائب نے میدان عشق میں بے میں ہو جانے کی کیا مثال دی ہے؟ ہم عشق کے میدان جنگ میں پہنچے اور مردانگی سے لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ مصیبت یہ پیش آئی کہ سب سے پہلے پاؤں زخمی ہو گئے۔ اب نہ جانے کی حالت ہے کہ میدان سے نکل جائیں اور نہ ہم کر لڑنے کی قوت ہے۔ ظاہر ہے پاؤں کے زخموں نے اتنا بے نہیں کر دیا کہ شاید سردار سینے کے زخموں کا بھی اثر نہ ہو سکا۔

یہ مضمون بھی ایک اور شعر میں یاد رہا ہے :

دلی ہو اسے پاس شد پاسے ثبات کا

نے جانے کی گون، نہ آہستہ کی تاب ہے

۸۔ ثقات : مدھی : رقیب، خیر، جو عاشق کے مقابلے پر محبت

کا دلو بہار ہو تا ہے۔

شرح : اسے نائب : قیامت ہے کہ بہار، محبوب، جسے ہم

خدا نامہ میں جو سنے کی بنا پر کار کرتے ہیں، خیر کا ہم سفر ہو جاتے، حالانکہ ہمیں

یہ بھی منظور نہیں، اسے رخصت کر سنے وقت "خدا کے حوالے" کہیں۔

زبیکہ مشق تماشا جنوں علامت
کشادہ لبست مژدہ سیل زیامت ہے
زبانوں کیونکہ سٹے راس طعن پر مدق
تجھے کہ آئینہ بھی ورلا فرامست ہے
ہرچ و تاج میں سلک عاقبت مست تو
نگاہ غمزہ میر رشتہ سلامت ہے
وفا مقابل دوحوئے عشق بے بنیاد
جنوں ساختہ و فصل گل قیامت ہے

۱۔ لقات۔ زبیکہ : جو کہ۔

کشادہ لبست : کھولتا اور بند کرنا۔

سیل : قہر۔ طمانچہ

تشریح : چونکہ دنیا کو دیکھنا اور عبرت نہیں، بلکہ رغبت کی نظر سے
دیکھنا اور ان کی نشان ہے۔ اس سے پہلے کہ کھولتا اور بند کرنا حقیقت میں ہشمان
کا طمانچہ ہے۔

مطلب : کہ جو شخص دنیا کو عبرت کی نظر سے دیکھتا ہے اسے یہاں کی چیزوں
سے کوئی وابستگی نہیں ہو سکتی۔ وہ سمجھ سکے گا کہ سب کچھ ماضی اور قاف ہے اور
قدم قدم پر اس کی شاد تین منہ سے آ رہی ہیں اگر اس کے باوجود کوئی شخص دنیا
سے رغبت پیدا کرے اور اسے بغیر رغبت دیکھے تو سمجھ لیتا ہے کہ وہ پاگل
ہے اور پاگل کا علاج یہی ہے کہ اسے جھپٹے پڑیں۔ وہ جو دیکھنے کی حالت میں
انکس جھپٹتا ہے۔ وہی اس کے لیے قیامت کا طمانچہ ہے۔

اس مسئلے میں مرزا ابیدل کا ایک مثنوی لکے اس شعر کا ملاحظہ فرمائیے

جانتا ہے۔

ویدہ و گوہ نقادہ دل محرم نیست

مژدہ برجم دون اندر دست آست کم نیست

اجو اکھو دل کے نگار سے سے عزم نہ ہوئی اس کا پکیں جھیکن دراصل
انہوں کے اتھ کھنسا ہے

ظاہر ہے کہ اس مضمون کو مرزا قات کے مضمون سے کوئی نسبت نہیں۔
۶۔ لغات - در طر : بھنورا گرداب ، پاکت کا مقام ۔

شرح : خدا ہی جانتے کہ تو نے جو حمد توڑا اس پر پھٹنے کا دھبا ۔
کیونکہ تھلے گا ، تو جو پھٹنے سنورنے کے لیے آئینہ دیکھتا ہے ۔ تیرے لیے تودہ
بھی ملامت کا گرداب ہے ۔

مطلب یہ کہ محبوب آئینہ بناؤ سنگار کے لیے دیکھتا ہے اور بناؤ سنگار
کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ دوسرے لوگوں پر اپنے شے کے کرشمے آشکارا کیے
جائیں ۔ پتہ عاشق کے نقطہ نگاہ سے یہ بھانے خود بہ عہد ی ہے ۔ پھر محبوب
کے دامن سے بد بھری کا داراں کیونکہ دور ہو سکتا ہے ؟

۷۔ لغات - ملک عاقبت : آرام و راحت کا رشتہ ۔

شرح : جو جس کے پکاروں میں پڑ کر راحت و آرام کا رشتہ بن کر رہے
نہ کہے نہ کر ۔ کیونکہ جو شخص ہوس میں مبتلا ہو ، اس کے لیے آدم سے بیٹنا
غیر ممکن ہو جاتا ہے ۔ گونا گوں آندوئیں اسے ہر طرف دوڑاتے لیے پھر ہیگی
اور عاقبت ختم ہو جاتے گی ۔ عاجزی کی لگا وہی سہ سہ کی تودہ ہے جو شخص عزیز
اختیار کرے گا وہ ہوس سے بالکل پاک ہو گا ، لہذا اس کی سہ سہی میں کوئی ضرر
نہ آئے گا ۔

۸۔ شرح : محبوب تو دنیا پر آادہ ہو ، لیکن عشق کو دھولی بھنورا ہو
جانتے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ موسم بہار آجائے اور دیوانگی ہو اس موسم میں
میں جوتی ہے ، بناوٹی رو جانتے ۔ یہ منظر قیامت سے کم نہیں ۔

لاغز آتا ہوں کہ گر تو بزم میں جا، دے مجھے
میرا وقت، دیکھ کر گر کوئی بتلا دے مجھے
کیا تعجب ہے کہ اُس کو دیکھ کر آجائے رحم
وان ملک کوئی کسی جیلے سے پہنچا دے مجھے
منہ نہ دکھلاوے، نہ دکھلا، پر بہ اندازِ عتاب
لکھول کہ پردہ خدا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے
یاں ملک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہیں
زُلف گر بہ باؤں تو شانے میں اُلجھا دے مجھے

۱۔ شرح :
میں آتا ہوں اور
کمزور ہو گیا ہوں
کہ اسے محبوب !
اگر تو اپنی محفل
میں دیکھ دے دے
تو میں اس جلت
کا وقت اٹھاتا ہوں
کہ کوئی مجھے دیکھ
کر تباہ نہ کرے گا۔
نہیں ہوں۔
شعر میں صحت

اپنے صنعت اور لافری کی کیفیت بیان کی ہے۔ یعنی کسی کی آنکھیں مجھے دیکھ
ہی نہیں سکتیں۔ میں کسی کو نظر ہی نہیں آ سکتا۔ ایک پیلو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ
محبوب کی بزم میں داخل جاسے یہ رقیب چہ میگوئیاں کرتے تھے اس دم سے
بزم میں آنے کی اجازت نہ تھی۔ مرزا کہتے ہیں کہ مجھے تو کمزوریوں کے باعث
کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا۔ چہرہ میگوئیوں کا کوئی موقع ہے :

۲۔ شرح : میری حالت اس دم غیر برکتی ہے کہ ہر دیکھنے
والے کو مجھ پر رحم آتا ہے۔ اگر کوئی حقیقی ہمدرد ہے تو مجھے کسی ہانے
سے محبوب کے پاس پہنچا دے۔ کچھ عجب نہیں کہ اسے میری حالت دیکھ کر
رحم آجائے۔

۳۔ لغات : آنکھیں دکھلا آ : غصے ہونا۔ بے دردی دکھانا۔
شرح : اسے محبوب : اگر تو چہرہ نہیں دکھاتا۔ نہ دکھا، لیکن غصے

کے انداز میں پر وہ اٹھاتے ہوئے گھور رہا کر دیکھو۔

شرعیہ صلت یہ ہے کہ آنکھیں دکھانے کا وجہ سے پورا چہرہ نہیں تو اس کا ایک حصہ ضرور نظر آجائے گا۔ کیونکہ طفل صرت آنکھیں دکھانے سے ظاہر نہیں ہو سکتی، ضروری ہے کہ پیرے کے اس پاس کا حصہ میں نمایاں ہو۔
 ہم - مشرع : مجھے مسیبت میں مبتلا رکھنے پر محبوب اتنا خوش ہوتا ہے کہ اگر میں اس کی زلفت میں جاؤں تو مجھے وہ کنگھی میں الجھا دے گا۔

باز بچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے	ہوتا ہے شب درو ز تھا شاہ مرے آگے
اک کھیل ہے اور نگ سلیمان مرچہ دیک	الٹات ہے اعجاز میسرا، مرے آگے
جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور	جز وہم نہیں سبھی اشیاء مرے آگے
ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرایہ مرے آگے	گھستتا ہے جبین خاک پر دریا مرے آگے
مست پوچھو کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے	تو دیکھو کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے
سچ کہتے ہو مشروبین و شوکارا ہوں نہ کیوں	میںا ہے بُت آمینہ سیا مرے آگے
پھر دیکھو انداز گل افشانی گفتار	رکھو دے کوئی پیام و صبا مرے آگے
نفرت کا لہلہا کر دے ہے میں رشک گفتار	کیوں کر کہوں، تو نام ذات کا نہ آگے
ایساں مجھے دے کے ہے جو کھینچے ہے کپڑے	کہہ دے پیچھے ہے کلیہ نام مرے آگے
عاشق ہوں پہ مشوق فریبی ہے مرا کام	مجنوں کو بُرا کہتا ہے ایلی نام مرے آگے

خوش چوتھی پر دوسل میں یوں مر نہیں گستا
 آئی شب بچوں کی تنا میرے آگے
 ہے عورت زن اک قلم غم خوش کاش میں جو
 آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا ترے آگے
 گونا گونا کو جنیش نہیں انکھوں میں تارم ہے
 رہنے دو ابھی مانغزو مینا مرے آگے
 ہم جیتہ دم مشرب و ہم دانہ ہے میرا
 غالب کو بڑا کیوں کوہ : اچھا مرے آگے

۱۔ شرح : میری نگاہوں میں دنیا بچوں کا ایک کھیل ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ رات دن ایک قماش میرے سامنے ہو رہی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو واقعات و حادثات بیان رات دن پیش آ رہے ہیں، میرے دل پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ کچھ چرکھیں کھیلتے ہیں، کسی عظیم عقل انسان پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

۲۔ لغات : اورنگ سلیمان : حضرت سیدان کا تخت، جس پر سوار ہو کر وہ جوا میں پروانہ کرتے تھے۔

اچھا : میسج : حضرت عیسیٰ کا معجزہ جو تم باذن اللہ دائر اللہ کے ٹکے تھے۔

شرح : حضرت سیدان کا تخت، جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ جوا میں پروانہ تھا، میرے نزدیک محض ایک کھیل ہے اور حضرت عیسیٰ کے سحرے کو میں محض ایک بات سمجھتا ہوں۔

دوسرے معراج میں خود یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ محض ایک کلمہ میں رات کو گروہ کے کوہ زندہ کر دیتے تھے۔

۳۔ شرح : میں دنیا کے وجود کو حقیقت کچھ نہیں سمجھتا، محض ایک نام ہے جو اس کے لیے رکھ دیا گیا، صلی کچھ نہیں اس طرح اشیاء کا وجود میں میرے لیے وہم سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

مولا نے غالباً بیان فرماتے ہیں کہ تعصوف کے نزدیک اجسام انشادات محسوس نہیں۔ ذات باری تعالیٰ کے سوا کسی شے کو موجود سمجھیں تو یہ موجودات یا تو عبرات ہوں گے، جیسے نفوس، خاک، وغیرہ یا بنیاد سے تصور کردہ اجسام ہوں گے، ہم نفوس و اجسام کے صرف اعراض دیکھتے ہیں، مثلاً نفس کو علم و ارادہ، جسم کو رنگ اور شکل، مجردات کا ناموس، ہونا تو ظاہر ہے، اور ہے اجسام تو ان کے بعض احوال محسوس ہوتے ہیں، مثلاً پہاڑ ہیں جس شے کو ہم جسم گوہ یا ذات گوہ کہتے ہیں، وہ تو دکھائی نہیں دیتی، صرف پہاڑ کا رنگ، اس کی لمبائی چوڑائی اور پھینڈ نظر آتا ہے۔ یہ سب اعراض ہیں، رنگ کے متعلق بھی غلاف اور پٹے ثابت کر دیا ہے کہ یہ دراصل روشنی کی ایک نوع ہے اور اس نوع کا خاص خروج و انشاد ہمیں نظر آتا ہے۔ اسی طرح آواز بھی ہوا کا ایک ارتعاش ہے۔ غرض اجسام کا حقیقی وجود کوئی نہیں اور اعراض ہمارے اوہام کی تخلیق ہیں، لہذا ثابت ہوا کہ جس شے کو عالم کہتے ہیں وہ بعض ایک نام ہے اور اشیاء کی ہستی بعض ایک نام ہے۔

بمخوری مرحوم نے لکھا ہے کہ چند پیشروں کی قدیمی تعلیم کا مفہوم غلط سمجھتے ہوئے عالم کو ایک فریب انگاہ اور دشت سراب سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک خواب ہے، جو چہلم کوہ عالم رویا میں دیکھتی ہے۔ مرزا قاسم کی عقل اس منہایت سے آزاد ہے وہ ہستی کو ہمیشہ اسے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں، لیکن وہ اسے کے منکر ہیں، اگرچہ عالم اجسام غار ہی سے برتر نظر آتا ہے اور نہایت سطحیت گیسوی سے نہایت بھاری دھاتوں تک ہر شے اس میں موجود ہے، لیکن اسے کا وجود غلو بعض بالنسبت ہے، بالذات نہیں، زندگی کی چٹن ہانگ، چلتی پھرتی تصویریں، حرکات و سوات، اذان، کوئی وجود نہیں رکھتیں، جب تک ذہن ان کا ادراک نہ کرے۔ تمام مادہ جس میں خود میراجم اور بنی نوع کے اجسام شامل ہیں، میخان اور میکا ہے اور روح

وہ دو اہل، وہ خیال، جو ان پر قائم ہے، حقیقت ہے۔ غالب کا فلسفہ پہنچنا
 لڑنا، جنگی، برکتی اور نشیے سے ملتا ہے۔ حکمت کے دو سے مراد انہیں
 بھیج ہے۔ اذہ سماعت سے مرکب ہے۔ اگر باطن کے ایک قطرے کو کرنا ان
 کے برابر خیال کریں۔ تو اس کے سماعت چوگان کے گیشہ سے بڑے ہوں گے
 یہ خود اجزاء سے مرکب ہیں، جو اب وہ پختہ خیال تین کیے جاتے ہیں جو بڑی
 سے مرکب مانے جاتے ہیں۔ ہر جز کو اگر ایک کھیا سے مشابہ خیال کریں تو
 بقول سر آبیور لاج یہ جو ہر کھیا میں اذقی ہوتی حقیقوں کی مثال ہیں۔ اگر
 ان کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ پتھر کے حلقوں کی ساخت ہیں، اگر
 ان حلقوں کی گرہ کھل جائے تو محض خیال باقی رہ جائے۔ یوں مرزا غالب کا
 یہ شعر لڑو سے فلسفہ و حکمت بھی درست ثابت ہوگا۔

۴۔ شرح : میں بیا بان میں سیوگر دلی کرتا ہوں تو اتنی خاک اڑاتا
 ہوں کہ پورا بیا بان گرد و غبار میں چھپ جاتا ہے اور دریا کو میرا تاج احترام
 منظور ہے کہ وہ میرے آگے اپنی پیشانی زمین پر گھٹتا ہے۔
 یہ معلوم بھی ہو سکتا ہے کہ میری انگلیوں کے منہ میں دریا جڑ کے
 انعام پر چھو رہا ہے۔

۵۔ شرح : اسے محبوب : نہ پرچہ کہ تیرے عشق میں میر کیا حال
 ہوا، یہ دیکھ کر میرے سامنے تیرا کیا رنگ ہے۔

مطلب یہ کہ عاشق کے دو بد محبوب کی جو کیفیت ہوگی، اسی سے
 عاشق کی حالت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر محبوب کی نظر، گفت و شنید
 پر ہے اور وہ دنا داری سے عشق و محبت کے تقاضے پوسے کر رہا ہے
 تو پھر ہر ہے کہ عاشق کی حالت برائے الطین کی ہوگی۔ اگر اس کے برعکس
 محبوب کو عاشق کے حال پر کوئی توجہ نہیں اور اس سے مسلسل تلافی برتا
 ہے تو پھر ہر ہے کہ عاشق کی حالت زیادہ سے زیادہ خشک ہوگی۔

غرض اس شعر کے ذریعے سے مرزا غالب نے عاشق کی حالت معلوم کرنا
کا ایک پیمانہ پیش کر دیا، یعنی عاشق کے سامنے محبوب کا رنگ۔

۶۔ لغات - خود ہیں : اپنے آپ پر نظر رکھنے والا، معذور
خود پسند -

خود آرا : اپنے آپ کو بنانے اور سنوارنے والا - خود ہیں و خود آرا -
حقیقتہً محبوب کی حقیقتا ہیں کہ اس کی نظر ہر لحظہ اپنے آپ پر رہتی ہے اور
وہ اپنے بناؤ سنگار کا خاص خیال رکھتا ہے۔
آئینہ سیماء : آئینے جیسی پیشانی والا۔

شرح : محبوب لغات مرزا کو کہتا ہے کہ تم تو بڑے خود ہیں و خود آرا
جو - مرزا جواب دیتے ہیں کہ کیوں نہ ہوں ؟ آئینے جیسی پیشانی والا محبوب
میرے سامنے موجود ہے۔

۷۔ دل بناؤ سنگار اس سے مراد دل و مناسب ہنر کہ محبوب کے چہرے
کا آئینہ سامنے ہے۔ دوسرا خود ہیں و خود آرا کی فوجت اس سے آئی کہ محبوب
پاس میں موجود ہے اور عاشق کے لیے خوشی کی سرشاری کا اس سے بڑا موقع
کوئی نہیں ہو سکتا۔ اسی سرشاری کو محبوب نے خود ہیں و خود آرا کی قرار
دے لیا اور کوئی بھی عاشق کو اس حالت میں دیکھتا تو یوں کہتا۔

۸۔ شرح : کوئی شخص میرے سامنے شرب کا پیالہ رکھے
بیرہ کیجیے۔ کیونکہ گلابوں سے چھل رہے ہیں، یعنی شرب کا پیالہ دیکھ کر
طبیعت پرستی کی خاص کیفیت طاری ہو جائے گی اور گفتگو کا انداز ہمدرد
ہو جائے گا۔ اس آئینے و آئینہ کی گفتگو کی محفل افشاں سے
تفسیر کیا۔

۸۔ شرح : محبوب کے سامنے میں میرے رنگ کا یہ حال ہو گیا کہ
میں کا نام بھی کسی کی زبان پر آجاتا تو میں کہہ دیتا کہ میں - امرو - میری تو

یہ کیفیت رشک سے باعث خلق محبوب کے ولی میں لگن پیدا ہوا کہ مجھ سے
سے نفرت ہو گئی ہے۔ اور لوگوں کو بھی یہ شہد ہونے لگا۔ فرماتے ہیں کہ جہان
میں رشک سے دست بردار ہوا۔ آئندہ نہ کوئی لگا کہ محبوب کا نام میرے ملنے
نہ نہ، یعنی رشک اپنی جگہ رہا، لیکن یہ صورت نہ ہوتی چاہیے کہ سب کو محبوب
سے نفرت کا لگن ہونے لگے۔

۹۔ شرح : ایمان مجھے روک رہا ہے کہ محشر ہاؤ، کفر کی طرف
نہ ہاؤ۔ اذھر کفر مجھے اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ جب کشش میں مبتلا ہوں۔
کسی میرے پیچھے ہے اور کھینچا میرے آگے ہے گیا ایمان کو چھوڑ کر کفر
کی طرف چل پڑے ہیں اور دھکیلا آگے کیوں ہوتا ہے

۱۰۔ شرح : جو مشق میں عاشق ہوں۔ لیکن اس کا شوق جو ہوتا ہے
کارناموں سے مشغولوں کو تنہا جیتا ہوں، میرے اس کمال کا یہ نام ہے کہ
میری میرے سامنے جو تو جنت کی برائی شروع کر دیتی ہے۔

مطلب یہ کہ میں مشق میں ایسا رہا ہوں اور خدا کا ہی کے ایسے کرشمے
دیکھتا ہوں، جو مجھ کو مزہ دے اور دوسرے بڑے بڑے عاشقوں کو غیب
نہ ہوسے۔ چنانچہ ان کے محبوب میرے کا، اسے دیکھتے ہیں تو میری طرف دانی
ہو جاتے ہیں اور اپنے عاشقوں کی قدر و قیمت ان کی نظروں میں گھٹ جاتی ہے

۱۱۔ شرح : بیشک وصل ایسی خوش نفسی کی تعریف ہے جس پر
ہر چنگے عاشق کا خیال صورت و انداز دانی ہوتی ہے۔ لیکن نادانی و بگ کی بات
غیر آتی۔ اور حلیہ نہیں کہ خوشی اس حد پر پہنچ جاسے۔ جو عادی ہو کر بات ہو۔
مجھے یہ صورت پیش آتی۔ آہ! معلوم ہوتا ہے کہ میں عبادی کی بات جو کہ
کر رہا تھا۔ دو وصل کی شب پوری ہو گئی۔ یعنی زمانہ پھر کی قضا نے جلازم کر دیا
میں ہاں میں ہاں

مولانا علی ہادی فرماتے ہیں :

”یہ شعر اسی زمین میں بیت الغزل ہے۔ مصنف یہ ہے کہ شب بھجوں
 میں چرمی نے مرنے کی تمنا کی تھی۔ آج وہ بڑا ہول میرے آگے آیا
 کہ وصل کی خوشی میں مر گیا۔ وصل کی خوشی میں مر جانا اور لوگ بھی
 ہاتھ کرتے ہیں۔ مگر یہ بات ہی اور ہے اور ساری کرامت خدا سے
 اور زبان کی ہے جس نے مرنے کے معنوں کو زندہ کر دیا۔ فکر فانی
 کے کارناموں میں یہ شعر بھی شمار کرنا چاہیے۔“

۱۲۔ **شرح :** میری آنکھوں سے خون کا دریا نہ نکلا، جو سامنے لہریں لے
 رہا ہے۔ کاش! اسی پر مساند ختم ہو جاتا، مگر بھلا ہر ایسا کرنے کی امتیہ نہیں دیکھے
 عشق کی راہ میں ابھی کیا کچھ میرے سامنے آنے والا ہے!

۱۳۔ **شرح :** اگرچہ نوح کی حالت سے اور اللہ حرکت کرنے سے رو
 گئے ہیں۔ اتنی سکت باقی نہیں کہ مزامی سے شراب پیالے میں اٹھ لیں اور
 بالیوں، لیکن آنکھوں میں تو دم ابھی باقی ہے۔ اس لیے ابھی پیالہ اور مزامی
 اللہ نہیں دے سکتا میرے سامنے رہنے دو۔

اس سے مقصود وہی ایک گونہ بخودی ہے جس کے کہ وہ مند مرنا غایت
 ہمیشہ رہے۔

ابو نواس کا ایک شعر ہے کہ اسے ساقی! مجھے شراب چاہو اور زبان سے بھی
 کہ کہ یہ شراب ہے۔ خود ابو نواس کے مستحق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک گھٹب
 کے سامنے سے گزرا۔ استاد نے ایک طاب علم سے پرچھا کہ ابو نواس نے یہ
 کیوں کہا، زبان سے بھی کہ کہ یہ شراب ہے، طاب علم نے جواب دیا کہ شراب
 کا پیالہ اللہ میں سے کہ تو بت لاؤ اس سے مستفید ہو گی۔ شراب دیکھ کر ہر
 لذت حاصل کرے گی، شراب پینے سے فرائض شاد کام ہو گا، شراب پینے سے وقت
 شاد اس کی خوشبو سے مستی حاصل کرے گی، صورت ایک مسعود بنی رہے گی، غرض
 ساقی! زبان سے کہے گا کہ یہ شراب ہے تو اسے میں ایک خاص راحت ملے گی۔

گو یا تمام حواس اس خورد و نوش میں خسرکے ہوں گے اور لذت انہما پر پہنچ جانے گی۔

مرقاۃ لب زندگی کی اس منزل پر پہنچ گئے، جب باغرو کے ہوا کوئی جس کا آہ نہیں رہی۔ وہ چاہتے ہیں کہ جب تک باغرو باقی ہے، شراب کو دیکھنے سے جتنی لذت حاصل ہو سکتی ہے، وہ ہوتی رہے اور اس کیفیت کا صحیح اندازہ عرق نوشی ہی کر سکتے ہیں۔

۱۴۔ لغات - ہمیشہ دو یا دو سے زیادہ آدمی اچھی کا پیشہ ایک ہو۔ ایک پیشہ اور ایک ہی کام کرنے والے۔

ہمیشہ شراب : دو یا دو سے زیادہ آدمی، جن کا مسک، مذہب اور طور طریقہ ایک ہو، نیز جو مل کر شراب پیئیں۔

مشرع : غالب تو میرا ہم پیشہ، ہم مشرب اور ہمراز ہے، وہی کام کرتا ہے، جو میں کرتا ہوں۔ وہ میرا ہم مسک ہے اور ہم اگلے کھاتے پیتے ہیں۔ میرے رازداری میں ہیں وہ خسرکے ہے، اسے کیوں بڑا کہتے ہو؟ اچھا کر نہیں کہتے، ہمارا ہی ہے تو کم از کم میرے سامنے تو نہ کہو۔

کہوں جو حال تو کہتے ہو، "مذہا کیسے"۔
 تمہیں کہو کہ جو تم یوں کہو، تو کیا کیسے؟
 نہ کیوں طعن سے پھر تم کہ "ہم سستہ گر ہیں"
 مجھے تو خوش ہے کہ جو کچھ کہو، "بجائے کیسے"
 ۱۔ شرح :
 اسے محبوب : اگر
 میں اچھا عالی زاد
 آپ کے سامنے
 پیش کرتا ہوں تو
 آپ کو دیتے ہیں
 یہ طوفانی داستان

سننے کے لیے ہوسے
 ہاں وقت نہیں ،
 مصیبت کی بات کو
 اور بناؤ کیا چاہتے
 جو یہ چاہو عاشق
 اس صورت حال
 پر تیرا ہر کوئی
 کرتا ہے ، آپ ہی
 فرمائیں کہ آپ کے
 اس ارشاد کے بعد
 کیا کہوں اور کیا کہ
 سکتا ہوں ؟
 مصیبت یہ کہ
 عاشق اپنی حالت
 محبوب کے سامنے
 اس لیے پیش کرتا
 ہے کہ اسے ہم
 آجائے اور عاشق
 کا دعا جو محبوب پر
 پوری طرح واضح
 ہوتا ہے ، پورا ہو
 جائے ، یہی محبوب
 وہ کیفیت ہی ستا

وہ ٹیشر سی ، پر دل میں جب اتر جاوے
 نگاہِ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کیے
 نہیں تو دیندہ راحت ، ہر راحت پر کیاں
 وہ زخمِ تیغ ہے ، جس کو کہ دکھنا کیے
 جو مدعی بنے ، اس کے نہ مدعی بنیے
 جو ناسزا کہے ، اس کو نہ ناسزا کیے
 کہیں حقیقت ہانکا ہی مرض کیے
 کہیں مصیبت ناسازی دوا کیے
 کبھی شکایتِ رنج گراں نشیں کیے
 کبھی حکایتِ صبر گر نہ پا کیے
 رہے نہ جان تو تاقی کو خوشباد بھی
 کئے زبان ، تو شجر کو مرحب کیے
 نہیں نگار کو الفت ، نہ ہو نگار تو ہے
 روانیِ روش و مستی ادا کیے
 نہیں بہار کو فرصت ، نہ ہو بہار تو ہے
 ظراوتِ چمن و خوبی ہوا کیے

سفینہ خیب کہ کنارے پر آدگاہ قلاب ! گواہ انہیں کہ

خدا سے کیا ستم و جور ناسخدا کیسے ! جو اس کے دل میں
رہم و عطیت اور

زنی پیدا کرنے کا موجب سمجھی جاسکتی ہے نیز حال سننے سے جزا دہی یا بدہی
کا مطلب ہی یہ ہے کہ محبوب کو ناشن کا کچھ خیال نہیں۔ اب وہ یہ چاہا کہ محبوب ہی
سے پوچھتا ہے کہ آپ کی اس دوش کے بند میں کھوں تو کیا کہوں ؟

۲۔ **مشرع :** اسے محبوب ! میں آپ کی سنگدلی اور بیوری کی شکایت
کرتا ہوں تو آپ کہتے ہیں کہ میں نے سن لیا ، جاؤ ! ہم راضی تمام اور بہتر ہیں ۔
آپ کو اندو سے طعن بھی یہ نہ کہنا چاہیے ، کیونکہ میری تو عادت ہی یہ ہے کہ آپ
جو کچھ فرماتیں ۔ میں بجا اور درست کہتا ہاؤں ۔ گوئی اس طرح جاؤ اور میری
زبان سے آپ کی حرم گری کی تصدیق ہو جائے گی ۔

۳۔ **مشرع :** ہاں وہ محبوب کی نگاہ ناز ایک نشتر ہے ، ایسی جیب وہ
نشتر دل میں آکر تھامے تو اسے کیوں ہانی پہ پانی چیل نہ سکیں !
مطلب یہ ہے کہ دل میں وہی چیز اتر آتی ہے جو محبوب جو ۔ یقیناً محبوب
کی نگاہ نشتر ہے ، مگر فطرتیں جوستے ہی وہ آشتی ہو جاتی ہے ۔

۴۔ **اسی شعر کی شرح ہم پہلے خطوط غالب سے نقل کر چکے ہیں ، ملاحظہ**
ہو شرعاً !

زلم سنو دادا دی تنگی دل کی یاد

تیر جو سینہ بسمل سے پناہ ملان لگا

مطلب یہ کہ تو کہ تیر کا نہ تم دلی راحت کا ذریعہ نہیں ہی سکتا ۔ کیوں کہ

آپ تیر سے جو نہ تم گئے گا وہ نہایت معمولی اور چھوٹا سا ہوگا ۔ جس (خود)

دکھتا یعنی دل کھول دینے والا نہ کہتے ہیں ۔ وہ تو ار کا نہ تم ہے ۔

شعر میں غلط و دکھلا کے دو معنی ہیں ۔ اول راحت افزا دل شکستہ کو دینے

فرحت انگیز۔ دوم دل کو کھول دینے والا یعنی فرائح اور وسیع۔ تیسرا
دروں معنی بالکل ٹھیک اترتے ہیں، یعنی نہ غم تیج فرحت افزا بھی ہے،
فرائح اور وسیع بھی۔

۵۔ ۱۰۔ لغات : مدحی : دعوئے کرنے والا، اللہ کرنے والا
حریت، دشمن۔

جان لگا ہی : جان گھٹانا، تکلیف کی شدت۔
گراں قشیں : جہم کو بچھڑ جانے والا، جسے دور کرنا مشکل ہو،
جہادی۔

گریز پا : بھاگنے والا، ناپائدار، استوار
خوشنہا : خون کی قیمت، جو رقم خون کے بدلے میں مقتول کے
ادب کو دی جائے۔

روانی روش : خوش رفتاری، خوش فزائی،
شہر : اگر کوئی حریت اور دشمن ہے تو اس سے دشمنی کا قصد نہ
کرنا چاہیے، جو شخص ہمارے متعلق تازہ باتیں کہے اس کے جواب میں ایسی
بی باتیں نہ کہنی چاہییں۔

کہیں بیداری کے جان گھٹا دینے کی حقیقت قلم بند کیجیے۔ کہیں یہ مصیبت
بیان کیجیے کہ دوا سوائف نہیں۔

کبھی ایسے رنج کی شکایت کیجیے، جو دل میں اس طرح بچھڑ جائے کہ
اُسے دور کرنا ممکن نہ ہو۔ کبھی اُس صبر کی داستان سنائیے جو بالکل ناپائدار
ہے اور ہمیشہ بھاگنے کے درپے رہتا ہے۔

اگر جان جاتی ہے تو قاتل کی خدمت میں خود نہا پیش کرنا چاہیے۔ اگر نہ ہی
کت جائے تو خیر کو مرحبا و آمیز گئی چاہئے۔

اگر محبوب کو عاشق سے محبت نہیں اور اس کا جوہر خیر الفت سے خالی ہے

تو کچھ چڑا نہیں۔ محبوب تو سچہ۔ اس کی رفتار کی رفتار میں اور ناز و انداز کی مستی کا ذکر کرنا چاہیے۔

مطلب یہ کہ اگر محبوب میں الفت نہیں تو نہ اس کی محبوبی نرالی ہوتی ہے نہ اس کی خوش خرامی اور ناز و انداز میں کوئی فرق آتا ہے۔ گویا محبوبیت ہر قسم باقی رہتی ہے۔

اگر بہار تھوڑی دیر کے لیے آتی ہے اور جلد رخصت ہو جاتی ہے۔ تو مقابلہ نہیں، بہار تو ہے۔ اس کی وجہ سے بارغ میں ہر طرف طراست و شادابی پیدا ہو جاتی ہے اور، بچا میں ایک خاص دلکشی آ جاتی ہے۔ یعنی بہار کی کم فرستہ کے باعث اس کے ساتھ ہی جو ہر تو ختم نہیں ہو جاتے۔

۱۱۔ لغات - سبب و کشش - ناز۔

تاخدا : قرح۔

شرح : اس غائب! جب آؤ گا، ہے پ آگے تو قرح سے دو دن سفر میں ہم پر جو خرم و ستم کے خدا سے ان کی فریاد کیا کریں ؟

مطلب یہ کہ جب اصل وقت گزر گیا تو کسی کی برائی یاد نہ رکھنی چاہیے، ٹھیکہ دینی چاہیے، کیونکہ جاگتی پیش آ رہا ہے۔ وہ کسی بھی صورت میں کالعدم نہیں ہو سکتا، پھر ہے یاد رکھنے سے کیا فائدہ ؟

۱۲۔ غائبانہ فرمائش ہے کہ غائب سے چار باتوں میں محبت، الفت کو مسخر کر دیا ہے۔ ان میں سے دو یاد رکھنے کی ہیں یعنی موت کو آنا اور خدا کا عاجز و ناتواں ہونا اور وہ جھولی جانے کی ہیں۔ یعنی کسی پر کچھ احسان کیا جو کسی نے کچھ برائی کی ہو۔

مرزا غائب نے اس شعر میں بھول جانے کی ایک بات کا ذکر نہایت پرتکبر انداز میں کر دیا۔

۱۔ شرح:

خواجہ عالی فرماتے

ہیں:

”دھویا ہانا“

بے شرم و بیباک ہونا

پاک، آزاد یا شہید

مستجاب نہ ہونے کا صیغہ

نکاح، نکاح سے آنسو

غیر نکاح تھے تو

اس بات کا پاس لانا

شاکر عشق کا راز کسی

پر ظاہر ہوئے ہوتے

مگر جب ردِ نامحبت نہ

ہو سکا اور ہر وقت

آنسو جاری رہتے

تو اخلاقیات و اخلاق

کافیال جاتا رہا اور

ایسے بے شرم و بیباک

ہو گئے کہ آزادوں

اور غلاموں کی طرح

کھل کھینے۔ اس

مستجاب کو ان مخلوق میں اور کہنا

ہو گئے۔ اور اس کی بات ہے۔

رونے سے اور عشق میں ہے پاک ہو گئے

دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے

صرف بہانے سے ہوئے آلاتِ میکش

تھے یہ ہی دو حساب، سو یوں پاک ہو گئے

دھوئے دھوئے گو ہوئے آوارگی سے تم

بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے

کہتا ہے کون نالہ بُھیل کو بے اثر؛

ہم دے میں گل کے لاکھ بگڑ چاک ہو گئے

پوچھے ہے کیا وجودِ عدم اہل شوق کا؛

آپ اپنی آگ کے غس و غاشاک ہو گئے

کرنے گئے تھے اس سے تغافل کا ہم بگڑ

کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

اس رنگ سے گل اس نے اٹھائی، اس کی کنش

دشمن بھی جس کو دیکھ کے غم ناک ہو گئے

ہو گئے کہ روئے سے ایسے دھوئے گئے کہ بس پاک

ہو گئے۔ اور اس کی بات ہے۔

جب تک شکبہ کی جلدی نہیں ہوتی حتیٰ کہ خیال تھا کہ عشق کا جھپکسی پر
 نچر رہا ہوئے ہونے۔ جب طبیب کے قلم بند ٹوٹ گئے اور گرج دنا دسی شروع
 ہو گئی تو ان پھیپھوں کے کھٹنے کا معاذ ہی ختم ہو گیا، کیونکہ شکبہ کی سے ہر شخص کا
 گلی، جسم میں عشق میں مبتلا ہیں۔ عام قاعدہ ہے کہ جب تک جھپکسی اور شکبہ کی جلدی
 بڑی اختیار کرتا ہے، لیکن جب حقیقت ہے اختیار و اختیاج جو جانے تو طبیب کی گواہی
 ہی باقی نہیں رہتی اور دلتہ۔ لہٰذا رسوائی کا احساں گنہ جو تے نبوت ختم ہو جاتا ہے۔
 یہی صورت مرزا قاسم کو پیش آئی۔ دلتے سے ایسے رعبہ گئے کہ پاؤں دلتے
 کا کوئی تیر لگا رہا۔ بالکل پاک ہو گئے۔ یعنی طبیب و اختیار سے، طالعے پر دلتی
 اختیار کر لی۔

۲۔ لغات۔ پہا: قیمت۔

آلات میکشی: شراب نوشی کا سرد سادہ۔

شرح: جہاں سے یہ دو ہی تھپتے تھے، ایک یہ کہ شراب پینے، خاص
 یہ کہ شراب کے سرد سادہ سے فارغ ہو جاتی۔ چنانچہ ہم نے شراب نوشی کا
 پورا سرد سادہ کی قیمت میں لے لیا۔ اسی طرح عمارت سے دلتی سادہ
 عمارت ہو گئے۔ یہ شراب کی قیمت جہاں سے لے لیا، ہی دلت سرد سادہ کی سادہ۔
 ان کے پھر لے کی مصیبت سے دلت ہوئے۔

۳۔ شرح: اگر یہ تہرہ صیغہ، اور کی کے باعث دلتا بھر ہی ہو جو
 گئے۔ لیکن آج تو بچہ کو تھا، یہ طبیعتوں میں چاہائی آگئی۔ سادگی اور سادہ دلتی باقی
 رہی۔ اب کوئی صیغہ غریب نہیں لے سکتا۔

مولا علی بابا کی: راستے میں کہ طبیعتوں کا چاہا ہو، عمارت ہے۔ اسی مقام
 پہنچ اور مفرد: خون حرج ہوتے ہیں، لیکن مستف پنے شعلہ ہیں۔ جنوں سے
 جس کے ساتھ ظہر کی۔ سادگی لفظ، اسی کو کہتے ہیں۔

۴۔ شرح: کون کتنا ہے کہ جہاں کی فراوانی ہے، اثر ہی ہے جو

جیہاں کھلتے ہیں، کیا معلوم نہیں کہ ان کے ہوسے میں لاکھ جگر چاک ترسے ہیں؟ یہ
ہیل کی خرابی ہی کا اثر ہے، جو مزید بھل کے پر ہوسے میں لاکھوں جگر چیر کر رکھ
دیتی ہے۔ اسے بے اثر قرار دینے کی کون سی وجہ ہے؟

۵۔ **شرح**۔ اہل شوق کی بقا و فنا کے بارے میں کیا پوچھتے ہو؟ یہ کوئی
بیان کرنے کی چیز ہے؟ وہ لوگ تو اپنے عشق کی آگ میں غس، غاشاک کی
طرح مل بجھے۔

کمال یہ ہے کہ اہل شوق اپنی آگ میں غس و غاشاک کی طرح جھتے ہیں،
یعنی ان سوکھے ہوئے تنگوں اور پتوں کی طرح، جنہیں ممانٹ کر کے بارغ سے باہر
چھینک دیتے ہیں۔ یقیناً عشق کی آگ سب کو اسی طرح جلاتی ہے۔ اس کے نزدیک
کس کی بقا کوئی خاص وزن نہیں رکھتی۔ جو کچھ ذاتِ باری تعالیٰ کے ہوا ہے،
وہ کوڑا کرکٹ ہے اور اس کے لیے میں نہ بیا ہے کہ آگ کی قدر ہو جائے عشق
کی آگ میں کام انجام دیتی ہے۔ اب ہر معاملہ بقا و فنا کا تو انہوں نے نارینی
بقا سے نجات پائی اور حقیقی بقا میں گم ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ مرزا نے شعر میں
بقا و فنا کو معاملہ واضح نہیں کیا۔

۶۔ **شرح** : خواہر عاتق فرماتے ہیں،

ہم نے اس کے تعلق سے تنگ آ کر شکایت کی تھی اور اس کی
توجہ کے خواستگار ہوئے تھے۔ جب اس نے توجہ کی تو ایک ہی
نگاہ میں ہمیں فنا کر دیا؟

مطلب یہ کہ محبوب کے ہوسے کی تاب کوئی نہیں دے سکتا، ہم سمجھتے تھے کہ
ہم سے تعلق برتنا یا مارا ہے، یہ شکایت سے کہ محبوب کے پاس پہنچے اس نے
ایک نگاہ ہم پر ڈالی، نتیجہ یہ ہوا کہ ہم لاکھ جگر چیر کر رہ گئے۔
محبوب حقیقی کے ہوسے کی آندہ ہر دلی میں موجزن ہے۔ لیکن اس کے ساتھ
کو ہنسنا ہنسنے کی ہمت کسی میں نہیں۔

۱۔ **شرح :** کل اس نے اسد کی نفس ایسے اذات سے اٹھائی کہ نہیں
بھی اسے دیکھ کر دلچسپی و غم کے پیکر بن گئے۔

شاید کس صاحب کے دل میں یہ دوسو سو پیدا ہو کہ نفس اٹھانے کی کیفیت
معتق طریق پر بیان نہیں کی گئی تو یہ دوسو سو پیدا ہو گا۔ دوسرا صریح صاف بتا
دے کہ نفس اٹھانے کا طریقہ اتنا بُرا تھا، جسے دیکھ کر دشمنوں کے دل بھی
ذہل گئے اور وہ بھی مسخ و فم میں مبتلا ہو گئے۔

نشد با شاداب رنگ و ساز ہا مستِ طرب
شیرینے سرو سبز جو شاربِ نغمہ ہے
ہم نشینِ مست کہ کہہ بر ہم کر نہ بزمِ عیش و دست
واں تو میرے نالے کو بھی اعتبارِ نغمہ ہے
ار لغات
شاداب :
سیراب شدہ
دو جہ تردد آواز
جو شارب :
خوبی۔ ہنر۔

شرح : نئے نہایت رنگین اور پُر طعنت ہیں۔ ساز خوشی میں مست
نظر آتے ہیں۔ شراب کی مراچی نغمے کی نثر رواں کے کنارے سبز سرو
کی بار دکھا رہی ہے۔

قلمبر ہے کہ پورا منظر فضل بہار کا ہے۔ جب شراب پیئے، مست ہو جائے
رہے۔ رنگ و رنگ سننے کا خاص طعنت آتا ہے۔ ایسے ہی وقت میں دل
پر یہ اثر پیدا ہوتا ہے کہ اگر گیتوں کو ایک ہنرِ مزمن کر دیا جائے تو اس
ہنر کے کنارے شراب کی مراچی کے سوا سرو کا کام کوئی نہیں دے سکتا۔
عرصِ شراب اور رنگ و رنگ کی نہایت موزوں بزم کا نقشہ پیش کر دیا ہے۔
۲۔ **شرح :** اسے ہمدم اتوجھے یہ کیوں سمجھا آتا ہے کہ شراب و نغمات

بند کر اور محبوب کی بزم عیش و رجم پر ہم نہ کر؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اس
بزم میں تو میری فریاد و فغاں کو بھی غصے کی حیثیت حاصل ہے، پھر اس
سے اس کی محفل عیش کیونکر کتہہ ہو گی؟

دوسرے مصرعے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، اول یہ کہ محبوب اپنی
فریاد و فغاں سے بے حد خوش ہوتا ہے، گو یا میرا نالہ بھی غصے کی حیثیت
رکھتا ہے۔ جب نالہ غصہ بن گیا تو محفل عیش میں خلل کیونکر پیدا ہو گا؟
دوم یہ کہ محبوب کا ماحول اس درجہ مسرت خیز و نشاط افزا ہے کہ
باہر سے فریاد و فغاں بھی وہاں پہنچے تو غصے کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔
دونوں صورتوں میں محبوب کی بزم عیش کے درجم پر ہم چوسنے کا کوئی موقع
نہیں۔

اب تشریح:
بخنے کے لیے
لازم ہے کہ
دانتوں کی
شوخی کا کرشمہ
نہاں کیا جائے
دستوں کی
جھپٹ کا دعویٰ
ہنس کا مقام
ہے۔
مہتاب پر
کہ بختے وقت

عرض ناز شوخی دندان برائے خندہ ہے
دعویٰ حقیقت احباب، جائے خندہ ہے
ہے عدم میں غنچہ، محو عبرت انجم گل
یک جہاں زانوائے تامل، ورتقائے خندہ ہے
کلفتِ امردگی کو عیش بیتا، بی حرام
ورنہ دندان درد دل افشردن بناے خندہ ہے
سوزشِ باطن کے ہیں احباب منکر، ورنہ یاں
دل محیط گریہ و لب آشناے خندہ ہے

دانت نمایاں ہوتے ہیں۔ اکٹھے ہونے کے باوجود تمام دانت جگ جگ
 ہیں اور کبھی کبھار شیش روہ سکتے۔ یہی کیفیت دو ستروں کے جمیع کی ہے۔
 جس طرح دانت طبعاً اپنے جہد و گیرے مکمل ہاتے ہیں، اسی طرح اجنبی کا
 مجموعہیں دانت دانت بکھر جائے گا۔ لہذا ان کے اکٹھے رہنے کا جہد دعویٰ کیا
 جاتا ہے۔ اس پر تقریباً سبش دینا بالکل بہا ہے۔

۴۔ لغات۔ ایک جہاں ژالو تامل : مدورہ منکر و تامل : مدورہ
 کا لفظ اس سے لے کر حوزہ و فکر کے وقت انسان عموماً منکر و تامل پر مکتبہ
 قضا : ہیچے۔

شرح : کل کا منہ بند ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دم چپ
 میٹھی ہوئی ہے اور پھول کے انجام سے عبرت حاصل کر لے میں مصروف
 ہے۔ ہنسی کے بعد بیحد غور و فکر کا مقام ہے۔

مصاب : کہ کل کھلے گی جسے پھول کا جھنڈا قرار دیا، خوشبو بکھرے گی
 پھر پھول کی پنکھر یاں ایک ایک کر کے گر جائیں گی اور وہ ناپید ہو جائے گا
 گویا جھنڈے کا انجام عبرت کا مقام ہے اور کل جب تک بند ہے، اسی
 سے کسب عبرت کر رہی ہے۔

۵۔ لغات۔ کلفت : تکلیف، کدورت۔

وندہاں دروہل افشردن : دانت ول میں گڑو دینا۔ خارسی بخارہ
 بنو تکلیف وہ حالات کو صبر سے برداشت کر لینے کے لیے بولا جاتا ہے۔

شرح : میں امروہ، پڑ مرودہ ول تنگ بروں۔ اس حالت
 کی تکلیف کے لیے اضطراب و بقراری کا عیش حرام ہے۔

مصاب : ہے کہ امروہ کی کلفت ہی القبا من الدول گرانی ہے۔
 اسے بے تابی اور بے چینی کی قادیان کہاں کیوں کہ نصیب ہو سکتی ہے
 بے چینی اور بے تابی حرکت و جنبش کی نشا منی ہے۔ ظاہر ہے کہ امروہ کی

اور دل گرنگی کے مقابلے میں بیتابی عیش کی حالت ہے اور اندرونی
کو عیش نصیب نہیں ہو سکتا اور نہ راحت دل میں گردش دین یعنی ہر قسم
کے کمزوریات صبر سے برداشت کر لیتا ہی نہیں کی بنیاد ہے۔

کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اس زندگی میں ہزاروں تکلیف و محنتیں
پیش آتی ہیں۔ یہاں ہم لوگ مسرت و نشاط مانی ہیں بھی مصروف ہائے
جاتے ہیں۔ سبب یہ ہے کہ وہ کمزوریات صبر سے برداشت کر لیتے ہیں۔
یوں ان کے لیے ہستی کا موقع پیدا ہو جاتا ہے، لیکن اندرونی کے لیے
بے تابی کا عیش ممکن نہیں۔

۴۔ لغات - محیط : احاطہ کرنے والا مفاد ہی واسطے اسے
بحر بکراں کے معنی میں استعمال کرتے ہیں، کیونکہ باقی نے زمین کو ہر طرف
سے گھیر رکھا ہے۔

تشریح : میرے دوست اور ہمدم اندرونی شورش کے قائل نہیں
اور نہ ان پر واضح ہو جائے کہ میرا دل گریبے کا ایک بیکراں سمندر ہے اور
لب بڑی بے تکلفی سے خندہ زنی میں مشغول ہیں۔ یعنی میرے اندرونی
حالات ظاہر پر اثر انداز نہیں ہوتے اور ظاہری آشام کو میرے اندرونی
حالات کا نقشہ نہ سمجھنا چاہیے۔ میں اندر ہی اندر جلی رہا ہوں، لیکن کسی
پر یہ راز ظاہر نہیں ہونے دیتا، کیونکہ برابر محبت رہتا ہوں اور دل کی
کیسٹ کسی پر آشکارا نہیں ہوتی۔

۱۔ لغات حسن بے پروا، خریدار متاع جلوہ ہے
آئندہ زانوئے فکر آئندہ زانوئے فکر اختراع جلوہ ہے

تاکجا اسے آگہی اور نگہ تماشا بافتن
چو کہ غور و فکر کے وقت
چشم واکر دیدہ، آغوش و دریا جلوہ ہے
انہی عموماً کہتے پر سر
نارسی و اسے ڈانڈ کو آئینہ بھی کہتے ہیں۔

اختر ارج : ایجاب

شرح : بنا شبہ حسن بانگں بچے پیدا اور بے نیاز ہے۔ وہاں ہوتا
جلوہ آرائی کا خاص شوق ہے۔ گو یادہ برابر جلوے کی متاع کا خریدار چلا
جاتا ہے۔ وہ زانو پر آئینہ رکھ کر بناؤ سنگار کرتا ہے تو مقصد یہ ہوتا ہے
کہ جلوہ آرائی کے نئے نئے طریقے سوچے۔

۲۔ لغات۔ رنگ بافتن : رنگ شکستن یعنی رنگ کا پرن
اور متغیر ہونا۔

شرح : اسے علم و شعور : تم کب تک عالم امکان کے دیکھنے کا رنگ
بدستہ چوگے ؟ یعنی کب تک ممکنات و صورتوں میں اس دنیا کی چیزوں پر نظر
جمائے رکھو گے ؟ کیا نظریں معلوم نہیں کہ آئینہ ایک مرتبہ کھلتی ہے تو مطلب
یہ ہوتا ہے کہ جلوے سے رغبت کے لیے آغوش کھولی دی ہے ؟ گو یادہ
اس درجہ آئی و فانی ہے کہ ہر ایک جھپکنے میں رغبت ہوتا چلا جاتا ہے۔

جب تک زبان زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ نتیجہ سے راہِ سخن واکرے کوئی
عالم غبار و حشتِ مجنوں ہے سر بسر
کب تک خیال طستِ بیل کرے کوئی
۱۔ شرح :
اسے محبوب حقیقی :
نتیجہ سے غفلت کا راستہ
اس وقت تک کھنڈ
مشکل ہے۔ جب

افسردگی نہیں، طلبِ انشا سے انتقامات
 ہاں دردِ بن کے دل میں مگر جا کرے کوئی
 روئے سے اسے ندیم! ملامت نہ کر مجھے
 آخر کبھی تو عقدِ دل وا کرے کوئی
 چاکِ جگر سے جب رو پر سمش نہ وا ہوئی
 کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی
 لختِ ہگر سے بے رگ ہر خار شاخ گل
 تماچند باغیاں صحر ا کرے کوئی
 ناکامی نگاہ ہے، برقی نظارہ سوز
 تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
 ہر شک و خشت ہے صدفِ گوہر شکست
 نقصان نہیں، جنوں سے جو سودا کرے کوئی
 سہر بر ہوئی نہ وعدہ صبر آڑ ما سے عمر
 فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی
 ہے وحشتِ طبیعت ایہ بار، یا اس خیر
 یہ درد وہ نہیں ہے کہ پیدا کرے کوئی

شک و خفت
 پر نہ خم
 کو نہ نہ
 پیدا کرنا
 چاہے -
 گویا جیب
 تیرے تیرے
 ساتھ ملتی
 کی حقیقت
 تراپ
 پیدا نہ
 ہو وہ
 بہ خط
 قائم کر
 دینا غیر
 ممکن ہے
 تیرے سلسلہ
 بین صورت
 و محاورات
 کتنے ہیں -
 ہر حال میں
 اس کی توجہ
 باختم نیست
 میں منہ

بیکار ہی جتوں کو ہے سر پٹنے کا شغل سے کرتے
 جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پیر کیا کرے کوئی
 حسن فروغ شمع معنی دور ہے اسد
 پہلے دلی گداخت پیدا کرے کوئی
 دے سکتا اس کے لیے دل پر عشق کا ایسا دم کا گنا چاہیے جو نہ
 کام دے سکے۔

۴۔ شرح : دنیا پوری کی پوری بہنوں کی وحشت کے باعث
 گرد و غبار ہی گئی، گویا نہ ہی سے آسمان تک ہی گرد و غبار پوری صفایا
 مادی ہو گیا۔ اب سوچنا چاہیے کہ یہی کے خطرے کو اس سے کیونکر بچا جائے
 مطلب یہ کہ عشق نے یہاں ایسا جنگ مہم کیا کر رکھا ہے کہ اس میں شے
 کے لیے اپنا آتش و نیا نئی مخلوق رکھتا ہی مشکل معلوم ہوتا ہے۔

۵۔ لغات - طرب انشا : شادمانی پیدا کرنے والا۔
 شرح : میں میں انشرو کی اور دلی گرنتی ہیں مبتلا ہوں اس میں محبوب
 کے انشقات سے شاد و شادمانی پیدا نہیں ہو سکتی۔ یعنی نفس اس کی توجہ
 سے میری انشرو کی کا ختم ہونا محال ہے۔ اہل محبوب درد ہن کہ دل کے اندر
 جانیئے تو میں سمجھوں کہ حالت بدلنے کی کوئی صورت نہ پیدا ہوئی۔

۶۔ شرح : اسے ہمدم میں دوتا ہوں تو تو مجھے طاقت کیوں کرتے
 دکھاؤ آخر توجہ بنا کر دلی کی گرد کا نہ کھن کوئی کب تک گورا کرے، کچھ دیکھ
 تو انتظام ہوتا یا ہے۔ کبھی تو اس گرد کا کھن بھی نہ سب مان لیتا پائیے۔

۷۔ شرح : جب ہم سے جگہ چھ لینے پر بھی محبوب ہمارے حال
 پر مہنے پر متوجہ نہ ہوا تو خدا کے لیے بتا کر امید گر بیان کو رسوا کرنے کا

کیا فائدہ ہے ؟ میں پاک بکر حبیباً عظیم القدر کار نامہ انجام دے چکنے کے بعد
 بھی مدعا حاصل نہ ہوا تو کرتا پھاڑ لینے سے کیا ہے گا ، جو پاک بکر کے مقابلے
 میں بالکل بے حقیقت ہے ؟

اس شعر میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ جو مقصد بڑی بڑی قربانوں
 سے حاصل نہ ہوا ، اس کے لیے کمتر قربانیوں سے کام لینا یقیناً بے سود
 ہے ۔

۶۔ لغات۔ تخت بکر : بکر کے ٹکڑے۔

شرح : میں صحرائیں چکر لگا رہا ہوں۔ وہاں کا ہر کاشا میرے
 بکر کے ٹکڑوں سے پھول کی شاخ بن گیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کب
 تک صحرائیں باغبانی کا فرماں ، بہام دیا جائے ؟ میں کب تک اس کے
 کانٹوں کو شاخوں سے گل اور اس کی وسعت کو خیاں بنانے کی کوشش
 کرتا رہا۔

یہ خیال غامضی میں بھی ایک بکر بڑی خوبی سے نظم کیا ہے :

آہستہ ایم ہر میر غم سے یہ خوب دلی

قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم

دہم نے ہر کانٹے کو دل کے مو سے لت پت کر دیا ہے ، یوں ہم
 نے قانون بنا دیا ہے کہ صحرائیں باغبانی کیونکر کی جائے ؟

۷۔ شرح : اسے حشر حقیقی ! تجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا ، دیکھنے
 والوں کی نگاہیں نہ کام پڑتی ہیں اور میں تاکا می ان کے لیے ایسی بجلی بن
 جاتی ہے جو تپ ٹگا دکال و متاع جلا کر خاک کر دیتی ہے ۔

۸۔ شرح : جنوں کی حالت میں سودا کر کیا نقصان کا باعث

نہیں ہو سکتا ۔ کیونکہ دھوکے میں بیٹھ کر جو اینٹ پتھر بھینکیں گے ، ان میں
 سے ہر ایک ایسی سی پی بن جائے گا ، جن کے اندر سے شکست کا سوتی نکلے ۔

اس شعر کا پہلا مصرع صرف الفاظ کا سیر جبر ہے، شکست سے مراد ہے سر کا ٹوٹنا۔ اس ٹوٹنے کو موتی قرار دیا اور ہر رنگ و خشک کو صدف بنا لیا۔ لفظ ہر اینٹ پتھر کے بھائے موتی ملے، نقصان کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا، لیکن وہ موتی نہیں جو بادشاہوں کے تاج اور حبیبتوں کے بازوؤں کی زینت ہوتے ہیں، بلکہ سر اور ہاتھ پاؤں ٹوٹنے کے موتی، جو یقیناً نقصان ہے، مگر اس لیے نقصان نہیں سمجھا جا سکتا کہ دیوانے کو اینٹ پتھر ہی مطلوب ہوتے ہیں۔

۵۔ شرح : اسے محبوب، پیرا و ہمد اس درجہ صبر آزمائش کا عمر اس کے پورا ہونے کا ساتھ نہ دے سکی، نکاح ہے کہ تیری تازہ ندی مجھ میں کی جا سکتی تھی، اب نہ ندی گزر جائے کے بعد تنہا کی صورت کیا ہے، بہر حال یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ بیماری عارضی عمر تیری آؤ نہ کے لیے کافی نہیں۔

۱۰۔ شرح : عذت اور اپج کی فطرت ہی وحشت ہے، مطلب یہ کہ جو لوگ فطرۃً عذت اور اپج کا جوہر لے کر دنیا میں آتے ہیں، وہ مسخر قواہد کی پابندی سے محروم و بیش گریز کریں گے۔ اور وحشت کا خاصہ یہ ہے کہ کسی ایک صنایع کی پابندی نہ کی جاسکے۔ اگر ایسا کیا جائے تو نئی چیزیں کھو کر پیدا ہو، پھر دنیا نئی چیز پر آسانی قبول نہیں کرتی، اس سے ایک گونہ یلوسی پیدا ہوتی ہے، لیکن جن لوگوں کی فطرت میں اعلیٰ جوہر موجود ہوتے ہیں، وہ دنیا کے قبول و عدم قبول سے بے پروا ہو کر محروم نئی چیزیں پیدا کرتے ہیں اور ان سے باز نہیں رہ سکتے۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عذت ایک درد ہے، جس سے کوئی حال داغ انسان باز نہیں رہ سکتا۔ یہ صورت بھی ممکن ہے کہ نئی چیز پیدا کر کے اپنے آپ کو مایوسی کا تھمہ مشق بنانا ایک درد اور ایک دک ہے، لیکن جو

لوگ نہ اس جوہر سے گر آتے ہیں وہ اس قسم کے درد پیدا کرنے میں متعلق نہیں ہوتے۔

۱۱۔ **مشرع** : حیزان یا صاحب حیزان کے لیے اصل شغل یہ ہے کہ ہاں میں ہاں ملے، گھر بار چھوڑے، اعزہ و احباب سے منہ موڑے اور حقرا میں نکل جائے۔ وہ ان کوئی کام نہ ہو تو سر بیٹھنے کے سوا کیا شغل باقی رہ جاتا ہے؟ تاہم سر بیٹھنے کے لیے اعتدال مست ہونے چاہئیں، یہ تیار نہ جب باطل ٹوٹ جائے تو کوئی کیا کرے؟

نہ جہر ہے کہ سر بیٹھا کوئی اچھا شغل نہیں جس سے مفید نتیجہ برآمد ہو سکے، لیکن جہارگی کا ایسا اندر بھی آ سکتا ہے کہ عہد مشکل جاری رکھنے کی صورت ہی ناپید ہو جائے۔

۱۲۔ **مشرع** : اسے استاد، مشرغ کوئی اور صحت و دینی کی شے ہیں دو کوین روشنی پیدا کرنا بہت مشکل ہے۔ اس کے لیے طویل فرمت درگاہ ہے، نیز لازم ہے کہ جو شخص ایسی روشنی کا خواہاں ہو وہ پہلے پھل مٹا کر دل پیدا کرے۔

نہا ہر ہے کہ جب ملک دل میں رقت نہ ہوگی۔ مشرق میں سوز و گداز آ ہی نہیں سکتا، پھر یہی رقت ملک و ماعت کے بغیر کام نہیں جتا۔

ابن مریم جوا کرے کوئی	میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
شرع و آئین پر مدار سہی	ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی
چال جیسے کڑی کھن کا تیر	دل میں ایسے کے ہا کرے کوئی

بات پرواں زبان کھتی ہے وہ کہیں اور سنا کرے کوئی
 بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
 مذہب کو برا کہے کوئی مذکورہ برا کرے کوئی
 روک لو گر غلط چلے کوئی بخش دو گر خطا کرے کوئی
 کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند کس کی حاجت دہا کرے کوئی
 کیا کیا خضر نے سکندر سے اب کیسے رہنا کرے کوئی
 جب توقع ہی اٹھ گئی غالب کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

۱۔ **مشرع :** ابی مریمؑ بنی حضرت عیسیٰؑ ہیں تو یوں کریں ۔
 بلاشبہ ان کے اعتبار سے بنیاد شفا پاتے تھے اور مروت سے اندر ہوتے تھے
 لیکن میرے لیے تو اصل شے اپنا مذہب ہے۔ اس کی کوئی دوا بخیر کر دے
 تو میں باغی اور باغیوں ۔

۲۔ **مشرع :** میں نے انا کو مقتدر سے کا فیصلہ شریعت اور قانون
 کے مطابق ہو گا۔ کیونکہ مروت و انصاف انہیں دو چیزوں پر ہے۔ اسلامی
 حکومت میں شریعت کی بنا پر فیصلہ کیا جائے گا اور غیر اسلامی حکومت میں
 قانون پیش نظر رہے گا۔ تاہم دونوں میں گواہی دینا جائے گی۔ کہتے تھے
 پیش ہوں گے۔ دیکھنا ہوا ہے کہ مقتول کو کس کس آئے سے کتنی غریب
 تھیں لیکن میرا قاتل تو کس ماری چھوڑے کام ہی نہیں لینا۔ بنا دے
 سے کیونکہ ہمارے ہی کی جائے گی۔

۳۔ **نقائص :** گڑھی کمان دو دکانی جو سخت ہونے کے باعث

بہت زور لگا کر کہتی تھی جاتی ہے اور اس کا تیر ہنا بیت تیزی سے بہت دور پہنچ جاتا ہے۔

مشرح : میرے محبوب کی چال ایسی ہے، جیسے کڑی کان کا تیر ہو۔ ایسے محبوب کے دل میں جگہ پیدا کرنا کار سے دارو، اس میں کوئی کمیاب جو تو دیکھتا چاہیے۔

۴۔ لغات : بات پر نہ بیان کھٹنا : بات منہ سے نکلتے ہی سامع کا غصے سے سر ہوجانا، اور خاموشی کے سوا چارہ نہ رہنا۔

مشرح : وہاں یہ حالت ہے کہ بات بات پر غصے سے سر ہو جاتے ہیں۔ لب کھولتے ہی جان نکلتی ہے۔ عاقبت اسی میں نفرت آتی ہے کہ جو کچھ وہ کہیں، چپ چاپ سنتے جاؤں، یہاں تک کہ لگایاں بھی دیں تو کچھ نہ بولیں۔

۵۔ مشرح : کچھ نہیں کہہ سکتا کہ جنوں کی حالت میں منہ سے کیا کچھ نکلے رہا ہے، سیکھنے کے ساتھ مناسب حال بات کہنا میرے لیے ممکن نہیں ہی رہا کہہ سکتا ہوں کہ نہ اکرے، کوئی کچھ نہ کہے۔

مولا علیؑ لکھا ہے فرماتے ہیں کہ "کچھ نہ سمجھنے" میں دو پہلو نکلتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ فرم ہی ہے کوئی سمجھے اور التفات کرے، اگر اپنے سمجھنے پر آپ ہی تیش کی ہے اور علیؑ لکھا ہے معقول ہیں۔ دوسرے یہ کہ کوئی کچھ نہ سمجھے تاکہ رائے ناش نہ ہو۔

۶۔ ۹۔ لغات : خضر و سکندر : مشہور ہے اگرچہ

کوئی مستند تاریخی واقعہ نہیں، کہ سکندر نے خضر کو آپس میں کے لیے رہنا بتایا تاکہ دونوں پانی پی لیں اور آپس میں اس کے متعلق عام روایت کے مطابق ہمیشہ کی زندگی پائیں، لیکن خضر نے غور تو آپ حیران نوش کر لیا اور سکندر عروم رہ گیا۔ اسی

یہ خراب معاملہ لے کر ہے :

تبدیل تہائی قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کو خستہ از آب میوان تشنہ می آرد سکنہ را

تشریح : اگر کوئی بڑا کھجے تو اس پر کان دھرنے کی ضرورت نہیں۔
کان دھرو گئے تو دل کھڑ ہو گا اور جو اس دینے کی آزمائش میں مبتلا ہو جائے گا
مگر کسی سے کوئی برائی سر نہ ہو تو اسے جتنا ہی نہیں جتانے سے اس کا دل
بڑا ہو گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ منہ میں آکر وہ اس بڑائی کے لیے اور جبری
ہو جائے۔

اگر کوئی شخص غلط راستے پر چلے تو اسے روک دو۔ اگر کسی شخص سے
غلطی ہو جائے تو معاف کر دو۔

مولانا طیب اللہ جیسے اور ساتھیوں شعر کے متعلق فرماتے ہیں کہ کتاب ترکیب
سے بندش میں حسن پیدا ہو اسے اور پہلے شعر میں کہنے کی تکرار بھی غلطی
سے خالی نہیں۔

کون ہے جسے کون نہ کوئی جاہست نہ ہو ؟ اگر تم کسی کے پاس کوئی
ضرورت سے جاؤ اور وہ پوری نہ ہو تو شکایت نہ کرو۔ یہ سمجھو کہ ضرورت مند
بست نہ پاؤہ ہیں اور کوئی بھی شخص ان سب کی ضرورت پوری نہیں کر سکتا۔
سکندر نے مصر کو رہنا بنا یا تھا۔ مگر خلیفہ کیا تھا ؟ وہ خود آپ حیات پی
کر حبشہ کی زندگی باگئے اور سکندر کو ایک گھوڑے میں نہ پا یا چنانچہ وہ تیس
سال ہی کی عمر میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔ یہ مثال سب کے سامنے ہے اب
کوئی کسی کو کس جھوٹے پر دہنا بنا ہے ؟

۱۰۔ **تشریح :** اسے غائب ! جب امید ہی باقی نہ رہی تو کسی کا گلہ
شکوہ کرنے سے کیا فائدہ ہے اور کیوں کیا جائے ؟ گلہ شکوہ ہمیشہ اس سے
کیا جاتا ہے جس سے کچھ امید ہو۔ جب بنیاد ہی کو توڑ دو تو محنت جانے

سے کیا مطلب ؟

مولانا علی لطیفی فرماتے ہیں :

اس کی تعریف کیا کرے کوئی

ہدایت عالیٰ مضمون ہے ، جس کی تعریف نہیں ہو سکتی ۔ مطلب یہ ہے کہ جس شخص سے امید منقطع ہو گئی ہو پھر اس کا نگہ کیوں کر یہ ؟ فائدہ تو کچھ ہو گا نہیں ، اور نفرت و دشمنی پیدا ہو گی ۔

بہت سہی غم گیتی ، شراب کم کیا ہے

۱۔ شرح :

غلام ساقی کوڑے ہوں مجھ کو غم کیا ہے

زمانے کا تم کتنی جی

تمہاری طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے

زیادہ ہو ، میں پوچھتا

دقیب پر ہے اگر لطف تو رستم کیا ہے

ہوں کیا شراب

سجن میں خامہ غالب کی آتش افشان

کم ہے ؟ اگر غم

یقین ہے ہم کو بھی لیکن اب اس میں دم کیا ہے

نئے ستا یا تو شراب

پا کر اسیں جدا

نکس ہو گا ۔ میں

ساقی کوڑے کا غلام

ہوں ، دنیا میں جتنے میں غم پیش آئے ، آقا کی عزت سے مجھے شراب کوڑے کی اور سب غم و غم کاوش گئے ، پھر میں غم کیوں کروں ؟

۲۔ شرح : اسے محبوب ! ہم تھکنا و عجز طریقہ خوب بلائے ہیں ، کہتے

ہو کہ مجھ پر غم نہیں ہوا ، لیکن کیا یہ سچ نہیں کہ ہم نے دقیب پر ہر باتیں شروع

کر دی ہیں ! پھر پتا نہ چلے کیا ہوتا ہے ؟

۳۰۔ شرح : غائب کے ضم سے شعر و سخن کے جوش و بے ہوشی کا تو میں بھی اعتراف ہے اور یقین کیے بیٹھے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ غائب اس کے مثال شاعر میں دم کہاں ہے ؟

بارغِ پاکِ خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے
سایہٴ شاخِ گل افنی نظر آتا ہے مجھے
جو ہر تیغ بہ سر چنہ دیگر معلوم
ہوں میں وہ سبزہ کہ زہر آبِ اگلا ہے مجھے
تو محو تماشا تھے شکستِ دل ہے
آئینہٴ خانے میں کوئی بیٹھا ہے مجھے
نالہ سہرا میں ایک عالم و عالم کعبِ خاک
آسمان جینہٴ قمری نظر آتا ہے مجھے
زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے
دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے
بہت ہے۔

شرح : بارغ نے جب دیکھا کہ میں خفقانی کے بحر میں مبتلا ہوں
اور وہ ہم دو سو اس کی بنا پر سمجھتی چیز یہ تھی مجھے غرقِ خاکِ خفقانی میں تو ڈراؤنا لگتا

۱۔ لغات :
خفقانی : خفقان
پامریض : خفقان
ایک پیادہ ہے۔
جس میں دل کی
دھڑکن تیز ہو جاتی
ہے۔ بیمار پر کھرجر
خاموش رہتی ہے۔
خود و محراب اس کے
دل میں وحشت انگیز
تویمات پیدا ہوتے
ہیں۔ معمول چیز یہ
بھی اس کی نظر میں
خوفناک بن جاتی
ہیں اور وہ ڈرتا

کر دیا۔ یہاں تک کہ پھول کی شاخ کا سایہ بھی مجھے کالادھری سے سناٹا دکھائی دیتا ہے۔

بھنڈی مرحوم اس شعر کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

- ہندوستان میں مغلوں کے زمانے کے بہت سے باغ ویران اور فیر آباد پڑے ہیں۔ سنگ مرمر اور سنگ دھام کی بارودیاں مسکستہ و افتاد ہیں۔ جہاں شہزادے اور بیگمات رہتی تھیں وہاں اب جہالت اور پرلوں کا مسکن ہے۔ جن درختوں پر گافوری شمعیں روشن تھیں وہاں اب جگنو اڑتے ہیں۔ نہات سنے دست انسانی کی قطع و تہید سے آذادی پا کر ایک عجیب آواز کی امتیاز کر لی ہے۔ پانی کے پاس درختوں کے سائے میں بولہ پڑے ہوتے ہیں، وہ اکثر طویل اور نازک تن ہوتے ہیں۔ زمین کی شاخیں پتلی ہونے کے باعث پھول کے وزن سے بھی ٹیک جاتی ہیں۔ اور پورا کے ڈھاسے جھونکے میں ادھر سے ادھر لہرائے لگتی ہیں۔ شام کے وقت ان شاخوں کا ٹھکس سبز سے پرہیز سناٹا کی طرح نظر آتا ہے۔ اگر طبیعت پر مایا، وحشت اور بول کا اثر ہو تو اس اخفی سے ڈرنا کوئی عجیب نہیں :-

۲۔ لغات - زہر آب : زہریلا پانی۔

شرح : جس طرح تلوار کو زہر میں بھینانے سے اس کے جوہروں پر سبزی مانی رنگ آ جاتا ہے اسی طرح میں وہ سبز ہوں جسے زہر ہیرا پانی آگاتا ہے۔

۳۔ شرح : میرا دل ٹوٹ گیا، ایک آنیے کے بے شمار ٹکڑے ہو گئے۔ اب میرے مقصد کا ٹھکس ایک ایک ٹکڑے میں نظر آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مجھے آنیہ ٹکڑے میں بے جا رہا ہے۔

۴۔ شرح : دنیا کا سراپا مزید و فقاں ہے اور دنیا خاک کی ایک
مٹلی ہے۔ آسمان مجھے قمری کا انداز نظر آتا ہے۔

آسمان کو قمری کا انداز اس لیے کہ قمری کا رنگ خاکستری ہوتا ہے۔
جو کہ دنیا مشابہت خاک ہی گئی، اسی لیے آسمان اپنی کجبری گردانی کے باعث
قمری کا انداز نظر آنے لگا۔

۵۔ شرح : جب میں بیٹا تھا تو محبوب مجھے اپنی مٹلی سے نکھرا
دیتا تھا۔ ابہر دیکھنا چاہیے کہ مرنے پر مجھے کون اٹھاتا ہے۔

”اٹھاتا ہے“ کے دو معنی ہیں، اول، مٹلی سے اٹھاتا، دوم، جنازہ اٹھاتا
اسی ایہام سے مرزا نے یہاں فائدہ اٹھایا ہے۔

روندی ہوئی ہے کو کہ نہ شریار کی
اڑانے کیوں نہ خاک سیر رکھزار کی
جب اُسکے دیکھنے کے لیے آئیں بادشاہ
لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لاکہ زار کی
بھوکے نہیں ہیں سیر گلستاں کے ہم ولے
کیونکر نہ کھائے کہ ہو ا ہے بہار کی
۱۔ لغات : کو کہ :
شادی ہوئی۔
شرح : اڑانے کی
خاک خورشیدی کیوں
نہ اڑانے : اس پر سے
تو بادشاہ کی سواری پر
سوار بہت بھری گزری
ہے۔
۲۔ لغات : نمود :
ظاہر، شہرت، اہموری۔

شرح : جب بادشاہ سلامت بہ نفس نفیس کارزار دیکھنے کے لیے
آئیں تو وہ کیوں لوگوں میں نمود نہ تھا شہر پر اکاؤم نہ ہو اور شہرت نہ اہموری ہو

ذکر ہے۔

۳۔ شرح : ہم بارگ کی شیر کے جھوکے نہیں، لیکن بہادر کی بڑا ہے جس کی خوشگوار سی میں کلام کی گنجائش نہیں، پھر کیوں نہ کھائیں ؟

بہاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے	۱۔ شرح
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے	خواہجہ جاتی
ڈرے کیوں میرا قاتل ؟ کیا رہے گا اس کی گردن پر	زلاتے ہیں :
وہ خون جو چشم تر سے عمر بھریوں دم بدم نکلے	"خواہش پر
نکلنا غلہ سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن	دم نکلن مقاب
نہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے	ہے اس کے
بھرم کھل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا	پورا ہونے
اگر اس طرہ پر پیچ و خم کا پیچ و خم نکلے	کے یہ طہری
مگر لکھوائے کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھوائے	کرنا، چنانچہ
ہوئی صبح اور گھر سے کان پر دکھ کر قلم نکلے	کہتے ہیں، کیوں
ہوئی اس دور میں مسوب ٹچے سے باد آ شامی	دم نکلا جاتا ہے
پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جا رہے ہم نکلے	یا کہیں سے
	جاتے ہو امینی
	جلدی کرتے ہو
	پچلے صغریٰ میں
	ہے مستقائے مقام
	یہ الفاظ کہ

ہوئی جن سے توقع خشکی کی راہ پانے کی
 وہ ہم سے بھی زیادہ خستہ تیغ ستم نکلے
 محبت میں نہیں ہے فراق مرنے اور جینے کا
 اُسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فریہ دم نکلے
 ذرا کر زور سینے پر کہ تیر پر ستم نکلے
 جو وہ نکلے تو دل نکلے جو دل نکلے تو دم نکلے
 خدا کے واسطے پردہ نہ کہہ سے اٹھا ظالم
 کہیں ایسا نہ ہو یاں بھی وہی کافر صنم نکلے
 کہاں سے خانہ کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ
 پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے
 ماں کے اعتبار سے یہی کہا جاسکتا ہے کہ کم نکلے، کیونکہ جتنے نکلے ان سے
 زیادہ پیدا ہوتے گئے۔

۲۔ مشروح : میر تقی تو اور چلانے میں ڈر کیوں رہا ہے ؟ اگر اس
 قتل ہو گیا تو اس کی گردن پر کیا رہ جائے گا ؟ وہ خون جو میری آنکھوں سے
 لگا کر رہتا رہا۔

مقتول کا خون یقیناً قاتل کی گردن پر رہتا ہے۔ مرد قاتل کے اس چہرہ
 کو بے حقیقت ثابت کرنے کے لیے مڑاتے ہیں کہ اسے قاتل، اگر میرا خون
 تیری گردن پر رہ گیا تو اس کی حقیقت کیا ہے ؟ عمر بھر تو یہ آنکھوں سے

ذہن میں باقی
 میری تقدیر
 چاہیے
 دل میں چڑھا
 خواہشیں ہیں
 باقی ہیں، جن
 ہیں سے ہر
 خواہش کو پورا
 کرتے کے لیے
 دم نکال جا رہا
 ہے۔ میں نے
 مانا کہ میرے
 بہت سے
 اور ہی نکل گئے
 لیکن حقیقت

بتا رہا۔

۳۔ شرح : خواجہ حالی فرماتے ہیں :

”دوسرے شعر میں ”بہت“ کے لفظ پر زور دینا چاہیے تاکہ
آدم کی نسبت زیادہ بے آبروی کے ساتھ نکلا ثابت ہو
اس شعر میں شد و خوبیاں ہیں، مثلاً :

۱۔ کو چہ محبوب کو بالواسطہ فائدہ قرار دے دیا۔

۲۔ حضرت آدم کا بہت سے نکلا ہوا تھا تو سب کو معلوم ہے، لیکن بے آبروی
کا پہلو اس شعر سے پیشتر ابھرا نہیں تھا۔

۳۔ شعر کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ حضرت آدم کا بہت سے نکلا بھی
بے آبروی کا باعث تو ضرور تھا، مگر وہ بے آبروی ایسی نہ تھی، جیسی ہمیں پیش
آئی، کیونکہ صاف معلوم ہوتا ہے اس کو نکلنے یا نکالنے ماننے میں جو صاف
پیش آئی، اس کے سامنے حضرت آدم کی بے آبروی بھی معمولی چیز رہ گئی۔
۴۔ لغات - بھرم : اعتبار، ساکھ، اعتراف، امان۔

شرح : اسے ہم گر ! تو اپنے قد کی ددازی پر بہت ناز کر رہے
لیکن اگر تیری بیچ و خم زلفت کے بیچ و خم نکل جائیں تو ابھی ددازی قد کی
ساکھ باقی رہے اور اعتبار اٹھ جائے۔

مطلب یہ کہ قد اسی وقت تک کشیدہ نظر آ رہا ہے، جب تک زلفت
کے بیچ و خم نہیں نکلتے۔ اس مسئلے میں ایک خاص نکتہ قابل غور ہے۔ اگر
زلفت کے بیچ و خم قائم رہیں تو وہ زیادہ سے زیادہ کمر تک پہنچے گی۔ اور
دراز فی قد پر بہت موزوں نظر آئے گی، لیکن اگر زلفت کے تمام بیچ و خم
نکھول دیے جائیں تو وہ کمر سے بھی بہت نیچے آ جائے گی اور کمر تک محبوب
کی ددازی اس میں گم ہو جائے گی، یہ نظارے کا معاملہ ہے جس کا تجربہ ہر
وقت کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ **مشریح :** مرزا کو معلوم ہے کہ جس بستی میں ان کا محبوب رہتا ہے اس کے اکثر باشندوں سے محبوب کا نامہ و پیام ہے۔ یہ حال دیکھ کر مرزا کو خیال ہوا کہ دیکھنا چاہیے مختلف لوگ اسے کیا کچھ لکھواتے ہیں چنانچہ مخدومی اور منشی گری کی خدمت بطور خود اپنے دستے لے لی۔ اس طرح یہ اختیار کر لیا کہ صبح جوتے ہی قلم کان پر رکھ کر نکل پڑے اور ہر ایک سے پوچھتے جاتے کہ جسے محبوب کو خط لکھوایا ہو وہ ہم سے لکھوائے۔

جب تعلیم عام نہ تھی تو ہر بستی میں صرف چند آدمی ہوتے تھے جن سے لوگ خط لکھواتے تھے۔ ان دنوں آج کل کی طرح انڈی نڈنٹ نہ تھے۔ منشی لوگ قلم بنا کر کان پر رکھ بیٹھے تھے جو بندش دتا رکے باہر وہاں داخل محفوظ رہتی تھی۔ جہاں کسی کو لکھوانے کی ضرورت پڑتی تھی بیٹھ جاتے اور قلم کان سے کھینچ کر لکھ دیتے پھر وہیں ہٹ کر بیٹھتے۔ اس میں ناخود یہ تھا کہ قلم کی سیاہی سے کپڑے خراب نہیں ہوتے تھے۔

۶۔ **لغات :-** بارہ آشامی : شراب نوشی۔

جام جم : مشہور ہے کہ شراب جمید نے ایمبلہ کی تھی اس لیے شراب کا پیالہ اسی سے منسوب ہوا، اگرچہ یہ محض اضافہ۔

مشریح : موجودہ دور میں شراب نوشی کی نسبت مجھ سے کی گئی ہوگی مدت و دراز کے بعد پھر ایسا زمانہ آیا جس میں جمید کے پیالے کا علم ہو مرزا کہنا چاہتے ہیں کہ جو نسبت شراب کو جمید سے تھی وہی نسبت اسے آج مجھ سے ہے۔ زمانہ گزر گیا۔ لیکن ایسا دور کبھی نہ آیا۔ لہذا میں بھی ہوں جس کی بدولت جام جمید کا دور از سر نو تازہ ہو گا۔

۷۔ **مشریح :** ہم جن لوگوں سے اُمید رکھتے تھے کہ وہ ہمارے دل کے زخم دیکھیں گے اور ان کے لیے مرہم کا انتظام کریں گے۔ جب ان کے پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ تو ہم سے بھی بڑھ کر تیج ستم کے زخمی ہیں۔

مطلب یہ کہ جو لوگ اپنے آپ کو روزگار کے چرکوں سے بچا نہ سکے
اور زخمِ ناگ بچنے کے بعد دن سے مراد ابنِ عطاء یا ان سے مراد سے زخموں
کی دوا کیونکر ملے گی؟

۵۔ شرح : عشق و محبت میں مرنا جینا ایک حیثیت رکھتا ہے۔ اس
کی کھلی ہوئی مثال یہ ہے کہ جس کا فریہ ہم مرے ہیں، ایسی اس سے انتہائی
محبت کرتے ہیں، اس کا دیدار ہمارے لیے زندگی کا سواں ہے۔ پس
نما ہے بڑا کہ اس مقام پر مرنے جینے میں کوئی فرق نہیں۔

۵۔ شرح : اسے قاتل اکیلا شراب خانے کا دروازہ اور
کہاں واعظ؟ ان دونوں میں کیا مناسبت ہے؟ کیا یہ امید ہو سکتی ہے
کہ واعظ شراب خانے کے دروازے پر ملے گا؟ ہمیں صرف اتنا معلوم ہے
کہ کل ہم پر کوئی نوحہ عزت واعظ بھی اندر داخل ہو رہے تھے۔ معلوم
ہوتا ہے کہ بھیر ٹیپٹی دیکھی تو میرا ان غالی پاکر اندر چلے گئے۔ جنگِ شراب
ایسی ہی شے ہے، جسے کوئی چھوڑ نہیں سکتا۔ کھم کھم نہیں پینے کا تو چپ
چپا کر غزوہ روشن کرے گا۔

۱۔ لغات:

شرابِ حبیب:

بھڑکی ہوئی

چلے گی۔

شرح:

بھڑکی ہوئی

کوہ کے ہوں بارِ خاطر گر صدا ہو جائیے

بے تکلف اسے شرابِ حبیب کیا ہو جائیے

بیضہ آسانگِ بال و پر ہے یہ کنجِ قفس

از سیرِ نو زندگی ہو، گر رہا ہو جائیے

چنگاری کو از خود رنگی کے عالم میں دیکھنا تو اس سے پرچھتے ہیں، اگر ہم آواز کی طرح نہایت سبک اور لطیف شے بن جائیں تو پہاڑ جیسا پر ہمارا ہو جائے یا نہ ہو نظر سمجھ کر کوٹا دیتا ہے۔ پھر اسے خیر کی جوتی چنگاری! تو یہی بات کہ ہم کیا بن جائیں؟

پہاڑ کے لیے آواز کا باریک طریق اور کوٹا دینا مشاغل سے کام لیا ہے۔ جب پہاڑ میں جلد آواز سے بولیں گے تو آواز ٹیلوں سے ٹکرا کر گونجنی ہوتی ہے، ہم جو بولے گی۔ اس سے مراد اسے یہ معلوم نہ لے کہ صدای جیسی ٹکی جیسے جیسی پہاڑ جیسے ظلم القدر وجود کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ وہ اسے دل کے لیے روجھ سمجھتا ہے، اسی وجہ سے واپس کر دیتا ہے۔ اب میری بات یہ کہ کیا بن کر زندگی گزاریں!

۲۔ لغات - بیضہ آسا : اندھے کی طرح

شرح : پھرے کا گوشہ اندھے کی طرح بال و پر گوارا نہیں کرتا، یعنی بال و پر کو باعث تنگ سمجھتا ہے۔ معلوم ہے کہ چونچلے اندھے سے نکلنے ہیں، ان کے جس بال و پر نہیں ہوتے، اگرچہ پھرے سے رہائی مل جائے تو یقیناً نئے سرے سے زندگی پاؤں۔

مولانا علی ہادی فرماتے ہیں :

”صفت نے ثابت کیا کہ حاکم کی نئی زندگی جیسے سے نکلنے کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کئی نفس سے یعنی بیضہ تنگ سے رہا ہونے کے بعد نئی زندگی عالم ادراک میں شروع ہوگی۔“

۱۔ **مشرح :** مستی بہ ذوق غفلت ساقی ہلاک ہے
 ساقی کی ادائے تغافل
 موج شراب یک مژدہ خواب ناک ہے
 نے مستی کو بھی ہلاک
 جوز زخم تیغ ناز نہیں دل میں آرزو
 کو رکھا ہے شراب
 جیب خیال بھی ترے ہاتھوں سے چاک ہے
 کی لہر پر نظر ڈال
 جوش جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد
 جانے تو معلوم ہوتا
 صحرا سہاری آنکھ میں یک مشت خاک ہے
 ہے کہ وہ ایسی چاک
 قلب ہے عیسیٰ او نگہ رہی ہے۔

۲۔ **مشرح :** اب دل میں تیغ ناز کا زخم کھانے کے سوا کوئی قتل نہیں
 حال یہ ہے کہ میرے خیال کا گریبان بھی تیرے ہاتھوں سے تار ہو گیا ہے۔
 ۳۔ **مشرح :** اسے اسد! جیون نے ایسا جوش ڈرا کہ میں کچھ نظر
 نہیں آتا۔ گویا صحرا خاک کی ایک شخصیت تھی۔ جو سہاری آنکھ میں مجھ تک دی
 گئی۔ اس طرح بصیرت نہ آئی ہو گئی۔

لغات : لب عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گہوارہ جنبانی
 گہوارہ جنبانی :
 قیامت کثیفہ لعل تباں کا خواب سنگین ہے
 چگونہ ہوتا۔
 لعل تباں : مہربوں کے لب۔
 سنگین خواب : صدمہ بگہری نیند۔
مشرح : قاعدہ ہے کہ نیت کو سونے کے لیے چھوڑنا بہتر

آہستہ ہلاتے رہتے ہیں، حضرت جیٹی مڑوں کو زندہ کرتے تھے تو تم باذن اللہ کہتے تھے۔ اس طرح ان کے لب بٹتے تھے۔

فراتے ہیں کہ جو لوگ مجھوں کے لب کے مار سے ہوئے ہیں، وہ اسی گہری نیند سو گئے ہیں کہ حضرت جیٹی انہیں تم باذن اللہ کہتے ہیں تو اس جنبش لب سے ان کا پتہ پورا ہونے لگتا ہے، گویا سونے والوں کی نیند اور گہری ہو جاتی ہے۔

۱۔ لغات: آدر سیلاب طوفانِ خدا نے آب ہے !

بادلوں کی ٹنڈی

نقشِ پا جو کان میں دکھتا ہے انگلی بادلوں سے

شرح :

بزمِ مے وحشت کدہ ہے کس کی چشمِ مست کا

سیلاب آ رہا ہے

شیشے میں نبضِ پری پنہاں ہے موجِ بادلوں سے

اور پانی کے زور

شر سے طوفان

کی صورت اختیار کر لی ہے۔ کیفیت یہ ہے کہ پاؤں کے نشان نے بھی گہرے ڈنڈی کو انگلی سمجھ کر کان میں دکھ دیا ہے۔

کان میں انگلی دکھ لی ہمارے قریب ہر کی آواز کم ہو جاتی ہے۔ پاؤں کا نشان کان سے مشابہ ہوتا ہے۔ اب مرزا صاحب کا کمال دیکھیے کہ سنیں آ رہا ہے۔

اس کی آواز سے وحشت و میل گونج رہے ہیں۔ سب پر وحشت طاری ہے۔ یہاں تک کہ نقشِ پا بھی اس سے ناراض نہیں۔ اسے اور کچھ نہ ملتا تو لپٹ ڈالی کو انگلی سمجھ کر کان میں دکھ دیا۔

۲۔ شرح : کس محبوب کی مست آنکھوں نے شراب کی مجلس کو وحشت کا گھر بنا دیا اور مراحمی میں شراب کی لہریں پری ہیں کہ چوب گئی۔

اب اس شعر کی مٹا بہترین پر غزل فرمائیے، بزم سے، چشم مست،
 شیشہ، مورتِ بارود، پھر وحشت کدو، پری، شیشہ، کیونکہ پریاں شیشے
 ہی ہیں اتار تے ہیں۔ بعض، پٹھان، مورتِ بارود۔

شرح : ہوں میں بھی تماشا فی نیرنگ تما

میں بھی تماشا کی نیرنگی کا تماشائی
 مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی برائے

ہوں، یعنی دیکھ رہا ہوں کہ تماشا کیا کیا رنگ دکھاتی ہے۔ میرا مقصد ہرگز
 یہ نہیں کہ جو تماشاچی میں ہے، وہ ضرور پورا ہو جائے۔

شرح : سیاہی جیسے گر جانے دمِ تحریر کا غدہ پر

جس طرح کوئی مری قسمت میں یوں تصویر ہے شہانے جہراں کی
 چیز کتنے وقت

کاغذ پر سیاہی گر جاتی ہے، اسی طرح میری تقدیر میں مزاق کی راتوں
 کی تصویر بن گئی۔

مطلب یہ کہ شہانے مزاق کا منہ نہ تحریر سے کوئی تعلق نہیں رکھتا،
 یعنی یہ نہیں لکھا کہ کتنی پر تلک اور کس کس طرح میں دکھ اعضاء کا اور
 گزریں مجیدوں کا۔ ان کی جگہ سیاہی گرادی اور اسی میں سب کچھ آگیا۔

ہجوم نامہ حیرت عاجز عرض یک انتقال ہے
 خوشی ریشہ عمدتیاں سے نفس بدنداں ہے
 تکلف بر طرف ہے جاں ستاں تر لطف بدخوایاں
 نگاہ بے حجاب ناز تیغ تیز عسریاں ہے
 ہوئی یہ کثرت غم سے تلف کیفیت شادی
 کہ صبح عید مجھ کو بدتر از چاک گریباں ہے
 دل و دین نقد لا ساقی سے گر سودا کیا چاہے
 کہ اس بازار میں ساغر متاع دست گرواں ہے
 غم آغوش بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو
 پھر رخ روشن اپنا قلزم صرصر کا مرباں ہے

۱۔ لغات :
 نفس بدنداں :
 پٹے کھ بچکے
 ہیں کہ جب وہ
 لشکر دلی میں سے
 کوئی آیت شوق
 ہوتا تو وہ
 زہارہ جز کے
 لیے تلکے دانتوں
 میں روایت اس
 سے سمجھا ہوتا
 کہ روائی ختم
 کرنے اور شکست
 اس لینے کا
 اس میں ہو گیا۔

شرح : مزید روایاں کا ہجوم ہے۔ لیکن حیرانی ایک آہ کرنے
 سے بھی عاجز ہے۔ حیرانی کا خاصہ خوشی ہے۔ یعنی اس نے سیکڑوں
 نیتوں کا ریشہ لگا اس کے تنگ کی جگہ دانتوں میں دبا دیا ہے۔ ریشہ نیتوں
 اس لیے لانے کہ فریاد و فغاں نے ہی کے ذریعہ سے جوتی ہے اگر وہی
 فریاد کی جڑ ہے۔ چونکہ تالوں کا ہجوم تھا، اس لیے جو ریشہ دانتوں میں دیا
 وہ ایک نیتوں کا نہیں، بلکہ سیکڑوں نیتوں کا تھا۔

۲۔ لغات : جاں ستاں تر : ہوا لینے میں زیادہ تیز و تیز
 بدخوایاں : بری خود اسے، پس محبوب۔

شرح : پہلی بات یہ ہے کہ مجبوروں کی مہربانی ان کے تقاضا سے

بھی زیادہ جان لیوا ہے۔ جب وہ بے حجاب ہو کر نگاہ نماز ڈالتے ہیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ تلوار میدان سے نکل آئی اور پھلنے لگی۔

۳۔ **شرح :** علم کی اتنی کمزورتی تھی کہ خوشی کی پوری کیفیت برابرو

ہو گئی، ایمان تک کہ عید کی صبح بھی میرے لیے گریبان تار تار ہونے سے بدتر ہے۔

۴۔ **لغات :** دست گرداں : دو چیز جو ایک ہاتھ سے تھمت دے کر دوسرے ہاتھ سے لی جائے، یعنی نقد بکنے والی چیز۔

شرح : اگر تو ساتھی سے شراب کا سودا کرنا چاہتا ہے تو دلی اور رین لے آ۔ انھیں حوائج کر دے اور شراب لے لے۔ دنیا کے بازار میں شراب کا پیالہ ہی ایسی چیز ہے، جو نقد قیمت دے کر خریداجاتا ہے۔

مولانا علی ہادی فرماتے ہیں : "شاغر کو متاع دست گرداں کہنا ایسا اعلیٰ رکھتا ہے کہ دل و دماغ ہی نیاز معذرت کرنا چاہیے۔"

۵۔ **لغات :** فلزم صرصر : آندھی کا مندر۔

مرحبان : مونگا۔ سرخ رنگ کی ایک جمادات غائبانہات جو مندروں میں شاخ و شاخ دود و دود تک پھیل جاتی ہے۔

شرح : غم عاشق کی پردہ شجہ کی گود میں کرتا ہے۔ یعنی سہروردت سے جاؤں گے طرفان اٹھتے ہیں اور ان میں عاشق کی پرورش ہوتی ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کہ اگر ایک مندر فرض کر لیا جائے تو اسی مندر میں ہمارا مدفن دیا ہو گا کی حیثیت رکھتا ہے۔ کتنا یہ چاہتے ہیں کہ آندھی کا کہنے ہی زور ہو ورنہ ہمارا چراغ بجھا نہیں سکتی۔ ہماری توقعات ہی یہ ہے کہ جاؤں میں پرورش پائے۔

شہوشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے
 نگاہ دل سے تری سُرہا سا نکلتی ہے
 فشار تنگی غداوت سے جتن ہے شبنم
 صبا بونچھے کے پردے میں جا نکلتی ہے
 نہ پوچھے سینہ عاشق سے آب تیغ نگاہ
 کہ زخم روزِ بد سے ہوا نکلتی ہے
 ۱۔ شرح :
 شہوشیوں میں ایسی
 ادائیں نکلتی ہیں۔ جو
 دیکھنے سے تنگی دیکھتی
 ہیں۔ تری نگاہ دل
 سے نکلتی ہے تو غداوت
 سے بھری ہوئی آتی
 ہے۔
 یہاں شاعر نے غرضی

اور سرے کی نہایت بڑی نظر رکھی۔ مشورہ ہے کہ کوئی شخص اس پر نہ کھائے
 تو اس کا گلہ بیٹھتا ہے۔

۲۔ لغات۔ فشار : بھینچنا۔

شرح : صبا کبھی پھرتی پھرتی لہو کے اندر جا پہنچتی ہے تو بگڑ
 کی تکی سے بھٹی کر اس میں رہ جاتی ہے۔ گو یا شبنم کوئی الہام سے نہیں
 رہا حتیٰ جو غیب کی تنگی میں پہنچی تو چاروں طرف سے بھینچی گئی اور اسے
 پسینہ آگیا۔ انہیں نظروں کو ہم شبنم کہتے ہیں۔

۳۔ شرح : اس تیغ نگاہ کی آب و تاب عاشق کے سینے سے کیا
 پوچھتے جو نہ یہ وہی تیغ ہے جس نے روزِ بد کے روزِ بد میں زخم ادا
 دیے اور ان سے ہوا نکلتی ہے۔

مطلب : کہ محبوب میں روزِ بد سے سے بھانپتا ہے اس میں نہ ان
 حقیقتِ زخم میں اور زخم بھی ایسے گہرے کہ ان سے ہوا آتی ہے۔ جو خود
 ہی اندازہ کر لیجئے کہ اس تیغ نگاہ نے سینہ عاشق سے کیا سواک کیا ہوگا
 بھگدوی مروجہ فرماتے ہیں :

۔ مجھ اہلبا کے سوا کون اس بات سے واقف ہے کہ زخم
خواب پر جانے کی علامت یہ ہے اس کے اندر ہوا نفوذ
کرتے گئے۔ جو زخم ماسن دینے لگتا ہے وہ ضرور صحت ثابت
ہوتا ہے ۛ

۱۔ شرح
ہیں جگہ نسیم گئے
محبوب میں کنگھی کر
رہی ہے اور اس
کی مدد سنی د آراہنگی
میں مصروف ہے
رواں سحر اسے تار
کے آجودا کا داغ
نادر بن گیا ہے۔
نادر اس بچہ
خون کو کہتے ہیں جو
آجودے غن کے
شکار کے بعد اس
کی ناف میں جم جاتا
ہے۔ عام دستور
یہی ہے کہ شکار کرتے
ہو ہیرن کی ناف کڑ

جس جا نسیم شائد کش زلف یاد ہے
نادر دماغ آہوئے دشت تار ہے
کس کا سراپا جلوہ ہے حیرت کوہ اسے خدا
آئینہ مرش شمش بہت انتظار ہے
ہے ذرہ ذرہ تنگی جا سے غبار شوق
گرد ام یہ ہے توسعت صحرا شکار ہے
دل دلی و دیدہ بنا مدعا علیہ
نظارے کا مقدم پھر روز بکار ہے
چھڑکے ہے شبنم آئینہ برگ گل پر آب
اے عندلیب اوقت و دایہ بہار ہے
بچ آ پڑی ہے وعدہ دل دار کی بچھے
وہ آئے یا نہ آئے پر یاں انتظار ہے

بے پردہ سوسے دادی مجنوں گزر نہ کر
 ہر ذرے کے نقاب میں دل بیقرار ہے
 اے عندلیب یک کفِ خس بہر آستیاں
 طوفانِ آمد آمدِ فصل بہار ہے
 دلی مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی
 اے بے دماغ آئینہ تمثال دار ہے
 غفلتِ کفیل عمر و اسدِ صفا من نشاط
 اے مرگِ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے
 کہ اس کی ناس کے ہاتھ دماغ نازی گیا۔

۲۔ تشریح : حیرت کس کے جلوے کا کھوج دلا رہی ہے کہ
 صورت پہ پیدا ہو گئی ہے، اگر انتظار کو ایک ایسا عالمِ فرض کر لی جس کی
 ظرفیتِ عالمِ امکان کی طرف چھ ہوں یعنی پورب اپ بھاشا، اور پوچھنے
 تو اس کے فرض پر آئینہ ہی آئینہ بچھا ہوا ہے، گویا وہ فرضی سرا سدر
 آئینہ ہے۔

آئینہ ایک طرف حیرت کا منظر ہے اور دوسری طرف انتظار کا۔
 مولانا بجنوری فرماتے ہیں کہ عالم کو دیکھتے ہی سے معلوم ہوتا ہے اسی
 کسی چیز کی کمی ہے۔ شش حیرت آراستہ ہو رہی ہے اور منظر ہے۔
 ہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میں طرفِ انسانیت کی تکمیل کوئی ہے،
 اسی طرفِ عالم کی تکمیل کا بھی انتظار ہے۔ اس کی کیفیت لحظہ بہ لحظہ بدل رہی

ہے جیسا کہ مرزا غالب کہتے ہیں :

دور ہر مرزا پر ہم زاون دیں غلطی جدید است

نظرہ سنگ لڑ کہ جہان است ، وہیں نیست

کئی یوم جوئی شان بھی اسی کی شہادت دے ۔ ہاں ہے ۔

۳۰۔ **شرح :** میرے دل میں خاک اڑانے کا جو شوق دلوں اور زور سے صحرا کی تلی کے باعث پوری طرح تھا ہر نہیں جو سکا اور پھٹے پھٹے ذرہ ذرہ ہو گیا ہے ۔ اگر میرے شوق کی یہ کیفیت باقی رہی تو ہی میرے کہ صحرا کی وسعت تو اس حال میں آج ہی ہائے گی ، لیکن میرے شوق کی تسکین کا ماحول کیا ہو گا ؟

ذره ذرہ ہو جائے گا مرزا نے مطلقاً اسے دامن سے تھیر لیا ۔

ہم ۔ لغات ۔ رویکار و پیشی ۔ مرزا اپنے ہی کچھ چکے ہیں :

دل رویدہ کا جو مقدمہ تھا

آج پھر اس کی رویکار ہی ہے

شرح : دل ترل ہی گیا اور آنکھوں کو دغا علیہ بنادیا ، یعنی دل نے آنکھوں کے غلام ہوا دھوئے دتر کر رکھا تھا ، اس کی بنا پر لفظ سے کا مقدمہ بنا ، اسی مقدمے کی آج پھر پیشی ہے ۔

۵۔ **لغات ۔** آئینے پر پانی پھیر کرنا : ایران میں ایک رسم ہے کہ جب مسافر سفر پر روانہ ہوتا ہے تو اس کی یہ تہنید و سلامت دہی کے لیے آئینے پر پانی پھیر کئے ہیں ۔

شرح : پھول کی پگھلائی کے آئینے پر شبنم پانی پھیر کر رہی ہے اسے بہل : یہ کیفیت دیکھ اور سمجھ لے کہ بہار کے شعلت ہونے کا وقت آگیا ۔

بہار کی بخت اور غزلوں کی آمد جو اس وقت شروع ہوتی ہے جب

فرد اور ہم میں غلطی کا آثار ہو جاتا ہے۔ اسی وقت غمزدہ اور مقدر میں گرتے
گتی ہے۔ لیکن یہ پہلے مسرور کے معنوں میں مرے اس کے پیش نظر یہ کیفیت
یہی ہے۔

۶۔ لغات - پہچ آپڑنا۔ اچھی بات نہایت اور اسس کا
پاس کرنا۔

تشریح : میرے لیے تو یہ مجھ ہی پیش آگئی ہے کہ محبوب نے
آئے کا وعدہ کر لیا ہے۔ میں تو ہر حال اس وعدے کا پاس کروں گا۔ وہ
اسے پورا کرے نہ کرے، آئے یا نہ آئے، مجھے تو انتظار کے سوا پورا نہیں۔
مگر میں اس کی تمام بدھدی کے پیش نظر انتظار نہ کروں، "بصر اور جو ہاؤں
اور وہ راقی کو اسے تو مجھ پر ہی الام مانتہ کرے گا کہ وعدے کے خلاف
ڈانے انتظار نہ کیا، طریق میں انتظار کے لیے مجبور ہوں۔

۷۔ تشریح : جس عادی میں مجھوں رہتا تھا اس کے ہر ذرے کے
بارے میں ایک بیتاب و سیراز دل موجود ہے۔ لہذا اسے محبوب اداؤں
تجھے یہ پردہ نہ جانا چاہیے، "وہ نہ تمام دل تڑپ اٹھیں گے اور عادی میں
قیامت کا منتظر رہنا ہو جائے گا۔

مولانا طیبی طبعی فرماتے ہیں :

"ذرا سے کے جھگڑتے کو دل کے تعلق سے تشبیہ نام ہے، عزم
و ہے کہ عادی مجھوں میں جو ذرہ ہے۔ بیانی عینوں کا آئینہ دار ہے۔"

۸۔ تشریح : اسے قیاس : کہیں سے گھاس کے تلوں کی ایک
نمشیں بھی کرے تاکہ آشیانہ بنا لے۔ درد غفلت بہار طوفان کی شکل میں ہیں
کہ یہ ہے۔ تمام سوکھے تنکے ہرے جو جانیں گے، ہر جاہ چوں کل ہائیکے
اور تجھے بلی لک ڈھونڈے سے دل کے گی۔

۹۔ لغات - خیر : جہاں آگنی اور معرفت کے یہ آیا ہے۔

سیر : اس سے مراد گردش و تغریج بھی مراد ہو سکتی ہے اور وہ سیر بھی سمجھی جا سکتی ہے ، جو اہل سلوک کو روحانی منزلوں میں پیش آتی ہے ۔

تمثال دار : تصویروں کا مرتبہ ۔

تشریح : اسے عقل و شعور سے کام نہ لینے والے اہل صالح ذکر ۔ اگر اس کے ذریعے سے تجھے معرفت کا نور حاصل نہیں ہو سکتا تو مفاد یہ نہیں ، اس مرتبے میں ایسی تصویری کو موجود ہیں جو تیرے لیے سیر و تغریج کا باعث ہو سکتی ہیں ۔

مولانا طہطائی فرماتے ہیں :

”جس دل میں دنیا بھر کی حسرتیں اور آرزوئیں بھری ہوں اور

آئینہ تصویر ہے اگرچہ اس میں ایسی صفاتی نہیں کہ بطور معرفت

حاصل ہو سکے ، لیکن سیر کیا کم ہے ؟“

گویا مولانا طہطائی کے نزدیک تمال دار آئینے سے مقصود ایسا دل ہے ، جس میں دنیا کی حسرتیں اور آرزوئیں بھری ہوں اور ہر ایک کا عکس اس میں صاف نظر آئے ۔

ان معنی کے پیش نظر بھی یہ خیال ہوتا ہے کہ مرتبہ اول کو ایک

قیمتی چیز سمجھتے ہیں اور اس کے دو پہلو ہیں ، ایک صورتی ، دوسرا معنوی

فرماتے ہیں کہ اگر معنویت اور حقیقت تک پہنچنا ممکن نہیں تو اس کا تقابلی

بھی بخانی از منفعت نہیں سمجھا جا سکتا ۔

۱۰۔ لغات ۔ کفیل : کفالت کرنے والا ، ذمہ اٹھانے والا ۔

صامن : صفاقت دینے والا ۔

تشریح : غفلت اور بے نظری نے یہ ذمہ اٹھالیا کہ عمر کا دور کبھی

ختم نہ ہو گا ۔ آئندہ پیش و نشاط کا صامن بن گیا ۔ گویا اس نے یہ مسلک

انتخاب کر لیا کہ کھانا پھر اور مزے اڑاؤ، کیونکہ زندگی کا حاصل یہی ہے
جب کیفیت یہ ہے تو اسے اچانک آنے والی موت! تو کس انتظار
میں ہے؟

مطلب یہ ہے انتظار کی بڑی سے بڑی وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ غفلت
غیر ہو جائے گی اور استاد ہاں سے گا کہ مرنا لازم ہے، لہذا عمل کی کچھ
مشائخ آئندہ زندگی کے لیے بھی جمع کر لینی چاہیے۔ استاد سے یہ امید
ہو سکتی تھی کہ وہ اندازہ کر لے گا، بیش و نشاط ہمیشہ کے لیے نہیں ہو
سکتے۔ ایسے اسباب جمع ہی کر لینا غیر ممکن ہے، جو دائمی عشرت و نشاط
کے حواس بن سکیں، جب اس حالت میں کوئی فرق نہیں آ سکتا نتیجہ
سوا اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ اچانک موت آئے اور عمر کے ساتھ
میش و نشاط کا بھی خاتمہ ہو جائے۔

آئینہ کیوں ندوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے
حسرت نے لاد کھا تری بزمِ خیال میں
گلدستہ رنگا؟ سویدا کہیں جسے
پھوٹکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا
انسونِ انتظار تماشا کہیں جسے
اب مشرح :
اسے محبوب : میں
ایسا حسین کہاں سے
لاؤں کہ تو بھی فانی
ہو جائے واقعی :
مجھ ایسا ہے۔ روئے
زمین پر تو ایسا
حسین لگا نہیں اب
میرے لیے اس
کے سوا چارہ نہیں

تیرے ہاتھ میں آئینہ
دے دوں تاکہ تو
اپنے جیسے کا عکس
دیکھ کر حیران رہ
جائے اور یہ حیرانی
دیکھنے والوں کے
لیے ایک تماشا بن
جائے۔
شرعے مقدمہ
عرفت یہ ظاہر کرنا
ہے کہ محبوب کا
ذکر ہے ہی نہیں
ہے تو عرفت اسی کا عکس ہے جو آئینے میں نظر آئے۔

۲۔ محبوب کی بزم خیال سے مراد عاشق کا دل ہے، کیونکہ محبوب
ہمیشہ اس میں جلوہ گر رہتا ہے۔

مشریح : حسرت نے بزم خیال میں نگاہوں کا ایک گلدستہ
نظام کر رکھا ہے۔ اسی گلدستے کو لوگ سویا سمجھتے ہیں، یعنی وہ دائرہ
جو دل پر نقش ہوتا ہے۔

سویا کو گلدستہ نگاہوں میں سے کہا کہ اس میں ایک گونہ سیاہی
ہوتی ہے اور سیاہی شادمانی سے محرومی کی دلیل ہے۔ یعنی نگاہیں محبوب
کی زیارت سے شرف حاصل کر سکتے ہیں۔ یہی ہوتی رہی۔ اگر زیارت
نہ ہو سکی اور وہ حسرت بنتی گئی، اس طرح حسرت زدہ نگاہوں کا ایک
مجموعہ تیار ہو گیا جو کہ اسے بزم میں رکھنا مقصود تھا اور بزم میں گلدستہ رکھنا

ہاں ہے، لہذا ان کے جوئے کو گھونٹ کر دے دیا۔

۳۔ **شرح :** اسے خدا! محبت کے کان میں انتظار کا وہ منتر کس نے چھوٹ رکھا ہے۔ جسے تنہا کہا جاتا ہے ؟

تنہا کو انہی انتظار کہنا ایک ایسا ادنیٰ معجزہ ہے جو محبت مرزا صاحب سے ممکن تھا۔ تنہا کا مطلب یہ ہے کہ انسان اور دوسری ہونے کے اندر میں الگ رہے۔ لہذا اسے انہی انتظار کہا، یعنی ایسا منتر جو انسان کو انتظار پر بہتر کر دیتا ہے اور اس منتر کا اثر اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک تنہا پوری نہ ہو جائے۔

حقیقی محبت وہ ہے جو ہر تنہا اور مرگوتہ سے پاک ہو، مرگوتہ یہ کہ محبت کے کان میں تنہا کا منتر کس نے چھوٹا دیا، تنہا آئی اپنی قرین آئی حقیقی محبت پائید ہو گئی۔

۴۔ **شرح :** غریب الوطنی کے روز نے اس دور پرورش کیا کہ کچھ نہ کر سکا، جو ہر حال ایک مشت خاک ہے۔ سر پر ڈال لوں گا، بھرا باقی رہے۔ غریب الوطنی، دونوں کو ختم ہو جائیگی۔

۵۔ **لغات :** عمان گیسو، ایک ٹکڑا، سریت ہے تاہم

شرح : محبوب کے دیار کی حسرت دل میں موجود ہے، انہی سے کہتا رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہے کہ ان آنکھوں میں شوق کا ایک آب آئینہ اور بے قابو طغیان آئینہ آیا ہے جسے مندر کہنا چاہیے۔

مونا ناغہ طغیانی فرما رہے ہیں :۔ حسی گیسو اس شعر میں غلط نہیں محاسن جزا دیا ہے۔ جب دوسری زبان پر ایسی تدریس ہو جب کہیں اپنی زبان میں اسی کے الفاظ کا حسن رکھتا ہے اور شوقی طغیان گیسو سے ہمارا خوش شک منظر دیکھ کر ہرگز یہاں منصب کے محل پر بہت کو مجازاً استعمال کیا ہے۔

۶۔ **شرح :** پیش کے پھول کھینچے پر آمادہ چاہ اور عام چھوٹوں کی طرح

ان کے کھٹنے کے لیے بھی ایک صبح درکار ہے۔ دودھ کی بوتلی سے پیچھا کر
جیسے شراب کی مراچی کڑاٹ کٹا جاتا ہے۔

مطلب یہ کہ عام پھول موسم بہار میں صبح کے وقت کھٹے ہیں۔ لیکن پیشہ
تشاف کے پھول کھٹنے کے لیے وہ صبح بہار درکار ہے جسے شراب کی مراچی
کہتے ہیں۔ شراب کی مراچی کو بند رکھنے کے لیے گزشتہ زمانے میں دوتی استعمال
کرتے تھے۔ دوتی کو پہلا سفیدی صبح سے تھپے دی اور صبح بہار اس لیے
لانے کو شراب پینے کا اصل مزدوم بہار ہی میں ہے۔ بہار باغ و رانج عین
پھول کھلانے کی شراب پیش و تشاف کی کھیلوں کو پھول بناتے گی۔

۷۔ **مشریح :** اسے غائب! اگر وہ غلط تیری برائی کرتا ہے تو اس پر
جرات مان۔ دنیا میں کون ہے جسے سب اچھا کہیں؟ اگر تیری زندگی و شراب غائب
کو غلط نے بُرائی کی دستاویز بنایا ہے تو صرف اس حقیقت پر نظر رکھ کہ دنیا
بھر نے آج تک کسی کو کیا سا اچھا نہیں سمجھا۔

وگ کسی کی طرف سے اختلاف رائے کا معمولی انہار سن کر گڑبھٹے ہیں
اور دودھ کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اگر اُس حقیقت پر یقین کر لیا جاتا
ہو مردِ انانیت نے اس شعر میں پیش کر دی ہے تو کشمکش کا خدایا بڑا سلسلہ
ختم ہو جاتا ہے۔ ہے تو یہ بالکل معمولی چیز اور سچائی ہمیشہ معمولی اور پیش پا آواز
چیز ہوتی ہے، یعنی کوئی دنیا آدمی نہکا لیے جسے ساری دنیا نے اچھا سمجھا ہو۔
جب حقیقت یہ ہے تو ایک دو پانچ دس یا بیس تیس افراد کے بُرا کہنے کو کیوں
بُرا مانا جاتا ہے؟

شبنم پر گل لالہ نہ خالی نہ ادا ہے
 داغ دل ہے دردِ نظر گاہِ حیا ہے
 دلِ خوں شدہ کشمکشِ حسرت و دیدار
 آئینہ پر دستِ بتِ بدستِ خا ہے
 شعلے سے نہ ہوتی، ہوسِ شعلہ سے جو کی
 جی کس قدر امنردگی دل پر جلا ہے
 کشال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بعدِ ذوق
 آئینہ بہ اندازِ گلِ آغوش کش ہے
 قمری کفِ خاکستر و بیلِ قفسِ رنگ
 لے لالہ نشانِ جگر سوختہ کیا ہے
 خود نے تری امنردہ کیا وحشتِ دل کو
 معشوقِ و بے جو مسلکی طرفہ بلا ہے
 بھجوری و دو عوانے گرفتارِ نئی الفت
 دستِ تہِ سنگِ آئدہ پیمان و وفا ہے
 معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ
 تیغِ ستم آئینہ تصویرِ نما ہے

۱۔ لغات :
 نظر گاہ : وہ مقام
 جس پر نظر پڑے ۔
 اس سے قابلِ اعتراض
 مقام بھی مراد ہے ۔
 شرح : لکھنے کی
 پیکڑیوں پر ان کے
 قطرے پڑے ہوتے
 ہیں اور ان کا وہاں ہونا
 خالی از غفلت نہیں ۔
 ایک خاص مطلب
 ادا کر رہے ہیں ۔ ان
 کے ذریعے سے ایک
 خاص مقصد پورا ہو
 رہا ہے ۔ مقصد یہ ہے
 کہ جس دل میں داغ ہو
 اور درد ہو اس پر
 شرم و حیا کی نظر پڑتی
 ہے ۔ یعنی وہ باعثِ
 شرم ہے ۔
 لکھنے میں داغ
 ہوتا ہے ۔ گزشتہ
 ہوتا ہے ۔ یعنی وہ ناشگون

میں تو شامل ہو گیا ،
لیکن دردِ عشق سے
خواب ہو گیا ۔ یہ جو اس
پر شبنم نظر آتا ہے
حقیقت میں شبنم نہیں
بلکہ بے سوز دماغ کی
بنا پر عرقِ شرم کے
قطرے ہیں ۔ گویا وہ
اپنی دردناک آشتی پر
شرمساری کا اظہار کر رہا ہے ۔

۴۔ مثنوی : ایک عورت میرا دل ہے جو حسرت و دیار کی کھینچ تان
میں نہرا پاؤں بڑھ گیا ۔ دوسری طرف وہ محبوب ہے ، جس سے منہ ہی لگانا آہستہ
دھڑکیں سے کیا اور یہ مستیاں کرنے لگا ۔ یعنی میں تو اپنی آرزوں کا اثر کیے بیٹھا
ہوں ، وہ منہ ہی لگا کر آہستہ بڑھتا ہے ۔ یہ عشق و انداز دکھا رہا ہے ۔
اب اس شعر کی تائیدوں پر غور فرمائیے ، اول ، آہستہ ، انہوں نے وہ بہت
لکھنؤ حسرت و دیار ، آہستہ بہت ۔

۳۔ لغات : شعلہ : یہاں اس سے مراد ہے سوزِ عشق ۔

بُجوس شعلہ : تپتا ہے سوز ۔

مثنوی : تپتا ہے سوزنے جو کام انجام دیا ، وہ غالباً سوزِ عشق ہی
انجام دے سکتا ، مجھے براہِ بھی آرزو ہی کہ جلی مروں ۔ لیکن دل کی اندر دلی
اس حد پر پہنچی ہوئی تھی کہ میری آرزو کا ساتھ نہ دے سکی ۔ اس حالت کی ناگواری
میں مجھے اتنا غم دیا کہ اس پر ہوتا رہا اور یہ جاں میں ایک پہنچ گئی کہ خود بھی
سوز کر گیا ۔

۴۔ شرح: اتیری تصویر میں وہ شرفی ہے کہ جب ٹوٹے اس پر ٹیٹھ
لگا دیا تو اس ٹیٹھ نے انسانی ذوق و شوق سے پھول کی طرح آغوش کھول دی
کہ آج۔

اگر مثال سے کسی مراد ہیں اور آئیے سے آئینہ دیدنی تو معنی میں کوئی غلطی
نہیں پڑے۔ کہا دے گا کہ تیرے گیس کے لیے آئینہ پھول کی طرح: صد ذوق آغوش
کھول دینا ہے۔

۵۔ شرح: غلام جاتی مڑاتے ہیں:

”میں نے خود اس کے معنی مرزا سے پوچھتے تھے۔ مرزا نے
کی جگہ ٹیڑ پڑا دیا۔ معنی خود بخود سمجھ میں آجائیں گے۔ شعر کا مطلب
یہ ہے کہ قری جو ایک کتب خانہ سے زیادہ اور جیل جو ایک قفس خانہ
سے زیادہ نہیں، ان کے جڑ بوخت رہتی مانتی ہوئے کا ثبوت صرف
ان کے چمکنے اور جوشنے سے ہوتا ہے۔“

”یہاں جہ معنی میں مرزا نے اسے کاغذ استعمال کیا ہے ظاہر
ہے۔ یہ انیس کا اقتراح ہے۔ ایک شخص نے یہ معنی سن کر کہا کہ
اگر وہ اسے کی جگہ ”جڑ“ کہہ دیتے تو دوسرا شعر یہ اس طرح کہتے
اسے کہ: اتالی میرے ہوا معنی کا کیا ہے

اس شخص کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے۔ مگر مرزا سمجھتی اس میں کیا ہے
وہ مذکور ہوتے تھے اور شاید عام پر نہیں پتا چاہتے تھے۔

علاوہ اقبال نے بھی ٹھیک مضمون میں مرزا الالیت سے ملاقات کی تھی اور
دوسرے امور کے علاوہ اس شعر کے معنی میں مرزا سے پوچھے تھے کہ انہیں
میں یہ حضرت علامہ اقبال کی نشر کیا ہے۔ جسے کامب کی زبان سے پہلی کیا گیا
یہاں اقبال کے شعروں کا ترجمہ دیا ہوا ہے جسے اصل دیکھنا ہو وہ ان کے بار
صفحہ ۵۴ دیکھئے

”جو کالم سوڑ جگر سے اٹھتا ہے، میں نے اس کی تاثیر ہر جگہ محسوس
 کیا اور سمجھی۔ مگر میں اس نامے کے اثر سے جیل کرنا کسرتیں لگئی، پہل
 نے اس سے رنگ جمع کر لیے، اس کے اندر زندگی کی آغوش میں
 ایک موت ہے، یہاں ایک نفس زندگی ہے اور وہاں موت۔
 ایسا رنگ کہ اندر لگی زندگیوں کی گونا گونی، اسی سے ہے۔ ایسا
 رنگ کہ بے رنگی اسی سے ہے، تو نہیں جانتا، یہ رنگ و پوکا مقام
 ہے اور ہر دل کو اس کی یاد ہوئے کے مطابق حلقہ لٹا ہے۔ یاد تو
 رنگ اختیار کرے یا بے رنگی کو مسک نہائے تاکہ تو سوڑ جگر سے
 ایک نشان پائے۔“

۴۔ **مشرع :** اسے محبوب! تیری عادت نے دلی کاسبا، آغوش و غما
 اندر کر ڈالا، تو حسین ہے، محبوب ہے، لیکن کتنے قہقہے کا مقام ہے کہ
 طبیعت محدود و محدود نہ پاتی ہے۔ نہ ناز، نہ انداز، نہ غمزہ، نہ عشوہ، نہ
 چھیڑ چھاڑ، نہ غور و ستم، طمع و محبت کا ہر معاملہ ختم کر دیا۔ اب تو ہی بنا کس
 عادت میں میرا آغوش و غما کیونکر باقی رہ سکتا تھا؟ آندوڑوں کے سبب چراغ
 گل ہو گئے۔ محبت کے عام دلوے ٹھنڈے پڑ گئے، میوے لیے کتنی بڑی
 نصیبت ہے۔

۵۔ **لغات :** دستِ ترنگ آمدہ : بھاری پتھر کے نیچے
 آیا ہوا ہاتھ۔

مشرع : ہم محبت کے پھنسے میں گرفتار ہیں اور بھاری سے دنا
 کا بیان نہایت چلتے جا رہے ہیں، یوں سمجھ لیجئے کہ ہمارا ہاتھ ایک بھاری پتھر
 کے نیچے آگیا ہے۔ کہیں نہیں تو خواتین نہیں پاسکتے پتھر کو اٹھا لیا جائیں تو اٹھا
 نہیں سکتے، ہر حال اس بیان کو آخر تک چینی ہی گئے۔

۶۔ **مشرع :** محبوب کا تعلق ستم ایک ایسا آئینہ ہے جس میں ہماری

تقریریں نظر آتی ہیں۔ گویا اس کی حیثیت سینما کے پردے کی ہے، چنانچہ جیسے
شہیدوں پر جو کچھ گزری وہ سب اس میں صاف نظر آ رہی ہے۔

۹۔ **مشرع :** اسے زمانے کو روشن کرنے والے آفتاب کے جوتے !
اور بھی توجہ دے گا۔ ہم پر ملنے کی طرح عجب وقت آ پڑا ہے۔

نصف یہ کہ وقت سائے کی طرح آ پڑا ہے اور غور مستعد چہ تباہ کے
جلوسے سے نطفہ درہم کے ٹلپ گار ہیں، جس کے بغیر سایہ درہم نہیں ہو سکتا۔
مولا! خدا طبعی فرماتے ہیں : وقت پڑنے کا محاورہ جس عمل پر مصنف نے
مرتب کیا ہے، اس کی خوبی بیان نہیں ہو سکتی ؟

۱۰۔ **لغات :** ناکروہ گناہ : جو گناہ ابھی نہیں کیے۔

کروہ گناہ : جو گناہ کیے جا چکے۔

مشرع : اس شعر کی مفصل شرح :

مجھ سے بڑے گناہ کا حساب آج خدا نہ مانگ

ہیں جو بھی ہے۔ مختصر یہ کہ اسے خدا ! اگر کیے ہوئے گناہوں کی سزا لازم ہے
تو جو گناہ نہ ہو سکے اور حسرت دل میں رہ گئی، ان کا مدد بھی تو ملنا چاہیے۔

مولا! خدا طبعی فرماتے ہیں : اس شعر کی داد کون دے سکتا ہے ؟
حق کو بھی حسرت ہوتی ہوگی کہ یہ معنون مرزا الخاں کے لیے بچ رہا۔

۱۱۔ **مشرع :** اسے نابت ! اگر خلق خدا نے تجھ سے تڑپ مڑپ لیا ہے اور
اتنا تعلق توڑ لیا ہے کہ جیسا کہ میں سمجھتی تھی تو اس پر حوصلہ دار سے اور بد حال

ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ میری جان ! اگر مخلوق میں سے کوئی تیرا نہیں جانتا تو
تیرا خدا تو مصر پر موجود ہے۔ اس کے ہونے ہونے کسی کی کیا عزت ہے ؟

فارس کی ہے بھی ایک مقام پر فرمایا ہے :

ہمناہیں تو بر گشتہ اندر گر نواب

تو چو بک خدا سے کرداشتی ، دارسی

منظور تھی یہ شکل۔ تبتلی کو نور کی !
 قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی
 اک خوشچکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں
 پڑتی ہے آنکھ تیرے شیدوں پہ غور کی
 واعظ نہ رقم چو نہ کسی کو پلا سکو
 کیا بات ہے تمہاری شراب ظہور کی
 لڑتا ہے مجھ سے حشر میں قاتل کہ کیوں اٹھا
 گویا ابھی سنی نہیں آواز حضور کی
 آخر بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج
 اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طہور کی
 گوداں نہیں پرواں کے لکے لے جوئے تو یہاں
 کبھے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے شہر کی
 کیا فرمیں ہے کہ سب کو ملے ایک ماہ جواب
 آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی
 گری سہی کلام ہیں، لیکن نہ اس قدر
 کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

۱۔ شرح :

تبتلی کو یہ منظور تھا
 کہ ایک نورانی شکل
 وجود میں آجائے۔

اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی ذات پاک ! آپ

کے مبارک چہرے

اور مبارک قامت

سے ظہور کی قسمت

کھل گئی۔ اگر آپ

کا وجود مقدس ظہور

میں نہ آتا تو تبتلی

جس نورانی شکل

کی آمد و آمد تھی

وہ دنیا کے سامنے

نہ آتی۔

۲۔ شرح :

تیرے شیدوں کے

اس ایک کفن کے

موا ہے کیا جس

جس سے مونا ہے

ہے۔ ہاں یہ

اس کفن میں آیا

غائب اگر سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
 جس اور ایسے بناؤ
 جس کا ثواب تندر کروں گا حضور کی
 میں کہ ہشت کی ہو
 انہیں انتمانی شوق و
 محبت سے دیکھ رہی ہیں۔

مولانا صاحبان فرماتے ہیں: "یہ شعر بھی ایسا کہہ کر دلوں میں ایک گتہ
 ایسا نکلتا ہے۔"

۳۔ **مشرح :** اسے واعظ! تھادی شراب طہر کی کیا بات ہے! اسے
 اسے خود پی سکتے ہو، نہ کسی کو پیا سکتے ہو، ہندی شراب میں یہ غریب تو ہے نا
 کہ خود بھی پیتے ہیں اور دوسروں کو بھی پیا سکتے ہیں۔

کیا بات ہے! "اعظت و حقین کے لیے آتا ہے، لیکن مرد، غائب نے
 اسے ایسے طریقے پر استعمال کیا ہے، جس سے استہزاء بالکل مبرا ہے۔"

مولانا صاحبان فرماتے ہیں: "ایک شخص سے خطاب کر کے قرآن مجید کی
 طرہ گفت و گو کرنا نئی صورت انصاف کی ہے اور نہایت لطیف و حق ہے۔"
 ۴۔ **لغات - حضور :** فرسنگ، جو تیرہ سو گز کے ہیں چھوٹا جانے کا
 اور اس سے مراد ہے حقین گئے۔

مشرح : میرا محبوب مشر میں مجھ سے لڑا رہا ہے کہ فرمیں جی! (محبوب)
 ہوتا ہے کہ بے نیازی، بے پردائی اور لغافل کے باعث صبر اسرا قیل کی
 آواز اس کے کان تک پہنچی ہی نہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ اس کے گھٹنے کو موت
 اس کی آواز پر اٹھنا چاہیے۔

۵۔ **لغات - طیسور :** حاکم کی جمع، پڑ سے، یہاں مراد ہے میل۔

مشرح : بیلوں نے اپنے گانے شروع کر دیے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے
 کہ ہزار گز ہی ہے، ابھی آئی نہیں۔ ہم بھی کوئی یقینی اطلاع نہیں دے سکتے:
 آج پرخوں میں بیلوں کی زبان ایک آواز ہی سنیں کہ پیش کر دی۔

مرزا کا لہا غائبان کے نزدیک تشبیہ نہایت جریح ہے اور انصاف یہ ہے کہ
ممنی ہے۔

۶۔ پہلے مرزا میں دونوں جگہ "واں" سے مراد کہو ہے۔

شرح: اگرچہ نسبت اب کہے میں نہیں، لیکن اس سے تو کوئی انکار نہیں
کر سکتا کہ کہیں وہاں تھے اور نکالے گئے۔ گویا انہیں کہے سے ایک نسبت مرزا
پیدا ہو گئی، اگرچہ وہ دور کی ہے۔

معلوم ہے کہ قریش نے دین حق سے گمراہی اختیار کی تو ہزار ہاتھ بہت پرہیز
مشرع کر دی تھی، ہر بہت سے بت کہے کے اندھ لے گئے۔ جن کی تعداد
فلج مکہ کے وقت تین سو ساٹھ تک پہنچی ہوئی تھی۔ مرزا غائبان نے کہے سے
ہون کی نسبت کے متعلق جو استدلال کیا ہے، عیاں ہے کہ وہ منطقی نہیں، شاعرانہ
ہے اور اسے منطق کی ترادف میں نہ تو مانا جاسیے، البتہ شاعرانہ نقطہ نگاہ سے
جو نسبت پیدا کی، وہ ہر شخص کے دل کو ہند آتی ہے۔

۷۔ شرح: بلاشبہ حضرت موسیٰ نے رب ارحم الراحمین سے پروردگار کو
مجھے اپنا جمال دکھانا کہا، جواب ہاں، لیکن تیرا تو مجھے دکھانا نہ دیکھ سکے گا،
مرزا اعتراض کرتے ہیں، کیا یہ لازم ہے کہ سب کو ایک ساتھ جواب ملے۔ اگر حضرت
موسیٰ کو جبروت نہ دکھایا گیا تو مرزا یہ کہیں کہ جس میں جواب صاف ملے۔ اچھا، کم از کم
تجربہ تو کر لیتا چاہیے، آجئے ہزارا کوہ طور کی سیر کر آئیں اور دیکھیں کہ واقعی وہی
جواب ملتا ہے۔

شعر میں خواب کا ایک پہلو یہ ہے کہ ہڈیوں کی جانب تو ہے اور یہ بھی کہ حضرت
موسیٰ کو جواب صاف مل جاسنے کے باوجود پہلے بیٹھنے کے لیے تیار نہیں، پھر
یہ بھی کہنے میں کہ اگر خدا نخواستہ جواب ہاں تو کم از کم کوہ طور کی سیر تو ہونا چاہیگی
اُن جس کا کہ تو دیکھ آئیں گے، یہاں ایک مرتبہ حضرت موسیٰ کے بیٹے ہند سے
جواب ملے، البتہ ہم غیب کا کتنا شاکو کیا تھا۔

۸۔ شرح : میرا محبوب نہایت سچا کام اور نیریزا ہے اور گال
 عنصر، ہنسی مذاق اور نکتہ چینی کے بغیر بات نہیں کرے گا۔ بیشک کام میں کچھ نہ کچھ
 تیزی آئی جاتی ہے۔ مگر ایسی ہی کیا تیزی کہ میں شخص سے بات کی اسے شکایت
 نرزد کہ فی پڑی۔ نہ ہر سب کے چھتیاں میں کہ کوئی شکایت نہ کرے گا۔

۹۔ شرح : اسے ذات : اگر بادشاہ سچ کے سفر میں مجھے ساتھ سے
 چلیں تو میں یقین دلاتا ہوں کہ سچ کا ثواب حضور ہی کی نذر کروں گا۔

خواجہ میرزا میرزا تھے ہیں، یہ غرض اس زمانے میں کہی گئی تھی، جب بادشاہ
 مرحوم نے سچ کے لیے جانے کا ارادہ کیا تھا، لیکن تعجب ہے کہ خواجہ مرحوم
 جیسے باخ نظر اور حقیقت منہ انسانا نے فرمایا : ”اگر میرزا سچ کا وہ اشتیاق اور
 ادھر سچ کے ثواب کی یہ بے قدری۔“

حالانکہ میرزا نے صرف اتنا ہی اشتیاق سچ کا اظہار کیا ہے۔ جو شخص سچ
 کرے گا، وہ اسے فریق کا ثواب بہر حال پائے گا، لیکن جس شخص کی وجہ سے
 اسے یہ سعادت نصیب ہوگی وہ اپنی جگہ ثواب کا حقدار ہوگا۔ کیونکہ اس
 نے ایک نیک کام میں ارادہ کیا۔ میرزا شاعرانہ طریق پر صرف یہ نہا کر کہ ہے
 ہیں کہ انیسویں پاک مقامات کے دیکھنے کی کتنی آرزو ہے، جنہیں ہم عربی و فارسی
 کہتے ہیں۔ ان کے دیکھنے سے دل اور روح میں جو بالیدگی پیدا ہوگی، اس کی
 خاطر وہ سچ کا ثواب بھی چھوڑنے کے لیے تیار ہیں۔ مطلب یہ نہیں کہ ان کے
 چھوڑنے سے ثواب واقعی چھین جائے گا، مطلب صرف یہ ہے کہ اس مقدس
 سفر کا جو اصل ثواب ہے، وہ بھی کوئی کے لیے، لیکن ان کی ناریت کرادے۔
 اس کام کے اس بنیادی فریضے کو ادا کرنے کا موقع ہم پہنچا دے۔ جو میں شریعت
 کی ناریت کا انتہائی اشتیاق معاذ اللہ ثواب سچ کی ناریت کا، جب نہیں ہی
 نکلتا۔ یہ شاعری ہے۔ اس میں منطق سے کام نہ لینا چاہیے، ہر بات لال کو بھی
 شاعری ہی کے نقطہ نظر سے دیکھنا چاہیے۔

۱۔ لغات :
 بودا :
 کمزور بنیت
 کم حجت ۔
 تشریح :
 میرا دل غم
 کھانے میں بہت
 کمزور ہے ۔
 شراب کے
 ذبیحے سے
 اس کمزوری
 کی تلافی ایک
 حد تک ہو
 سکتی ہے ۔
 یکینہ مصیبت
 یہ آپڑی ہے
 کہ شراب بھی
 کم ہے ۔ گویا
 غم کھانے کے
 لیے جوتا تا
 مزدوری ملتی
 وہ بھی بدلتا ۔
 چھپ تیر نہی

غم کھانے میں بودا دلِ ناکام نہایت ہے
 یہ رنج کہ کم ہے مئے گلخام، نہایت ہے
 کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ
 ہے یوں کہ مجھے دُرو تہ بام بہت ہے
 نے تیر کہاں میں ہے نہ صیاد کہیں میں
 گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے
 کیا زہد کو مانوں کہ نہ ہو گرچہ ریائی
 پاداشِ عمل کی طبعِ خام بہت ہے
 ہیں اہلِ خرد کس روشِ خاص پہ نمازاں
 پابستگیِ رسم و دیو عام بہت ہے
 دوزم ہی پہ چھوڑو مجھے کیا طوبِ حرم سے؟
 اکودہ پر مئے جامہٴ احرام بہت ہے
 ہے قہر کہ اب بھی نہ بنے بات کہ ان کو
 ازکار نہیں اور مجھے اِبرام نہایت ہے
 نگوں ہو سکے جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اسے مرگ
 رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے

ہو گا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
 شاعر تو وہ اچھا ہے پر بد نام بہت ہے
 - بہت سے ہے۔ درمیان کہ کم ہے مے گلخام - خاما بیا جلد معرکہ آ
 پڑا ہے۔ لیکن مطلع تھا۔ دونوں مصرعوں میں قافیہ اور روایت کی پابندی نگر
 تھی اور بہت ہے۔ کاشتوت گل گل درکار تھا اس سے مجبوراً یہ طریقہ کرنا
 پڑا۔

۲۔ لغات - دُردو : تمبھٹ

مشریح : ساقی سے یہ کہنے ہوئے ٹرم آتی ہے اور نہ حق یہ ہے کہ
 مجھے شراب کی لذت نہیں۔ اور ہی تمبھٹ کافی ہے جو عام شراب کی دہیں
 فراہم ہو جاتی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ٹرم کیوں آتی ہے ؟ اس کے مختلف وجوہ ہیں
 میں آتے ہیں :

۱۔ ساقی سمجھے گا کہ یہ تو بڑا ہی کم بہت اور بے حوصلہ شراب نوش ہے
 جو صرف تمبھٹ پر گزارہ کر لینا کافی سمجھتا ہے۔

۲۔ اسے خیال ہو گا کہ یہ کوئی حقیر اور ذلیل شخص ہے جسے کسی اور بھی غسل
 میں بیٹھنے اور پینے کا موقع بھی نہیں ملا۔

۳۔ وہ سمجھے گا کہ یہ تنگ ظرف شراب نوش ہے۔

۴۔ قناعت : جو سیریشی و یا مٹی کی قناعت ہے۔ موقع و محل کے اعتبار
 سے تحفہ کا باعث بن جائے گی۔ موز کیا جائے تو صورت حال کے لحاظ سے اور
 بھی وہ نہیں پیدا ہو سکتی ہیں۔

۵۔ مشرح : جب کب میں آشیانے میں تھا۔ سر لفظ اندیشہ لگا رہا تھا
 تھا کہ صیاد کہیں نہ کہیں کان میں تیر جوڑے گھات میں چھپا بیٹھا ہو گا۔ اب گرد

ہو کر مجھے چغیرے میں بند کر دیا گیا تو کم از کم تیرکمان یا صیاد کی کہیں نشانی کا تو کوئی کھٹکا باقی نہ رہا۔ اس سے تو نجات مل گئی اور آدم کے زندگی مہر ہوئے لگی۔

مرزا انا کتب نے اس شعر میں زندگی کے دونوں اُٹلے پیش کیے ہیں ایک آزادی کی زندگی کا رخ، دوسرا قید و محکوم کی زندگی کا رخ۔ آزادی کی زندگی میں یقیناً نصیبتیں بھی ہیں، تاہم ان کے باوجود انسانی عظمت یہ ہے کہ سب عموماً اسی زندگی کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ ایک طبقہ ایسا ہی ہے جو خطرات کی ہمیشہ برداشت نہیں کر سکتا اور یہی چاہتا ہے کہ سب غفلتوں سے محفوظ ہو کر کسی گوشے میں ہٹا رہے۔ لیکن اس سے زندگی کے عام عزائم پر جو تباہی خیز اثر پڑتا ہے، اسی کا اندازہ پیش کرتا مشکل ہے۔ مرزا نے یہاں صرف رخ پیش کر دینے پر قناعت کر لی، کسی ایک رخ کی دعوت نہیں دی اور ضروری نہیں کہ ہر شعر میں کوئی ذکر کوئی دعوت دی جائے۔

۴۔ لغات - تدبیر : عبادت اور پرہیزگاری۔

ریائی : جس میں ریا اور ناشائستگی ہو۔

یادداشت عمل : عمل کا بدلہ

طبع خام : ایسی حوص جس کا پورا ہونا ممکن نہ ہو، ناقض یا حرم

فضول حرم۔

شرح : میں خدا پرستی اور عبادت گزار کی کا۔ کیونکہ توکل ہو سکتا ہو، تاکہ وہ ریا و منافق کے واسطے سے پاک ہے، لیکن اس میں کیا طلب ہے، ہر لازمہ اور پرہیزگار کے دل میں یہ چیز چھپی ہے کہ نیکی کے جو کام وہ کر رہا ہے۔ ان کا بدلہ ملے گا اور یہ ایسی حرم ہے، جو شخص عبادت گزار کے لیے زیبا نہیں۔ عبادت اس لیے کرنی چاہیے کہ بندے کے لیے پروردگار کی بندگی ہی زیبا ہے اس کا بدلہ لینے کی آرزو ایسے بندے کو بالکل فضولی معلوم ہوگی جو صرف اپنی

بندگی کا حق ادا کر دیا ہو۔

۵۔ ثنات - اہل خرد و عقل و دانش و اسے لوگ۔

پابستگی : پابندی۔

مشریح : جن لوگوں کو عقل و دانش کا دعویٰ ہے، اُخردہ کس نام
دانش پر تاناں میں، کون سا خاص مسک ہے، جسے وہ بطور امتیاز چاہے
فراہم کر سکتے ہیں۔ جس طرح لگا دیا ہے، سب عام راہ و رسم ہی کی پابندی
میں معروف نظر آتے ہیں۔

مرزا یہ حقیقت واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اہل عقل و دانش کے لیے عقل کا
کا ثمرت کیا ہے، کیا انہوں نے عام لوگوں سے الگ ہو کر کوئی طریق اختیار کیا،
کیا انہوں نے عام راہ و رسم کی پابندی چھوڑ دی؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے
تو وہ فخر کس بات پر کر سکتے ہیں؟ عقل کا تقاضا ہے کہ ایسی باتوں سے باز
کیا جائے جو ناقص و ناقص ہیں۔ عام سیکڑوں ایسی باتیں اختیار کیے بیٹھے ہیں۔ اگر
ان سے گریز نہیں، اسے تصدیق نہیں تو صاحب عقل و دانش جو ناقص ہو کر رہے۔

۶۔ مشرح : بھونڈی مرجھاتے ہیں :

یہ سرمستی اور مدحوشی کمر باگی نہیں، بلکہ عقل کا عیاں پر میں داخل ہو
کر شراب سے اندازہ لگائی گئے۔ یہ کیفیت سرمستی ہے۔ عقل الٹی
کے نقشے میں عرق ہیں، کون ایسا ہے، جو اس کیفیت میں سرشار
ہو کر بوشمند رہ سکتا ہے؟

کچھ چار و زمرزم ہی پر چھوڑ دو۔ یہی حرم پاک کے گرد طواف کرنے کے
قائم نہیں، کیونکہ میں نے احرام کا جو لباس پہن لیا ہے، وہ شراب سے
بہت آلودہ ہو چکا ہے۔

بیانِ زمرزم پر نہ جتنے اور حرم کے طواف سے احتراز کرنے کا مقصد
واضح کر دیا، یعنی باتِ احرام کا پاک ہونا۔ زمرزم پر رہیں گے تو اس کے قدر

پانی سے احرام کو پاک کرنے کی کوشش کریں گے اور جب تک لباس احرام پاک نہ ہو جائے، کبھی کی غفلت کا اتنا احساس ہے کہ اس کا خوات بھی اپنے لیے مناسب نہیں سمجھتے۔

۷۔ لغات : ابرام : ابرام، ابرام، ابرام۔

شرح : محبوب کو وصل سے انکار نہیں اور میں اس کے لیے صدمہ و رنج تھا جسے کر دیا ہوں۔ غصہ اور غم ہے کہ اب بھی بات نہ بنے اور میری مراد پوری نہ ہو۔

شعر میں یہ حقیقت ظاہر کی گئی ہے کہ جب عاشق کو وصل پر اصرار ہو اور محبوب کو اس سے انکار نہ ہو تو اس کی صورت نہ بنتا صراستہ قابلِ تعلق ہے۔

۸۔ شرح : اسے موت ! ابھی تک تو میرا کھینچا ہو ہو کر آنکھ سے نہیں پیکا، انرا میرے فرتے بہت کام باقی ہے اور بہتر ہے کہ مجھے چپکا اور میلا رہنے دے تاکہ یہ کام پورا کر لوں۔

شعر میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب بچہ پچھلے درجے کی مصیبتیں نازل ہو رہی ہوں، غم کے باوجود ٹوٹ نہ آئی۔ اب جگر خون ہو رہا ہے اور خون ہو کر آنکھ سے نہیں ٹپکا۔ جب تک یہ کام پورا نہ ہو جائے، میرے عشق کی تکمیل کیونکر ہوگی؟ اب ذرا اور صبر دے دے کہ اسے تو پورا کر لوں۔

۹۔ شرح : ایسا کون ہو گا، جو خائب کو نہیں جانتا، وہ دنیا بھر میں مشہور ہے، لطافت یہ ہے کہ شاعر بھی بہت اچھا ہے، البتہ یہ نام زیادہ ہو گیا ہے۔

مدت ہوئی ہے یاد کو سماں کیسے جوئے
 جوشِ قدح سے بزمِ چراغاں کیسے جوئے
 کرتا ہوں جمعِ پھر جگرِ لخت لخت کو
 عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کیسے جوئے
 پھر وضعِ احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
 برسوں جوئے میں پاکِ گریباں کیسے جوئے
 پھر گرمِ نالہ ہانے شررِ بار ہے نفس
 قوتِ ہوئی ہے سیرِ چراغاں کیسے جوئے
 پھر پرستشِ چراغِ دل کو چلا ہے عشق
 سامانِ صد ہزار نمکِ داں کیسے جوئے
 پھر بھر رہا ہے خامہ مژگاں بہ خونِ دل
 سازِ مینِ طرازیِ داماں کیسے جوئے
 باہمِ دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
 نظارۂ خیال کا سماں کیسے جوئے
 دل پھر لہوات کوئے ملامت کو جانے ہے
 پندار کا صنمِ کدو دیراں کیسے جوئے

۱۔ شرح
 محبوب کو سماں
 بناتے جوئے
 مدت ہوئی
 جب وہ بچپن
 مرتبہ آیا تھا
 اور میرے ہاں
 عطرِ احسا تو
 شراب کے
 پیاروں سے تھا
 جوشِ پیدا ہو
 گیا تھا کہ پوری
 بزم نے چراغاں
 کہ حیثیت
 اختیار کر لی
 نفس
 پیاروں میں شراب
 بڑا بہتر
 حق۔ محبوب
 کی آمد سے مجلس
 کی گرمی بڑھ
 گئی تھی شراب
 شرابِ آتشین

میں گئی اسے

مرزا غالب

آتشِ خیال

کہتے تھے ،

یعنی ہر طور پر

بستی ہوئی آگ

نظارہ ہے کہ

ایسی حالت

میں شراب

بھرے پیالوں

کو چراغان

سے تشبیہ دینا

میں مناسب

حال ہے ۔

۲۔ شرح

میں نے پہلے

مرتبہ محبوب

کی دعوت کی

تھی تو اس

کی یکجہوں کے

پیرے بلکہ کو

پارہ پارہ کر

ڈال دیتا ۔

پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب

عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کیے ہوئے

دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال

صد گلستاں نگاہ کا سماں کیے ہوئے

پھر چاہتا ہوں نامزدِ دلدار کھو دنا

خیالِ نذرِ دلِ فریبی عنوان کیے ہوئے

مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر جو اس

زلفِ سیاہ رُخ پہ پریشاں کیے ہوئے

پا ہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آؤ

سرے سے تیز دشتِ مرزاں کیے ہوئے

اک نو بہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ

چہرہِ مزوِ رخ نے سے گلستاں کیے ہوئے

پھر جی میں ہے کہ وہ پہ کسی کے پڑے ہیں

سرزیرِ بارِ منتِ دریاں کیے ہوئے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن

بیٹھے رہیں قصودِ جانناں کیے ہوئے

غالب ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے اب پھر ان
بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفاں کیے ہوئے کبھر سے ہونے
لگزیوں کو ملے

جگہ سے اٹھا اٹھا کر جمع کر رہا ہوں تاکہ تیری دعوت میں وہ پائیں پھر ان ٹکڑوں
کو چھپری اور اپنے لیے آرامش کا مکان ہم بنائیں۔

۳۔ شرح : پھر ضبط و احتیاط کے باعث میرا دم الجھنے لگا ہے۔
ایسا کیوں نہ ہو؟ سالہا سال گزر گئے، وجہ گرہن تار تار کیا تھا۔ پھر ایسی نوبت
کبھی نہ آئی اور گرہن تار تار کیے بغیر ضبط و احتیاط کو کیونکر قائم کیا جاسکتا ہے؟
جب تک یہ ختم نہ ہو، سامنے کارکن کیونکر زائل ہو سکتا ہے؟

کھانا نہ چاہتے ہیں کہ ہم لوگ ازل سے دیوانے چلے آئے ہیں۔ اہل عقل و
دانش کی طرف ضبط و احتیاط کی زندگی میں اس نہیں آ سکتی، سارا کام ہی یہ
ہے کہ گرہن بچاؤ، لباس تار تار کیا اور جدھر جی چاہا، نکل گئے۔

اگر آپ نے تجرہ کیا ہے یا نہیں کیا تو آپ کو یسے کہ جو خود پابندی کی
نہی کی کا جادوی نہ ہو، اسے ایسی زندگی میں ڈال دیا جائے تو ذمہ قدم پر پریشانی
ہو گی۔ اس کے نظری جو جبروں کی خود نشانی میں نافذ پڑ جائے گی۔ یہی حقیقت
میرا شعر میں بیان کر رہا ہے۔

۴۔ لغات - ناکہ ہائے شر و بار : شعلہ، سانسے واسے ناکہ۔

شرح : میرے سانس نے پھر اشتاق سرگرمی سے شعلہ برسانے لگے
ہائے کھینچنے شرع کر دیے ہیں جیسے سیر چراغاں مطلوب تھی۔ دست سے یہ سیر
دیکھی نہیں تھی، سانس نے بڑی خوبی سے اس کا اظہار کر دیا۔

۵۔ شرح : عشق پھر زخم دل کا مال ہو بھنے کے لیے پناہ ہے اور
اپنے ساتھ لاکھوں ٹکڑوں کا مکان کر رہا ہے۔

معتصب یہ کہ یہ تمام ٹکڑے ان زخم دل پر اتر لیں گے تاکہ اس کی تڑپ

بڑھتے بڑھتے لافانی ہی ہو جاتے۔

۷۔ **مشریح :** میں پھر اپنی پیکوں کا قلم دل کے سر میں ڈھونڈا ہوں۔
تقدیر یہ ہے کہ اپنے دامن پر پیل یوٹوں کے گزرا رہتا ہوں اور یہی اس سافلیٹ
کا اصل مطلب ہے۔

۸۔ **مشریح :** میرے دل اور میری آنکھوں کے درمیان پھر کشش
شروع ہو گئی ہے۔ آنکھیں چاہتی ہیں کہ محبوب کے دیدار کی لذت نصیب ہو۔
دل کی آواز دہی ہے کہ اس کے خیال ہی میں گمن رہے، یعنی دونوں نے اپنی
اپنی ضرورت اور طبیعت کے مطابق سامان تیار کر لیا ہے۔

۹۔ **نکات :** پندارہ : خیال، عزور، تکبر
شرح : میرا دل پھر عادت کے کوبے میں نیرو گردش کے لیے جا
رہا ہے اور عزور، تکبر کے جس جگہ سے کا وہ یہاں تھا، اسے ویران کر
چکا ہے۔

مطلب یہ کہ میرے دل کو اپنے حال پر بڑا عزور و تکبر تھا اور وہ کوئی
ایسا قدم اٹھانے کے لیے تیار نہ تھا، جو دنیا بکھا جائے، لیکن آفرود عزور
آگیا کہ اسے عزور تکبر سے دست کش ہو کر وطن و حیات کے کوبے میں جانا پڑا،
۹۔ **مشریح :** شوق یعنی عشق پھر کسی خریدار کی تلاش میں ہے۔ عقل
دل اور جان کا سرمایہ پیش کر رہا ہے، جو چاہے خرید لے۔

نظارہ ہے کہ عقل، دل اور جان معرفت محبوب خرید سکتا ہے اور مطلقہ
ہیں ہے کہ عشق پھر ہمیں اپنا سب کچھ تقدیر محبوب کو نے پر آفادہ کر رہا ہے۔
۱۰۔ گل و لالہ سے مراد حسین و جمیل لوگ ہیں۔

مشریح : خیال پھر حسینوں کی طرف دوڑ رہا ہے اور نگاہ نے سیکڑوں
گستاخوں کا سامان کر لیا ہے گویا جب تک نگاہ سیکڑوں باخون کا سامان نہ کر
لے، اس وقت تک حسینوں پر خیال دوڑنا مناسب ہی نہیں۔

۱۱۔ مَشرَح : میں پھر محبوب کا خط کھولنا چاہتا ہوں، ساتھ ہی آدو
ہے کہ جان تا سہ کی دلفریبی پر قربان کر دوں۔

۱۲۔ مَشرَح : جوں کو پھر : طلب ہے کہ کوئی حسین لب بام پند و گ
جو اور سب یاد نہ لیں اسی لئے میرے پر بکھیر رکھتی ہوں۔

۱۳۔ مَشرَح : پھر آدو چاہتی ہے کہ سامنے کوئی نگاہ ہو جس
لئے چلوں کے بجز سرے سے تیز کر رکھتے ہوں۔

۱۴۔ مَشرَح : پھر نگاہ کسی تو بہادار کو دھونڈ رہی ہے، جس نے
پہرہ شراب کے نشے سے گھٹان کی طرح مَشرَح درگاہیں بنا رکھا ہو۔

۱۵۔ مَشرَح : پھر دل میں یہ امنگ ہے کہ کس کے دروازے پر
بڑے رہیں، لیکن ظاہر ہے کہ دربان کے احسان کے چپے سر دیے بغیر وہاں
مگر نہیں مل سکتی، لہذا یہ احسان بھی قبول کر لیں۔

۱۶۔ مَشرَح : جی پھر وہی فرصت چاہتا ہے کہ وہی ہو یا راست، محبوب
کا تصور کیے بیٹھے ہیں۔

۱۷۔ مَشرَح : اے غائب ! ہمیں نہ پھر دیکر آندوں کے جوش کا یہ
عالم ہے، گویا ہم طوفانِ بیا کر دینے کی تیاری کیے بیٹھے ہیں۔

نویں امن ہے بے داد و دوست ہاں کے لیے
رہی نہ طرزِ ستم کوئی آسماں کے لیے
بل سے گر مژدہ یار تشنہٴ غلوں ہے
رکھوں کچھ اپنی ہی مرگانِ خونِ فشاں کے لیے

۱۔ لغات :
نویں :
طرزِ ستم :
مَشرَح :
محبوب کے
علم و جود نہ

جان کے لیے وہ زندہ ہم میں کہ ہیں روشناس خلق اسے خضر
 امن کی خوشخبری متیا کر دی
 نہ تم کہ چور بنے عمر جاوداں کے لیے
 کہو کہ تم انگیزی کے جتنے طور
 رہا بلا میں ہیں مبتلائے آفتِ رشک
 طریقے تھے وہ سب کے
 بلائے ہاں ہے ادا تیری اک جہاں کے لیے
 سب محبوب
 فلک نہ دور رکھ اس سے مجھے کہ میں ہی نہیں
 غمِ برت لیے
 دراز دستی قاتل کے امتحاں کے لیے
 اور آسمان کے
 مثال یہ مری کو شش کی ہے کہ مرغِ اسیر
 لیے کوئی طریقہ
 کہے نفس میں فراہم خس آستیاں کے لیے
 باقی نہ پہنچا
 گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے
 مطلب یہ
 اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے
 کہ ظلم کے جتنے
 بہ قدر شوق نہیں ظرافت تنگنائے غزل
 طریقے ہو سکتے
 کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے
 تھے وہ تو مل
 دیا ہے خلق کو بھی تا اُسے نظر نہ لگے
 میں آگئے اب
 بنا ہے عیش تجلِ حسینِ غاں کے لیے
 آسمانی کوئی منزل
 زباں پہ بادِ خدا یا ایہ کس کا نام آیا؟
 اٹھانا چاہے گا
 کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لیے
 ترا نہیں طور
 طریقوں میں سے
 کوئی ہوگا جس
 کے ہم محبوب

تفسیر دولت و دیں اور معینِ ملک و ملک
 بنا ہے پر پرچ بریں جس کے آستان کے لیے
 فرما نہ عہد میں اس کے ہے محو آتشش
 نہیں گئے اور سدا سے اب آستان کے لیے
 ذکر کرتے گا۔

۲۔ شرح :
 اگر محبوب کی
 چٹائی خزان کی
 پڑی ہیں تو ہیں
 آخر اپنی خون
 برساتے دانی

پکوں مکے لیے بھی کچھ نہ کچھ دکھنا مزدی ہے، سب کچھ اس کی تڑپ کیوں
 کر دوں ؟

۳۔ شرح : نام روایت کے مطابق حضرت خضرؑ کا نام ہے۔ یہی
 خاص خوش نصیبوں کے سوا کسی کو نظر نہیں آتے، مرزا غالب نے اس سے
 یہ پہلو پیدا کر لیا کہ زندگی سے مراد ہے خلقِ خدا سے روشناسی، میلِ جلی تھا
 ۴۔ اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو زندگی کس کام کی ؟ اصل میں روحی زندگی کی تعمیر
 ہے ہی اس کے سوا کوئی نہیں۔

فرمانے ہیں کہ اسے خضرؑ! اصل زندگی تو ہماری ہے کہ دنیا میں رکھیتی
 ہے اور ہم دنیا کو دیکھتے ہیں۔ ہم لوگوں کا ہاتھ جانتے ہیں۔ لوگ ہماری مدد کرتے
 ہیں۔ تعذری کیا زندگی ہے کہ ہمیشہ زہر و دہنہ کے لیے لوگوں کی نگاہوں سے
 چھپ گئے، گویا چودہ بن گئے۔ جو کہیں نہ سر نہیں ہوتا، وہ تو شہی رہتا ہے اور

وہ بھی اس غرض سے کہ ہمیشہ نڈر رہو۔

۴۔ شرح : کچھ پرچہ میں لکڑی ہوتی رہی۔ اس حال میں بھی رنگ

کے مذاہب سے تیرا پیشکار نہ ہو۔ مطلب یہ تھا کہ تیری اداسی سے جہاں
کے لیے جگہ ہوں ہے، حالانکہ اسے صرف میرے لیے بنائے جا رہا ہے
تھا +

رنگ کا معنی میرزا غالب نے اس کثرت سے بنا دیا ہے کہ شاید
کسی دوسرے شاعر کے ہاں اتنی مراد افی ساہی اتنی پرکھوتی مل سکے، مثلاً
اسی سے بنا جاتا مرزا کا مہایت مشہور شعر ہے :

قہر ہو یا بلا ہو، جو کچھ ہو

کاش کہ تم مرے لیے ہوتے

۵۔ شرح : اسے آسمان : مجھے قاتل سے دور نہ رکھ۔ کیا اس کی

درازدستی کے استخوان کے لیے موت میں ہی رہ گیا ہوں : مطلب یہ ہے کہ
مجھے قتل ہونے اور جان سے دینے میں ایک لمحے کے لیے بھی تامل نہیں بلکہ
ایسا کیس ہو کہ میں محبوب کے مزارق میں دور بیٹھا ہوں گھل گھل کر جان دوں :
یہ کیوں نہ ہو کہ میں اس کے پاس پہنچ جاؤں اور وہ مجھے اپنے ہاتھ سے قتل کر
ڈالے : فراق کی حالت میں دور پہنچ کر موت کو انتظار کرنا اور غم میں گھل گھل
کر مرنا غالب کے نزدیک درازدستی کا امتحان ہے۔ یعنی مقدر وہ ہے کہ محبوب
مختلف ذریعوں اور وسیلوں سے کہاں کہاں پہنچ کر چٹے عاشقوں کو موت کے
گھٹ (گھاٹ) دے گا موجب بنتا ہے۔

۶۔ شرح : میری کوشش کی حقیقت سمجھنا چاہو تو یہ مثال سامنے

دکھ لو کہ ایک پرندہ بجز سے میں بند ہے اور وہ آسمان سے کے لیے تھکے ہیں
کر رہا ہے۔

یہ صورت مثال ہے : مراد نہیں کہ قفس میں کوئی پرندہ بند ہو تو وہ بالکل

تکے جمع کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ابھی رانی کی کوئی صورت نہیں۔ گرفتاری کی معیبت نے بھیجا نہیں چھوڑا اور پتھر سے میں بیٹھے بیٹھے گھونسلے کے ایسے تنگ یوں جمع کرنے لگا۔ گویا سب کچھ ملے ہو چکا ہے۔ مثالی سے ظاہر ہے کہ اصل کو شش بے سود اور بے نتیجہ بھی ہے اور ہر دیکھنے والے کے دل میں اتھانِ رحم بھی پیدا ہوتا ہے۔

۷۔ "شرح" : خواجہ حالی نے اس شریعت "یارگار غالب" میں بھی بحث کی ہے اور "مقدمہ شعر و شاعری" میں بھی۔ دونوں جگہ اس کی خوبیوں کے جداگانه پہلو پیش کیے ہیں۔ "مقدمہ" میں فرماتے ہیں : "معنوں" : یہ ہے :

"میں جو معشوق کے مکان پر پہنچا۔
اول ظاموش کھڑا رہا۔ پاسیان
سے سائل سمجھ کر کچھ نہ کہا۔ جب محبوب کے دیکھنے کا حد سے
زیادہ شوق جڑا اور صبر کی طاقت نہ رہی تو پاسیان کے قدموں
پر گر پڑا۔ اب اس نے جانا کہ اس کا مطلب کچھ اور ہے۔
اس نے میرے ساتھ وہ سلوک کیا کہ ناگفتہ بہ ہے :

فرمانے ہیں کہ اتنے بڑے معنوں کو مرزا نے صرف دو مصرعوں میں بیان کر دیا ہے۔

"یارگار غالب" میں لکھتے ہیں : اور وہ غزل میں ایسے بلیغ اشعار شاید
دہری ہوں۔ اور نکلیں گے۔ "نونا نا آواز اور جرمزہ" کی طلب کو نام نہ لکھتے
تھے اور بھی اس شعر کے اندازہ بیان پر پرواز تھے۔ . . . جو خاتمہ مرزا نے
اس شعر میں بیان کیا ہے، اس میں دونوں کی تفریق کرنے ضروری تھی، ایک
یہ کہ پاسیان نے فانی کے ساتھ کیا سلوک کیا، دوسرے یہ کہ فانی پاسیان سے
کیا نہ چاہتا تھا، سو یہ دونوں باتیں یہ صراحت بیان نہیں کی گئیں۔ صرف کہ سننے
میں ادائیگی گئی ہیں، مگر صراحت سے زیادہ و معنوں کے ساتھ ظہور ابھم "آبائی

ہیں۔ پہلی بات پر لفظ "شامت" اور دوسری پر "قدم لیا" صاف دلالت کرتا ہے۔ اس کے سوا اور مزمرہ کی نشست اور الفاظ کی بندش اور ایک وسیع خیالی کو دو مضمروں میں ایسی خوبی سے اور اگر نا کہ نثر میں بھی اس طرح اور اگر نا مشکل ہے۔ یہ سب باتیں نہایت تعریف کے قابل ہیں۔

خواجہ جاتی شعر کے تمام پہلو واضح کر چکے ہیں۔ تاہم نفس مطلب کی پوری توضیح کے لیے پھر ایک مرتبہ شعر کو موزوں نثر میں پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مرزا محبوب کے دروازے پر پہنچے۔ وضع قطع سے بالکل فقیر اور دلکش معلوم ہوتے تھے۔ دروازے کے پاسان نے دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ کوئی فقیر ہے، جو مانگنے کے لیے آگیا ہے اور فقیر آتے ہی رہتے ہیں چند لمحے ٹھہرے گا اور رخصت ہو جائے گا۔ اس سے کچھ نہ کہا اور بالکل مزاحم نہ ہوا۔ مرزا اپنے ذہن میں سمجھے کہ پہلا مرید تو یہ خیر و خوبی ملے ہو گیا۔

پاسان نہران معلوم ہوتا ہے۔ کیوں نہ اس کی نشست سماجست کر کے بار بار بیانی کی کوشش کروں؟ چنانچہ کھڑے کھڑے آگے بڑھے اور بیابان پاسان کے پاؤں پر گر پڑے۔ اب اسے خوش آیا اور سمجھا کہ عجیب مانگنے والا تو کوئی طریقہ نہیں۔ یقیناً یہ بھکاری نہیں۔ بلکہ دوسری غرض سے آیا ہے اور اسے معلوم تھا کہ اس غرض سے اکثر لوگ آتے ہی رہتے ہیں۔ چنانچہ اس نے وہی سلوک کیا، جو ایسے تمام لوگوں سے کرتا رہا تھا۔ یعنی گردن میں ڈھونڈ دیا اور چار تحفہ سید کیے، دو پار جوڑے دلائے اور حکایت ہو اور رک سے گیا۔

کمال یہ ہے کہ اس بیابانستان کو صرف چند الفاظ میں کنایہ ایسے طریق پر پیش کر دیا ہے کہ اس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ پورے شعر کا مضمر مرثیہ چار پانچ لفظوں پر مبنی ہے یعنی "گرد" "چپ" "شامت" "پاسان" اور "قدم لیا"۔

مولا علیا علیہ السلام کو احترام کرنا پڑا اس شعر نے ایسی جوش پائی

ہے کہ جواب نہیں ۔

۸۔ لغات : تنگنائے : تنگ جگہ : تنگ کوہ ۔

شرح : ۱۔ میں جو صدائیں اس زمین میں لانا چاہتا ہوں ، انھیں اپنے شوق اور غرضی کے مطابق غزل میں نہیں لاسکتا ، مطالب کا تقاضا ہے کہ میرے بیان میں کسی قدر وسعت پیدا ہو جائے ۔

۹۔ لغات : تجمل حسین خاں : فرخ آباد کے جگش خانہ ان کا

مشہور امیر جس نے ۱۰ ذی قعدہ ۱۱۱۲ھ (۱۷۰۰ء) کو وفات پائی ۔
تفسیر لغت : حسین الملک : ظفر جنگ اس کے خطابات تھے ، جن کا ذکر آگے آئے ہے ۔ اور نوابوں سے ملانہ حکومت انگریزی سنے وہ اس نے کیا تھا اور ایک لاکھ آٹھ ہزار روپے سالانہ نقد مقرور کر دیا ، لیکن نوابوں کا ٹھکانہ ایسا تھا کہ بڑے بڑے ایلان ریاست ان کے مقابلے میں کمتر نظر آتے تھے ، جن میں خاں کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا تفضل حسین خاں نواب بن گیا ، جس کے بیٹے میں اس نے انگریزوں کی باغی بن جانے کے لیے کوئی دقیقہ سنی اعتبار رکھا ، لیکن دوسرے لوگوں کا غلبہ اس قدر بڑھا کہ تفضل حسین خاں خود بھی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گیا ۔ بیٹے کے خاتمے پر اس کے لیے پھانسی کی سزا تجویز ہوئی پھر قراء پایا کہ حکم چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلا جائے ۔ تفضل حسین خاں نے کٹر کٹر میں قیام کا فیصلہ کیا ، چنانچہ اسے وہیں بھیج دیا گیا ، کچھ مدت تک میں گذری ، پھر نواب شاہجہاں بیگم واپس بھیج دیے اس کے لیے معقول رقم کا انتظام کر دیا جو وہ بھوپال کی رقم کے ساتھ سال بہ سال نواب کو مل جاتی تھی ۔ یہ ۱۱۱۲ھ میں تفضل حسین خاں نے وفات پائی ۔

شرح : عیش و تجمل کا ساتھ ساتھ ان ملن کو اس لیے دیا گیا ہے کہ تجمل حسین خاں کو نظر نہ آئے اور نہ حقیقت میں یہ ساتھ ساتھ صرف تجمل حسین خاں کے لیے ہے ۔

جب کسی کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس سے دوسرے محروم ہوں تو اندیشہ رہتا ہے کہ اسے کسی کی نظر لگ جائے گی۔ مثلاً خوب صورت بچوں کو نظریے محض دیکھنے کے لیے سیاہ رنگ کا کوئی منگ لگے میں ڈال دیتے ہیں، جسے نظر بگڑ کر رہتا ہے۔

مرزا کہتے ہیں کہ دوسروں کو عیش کا جو سامان دیا گیا ہے اس کی غرض صرف یہ ہے کہ تحمل حسین نظر بد کا شکار نہ ہو جائے۔

۱۰۔ لغات - یار خدا یا : خدا سے بڑا گوار
نطق : گرائی۔

مشریح : اسے خدا سے بڑا گوار ! نہ ان پر کس کا نام آیا کہ میری گویائی کے میری زبان کو چوم چوم کیا۔

مرزا غالب نے یاد بھی دلائی ہے مضرع کا معنی ہاتھ ہے :

تا نام کے وساقی کوثر یہ زبانی دلت

صد رو ہم اندہر جو سید زباں را

آسی نے لکھا ہے کہ زباں چومنے کا معنی سب سے پہلے غافانی نے ہاتھ تھا۔ اگر حقیقت میں ہے تو کوئی معنی اندہ نہیں۔ ایسے ایک معنیوں کے سلسلے میں تو کہہ دے کہ لیا دیا وہ اچھا ہے۔

۱۱۔ شرح : جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، التفسیر التذلل، معین الملک

تحمل حسین غاں کے خطابی اجزاء بنے۔ ان کے استعمال کا عام طریقہ یہ تھا :
تفسیر التذلل والحقین اور معین الملک والحق - اسی کو مرزا غالب نے پتہ معرود میں لے لیا، یعنی تحمل حسین غاں اسرارین اور ملکات کا یاد اور ملت و ملک کا مددگار ہے، جند آسمان اسی کے آستان کے لیے بنا ہے۔

۱۲۔ شرح : نہ ان اس کے حمد میں نہینت و آرائش کے دو پہے ہے۔

زبان کی سجاوٹ اور کمال پر پہنچ رہی ہے۔ یعنی ہے کہ آستان کے چہرے میں

تو ذکر اسی آرائش میں صرف ہوں گے اور آسمانی کے لیے اور ستاروں کی ضرورت پیش آئے گی۔

بعض ستارہ میں سے فرمایا ہے کہ تجمل حسین غاں کے عہد میں آسمان و زمین کی آرائش ہو رہی تھی۔ چنانچہ آسمان کی آرائش ابھی نہیں ہوئی اس لیے پہلے ستاروں میں اور ستارے سے بڑھا دینے چاہیے گئے۔

اس پر اعتراض کی ضرورت نہیں، لیکن تکمیلی آرائش کو صرف آسمان تک محدود رکھنا کونکر مناسب ہے؟ اولین شے تو زمین کی آرائش ہے۔ بظاہر یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اس آرائش میں ستارے بھی کھپ جائیں گے اور آسمان کی آرائش بجا آئے رکھنے کے لیے اور ستارے سے بڑھا دیں گے۔

۱۳۔ **مشریح:** کاغذ ختم ہو گیا اور مدوح کی مدح ابھی باقی ہے۔ اس لیے کہارہ مسند کے لیے سفینہ دو گام ہے: "سفینہ" بیان دومعنی میں استوائی بڑا "اولیٰ دفتر" دوم "کشتی" یا "جہاز"۔ "کشتی" یا "جہاز" کو "بھر بیگراں" سے مناسبت ہے۔ "دفتر" کو "کاغذ" سے۔

۱۴۔ **مشریح:** آج غائب نے خاص ادا سے نکتہ سرائی کی ہے۔ یعنی خاص رنگ ہیں شعر کہے ہیں۔ میرے ہر دوست اور ہمیشہ نکتہ داں ہیں، یعنی شعر کی ہر یکاں سمجھتے ہیں، انہیں عام دعوت دیا ہوں کہ اسس کی پیروی کریں۔

خواجہ حاتم فرماتے ہیں:

"غزل کے اخیر میں چند شعر نواب فرخ آباد کی مدح میں لکھے ہیں۔ جنہوں نے مرزا کو مناسبت استیاق کے ساتھ فرخ آباد میں بلایا تھا، مگر غالباً مرزا کا دل ادا ہوا نہیں ہوا، آ

قصائد

امیر المومنین حضرت علیؑ کی منقبت میں :

سازیکِ نذرہ نہیں فیضِ چین سے بے کار
 سایہ لالہ ہے داغِ شہید اسے بہار
 مستی بادِ سبا سے ہے بعرضِ سبزہ
 ریزہ شیشہ سے ہو بہرِ تیغِ کسار
 سبز ہے باہمِ زمرّد کی طرح داغِ پلنگ
 تازہ ہے ریشہ تارِ پنجِ صفتِ روئے شرار
 مستی ابر سے گلچینِ طرب ہے حسرت
 کہ اسِ آغوش میں مکان ہے دو عالم کا فشار
 کوہِ و صحرا ہمہ معمور مئی شوقِ بلبل
 راہِ خوابیدہ ہوئی خندہ گل سے بیدار
 سوچے ہے فیضِ ہوا صورتِ مرگازِ تیمم
 سرِ نوشتِ دو جہاں ابر بہ یکِ سطرِ غبار

۱۔ شرح :
 داغِ شہید
 کا یہ عالم ہے
 کہ کسی مجتہد
 کا وجود بیکار
 نہیں رہا یہی
 حکم کہ ہے داغ
 اسے کامیاب
 بہار کے دلی
 کا نقطہ سیوا
 ہو گیا ہے۔
 تارِ افکار
 ہوتا ہے ۔
 یہاں اسے
 پہ داغ اس
 لیے کہا کہ بہار
 کے فیض ہو

کاٹ کر پھینکیے ناخن تو یہ اندازِ حلال
 قوتِ نامیہ اس کو بھی نہ چھوڑے بیکار
 کفِ ہر فاک پہ گردوں شدہ قمری پروراز
 دامنِ ہر کانڈ آتشِ زردہ طاؤسِ شکار
 مے کدے میں ہو اگر آرزوئے گل چینی
 بھول جا یک قدحِ بارہ بہ طاقِ گلزار
 موجِ گل ڈھونڈ بہ خلوتِ کدۂ غنچہ بارغ
 گم کرے گوشہ سے خانہ میں گر تو دستار
 کھینچے گرمانِ اندیشہ چمن کی تصویر
 سبزِ مثلِ خطِ نو خیز ہو خطِ پَرکار
 لعل سے کی ہے پے زمزمہ مرحبتِ شاہ
 طوطیِ سبزۂ کسار نے پیدا منقار
 وہ شہنشاہ کہ جس کی پے تعمیرِ سرا
 چشمِ جبریل بڑی قالبِ خشتِ دیوار
 فلکِ العرشِ ہجومِ خیمِ دوشِ مزدور
 رشتہ فیضِ ازل سازِ مناسبِ منہار

نے اس کا
 داغ بالکل
 شادیا۔ اب
 اس کا موت
 سایہ بالہ
 گیا اور وہ
 بہار کا صبر
 بن گیا۔
 ۴۔ لغات
 تیغ کُسار
 ہڈ کی چوڑ
 شرح
 شاعر نے ہاڑ
 کی چوڑی پر
 سبزہ دیکھا
 قرعہ خیال
 جو کہ یہ سبزہ
 نہیں، بلکہ
 بنائے شربت
 کی کہیں ہیں
 جو بیچ کوہ کے
 جو ہر جگہ
 میں اور

سبزہ ٹہ چین و یک خطِ پشت لب بام
 رفعتِ بہمت صد عارف و یک اورِ جِ حصار
 واں کے خاشاک سے حاصل ہو جسے یک پرکار
 وہ رہے مروجہ بالِ پری سے . پینار
 خاکِ صحرائے نجف . جو ہر سیرِ عرفا
 چشمِ نقشِ قدم . آئینہٴ بخت بیدار
 ذوق اس گرد کا ، خورشید کو آئینہٴ ناز
 گرد اس دشت کی امید کو احرام بہار
 آفرینش کو سہ واں سے طلبِ مستی ناز
 عرضِ خمیازہ اخیب باد ہے ہر موجِ بہار
 بادِ مہا کی مستی کا کرشمہ ہے ۔
 مطلب یہ ہے
 کہ سبزہ سر کو بہار
 ہمیں بتا رہا ہے
 بادِ مہا نے مستی
 کے عالم میں مینا
 سے توڑ ڈالا اور
 اس کے سبز ہیز
 دینے سے پہاڑ کی
 چوٹی پر بکھر گئے ،
 وہی تیل کو بہار
 کے جوہر بن گئے ۔
 واضح رہے کہ
 مینا نے کی

مطلع ثانی

فیض سے تیرے ہے اسے شمعِ شبتان بہار
 دل پروانہ چسرافاں پر ملبس گلزار
 شکلِ طاؤس کرے آئینہٴ خانہٴ پرواز
 ذوق میں جلوے کے تیرے ہو اسے دیدار
 کہ چوں کا سبز ہوا
 بہار کو فیض ہے
 تیغ کو بہارِ اصلا
 پہاڑ کی چوٹی پر
 کہتے ہیں ، لیکن
 یہاں شاعر نے

و بارہ تیج کو
 حقیقی معنی میں
 لے لیا جو ہر
 سے مراد اس
 کی آب داری
 ہے ۔
 سولہ لغات
 پلنگ :
 پینا جس کے
 اور جسم پر
 سیاہ پٹیاں
 ہوتی ہیں ۔
 شرح :
 ہمارے چشم
 اور عین کی
 کیفیت بیان
 کرتے ہوئے
 کہتے ہیں کہ
 پینے کے درج
 میں چٹیاں ہوتی
 کے پالے کی
 طرح سبز ہو گئی ہیں اور چٹکادیوں میں دسین بھی تازگی آگئی ہے ، ہمیں تازگی کے
 دیکھنے میں ہوتی ہے ۔

تیری اولاد کے غم سے ہے ہونے لگیوں
 ملک اختر میں میر نو ، مرثیہ گوہر بار
 ہم عبادت کو ترا نقش قدم ، ہر نماز
 ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے انتظار
 مدح میں تیری ننانہ مزملہ لغت نبی
 جام سے تیرے طیاں بادۂ جوش اسرار
 جو ہر دست دعا آئندہ معنی تا شیر
 یک طرفہ نازش مرثیگان و دیگر سُو غم خوار
 مردک سے ہو عزا خانہ اقبال نگاہ
 خاک دو کی ترے جو چشم نہ ہو آئندہ دار
 دشمن آل نبی کو بہ طرب خانہ دھڑ
 عرض خمیازہ سیلاب ہو طاق دیوار
 دیدہ تامل اسد آئینہ یک پر تو شوق
 فیض معنی سے خط ساعیہ راقم سرشار
 طرح سبز ہو گئی ہیں اور چٹکادیوں میں دسین بھی تازگی آگئی ہے ، ہمیں تازگی کے
 دیکھنے میں ہوتی ہے ۔

۴۔ لغات - فشار : دباؤ

شرح : لغات عالم میں گھٹاؤ گھٹائیں مچا رہی ہیں۔ حسرت ان سے پیش و نشاط کے پھول چیں رہی ہے گھٹاؤں کی شدت کا یہ عالم ہے کہ دونوں جہان ان کی آغوش میں بھینے جا سکتے ہیں۔

شر کا مطلب ہوا سر پہ ہے کہ بادل اتنے زور سے گھر کر آئے ہیں گویا دونوں جہان کی لغات ان کے لیے تلک معلوم ہوتی ہے اور شاعر جیسا حسرت زدہ آدمی بھی ان سے خوشی کے پھول چیں رہا ہے۔

۵۔ لغات - معور می : آباری

راہِ خوار میر : فطری معنی سویا ہوا راستہ، اس سے اس معنی سے وہ راستہ جس پر چلنا پھرنا بہت کم ہو۔

شرح : بہار کے قیغ سے ہر نگہ پھول پیدا ہو گئے۔ ان کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ جہاں راستے ویران پڑے تھے وہ بھی پھولوں سے بھر گئے گویا سوتے سوتے راستے پھولوں کے نشے یعنی کیلنے کی آواز سے میدان ہو گئے۔ کوہ و صحرا میں ہر طرف پھول ہی پھول نظر آتے ہیں اس لیے تمام مقامات پہلوں کے عشق سے آباد ہو گئے ہیں۔

۶۔ لغات - سر نوشت : تقدیر

مرزا گانی قیغ : اس کی دو خصوصیتیں ہیں، ازل خاک آلود ہونا اور مسلسل دوسرے کے حادثہ قلم آلود ہونا۔

دو جہاں ابھر : دونوں کی انتہائی کثرت۔

غبار : ایک مسم کا خط، پودوں کا فلوں پر لگنا جاتا ہے اور دونوں کو جا کر بڑھا جاتا ہے، وہ غبار سا معلوم ہوتا ہے۔

شرح : فطری بہار کی تری اور میرزا قیغ کا یہ عالم ہے کہ مرزا گانی قیغ کی طرح غبار کا ایک سفر میں دو جہاں ابھر کی صفائیت پیدا ہو گئی ہے۔

شعر کا صاف مطلب یہ ہے کہ بیمار کی دھڑکت اور نشہ دہائی کی حرکت سے گرد و غبار کی معمولی سی مقدار میں اتنا پانی ہے، مگر یا سب سے شہاد باد ان پر سے لگے ہیں۔

مشرکانِ قسیم کی مددوں خصوصیتیں شعر کے سلسلے میں پیش نظر رہنی چاہئیں۔

۷۔ لغات - قوت نامیرہ بڑھنے اور نشہ نہ پانے کی قوت۔
 شرح : اگر ناخن کاٹ کر چھیک دیں تو بڑھنے اور نشہ نہ پانے کی قوت اسے بھی بیکار نہ چھوڑے گی۔ بلکہ نو دے کر اس جال کو بدر بنا کر رہے گی۔

۸۔ شرح : خاک کی ہر مٹتی جو آسمان کی طرت بلند ہو رہی ہے اس میں بیمار کے جوشِ نوستہ جانِ ڈال دی ہے۔ اور وہ قمری کی طرح اڑ رہی ہے۔ اور جس کا فذ کو آگ لگ گئی ہو۔ وہ ایک جال ہے جس سے مور پکڑے جاتے ہیں۔

قمری کا رنگ خاک کی جوتا ہے، میرزا غالب پہلے بھی اسے خاک اور خاکستر سے تشبیہ دے چکے ہیں۔ بیانِ حرفت یہ ہوا کہ ہوا سے ہمارے بے جان خاک میں دودھ پھونک دی اور وہ قمری بن کر اڑنے لگی۔ آتشِ ذوق کا فذ کی تشویش پہلے تفصیل سے کی جا چکی ہے۔ اس کا فذ میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے شعلے سے پیدا ہو جاتے ہیں، جو چند لمبے باقی رہتے ہیں۔ ان کی صورت بالکل ایسی ہوتی ہے، جیسے جال کا کوئی ٹکڑا ہو۔ وہ کا فذ مور کے پروں سے بھی اک گودہ مشابہت رکھتا ہے، اس لیے اس جال کو طاؤس شکار کہا گیا۔

۹۔ شرح : اگر تجھے یہ تھا ہو، مشرابِ غاسنے میں بیٹھ کر بھول چنے تو اس کی سہل ترکیب یہ ہے کہ مشراب کا ایک پیالہ بارگ کے کسی غائبے میں رکھ کر بھول جا۔ نشہ و ناکِ قوت اس ایک پیالے کو اسی طرح بے شمار پیالے

بنادے گی، جس طرح ایک چھوٹے سے راج سے کئی چول پیدا ہو جاتے ہیں۔
یوں چین میں میکہ پیدا ہو جائے گا اور میکہ سے میا چین۔ شراب بھی بنی اور
چول بھی چین۔

۱۰۔ شرح : اگر شراب بنانے کے گوشے میں تیری گڑھی گم ہو
جائے تو باغ میں چل جا اور ٹھپے کی غلوت گا، میں سوچا گی ڈھونڈے۔
گو یا جو گڑھی میکہ سے میں گم ہو گی، وہ لطیف ہوا سے خوشبو بن کر ٹھپے کی
غلوت گا، میں جائیے گی۔

۱۱۔ لغات - مافی : ایک مشہور مسعود جس کا دھن یا بل تھا، مغل
مات چلے کھسے ہو چکے ہیں۔

شرح : اگر فکر خیال کا مافی باغ کی تصویر کھینچے تو طراوت ہوا کے
باغ پر کار کا خط حسینوں کے نئے نئے اگلے ہوئے سبز خط کی طرح سبز
ہو جائے۔

۱۲۔ لغات : شکار : چوچ۔

شرح : سبز کو مباد کے غول نے حضرت علی کی درج کا ہزار
گانے کے لیے محل کی چوچ پیدا کی ہے۔

میرزا کا مقصود یہ ہے کہ چار پر سبز بھی آگتا ہے اور اس میں محل
میں ہوتے ہیں۔ دونوں نے مل کر ایک ایسے ہند سے کی شکل پیدا کی جس
کا رنگ سبز اور چوچ صرخ ہے۔ غرض یہ ہے کہ حضرت علی کی درج کریں۔
گو یا پر شکار گریز کا ہے اس سے درج شروع ہو جاتی ہے۔

۱۳۔ شرح : حضرت علی وہ شمشاد ہیں جن کے محل سرسے کی
تعبیر کے لیے انیٹوں کی ضرورت پڑی تو حضرت جبریل نے اپنی آنکھوں کا
بنا نے کی غرض سے پیش کی تاکہ اس میں احوال احوال کر انیٹیں صاف ل
جائیں۔

۱۲۔ لغات۔ فلک العرش : وہ آسمان یا بلند ہی جس پر عرش ہے ۔

بحجوم خم : حیکل کی کثرت ۔

لقاب معمار : وہ دستی جس کے ساتھ ایک وزن دکھایا گیا ہے اور راج معمار اس سے تعمیر کردہ دیوار کی سیدھ اور شیرازہ دیکھتے ہیں ۔ جہاں شیرازہ ہوا اسے ٹھونک کر درست کر دیتے ہیں ۔

شرح : عرش والا آسمان مزدور کے کندھے کی طرح محدود ہو جھک گیا ہے ۔ یعنی وہ حضرت علی کی محل سرائے کی تعمیر میں مزدور ہی ، تعلیم و احترام کی بنا پر کر رہا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے ازل فیض کا رشتہ اس محل سرائے کے معمار کی وہ دستی ہے جس سے دیوار کی سیدھ شیرازہ دیکھی جاتی ہے ۔

۱۵۔ لغات۔ منہ چین : نو آسمان

خطہ پشت لب بام : مکان کی منڈ پر پہنچو رنگیں خطہ کرائش کی غرض سے لگا دیا جاتا ہے ۔

اصح حصار : محل سرائے کی تفصیل کی بلند ہی جس نے چاروں طرف سے محارت کو گیر رکھا ہے ۔

شرح : نو آسمانوں کا سہرا اس محل سرائے کے لب بام کی منڈ پر کے رنگ میں مرتب ہو گیا ۔ سیکڑوں خدائوں کی بندہ سہتی اس محل سرائے کی بیرونی دیوار کی بلند ہی کے برابر ہے ۔

مادوں کی بلند سہتی اس اعتبار سے کہ ان کی ٹھور نظر مقام معرفت حاصل کرنے کی غرض سے بہت اونچی جاتی ہے ۔

۱۶۔ لغات۔ خاشاک : گھاس پھوس ۔

پرکاد : گھاس کا ٹکڑا ۔

مرقوعہ : پٹکھا ، بادزن

شرح : اس محل سرانے کے بارگاہ گھاس چھوس سے ایک ٹکا جس
کسی کو مل جائے تو وہ پری کے بال و پر کے پٹکھے سے بھی بیزار رہے۔
بدی کے بال و پر کا پٹکھا ایسی چیز ہے جو بالکل نایاب ہے۔ لیکن اس
کی آمد سر شخص کو جوگی نامہ گری میں راحت پہنچے اور کھیسوں سے بچاؤ ہو سکے
لیکن میرزا کہتے ہیں کہ میں شخص کو حضرت علیؑ کے بارگاہ سے گھاس کا ایک
ٹکا مل جائے تو پری کے پٹکھے سے بھی بیزار رہے اور اسے ہر گاہ کی
بھی وقت نہ دے گا۔

۱۷۔ لٹات۔ نجف : کوڑے سے تین ہارسیل پر مغربی جانب ایک
شہر جہاں حضرت علیؑ کا مزار ہے۔

سیر : روحانی سلوک کے مراتب طے کرتا

عرقا : عارف کی جامع خدا شناس لوگ ، اصحاب معرفت۔

شرح : نجف اشرف کے صحرایہ خاک خدا شناس لوگوں کے عرفان
سلوک کا جو مرکز یعنی مروج و مدعاں ہے اور اس صحرایہ خاک پر نقشب پائی گئی
ہو گئے ہر سنے فیض کا ذریعہ ہے۔

مطلب : کہ نجف کے صحرایہ پھر نا عرفان حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور
وہاں میں کائنات قائم ہے اسے کہنا چاہیے کہ نقیبا باگ اٹھا۔

۱۸۔ شرح : اس صحرایہ گرد کا قندہ سورج کے لیے نور ناز کا آئینہ
ہے اس صحرایہ گرد آئینہ کے لیے بہار کا ہامن اور ہم ہے۔

مطلب : ہے کہ صحرانے نجف کا قندہ زرد سورج کے لیے ایندھن ہے
اور وہاں کی گرد آئینہ کے لیے بہار کا ہامن ہے۔

۱۹۔ شرح : آفرینش : پیدائش ، تخلیق ، کائنات۔

نھیانہ : انگڑائی۔

شرح : تخلیق و پیدائش کو اس صحرائے مستی ناز کی طلب ہے یعنی
پوری کائنات سراپا طلب بن ہوئی ہے کہ نجف کی خاک پاک ہے اسے
مستی ناز حاصل ہو اور صحرائے نجف سے عباد کی جو لہرائے رہی ہے وہ
پیدائش کی انگریزی پیش کر رہی ہے۔

مطلب یہ کہ جب نشہ اترتا ہے اور چہنچہ والے پر غم ظاہر ہوتا ہے
تو جسم ٹوٹتا ہے اور انگریزیاں آتی ہیں۔ کائنات ہمیشہ مستی ناز صحرائے نجف
کی خاک سے طلب کرتی رہی۔ یہ طلب اب بھی باقی ہے اور اس کا نشہ اتر
جانے کی انگریزیاں سوچے غبار کی شکل میں پیش ہو رہی ہیں۔

مطلع ثانی

۶۰۔ لغات - شبستان : رات بسر کرنے کی جگہ۔

شرح : اے حضرت ! آپ ہی بہار کے شبستان کی ضیاع ہیں اور آپ
ہی کے لبیک سے پردائے کادلی چراغوں اور یلیل کے بال و پر گلزار ہو رہے ہیں۔
پردانہ شمع کا عاشق و عاشب ہوتا ہے اس کا دل چراغوں ہی گیا۔ گویا جو
کچھ محبوب تھا اسے مل گیا۔ یلیل کو بھول کی آواز دہرجتی ہے اس کے بال و پر
چمن تار بن گئے۔ گویا وہ بھی مراد کو پہنچ گئی۔ شاعر کا مقصد یہ ہے کہ سہر جبر کو
اس کا مطلب حضرت علیؑ کے لبیک حاصل ہوتا ہے۔

۶۱۔ شرح : اے حضرت ! آپ کے جلوے کے ذوق اور لب کے
دیوار کے شوق میں آئینہ خانہ بھی مود کی طرح اٹھنے لگے۔

آئینہ خانے کی پرداز کو مود سے تشبیہ اس لیے دی کہ اس کے پردوں کے
لفش رنگ آئینے کی طرح ہوتے ہیں۔ جب وہ اعتدال سے قوس تھینے والے کو
علوم جوتا ہے اس وقت سے آئینے اُسے جادے ہیں۔ گویا آئینہ خانے کے پرداز

کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

۲۲۔ **شرح :** اے حضرت! آپ کی اولاد کے غم میں آسمان پر چل
تاروں کی لڑی میں پیدا ہوا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسی مشہور ہے
جس سے موتی برس رہے ہیں۔ غلو لڑکر مشہور گوہر باد اس لیے کہا کہ وہ
دوتا ہے۔ چونکہ حضرت علی کی اولاد کے غم میں روتا ہے، اس لیے آنسو موتی
بٹنے لگتے ہیں اور انہیں موتیوں سے ستاروں کی رلیاں پڑتی گئیں۔

۲۳۔ **لغات :** ٹھہرنا : روپیڑ جو عید کے مقام پر رکھ دی
جاتی ہے اور عموماً خاک کر چاکی لگیا جاتی ہے۔

بسم : دونوں مصرعوں میں اس کے معنی ہیں نیز، بھی۔

ربا غنت : قدم پر ہنر کاری اور مافی منزل میں گرنے کے لیے
ذکر و نکر میں اٹناک، عام معنی مردانہ شادکامی میں ہیں۔
استشمار : پیشانی، پشت، بائیں، امانہ۔

شرح : اے حضرت! آپ کا نقش قدم عبادت میں مقرر فرما ہے یعنی
اسی پر سجدہ کیا جاتا ہے اور ریاضت کی پیشانی بھی آپ کی حمد (قرائی) سے
ہوتی ہے۔

آپ کی ذاتِ ابرکات کو دیکھ کر یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ ریاضت
کی جائے۔

۲۴۔ **شرح :** اے حضرت! آپ کی مدد میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
کی خدمت کا ترانہ چھپکا ہوا ہے اور آپ ہی کے ہر جامِ فیض سے پوشیدہ بھیدوں
کی شراب آفتی ہے۔

مطلب : کہ آپ کی شفقت، بھائے خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت
سے، کیونکہ آپ حضور کے دلی اور محبوب ہیں اور آپ کے فیض کا پانی انہیں
شراب سے خیرا ہوا ہے جو دوا نیست کے پوشیدہ بھید آشکارا کرتی ہے۔

۲۵۔ **مشرح :** پہلے مصرع میں "جو ہر دست دعا آئندہ" اور اصل "جو ہر
آئندہ دست دعا" تھا جسے مصرع میں لانے کی طرف سے یہ تدبیر اختیار کی گئی
کہ "آئندہ" دو بیان سے اٹھا کر آخر میں ڈال دیا گیا۔

مشرح : دست دعا کے آئینے کا جو ہر تاثیر ہے، یعنی جو دعا کی جاتی
ہے وہ قبول ہوتی ہے، کیونکہ اثر رکھتی ہے، وہاں غلوں سے کی جانے توڑنے
پہ اختیار رونے لگتا ہے، لیکن یہ دو نامڑگان کے لیے باعث تازہ ہوتا ہے۔
اس لیے کہ بارگاہِ باری تعالیٰ میں شرف قبول حاصل کرتا ہے۔ پھر یہی اثر ہے
جو حضرت و پریشانی کے کانٹوں کا علم دل سے نکال دیتا ہے۔ کیونکہ دعا کا ثبوت
قبول پاتا ہے حضرت و پریشانی کو نائل کر دیتا ہے۔

۲۶۔ **لغات :** عزاء خانہ : ماتم کرنے کی جگہ۔

مشرح : اے حضرت! جو آنکھ آپ کی خاک و در کو آئینہ بنا کر سامنے
رکھتے، اس کی نگاہ آنکھ کی پتلی سے اقبال کا ماتم کردہ بن جائے۔

مطلب یہ ہے کہ وہ نگاہ سعادت و اقبال سے محروم ہو جائے۔ آنکھ کی
پتلی سیاہ ہوتی ہے، اس لیے اسے ماتم کا گھر بنا دیا۔ آئینہ دار کے معنی خادم
کے آتی ہوتے ہیں، یعنی وہ خادم، جو آقا کے سامنے آئینہ رکھتا ہے۔ یہ مطلب
بھی یہاں درست ہے، لیکن آئینہ بنا کر سامنے رکھنا زیادہ موزوں ہے۔

۲۷۔ **مشرح :** جو شخص اہل بیت کا دشمن ہو، خدا کرے اس دنیا
کے عشرت کدے میں اس کے لیے دیوار کا برحق سیلاب کی آگرائی کی تصویر
بن جائے۔

مطلب یہ کہ برحق دیوار سے سیلاب اٹھے اور اس کے عشرت کدے
کی اینٹ سے اینٹ بھاڑے۔

۲۸۔ **لغات :** راقم : کہنے والا، یعنی استادِ لغات

سہر شاہ : لبریز جب کوئی پیار و عزیز آنا جبر ہائے کہ کناروں سے

ہنٹے تو اسے مرثا کہتے ہیں۔

تشریح : اسد میں ثابت آئندہ سے دل تک پر تو شوق کا ایک آئندہ بنا ہوا ہے، یعنی دیر و دل و دوزخ الہام شوق میں قیاب میں اور حقیقت کی شراب سے میرا پیالہ آخری تھک باب بھر رہا ہے۔

(۲)

امیر المؤمنین حضرت علیؑ کی مقببت میں !

دہر جز جلوہ یکتائی معشوق نہیں
 ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود میں
 بے دلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
 بے کسی ہائے تماشا کہ نہ دنیا ہے نہ دین
 ہرزہ ہے نغمہ زریں و ہم ہستی و عدم
 لغو ہے آئینہ فرق جنوں و تمکین !
 نقش معنی ہمہ نیازہ عرض صورت
 معنی حق ہمہ بیچارہ ذوق تحسین

ادھر شرح :
 کائنات میں کے
 سوا کیا ہے کہ
 محبوب حقیقی کی
 یکتائی و یگانگی
 کا ایک پر تو
 ہے ؟ اگر انہی
 کے حسن میں خودی
 کی گزند ہوتی
 تو ہم کیونکر وجود
 پاسدہ یعنی محبوب

حقیقی نے اپنے
کمالی نفس کی فائز
کے لیے یہ کائنات
پیدا کی اور یہ
آئینہ ہے جس
میں اس کا عکس
پڑ رہا ہے۔

ایک مشور
قول ہے، ہر بطور
حدیث پیش کیا
جاسکتا ہے، انکس
کلزاً تغنیاً قاصبت
عن معرفت حقیقت
الخلق بکل امرت
وہی ایک پوشیدہ
خزانہ تھا۔ میں
نے پسند کیا کہ اس
کی معرفت و
شناختی جو ایسی
ہے جتنا جاننے
چاہنا چاہیں
مخلوق پیدا کی۔
یہی ایک کہ

لا ارب وانش فلف ولف عبادت معلوم
دور ایک ساغر غفلت ہے، چہ دنیا و چہ دیں
مثل مضمون ونا باد بہ دست تسلیم
صورت نقش قدم خاک بہ فرق تمکین
عشق بے ربطی شیرازہ اجزائے حواس
وصل از نگاہ رُخ آئینہ عین یقین
کوہ کن گرسنہ مزدور طرب گاہ و رقیب
بے ستوں آئینہ خواب گراں شیریں
کس نے دیکھا نفس اہل ونا آتش خیز؟
کس نے پایا اثر نالہ دل بائے سز؟
سامع زمزمہ اہل جہاں ہوں لیکن
نہ سرو برگ ستائش نہ دماغ نفی
کس قدم ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذ باللہ
یک قلم خارج آداب و تقار و تمسک
نقش لاجول لکھ اسے خامہ بڈیاں تحریر
یا علی عرض کر اسے فطرت و سواس قوس؟

منظہر فیض خدا جان و دل ختم رسل
 قبلہ آل نبی کعبہ ایماہ یقین
 ہو وہ سرمایہ ایماہ جہاں گرم خرام
 ہر کتب خاک ہے واں گردۂ تصویر نہ میں
 جلوہ پرواز ہو نقش قدم اس کا جس جا
 وہ کتب خاک ہے ناموس دو عالم کی میں
 نسبت نام سے اس کی ہے یہ رتبہ کہ رہے
 ابراہیمؑ فلک غم شدۂ ناز نہ میں
 فیض خلق اس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے سدا
 بوئے گل سے نفس باد صبا عطر آگئیں
 بڑش تیغ کا اس کی ہے جہاں میں پھر چا
 قطع ہو جائے نہ سر رشتہ ایماہ کیس
 کفر سوز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے
 رنگ عاشق کی طرح رونق بت خانہ میں
 جہاں پناہ دل و جاں فیض رسا تا شاہا
 وہی ختم رسل تو ہے ہر فتوائے یقین

میں پہچان گیا
 شعر میں ہی معرکہ
 بادشاہ گیا ہے
 مولا نا علی گاہی
 مزارتے ہیں آتشوں
 کا ایک مشعل بھی
 ہے کہ حقائق ملکوت
 کو ذات واجب
 اور ہوسے وہی
 تعلق ہے باختر
 آفتاب کو اجسام
 سے ہے ہر جسم
 میں جیسے قابلیت
 ہوتی ہے اسی
 کے مطابق آفتاب
 کا نور اس میں
 پہنچا اور منکس ہوا
 ہے مٹا سیاہ
 پتھر میں ذرا کیفیت
 بہت کم پہنچا ہے
 اللہ آئیے میں اور
 آفتاب اور آفتاب
 ہے اسی طرح

ممکنات میں بھی وجود واجب کا جلوہ پہنچ رہا ہے اور پوری کائنات اسی وجود کا پر تو ہے اگر اس وجود کو اپنا پر تو کہیں نہ ہوتا تو ہمارے تخلیق کیوں ہوتے سمجھنا چاہئے کہ دنیا کی ہر شے قدرتِ باری تعالیٰ کا مظہر ہے اور یوں پوری کائنات کو اس کی خود بینی کا آئینہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

۲۔ شرح ہم نے کائنات کا نظارہ اتنا ہی میل سے کیا، تجزیہ فلک کو نہ اس نظارے سے

جسمِ اظہر کو ترے دوشِ چمیبہ منبر نامِ نامی کو ترے ناصیہ عرشِ نگین کس سے ممکن ہے تیری مدح بغیر از واجب شعلہ شمع مگر شمع پر باندھے آئیں آستان پر ہے ترے جوہر آئینہ سنگ رقم بندگی حضرت جبریل امین تیرے در کے لیے اسباب شمار آما وہ خاک یوں کو جو خدا کے دینے جان و دل و دین تیری مدحت کے لیے ہیں دل و جان کا انداز تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم و دست و جبین کس سے ہو سکتی ہے مزاجی مدوح خدا! کس سے ہو سکتی ہے آرائشِ فردوسِ بریں! جنیں بازارِ معامی اسد الشراستہ کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں شوخیِ عرصہ مطالب میں ہے گستاخِ قلب ہے تیرے حوصلہ فضل پر از میں کہ یقین

دے دعا گو مری وہ مرتبہ حسن قبول
 کہ اجابت کبے ہر حرف پر سو بار آمین
 غم شبیر سے ہو سینہ بیاں تک لہریز
 کہ رہیں خونِ جگر سے مری آنکھیں رنگیں
 طبع کو الفتِ دلِ دل میں یہ سرگرمی شوق
 کہ جہاں تک چلے اس سے قدم اور بچے چہیں
 دل الفتِ نسب و سینہ تو حید فضا
 نگہ جلوہ پرست و نفسِ صدق گزریں
 صرحتِ ابداء اثرِ شعاعِ دُور و دوزخ
 وقعتِ احباب گل و سنبُلِ فروز ہی رہیں

شاعر کا مقصد یہ ہے کہ اگر انسان کائنات پر نصیحت حاصل کرنے کی فرس
 سے نظر فرمائے تو اس نتیجے پر پہنچے گا کہ یہ آئی اور نائی ہے۔ اس میں کوئی شک
 استقلال نہیں۔ اس میں ہر لحظہ تغیر ہمارے ہے اور تغیر بے ثباتی کی دلیل ہے۔
 لہذا انسان کو چاہیے کہ کائنات کے بھانے معبودِ حقیقی سے کو لگائے۔ یہی
 دین حق ہے۔ اگر کائنات کو محض لطیف و لذت حاصل کرنے کی فرس سے دیکھا
 جائے تو یہاں اس کے لیے جن ہر طرف سامان پھیلے ہوئے ہیں۔ انسان جتنا ملن
 جاتا ہے۔ اٹھائے۔ مگر وہ اپنے مقصد سے غافل ہو جائے گا اور انسانی شرف
 کھو بیٹھے گا۔ ہر حال میں نفاق سے بچنا ضروری ہے۔ نہ ذوق اور بیداری کی دلیل

ہے۔ جس قدر میں دنیا پاؤں آئے، خدا دین اس کے بے سرو پا ہونے میں
کے کلام ہو سکتا ہے :

۳۔ لغات : ہرزہ : فضول، بیکار، بے سود

زیر و بزم : بیجا اور اوجھا ستر

تکیوں : جھاڑ، پھڑاؤ، ہوشیاری۔

شرح : وجود باری تعالیٰ کے سوا کسی اور کی ہستی یا نیستی کے دو پکے ستر
نہا کرنا بالکل بے سود اور بیکار ہے۔ ذکر باری تعالیٰ کے سوا دیوانگی اور ہوشیاری
میں فرق و امتیاز کا آئینہ دکھانا سراسر لغو ہے۔ یعنی کائنات کی ہستی اور نیستی
کا منظر اس لائق ہی نہیں کہ کوئی اس میں وقت صرفت کرے، کیونکہ امر حقیقی ذات
باری تعالیٰ ہے اور اس۔

مطلب : کہ باری تعالیٰ کا ذکر نہ ہو تو میالہ جو کچھ ہے، اس کی دیوانگی اور
ہوشیاری میں امتیاز کی کون سی وجہ ہے ؟ جو ذکر سے غافل ہے، وہ سراسر دیوانہ
ہے اور جو ذکر سے غافل نہیں، صرف اسے ہوشیار سمجھا جا سکتا ہے۔ گویا اس
بارے میں امتیاز کا پیمانہ صرفت ذکر ہے۔

۴۔ لغات : خمیازہ : اگڑائی۔

شرح : جو لوگ معنی شناسی کے قدرتی ہیں، وہ صرفت ظاہر واری میں الجھے
جو سنے ہیں گویا ان کی معنی شناسی سراسر غلامی نمائش کی ایک اگڑائی ہے۔ اس
طرح جو لوگ حق گو ہیں، انہیں بھی خمیازہ کا وزن کا وزن ہے، یعنی وہ بھی یکے بعد
اسی وزن کا پیمانہ بنے ہوئے ہیں۔

مراد یہ ہے کہ ایسی باتیں وہی سمجھی جا سکتی ہیں، جو تقریر و تقریر میں نمود
شہرت کے روش سے پاک ہوں۔ حقیقی معنی شناسی وہی ہے، جس میں ظاہر واری
کا کوئی دھماکا نہ ہو اور حق گوئی وہی ہو سکتی ہے، جس کے لیے کس سے درج و نشان
کی قضا نہ رکھی جائے اور دلی ایسی شتا سے بالکل خالی ہو۔

۵۔ لغات و کُرد و تلخٹ

شرح : جو بھی دنیا کے معاملات میں عقل و دانش کا دعویٰ کرتا ہے اسے سراسر غلط سمجھنا چاہیے اور جو بھی عبادت سے فائدہ کی امید رکھتا ہے وہ بھی بچکے ہے۔ دنیا ہر یارین۔ ہم نے دونوں کو غفلت سکھایا ہے کی تلخٹ بتا دیا ہے۔

تلخٹ کوئی نہیں پتا، بکرو چھیک دی جاتی ہے، مگر یا عبادی دنیا ہر یارین دونوں ہمارے ہاتھوں خراب ہیں، کیونکہ ہمیں حقیقت مساببت دینا کالجی شعور ہے اور نہ ہماری عبادت کا وہ رنگ ہے، جو پیدا کرنا لازم ہے۔

۶۔ لغات۔ باوجود سست : غالی لاف

تسلیم : رعنا۔ بندگی۔

شرح : میں طرح و فساداری سے کہہ حاصل نہیں ہوتا، اسی طرح رسی رعنا و بندگی بھی انسان کو غالی لاف نہ کہتی ہے۔ نقشب قدم کو پائدار اور استوار داتا جاتا ہے، لیکن اس کی حیثیت اس کے سوا کیا ہے کہ پا مال ہوتا ہے، وقت اٹھاتا ہے اور اس کی پائداری کے سر پر خاک پڑتی ہے۔

۷۔ شرح : ہمارے زمانے میں اہل بوش و خرد کے نزدیک عشق

اس کا نام ہے کہ اجڑائے خواہش کا شیرازہ درہم برہم ہو جائے۔ مٹی انسان بوش و خرد اس کو میٹھے۔ محبوب کا اصل میں یقین کے آئینے پر دستار کی حیثیت رکھتا ہے۔

دوسرے معرک کا مطلب یہ ہے اول میں خشن یقین موجود ہو تو اپنے آئینے میں ایسی چمک دیکھ پیدا کر لیتا ہے کہ محبوب کا جلوہ بے تکلف نظر آئے۔ اگر اصل حاصل ہو جائے تو وہ اس آئینے کے لیے ناگاہک بن جاتا ہے اور اس کی آب و تاب زائل ہو جاتی ہے۔

۸۔ لغات : گر گسند : بھوکا۔

بے سقون : ایران کا وہ پہاڑ جس کے مشرق مشرق ہے کہ مرزا نے باغ شیریں کے لیے دودھ کی ہر لائے کی غرض سے کاٹا تھا۔

شرح : ہم مرزا کے دوسرے عشق کے قافی نہیں۔ وہ تو ایک مرزا تھا، جو روزی کی خاطر اپنے رقیب یعنی خسرو پرور کی عشرت گاہ کے لیے منت مشت کر رہا تھا اور اس کی جہیز شیریں کی غفلت وجہ پر رانی کا یہ عالم کہ بے تہوں پہاڑ گویا اس کی گہری نیند کا ایک آئینہ تھا۔

پھر شعر اس مشورہ قصبے پر مبنی ہے کہ مرزا خسرو پرور نے شہنشاہ ایران کی محبوب تفتازنی بیوی شیریں پر عاشق ہو گیا تھا۔ اسے دوسری طرف مائل کرنے کی غرض سے یہ منصوبہ تیار کیا گیا کہ مرزا سے کہنا جائے، اگر وہ پہاڑ کاٹ کر شیریں کے باغ کے لیے ہر لائے تو شیریں اسے مل جائے گی۔ یہ باغ خسرو پرور کا تھا۔ عام روایت کے مطابق مرزا نے پہاڑ کاٹ کر ہر باغ تک پہنچا دی۔ گویا اس کی طرف سے شرط پوری ہو گئی۔ اب اس سے سخت حاصل کرنے کی تدبیر سوچی گئی کہ ایک بڑھیا کی زبانی کہلا بھیجا، شیریں مرگئی یہ سنتے ہی مرزا ابھی سر پہ تیشہ مار کر ختم ہو گیا۔

مرزا کہتے ہیں، بھلا یہ عشق کی کون سی صورت ہے کہ رقیب کی عشرت گاہ کے لیے مرزا پرور کی جان کاٹے اور اس طرح بھوک مٹاتی جائے؟ دوسری طرف شیریں کی غفلت کا یہ عالم کہ اسے کچھ خبر ہی نہیں۔ گویا گہری نیند میں سوئی پڑی ہے اور نیند بھی ایسی، جو بے سقون پہاڑ کی طرح ٹوٹنے لگے۔

۵۔ شرح : خوب چھان بین کرو اور دیکھو کہ اہل وقایہ سے کوئی تنفس ایسا ہے، جس کے سامنے یا آؤ سے آگ بھڑکتی ہو، کیا کسی نے لگیں دونوں کی مرزا و تفتاز میں اثر کیا ہے؟

گویا اہل وقایہ ہیں بھرتے ہیں اور ان سے کسی کے دل میں آگ نہیں لگتی۔
نہ کے مارے ہوئے مرزا و تفتاز میں اثر کسی پر نہیں پڑتا۔

ایک سے مشرت ہونے پر ہو سکتا ہے۔

۱۴۔ لغات : ایجاو : تخلیق کائنات جہاں کا پیدا کرنا۔

گردہ : خاکہ جو مستور تیار کر لیتے ہیں پھر اس میں رنگ بھر کر تصویر بنا لیتے ہیں۔

۱۵۔ شرح : حضرت علیؑ کا مقدس وجود اس جہاں کا سراپہ ہے۔ وہ جہاں بھی گرم خرام ہو وہاں خاک کی ہر مشقی ایک نئی زمین کی تصویر کا خاکہ بنتی جاتے گی۔

۱۵۔ شرح : حضرت علیؑ کا نقش قدم میں ملے جلوہ دکھاتے خاکہ کی وہ مشقی دونوں جہانوں کی عزت کی امین بن جاتے۔

۱۶۔ لغات : ابد : ہمیشہ کے لیے۔

۱۶۔ شرح : حضرت علیؑ کے نام کی نسبت سے زمین کو یہ تہذیب خاک اس کے ناز اٹھانے کی غرض سے آسمان ہمیشہ کے لیے جھک گیا۔ گویا آسمان کے جھکاؤ کا مقصد یہ ہے کہ زمین کے ناز اٹھائے۔ کیونکہ اس نے حضرت علیؑ کے نام سے نسبت پائی۔

یہ اشارہ حضرت علیؑ کی مشہور کنیت "ابو تراب" کی طرف ہے۔ ابو تراب اور تراب خاک۔

مطلب یہ کہ حضرت علیؑ کی کنیت "ابو تراب" ہوئی تو زمین کا رقبہ اتنا بڑھ ہو گیا کہ آسمان اس کے ناز اٹھانے کی خاطر ہمیشہ کے لیے جھک گیا۔

۱۷۔ لغات : عطر آگئیں : عطر سے بھرا ہوا۔ مسطر۔

۱۷۔ شرح : حضرت علیؑ ہی کے ضعیف غلن کا یہ اثر ہے کہ صبح کی ہوا پیروں کی خوشبو سے مسطر ہوتی ہے۔

۱۸۔ لغات : برش : کاٹ۔

۱۸۔ شرح :- دنیا میں حضرت علیؑ کی تلوار یعنی ذوالفقار کی کاٹ کا چرچا

ہم ہے۔ ایسا ہو کہ اس دنیا کا سرور مشق حیات ہی کٹ جائے۔

۱۹۔ **مشریح** : حضرت علی کا جملہ اس طرح کفر کو بھا کر رکھ دیتا ہے کہ اگر اس کا پر تو پہن کے بہت ٹھانے پر پڑے تو اس کی مدفق اور چیل پہل عاشق کے رنگ کی طرح زائل ہو جائے۔

معلوم ہے کہ عاشقوں کا رنگ ہمیشہ اڑا رہتا ہے۔ اسی طرح عین کے بہت ٹھانے کی مدفق بھی اڑ جائے گی۔

۲۰۔ **لغات**۔ **وصی** : حضرت علی کا مشہور لقب، جہاں کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خاص وصیت فرمائی۔

مشریح : اسے جان کی تباہ گاہ ! اسے دل و جان کو فقیق پہنچانے والے ! اسے شاہ ایک آپ یقین کے فتورے کی بنا پر خاتم الانبیاء میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وصی ہیں۔

۲۱۔ **مشرح** : اس روایت کی طرف اشارہ ہے کہ فقیح کفر کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خاندانِ کعبہ میں تشریف لائے تو حضرت علی کو حکم دیا کہ جو بیت اویچھے دیکھتے ہوئے ہیں، وہ میرے کندھوں پر چڑھ کر توڑ ڈالو۔

مشرح : اسے حضرت : آپ کے پاک جسم کے لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دو گل مبارک منبر بنا اور آپ کے نام کا ہی کے لیے عرش کی پیشانی کہیں ہی گئی۔ یعنی عرش کی پیشانی پر یہ نام کندہ ہے۔

۲۲۔ **لغات**۔ **وارجیب** : باری تعالیٰ۔

آئین باندرجھا : آئینِ بس کا ترجمہ ہے جس کے معنی میں زیب و زینت دینا۔ **مشرح** : اسے حضرت : آپ کے درجِ مرتبہ باری تعالیٰ ہی سے لکھی ہے۔ سچ ہے، شمع کا شعلہ ہی شمع کے لیے زیب و زینت اور نوازہ کا کامٹا ہوتا ہے۔

نقطے سے مراد کلمات باری تعالیٰ ہے اور شمع حضرت علی (علیہ السلام) سے شمع کے

بغیر روشن نہیں ہو سکتی۔ پادری قتالی کے شیعے نے اسے ردِ مشن کیا اور وہی شعلہ شمع کے لیے ذیپ وزنیٹ کا ہارٹ ہے۔

پہلے مصرع میں "مکمل" کی رعایت سے "واجب" لایا گیا اور اس کی اور صورتیں بھی ہو سکتی تھیں۔

۲۳۔ شرح : اسے حضرت! آپ کی چوکھٹ پر جو پتھر لگا ہوا ہے اسے آئینہ فرما کر دیا جائے تو اس کے جوہر حضرت جبریل امین کی قزاقبرداری کی تحریریں ہیں۔

برا آئینے میں جوہر ہوتے ہیں حضرت علی کے سنگ آستان کا جو آئینہ ہے، اس میں جوہروں کے بجائے یہ تحریریں درج ہیں کہ حضرت جبریل حضرت علی کے قزاقبرداری اور اعانت گزار ہیں۔

۲۴۔ شرح : اسے حضرت ابراہیمؑ زمین پر بیٹے مارے اناؤں کو خدا نے جو جان و دل و دین و مال کیے، وہ ہر لحظہ آپ کے دروازے پر بچھاؤر ہونے کے لیے آتا رہیں۔

۲۵۔ شرح : اسے حضرت اول، ہان، منہ اور زبانِ معرفت آپ کی روحِ صراحتی کے لیے ہیں۔ تھنی اور قلم، ہاتھ اور پیشانی کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کو سلام کرتے رہیں۔

دوسرے مصرع کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ لوح و قلم آپ کے سلام کے لیے ہاتھ اور پیشانی بن گئے ہیں۔ اس صورت میں قلم کو ہاتھ اور لوح کو پیشانی قرار دیا۔ گویا یہ لغت و نشرِ غیر مرتب ہے۔ آخری مفہوم کے مطابق لوح سے مراد لوح محفوظ اور قلم سے مراد قلمِ قلم ہے یعنی قلمِ اقدس۔

۲۶۔ شرح : میں کی متانشِ خدا نے کی ہو، اس کی متانشِ کسی سے ہو سکتی ہے، کیا حیرتیں ہر دنیا کی آرائش ہیں کوئی کر سکتا ہے؟

مطلب یہ کہ فردوس بریں اور انش اور لب انش کی آخری منزل ہے، پھر اس میں کوئی نئی آرائش کیا کرے گا؟ اسی طرح حدودِ خدا کی مدد میں کوئی کیا کر سکے گا؟

۲۷۔ لغات - معاصی : معصیت کی جمع، گناہ۔

شرح : اسد اللہ اسد گنہوں کے بازار کی جنس ہے۔ اے حضرت ! اس درمیان چیز ہے کہ آپ کے سوا اس کا کوئی گاہک اور کوئی پوچھنے والا نہیں یعنی آپ ہی کے وسیلے سے اس کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔

۲۸۔ شرح : اے حضرت ! میں (اسد) اپنے مغالب شوخی کے ساتھ پیش کرتا ہوں، مطلب میں جہالت سے کام لے رہا ہوں، وہ یہ ہے کہ مجھے آپ کے لطف و کرم کی وسعت پر پورا بھر دیا ہے۔

۲۹۔ لغات - اجابت : قبول

شرح : اے حضرت ! میری دعا کو حسن قبول کا درجہ عطا فرمائیے کہ اس کے سبب رحمت پر خود قبولی سے مرتبہ آئین کیجے۔

۳۰۔ شرح : حضرت امام حسینؑ کا علم میرے سینے میں اس قدر بھرا رہے کہ خوبی و جگر سے میری آنکھیں ہمیشہ رہ گئیں رہیں۔

۳۱۔ لغات - ولید : ایک پھر کا نام تھا، جو سکندر کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور جبر بھیجا تھا اور آپ نے حضرت علیؑ کو عطا فرما دیا۔

شرح : میری طبیعت پر ولید کی محبت میں شوق کی سرگرمی کی ہے کیفیت طاری ہے کہ جہاں تک وہ پہنچا جائے، اس کا قدم جو اور میری پیشانی پر ہے۔ اس کا ہر قدم میری پیشانی پر رہے۔

۳۲۔ لغات - دکن الفت نسب : وہ دل جسے الفت سے

نسبت ہو۔

سید تو حید قضا : رہ سینہ جس کی فضا تو سید ہو، یعنی تو حید سے

بہر حق ہو۔

صدق گزین : سچائی اختیار کرنے والا۔

شرح : دوزخ کی آگ اور اس کا دھواں و شعلہ پر صفت ہو کر دنیا

پر یہ کہ پھول اور سبیل دوستوں کے جھٹے میں آئیں۔

اس شعر میں جھٹے، تقابلی کمال پر پہنچا دی ہے۔ دیکھیے، صفت کے مقابلے

میں دھواں، امداد کے مقابلے میں احباب، شعلے کے مقابلے میں گل، دوزخ کے

مقابلے میں سبیل، دوزخ کے مقابلے میں فردوس پر ہیں۔

(۳)

بہادر شاہ کی مدح میں

ہاں مد تو نہیں ہم اس کا نام جس کو تو حیک کے گرد ہے سلام

دو دن آیا ہے تو نظر دم شیخ یہی انداز اور یہی اندام

بارے دو دن کہاں رہا غائب بندہ عاجز ہے گردش آیام

اڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا آسمان نے بچھا رکھا تھا دام

مرحبا اے سرور خاص خواہم جہذا اے فضا ط عام خواہم

عذر میں تین دن نہ آنے کے
 اس کو بھی لاش پائیے گستا
 ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا
 راز دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے
 جانتا ہوں کہ آج دنیا میں
 میں نے مانا کہ تو ہے طغی گروش
 جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو
 میرا پاؤں کو جو تو جو اسے مارا
 عذر میں تین دن نہ آنے کے
 اس کو بھی لاش پائیے گستا
 ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا
 راز دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے
 جانتا ہوں کہ آج دنیا میں
 میں نے مانا کہ تو ہے طغی گروش
 جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو
 میرا پاؤں کو جو تو جو اسے مارا

ق

تجھے کو کیا پایہ دوست خناسی کا
 جانتا ہوں کہ اس کے فیض سے تو
 ماہ بن، ماہ نامہ بن، میں کون؟
 میرا اپنا خدا ماہ ہے
 ہے مجھے آرزو۔ بخشش خاص
 جز بہ تقریب عید ماہ صیام
 پھر بنایا جتا ہے ماہ تمام
 عجب کو کیا بانٹ دے گا تو خنام
 اور کے لینا دیں سے کیا کام
 گر تجھے ہے امید رحمت نام

جو کہ بختے گا تجھ کو فرزندِ مرغ کیا نہ دے گا مجھے مئے گلنار؟
 جب کہ چودہ منازلِ فلکی کہ چکی قطع تیری تیزیِ گام
 تیرے پر تو سے ہوں فروغِ پذیر کو سے و مشکوے و صحن و نظر و بام
 دیکھتا میرے ہاتھ میں لبریز اپنی صورت کا اک بلوریں بام
 پھر غزل کی روشنی پر چل نکلا تو سن طبع چاہتا تھا لگام

غزل

زہرِ غم کر چکا تھا میرا کام تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بدنام؟
 مے ہی پھر کیوں نہ میں پیئے جاؤں غم سے جب ہو گئی ہے زلیستِ جام
 بوسہ کیسا؟ یہی نصیحت ہے کہ نہ بھیں وہ لذت و شام
 کبے میں جا بھائیں گے ناقوس اب تو باندھا ہے دیر میں اصرام
 اس قدر کا ہے دورِ مجھ کو نقد پر رخ نے لی ہے جس سے گوشِ اُرام
 بوسہ دینے میں ان کو ہے انکار دل کے لینے میں جن کو ہے ابرام

چھیڑتا ہوں کہ ان کو غصہ آنے

کیوں رکھوں دردِ غالب اپنا نام

کہ چکا میں تو سب کچھ اب تو کہہ
 کوں ہے جس کے در پہ نامید سا
 تو نہیں جانتا تو مجھ سے سن
 قبلہ چشمِ دول بہادر شاہ
 شہسوار طریقہ انصاف
 جس کا ہر فعل صورتِ اعجاز
 بزم میں میزبان قیصر و جم
 اے ترا لطف زندگی افزا
 چشمِ چہرہ در اختر و اندِ شکوہ
 جانِ نادوں میں تیرے قیصرِ دم
 وارث ملک مانتے ہیں تجھے
 ندیم بازو میں مانتے ہیں تجھے
 مرجا خوشگانی تادک
 تیر کو تیرے تیر غیر بدلت

اے پری چہرہ ایک تیز خرام
 ہیں مددِ ہر روز ہر د بہرام
 نام شاہنشاہ بلند مقام
 مظہرِ ذوالجلال والا کرام
 نو بہادر حدیقہ اسلام
 جس کا ہر قول معنیِ انعام
 رزم میں استادِ دستِ دسام
 اے ترا عہدِ فرخی فرجام
 لوحِ اشعارِ عارفانہ کلام
 خرم خواہوں میں تیرے مرشدِ جم
 ایرج و تور و خسرو بہرام
 گیو و گورد ز و بیزن و دہرام
 آفری آبِ داری مصداق
 تیغ کو تیرے تیغِ خصمِ نیام

ق

دعہ کا کر رہی ہے کیا دم بند
برق کو دے رہا ہے کیا الزام
تیرے فیل گراں جہد کی صدا
تیرے خوش بک عیاں کا خزام

ق

فنی صورت گری میں تیرا گرز
گرتہ رکھتا جو دستگاہ تمام
اس کے مغرب کے سر و تن سے
کیوں نمایاں جو صورت اوقام
جب ازل میں رقم پذیر ہوئے
صفحہ لائے لیالی و آیام
اند آن اوراق میں بہ کلمب تنفا
مجلد مشدج ہوئے احکام
لکھ دیا شاہدوں کو عاشق کش
لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام
آسمان کو کہا گیا کہ کہیں
گنبد تیز گرد نیل مقام
مکمل عاشق لکھا گیا کہ نکلیں
خال کو دانہ اور زلف کو دام
آتش و آب و باد و خاک نے لی
وضع سوز و غم و دم و آدم
مہر و نشان کا نام خسرو روز
ماہ و تاباں کا اسم شمس و شام
تیری توحید سلطنت کو بھی
دمی دستور صورت اوقام
کاتب حکم نے بوجہ حکم
اس رقم کو دیا طراز و دام

سے ازل سے روانی آغاز

جو ابر تک رسائی انجام !

(۲)

بہادر شاہ کی مدح میں

۱۔ شرح : ہاں عید کے نئے چاند ! اس کا نام بھی تو جادے جیسے
تو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے۔

نئے چاند میں خم ہوتا ہے اور کوئی جھک کر سلام کرے تو اس کی صورت
جال جیسے برہماتی ہے۔ اس لیے کہا جال جھک کر سلام کر رہا ہے۔

۲۔ ۳۔ ۴۔ شرح : نو تاروں صبح کے وقت نظر آیا۔ تیرا ہی آغاز
تھا اور ایسا ہی تازہ اور باریک تھا۔ لیکن دودن کہاں تا سبوتا ہے جال
جو پھرتا ہے کہ میں گردش ایام کی وہم سے مجبور تھا۔ اذکر کہاں چلا جاتا۔
آسمان نے نو تاروں کا جال بچھا رکھا تھا اور میرے لیے اڑنے کی گنجائش
ہی نہ تھی۔

مضان ! ہر فری مینے کی چھبوی تاریخ کو بھیج کے وقت چاند دیکھتے
ہیں۔ اگر نظر آجائے تو گمان غالب ہو جاتا ہے کہ آفتاب کا چاند ہو گا۔ اگر
تھا چھبوی تاریخ کو بھی نظر آجائے تو سمجھ لیا جاتا ہے کہ چھبوی کا ہے اور
تیسویں کو یا چاند طلوع ہو گا۔ گویا نئے مینے کا چاند دودن صبح کو بہت باریک
نظر آتا ہے اور دودن بالکل نظر نہیں آتا۔ یہی معنوں میں رائے ان لوگوں
میں شہسب نظر رکھا ہے۔ چاند نے جا دیا کہ میں اذکر تو کہیں جاتیں سکتا تھا۔ کیونکہ

تاروں کا جال موجود تھا، لیکن زمانے کی گردش کا طریق یہی ہے کہ نئے بھینے کے آغاز سے دو روز پیشتر صبح کو نظر نہ آؤں اور اس سے دو دن پہلے جال کی شکل میں نظر آؤں۔

۵۔ ۸۔ لغات : خبذ : دوا دوا۔

مشریح : دوا دوا اسے خاص لوگوں کی خاص شادمانی دوا دوا اسے عام لوگوں کی عام خوشی ! تین دن نظر نہ آیا اور اس غیر عام شادی کے عذر میں عید کا پیغام لے کر آیا۔ ہیک جو جمع جانے اور شام آئے اسے بھولا نہ کرنا چاہئے۔ تنہا نجد پر موقوف نہیں، تیرا آغاز اور انجام سب پر روشنی ہو گیا۔

ساتویں شعر کے متعلق مولانا طلبہ طباطبائی فرماتے ہیں کہ کس لطف سے اس مثل کو موزوں کیا ہے کہ صبح کا بھولا شام کو آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے اور کس فعل پر صرف کیا ہے۔ چھبویں یا ستاویں کی صبح کو جان نہ نکل کر پھر اتیسویں یا تیسویں کی شام کو دکھائی دیتا ہے۔ اس سے لطف کا کام ظاہر ہے۔

۹۔ لغات : نیتام : چغلخور۔

مشریح : اسے جال ! تو اپنے دل کا بھید مجھ سے کیوں چھپاتا ہے؟ کیا مجھے چغلخور سمجھ دیا ہے کہ تیری پیٹھ پیچھے دو بھید ہر ایک سے کہتا چروں گا؟

۱۰۔ لغات : انام : درگ۔

مشریح : میں جانتا ہوں کہ آج دنیا میں صرت ایک دھو ہے جس سے لوگوں کی امیدیں وابستہ ہیں۔

یہ شعر پہلے شعر کا جواب ہے جس میں چاند سے پوچھا گیا تھا کہ تو جس دھو کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے اس کا نام کیا ہے؟ اسی کے متعلق چاند سے پوچھا تھا کہ دل کا بھید مجھے جادے میں کوئی چغلخور ہی نہ آگے

جہل کر یہ حقیقت خود واضح کر دی ہے۔

۱۱۔ **شرح :** میں نے یاد کیا کہ تو نے ایک وجود کا حلقہ نیلہ کافی میں ڈال رکھا ہے، لیکن کیا غالب اسی کا غلام نہیں ؟ یہاں حال کو غلط سے تشبیہ دی ہے۔

۱۲۔ **لغات :** بہ طور استغناء : وہ سوال جو کسی بات کو سمجھنے کی غرض سے کیا جائے۔

شرح : میں جانتا ہوں، تو اس حقیقت سے واقف ہے کہ تیرا آقا اور میرا آقا ایک ہے، جیسی میں نے تجھ سے یہ سوال کیا، لیکن یہاں استغناء کو انکار ہی نہ سمجھنا چاہیے، یعنی سوال سے مقصود اصل شے کا اثبات ہے، نہ کہ نفی۔

۱۳۔ **لغات :** بر میلیں دوام : ہمیشہ کے لیے۔
شرح : اسے یاد : بادشاہ کی بارگاہ میں ہمیشہ کے لیے روشن آفتاب کو بارہو تو ہو، مجھے اور تجھے تو یہ مرتبہ حاصل نہیں۔

۱۴۔ **شرح :** بجا عید العطر کی تقریب کے سوا حسن پڑ لڑ سے روشناس ہونے کا موقع کب ملتا ہے اور تجھے یہ سلسلہ کہاں حاصل ہے ؟ میں اتنا جانتا ہوں کہ تو بادشاہ سے فیض یاب ہو کر پورا چاند یعنی چاند بن جاتا چاہتا ہے، تو چاند بن، چاند بن، میں پوچھنے والا کون ہوں ؟ کیا تو جو انعام پانے کا عہدہ بانٹ کر مجھے دے دے گا ؟ میرا اپنا معاملہ الگ ہے، کسی اور کے عین دین سے مجھے کیا کام ہے ؟

مولانا طہطائی فرماتے ہیں کہ سادے قہیدے میں عروا اور شعریۃ میں خصوصاً میرزا نے اردو زبان اور حسن بیان کی عجیب شان دکھائی ہے ایک مصرع میں تین جملے، جس کے معنوں سے رشک ٹپک رہا ہے، دوسرا مصرع طرز سے بھرا ہوا ہے، چاروں جملوں میں حسن و انشاء، پیر خوبی نظم اور بے تکلفی اور :

۱۸۔ مشرح : اگر تجھے عام نعلت و کرم کی اُستید ہے تو تجھے خاص بخشش کی قنا ہے ، یعنی ایسی بخشش جو میرے لیے خاص ہو اور اس سے تمام اُمیدیں برآئیں :

۱۹۔ لغات - قتر : شان ، شوکت ، روشنی

مشرح : جو مبارک وجود تجھے دنیا کو منحرف کر دینے والی روشنی ملے گی کیا وہ میرے لیے پھول کے سے رنگ کی شراب کا انتظام نہ کر دے گا۔
۲۰۔ ۲۲۔ لغات : منازلِ فلکی : آسمانی منزلیں ، مشکوے : شاہی محل۔

منظر : دریکچہ :

مشرح : جب تو تیز رفتاری سے کام لے کر آسمان کی چوہہ منزلیں طے کر مائے زمین ، اوکاف بن جائے اور تیرے نور سے کوچے ، شاہی محل صحن ، دریاچے ، چھتیں جل جائیں گیں تو دیکھنا میرے ہاتھ میں بھی شراب سے لہریں توریں پالہ ہو گا ، جس کی صورت تیری صورت میری ہو گی ۔

۲۳۔ مشرح : دیکھیے میری طبیعت کے گھوٹے کو دکام چاہیے تھی وہ ہے نہیں ، لہذا اب جدھر چاہتا ہے ، چل نکلتا ہے ، اب اس نے غزل کا راستہ اختیار کر لیا ہے ۔

غزل

۲۴۔ مشرح : علم کا ہر سرے جسم میں اس پیمانے پر اثر کر چکا تھا کہ بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی ، لیکن اسے مہربان ! تو تجھے اس حالت میں قتل کر کے کیوں جہنم بٹھا دیا ، تجھے کس نے کہا تھا کہ یہ مذلت کا الزام اپنے دہتے بے ہے ۔

۲۵۔ شرح : جب غم سے زندگی حرام ہو گئی ہو تو پھر شراب ہی کیوں نہ پیے گاؤں تاکہ غم کھٹ جاتا ہے ؟

مطلب یہ ہے کہ شراب یقیناً حرام ہے ، لیکن غم کے باعث زندگی بھی تو حرام ہو گئی ہے ، کیوں نہ وہ حرام چیں لوں ، خود دوسرے حرام کو ٹیسا کر ڈالے ؟

۲۶۔ شرح : بوسے کی کیا اُمید ہو سکتی ہے : اسی کو غیبت سمجھنا چاہیے کہ محبوب و شہم کی لذت سے آگاہ نہ ہو ۔

محبوب گالیاں دیتا ہے اور ہمیں مرزا آتا ہے ۔ اگر اس پر دامن ہو جائے کہ اس کا گالیاں دینا جیسے لذت حاصل کرنے کا باعث ہے تو بہاری منہ سے گالیاں دیتا پھر ڈھسے ۔ بوسے کی لذت نہ رکھنی چاہیے ۔ یہی کافی ہے کہ وہ گالیاں دیے جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ ہم ان سے لطف اٹھاتے ہیں ۔

نکاح میرے کہ جہاں بات بات پر گالیاں دی جاتی ہیں وہاں یہ ممکن ہی نہیں کہ عاشق کے دل میں بوسے کا خیال آ سکے ۔

۲۷۔ لغات : ناقوس : بہت بڑی کوڑی ، سیلنگ ، گھنٹی اور گھنٹا ، جو متعدد منزلوں میں آتش پرست آؤں کھولیں اور صیانی گروہوں میں اسی طرزی سے بجاتے ہیں کہ ہم راجوں کو ذات جہالت کے متعلق خبردار کر دیں ۔

احرام : وہ دو بے ہنگام رہیں جو طہ اور حج اور کرنے والے کو ناموس مقامات سے باہر نہ پہنچے ہیں اور حج یا طہ اور ہو جائے تو ناموس ہے ۔

شرح : ہم نے ثبت ناسے میں ہوتے ہوئے احرام باندھ دیا ، وہاں تک کہ کچھ کی زیارت کے لیے باندھا جاتا ہے ۔ جب تک کہ اس کام کی تو اور مرا اس کام نہ کریں گے کہ کچھ ہیں ناقوس بجائے گئیں گے وہاں کہ وہ ناموس کا مقام ہے ۔

۲۸۔ لغات : قدرح : پیالہ ، شراب کا پیالہ ۔

نقد : روپیہ ، پیسا ، سہراہ ، اڈھار کہ شدہ ۔ یعنی فی الحال ۔
وام : قرض ، اڈھار ۔

مشرح : مجھے سادہ معرفت کا دورہ فی الحال قیسر ہے ۔ یہ وہی شراب ہے جس سے آسمان نے گردشِ قرمن لی ہے ، یعنی میری محفل میں اس سے شراب کا دورہ چل رہا ہے جسے پی کر آسمان روزِ اول سے گردش کر رہا ہے اور اب تک اس طرح گردش میں رہے گا ۔ اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ میری کیفیت کیا ہوگی ۔

گردشِ آسمان کم از کم ادبیات میں مسلم علی آقی صی ، اس کا مطلب ، گردشِ زمانہ سمجھنا چاہیے ۔ یہ نہیں کہ زمین کی جگہ آسمان گردش کرتے لگا ۔

۲۹۔ لغات : اہرام : بصرہ دھند ۔

مشرح : محبوب بوسہ دینے سے آنکھ کر رہا ہے ، حالانکہ دل سے لیتے پریشان بیٹھا ہے ۔

۳۰۔ مشرح : میں ہر حال میں محبوب کو چھیڑتا رہتا ہوں تاکہ وہ غصا ہو ، مجھے بے نقط مٹاتے اور میں لعلِ اٹھاؤں ۔ یہاں تک کہ قاتل نام بھی صحت چھیڑ کی طرف سے استعمال کیا ۔

نائب کا مطلب ہے وہ شخص جسے سب پر غلبہ حاصل ہو ۔ جو سب پر فوقیت رکھتا ہو ۔ ظاہر ہے کہ محبوب یہ سن کر بھی غصے میں آئے گا ۔

غزل کے بعد پھر مرثعہ کی طرہ آئے ہیں اور بول سے اندر سرِ نو خطاب شروع ہوتا ہے ۔

۳۱۔ لغات : پیک : تیز ، خرام : تیز رفتار ، قاصد ۔

مشرح : مجھے تو جو کچھ گنا تھا ، کڑھکا اسے پری جیسے چہرہ داسے تیز رفتار قاصد اب تو بول اور بتا ۔

۴۴۔ لغات۔ ناصیب سا: پیشانی رکھنے والا، سجدہ کرنے والا۔
 زہرہ: مشہور، سیدہ۔

پہرام: مریخ کا فارسی نام، جلتا فلک۔

تشریح: وہ کون ہے جس کے دروازے پر چاند، سورج، قمر اور
 مریخ پیشیاں گھس رہے ہیں۔ یعنی سجدہ کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے اس سے
 مراد بہادر شاہ ہے۔ جیسا کہ خود کہتے ہیں۔

۴۵۔ ۴۴ لغات: منظر: ظاہر ہونے کا مقام۔

قد ابلال: صاحب عظمت و بزرگی۔

اگر ام: رتبتہ بلند۔

یہ دو لڑائی نام احمد، الٰہی میں سے ہیں، مراد ہے اللہ تعالیٰ۔

حدائق: وہ باغ جس کے گرد چار دیواری ہو۔

سام: رستم کا دادا۔ ذال کا باپ۔

تشریح: اسے بلال! تو نہیں جانتا تو اس بلند رتبہ شہنشاہ کا نام مجھے
 سے سن، وہ بہادر شاہ ہے، پورول اور آکھنڈ کی تہذیب گاہ ہے۔ دنیا میں اللہ
 تعالیٰ کی عظمت اور رتبہ اعلیٰ کا مظہر ہے۔

وہ بہادر شاہ جو انصاف کے راستے کا شہسوار ہے، وہ بہادر شاہ، جو
 باغ اسلام کی تہذیب ہے۔

اس کا سرِ حمل اعجاز کی مانند ہے، اس کی حرکات گویا الٰہی ہے۔

مصلیٰ نشاط آرا سستہ ہو تو اس میں قیصر اور جمشید جیسے بادشاہ محاذوں
 کے طور پر شاہی ہوتے ہیں۔ اگر جنگ کا معاملہ پیش آجائے تو رستم اور سام
 جیسے پہلوان بہادر شاہ سے لڑائی کے فنون سیکھتے ہیں۔

۴۶۔ ۴۵۔ لغات: فرجام: انجام۔

لوحش اللہ: اصل میں لا اوحش اللہ تھا، یعنی خدا اسے وحشت نہ دے۔

مختلف کر کے لوحِ شمس اور برہنہ گئے۔ نعلیم، تحمین اور استغیاب کے لیے لوستے
میں۔ معنوم ہے ماشاء اللہ، سبحان اللہ۔

جوزہ خوار : جزوہ، گھونٹ، خوار، پینے والا۔ یہاں جزوہ خوار سے مراد
بچے فضل حاصل کرنے والا۔

مرشدِ جام : اس سے اشارہ ہے ایشیہ شیخ احمد جام ثناء میں کی طرف
ہے۔ شیخ معروف علامہ جام (ولایت ہرات) کے ایک گانوں میں پیدا ہوئے
۱۱۴۹ھ اور پچانوے سال کی عمر پر ۱۲۰۵ھ میں وفات پائی۔

اہل اولیاء میں شمار ہوتے ہیں۔ جس مقام پر مراد ہے اس کا نام ہی
شیخ جام مشہور ہو گیا۔

ایرج و تور : فریدیوں کے دو بیٹے۔

شمر : اشارہ ہے کیشمر کی طرف، جو کیا فی خاندان کا جلیل القدر
بادشاہ تھا۔

بہرام : اس سے مراد بہرام گور ہے، جو سامانیوں میں ایک مشہور
بادشاہ تھا۔

گیو : ایران کا مشہور پہاڑ، جو کیشمر کو ترکستان سے ایران
لاؤ تھا۔

گورڈ : گیو کا باپ۔

ہیزن : گیو کا بیٹا اور رستم کا بھائی۔ مشہور پہاڑ، دختر افراسیاب
سے ہیزن کے عشق کی داستان شایانہ کا ایک اہم جزو ہے۔

مرجام : اصل میں روم، تحقیق اسے ترمذ ہے۔ لیکن شعراء کو
مشہور دانتے تھے ہیں، یہ بھی پہاڑ تھا اور گورڈ کا بیٹا تھا۔

موشگانی : بال چیرٹا۔ بال کی کھال نکالنا۔
معصوم : وہ خوار، جزوہ مراد ہے نہ بچکے۔

مشرع : اب ہوا راست بادشاہ سے خطاب شروع ہو گیا۔ کہتے ہیں اسے بادشاہ اتر اعلیٰ و کرم زندگی پڑھانے والا ہے اور تیرا احمد پکارتا ہے۔ ہوا انہماک سے اپا برکت لے کر

تیری شان و شوکت دیکھ کر بے اختیار زبان پر کلمہ چشمہ جاری ہو رہا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ سے ہمہ پائے اور تیرا معرفت سے بھرا ہوا گیسو کشادہ ہو رہا ہے۔ سبحان اللہ! شاء اللہ۔

روم کا شہنشاہ تیرے ہاں تاروں میں شمار ہوتا ہے اور شیخ احمد جام تیرے ہاں تجھ سے فیض پانے والوں میں شامل ہیں۔

ایسی قوم، خسرو اور ہیرام جیسے ذہر و مست لا باز و انجمن کو ملک کا حقیقی وارث مانتے ہیں۔

گیو، گورد، ہیری اور رام جیسے چلوان تیرے زور بازو کا گواہ مانتے ہیں۔

تیرے تیری خوشگانی کا کیا کتا اور تیری عوار کی آب و تاب باعث حمد آفرین ہے۔

تیرے تیرے دشمنی کے تیر کو نشانہ بھرا دیا ہے اور تیری تھار سے تم مقابل کی تھار کو اپنا میاں سمجھ لیا ہے۔

۱۴۴ - ۱۴۵ - لغات - گراں جید : جاری ہر کم جسم والا۔ سبک عثمانی : تیز رفتار، یعنی وہ گھوڑا جو جگ کے اشارے پر ہوا ہو جائے۔

مشرع : تیرے جاری جسم واسے باطن کی چنگھاڑ سن کر دل کا دم تک رہا ہے۔ تیرے تیز رفتار گھوڑے کی حالہ بھلی کو مسرت و رفتاری کا بھرا ہوا ہے۔ یعنی تیرے باطن کی چنگھاڑ کو دل پر اور گھوڑے کی رفتار کو بھلی پر غوریت حاصل ہے۔

۴۸ - ۴۹ - لغات : مغزوب : جس پر مغزب لگائی جانے -
مراد دشمن -

ادغام : کسی لفظ کے دو ہم جنس حروف کو تشدید سے ایک کر دینا مثلاً
دقائق - شاد -

شرح : تیرے گز کو مستعدی میں قدرت کا ملہ حاصل نہ ہو بل تو
مغزب خورد و دشمن پر پڑتے ہی اس کا سرا اور بدن ایک دوسرے میں پیوست
کیوں ہو جاتے ؟

مطلب : ہے کہ تیرا گز دشمن پر پڑا تو اس کا سر بدن میں دھنس گیا اور
پہلی صورت گز کر ایک نئی صورت پیدا ہو گئی -

۴۹ - ۵۰ - لغات - لیلی : میل کی جمع اور تین

دشمن کا نام : اپنی خواہش اور مراد کا دشمن - عاشقوں کی مشغلت ہی
ہے کہ وہ مقصد تک نہیں پہنچتے ، برباد و تباہ حال رہتے ہیں -

حکم ناطق : وہ حکم جو مل نہ سکے - فطری حکم -

شخص : کو تو ال یہاں مراد ہے وہ امن و جودت کو آبادی کی نگرانی ہے -
توقیع : مزاج -

صورت ادغام : تخریر کی صورت -

ظرائر و وام : ہیشگی کا نقش -

شرح : ازل میں راتوں اور دنوں کے صفوں پر پیش آنے والے
واقعات کی تخریر یہ مثبت جوئی تو قضا و قدر کے قلم نے ان صفوں پر انصاف
سے حکم درج کر دیے - یعنی کھو دیا کہ فلاں دن اور فلاں رات یہ یہ واقعات
پیش آئیں گے -

محبوبوں کے متعلق واضح کر دیا کہ وہ عاشقوں کو قتل کرتے رہیں گے -

عاشقوں کے بارے میں لکھ دیا کہ ان کی مرادیں برہ آئیں گی اور وہ تباہ و خست ہوں

رہیں گے۔

آسمان کی نسبت حکم دے دیا کہ اسے ایک تیز رفتار گنبد کہیں، جس کا رنگ نیلا سا ہے۔

یہ قطعی فیصلہ بھی کر دیا گیا کہ مسجدوں کے چل کو دائرہ اور نعت کو بال نکھیں۔

آگ سے بچنے پانی، پانی سے مٹی سے لے لے لے، پھر اسے تیز دھڑکی سے نکال لی اور خاک سے آرام و سکون اختیار کر لیا۔

روشن سورج کا نام دن کا بادشاہ قرار پایا۔ چکیلے پانچ کا نام شام کا کو قوال بتو نیز ہوا۔

اسے بادشاہ! حسب دستور تیری سلطنت کے لیے بھی تعاقب کرنے فرماں لکھ دیا۔ حکم کے مطابق حکم کھٹے واسے نے تحریر کر دیا کہ یہ سلطنت ہمیشہ کے لیے باعث عزت رہی جاوے۔

۵۸۔ لغات : روانی : ہماری ہوا۔

شرح : تیری سلطنت کا آغاز دل سے جاری ہے۔ خدا کرے یہ ایک نیک اسی طرح انجام کو پہنچے، جیسا کہ جس ختم نہ ہو۔

مولا کا لہا طبائی فرماتے ہیں کہ میری نظر میں :

۱۔ یہ قصیدہ خصوصاً اس کی تشبیہ ایک کارنامہ ہے مصنف عظیم

کے کمال کا اور زبور ہے اردو شاعری کے لیے۔ اس زبان

میں سب سے مقیدہ گوئی شروع ہوئی ہے، اس طرح کی تشبیہ

کم کی گئی ہے۔

تھیں ہی نہیں، یہ قصیدہ خصوصیت سے غائب کی قادر الکلامی کا ایک ایسا

مراقب ہے، جس کی نظیر پوری اردو شاعری میں نہیں مل سکتی۔ غرض میں بھی

ایسی چیزیں بہت کم ملیں گی۔ دیکھیے۔ چھوٹی سی بھرے اور کس طرح شروع

میں صبح پر صبح چلا جا رہا ہے، کس نے تپکنی سے خیالات گھیر لیاں کہ طرح
صنوف قرلاں پر متحرک معلوم ہوتے ہیں! پھر میر خیال آیا، ہر اسلوب اچھوتا
بعض اشعار ایسے ہیں، جن کے پٹے مصرع میں چار چیزیں بیان کیں اور دوسرے
میں چاروں کی خصوصیات الگ الگ واضح کر دیں۔

مولانا طہطائی فرماتے ہیں کہ ایسی تشبیہ اور دو میں کم کہی گئی ہیں، لیکن
میں تو تصانیف کے اس دفتر میں جیسے نواب علی ناپاک قرار دیتے ہیں، ایک ہی
تشبیہ ایسی نظر نہیں آتی جس میں اس قصیدے کے حسن و خوبی کا پورا پورا

صبح دم دروازہ خاور کھلا	ہر مالاب کا منظر کھلا
خسرو انجم کے آیا صرف میں	شب کو تھا گنجینہ گوہر کھلا
وہ بھی تھی اک سمیا کی سی نور	صبح کو رازِ مرید اختر کھلا
میں کو اک کچھ نظر آتے ہیں کچھ	دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا
سلج گر عدل پر پڑ اختارات کو	موتیوں کا بر طرف زیور کھلا
صبح آیا جانب مشرق نظر	اک نگار آتشیں رخسار کھلا
حق نظر بندی کیا جب روزِ صحر	بادِ گل رنگ کا ساعر کھلا
لاکے ساقی نے مہوئی کے لیے	رکھ دیا ہے ایک جام زہر کھلا
بزم سلطان ہونی آراستہ	کعبہ امن و امان کا در کھلا

کہنے کے لیے روشناسی صورت میں موزوں ہے، کیونکہ عموماً سکون پر بادشاہ کے پھرے کی تصویر جوتی ہے، اسی سے روپے کو چہرہ ثانی کہتے تھے۔

۸۴ - لغات - کمال : اختتام۔

آئینے سے سکندر کی نسبت کا معاملہ اصلاً صرف اتنا ہے کہ اس نے سکندریہ میں جہازوں کی رہنمائی کے لیے ایک اونچا برج تعمیر کر اسکے پیادوں طرف آئینے لگا دیے تھے اور ان کے اندر روشنی کا انتظام کر دیا تھا تاکہ تاریکی میں جہاز راہوں کو ہندرگاہ کا چٹا پیل سکے، پھر شعردوب میں اس واقعے نے یہ صورت اختیار کر لی کہ پادشاہ آئینہ سکندر سے بنایا اور اس سے آئینہ کا معاملہ معلوم ہو گیا تھا، جیسے عام ہستیہ ہے۔

مشریح : بادشاہ کے آئینہ لکھا ہے، اب معلوم ہوا کہ سکندر نے آئینہ سادہ سی میں جو حضرت اصفیٰ علیہ السلام کی عیسیٰ دہائی کی تھی۔ یہ تھی کہ بہادر شاہ آئینہ دیکھے۔

۸۵ - لغات - طغرل : بطریق سلطنت کا باقی، وہ خود کا والد تھا اور

اپنے جیسے رکن الدین اور اب طغرل بیک (سلطان) سلطان الدین ابو تاج، اب اسویں (سلطان) سلطان اکبر کا والد بنایا تھا۔

مسخر : شیر الدین بھرجی، اب اس کا پوتا اور جلال الدین ابو افغج تک شاہ کا بیٹا تھا (سلطان) سلطان بھرجی سلطنت کا دشمن اور آخری بادشاہ تھا۔

مشریح : طغرل اور بھرجی سے تک کے واسطے بنے، بیک اب بلی خدا کو معلوم ہوا کہ تک کا اصل وارث تو بہادر شاہ تھا۔

۸۶ - ام لغات : جہاں اور : بادشاہ عالم فرما کر دے چہاں، متاثر گر : حراج، درج کوٹہ دار۔

مشریح : بادشاہ عالم کو درج کیا ہو سکتا ہے : اسی کا کہنے چہاں کہ

غزل

کچھ میں بیٹھا رہوں یوں پرکھنا
 کاشکے ہوتا نفس کا ورکھنا
 ہم لپکاریں اور کھلے دیوں کون جانا
 یاد کا دروازہ پائیں گر کھنا
 ہم کو ہے اس راز داری پر گھنٹہ
 دوست کا ہے راز دشمن پر کھنا
 واقعی دل پر بھلا لگتا تھا داغ
 زخم یکن داغ سے بہتر کھنا
 ہاتھ سے رکھ دی کب اُپر تے کھانا
 کب کمر سے غم سے کی فخر کھنا
 مُنت کا کس کو بُرا ہے بد رفتہ
 رہروں میں پروہ رہ بہر کھنا
 سوزِ دل کا کیا کرے بارِ اُن اشک
 آگ بھڑکی مینہ اگر دم بھر کھنا
 نامے کے ساتھ آگیا پیغام مرگ
 رہ گیا خط میری چھاتی پر کھنا

دیکھو، غائب سے گرا لیا کوئی

ہے ولی پوشیدہ اور کافر کھنا

پھر تُو رحمت طرازی کا خیال
 پھر مہ و خورشید کا دفتر کھنا
 نامے نے پانی طبیعت سے درد
 بارِ باں کے اٹھتے ہی نگر کھنا
 درج سے مددِ ج کی دیکھی شکوہ
 یاں عرض سے تباہ جو بہر کھنا
 ہر کا نپا چو رخ چکر کھ گیا
 پوشیدہ کا رایتِ شکر کھنا

بادشاہ کا نام لیتا ہے خطیب اب علی پانچ منبر کھلا
 سکشاہ کا ہوا ہے روشناس اب حیدر آبرو سے زر کھلا
 شاہ کے آگے دھرا ہے آنہ اب مال سی اسکندر کھلا
 ملک کے وارث کو دیکھا خلق تے اب فریب طفل و سحر کھلا
 ہو سکے کیا مرج اں اک نام ہے و فخر مرج جہاں و اور کھلا
 فکر اچھی پر ستائش نام عجز اعجاز ستائش گر کھلا
 جانتا ہوں ہے خطیب لوح ازل تم پر اسے ناقابل نام اور کھلا

تم کرو صاحبقرانی جب تک
 ہے ظہیم روز و شب کا در کھلا

(۴)

بہادر شاہ کی مرج میں

۱۔ لغات : خاور : مشرق

منظر : دریچہ - جہر کا

شرح : صبح کے وقت مشرق کا دروازہ کھلی گیا، گویا ساری دنیا کو
 روشن کر دیتے وہ اسے آفتاب کا دریچہ بنا ہو گیا۔

مطلب : کہ صبح جو گئی اور سورج نکلنے والا ہے اور اسے ساری دنیا

دیکھے گی۔

۲۔ لغات : خسرو انجم : ستاروں کا بارشوار، یعنی سورج۔

شرح : رات کو موتیوں کا خزانہ بکھرا ہوا تھا، یعنی ستارے آسمان پر جگمگ کر رہے تھے۔ وہ خزانہ ستاروں کے بادشاہ نے خرچ کر ڈالا۔

مراویہ کہ سورج کے روشن ہوتے ہی ستارے غائب ہو گئے، یعنی ان کی روشنی باقی نہ رہی۔

۳۔ لغات : سمیما : ایک علم جس سے سورج کو ایک جسم سے نکال کر دوسرے میں منتقل کر دیتے تھے اور مروجہ چیزیں سامنے لے آتے تھے۔ اصل میں ان کا کوئی وجود نہ تھا۔

شرح : رات کو چاند اور ستاروں کا جو نظارہ آنکھوں کے سامنے تھا۔ صبح کو اس کا بصیر کھل گیا اور معلوم ہوا کہ وہ سب کچھ تو سمیما کا کرشمہ تھا، یعنی ان کا وجود کوئی نہ تھا، لیکن باد سے دم ہلے دھوکا کھا کر انہیں حقیقت بکھر دیا۔

۴۔ لغات : کوکب : کوکب کی جہن، ستارے۔

شرح : اب ہم پر آشکارا ہو گیا کہ ستارے اصل میں کچھ ہیں، اور نظر کچھ آتے ہیں، گویا یہ بانگیر اور بھانسی ہیں، ہوتی ہیں، دھوکا دے رہے ہیں۔

شعر کی خوبی یہ ہے کہ ستارے واقعی ویسے نہیں، جیسے ہمیں نظر آتے ہیں، مثلاً اکثر بے فائدہ ہیں، اور ہمیں نورانی دکھائی دیتے ہیں۔ تمام ستارے بہت جلدے ہیں، مگر ہمیں چھوٹے چھوٹے نظر آتے ہیں۔ متحرک ہیں، لیکن ہمیں ساکن معلوم ہوتے ہیں۔

۵۔ شرح : رات کو ایسا معلوم ہوا تھا کہ موتیوں کا کوئی زبور

نفا جس کی زبانیں ٹوٹ گئیں اور ان کے موتی آسمان کی سیل پر چھو گئے۔

۷۔ ۷۔ ۷۔ لغاتہ : نگار : محبوب۔

آتشیں دُخ : جس کے رخسار آگ کی مانند لکڑے ہوئے ہوں۔
یعنی نہایت حسین۔

رقیہ سحر : جادو کا اثر ذہنی کر دینا۔

محبوبگی : صبح کو پینے کی چیز جس سے رات کی پی موتی شراب کا
خمار ذہنی ہو جائے۔

مشرع : صبح کے وقت مشرق کی جانب نظر اٹھی تو آفتاب نظر
آیا۔ ایسا معلوم ہوا کہ ایک نہایت خوب صورت محبوب ہے جس کا سر
کھٹا ہوا ہے۔ یعنی اس نے کوئی چیز سر پر اوڑھ نہیں رکھی۔

لیکن یہ تو اُس وقت کی کیفیت ہے۔ صبح تک ہوں پر صبح کے جادو
کا اثر تھا۔ جادو کا یہ اثر ذہنی کیا تو معلوم ہوا کہ یہ نگار آتشیں دُخ نہیں
بلکہ صہری کے سے رنگ کی شراب کا مہرا ہوا ہوا ہے۔

ساقی نے ایک سنہری پیالہ لاکر سامنے رکھ دیا ہے تاکہ صبح کے نور و روش
کا انتظام ہو جائے۔

۹۔ شرح : شاہی محفل آرہا ہے جو گئی دینی دربار۔ سچ گیا اور اس دکان
کے کچے کا دروازہ کھل گیا۔

ظاہر ہے کہ اس سے پیشتر کے تمام اشعار محفل تہجد کے طور پر کہے
گئے۔

۱۰۔ لغاتہ : خمر و آفاق : زمانے کا بادشاہ یعنی ہمارا شاہ و ظفر
منہ پر کھٹا۔ زیب و زینت کا باعث ہوا۔

مشرع : زمانے کے بادشاہ نے سنہری تاج سر پہ رکھا تو وہ روش
صورت سے بھی بڑھ کر زیب و زینت کا باعث ہو گیا۔

۱۱۔ ۱۵۔ لغات : نگوین : تخیلش پیدا کرنا اور خود میں لانا۔

تاویل : شرح بیان ، اصلیت واضح کرنا۔

دارا : ایران کا مشہور بادشاہ دارا گشتاسپ۔

سرسنگ : قوج کا منہ کو توال۔

چہرہ : علیہ پہلے میں یہ دستور تھا (اور اب بھی ہے) کہ جب کوئی شخص قوج میں دوزم رکھتا ہوتا ہے تو اس کا علیہ تفصیل سے لکھتے تھے ۔ اسے چہرہ لکھنا کہا جاتا تھا۔

قبیضہ : دوسرے بادشاہ ۔ یہ لفظ سیزہ کا معرب ہے ۔ سیزہ ہی کا لفظ جرمنی میں کیڑو (KAISE) اور روس میں زار (ZAR) بنا اس نے ایران میں کسری کی شکل اختیار کی۔

مشرع : کون بادشاہ ؟ روشن دل بہادر شاہ جس پر زندگی کا جیہ پورا پورا کھل گیا ہے ۔ وہ بہادر شاہ مجھے وجود میں لے آئے سے تو اسماعیل اور سات سیاروں کا مقصد واضح ہو گیا ۔ وہ بہادر شاہ جس کی تشریح اور حقیقت بیان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں میں سے جو باتیں سمجھ میں نہیں آتی تھیں اور آسمان روشن ہو گئیں ۔

وہ بہادر شاہ جس کے قوجی امیروں کا دفتر دیکھا گیا تو سب سے پہلے دارا گشتاسپ کا نام نکلا۔ بعض شاعرین نے اسے دارا سوم سمجھا ہے ۔ جو کیا نہیں کا آخری بادشاہ تھا اور جس نے سکندر سے شکست کھائی وہ بہت معمولی بادشاہ تھا ۔ غالب کا اشارہ اس کی طرف نہیں ہو سکتا ۔ اس غلط مفروضے کی بنا پر بعض اصحاب نے کہا کہ اگلے شعر میں سکندر پر ناچا ہے تھا تاکہ دارا اور سکندر کی مناسبت واضح ہو جاتی ۔ ناچا ہے کہ یہ خیال شعر کی غلط تعبیر کا نتیجہ ہے ۔ دارا گشتاسپ کو سکندر سے کوئی مناسبت نہ تھی ۔

یعنی اس کے دشناموں کی ضرورت درج ہے، وہاں قیصر کا منہ بھی تفصیل سے لکھ رکھا ہے۔

۱۶۔ لغات : توسن : گھوڑا۔

حقان : گھوڑا باندھنے کی جگہ۔

آئندہ : حضرت ابراہیمؑ کا والد یا چچا، جو مشاق بہت تراش اور پانچ بہت پرست تھا۔

مشرع : بادشاہ کے گھوڑے کی خوبیاں کیا بیان کروں، تیرے ہمتا میں آندھن کو بھی اس پر شک آتا ہے، جب اسے اصطلح سے کھانا جانا ہے تو جہاں جہاں اس کے پاؤں کا نقش پڑتا ہے، ایسی دغریب صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ دیکھنے والا سمجھے، آئندہ کے بہت شائے کا دوازدہ کھول دیا گیا، جہاں ہر طرف نہایت خوب صورت بہت دیکھے ہوئے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ گھوڑا چلتا ہے تو جہاں جہاں اس کا پاؤں پڑتا ہے ایسی خوب صورت شکلیں بنتی جاتی ہیں، جنہیں خوب صورت جوں پر بھی فوقیت حاصل ہے۔

۱۸۔ لغات : مشتبہ : ڈھیلہ، کام

مخوڑ : دو منہ خط، جس پر دھن گردشی کر رہی ہے اور ہر تیکے کے دائرہ گردشی کو خورہ کہتے ہیں۔

مشرع : بادشاہ نے تعلیم و تربیت کے فیصل سے مجھ میں صلاحیت پیدا کر دی کہ میں سوچ، چاند اور سیاروں کے گھومنے کے خط کی حیثیت کو پہچان سکوں، کام سے آگاہ ہو گیا، یعنی مجھ پر ان چیزوں کے وظائف کی حقیقت کھل گئی۔

۱۹۔ ۲۰۔ لغات : توسع : طاقت، مقدور، استطاعت، وسعت

دل و اہست : غفلت، یعنی میں پر انقباض جاری ہو، تاخوری،

شرح : میرے دل میں لاکھوں گرہیں پڑی ہوئی تھیں۔ لیکن ہر گز کھل گئی۔ اور اس پیمانے پر کھل کر میرے لیے اسے یوں کھولنا ممکن نہ تھا یہ بات میری دسترس سے باہر تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ میرا دل اس طرح مضطرب، بیتاب ہوا۔ سکڑا ہوا اور خاموش تھا کہ اسے ایسا قفل کر سکتے ہیں، جس کی کوئی کھنجی نہ تھی۔ اب یہ کھلی گیا۔ کس نے کھولا؟ کب کھولا؟ کیونکر کھولا؟

مقصود یہ ہے کہ بادشاہ نے حسن تربیت سے کھولی دیا۔

یہ انتہام سوال کی غرض سے نہیں۔ تعجب اور خوشی کی غرض سے ہے۔

۲۱۔ لغات - کھلا : قوت کی - انکشاف کیا۔

شرح : اگر حضور بادشاہ نے مجھے توہم سے نوازا تو میں معنی کے بارے کی بار دیکھاؤں گا، یعنی ایسے شعر کہوں گا کہ سننے اور پڑھنے والے کو یقین ہو جائے، بارے معنی میں بہادر آگئی۔

۲۲۔ لغات : شبلیہ : ڈوبا، سست و سوجھا۔

عنبر : ایک خوشبودار چیز جو سمندر سے نکلتی ہے۔

شرح : جہاں میرا سانس غزل پڑھنے میں مشغول ہو۔ یہی غزل خوانی شروع کرے، لوگ سمجھیں کہ عنبر کا ڈبکا کھل گیا ہے، جس کی خوشبو سے فضا ملک اٹھتی ہے۔

غزل

۲۳۔ لغات - گنج : گوشہ، میاں قفس کا گوشہ مراد ہے۔

شرح : کتنے انہروں کا مقام ہے کہ میں قفس کے گوشے میں یوں بیٹھا ہوں اور پرکھتا ہوں، کھوش قفس کا وہ پہ کھلی ہوتا اور میں بارے کی فضا میں اڑنے کا طعنت اٹھاتا۔

۲۴۔ **شرح :** اس شعر کے دو معنوں ہو سکتے ہیں، اگر ہم کسی نہ سمجھنے سے کام لینا چاہتے ہیں۔

۱۔ اگر محبوب کا دروازہ کھلا پائیں تو جا سکتے ہیں، لیکن ہم چاہتے ہیں، گویا انتظار کریں۔ پھر دروازہ کھلے، یوں ہوتا ہے کہ اگر گھر والا اگر سکتے ہیں، اس معنوں سے لکھا جلتا شعر میرزا اپنے بھی کہ چکے ہیں۔

جنگ میں بھی وہ آواز دو خود ہیں کہ ہم
اگلے پھر آئے، اور کہہ اگر دروازہ کھلا

۲۔ دوسرا معنوں زیادہ قرینہ تیار ہے۔ کہتے ہیں، محبوب کا دروازہ کھلا پائیں تو ہم کیونکر داخل ہو سکتے ہیں؟ تو ہر عام ہوا، اس میں ہمارے جیسے خاص کا کوئی سہیلو ہے؟ ہم تو اس وقت جا نہیں سگے کہ وہاں پہنچیں، آواز دینا، پھر خاص ہمارے سے دروازہ کھلے۔

۲۵۔ **شرح :** ہم اپنی سادہ عورتی سے اس پر غور کر رہے ہیں کہ دوست کا دروازہ میں چھپا رکھا ہے اور کسی پر تھا میرٹیں کیا، اور صرف حال ہے کہ دوست کا دروازہ میں پر آشکارا ہو چکا ہے، یعنی خود دوست نے سب کچھ رقیب پر کھل کر کر دیا ہے۔ پھر مجھے دے، دروازہ ہی پر غور کا کوئی خاص وقت ہے؟

۲۶۔ **لغات :** کھلا : باعث نزیت ہوا۔

شرح : یقیناً محبت کا دروازہ دل پر بہت اچھا لگتا تھا، لیکن محبت کا غم دی کے لیے اور بھی نزیت کا باعث بن گیا، میں نہ غم کو دروازہ پر فروغیت حاصل ہے۔

۲۷۔ **شرح :** میرا محبوب اس درو سنکر ہے کہ اس نے اپنی کیا کہی کہیں، ہاتھ سے نہیں لگی اور غم سے کی کر سے خیر کہیں نہیں کھو رہا، گویا اس کے ابد اور غم سے بدستور تیرا غم نہ ہی دشمن نہ ہی میں سرگرم ہیں۔

میرزا کا یہاں فرماتے ہیں : ابد کو کہاں اور غم سے تو خیر سے تشبیہ دیا

کرتے ہیں۔ لیکن ابرو کو کان دار اور غریبے کو غنبر گز ارکین نہ پادہ لطفت
دے گیا۔

۲۸۔ لغات - بدرتہ : سفر میں مسافر کی حفاظت کرنے والی
نگہبان رہنما۔

مشریح : جو بدرتہ ساتھ سے گیا تھا، راستہ چلتے میں اس کے علم و تجربہ
کی حقیقت کھل گئی۔ پردہ تلاش ہو گیا اور چاہا کہ جو خود راستہ نہیں جانتا۔
وہ کس کی رہنمائی کیا کرے گا؟ لیکن مفت کا بدرتہ تھا، اس کی اجرت کچھ نہ
تھی۔ ایسے شخص کو ہر طور پر حق سفر ساتھ رکھنے میں کیا برائی ہے؟

۲۹۔ مشرح : آنسوؤں کی بارش دل کی جلیں کا کیا علاج کر سکتی ہے
مات یہ ہے کہ اگر تھوڑی دیر کے لیے غرق ہے تو آگ بھڑک اٹتی ہے۔
گویا آنسوؤں کی لگی بجھا نہیں سکتے۔

۳۰۔ مشرح : محبوب کا خط آ گیا، جس کا مدت سے انتظار تھا اس
سے اتنی خوشی ہوئی کہ موت آ گئی۔ گویا نامہ محبوب کی انتہائی مسرت نے شادی
مرگ کا سماں پیدا کر دیا، نامہ کھول کر پڑھا جاتا تھا، پڑھ نہ سکا اور دم نکل
گیا۔ یوں نامہ سینے پر گھٹکا کا ٹھنڈا رہ گیا۔

۳۱۔ مشرح : دیکھو، غبار دار و بر، غائب سے الجھنے کی کوشش نہ
کرنا۔ دو دیکھنے کو کاڑھ ہے۔ لیکن حقیقت میں اسے وہی کارتبہ حاصل ہے۔ اگر
اس نے پردہ ہاکی تو ہر الجھنے واسلے کو خاک کر کے رکھ دے گا۔

۳۲۔ لغات - مذمت طرائفی : تعریف کرنا، مدح کرنا۔

مشریح : غزل سے نارسا ہو کر پھر قصیدہ گوئی شروع ہو گئی۔ بادشاہ
کی قصیدہ گوئی کی حیثیت وہی ہے۔ جیسے پانہ اور سورج کیے ہنر کھل جاتیں۔
گویا بادشاہ کی مدح اصل میں پانہ اور سورج کے دفتر کھینچنے کے ہم معنی ہے۔

۳۳۔ مشرح : تعلیم کو شاعر کی طبیعت سے مدد ملی، یہی نظم طرایا تو

طبیعت کے سانچے سے شعر و عمل حاصل کر نکلنے شروع ہو گئے۔ وہی کیفیت پیدا ہوئی کہ جہاز چلنے کے لیے بادیاں نکلتے ہیں تو نگر بھی اٹھتا ہے۔

۳۴۔ لغات : شکوہ : باد و جہاز : ترجمہ۔

غرض : وہ چیز جو قیام کے لیے دوسری چیز کی محتاج ہو، جیسے کپڑے کے لیے رنگ۔

جو خبر : جو بات ذاتِ قائم ہو۔ شعر میں : مدح و عینِ مہر اور جو ہر ممدوح یعنی بادشاہ۔

مشرح : مدح سے بادشاہ کا باد و جہاز نمایاں ہو گیا، یعنی ممدوح سے یہ نکل گیا کہ جو ہر کا ترجمہ کتنا بلند ہے۔

۳۵۔ لغات : روایت : جہنڈا : علم۔

مشرح : جب بادشاہ کے لشکر کا علم اٹھا اور پرچم نکلا تو سورج کا پٹا اٹھا اور آسمان پکرا گیا۔

مشرح ایک خوبی یہ بھی ہے کہ چرخ بہرِ مہال پکڑ کھاتا ہے اور سورج صبح کو نکلتا ہے تو کافیاں بڑا معلوم ہوتا ہے، اس لیے غرضی میں صبح کے سورج کو لڑنا کہتے ہیں۔

۳۶۔ لغات : صلو : بندی۔

مشرح : غلیب نے غلیب میں بادشاہ کا ہم بیا تو کبہر ہو گیا کہ منبر کا پتہ کیوں بند ہے۔ اس لیے بند ہے کہ منبر پر کھڑا ہو کر غلیب بادشاہ کا ہم لیا ہے۔

۳۷۔ لغات : عیار : کوٹھ : کھرا کوٹھاپن دیکھنا۔ پیانا۔

مشرح : اب یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ سوسے کی عزت و آبرو کا پیانا کیا ہے۔ یہ ہے کہ بادشاہ کے سیکے سے اسے دو ششاس دامن ہوئی، یعنی بادشاہ نے اسے اچا سکر تپایا۔

خسرو آفاق کے سُننے پر کھلا	سایہ زرتیں مہر تاباں سے سوا
رازی مہتی اس پہ مہر تاسہ کھلا	شاہ روشن دل بہادر شاہ کہ ہے
مقتدہ نہ پھر رخ و بہت اختر کھلا	وہ کہ جس کی صورت تکوین میں
عقدہ اکام پیغمبر کھلا	وہ کہ جس کے ناخن تار و پل سے
اس کے سرنگوں کا جب دفتر کھلا	پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام
داں لکھا ہے چہرہ قیصر کھلا	روشناسوں کی جہاں فرست ہے

قطرہ

تھان سے وہ غیرت مہر کھلا	تو سن شاہ میں وہ خوبی ہے کہ جب
لو کہے بت شاہ آذر کھلا	نقش پاکی صورتیں وہ دلفریب
منصب مہر و مہر و ثور کھلا	مجھ پہ فیض تربیت سے شاہ کے
میری عبودیت سے باہر کھلا	لکھ عقد سے دل میں تھے لیکن ہر
کس نے کھولا باب کھلا؟ کیونکر کھلا	تھا دلِ وابستہ قفل ہے کلید
مجھ سے گر شاہ سخن گستر کھلا	باغ معنی کی دکھاؤں گا بہار
لوگ جانیں طبلہ عنبر کھلا	جو جہاں گرم غزل خزانِ فن

کی موت کا دفتر کھل گیا ہے۔

موت کے سلسلے میں جو فیصلات پیش کیے گئے، وہ تو یقیناً اچھے تھے، لیکن یہ اوصوری، ری، پوری نہ ہو سکی، اگرچہ موت کرنے والا نہایت سہجہ بیان تھا۔ لیکن اس کا طعنیہ ہو گیا، یعنی وہ موت کا حق ادا نہ کر سکا۔

۴۴ - ۴۵ - لغات : لغاتین : بڑا بادشاہ۔

خطبہ لوبج اذل : وہ شعر یہ جو دنیا کے شروع ہوتے وقت تھے، پورے مکہ و مدینہ، یعنی خطبہ تقدیر۔

صاحب قرانی : صاحب قرآن اسے کہتے ہیں، جس کی پیروی میں کے وقت دو ایک سارے ایک برتے ہیں۔ ایسا آدمی بڑا اعلیٰ مندرجہ کا ہے۔ صاحب قرانی کا مطلب بڑا و دھوکہ دہ، جس کی ہاگ دور صاحب قرآن کے اذاع میں ہو۔

تشریح : اسے نامور شخصیات : ہیں جانتا ہوں کہ آپ پر لوبج اذل کی تقریر روشن ہے، آپ اس وقت تک صاحب قرانی کہیں، جب تک کہ رات دن کے حکم کا دروازہ کھلے ہو، یعنی جب تک دنیا قائم ہے۔

سہرا

خوش ہو اسے بخت کہ ہے آج ترے سر سہرا

باندھ شہزادے ہواں بخت کے سر پر سہرا

کیا ہی اس پاندے سے کھڑے پر پھلا لگتا ہے

ہے ترے حسن دل ان سروں کا نہ پورا سہرا

تمہید :

بہادر شاہ

کے فرزند

ہے نا جوان

بخت

ہے بیک وقت

سر پہ چڑھنا تجھے چیتا ہے پر اے طرفِ کلاہ !
 مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے تیرا لمبر سہرا
 ناؤ بھر کر ہی پروئے گئے ہوں گے موتی
 ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا
 سات دریا کے فراہم کیے ہونگے موتی
 تب بنا ہو گا اس انداز کا گز بھر سہرا
 رخ پہ دو لہا کے جو گرمی سے پسینہ پڑکا
 ہے رگ ابر گہر بار سہرا سہرا
 یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبا سے بڑھ جاتے
 رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا
 جی میں اترا میں نہ موتی کہ ہمیں ہیں اک چیز
 چاہیے پھولوں کا بھی ایک مقرر سہرا
 جب کہ اپنے میں ساد میں نہ خوشی کے مارے
 گوندھے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا
 رخ روشن کی دھب گوسہر غلطاں کی چمک
 کیوں نہ دکھائے فروغِ مہر اختر سہرا

کے ہیں
 سے تھا
 کی
 شادی کے
 موقع پر
 یہ سہرا
 خود بیگم
 کی فرمائش
 پر لکھا گیا
 تھا۔ مرنے
 عرش نے
 دیوانہ تھا
 کے ساتھ
 جو حواشی
 شائع کیے
 ہیں ان
 سے معلوم
 ہوا کہ یہ
 سہرا
 ۲۸ مارچ
 ۱۹۵۲ء
 کے قریب
 اردو اخبار

میں اس تمام ریشم کا نہیں ہے یہ رنگ ابر بہار
 تئید کے لئے گاتاب گراں بارئی گوہر سہرا
 ساتھ شائع ہم سخن فہم میں غالب کے طرفدار نہیں
 ہو ا تھا دیکھیں کہہ دے کوئی اس سہرے سے بڑھکر سہرا

حسب الفہم حضرت سلطان علی علیہ السلام نے جو جناب از اب نجم الدولہ
 احمد اللہ خان قالیب اور جناب ناکا فی ہند ملک اشرف و شہین
 محمد ابراہیم خاں نوری بہ تقریب شادی میرزا جواں بہشت بہادر
 مرشد زوۃ آفاق اسکے کچھ اشعار بہ سبیل مبارک بار دی سہرا اس
 جفتے میں حضور سلطان علی میں سرورہ بار گزارنے تھے و مع چند اشعار
 علاوہ اس کے جو خاں نجم الدولہ بہادر نے پھر گزارنے واسطے
 حضور کیفیت اپنے ناظرین اہل بصیرت و بصیرت و باہرین و واقفین
 مباحثہ و بلاغت کے بموجب ترتیب در پیش پورے کے
 ہم بھی درج اخبار کرتے ہیں۔

صحیح یہ ہے کہ فرمائش بادشاہ کی نہیں، بلکہ کی تھی اور اس سلسلے میں
 واسطہ حکیم احسن اللہ خان تھے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ سہرا سنہری کشتی
 میں رکھ کر ہرے ملکوت سے گزرا نا گیا تھا۔ میرزا کے لیے تو یہ اہتمام ممکن
 نہ تھا۔ غالباً سہرا بانہ جتنے وقت سنہری کشتی میں لگا کر لاتے تھے۔

”سہرا“ کی روایت کے ساتھ میرزا غالب سے پیشتر کبھی کوئی نظم نہیں
 کہی گئی تھی، گویا اس صنعت کے مجدد ہی ہیں۔ بہادر شاہ ظفر کے پیرو
 دیوان میں دو سہرے ہیں اور ان کی روایت ”سہرا“ ہے۔

قتل امیر احمد صاحب ملوی نے اپنی کتاب ”بہادر شاہ ظفر“ میں عروت
 ایک سہرے کا ذکر کیا ہے۔ ساتھ ہی فرمایا ہے کہ یہ سہرا شہزادہ جہانگیر
 شہزادہ سلیم اور زمان اکبر شاہ ثانی کی شادی کے موقع پر کہا گیا تھا۔

صحیح نہیں۔ دونوں سہرے میرزا جواں بہنت کی شادی پر کچھ گئے تھے اور اس کی ایک سے زیادہ شہادتیں خود سہروں میں موجود ہیں۔ یہ دونوں غالب ذوق کے سہروں کے بعد کچھ گئے۔

میرزا کے مطلق سے بادشاہ کو خیال ہوا کہ یہ ذوق پر چوٹ ہے اس لیے ذوق سے بھی سہرا لکھوایا گیا، جس کے بعض اشعار کی کیفیت شرح کے سلسلے میں واضح ہو گی۔ میرزا کا مطلق جیسا کہ انہوں نے معذرت کے قلمے میں بیان کیا، واقعی سنن گسترانہ تھا۔ یعنی شعراء جس طرح عموماً مطلق میں کیا تا کا دعویٰ کیا کرتے ہیں۔ میرزا نے ویسے ہی کہہ دیا کہ اس سے بہتر سہرا کوئی کیا کہے گا؟ ذوق نے اسے پہنچ سمجھ کر جواب دیا اور مطلق میں اس کا اظہار بھی کروایا۔ میرزا کے لیے کسی بھی حالت میں ذوق کو برا مقابل سمجھ لینا ممکن نہ تھا۔ لیکن معاند استاد شاد کا آپڑا اتفاقاً اور میرزا شاد ہی ملازم تھے اس لیے انہیں معذرت ہی مناسب معلوم ہوئی۔

”دہلی ادب و اخبار“ کی تحریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ سہرا اندراج شدہ کے آخری صفحے میں گزرا نا تھا۔ اور ذوق کے جوابی سہرے کے ذرا بعد میرزا غالب نے قطعاً معذرت پیش کر دیا۔

بیان میرزا اور ذوق کے سہروں کا تقابل مقصود نہیں، لیکن شرح کرتے وقت سرسری طور پر جوابات میں سامنے آئیں گی، وہی بیان بوقت رہیں گی۔
۱۔ لغات - سہرا ہونا؛ کسی کام کی درستی اور سہرا انجام کا کسی پر موقوف ہونا۔ کسی پر کسی کام کا اظہار ہونا یا اس کے سہرا انجام کی عزت پانا۔

مشریح: اسے نصیب خوش رہو کہ آج ایک اہم کام کے سہرا انجام کی عزت تیرے حلقے میں آئی۔ اس لیے اٹھ اور شہزادہ جواں بہنت کے سہرے سہرا بانٹ دے۔

۲۔ شرح : سبحان اللہ شہزادے کے چاند سے کھڑے پر سہرا
 کتنا چہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سہرا شہزادے کے دل افروز حسن کا
 زیور ہے۔

شہزادہ حسین تو تھا ہی، جسے دیکھ کر لوگوں کے دل روشن ہو جاتے
 تھے۔ جب اس کے سہرا بندھا تو حسن کی شان کو چار چاند لگ گئے۔
 ذوق نے اس کے جواب میں تین شعر کہے۔ مولانا غیاثی فرماتے
 ہیں کہ غالب نے بے مثل شعر کہا تھا۔ ذوق نے جواب دیا اور خوب جواب
 دیا۔ لیکن زیور کا قافیہ غالب ہی کے حصے میں آ گیا۔

۳۔ لغات : لمبر : نمبر درجہ۔ بقول غیاثی : لمبر ہی کس
 ٹھیک ہے۔ نمبر غلط ہے۔

شرح : اسے گوشہ کا : اتنے سرور جگہ ملی اور یقیناً تیرے لیے
 یہ جگہ نہ رہا ہے۔ سہرا بھی سرور باندھا گیا۔ لیکن اسے گوشہ کا : اچھے اب
 یہ ڈر پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں سہرا تیری آن بان اور شان کا درجہ نہ چھین لے۔
 ۴۔ لغات : کشتی : وہ کشتی نہ صرف، جس میں کوئی چیز رکھ کر
 لاتے ہیں، مثلاً قینہ زیور، پوشاک وغیرہ۔

شرح : اگر ناؤ بھر کر موتی سہرے میں نہیں پر دے گئے تو اسے
 کشتی میں سجا کر گویں لائے ہیں :

سہرا نہ اسے اس شعر میں ناؤ اور کشتی کی دعایت پیش نظر رکھ کر لکھی اور اس میں
 یہ دیکھ کر کشتی میں رکھ کر لائے ہیں۔ اس سے خیال ہو سکتا ہے کہ ناؤ
 بھر کر موتی رکھ لیے ہوں گے امدان سے جن جن کو سہرا بنا دیا۔
 شیخ ابراہیم ذوق نے اس شعر کے جواب میں فرمایا :
 آج وہ دن ہے کہ لائے دے انجم سے ملک
 کشتی نہ میں مہ نوا کی نگا کر سہرا

کہنا یہ چاہتے تھے، آج آسمان کے لیے زیبا ہے کہ ستاروں کے موتی
چن چن کر سہرا گوندھے۔ پھر اسے ہلال کی ذریعہ کشتی میں سہا کر لائے۔ اس
میں وہی تعقید نمایاں ہے، جو اصطلاح میں تعقید قبیح ہے۔

۵۔ شرح : سہرا گوندھنے کے خیال سے ساتوں سمندروں کے
موتی اکٹھے کر لیے ہوں گے۔ پھر ان میں سے نمایاں خوب صورت اور بڑے
موتی چن چن کر گوندھ کر سہرا تیار کیا ہوگا۔

ذوق نے اس کے جواب میں فرمایا :

اک گھر بھی نہیں صد کاں گھر میں چھوڑا

تیرا بٹوایا ہے لے لے کے جو گھر خیرا

میرزا نے ساتوں سمندروں کے موتی جمع کیے تھے، لیکن یہ خیال رکھا
کہ سارے موتی سہرے میں گوندھے نہیں جا سکتے، اس لیے گوندھ کر تبدیل
کر دیا، صبح کر دیا کہ ان میں سے چن چن کر بہترین موتی لے لیے، باقی
چھوڑ دیے، اگر ذوق نے بات کا جواب سو سے دیا، یعنی سینکڑوں کھڑکیوں
کے گوبہر اکٹھے کر لیے گئے اور وہ تمام کے تمام سہرے کی تذر کر دیے۔ یہ
خیال نہ رکھا کہ سہرے میں یہ تمام گوبہر کو کر سائیں گے، ہاں مہاتے
انصاف فرمایا، گویا تم نے "سات" کہے تھے، ہم "سو" کہتے ہیں۔

۶۔ شرح : دولہا کے چہرے پر گری سے پسینا آ گیا اور قطرے
پڑنے لگے، معلوم ہوتا ہے کہ سہرا ایک قلم موتی برسانے والے باول کی رنگ
بن گیا ہے۔ یعنی سہرے کے تار دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ باول مسلسل
موتی برسا رہا ہے۔

ذوق نے اس کے جواب میں دو شعر کہے :

دوئے قریح یہ جو ہیں تیرے بے ستے افواہ

تار باطن سے بنا ایک سہرا سہرا

یعنی اسے بڑا ہی بخت تیرے چہرہ فرخ پر انوار برسی رہے ہیں اور
ان کی برسات کے نمادوں سے سہرا تیار ہو گیا۔

پہلے معرکے کی سستی بندش کے علاوہ میرزا غالب ہی کا مضمون ملے
کہ دوسری شکل میں باندھ دیا، البتہ پینے کی جگہ انوار پرساتے۔ گویا ایک
”دوئی“ چیز کہ تغیر توئی بنا دیا۔

”تا پیش حسن سے مانند شمع خورشید“

روح پر نور ہے تیرے منور سہرا

کنا یہ چاہتے ہیں کہ تیرے سر پر سہرا بندھا اور تیرے۔ تا پور کی
تا پیش حسن سے سہرے کی لڑیاں سو۔ ح کی کڑوں کی مانند منور ہو گئیں۔
شعر کی بندش میں جو الجھا تو ہے، وہ تشریح کا محتاج نہیں۔

۷۔ ”تشریح“ : سہرے کا قبائے آگے بڑھا جائے غلات ادب تھا اس
یہ واس کے برابر پہنچتے ہی وہ رک گیا۔

مطلب یہ کہ سہرا زیادہ لمبا نہیں دکھایا جاسکتا تھا۔ واس سے آگے
بڑھتا تو یہ امر بے ادبی کا باعث بنتا۔ شعر کی ثبوت یہ ہے کہ میرزا نے
حقیقت پیش نظر رکھی۔ سہرے زیادہ لمبے بناتے جا ہی تو انھیں سنبھال
مشکل ہو جاتے، وہ خاص حد سے آگے نہیں بڑھاتے جاتے، میرزا نے
اس سے ایک پہلو پیا کہ یہ ہے کہ آگے بڑھتا غلات ادب تھا۔

۸۔ لغات۔ مقررہ : لازم، ضروری۔

”تشریح“ : کہیں موتی، بھجور غرض کہ جسے کہہ سکتی ہے تو صرف
بجاری ہے، کیونکہ میں سے سہرا گوندا گیا، لازم ہے کہ بچوں کا بھی
ایک سہرا تیار کر دیا جائے تاکہ موتیوں کے لیے اترانے کی گنجائش درج ہے۔
شعر اس کے لیے سہرا صرف موتیوں سے تیار کیا گیا تھا، پھروں
کا سہرا تھا ہی نہیں، لہذا حقیقت کے پیش نظر میرزا نے یہ نہیں کہا کہ بھروں

کا سہرا موجود ہے۔ صرف یہ کہا، ہونا چاہیے تاکہ موتیوں کا اترانا ختم ہو جائے۔
اس کے جواب میں ذوق نے خلافت واقع پھولوں کا سہرا تیار کر دیا۔
فرمایا :

پھرتی خوشبو سے ہے اترائی ہر قی بار بار

اٹھ اٹھ سے پھولوں کا معطر سہرا

پہلے مصرع میں تشبیہ کے علاوہ پھولوں کے سہرے کا ذکر خلافت واقع ہے۔ عام لوگ پھولوں کا سہرا باندھتے ہیں، شہزادے نہیں۔ ان کے لیے صرف موتیوں سے سہرے تیار ہوتے ہیں۔

۹۔ **تشریح :** میرزا نے اس سے پہلے شعر میں پھولوں کا سہرا فرمایا تھا، بتایا تھا، چونکہ وہ موجود تھا، اس لیے اس کی وجہ یہ قرار دی کہ سب پھول خوشی کے بارے اپنے آپ میں مساتے ہی نہیں، تو ان کا سہرا کوئی کیونکر لگائے، کتنی عمدہ توجیہ ہے۔ بتا دیا کہ کون پھولوں کا سہرا تیار نہیں پڑا۔ اس وجہ کو موقع اور محل سے خاص مناسبت ہے۔

۱۰۔ **لغات :** گوہر فلطاں : وہ ہے مثالی موتی، جو وضع کے حسن اور سڈولی پن کے باعث کسی ہموار سطح پر بھٹرتا ہو، لیکن اودڑا ہو سکتا ہے۔
تشریح : ایک طرف شہزادے کا درجہ روشن دیکھ رہا ہے۔ اس پر سہرے کی بڑیاں ہیں، جن میں اعلیٰ درجے کے موتی چمک رہے ہیں۔ پھر یوں سہرا چاند اور تانوں کی بہار دکھاتے، شہزادے کے چہرے کو چاند سے ان سہرے کے موتیوں کو ستاروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔
اس کے جواب میں ذوق نے کہا :

دونائی میں تجھے دے دو خورشید فلک

کھول دے منہ کو جو تو منہ سے اٹھا کر سہرا

فطرت مصرع میں "منہ" کی تکرار عمدہ درجہ نامناسب ہے اور یہاں ۔

”مست“ کے لیے ”کھول دے“ کا لفظ ذوق جیسے مشتاق استاد سے تعجب انگیز ہے۔ جس کے یہ ہیں معنی دہن واکرو سینے کے بھی ہو سکتے ہیں۔ بن وہی مہا لے پر زور کہ میرزا نے صراحت کیا تو ہم مہم و غور شیہ کہیں گے۔

۱۱۔ **تشریح :** یہ ورثہ کے نام نہیں، جن میں موٹی پروٹے لگتے ہوں یہ تو ابرہہ کی لگ ہے جس کا خاصہ یہ ہے کہ تراوش کرتا اور موتی برساتی رہے۔ گویا مسلسل موتی برستے چلے جا رہے ہیں۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ آیا سہرا موتیوں کے اس بابو گراں کی آب لائے گا؟ یعنی موتیوں کی مسلسل بارش کا منتظر ہو سکے گا؟

۱۲۔ **تشریح :** ہم شعری روح کو سمجھتے ہیں۔ غالب کی ظرفداری نہیں کرتے۔ دیکھیے اس شعر سے سے بہتر سہرا بھی کون کر سکتا ہے؟ جیسا کہ خود میرزا نے کہا یہ محض سخن گسترانہ بات تھی۔ لیکن ذوق نے اسے دعوت مقابلہ سمجھا اور سہرا کر کر بڑے دھڑکے سے فرمایا :

جین کو دھونی جو سخن کا ۔ یہ سادہ دلیں کو

دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخن و سہرا

یہاں بحث یہ نہیں کہ سخن وری کا بلند تر مقام ذوق کو حاصل ہے یا غالب کو۔ لیکن حقائق پیش کیے جاتے ہیں جن کی بنا پر دونوں شعروں کے درمیان موازنے میں سہولت ہوگی :

۱۔ ذوق نے غالب کا سہرا سنا ہے کہ ”سہرا کہا اور زیادہ تر صفات انھیں کے لیے کہ خدیف سے تغیر یا مبالغے میں اساتذے کے ساتھ پیش کر دیا ہے اور مبالغے میں حقیقت کو مموماً نظر انداز کیے دیتا۔“

۲۔ غالب کے شعر صرف گیارہ ہیں ان میں شاعری کے تمام عناصر موجود ہیں اور کوئی شعر غلابت واقع نہیں۔ ذوق نے جو اسد میں پندرہ شعر لکھے مگر گستاخانہ مطالبات واقع ہیں۔

۳۔ ذوق کے اکثر شعروں یا مصرعوں کی ہندش عقیدہ یا الجھاؤ کا ایک نکتہ پیش کر رہی ہے جو ذوق جیسے شائقِ استاد کے لئے یقیناً محض تعجب ہے۔

۴۔ تاہم وہ کہ ذوق کا دور تھا اور اکثر لوگ یا تو شعر کی حقیقت سمجھتے ہی نہیں تھے یا ہاں، شاہِ غفر کی رضا ہوتی جس اسی پر وہاں کہنے لگتے تھے، جس پر خود غفر خوش ہوتا تھا۔

۵۔ میرزا نے جو قطعہ معذرت میں کہا، اس کا مطلب ہرگز یہ نہ تھا کہ ذوق کا سہرا میرزا کے سہرے سے بڑھ گیا تھا یا نہیں، اپنے شاعرانہ وقار میں کمی آجائے یا نہ رہے، یہاں جو گیا تھا۔ وہ قطعہ صرف اس لیے کہنا پڑا کہ قلمِ معنی میں وقت کی حوصلہوں کا تقاضا ہی تھا۔

۶۔ مولانا محمد حسین آزاد مرحوم نے فرمایا: ”اباب نہشاط حضور میں ملازم تھے“

مثنوی

آموں کی تعریف میں

ہاں دل درو مند زمرہ ساز	کیوں نہ کھولے درخیز پیراز
دعا کا صفحہ پر رواں ہونا	شاخ گل کا ہے گلفشاں ہونا
مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا کہیے؟	نکتہ ہائے خرد منور اکیسے
بارے آموں کا کچھ بیاں جو مانے	غلام نخل رطب فشاں ہو جانے
آم کا کون مر مر میدان ہے؟	شرو شاخ گوے و پوگاں ہے
تاک کے بجی میں کیوں رہے ایں	آٹے یہ گوے اور یہ میدان
آم کے آگے پیش جانے تاک	پھوڑا ہے بنے پھوڑے تاک
نہ چلا جب کسی طرح مقدور	بادشاہ ناب بن گیا انگور
یہ بھی ناچار جی کا کھوتا ہے	شرم سے پانی پانی ہوتا ہے
مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے	آم کے آگے فیشکر کیا ہے
دکھن اس میں نہ شاخ و برگت بار	جب خزاں ہو تب نے اس کی بہار
اور دوڑائیے قیاس کس؟	جہاں شیریں میں بہ مٹاس کہاں
جہاں ہیں جوتی گر یہ شیرینی	کوہ کن باد ہو رو غم گیتی

جہاں دینے میں اس کو کیا جان
 پر دیوں سہل دے نہ سکتا جان
 نظر آتا ہے یوں مجھے یہ شمر
 کہ دوا غائض ازل میں گمر
 آتش گل پہ قند کا ہے قوام
 شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام
 یا یہ جو گا کہ قرطیہ رافت سے
 باغبانوں نے باغِ جنت سے
 انگلیں کے پر حکم رب الناس
 بھر کے پھینچے ہیں سر پہ ٹھہر گلاس
 با آخِ شمر نے شاخِ نبات
 تدوینوں تک دیا ہے اپنی حیات
 تب بوا ہے شرفِ شاخ یہ نخل
 مہم کہاں در نہ لود کہاں یہ نخل
 تختہ پنج زر ایک خسرو پاس
 رنگ کا زر وہ پر کہاں نور پاس
 آم کو دیکھتا اگر اک بار
 پھینک دیتا طلائعے دست افشاں
 رونق کار گاہِ برگ و نوا
 نازش دودمان آب و ہوا
 دہر و راہِ خلد کا تورش
 طوبی و سدرہ کا جگر گوشہ
 صاحب شاخِ برگ و بار ہے آم
 غاس وہ آم جو نہ ازل جو
 دو کہ ہے وائی ولایتِ حمد
 فخر دین عز شان و بہادِ جلال
 و کہ ہے وائی ولایتِ حمد
 فخر دین عز شان و بہادِ جلال
 کار فرمائے دین و دولت و بخت
 چہر و آرائے تاج و مستد و تخت
 سایہ اس کا ہما کا سایہ ہے
 خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے

اے شفیق و خیر و صالح و نیکو
 اس خداوند بندہ پرورد کو
 جب تک ہے نمود سایہ و نور
 وادب گنج و تحت و افسر کو
 شاد و دل شاد و شادمان رکھو
 اور غالب پر مہربان رکھو !

آہوں کی تعریف میں

تہنید :- یہ شہزادی بہا کی آخری بیٹی تھی۔ میرزا غلام نواز حسین
 فتح الملک کے لیے لکھی گئی تھی۔ جسے شہزادہ دارا بخت کی وفات کے بعد دیو
 بنایا گیا تھا۔ شہزادہ میں اس کی ولیدہ کی انگریزی حکومت نے منکوحہ کی اور شہزادہ
 میں اس نے وفات پائی۔ بہادر شاہ کا یہ دوسرا بیٹی تھی میرزا غالب کا بیٹا کر رہا
 تھا جسے کہ یہ شہزادی اور شہزادہ کے درمیان لکھی گئی۔ کیونکہ شہزادہ
 کو والی دہلیت بعد لکھا گیا ہے۔

۱۔ شرح : بہادر شاہ بہادر شاہ اور شہزادہ کے وفات کے بعد
 شہزادہ کے خزانے کا دروازہ نہ کھولے۔

اس شعر کے مطلع میں یہ بحث چھیڑی گئی ہے کہ شعر خط یہ ہے اور شہزادہ
 مصرع سے پہلے۔ تو شہزادہ دیکھا گیا ہے۔ یہ ظاہر اسے خطا یہ لکھنے کی کوئی
 وجہ نہیں۔ بہر حال یہی کہتے ہیں کہ میرزا دارا و شہزادہ کیوں نہ خزانہ دار کا دروازہ
 کھولے۔

۲۔ شرح : کافز کے صفحے پر قلم کا دروازہ ہونا ایسا ہی ہے جیسے شہزادہ
 سے پہلے میرزا نے لکھی۔

۳۔ شرح : اسے قلم ! تو خود سے کیا پوچھتا ہے کہ کیا لکھتا ہے یا نہیں
 کا تبادلاً نہیں کرتی اور محل کا لکھنا ہے کہ جیسے لکھے جاتی ہیں سے
 مثال دہوش کی روشنی تیز تر ہو۔

۴۔ لغات : ربط نشان : خرے ٹپکانے والا۔

مشرح : غرض آموں کی کچھ کیفیت بیان ہو مانی چاہیے اور انداز بیان ایسا ہو کہ لوگ سمجھیں۔ تو خرے کا درخت ہے اور خرے ٹپکا رہا ہے۔

۵۔ لغات : گوسے وچوگان : گیند، تھپا، اصل کھیل کا نام جس پر لگان ہی ہے اور یہ گھوڑے پر سوار ہو کر کھیلتے ہیں۔ بجا بہت کیا جوتا ہے اور سوار اس سے گیند آگے بڑھاتا ہے اور انگریزی میں اسی کو بالو کہتے ہیں۔

مشرح : آم کے میدان کا مرد کون ہو سکتا ہے ؟ آم کے درخت کی شاخ تھپا اور اس کا پھل گیند ہے۔ گویا چوگان کے اس کھیل میں کوئی دوسرا پھل ہم سے باہر نہیں لے جا سکتا۔

میدان اور مرد گوسے وچوگان کی مناسبت سے لائے ہیں۔ آم کو گوسے اور شاخ کو چوگان سے تشبیہ دی ہے۔

۶۔ لغات : تاک : انگور کی بیل، انگور۔

مشرح : انگور کے دل میں مقابلعے کا اردن ہے تو آٹے اور اردن نکالے۔ یہ گیند ہے اور یہ میدان۔

گیند سے پھر یہاں مرد آم ہے اور میدان سے میدان مقابلہ منظور ہے۔ یعنی آم سامنے پڑا ہے۔ میدان مقابلہ آراستہ ہے۔ انگور کو حوض ہے تو آٹے اور قوت آزمائی کرے۔

۷۔ لغات : چلے پھپھو لے پھوڑتا : شکایت بھری آواز سے دل کا غبار نکالنا۔ یہ ایسے موقع پر ہوا جاتا ہے جب کسی کے سامنے کچھ پیش نہ ہو سکے۔

مشرح : انگور آم کا مقابلہ تاک کر سکتا ہے ؛ میں یہ سمجھ بیٹھے کہ چلے پھپھو لے پھوڑتا ہے اور خواہ مخواہ دشمنی کا اظہار کرتا ہے، جس سے کچھ اصل نہیں۔

۸۔ ۹۔ **شرح :** جب آم کے مقابلے میں انگور کچھ بڑا کر سکا تو اس نے خاص شراب کی شکل اختیار کر لی۔ مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی ہستی ختم کر دی اور مٹا دیا اور شراب سے پانی پانی ہو گیا۔

شراب انہی صورت میں بنتی ہے کہ انگور یا نفل کچھ جاتے اور اس کی ہستی مٹ جائے اسی کے پیچھے جی کا ٹھکانا اور شراب سے پانی پانی ہونا لگ گیا اور وہ بھی تیار ہو کر عینی وجود ہی سے اکیونکہ اصل حالت میں آم کا مقابلہ نہ کر سکا۔

ہست ہدی اور دوسری شکل اختیار کر لی۔

۱۰۔ ۱۱۔ **شرح :** آپ کو کیا خبر ہے ؟ بھوسے پوچھیے کہ آم کے سامنے کئی کوئی حقیقت نہیں کہتا۔ دیکھیے۔ آم کی طرح گتے میں چھل آتا ہے اس کی شاخیں ہوتی ہیں، آم بھی پٹے پڑتے ہیں۔ نہ دیر بھل۔ پھر طعن یہ کہ جب خزاں کا موسم آتا ہے تو اس کی بہار شروع ہوتی ہے۔

آخری مصرع کا مطلب یہ ہے کہ گناہ گار میں پکنا ہے اور اس وقت خزاں کا موسم شروع ہو جاتا ہے۔ معلوم ہے کہ سردیوں ہی میں اسے جل کر اس نفاذ میں آتا ہے اور گڑا شکر چینی وغیرہ بناتے ہیں۔ اسی موسم میں یہ چوسا جاتا ہے یا اس کی گٹھیریاں کھاتے ہیں یا رس پیتے ہیں۔

۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ **شرح :** اور کہاں تھیں دوڑا میں ؟ جان کر سب لوگ شیریں کہتے ہیں۔ لیکن اس میں ایسی مٹاں گدلیں جیسی عام میں ہوتی ہے۔ اگر جان میں آم کے برابر شیرینی ہوتی تو کوئیں ایسی آسانی سے کھونکر بھی دے دیتا کہ اس پر خم کا پاؤ ٹوٹ پڑا تھا اور جان دے دیتے ہیں اسے کھائی حاصل تھی۔ پھر بھی وہ آم ہمیں ہمیشہ جان دے دیتے پر بے تکلف آمادہ نہ ہوتا۔

۱۵۔ ۱۶۔ **لغات :** قوام، شیر۔ چاٹنی۔

رافت : ہرانی۔

(گھبیں : شہد۔

رہنما الناس : انسانوں کا پروردگار

شرح : مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ازل کے دواخانے میں پھولوں کی آگ پر کھانا کا شیر تیار کیا گیا۔ اس شیرے کے تار کا نام ریڑھ رکھا۔ مطلب یہ کہ یہ آم نہیں، بلکہ کھانا کو چھوٹوں کی آگ پر پکا کر پاشنی تیار کی گئی۔ وہی آم ہے اور اس پاشنی کے تار کو ریڑھ سمجھ لو۔ اس میں خرابی یہ ہے کہ آم اور اس کے تار کی اصل ایک ہے اور وہ کھانا کا شیر ہے۔ لیکن آم شیر نہیں، بلکہ وہ جو پھولوں کی آگ پر تیار کیا گیا، یعنی حیات لطیف و دلکویز۔

یہاں یہ سمجھنا چاہیے کہ بہشت کے باغیوں نے انتہائی بھرائی سے پروردگار کے حکم کے مطابق گلاس شہد سے بھرے اور ان پر مریہ لگا کر دنیا میں بھیج دے۔

پھر کہ آم کو شہد بھرے گلاس سے تشبیہ دی اور گلاس کا منہ کھلے ہوتا ہے اس لیے تشبیہ کو تام بنانے کی طرح سے اسے سر پر منہ لگایا تھا۔ یا سمجھنا چاہیے کہ حضرت خضرؑ نے کوزہ مصری کی ایک شاخ لگائی اور مدت تک اسے آب حیات سے سینچتے رہے، یہاں تک کہ وہ شاخ ورنٹ بنی، پھر اس میں چھل لگا، ورنہ آم جہیں کیونکر نصیب ہوتا ہے؟ ان شعروں میں بتایا گیا ہے کہ شاخ نباتات مدت تک آب حیات سے بہتی باقی رہی جب کہیں آم تیار ہوئے۔

۴۱-۴۲۔ لغات : ترقی زور : سونے کا یوم۔

خسرو : اس سے مراد ہے ایران کا مشہور بادشاہ خسرو پرویز جسے خسرو دوم بھی کہتے ہیں۔ یہ خسرو ازل یعنی نو شیروان کا پوتا تھا۔ روایت ہے کہ اس کے پاس سونا تھا، ہر گھوم کی طرح خاتم تھا اور اسے ہاتھ سے ہانک کر جو چتر چاہتے تھے، بنا جتے تھے۔ خسرو نے اس کا یوم بنوایا، جو اس کے دسترخوان

پر رکھا جاتا تھا۔ اسے ترچہ زہر اور ملاسنے سے دستہ افشاہ بھی کہتے تھے۔
دستہ افشاہ کے معنی ہیں، سونا جو لہو سے بھینچا جاسکے۔

مشرع : زخموں پر ترچہ کے پاس سونے کا جو ایک میو تھا اور اسے
ایک نادر پتھر سمجھا جاتا تھا، لیکن میرے نزدیک تو اس میں کوئی خوبی نہ تھی۔
رنگ اس کا پتھا اور خوشبو بھی ہی نہیں۔ اگر زخموں پر آم دیکھو پانا ترچہ ہاتھ سے
دب جاتے تو اس سونا اٹھا کر پھینک دیتا۔

رنگ زہر اس لیے کہا کہ سونے کا رنگ داخلی زہر ہوتا ہے۔ لیکن
غالب کا اشارہ سونے کی طرف نہیں، بلکہ ترچہ زہر کی تحقیق کی طرف ہے۔ کیونکہ
عام حالت میں رنگ کی زہری صنعت یا بیماری کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ وہاں
کی نئی کر سکتے ترچہ زہر پر آم کی فاقیت ثابت کر دی۔ کیونکہ اس کا رنگ بھی کپ
جانتے پر عموماً زہر دہ جاتا ہے۔ اور اس میں خوشبو بھی ہوتی ہے۔

۳۴ - لغات - برگ و فوا : سرو مان، لیکن یہاں بظاہر برگ
سے مراد پتہ اور فوا سے مراد مرغاب میں کی قرار دینا ہیں، مگر یہ کار کا
برگ و فوا سے مراد باغ ہیں۔
دوومان و غار ان۔

مشرع : آم وہ پھل ہے، جسے میں نے امروں کی داخلی قرار دینا چاہیے
جو درخت اور پودے پانی اور ہوا سے تربیت کے محتاج ہیں ان کے پودے
مسلطہ میں آم یا صلب فوڑ دانا ہے۔

۳۵ - لغات - طوقی : بہشت کا ایک درخت۔

سدرہ : فعلی معنی میری، لیکن اس سے مراد سدرۃ المنتہی ہے اور یہاں
اور مقام ہے کہ رسول اللہ و مسلم کے سوا کوئی اس سے آگے نہیں جاتا اور
معدنہ معراج کی رات اس مقام سے آگے گئے تھے۔
جگر گوشہ : بکھیلا کر لکڑا۔

شرح : امام بہشت کے واسطے پر پھنے واسطے مسافر کا زور دینا ہے۔
 عربی اور ہندو کے لہجے کا ٹکڑا ہے۔

پہلے مصرع کا مطلب یہ تو صاحب نے یہ قرار دیا ہے کہ اگر کوئی شخص
 آم کھاتے کھاتے مر بھی جائے تو سیدہ جنت میں جائے گا۔

۲۵۔ ۲۶۔ **شرح :** امام کا درخت خوب پھل دیتا ہے انہوں سے
 نہ اچھا نہ بُرا ہے۔ گویا بادل نے اس درخت کو خاص ناز و محبت سے بھرا ہے۔
 آم میں چل تو خاص وقت ہی پر آتا ہے لیکن چاشبہ خاں میں بھی یہ چتر
 سے خالی نہیں ہوتا۔ پتے یقیناً ٹھہرتے ہیں، لیکن اس طرح کہ ساتھ ساتھ چنے
 لگتے آتے ہیں اور شاخیں ہر شہر سبز رہتی ہیں۔

مصرعہ کا وہ آم جو آسانی سے ہاتھ نہیں آ سکتا اور بازار میں نہیں ملتا۔ وہ
 سلطان بنی شہزادے کے باغ کا نیا چل ہے۔ سلطان کے مر اور شہزادے
 ولی محمد کے اور بادشاہ وقت کے تمام شہزادے "مطہ" ہی کہلاتے تھے۔
 جس طرح تمام شہزادے "مطہ" کہلاتے تھے۔

۲۷۔ ۲۸۔ **شرح :** اور جو لامیت محمد کا والی یعنی حاکم
 ولی محمد ہے اور جس کے محل انصاف کے نام سے کہلاتے ہیں وہ بھی ہے۔ وہ
 شہزادہ غور الدین، جس کے چار بھائی کی عزت و شان قائم ہے۔ وہ شہزادہ
 جو حضرت کے زینبہ اور گہاں کا حسن و جمال ہے۔

غور دین سے یہاں دین کا غور بھی مراد لیا جاسکتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے
 کہ یہ نائب کے مدوح شہزادہ غور الملک عربیہ مرزا غور کا اصل نام تھا۔ یعنی
 تمام غور الدین ان ہی کے یہاں وہی مراد ہے۔

کہتے ہیں کہ تمام غور الدین سے جہاں وہ بھائی نے عزت و شان پائی، اسی
 سے جمہور کو زبشت حاصل ہوئی، اسی سے گہاں کو نور ہوا۔

وہی وہی سلطنت اور فیض کا کاروبار ہے، یعنی جنوں کے معاملات ہی

کے قدر سے ملے پاتے ہیں اور وہی سماج، تخت اور گدھی کے لیے واقعی
اور آکرائش کا باعث ہے۔ یعنی یہ تینوں چیزیں اس شہزادے کی وجہ سے
خوب صورت اور دلآویز معلوم ہوتی ہیں۔ وہ شہزادہ جس کا سایہ ہمارے
طرح مبارک سایہ ہے۔ وہ شہزادہ جو خدا کے بندوں پر خدا کا سایہ ہے۔

۳۱ - ۳۲ - ۳۳ - یہ تینوں شعر غنائید ہیں۔

لغات : معنی : فیض پہنچانے والا، فیض دہاں ۔

مشریح : اسے سائے اور نور کے وجود کو فیض پہنچانے والے خدا

بزرگ، محبوب، نیک اس دنیا میں سائے اور نور کا وجود پائی ہے۔ میرے اس آقا
کو جو اپنے غلاموں کی پرورش کر رہا ہے، خزانے، سماج اور تخت کے مال
کو، ایسی جس کی، الیٰ علیٰ کا زمان خود بادشاہ سے چکا ہے، خوش، خوش دل اور
خوش خوش رکھنا اور تیری بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ غائب پر ہمیشہ حاضر رہے۔

اسی وقت، تیرے روز حق کا سہرا، ملا اور شہر کی مٹی کی، کوپے کوپے ہیں پھیل گیا۔ میرزا
پر ہے ان مشتاس تھے۔ سمجھے کہ کیا تھا کچھ آؤ، ہو گیا کچھ آؤ، اسی وقت قطعہ لکھ
کر حضور میں گزانا۔ سب طرف تفریق ہوئی۔ "مولا کا یہ بیان بھی اللہ کے اکثر
بیانوں کی طرح کستر حقیقت اور نرا وہ تر سخن، رانی ہے۔

قطعات

۱۔ یہ حضور شاہ

اے شہنشاہِ فلک منظر و بے مثل و فظیر
 اے جہاندارِ کرم شیوہ و بے شبہ و عدیل
 پانوں سے تیرے علمے فرق ارادت اور رنگ
 فرق سے تیرے کرے کسب سعادت اکیل
 ترا اندازِ سخن، شائے زلف البسام
 ترمی رفتارِ قلم جنبشِ بال جب سدرت
 تجھ سے عالم پہ کھلار ابلہ قرب کسیم
 تجھ سے دنیا میں سمجھا ماندہ بذلِ خلیل
 بہ سخن اورج دو مرتبہ معنی و لفظ
 بہ کرم اورخ نہ تاصیۃ قلام و نیل
 تا ترے وقت میں ہو عیش و طرب کی توفیر
 تا ترے عہد میں ہو رنج و الم کی تقلیل
 ماہ نے چھوڑ دیا، نور سے جانا باہر
 زہرہ نے ترک کیا، ثوت سے کرتا تحویل

۱۔ لغات

فلک منظر

جس کا جہرہ کو آسمان

شبہ :

تکیر، مشابہ

عدیل : برابر، مثال

شرح

اسے شہنشاہ : جس

کے لیے آسمان جہرہ کا

یاد دلا ہے اور جس کا کوئی

شبہ نہ ہو اور جس کا

جہل کے مقابل میں کا

طریقہ ہی ہے کہ کوئی

پر نوازش کرے اور جس

کا کوئی فی اسکاں نہ ہو

۲۔ لغات

فرق : سر، جمل

اورنگ : تخت

کسب :

تخت اپنے سر کی چوٹی

تیرے پاسے مبارک سے

نہ رہا ہے اور تیرے سر کی

چوٹی سے تاج سداوت و

یک تختی حاصل کر رہا ہے۔

غمر کی غویٰ مروج

تشریح نہیں۔ تخت پر بیٹھ

وہ اس کے پاؤں پر مال

تخت کے سر پر ہوں گے،

اور تاج تاجدار کے سر پر

رہے گا۔ تخت بادشاہ کی

اطاعت و فرمانبرداری کا

ظہار و جواز نہ کر رہا ہے اور

تمام بادشاہ کی نیت کے

بے سر پر نہیں آیا، بلکہ اپنے

بے حصول سداوت کا موقع

مجھ کو سر پر آیا ہے۔

۲۔ لغات :

بال جبریل :

حضرت جبریل کے بال پر

شرح :-

کرتی، جس سر کے اعجاز مفاصل کی جیس

ترا اقبالِ ترختم، مرے جینے کی نوید

ترا اندازِ تغافل، مرے مرنے کی دلیل

بخت ناساز نے چاہا کہ نہ دے مجھ کو اماں

پھر خج کج باز نے چاہا کہ کرے مجھ کو ذلیل

پیچھے ڈالی ہے سر رشته اوقات میں گانٹھ

پہلے ٹھونکی ہے بنِ ناخن تدبیر میں کیل

تپشِ دل نہیں ہے رابطہ خوفِ عظیم

کششِ دم نہیں ہے ضابطہ رجحانِ ثقیل

وہ معنی سے مرا صفحہ لقا کی داڑھی

غم گیتی سے مرا سینہ عمرو کی زنجیل

فکر میری گہرا اندوز اشاراتِ کثیر

کلاک میری رقم آموز عباراتِ تحلیل

مرے ابہام پہ ہوتی ہے تصدیق توضیح

مرے اجمال سے کرتی ہے تراوش تفصیل

نکاحی ہوئی جاتی ہے، لیکن
اسے سنوارا جاتا ہے اور تکیے
قیم کی نظر لائی جاتی ہے، جیسے
جبریل کے ہاں دیر لیا جاتا ہے

ہوئی کریم کو نہ کرنا جیسے
نبیہ کون و مکان! غصہ نوازی میں یہ دیو
حیث امن و امان! عقدہ کشائی میں یہ ڈھیل

۴۔ لغات۔ رابطہ: تعلق

قرب کلیم: حضرت موسیٰ کا قرب
ماندہ: دسترخوان

بنال: سخاوت و نیازش

خلیل: حضرت ابراہیمؑ جنہیں خلیل اللہ کہتے ہیں۔

شرح۔ حضرت ابراہیمؑ کی ایک بڑی خصوصیت یہاں تھی اور حضرت موسیٰؑ کی ایک بڑی
خصوصیت اللہ تعالیٰ سے جملہ کم ہونا جس کی وجہ سے کلیم اللہ خطاب پایا۔ تیسرے دم سے اس زمانے میں
دنیا پر یہ آشکار ہوا کہ حضرت کلیم اللہ کو ذات پاری سے گستا قرب تھا۔ تیسرے ہی دم سے دوسرے
مردم پر حضرت ابراہیمؑ کا دسترخوان قسمت کیا۔

مطلب یہ کہ حضرت کلیم اللہ کا قرب اور حضرت ابراہیمؑ کا بنال دونوں جڑوں کا پرتو،

ایک ہی دھندہ موجود ہے۔

۵۔ لغات۔ سخن: گفتگو، شعر و سخن۔

اوج قوت: بلندای دینے والا۔

ناصیر: پیشانی

شرح۔ بادشاہ گفتگو اور شعر و سخن کے ذریعے سے معنی و الفاظ کے درجے کو پہنچا

دینے والا ہے اور اس کا شیوہ کرم ایسا ہے، جو نیک جیسے دریا اور قلم جیسے مکتبہ کی پیشانی پر
جی مارا گیا دیتا ہے۔

اکیل و ستار

شرح

تخت اپنے سر پر ہونی

تیرے پاس مہلک سے

فیہر و شہادت و حرم

پہلے سے آج سادت و

یک خلق و ملکہ ہے

شکر کی غیبی نصیب

تشریح نہیں۔ تخت پر بیٹھتے

دانش کے پاؤں پہ چال

تخت کے سر پر ہوں گے۔

اور یہ کہ تاجدار کے سر پر

ہو جے گا۔ تخت بادشاہ کی

اطاعت و اطاعت و اطاعت

ظہار و باطن و کرم و پند

سور بادشاہ کی زیست کے

بے سر پر بیٹھتا ہے۔ پھر بیٹھ

بے سر پر بیٹھتا ہے۔ پھر بیٹھ

تخت پر بیٹھتا ہے۔ پھر بیٹھ

تخت پر بیٹھتا ہے۔ پھر بیٹھ

تخت پر بیٹھتا ہے۔ پھر بیٹھ

تخت پر بیٹھتا ہے۔ پھر بیٹھ

تیری دانش، میری اصلاح مفاسد کی زمین

تیری بخشش، میرے انجام مقاصد کی کفیل

ترا اقبال، تیرے مہرے جینے کی نوید

ترا انداز، تغافل، میرے مرنے کی دلیل

بخت ناما ز نے چاہا کہ بندے مجھے کواں

پھر رخ کیج باز نے چاہا کہ کرے مجھ کو ذلیل

پہچھے ڈالے بے سر رشتہ اوقات میں گانٹھ

پہلے ٹھٹھکی بے بین ناخین تدبیر میں کیل

تپش دل نہیں بے رابطہ خوف عظیم

کشش دم نہیں بے ضابطہ سحر ثقیل

ذمہ معنی سے مرا صفحہ لقا کی داڑھی

غم گیتی سے مرا سینہ عمرو کی زنجیل

فکر میری گھر اندوڑ اشارات کثیر

کلمہ میری رقم آموز عبارت قلیل

میرے اہام پہ ہوتی ہے تصدیق تو بیخ

میرے اہمال سے کرتی ہے تراوش تفصیل

۷۔ لغات۔ توقیر و ریاضی و انفراد۔

تقلیل و کم کرنا، کمی و قلت۔

ثور: مرد ہے بڑے ثور میں کی شکل بیل کی طرح کی گئی ہے۔

کوت: مرد ہے بڑے کوت میں کی شکل بیل کی طرح کی گئی ہے۔

تکبیل: پھرنا، اٹھانے کا۔

یشت و حق کے نزدیک چاند بڑے ثور میں جو تو پیش و عقب کی شکل ہے اور بزرگ بڑے

ثور میں بزرگ دھرم کی جاتی ہے۔

شرح۔ چاند نے بڑے ثور سے باہر نکلتا پھیر دیا۔ نہ مروج نے بڑے کوت میں پتھر کر

پھرنا ترک کر دیا۔ یہ اس لیے کیا کہ اسے شہنشاہ: تیرے وقت میں پیش و عقب بہت زیادہ،

ہو جائے اور تیرے عہد کے اندر بڑے دھرم کی آجائے۔

۸۔ لغات۔ مفاسد: مفسدہ کی جمع، خرابیاں اور غلطیاں۔

رجین: مجبور، مضبور۔

انجارج: پورا ہونا۔

کنیل: قدم داری اٹھانے والا۔

شرح۔ اسے بادشاہ: تیری عقل و دانش میری خرابیوں اور کوتاہیوں کو درست

کرنے کی خاطر ہے اور تیری بخشش میرے مہم کو دے کرنے کی اور دار بانی ہوئی ہے۔

۹۔ لغات۔ اقبال: قوت، شغ، اہانت۔

شرح۔ تیرے دم و دم کی بدلت چھوٹنے کی خوشخبری مل رہی ہے، اگر تو تھائی ہو،

کرتے تو وہ میرے مرنے کی دلیل ہی جاسکتا، میری تیرے دم و دم پر زائد ہوں اور تو

چھوڑ دانی اختیار کرتے تو مر جاتوں گا۔

۱۰۔ شرح۔ میں نیچے کو میرے سواقت نہیں اس کی خوشخبری مل رہی ہے، اس کے اس و اس

عالم: جو تیرے پہلے چلے واسے آسمان نے مجھے دلیل کرنے میں کوئی کسر نہ رکھی۔

پہلے میرے: پہلی تاریخ کی قرص کی شکل، دھرم، اہانت کے واسے ہیں تاکہ تیرے

مطلب یہ کہ روایات کے دھانسنے کی گمانفہم میر کے تاجی ہی سے لکھنی یا سکنی تھی، لیکن جب تاجی تکریم کی پیکر کر دیا گیا تو اس کا نظر کے کھولنے کی کون سی صورت باقی رہی؟

۱۳۔ لفاظت۔ - خیر ثقیل : لغوی معنی، بھاری چیزوں کو گھسیٹنا۔ وہ طریقی اگر جس کے فریب سے بھاری چیزیں ہرگز سالی اور کھینچی جاتی ہیں۔ آج کی برسوں اور برسوں کے لیے اس قسم کے آٹے بکثرت استعمال ہو رہے ہیں

شرح۔ - وہ ہیں جو تیش و اضطراب سے وہ ایک ہر سے قوت سے بے تعلق نہیں رہیں اس قوت ہی کا نتیجہ ہے۔ میر سے لیے سانس پینا یا کھینچنا ہم خیر ثقیل کے لفظ سے کام لے کر یہ نیز ممکن نہیں اگر یا میر سے کھینچنا لینا بہت مشکل ہے۔

۱۴۔ لفاظت۔ - لقا : داستان امیر مرزا کے ایک مشہور کردار میں کی فارسی میں موفی، پرانے دہتے تھے۔

تفسیر : مولانا طہار اللہی نے یہ نام لکھا تھا کہ وہ فرما سکتے ہیں کہ خیر ثقیل سے لیا گیا تھا کہ حضرت فرما سے اس کا نام نہ ہو۔ عرضی صاحب نے اپنے دوا میں لکھا کہ لغوی معنی ہے۔ داستان امیر مرزا سرنا پا افشا ہے، لیکن اس کے بعد کو داروں کے نام ایسے دئے گئے ہیں جو توجہ کو جوڑتے، مثلاً قمری المیز توری، ایسے داستان گویوں سے قمریہ بنا دیا۔

ثقیل : چمکی لکھنی کہا جاتا ہے کہ عمر کی لڑکیوں ایسی تھی جس میں سب کچھ ہوا ہوا تھا۔

شرح۔ - صفائی کے موتیوں سے میر سے کاغذ کا صفحہ کی فارسی معنی ہوتا ہے۔ صفائی میں طرح شاکی تاجی میں موفی پر لکھے جاتے تھے، اسی طرح تیر و شکر کہا جوں، دو تیروں کی لڑکیاں جاتی ہیں۔

ثانے کے لکھے دوا سے میرا سینہ قمر کی چمکی قبول بنا ہوا ہے، مطلب یہ کہ ساری دنیا کے قمر میر سے جتنے ہیں ان میں

۱۵۔ لفاظت۔ - گھر اندوڑ : موفی میں کرتے دلا، موفی دہتے دلا۔

شرح - میری فکر ہیئت سے اشیاء کے موکل و راسخ ہے اور میرا علم مختصر،
عبارتیں نکلتا سکتا ہے۔

مراور ہے کہ میں سوچتا ہوں تو کثیر و شمار سے جوتیوں کی شکل میں میرے سامنے آ جاتے
ہیں، لیکن کثرت میں تو کم الفاظ میں مطلب پیش کر دیتا ہوں۔ کثیر اشیاء کے ساتھ آپ پر میں
کیسے سمجھ سکتے ہیں۔

۱۳۔ لغات - ایہام : اس طرح بیان کرنا کہ وضاحت نہ ہو مختصر الفاظ میں،
غیر واضح طریق پر بات کرنا۔

ایمال : اختصار۔

تراوش : ٹپکاؤ، چپکاؤ۔

شرح - میں کلی میں طریق پر بھی بات ایسے الفاظ میں کرتا ہوں، میں پر وضاحت تو میں
دیتی ہے میرے اختصار سے تفصیل خود بخود نکلتی ہے۔ یعنی میں سرسری طور پر بھی کہہ دوں اگر وہ
سے اس میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ میں اختصار سے بھی بات کروں، تو جسکی تفصیل چھوڑ دوں،
مطلوب ہے وہ اس میں آ جاتا ہے۔

۱۴۔ لغات - تبصیل : جلدی، جلدی کرنا۔

شرح - اگر میری حالت اچھی ہوئی تو منور و تکلیف دہ ناگوار، اذکار، اگر میری
ظاہر میں ہوئی تو جلدی نہ کرتا۔

تقریباً : جسے کو حالت بنیاد خوب ہے اور کیفیت دینا، انکو پر ہو گیا، محنت پر نہیں
ہوں اس لیے جلدی کرتی پڑی۔

۱۵۔ لغات - خستہ نوازی : بد حال پر نوازشی۔

شرح - اسے کوئی دنگ کی قبل گام : خستہ و بد حال پر لطف و نوازشی دینا، اتنی دیر
یہ تو مناسب نہیں۔

اسے اس و ان کے کہنے : مشکل، نہ سہی کہنے میں، اتنی تو میں !

مردانہا طالی فرستے ہیں، اعتراف کرتے ہیں تو میں دیکھ کر اس قدر منا سبت ہے کہ

تقریب نہیں ہو سکتی۔ یہ سچ ہے کہ بے زمین دیے گئے نہیں کھل سکتی بلکہ اس قدر زمین کوئی رہتا ہے؟

۲۔ بہ حضور شاہ

اے جہاندار آفتاب آثار!	کسے شہنشاہ آسمان اور ملک
تھا میں اک درو مند پیمند نگار	تھا میں اک بے نوا کسے گوشن
ہوئی میری وہ گرمی بازار	تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی
روشناس ثوابت و سید	کہ ہوا مجھ سا ذوق ناچیز
ہوں خود اپنی نظر میں اتنا غوار	گر میرا دوستے ننگ بے ہنری
جاننا ہوں کہ آئے خاک کو غار	کہ اگر اپنے کو کہوں خاکی
بادستہ کا غلام کار گزار	شاہ ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں
تھا ہمیشہ سے یہ عریض نگار	خاندانہ زاد اور مرید اور مداح
نسبتیں ہو گئیں مشخص پار	بارے نوکر بھی ہو گیا احد و شر

نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں

میرا تھے ضروری الاطلس

ہیر و مرشد! اگرچہ مجھ کو نہیں فوق آرائش سر و دستار

کچھ تو جاڑے میں چاہیے آخر تانہ سے ہاؤز مہریرے آزار
 کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش ہے جسم دکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار
 کچھ خریدنا نہیں ہے اب کے سال کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بار
 رات کو آگ اور دن کو دھوپ بھاڑ میں جاتیں ایسے پیل و شمار
 آگ تا پے کہاں تک انسان دھوپ کھائے کہاں تک جاندار

دھوپ کی تابش، آگ کی گرمی

وقتنا دہنا عند اب القدر

مری تنخواہ جو مسقر ہے اُس کے ملنے کا ہے عجب پہنچا
 دیم ہے مردے کی چھپا سی ایک خلق کا ہے اسی چلن پر مدار
 مجھ کو دیکھو تو ہوں بے قید حیات اور چھپا ہی ہو سال میں دوبار
 بسکہ لیتا ہوں ہر پینے قرض اور رہتی ہے سود کی تکرار

مری تنخواہ میں تھائی کا

ہو گیا ہے شریک سا ہو کار

آج مجھ سا نہیں زمانے میں شاعر نغمہ گو سے خوش گفتار
 رزم کی داستان گر سنیے ہے زباں میری تیغ جو سہوار

ہر دم کا التزام گر کیجئے ہے قلم میری، ابرہ گوہر بار

ظلم ہے، مگر نہ دوسخن کی داد

قہر ہے، مگر نہ فحش کو پیار

آپ کا بندہ اور پھروں ننگا؟ آپ کا نوکر اور کھانوں اُستار؟

میری تنخواہ کیجئے ماہ بہ ماہ تانہ ہو مجھے کو زندگی دُشوار

ختم کرتا ہوں اب دُعا پر کلام شاعری سے نہیں ٹھجے سروکار

تم سلاست و ہمد ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

تفسیر۔ تم سے مرزا کا سلسلہ خدمتِ مغل کے وسط میں شروع ہوا تھا۔

تاریخ نگاری کی خدمت میں ہوئی تھی۔ ۵۰ برس بعد کو چھپے بیٹے کی تنخواہ، کھلی حق میں مرزا،

ہیچے ایک قند و مرغور، ۲۰ جزوی نقشہ، ۱۰ جزوی نقشہ، ۱۰ جزوی نقشہ، ۱۰ جزوی نقشہ

اب یہ جتنے پورے ہو چکے، ۲۰ جزوی سے واپس

نقشہ نگار، ۱۰ اب اس کی جگہ پر لکھتے

کب ملتا ہے۔ بعد اس کے سنہ کے اگر آئندہ

۱۰۰۰ کا کریں گے تو میں لکھوں گا، ۱۰۰۰ اس

خدمت کو میرا کام ہے، ۱۰ ابی بات کا حال معلوم

میں اپنی پہچان، کئی مسودہ تمام ہوا ہے، ۱۰ اب

ہے، ۱۰ اب صحت کر کے دینا گا اور ماہ بہ ماہ

کی اسلئے ماکروں کو چھوڑنا ضروری ہے کہ اسے

اس واسطے منوجہ ہو کر ہیں نے اس کو کام کیا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھٹلے کے ادا کی ہیں یہ قطعاً آبر کے حالات کے ساتھ
یا چند روز کے پہلے پیش ہوا ہوگا اور یقیناً ہے کہ بادشاہ نے مرزا کی درخواست منظور کرتے
ہوئے تختہ اوہ بادا ہونے کا حکم دے دیا۔ اسی سے مرزا نے تاریخ لکھنے کا کام
جاری رکھا اور مزید شکایت کا کوئی سبب نہیں رہا۔

۱۔ لغات - اورنگ : تحت ۔

تشریح - اسے بادشاہ ہمیں کے تحت کو آستان کی سنی ہندی عامل ہے۔ اور
اسے ہمیں کو نظام کرنے والے ہوا آفتاب کے سے نشان رکھنے والا ہے :

۲۔ ۳۔ ۴۔ لغات - روشناس : صورت پہچاننے والا : والٹ ۔

تکوا بت و تیار : پر اسے نبوت والوں نے ستاروں کی دو قسمیں
کی تھیں ایک ثابت : یعنی ظہرے ہوئے : دوسرے تیار : یعنی چلنے اور نیچو گر کر رہنے والے
تشریح - میں ایک بے سرو سامان گوشہ نشین تھا : یہاں وہ دھڑکتا جس کا سینہ
زخمی تھا : آپ نے میری آبر بردہائی اس سے میری زندگی میں : یعنی میری اور میں نے
دور سے و شربت پانی کر کے ایسے فوج دار سے کو آسمان کے ظہرے ہوئے اور گوشہ نشین والے
ستاروں کے بھی جان پہچان ہو گئی

۵۔ ۶۔ ۷۔ لغات - مشفق : غمخیز کیا گیا : شفیق : منعم

تشریح - اگرچہ میں بالکل بے خبر ہوں اور اس وقت کے ہمت خود اپنی فکر دی
میں اتنا دلیل و قیاس ہوں کہ اگر میں اپنے آپ کو غلط کہوں تو جانتا ہوں کہ غلط : اس نسبت کو اپنے
بے باعث غلے کے : ہم میں میں خوش ہوں کہ مجھے بادشاہ کا کارزار غلام ہونے کا فخر حاصل
ہے۔ درخواست گوارا : یعنی میں جو شہر سے غارت زاد قاصم : مرید اور شاعر ہوا تھا : اب شکر کا نام
چھوڑ کر رہی ہو گیا : اس طرح چار بیسیں مستقیم ہو گئیں : یعنی خدا زاد : مرید : شاعر اور لوگ : اب
آپ فرمائیے کہ میں حاضر کا لقب : مرید ہی جو : وہ آپ سے نہ کہوں تو کس سے کہوں :

۱۸- لغات - بارز معریہ : حایت موجود۔

وقتاً و بجا خطاب انکار : اسے جاسے پروردگار ! میں آگ کے عذاب سے بچا۔

شرح - بارز معریہ : اگر آپ کے سر پر دستار پہانے لاکوئی تدقی نہیں۔ یعنی جی خوش نہیں پڑتا۔ لیکن جہانے کا موسم ہے۔ آخر کوئی لاکوئی جی خوشی پہانے ہو چکے ہو۔ جو اس کے فخر پہنچاتے سے پڑ سکے۔ اگرچہ میراجم بہت دیر اور سخت ہے۔ لیکن فخر فرمائیے کہ کیا اسے داس درکار نہیں؟ اس سال کے نہیں فرمایا اور اب کے کوئی کپڑا نہیں لایا۔ حالت یہ ہے کہ رات کو آگ تپتا ہیں، دن کو دھوپ کھاتا ہیں، ایسے رات دن کو آگ لگے۔ نور سوچے کہ انسان کہاں تک آگ تپ کر گزارا کرے اور جاندار کب تک دھوپ کھائے؟ دھوپ کی چیز اور آگ کی کرنی دیکھ کر بے اختیار یہ کلام زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ اسے بارز معریہ پروردگار ! میں آگ کے عذاب سے بچا۔

۱۸-۲۶- لغات - بشپار : طریقہ، کار، روش، شیور۔

چھوڑا ہی : غافل اور کھانا جو کسی کے مرنے کے بعد چھوٹے بیٹے جوتا ہے۔

ننگرار : دہراتا، کٹ، چھٹکا، اسیان مراد سودر سود سے ہے۔ اسی سود بار بار ڈالنا ہوتا ہے۔

شرح - میری نگرار : جو حضور نے مقرر فرمائی ہے اس کے سننے کا طریقہ بڑا عجیب ہے۔ چھ بیٹے کے بعد فرد سے کی ہم ادائی جائے اور لوگوں نے اس ہم کو اپنا دستور بنایا ہے۔ اب میر پر نگرار ایسے جی تامل کی قید میں ہوں، کھاتے پیتے اور دوسری نگراروں کے سے طریقہ چاہئے۔ چھ ماہی سال میں دو مرتبہ ہوتی ہے۔ ۱۱:۱۱:۱۱ کیونکہ پدارتوں و عبادت کے ساتھ حیدر کے خلاف سے واضح کروا کر نہ کی میری مرعنی اور خوشی کے مطابق نہیں گرد رہی۔ چھ کھانا چاہئے کہیں اس کی قید میں ہوں اور چار و نام۔ چھ نغیر چارہ نہیں۔

ہر پینے کے قرض لے کر گزار دیکر نہ چرتا ہے اور قرض پر سود دیا جڑ حقا رہتا ہے ۔
 کیونکہ ماہو کار ہر پینے خورد و خوراک پر عمل کرتا ہے ۔ نتیجہ نکلتا ہے کہ پینے میں خورد و خوراک کے باعث خوراک کی تنہائی دیکر خورد میں مری پڑتی ہے گلی میری تنخواہ میں ایک تنہائی کا
 خطرہ دار ماہو کار رہ گیا ۔

۲۲-۲۵۔ لغات ۔ نفرت گو : نہایت شکستہ و دکھ ویر شعر کہنے والا ۔

الترام : لازم چاہنا ، اقام ۔

شرح ۔ کچھ اس دور میں ایسا شاعر موجود نہیں اگر میری طرح شکستہ و دکھ ویر
 شعر کہنے والا شاعر ، یا فانی سے کام لے سکے ۔ زندگی کے مشام کی دو بڑی آفتیں
 کی گئی ہیں : مہم اور مہم ، یعنی لڑائیاں اور محنت و آرائی ۔ آپ مہم کی دستک میں تو میری
 نہایت پر ہورہا تھا کہ کام لے کر اور میدان جنگ کے حالات اس غزل سے بیان کیے گئے ہیں
 سے بہتر نہیں دیکھو ۔ اگر مہم کو ذکر لازم کر لیا جائے تو میرا نظم سوائے پر مہم سے وہاں پہل جی رہا ہے
 گا اور جس شکستہ کو سناں ہمارے دے گا ۔

۲۶-۲۸۔ شرح ۔ اگر میری شعر گوئی کی دائرہ داری تو یہ طریقہ انصاف سے بعید ہوگا
 اور اگر آپ سے پیار نہ کریں تو اسے قہر کہنا چاہیے ۔ میں آپ کو غلام جو کر یوں تنگ پہنوں
 اور آپ کا ذکر ہو کر انصاف کہانی با علم دیجئے کہ میری تنخواہ ہر پینے والا ہوتی ہے نہ زندگی
 میرے نیلے دشوار نہ رہے ۔

۲۹-۳۰۔ شرح ۔ اب میں نے قطعہ و مہم پر غم کرنا ہوں ۔ اس بارے میں مجھے شعر گوئی
 سے کچھ سروکار نہیں ، صرف اپنا حالہ دار و امح کرنا چاہتا ہوں ۔ آپ ہزار برس
 سے مت رہیں اور برس بھی ایسے کہ ہر ایک کے دل میں سوسپٹہ نہ کھائے
 دیکھا اس ہزار ہوں ۔

۲۔ طرح شاہ

اسے شاہ جہاں گاہیر جہاں بخشید جہاں دار ۱۔ شرح :

اسے بادشاہ ! جو جہاں کو فتح کرے گا

جہاں کو فتح کرے گا وہ جہاں کو فتح کرے گا

تو داکرے اس عقدرے کو سو بھی یہ اشارت

ممكن ہے کرے خضر سکندر سے ترا فی کر

گر لب کو نہ دے چشمہ جواں سے طہارت

۲۔ شرح : آصف کو سلیمان کی وزارت سے شرف

جسے فخر سلیمان جو کرے تیری وزارت

ہے نقش مریدی ترا ، فرمان الہی

ہے داغ غلامی ترا ، تو قیام امارت

تو آب سے گر سلب کرے ، طاقت سیلاں

۳۔ شرح : تو آگ سے گر رفع کرے ، تاب شرارت

دھونڈے نہ ملے موجہ دریا میں روا فی

باقی نہ رہے آتش سوزاں ہیں حرارت

سے اصرار پاک ہے گرچہ مجھے نکتہ سرفرازی میں تو غسل

کر لیں یعنی تیار نام کر لیں کہ باب کیے ہیں ہے گرچہ مجھے سحر طرازی میں مہارت

میں پایا نہ سکتا۔ کیونکہ نہ کروں مدح کو میں ختم دُعا ہر

۴۔ لغات: قاصر ہے ستائش میں تری میری عبارت

حضرت سیدنا کو در۔ نوروز ہے آج اور وہ دن ہے کہ ہوتے ہیں

شرح: تبارکی صنعت حق اہل بسمارت

کہ ذات سے بڑی تجھ کو شرف مہر جہاں تاب مبارک

۵۔ لغات: غالب کو ترے غلبہ عالی کی زیارت

نوروز تری طرف سے وزارت پر ماسر ہو اور غریب کی جی جنت گاہ۔

معنی کے ایک صفحہ یہ بھی ہو سکتے کہ حضرت سیدنا تیری وزارت کریں تو

۶۔ لغات: فقر کا باعث ہو۔ ہمارے شاعر مدح و ستائش میں مولانا صوفی کا خیال نہیں رکھتے۔

۷۔ لغات: نقش: مبرہہ قریر۔ نقش مریدی کا مطلب یہ ہے کہ مفسر

۸۔ شاہیوں نے پیری مریدی مکتبہ میں ہماری کر دیا تھا، اسی سے بادشاہ کو پیر و مرشد

میں کہا جاتا تھا اور ملک باقاعدہ ان کے مرید بن گئے تھے۔

توقیع: وہ کاغذ ایسا پر شاہی و مکتبہ میں۔ قربان

شرح: میں شخص کے پاس تری مریدی کی غرض ہو سمجھنا چاہئے کہ اسے

۹۔ تعالیٰ کی بارگاہ سے علم مل گیا، ایسی تو دنیا میں ائمہ انسانی کا منصب و وظیفہ ہے کسی

۱۰۔ قرآن کی پیشانی پر تیری تعالیٰ کے دانہ کو میری اور مگرانی کا درجہ حاصل ہے۔

۱۱۔ لغات: سلسب: جھوٹا، کھینچا، نکل کر دینا۔

نیلان ۱: بجا اورانی

شرارت ۱: شکرانی ہونا اور ہنر کرنا۔

شرح: اگر ثوبانی سے بہاؤ کی قوت پھر سے اور آگ سے جھڑکنے کی

فصلت زائل کر دے تو دوسرا کی موتوں میں بہاؤ تو حوش سے نکلے اور بھیجی ہوئی
آگ میں حرارت باقی نہ رہے۔

۱-۲۔ لغات: کوفل و اہلک، ارمی، جملوت۔

قاصر: قصور دار عاجز۔

شرح: اگرچہ حق جان کرستے ہیں بلکہ کمال انکس جہ اور جادو بیانی میں

پر مدعی عبارت لکھا ہوں، لیکن اسے بادشاہ امیر افریقہ (مظاہر تیری قرینت کا حق اور

نیلان لکھتا ہے) میں بیٹے کیلئے میں مدعی کو مدعا پر ختم کر دیا؟

۱-۱۰ لغات: اظہار فی: دیکھنے والا، تباہی۔

شرح: ۱۔ ان کو دیکھنے والا: یہاں سے کہ انکسوں کے خدائی کار ساریوں

کا انکار کر رہے ہیں۔

نوروز: یہ تقریب آگ بکے بڑی مجلس میں داخل ہونے

پر دعائی جاتی تھی اور غور مرنے سے اس بار سے جس شخص کو موٹی بات یہ ہے، یہ واقعہ

وہاں کو کہتا ہے اور کبھی ۱۰ اور ۱۱ کو بھی اس سے تجاوز نہیں۔

۱۱۔ لغات: فقیر: گناہگار، بدبخت۔

شرح: یہ بڑی مجلس میں آگ بکے واسطے ان کی ہاں پر کیا گیا ہے بادشاہ:

جیسے دنیا کو رہنے کر دینے سے سوچ کی سوسنری اور تری ماسوں اور خائب کو

نیر سے انچے آگ سے کی زبردت کا شراب لایا ہے۔

۴۔ تقریب چہار شنبہ صفر

تفسیر: ہجے چار شنبہ، آخر ماہ صفر چلو
 ماہِ محرم کے رخصت ہونے پر چہار شنبہ کو
 آخری چہار شنبہ کو حضرت رسول اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تھے، مسلمانوں نے
 یہ دن دعا و استغفار اور صدقہ و خیرات
 کے لیے مقرر کر دیا۔ چنانچہ جس دن
 وہ فوت ہوئے تھے، وہی چہار شنبہ تھا۔
 ہجری ۱۱۰۰ میں اس روز لاکھوں ہی آفتاب
 میں آفتاب کے چھٹے ہفتے تھے
 اس مناسبت سے یہ تقریب رکھی گئی۔ وہ اپنے روز نامے میں اس
 کی کیفیت بیان کرتا ہے: بادشاہ اراک نے اس دن کے لیے ایک ہفتہ کی عزا
 کر دی اور اسے پانچ دن کے لیے عزا کر دیا۔ بعد ازاں وہ اپنے
 میں فرمایا کہ اس دن کو عزا نہ کرو۔ شاہی حکام نے اسے یاد دلایا کہ اس دن

خود پہنے۔ پھر وہ عظیم فریفت محل کو دیکھ کر، پانچ پانچ دوسری عیالیت کو، اسات گورنر منزل
کو، پانچ اس کی کم کو، چھ لکھت گورنر اگر کو، ایک لکھت کو پانچ ایک لکھت کے اور پانچ لکھت
فریفت کے، پکشان تھو کو ہر گھنٹائی کے، اور چار ستر لکھت کے، ایک سورج خزانہ کو
اور ایک عظیم عیالیت کو۔

فریفت یہ تخریب، اسی طرح حرمات منائی جاتی تھی۔ دسی پر کسی وقت یہ شعر کہے
گئے، جی میں رسم کے معنی پہلوں کا ذکر بھی آگیا ہے۔

۱۔ لغات :- ناند : بیت بڑا کوٹہ، مثل کا بیت بنی رہی۔

شرح : ناند عفر کا آخری حصہ ہے۔ چھو، ایک بڑا بری مثل بھی
خوشیوں والی شراب سے بھر کر بارغ میں رکھ دیں۔

۲۔ شرح : ناند کو بھی آئے، جام بھر بھر کر پینے اور دست بڑا کر دینا
پھر سے۔ چھو کو انکب پائے، یعنی اس پر پاؤں نہ پڑنے دے۔

۳۔ شرح : اسے غائب اثر کیا گیا ہے، اب تو مجھے بادشاہ کی مدد
کے سوا کوئی کھانا پڑتا پسند ہی نہیں آتا۔

۴۔ شرح : دیکھ : بادشاہ کے حضور میں سوتے چاندی کے پھلے پختے
ہیں، ان کی چمک دیک کے ساتھ سورج کی چاندی اور چاند کا سونا بھی نام ہے۔

۵۔ شرح : یوں سمجھنا چاہیے کہ پختے نہیں، بلکہ انھیں سورج اور چاند
چاند و مینا سے متعلق کر دیے گئے ہیں۔

۵۔ مدح نصرت الملک

نصرت الملک بہادر ! مجھے بتلا کہ مجھے ؟ ۱۔ شرح :
تجربہ سے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے
۲۔ شرح : ۱۔

بنا کر میرے ساتھ لیے گرچہ تو فوج ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے
 جو اس قدر اداوت ہے رونقِ بزمِ مہر و مہر تری ذات سے ہے
 تو کس دہرے سے ؟ اور میں وہ ہوں کہ گرجی میں کبھی غور کروں
 مطلب یہ کہ بعض اقسام و اکرام سے تو دین دلی اور
 غیر کیا، خود مجھے نفرت میری اوقات سے ہے
 نشتگی کا جو بھلا جس کے سبب سے سر پرست
 نہیں جو سکھ و یقیناً اس کو سبب ذاتی
 نسبت اک گو نہ مرے دل کو ترے ہات سے ہے
 بہت و عقیدت ہے ہاتھ میں تیرے رہے تو سن دولت کی عناں
 جو سرا سر غلام ہے یہ دعا شام و سحر قاضی حاجات سے ہے
 مینی ہے ۔
 مولانا بلالہاں تو سکندر ہے، مرا فخر ہے بلنا تیرا
 باطل بجا فرماتے ہیں گو شرفِ خضر کی بھی مجھ کو ملاقات سے ہے
 کہ اس مقام پر استفادہ استعجاب میں نہایت اس پہ گزے شگلاں ریو وریا کا زہن سار
 ہوت ہے، جس سے ایسے معانی غالب خاک نشیں اہل خرابات سے ہے
 جیل پیدا ہوئے، یعنی وطنِ سران ہی سے یہ واضح کر دیا گیا کہ اس اداوت کا تعلق
 دل اور رواج سے ہے ۔
 ۳۰۔ اوقات : دو سوسے معانی کے علاقہ حیثیت، ایسا
 استقامت یا مقدر ۔
 شرح : حقیقت یہ ہے کہ اگر تو جھکا کر چا کرے اور چاہ و چاہ رکھائے

تو مارتے جہاں پر روشنی ہو جائے کہ چاند سورج کی بعض عین پوری کائنات میں رونق صرف تیری بدولت ہے اور میں ۱۵ ہوں کہ دل میں سورج کی تو فیروز ایک طرف رہا، خود مجھے اپنی حیثیت و بساط سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

مطلب یہ کہ آٹھ عالمی مقام ہے کہ چاند سورج بھی اپنی بزم کی رونق کے لیے تیرے محتاج ہیں اور میں آٹھ حقیر ہوں کہ اپنی ذات سے بھی نفرت ہوتی ہے۔

۴۔ لغات : میر دوست : اس وقت دلی اہل۔

شرح : اگرچہ تو چاند سورج کی انجمن کے لیے رونق افزا ہے اور میں بالکل بے حقیقت ہوں، لیکن غلطی کا مہذب ہو جس کے سبب سے میرے دل کو تیرے ہاتھ کے ساتھ ایک گوند ثبت پیدا ہو گئی ہے۔

اس نسبت کے ثلث پہلو ہو سکتے ہیں، مطلب :

۱۔ ہوا آٹھ دھنوں کا وطن ہوتا ہے۔ وہیں ہستہ دلوں کے لیے مرہم کا مکان کر دیتا ہے۔

۲۔ ہستہ دلوں پر نوازش میں ہاتھ کا کام ہے، اس سے نسبت پیدا ہو جاتا کسی تشریح کا محتاج نہیں۔

۳۔ سمجھا جاتا ہے کہ صروح کا ایک ہاتھ زمینی تھا، اسی لیے مرزا تھے، اپنے ہستہ دلی اور صروح کے ہستہ ہاتھ کے درمیان نسبت پیدا کی اور اس مسئلے میں تکلف سے لفظ المبر دست دلائے

چونکہ صروح کی شخصیت اس وقت تک پوری طرح واضح نہیں ہو سکی، اس لیے آخری مطلب کے متعلق اپنی طور پر لکھنا مشکل ہے لیکن اوقات خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ صاحب فخر آباد کے فراموش میں سے کوئی ہے۔

۵۔ لغات : توسن : گھڑا

قامی حمایت : ضرورتیں پوری کرنے والا یعنی خدا سے کام رو تو ہوتا۔

شرح : میں صبح و شام خدا سے تلمذ و تواتر سے دعا کرتا رہتا ہوں

کہ ملک کے کھڑے کی باگ تیرے ہاتھ میں رہے ۔

۶۔ **شرح :** میں تجھے اپنا سکندر ماننے بیٹھا ہوں اور تجھ سے ملنے کو

باصطغریت سمجھتا ہوں ، اگرچہ مجھے غزو کی طاقت سے بھی شرف حاصل ہے ۔

مطلب یہ کہ میرا بھی ذوق علم و عرفان کے پیکر حضرت غفر سے ہی استغناء

کرتا رہتا ہے ۔ توفیق و برتری میں میرے لیے سکندر کی حیثیت رکھتا ہے ۔

۷۔ **لغات :** ریلو : مکر و فریب

ریا : دکھاوا ، نمود ، نمائش

اہل خرابات : افطی معنی شراب خانے کے رہنے والے

جہاز صنی وہ لوگ ، جن کو ظاہر و باطن یکساں ہوتا ہے ، ارامتیار ، اہل صبر و تقویٰ ۔

شرح : اگرچہ غائب خاک نشیں یعنی عاجز و سبکس ہے ، تاہم اس کا

ظاہر و باطن ایک ہے ، لہذا اس پر مکر و فریب یا ریاکاری کا کمان نہ ہوتا ہے

یعنی اس نے جو کہہ لیا ہے ، وہ مجھے خصوص اور دلی ارادت پر مبنی ہے ۔

۶۔ بیان مصنف

منظور ہے گزارش احوال واقعی اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

سوچت سے بے پیشہ آباغی کچھ شاعری و دلچیزِ عنقریب نہیں مجھے

آزاد و آزاد مرد اسکا کج مسلک ہرگز کبھی کسی سے مدد و ت نہیں مجھے

کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہونا مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے

استاد شہ سے جو مجھے پرغاش کاغذ یہ تاباں یہ حال ، یہ حق نہیں مجھے

جامِ جہاں مناسب شہنشاہ کا تعمیر
 سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے
 میں کون اور تختہ جاں اس سے دیا
 ہزار افسانہ خاطر حضرت نہیں مجھے
 سہرا کھایا زندہ امتثالِ امر
 دیکھا کہ پارہ طیرِ اعانت نہیں مجھے
 مقطع میں آپٹری تھی سخن گسترانہ
 مقصود اُس سے قطعِ محبت نہیں مجھے
 مدنے سخن کسی کی طرف ہو تو رو سیاہ
 سودا نہیں جنوں میں وحشت نہیں مجھے
 قسمتِ بری سہی پہ طبیعتِ بری میں
 ہے شکر کی برکد کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول میں غالبِ اند گواہ
 کتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

ذوقی سے طواریا بادشاہ کے انسا پر سہم سے کے معاسلے میں حرفانہ انداز
 اختیار کیا تو مرزا نے یہ قلم بطورِ مہذبت پیش کر دیا۔

اس سلسلے میں ایک ضروری گزارش اور ہے۔ بعض مدائیموں میں بتایا گیا ہے
 کہ نہایت اعلیٰ حکیم نے اپنی و بار کو تاکید کر دی تھی اور ذوقی کا سربراہ تھا جس نے کسی شعر
 کی روانہ دیں۔ چنانچہ چار پانچ شعر شکر کے دربار میں خاموش رہے۔ تاہم بادشاہ نے
 متاعِ شریعت کی تو دربار میں خاموش نہ رہ سکے۔

یہ افسانہ سرا سر بے بنیاد ہے۔ درحکم کو ایسی تاکید کی ضرورت تھی کہ موافق
 اور مل اس کا متقاضی تھا۔ اگر حکیم اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھا تا جانتی تو وہ بادشاہ
 ہی سے کہ سکتی تھی جو حکیم کے زیر اثر تھا اور جس نے حکیم کے اصرار پر یہ ردِ احوال
 اہمیت کی وہی عہد ہی کے جیسے کوشش کے سلسلے میں جنتِ دیوانوں کے مسخرہ محفول
 سے انکھیں چد کر لی تھیں۔ ویسے افسانہ صرف ذوقی کی پاسداری میں بنایا

کئے گئے۔

خود مرزا محمد حسین آزاد مرحوم کو خورد سے ذوق کے قصیدہ ملا کے پہلے میں فرمایا
 ہے کہ مرزا غالب عرض کیے کہ آؤ میں نے بتایا، بیگم صاحبہ کا حکم پہنچا ہے کل استادانہ
 نہائی تو دربار میں کوئی ان کے شعروں پر تعریف نہ کرے۔ ذوق نے دم گرم بھر
 کر فرمایا۔ اس بیگم کو کیا ہو گیا ہے خدا کی قسم ہند کرتی ہے، میں جب قصیدہ
 پڑھوں گا تو دینے میں خاص کے دو دیوار، دو دالوں کا، چنانچہ دوسرے دن نصیب
 پڑھنے لگے تو تمام دربار دم بخود، بادشاہ کے ذوق کو اس جا کر لگے دیکھا پھر
 کیا ہوں (یعنی پڑھو)، پھر تو بڑھنے لگے تو سب کے وہی بدل کھل گئے۔
 (ذوق ہی ذوق ص ۳۰۱)

۱۔ شرح : میں یہاں حقیقی حالات ٹھیک ٹھیک عرض کر چکا ہوں، اپنے
 میں طبیعت کی تعلیم میں نہیں پڑنا چاہتا۔

مطلب یہ کہ یہ نقد صرف دو حالات عرض کرنے کے لیے لکھا گیا ہے، جو
 پیش آئے، اپنی طبیعت کے احساس بیان کرنا نہیں چاہتا۔

۲۔ شرح : زمانہ قہریم سے میر سے آوا اہواز سپاہیانہ خدمات میں صرف
 رہے ہیں اور شاعر میر سے بے عزت کا ذریعہ نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جو خانہ دہی پشتا پشت سے شیر نہ پنا آنا ہے اور مستقر طور
 پر اہل بیت میں شمار ہوتا ہے، اس کے کسی فرد کے لیے اہل قہریم ہونا یا شہر دہی میں
 ایک دوسرے سے مقابل کرنا کچھ عزت کا باعث نہیں۔ میر نے یہاں اہل بیت کو
 اہل قہریم پر ترجیح دی، بلکہ یہ بہتر بطور خاص، ہمارے کہیں دذکرین تو
 پشتا پشت کے آباؤ اجداد پر کہیں دذکرین؟ اس پہلے میں میر سے یہ کیا خاص
 جاویدیت ہو سکتی ہے، جو خود میں نے شروع کیا!

۳۔ شرح : میری روش آزاد اور میرا دل سب کے لیے کھلا ہوا ہے۔
 میرا طریقہ یہ ہے کہ سب سے صلح کا ہوتا تو جاری رکھا جائے۔ بلکہ کبھی کسی

سے ہرگز دشمنی پیدا نہیں ہوئی

مولا نا صاحبانی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ دوسرے مصرع میں صداوت
کی نفی کے لیے تین تاکیدیں لائے
”لفظاً ہرگز“ ”مطلقاً“ ”کیسے“۔

۴۔ لفظ ”کبھی“ میں ہر زمانہ شامل کر دیا گیا ہے۔

۵۔ لفظ ”کسی“ میں ہر فرد شامل ہے۔

۶۔ شرح : میں نے مانا کہ نہ جگے ”دنیا“ ورجو حاصل ہے، نہ میں کسی
انجی عمر سے بے نامہ ہوں، نہ میرے پاس دولت ہے، یہ ایں امر کیا میرے لیے
اعجاز و اکرام کا یہ ہوسو کم ہے کہ میں بہادر شاہ ظفر کا غلام ہوں ؟

مطلب یہ ہے کہ بادشاہ سکے دوسرے قلموں کو چان و منصب بھی حاصل
ہے اور دولت بھی، بلکہ ان میں سے کوئی بھی چیز حاصل نہیں، تاہم میں اس کو
بڑی بات سمجھتا ہوں کہ غلاموں میں شامل ہوں۔

۷۔ لغات : ”پرغاش“ : رنج و کاوش

شرح : میں بادشاہ کے استاد سے رنج و کاوش کا خیال کروں ؟
مجھ میں نہ یہ تاب ہے، نہ یہاں ہے، نہ طاقت ہے۔
مولا نا صاحبانی فرماتے ہیں۔

”اس قلمیے میں میں ہیں پہلو سے منہ منقلاوت

کو مصتفے نے باندھا ہے، تاہل اس کے

ہے کہ اہل قلم اس سے استغلاوت کریں۔

اس حکیم سیو شاعر کے سوا کسی کو نہیں سوجھتے۔

یہ عرش کے خزانے سے نکلے ہیں اور اس

کی کئی شاعروں کے سوا کسی کے ہاں نہیں

بکھی نثر کی سب سے کو ضرورت ہے اور میں ہیں

مضمون پر تیار کو قلم اٹھانا پڑتا ہے ، ان
مضامین کی تشریحیں و تفسیریں شاعروں کی خوش
چینی کے بغیر نہیں ہو سکتی ۔

۶۔ لغات : ہام جہاں نما : اسے ہام ہم اور جام و شید بھی کہتے ہیں
بیان کیا جاتا ہے کہ یہ ہام ہمشید شاہ ایران کے بیٹے یونانی حکماء نے خواہ مخواہ
پیش نظر رکھ کر بنایا تھا اور اس سے دنیا کے حالات معلوم ہو جاتے تھے
شرح : بادشاہ کا ضمیر ایسا ہام ہے ، جس سے زمانے کے حالات
معلوم ہو جاتے ہیں ۔ اس بارے میں نہ بچے قسم کھانے کی ضرورت ہے ، نہ گواہ
پیش کر سکتے ہیں اور نہ گواہ پیش کرنا ضروری ہے ۔

مطلب : کہ جس قلب روشن کو ہر چیز کا علم ہے ، کیونکر اس کی حیثیت ،
ہام جہاں نما کی ہے ۔ اسے سو گند اور گواہ کی حاجت ہی کیا ہے ؟
۷۔ شرح : کہاں میں اور کہاں (دو شعر گوئی) : بچے اس سے کیا واسطہ ؟
ہاں اگر وہ شعر کہتا ہوں تو صرف اس لیے کہ حضور کا دل خوش کرنا منظور ہے ، یہی
اپنی خوشی ہے ، اور دو شعر نہیں کہتا ، صرف آپ کی خوشی کے لیے کہتا ہوں ۔
میرزا کو خاموشی نہ تھی ، چنانچہ خیال رہا کہ ان کے شاعرانہ کمالات کا مظہر ہو جس
لغیات سے ، نہ کہ اردو و فارسی ، چنانچہ ایک مرتبہ پہلے بھی ذہنی کو قلم لکھ کر سکتے
ہو سکتے کہا تھا ۔

اسے کہ در برم ششست و معنی میں : اگتم
کے کہ چڑھ گئی فلاں در شعرم رنگ میں است
دست گفتمی ، لیک ہی دانی کہ بود جائے وطن
مکتر از ناگہ دُشمن گر تلخ چنگ میں است
خادیم ہیں تا بہ دینی ، نقش اسے رنگ رنگ
بگزدانہ نمود ، اردو کہ ہے رنگ میں : است

ماست می گویم من و از دست مر توئی کشید

ہرچہ در آفتاب فرقت ، افس نغمہ من است

لیکن دیکھیے وہی اردو دیوانہ ، جسے وہ اپنے رنگِ قرار دے رہے تھے ۔

ان کی عظمت کے لیے رشتہ پر بنا اور غلامی شاعری کے نکات سے شگفتہ
اب تک بہت کمروہ ہے ۔

۸۔ لغات : زورِ اقتضائِ امر : حکم بجا لانے کی غرض سے ۔

شرح : میں نے سہرا لکھا تو صرف اس لیے کہ حکم بجا لانے کا تقاضا
یہی تھا اور مجھ پر واضح ہو چکا تھا کہ اس حکم کو ماننے بغیر چارہ نہیں

ہوگا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے ۔ یہ حکم زینتِ محفلِ حکیم ہے ، غائباً حکیم ، جس نے
خان کے ذہب سے دیا تھا ۔

۹۔ لغات : سخن گسترانہ : سخن گستران سے مراد ہے

پیدا نا ، سخن گسٹری بہات یا شعر کا پھیلاؤ ، جس کے بہت سے اوراق ہوتے

ہیں ۔ مطلب یہ کہ شاعر شعر گوئی کے خوش ہیں اپنی ستائش کے متعلق اس بات پر کہ

جائزہ ، جو فی الحقیقت مقصود نہیں ہوتا ، اور انھیں محض شاعری سمجھنا چاہیے ۔

سخن گسٹری سے مراد محض سامعین کی تعریف و تحسین دلا ہوتی ہے ۔

شرح : سر سے کے مطلق میں میں نے سخن گسٹری سے کام لیا تھا ۔

اس کا مطلب ہرگز یہ نہ تھا کہ کسی کو پہنچ دوں یا کسی سے بہتہ کا داشتہ کوڑا دوں

۱۰۔ شرح : اس میں یعنی مطلق میں کسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو تو ظہر

کے ، میرا کمرہ بہا ہو جائے ، پہلا میں مراد ، سودا کی دور و عشرت زدہ تھا کہ

بادشاہ کے استاد کی طرف اشارہ کرتا ہے

۱۱۔ شرح : ناہ کہ میری قسمت بری ہے ، لیکن طبیعت بری نہیں ۔

میں اس امر کا شکر ادا کرتا ہوں کہ کسی سے شکایت کی کوئی وجہ نہیں ۔

مطلب یہ کہ میری قدر و قیمت نہ ہوتی ، میری جونی چاہیے تھی ، اور تھی میں

سکون و اطمینان میں نہ ہوا، مگر میری فطرت و طبیعت بڑی نہیں۔ یا شعر گوئی کے کلمات کے بیچے کسی سے اختلاف کی گنجائش نہیں۔ وہ ایسی ہمدرد ہو گیا ہوں اس پر قانع ہوں اور شکر کا مقام ہے کہ کسی سے شکایت نہیں۔ میری قسمت ہی میں یہ لکھا تھا کہ کلمات کے باوجود زندگی اسی صورت سے گزرے۔

مولانا طہطائی فرماتے ہیں :-

”یہ شعر مصنف کی بد فطرت کی سند اور استاد ہی کی دستاویز ہے۔ ہر دلکھ محض غزل میں قافیہ پائی کیا کرتے ہیں ان کی فکر کو ان مضامین کا یہ کی طرف رسائی نہیں جس راہ پر دو گئے ہوتے ہیں، وہ اس میدان سے گھس گئے۔ شیخ انصاری لکھتا ہے کہ شعر کبھی فطرت و قلب پر منحصر ہے۔ کبھی غرض و معاشات کے بیچے شعر اسے غزل گوئی شاعری ہی قسم کی ہے کہ موسیقی و مصوری کی طرح ہی لکھایا جاتا ہے۔ بعض حلقہ نفس و تخیل و روح کے سوا اور کچھ ہر نہیں سکتی، لیکن دوسری قسم ہنر و انعام و افتخار کے قابل ہے۔ ہر ادیب دینی فکر اس کا محتاج ہے۔“

۱۲ - شرح : اسے فاقہ ! میں نے جو باتیں اور کہیں ہیں خدا گواہ ہے کہ ان میں سچا اور راستہ نہ ہوں۔ میں سچ کہتا ہوں اور بھوٹ کی جگہ عادت نہیں پڑی کہتا ہوں، کیوں کہ مجھے بھوٹ کی عادت نہیں۔

مولانا طہطائی فرماتے ہیں کہ دوسرے مصرع میں کہ ”یا بیان کے واسطے ہے یا توجہ و تخیل کے واسطے۔“ یا تو یہ مطلب ہے کہ جو کچھ کہہ دوں، سچ کہہ دوں بھوٹ کی جگہ عادت نہیں یا یہ بات سچ کہتا ہوں اور اس کی وجہ و علت یہ ہے کہ بھوٹ کی جگہ عادت نہیں۔

مگر حاصل دونوں صورتوں کا ایک ہی ہے۔ لیکن اتنا فرق ہے کہ پہلی صورت میں ہر انشراح مطلب حاصل ہو تا ہے۔ اور دوسری صورت

ہے یعنی جرات کر کے کہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ جھوٹ کی عادت نہیں
 اور سب سے بڑا سچ جھوٹ تو لازم آیا کہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، جھوٹ نہیں،
 جبکہ عظیم ہر داکر جھوٹ نہیں تو لازم آیا کہ سچ ہے۔ دوسری صورت
 میں بالکل بھٹ مطلب حاصل ہو جاتا ہے، یعنی جو کچھ میں کہ رہا ہوں
 اس کی وجہ بیان کی کہ جھوٹ کی بجائے عادت نہیں۔

۷۔ چکنی ڈلی

جسے جو صاحب کے کنبہ دست پر یہ چکنی ڈلی تمہید :-
 نریب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے مرنے کا تاب نہ
 خامہ انگشت پر دندان کہ اسے کیا کہیے نام ایک خطر میں کھیا
 ناظرہ سر پہ گریباں کہ اسے کیا کہیے "جو غلطی غلطی
 مہر مکتوب عزیزان گرامی کہیے غلطی نفس بھر ہے،
 حرر بازو تھے شکر فانی خود آرا کہیے دس تھامیہ ایک نقد
 مسی آلودہ سر انگشت حسیناں کہیے جہ کردہ میں نے کلاڑ
 داغ طرف جگر عاشق شیدا کہیے میں کہا تھا، تقریباً
 خاتمہ دست ملیاں کے مشابہ کہیے کہ مولوی کرم حیدر
 سر پتائی پر مں زاو سے ۷۷ کہیے میرے وہ دست تھے
 ۷۷ کہیے اصفوں نے محسوس میں
 ۷۷ کہیے ایک چکنی ڈلی بہت
 پاکیزہ اور سچہ ریشہ

پہلے کتبہ دست پر اختر سوختہ تھیں سے نسبت دیجے
 رکھ کر کہ سے کہا کہ خال مشکین رُخ دکشیں یہاں کیسے
 اس کا کہ تہیائے نغم کیسے میں نے بٹھے حجر الاسود دیوارِ حرم کیسے فرض
 بیٹھے نورس شعر کا ناز آہو سے بیابانِ ختن کا کیسے
 قدم کھ کر ان کو پایا سے میں وہ ڈالی سے
 وضع میں اس کو سمجھ لیجئے قافِ تریاق سے لی
 رنگ میں سبزہ نو خیز مسحا کیسے پھر شعر اس
 تھے سے نغم کرتے صومعے میں اسے بھڑائیے گر مہر نماز
 کے بعد فرماتے ہیں میکہ سے میں اسے خشیت خم صبا کیسے
 فرض کر ہیں باقیں پھینکیاں ہیں کیوں اسے قفلِ درِ گنج محبت کیسے
 شمار سب کب یاد کیوں اسے نقطۂ پرکارِ تمنا کیسے کہتے ہیں
 خواہ حال کیوں اسے گوہرِ نایاب تصور کیسے
 نے یادِ کارِ غالب کیوں اسے مردِ کب دیدہ علقا کیسے
 میں نکھار ہے در غزلہ میں بیکرِ نواب کیوں اسے کمرہٴ پیرا بن یہاں کیسے
 قریا بالقرین احمد خان کیوں اسے نقشِ پتے ناقدِ سلطی کیسے
 مرحوم بکلیہ کے لئے مرحوم کیسے ہندو پرور کے کتب دست کو دل کیسے فرض
 مرحوم نے اور حالت اور اس چکنی سپاہی کو سویدا کیسے

کے ایک عزیز سال کی نصیحت تھی، قلوب صاحب سے بیان کیا کہ جس زمانے میں مرزا صاحب یہاں آئے ہونے لگے، ایک مجلس میں جہاں مرزا بھی موجود تھے، اور میں بھی حاضر تھا، شعراء کا ذکر ہو رہا تھا۔ انشاء اللہ میں ایک صاحب نے فیض کی بیعت تعریف کی، مرزا نے کہا کہ فیض کو جیسا لوگ سمجھتے ہیں ویسا نہیں ہے۔ اس پر بات چلی۔ اس نے کہا کہ فیضی جیسے پہلی ہی بارہا کتر کے رویہ و نگاہ تھا، اس نے زمینی سوشلزم کا عقیدہ، اس وقت آقا کو کر پڑھا تھا۔ مرزا نے اب بھی اللہ کے بندے ایسے موجود ہیں کہ وہ چار سو تہجہ تو دوچار شعرا کو ہر موقع پر چاہتے کر سکتے ہیں، غالب شاعر سے ایک چٹائی لٹی نکالی کہ چٹائی پر رکھ لی اور مرزا سے درنیاست کی کہ اس ڈال پر کچھ ارشاد ہو۔ مرزا نے گیارہ شعرا نقد اسی وقت موزوں کر کے پڑھ دیے۔

دو فوٹو، نقابوں کے سسٹے میں چند امور ملاحظہ کر دینا ضروری ہے۔۔

۱۔ بطور نقد "نور شعرا" ہے، گیارہ شعرا نہیں، جیسا کہ یادگار غالب میں مذکور ہے۔ نہ تو اس شعرا جیسا کہ مرزا غالب کے کہنا ہے۔

۲۔ پہلے نقاب میں مولوی کریم حسین کا نام آیا ہے، یہ بگرام کے رہنے والے تھے، دوبارہ دودھ کی طرف سے گلشن میں مغارات کے صاحب زادوں تھے، جس صدا، سید علی بگڑی اور قلوب عمارا لکھ پڑے میں بگڑی انہیں مولوی کریم حسین کے پوتے تھے۔

۱۔ لغات : کتب دست : چلیں۔

چٹائی ٹولی : ایک قسم کی چھایا، دودھ میں پاک کر لکھ کر بنائی ہے اور نہایت نفیس و لذیذ ہوتی ہے۔

شعر : آپ کی مقبول ہر چٹائی ٹولی رکھی ہے اس کی تعریف جس

تقدیر بھی کی جاسکے، بالکل بہادر و ریا ہوگی۔

۴۔ لغات : انگشت پد تالیاں : راتوں میں انگلی پیسے ہوئے،
نہایت حیران۔

ناطلعہ : بات کرنے کی قوت، گویائی۔

سر پر گرہ بیان : گریبان میں سر ڈالے ہوئے بیعت
غور و فکر میں ڈوبا ہوا۔

تشریح : قسم حیران ہے کہ اس فنی کے بارے میں کیا لکھا جائے۔
گویائی غور میں ڈوبی ہوئی ہے کہ اسے کیا کہا جاسکے۔

۵۔ لغات : جرز : پناہ کی جگہ، مہار، تنوید۔

شکر فانی خود کارا : ہی سنور کر رہنے والے جبین۔

تشریح : اسے عالی تقدیر عزیزوں کے خط لکھ کر رکھا جاسکے یا ہفتے

سنور رہنے والے جبین کے بازو کا تنوید کہا جاسکے۔

۶۔ لغات : سر انگشت : انگلی کا سرا۔ پور۔ لہجہ میں

پانچ انگلیاں ہیں، اور انگوٹھا، دوم انگشت شہادت، سوم بیچ کی انگلی، چہارم

اس کے سامنے کی انگلی، پنجم چھٹی اور چھٹی اور بیچ کی انگلی کے درمیان جو انگلی ہے

اسے عزیزوں میں کی انگلی کہتے ہیں، کیونکہ اس سے لوگوں میں لگاتے کا تصور ہے۔

طرف : گوشہ

تشریح : آیا اسے جبین کی وہ انگلی قرار دیجیے، جس کے بارے کو

میں لگی ہوئی ہے، یہ وہاں کیجیے، عوام شہر کے گوشہ جگہ میں ہو جائے۔

۷۔ لغات : خاتم : انگوٹھی، منبر۔

مانا : مشابہ، مانند۔

تشریح : اسے حضرت سلیمانؑ کے اٹھ کی انگوٹھی سے تشبیہ

دیجیے یا کیجیے کہ وہ کسی پرندہ کے سر پران کی مانند ہے۔

۷۔ شرح : اسے بھون کی قسمت کے لیے جوئے ستارے سے ، نسبت دیکھے یا بھان کے دیوار رخسار کا مشک پیدا کیے ۔

۸۔ لغات : گجر لاسور : وہ مقدس میاد پتھر جو کبے کے ایک گوشے میں نصب ہے ، اسی سے کبے کے گرد عورات کے آثار و انجام کا صاب کیا جاتا ہے ۔

ناف : ٹشک وہ ہے ہرن کی ناف ، جو نام ہرن کی ناف سے جڑی ہوتی ہے اور اس میں خون تین رہتا ہے ۔ ہرن قریب کرتے ، وقت اسے کس کر ماندہ پیتے ہیں تاکہ خون خوشے تر اسے ۔ وہی خون کبے کے سرے میں ٹشک ہو کر چھوٹی چھوٹی ڈبیروں کی صورت اختیار کر لیتا ہے ۔ یہی ناف کہتے ہیں جنھیں کات کر ٹشک لگا دیا جاتا ہے ۔

فصل : چھٹی ترکستان کا ایک علاقہ ، جو اسی نام کے دریا سے سیراب ہوتا ہے ۔ یہ یا قد سے تقریباً دو سو میل جنوب میں ہے ۔ زمانہ ماضی میں بکیر و آدم سے چھین نامہ کا بڑی راستہ فصلی ہی سے گزرتا تھا ، پاکستان کی طرف دور کر داکرم کے راستے دور جاتے ہیں ۔ وہاں اسی طرحی کپڑے اور ٹشک بیلان کی خاص چیزیں تھیں ۔

شرح : آٹا اسے کبے کی دیوار کا گجرا لاسور فرغ کر لیا جائے یا جاپان کٹن کے ہرن کا ناز کیا جائے ؟

۹۔ شرح : اس کی وضع قطع پر نظر ڈالئے تو اسے نراقی کا "تی" - نسیم کیا جاتا ہے ۔ رنگ دیکھئے تو یہ گنا منہ سب معلوم ہوتا ہے کہ میا کے چہرے پر خط نیا نیا نکلا ہے ۔

۱۰۔ لغات : صومعہ : گرجا ، مطلقاً بات نمود کے لیے بھی منسوب ۔
مہر تھانہ : سجدہ گاہ ، لکڑی یا کھال سے بنی کی ،
ٹشک کا ٹکڑا : جسے شہر معزات مسجد سے کی جگہ رکھ دیتے ہیں ۔

خوشیت خم صہیا : شراب کے شنگے کی اینٹ۔ شنگے

میں ڈھونڈ کر اس بھر کر اس پر اینٹ رکھ دیتے ہیں اور مٹ بند کر دیتے ہیں تاکہ اس جوش میں آجائے۔ پھر اسے صاف کر کے بوتلوں میں بھر بیٹے ہیں۔ اس سے وہ اینٹ بھی مراد سے کہتے ہیں جو شراب کے شنگے کو نظارے رکھنے کے لیے پہلے کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔

شرح : اگر اس پختی ٹلی کو عبادت گاہ میں شہر نماز تعمیر میں تو شراب خانے میں شنگے کے اوپر کی اینٹ کھانا چاہیے۔ اگر شنگے کو سدا دہ بیٹھ والی اینٹ فرض کیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ شراب کے شنگے کی وہ اینٹ دھوا دھون کی سہرا گاہ ہوتی ہے۔

۱۰۔ لغات : ہر کار : دائرہ کیسے کا آکر۔

شرح : اس پختی ٹلی کو خزانہ محبت کے دروازے کا قفل کیوں کہا جائے ؟ اسے آرزو کی یہ کار کا مرکز کیوں کہا جائے۔

۱۱۔ شرح : اسے کیوں ایسا مونی تصور کریں جو کہیں پایا نہ جاتا ہوا اسے کیوں چشم غنا کی تہی کیوں ؟

۱۲۔ لغات : سہنی : عرب کی ایک مشہور میسر۔

شرح : کیوں اسے سہنی کے ہیں اس کی گھنٹھی کیسے ؟ کیوں اسے سہنی کے تانے کا قفل پا کیوں ؟

۱۳۔ شرح : مناسب یہ ہے کہ حضور کی تہی کو دل فرما کر ہیں اور اس پختی ٹلی کو اس دل کا سیاہ نقطہ قرار دے ہیں۔

۸۔ کلکتہ

۱۔ شرح : کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں !

اے ہمدان ! اٹھنے آک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

وہ سپنہ زار ہائے مُطر کہ ہے غضبِ کلّہ کا چوڑا کرنا تو
 وہ تازہ نہیں بتاں خود آرا کہ ہائے ہائے
 ہوئی جیسے ایک تیر
 صبر آرزو وہ اُن کی نگاہیں کہ حُف نظر
 میرے جیسے وہ آ
 طاقت نہ باوہ اُن کا اشارہ کہ ہائے ہائے
 نگاہیں تڑپا رہا
 وہ میوہ ہائے تازہ شیریں کہ واہ : واہ : کر دی

وہ بادہ ہائے تاب گوارا کہ پائے ہائے
 ۲۔ لغات :
 مُطر : تھوڑا سا بارش

شرح : کلّہ کی یاد تازہ ہوتے ہی میری ہنسی غمِ غم کے ساتھ
 دھڑکے بھرے، تازہ تازہ اور شاداب سپنہ زار آگئے، جن سے دُور رہنا غضب
 اور غم ہے۔ پھر وہ نرم و نازک قہقہے، جو ہر وقت ہنسنے لگتے رہتے ہیں۔ ہائے
 ہائے : میں کیا کہوں !

۳۔ لغات : صبر آرزو : صبر کا امتحان لینے والا
 حُف نظر : چشم بددور، دماغی کمزور ہے۔ مولانا جامی لکھنوی کے نزدیک
 "ہمت" ہندی لفظ معلوم ہوتا ہے "قریب" "مقصود" "میں" "ہمت" "میں" "میں" سے
 درست قرار دیا گیا ہے۔ خواجہ حالی نے، اسے ہائے ہائے سے لیا ہے۔

بواصم ویرا جس سے تارا راج سارا
 وہ ہے ہمنشہ نظرِ عجم و قضا ہمارا
 یہ تریبِ عربیوں کے جیسے استغمال ہوئی ہے، یعنی انہی تہذیبِ عربیہ
 کے جیسے ہی ہے آتے ہیں، مثلاً خواجہ حالی کا منہ، جو بلا شکر
 طاقت نہ با : طاقت چھین لینے والا۔

شرح : چشم بددور : اُن تازہ میوؤں کی دوزخ میں، جو صبر کا امتحان

میں ہیں اور جانچتی ہیں کہ دیکھتے دیکھتے پانی ہیں ہے۔ پھر ان کا ایک ایک اشارہ دے دے اسے ہیں کیا کہوں، کس طرح برداشت کی تاب دے رہے تھے پھر میں سے جاتا ہے۔

۴۔ شرح : کھاتے کے دو تازہ، مینٹے اور سزوار میوے کر، دیکھتے ہیں زبان واہ واہ پکار اٹھتی ہے۔ دلوں کی دو دھڑکیں دھڑکنے لگیں اور طبیعت کے عین موافق شرا ہیں : دے دے : کھاتے کے ذکر سے ان تمام چیزوں کی یاد تازہ کر دی۔

۹۔ بیسی روٹی

نہ چوچھرا اس کی حقیقت، حضور والا نے مجھے جو بھیجی ہے، عین کی روغنی روٹی نہ کھاتے گیوں، تم کھاتے نہ تھلہ سے باہر جو کھاتے حضرت آدمؑ پر۔ بیسی روٹی تمہید : خوام خاتی نے کھا ہے۔

جب بادشاہ کوئی عمدہ چیز پکارتے تھے تو اکثر معامین ادراسی دربار کے چمے ہر طور اور لوش کے چمے کرتے تھے۔ اس کے شریف میں نہیں کہیں مرزا کوئی قند یا رانی بادشاہ کے حضور میں گزارتے تھے۔ یہ قدر بھی اسی قبل کا ہے۔

خوام بہ سب نے ساتھ ہی ایک لطیفہ لکھا ہے :-

میں دشت پر چار شاہیں : اور لوش سے کرایا : ہر کارہیتے والا ایک طالب علم جو مرزا سے کچھ پڑھا کرنا تھا۔ مروجہ تھا چوہدری کے چمے جاسنے کے بعد اس نے مرزا سے شقیب ہو کر پوچھا : بیسی روٹی ایسی کیا تاد رہی تھی کہ بادشاہ کی سرکار سے یہ طور اور لوش کے نظم ہوتی

ہے ؟ مرزا نے کہا : ” اسے دھقی : چنا وہ چیز ہے اس سلف کی
 وافر جناب انہی میں نریا کی مٹی کو دنیا میں بچہ پر جسے علم ہوتے ہیں ۔
 بکے دہلے ہما پیتے ہیں ، بھرتے ہیں ، پکاتے ہیں اور بچے سے بکڑی
 بچہوں کا کرکھاتے ہیں ۔ بیبا بچہ پر ظلم ہوتا ہے ۔ ایسا کسی پر نہیں
 ہوتا ۔ وہاں سے ظلم ہوا کہ اسے چھنے ! تیری غیر اسی میں ہے کہ
 جا سے سا خنے سے چھا جاتے ، اور نہ ہمارا بھی کچی گی چا ہتا ہے کہ
 تم کو کھا جائیں ۔“

۱- شرح : حضور والا نے مجھے حسین کی جو روئی روئی بھی ہے اس
 کی حقیقت بچہ سے نہ پوچھ ۔

۲- شرح : اگر حضرت آدمؑ کیوں نہ کھاتے اور یہ مینی روئی کھا لیتے
 تو بہشت سے باہر نکلنے کی نوبت نہ آتی ۔

۱۰- غیروں کی وفاداری

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری
 کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے
 بس اب بگڑے یہ کیا شرمندگی جانے دذل آباد
 قسم لو ہم سے اگر یہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے

شرح : وہ دن گزرنے ، اب تم غیبت پانے ہو جگہ غیر غیروں
 کی وفاداری نور شور سے بیان کرتے تھے اور ہم چپ رہتے تھے ۔ اب اب سے دکان
 ہو گیا تو اس دن ہمارا کوئی قصور ہے ؟ اور تم اسے کیوں شرمندہ ہو سہ اگر ہم سے مانا
 جلتا پھوڑا شرمندگی جانے دو ، ہم سے جو اور قسم سے لو کہیں نہ کہیں گے کہ ہم
 حقیقت میں تم سے صاف صاف نہیں کہتے تھے ؟

محبوب کو غیروں کی وفاداری پر برا بھروسہ تھا اور نہ ان کی کسی کی نہیں تھی

تم ان کی وفاداری کے متعلق بڑی تقریریں کرتے تھے اور ہم دہشت گرد عرق کرنے سے باز رہتے تھے۔ پھر غیروں کی حقیقت کھل تو ان سے تعلقات ختم ہوئے۔ محبوب کو اپنے پیچے دھوڑوں پر اتنی شرمندگی ہوئی کہ عاشق سے بھی مناجنا چھوڑ دیا۔ عاشق مناجنا ہے : ”یقین رکھو، میں کوئی بات تمہارے خلاف نہیں کہوں گا۔ لیکن شرمندگی کے باعث مجھے دیر اسے غلام نہ رکھو۔“

۱۱۔ شریک غالب

سیہ گلیم ہوں۔ لازم ہے میرا نام نہ لے
جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے
ہو نہ غلبہ بیستہ کبھی کسی پہ مجھے
کہ جو شریک ہو میرا، شریک غالب ہے

۱۔ لغات : ”سیہ گلیم“ : سیاہ رنگ کا لباس۔ ”میرا نام نہ لے“ : میرا نام نہ لے کر
”جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے“ : جہاں میں جو کوئی فتح

پانے اور راندہ ہونے کا خواہاں ہے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ میرا نام نہ لے۔
۲۔ شرح : ”جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے“ : جہاں میں جو کوئی فتح

پانے اور راندہ ہونے کا خواہاں ہے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ میرا نام نہ لے۔
۳۔ شرح : ”جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے“ : جہاں میں جو کوئی فتح

پانے اور راندہ ہونے کا خواہاں ہے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ میرا نام نہ لے۔
۴۔ شرح : ”جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے“ : جہاں میں جو کوئی فتح

۱۲۔ روزہ داری

انظارِ صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو ،
اس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے
جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو
روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے ؛

تفسیر :- اس قلم کے سبب سے خود مرزا نے منشی نجف علی حقیر کو
ایک خط میں لکھا : ”مرقومہ میں چونکہ تشکیک ہے“

”اگرچہ آپ کہہ ہیں ، روزہ رکھنے کی کیاں ، عمر بہتر روزہ داری سے
ہوں۔ روزہ داری کو کیا کہوں ، کیا حال ہے۔ میرے چار ہفتہ دست گزار
ہیں وہاں روزہ داری۔ آخر روز بھے یوں اٹھ آنا ہے کہ پاد مرگے
پھر رہے ہیں۔ یہ پریشانی اور یہ بے سلامتی۔ نہ شناسا ، نہ برقاب۔
”آرام کے اسباب کیاں سے ہوں“ ہذا قلم صوم کی جگہ کچھ دستگاہ
”و“ انویہ ریاضی اور یہ قطر کل محفوض میں پڑھا تھا۔ بہت جلد اور
خوش ہوئے تھے۔

اس سے نتیجہ یہ نکلا ہے کہ باقی دورِ نظیر میں چونکہ تشکیک و کوئی ہی دربار
میں پڑھے تھے۔ اس حق رہنمائی مکتوب کی ساتھ میں تا بیع مکتوب (مکتوبہ)۔

۱۔ ۲۔ لغات : اقطارِ صوم : روزہ کھولنا

دستگاہ : توفیق ، سرورِ سامان ،

شرح : میں شخص کے پاس روزہ کھولنے کے لیے کچھ مراد سامان

جو اس کے لیے لازم ہے کہ روزہ (خامد) رکھے اور کوئی روزہ نہ چھوڑے۔

جس کے پاس روزہ کھول کر رکھنے کو کچھ نہ ہو، ۱۰ روزہ رکھنے کے معنی رکھنے
تو آخر کیا کرے ؟

مورخ طباطبائی فرماتے ہیں کہ اس قافلے میں ”ناچارہ کا لفظ نفس و بے قوا
کے معنی بھی دیتا ہے اور اس سے بخیر مراد روزہ نہ رکھنے کے معنی بھی نکلتے ہیں

۱۲۔ رخصت کی عرصہ داشت

مسل تھا مسل ہوئے یہ سخت مشکل آپڑی

مجھ پہ کیا گزرے گی اتنے روزہ حاضرین ہوتے

تین دن مسل سے پہلے تین دن مسل کے بعد

تین مسل تین تبریریں یہ سب کچھ کون ہوئے

۱۔ لغات : مشیل : جہاب

تبریر : روزہ نشترائی جو عورت سے جہاب کی گرمی و ڈر کر سننے کے لیے
ہل جاتی ہے۔

شرح : جہاب سے دینا آسان تھا لیکن سخت مشکل یہ آپڑی کہ اتنے
دن و رات نماز میں حاضر ہونے بغیر کچھ پر کیا گزرے گی۔ پھر دنوں کی تفصیل بتا دی
اور کتنی غماز پر چھوڑ دی۔ فرماتے ہیں : تین دن تو جہاب سے پہلے ضروری ہیں
تاکہ منافی پریمائے ربیع و دوا جو طیب بیمار دن کو جہاب سے پہلے اس سے
ہٹائے ہیں کہ اندر کے ماسدہ سے یک چائیں تاکہ جہاب میں یہ آسانی خارج ہو سکیں
تین دن جہاب کے بعد طیبوں کے نزدیک ایسے ہوتے ہیں کہ پانا پھرنا نہ چاہیے
تین جہاب سے پہلے تھے اور ہر جہاب کے بعد ایک ایک دن تبریر یعنی تھقی۔ یہ کہتے
ہیں جو سنے : تین تین تین تین تین تین اگل بارہ دن ہو گئے تو یہ ایک درخت

ہیہہ جو غیر جانفروئی کے ہند میں بادشاہ کے حضور پیش آئی گئی۔
خواجہ جان فربانے ہیں کہ سبیل کے ان تمام دنوں کی تفصیل جس میں حکیم بیٹے
پھر سنے سے منع کرتے ہیں کسی عمر کی سے بیان کی ہے۔

۱۴۔ درباری

گو ایک بادشاہ کے سبب خانہ زاد ہیں
در بار دار لوگ بہم آشنا نہیں
کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کرتے بیکے سلام
اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

۱۔ لغات : سلام کے بیٹے کانوں پر ہاتھ دھرتا : دربار
مقتدر میں دستور تھا کہ بادشاہ کے سامنے درباری ایک دوسرے کو سلام کرتے
تھے تو انہیں پر نہیں کانوں پر ہاتھ رکھتے تھے، مانتے پر ہاتھ صرف بادشاہ
کے بیٹے مخصوص تھا اور دوسری سلام بادشاہ کے در و کسی دوسرے کو کرتا
خطاب ادب تھا۔

بعض کانوں پر ہاتھ دھرتے کا مطلب ہے ۔ تاوانت اور آشتا ہونے کو
دکھانا ۔ مرزا نے اس کے اس نام سے انداز بھی دربار میں دستور معلوم ہے
ایک پر لغت معقولیہ کیا گیا ۔ فرماتے ہیں ۔

شرح : اگرچہ سب لوگ ایک بادشاہ کے گھریں پہلے ہونے
لیکن درباری لوگ ایک دوسرے سے آشنا نہیں ہیں ۔ یہ ہے کہ وہ سلام کرتے
رفت کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں ۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے
کو نہیں جانتے ۔

خواجہ عاتق نے لکھا ہے :-

”بادشاہ کے دربار کا طریقہ تھا کہ انہیں میں ایک دوسرے کو سہم کرتے وقت دایاں ہاتھ دائیں کان پر رکھ لیتے تھے اور

۱۵۔ میرزا جعفر کی شادی

شبستہ انجمن طوے میرزا جعفر

کہ جس کے دیکھے سے سبکا ہوا ہے جی محفوظ

ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں ناب

تہ کیوں ہو ماؤۃ سال عیسوی محفوظ

۱۔ لغات : شبستہ : مبارک

طوے : ترکی میں شادی کو کہتے ہیں

شرح : میرزا جعفر کی شادی کی مطلق ایسی مبارک ہے کہ
دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔

یہ شادی مبارک سال میں ہوئی ہے، پھر اسے غائب ! اس

کے سال عیسوی کا ماؤۃ لفظ محفوظ کیوں نہ ہو ! لفظ محفوظ

سے شبستہ تاریخ نکلتی ہے۔

(۱۶)

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی

بنوا بزم طرب میں رقص نامید

گفتا کتاب سے : تاریخ اس کی کیا ہے
تو بولا : انشراح جشن جمشید

۱۔ ۲۔ لغات : ناہید : ترجمہ کتاب : جسے تاریخ گمانے کی روئے
مانا جاتا ہے ۔

انشراح : سنوی معنی کھٹا ، یہاں خوشی اور انسا طرود ہے ۔
شرح : حبیب میرزا یحییٰ کی شادی ہوئی تو شادی کی مجلس میں
دیر نہ رہے رقص کیا ۔ کتاب سے اس شادی کی تاریخ پوچھی گئی تو اس نے کہا :
انشراح جشن جمشید " یعنی جمشید کے جشن کی خوشی اور انسا طر ۔
یہ سنہ ہجری کی تاریخ ہے اور اس کے بعد وہیں ۱۲۵۱ء

رباعیات



بعد از اتمام بزم عید اطفال
ایام جوانی رہے ساغر کش حال
آپہنچے ہیں تما سوارِ تسلیم عدم
اسے عمر گزشتہ ! یک قدم استقبال

لغات : اتمام : پورا کرنا ، انجام کو پہنچانا ۔

ساغر کش : پیالہ پینے والا یعنی جام شراب ۔

سوار : سیاحی ، گھارنا حوالہ زمین و زمین بھی مراد دیتے ہیں ۔ سمندر کا سفر کرتے ہوئے زمین آتی ہے تو دور سے سیاحی کا ایک خط معلوم ہوتی ہے ۔ اس طرح یہ معنی ہو گئے ۔ حوالہ شہر ، حوالہ عظیم ۔

استقبال : آگے بڑھا ، پیشوائی ، پیشروئی ، زیادہ آگے ۔

شرح : جب بچپن کا نہندگی بدی ہو چکی اور ظاہر ہے کہ بچپن کی زندگی کی بہترین تصویریں جو سکتی تھیں کما سے لوگوں کی بزم عید کہا ہوتا تو جوانی کا دور آگیا ۔ جو حالات پیش آئے رہے ، ان کے مطابق نہندگی بسر کرتے چلے گئے ۔

مطلب یہ کہ حال ہی میں مجھ سے ۔ نہ ماضی میں کو شش کا کچھ خیال آیا ۔ مستقبل یعنی آئندہ کے لیے کچھ سوچا ۔ اس طرح پچھتے پچھتے ملک عدم کے آس پاس پہنچے ہیں ۔ یہی پورے سفر ہو گئے ہیں اور اب اس دنیا سے کوچ کا وقت قریب آگیا ہے ۔

اسے گزرا ہی ہوئی عمر ! ایک قدم آگے بڑھ ۔

مطلب یہ کہ گزرا ہی ہوئی عمر وہیں مل جائے جو امید و حیات ہے تو جوانی کا زندگی کے بہار آفریں دن پھر نوٹ آئیں



شب زلف و رخ عرق نشاں کا غم تھا
کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا
دیا میں ہزار آنکھ سے صبح تنک
ہر قطرہ اشک و دیدہ ہر غم تھا

لغات : رخ عرق نشاں : وہ چہرہ جس سے پونے ٹپکے ہو۔
طرفہ تر : عجیب تر۔
شرح : رات محبوب کی زلف اور پسینے سے لڑ چہرے کا غم کو تار
میں کیا بتاؤں کہ میرا حال کس درجہ عجیب تھا۔
ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ میں ہزار آنکھوں سے صبح تک رونا رہا۔ اور اس
شرح جو آنسو بہاؤں ان میں سے ہر قطرہ کھاؤں غور ایک آنسو بھری آنکھ تھا۔
رات کی مناسبت "زلف" سے اور رخ عرق نشاں کی مناسبت سے
سے اور رونا بھی ہر طریق پہا نظر آتا ہے۔

ہزار آنکھ سے اس کے بے روئے کہ رخ محبوب پر چسپنے کے قطرے
پے در پے آ رہے تھے۔ جو کہ قطرے گر بھی رہے تھے اس بے آنسو کو قطرہ
اشک بھری آنکھ بن گیا۔



آتش بازی ہے جیسے شعلہ اطفال
ہے سوزِ جگر کا بھی اُسی طور کا حال

تھا موبد عشق بھی قیامت کوئی
لڑکوں کے لیے گیا ہے کیا کیل نکال

نکات : موبد : ایجاد کرنے والا، نئی چیز بنانے والا۔
شرح : جیسے انٹل بازی لڑکوں کا کہیں ہوتی ہے، بچہ کے سوز
اور بھیجی کی کیفیت کا بھی یہی طور معلوم ہوتا ہے۔
عشق ایجاد کرنے والا بھی قیامت کا پتلا تھا جو حسین و جمیل لڑکوں کے پیسے
ایک کیل نکال گیا۔

مطلب یہ کہ جس طرح بچے آتش بازی چھوڑ کر غش ہوتے ہیں اور اسے غصہ
کیل سمجھتے ہیں، اسی طرح یہ عیس و جمیل لڑکے بھی غصہ کیل نکالنے کی غرض سے
عاشقوں کے بچہ جوتے ہیں، شے اٹھتے ہیں تو کہہ کر بڑبڑاتے ہیں۔



دل تھا کہ جو جان درد تھسید سی
بے تابی رشک و حسرت ویر سی
ہم اور فسر دن اسے تنجی ! انوس
نکرار روا نہیں تو تھسید سی

نکات : جانی درد تھسید : وہ جان، جس کی تھسید، یعنی
ابتدا ہی درد سے برقی ہو۔

فسر دن : افسردہ روز۔

نکرار : بار بار۔

تجلید : ساز و کرنا۔

شرح : چارادلی ایسا تھا جس کی جان کا آغاز ہی درد سے ہوا تھا۔

یعنی جوندگی کے درد کو بھیس چکا تھا۔ جسیں رشتہ کی جیتی اور دیر کی حسرت ہے
تو ہوا کہے۔

لیکن اسے محبوب کے جلوسے : چار بجے کیف ہو چکا اناٹ صدا ہوئی ہے۔
جس پھر پیچھے سے سوز و گداز کی آواز دے۔ اگر حیران و بارہ کرشمہ دکھانا جائز نہیں تو
یہ بکھلے اور ٹوٹاں میں پہنچے ساسوز و گداز از سر نو پیدا کر رہا ہے۔

مراد یہ کہ جو چیز گزر گئی اور معدوم ہو گئی، اگر دوبارہ نہیں آ سکتی تو تیرا جلوسہ پہلی
سی کیفیت سے مرے سے پیدا کر سکتا ہے



ہے غلی حقد قماش لڑنے کے لیے

وحشت کدے تلاش لڑنے کے لیے

یعنی ہر بار صورت کا غدر باد

بٹتے ہیں یہ بد معاش لڑنے کے لیے

نات : حقد قماش : جہ کا ناتا یا مسد سے بنا ہوا یعنی

صدمہ حقد کرسنے والے۔

وحشت کدے تلاش : تلاش کا وحشت خانہ، یعنی دنیا، جہاں ہر شخص

سزا پر وار تلاش معاش میں سرگرم ہے۔

کاغذ باد : ہوائی کاغذ، یعنی پتنگ، لٹکڑا۔

بد معاش : جو گریہ کی حاصل کرسنے کا طریقہ بڑا ہو۔

شرح : مخلوق پڑنے کی طرف سے مراد اسد بنی ہوئی ہے، گویا
 اسد کو اس نے بطور لباس پہن لیا ہے تاکہ اس کا یہ وحشت ظاہر نہ ہو دیکھتے ہیں بلکہ اسے
 کا پورا لڑائی کا میدان بنا ہوا ہے۔

یعنی دو آدمی جب کہیں ملتے ہیں تو کھڑکیوں کی شکل میں ملتے ہیں، جن کا مقصد
 یہ ہے کہ ہوتا ہے کہ ایک دو سرے سے ٹپریں، اسی جیسے کہ پڑتا ہے کہ وہی لوگوں کا
 طریقہ معاشرہ بھی نہایت برا ہے، کیونکہ یہ ملتے بھی ہیں تو پڑنے کی طرف سے۔



دل سخت نثرند ہو گیا ہے، گویا
 اُس سے گلہ مند ہو گیا ہے، گویا
 پر بار کے آگے بول سکتے ہی نہیں
 غالب! منہ بند ہو گیا ہے، گویا

نکات : نثرند : ٹپریں دھڑکیں۔

شرح : دل سخت نہیں، اور اسد ہو گیا، گویا اسے محبوب سے ۔

شکایتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ جب محبوب کے سامنے شکایتیں پیش نہیں کر سکتے، تو ان شکایتوں
 کا نام لیا ۔

اسے غالب : ہماری حالت تو یہ ہے کہ گویا منہ بند ہو گیا ہے ۔



دیکھ جی کے پسند ہو گیا ہے، غالب
 دل رگ کو بند ہو گیا ہے، غالب

واشد کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں
سونہا سوگند ہو گیا ہے ، غالب :

لفات : سونہا سوگند ہونا : نیند نہ آنا قسم ہو جانا یعنی بالکل نہ آنا۔
شرح : اسے غالب ! میرے دل کو دکھ بہت ہے یہ معلوم ہوتا
ہے اور دکھ کا وجہ سے دل کی حرکت نہ کئے دے بالکل ختم ہو گئی۔
خدا کی قسم ، رات کو نیند آتی ہی نہیں ، یہ سمجھنا چاہئے کہ سونہا میرے لیے قسم
کے برابر ہو گیا ہے



مشکل ہے زبں کلام میرا ، اسے دل
سن سن کے اسے سخنور ابنِ کامل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل

شرح : اسے دل بالوقتِ شیر نہیں کہ میرا کلام بہت مشکل ہے۔ اسے
سن سن کر وہ شاعر کو کہاں کے مدعی ہیں ، فرمائش کرتے ہیں۔
کہ آساں کہا کرو ، اب میں کہوں تو مشکل ، ذکیوں تو مشکل۔
ایکے مذہبم ، ہے کہ اگر میں آساں شمر کہنے کی کوشش کروں تو اسے میری طبیعت
توڑاؤں لڑتی ، اگر آساں نہ کہوں تو شاعرِ شامستہ ہیں ، گویا کہنا بھی مشکل ہے اور نہ
کہنا بھی مشکل۔

خود بخود آتی کے نزدیک اس سے دوسرے طبیعت معنی بھی پیدا ہو سکتے ہیں مثلاً

صاف صاف بات کہتا ہوں تو سنو! یہ کام کی ناقص اور گنہگار ہستی کا ہر کرتی پڑتی ہے۔
اگر صاف صاف نہ کہیں تو خود دم ٹھہرتا ہوں۔ یہ دونوں طرح مشکل ہے۔



بھئی ہے جو مجھ کو شاہِ جہاں سے دال
ہے لطف و عنایتِ شہنشاہِ دال
یہ شاہِ پسند دال، بے بحث و جدال
ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال

نکات : شاہِ جہاں : او بادشاہ، جسے شہنشاہ کا ہاتھ ملایا ہے
دال : پہلے مصرع کے آخر میں اس کے معنی دال کے ہیں جو کھائی
ہاتی ہے، دوسرے مصرع کے آخر میں جو دال ہے، اس کے معنی ہیں دولت
کرنے والا، جو حقے مصرع کے آخر میں دال سے مراد حرفِ دال ہے۔
”شاہِ پسند یا بادشاہِ پسند“ مولف کی دال شاہی مطلع ہیں ایک خاص طریق پر
پختی مثنوی اس کا نام شاہِ پسند یا بادشاہِ پسند پشور کیا تھا، کیونکہ وہ بیمار شاہ کو
بیم بہت مرعوب تھی۔

یہی دال بادشاہ و تاجدار تھا، یہ طریقہ مختلف مصنفوں کو پسند کرتے تھے۔
مرزا کو بھی گئی تو انھوں نے شکر ہے میں یہ ریاضی کہی۔ اور بادشاہ کی خدمت
میں پیش کی۔

شرح : تشبہ ہے جہاں و جلال واسطے بادشاہ سے جسے دال
بھی ہے، یہ شہنشاہ کے لطف و کرم اور نوازش و عنایت پر دست کرتا ہے،
یعنی اس سے پتا چل جاتا ہے کہ حضور والا مجھ پر کس قدر لطف و عنایت فرماتے ہیں

یہ شاہ پسند وال وہ حرف وال ہے کہ خود دولت و عروج اور نشی و فز و افرو میں
استقلال ہوا۔ گویا اس کے اندر ملکوت و عروج و عقل و خرد اور عدل و انصاف
کے جو سر آگئے۔ میراج و علوی مذہب کا روادار ہے، نہ جھگڑے کا، یعنی
کسی کو اس سے اختلاف کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔



ہیں شر میں صفاتِ قوا الہیالی باہم
آثارِ حیالی و جسمانی باہم
ہوں شاد نہ کیوں سائل و عالی باہم
ہے اب کے شب قدر و دوا الی باہم

صفات : صفاتِ قوا الہیالی : اللہ تعالیٰ کے صفات
جو جلال والا ہے۔

آثارِ حیالی و جسمانی : اہل علم نے صفاتِ باری تعالیٰ کی دو قسمیں کی ہیں، ایک
یہاں صفاتِ حق میں مشرق و مغرب، ابدیت و حیات، شہادت و حجت، درجہ و اہمیت تمام صفتیں
شامل ہیں۔ دوسری قسم جہاں صفات کی ہے، جیسے قادر و مجتار و خیر و۔ کائنات کے
نظم میں جہاں و کمال و دونوں ضروری ہیں۔ اسی طرح بادشاہ میں بھی پہلی و جسمانی دونوں
قسم کی صفتوں کے نشان پاسکے جاتے ہیں۔ اس پر پریشانی ہونے کی ضرورت نہیں،
دوسرا قدر معلوم کا اور شاد ہے :-

تخلیق تو ! باعلاق اللہ اپنے اندر خدا کی صفات پیدا کریں، انسانیت کا سب
ستہ اعلیٰ رتبہ یہی ہے کہ انسان میں خدا کے صفات کا پر تو زیادہ سے زیادہ پیدا ہو جائے
سائل : ادنیٰ درجے کے لوگ ایسی عوام۔

معالی : ہنرمایہ لوگ ایسی ہیہ اور بچا منصب رکھتے واسے یادداشت عنبر یا
اور باہر بیاد و حشمت۔

شعبہ قدر : قرآن مجید میں اس رات کو کہا گیا ہے، جس میں قرآن کا نازل
شرع ہوا، اتنا ازلا وافی یلنا القدر، ہم نے قرآن کو شعبہ قدر میں اتا دیا۔ اس
رات کے تیسریں میں اختلاف ہے۔ ۱۲ سے ۱۵ اور رمضان تک ہر چک رات کے حق
میں روایتیں ملتی ہیں، لیکن عام فقیرہ ۱۵ رمضان کی رات کے متعلق ہے۔

قدر کے معنی ہیں، اعزاز، تیز عزت و منزلت۔ اس سے مراد دونوں بچا
ہیز میں ملی جا سکتی ہیں، یعنی اتمانہ کی رات، جب قرآن مجید انسانوں کو دے
کر اشد نمائے فی غیر و شرکارک، آخر کیا اعزاز و مغر کر دیا، چر کر یہ رات بہت مقرب
مائی جاتی ہے، اس سے قدر و منزلت والی رات بھی کر سکتے ہیں۔

دروانی اور دیوانی : ہندوؤں کا ایک تہوار، جس میں چرخا بھانکے چاٹتے
ہیں۔ مشہور ہے کہ چرخا غاں کا اختتام ہیں، اس سے رام چندر کی واپسی پر کیا گیا تھا
اب تک اس یادگار کا سلسلہ جاری ہے۔

شیرج : بادشاہ ہیں اشد تعلیم کی عظمت کا پر تو موجود ہے، اس
کی بھالی اور معافی و دونوں مفتوں کو نکھس آگیا ہے۔

چوسٹہ خر سے : اسی اعلیٰ کیوں یکساں خوش تہوں، اب کے قدر کی رات اور درج ال
دونوں تہوں میں نکھتی آتی ہیں۔ اس میں سے شعبہ قدر کی ثابت بھالی کی مظہر ہے، اور اس کا تعلق
عام فلوئی سے ہے۔ اس سے معافی۔ اس کے لیے معذرت کی جانتا چاہیے، دیوانی مناجات بھالی
کی غیر ہو سکتی ہے اور اس کا تعلق عام سنی سے ہے، یعنی دین سے۔

○
حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے
تاشاہ شیوع دانش و داد کرے

یہ دی ہو گئی ہے رشتہ عمر میں گانٹھ
ہے صفر کہ انشاء اعداد کرے

لغات : شیوع : شان کرنا ، پھیلا نا ، رواج دینا ۔

شرح : ظاہر ہے کہ یہ رباعی بادشاہ کی ساگرہ کے موصیٰ پر لکھی گئی
تھی۔ فرماتے ہیں ، ”اتھ تعالیٰ سے دعا ہے کہ بادشاہ سو مخت رعزیز“ اس کی عمر بیس ہوں
اور تفریق شادمان رہے۔ ”تعالیٰ ہے کہ بادشاہ کی بدولت عقل و دانش اور عدل و انصاف
رواج پاتے جائیں۔ گویا بادشاہ کے لیے بس عمر کی ضرورت اس لیے ہے کہ دانش و دلو
کی شاعت اور پھیلاؤ کی ہیں ایک تعبیر ہے۔

اب بادشاہ کے رشتہ عمر میں ایک گانٹھ اور لگائی گئی ہے۔ یہ گانٹھ بیس ، اسی
میں صفر ہے اور صفر بھی ایسا ہوا ہوا ہے پچھلے لگا دیا جائے تو ان کی تعداد میں اضافہ
ہو جاتا ہے۔ مثلاً ۱۰ سے پچھلے صفر لگائی تو ۱۰ سے چھٹے لگا اور ۱۰ سے پچھلے صفر
لگا تو ۱۰ سے پچھلے لگائیں گے۔

گانتھ کی تعبیر صفر سے کسی تشریح کی قیاس نہیں۔ رشتہ عمر میں گانٹھ سال گرہ کا اردو ترجمہ ہے۔



اس رشتے میں لاکھ تار ہوں ، بلکہ سوا

اتنے ہی برس شمار ہوں ، بلکہ سوا

ہر سیکڑے کو ایک گرہ فرض کریں

ایسی گرہیں ہزار ہوں ، بلکہ سوا

شرح : رباعی بھی پہلی رباعی سے متعلق ہے ، فرماتے

ہیں۔ سال گرا کے رہتے ہیں اور تار، بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیں۔ اور
 بستے تار ہوں۔ اسنے ہی برس شمار کیے جائیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔
 اگر سو سال کی مدت کو ایک گرا فرض کریں تو خدا کرے، ایسی ہزار گرا ہیں
 لگائی جائیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ۔

ظاہر ہے کہ اس گرا کا حساب کرنا غاصے حساب دان کا کام ہے۔ مرزا غائب نے ایک
 قلمیے کے آخر میں ارشاد کو خطاب کرتے ہوئے لکھا ہے۔

تم سلامت رہو ہزار برس، ہر برس کے دنوں کی پیمائش
 پیچھے کی طرح حساب گاہی معاملہ بھی غاصے غریزہ فکر کا متعلق ہے اور ناری کی ایک شری
 میں تو میرے حساب کا سارے میں تم گرا رہا لکھتے ہیں۔
 ہر دھار سے شکر حق کو تا دو بار تاخیر یا شکر ہزار ہزار بار



کہتے ہیں کہ اب وہ مردم آزار نہیں
 عشاق کی پریشانی سے اسے عار نہیں
 جو ہاتھ کہ ظلم سے اٹھایا ہو گا
 کیوں کر مانوں کہ اُس میں تلوار نہیں

لغات : مردم آزار : لوگوں کو دکھ دینے والا۔
 ہاتھ اٹھانا : کسی چیز سے دست بردار ہو جانا اور اُٹھنے کے
 لیے یہیں اُٹھنا تھا، گویا اس کے استفادہ معنی ہیں اور مرزا نے اسے دونوں
 معنی سے لکھا ہے اٹھا کر یہ رہائی تھی۔
 شرح : کہا جاتا ہے کہ چارہا یوب اب لوگوں کو دکھ نہیں

دیتا، بلکہ عاشقوں کا حال دریافت کر بیٹھتے ہیں لیکن اسے عام نہیں اُتی اور یہ محبوب کی مہربانی اور لطافت و کرم کی سب سے بڑی شہادت ہے۔

مرزا کہتے ہیں کہ میں تو اس دعوے کو صحیح نہیں سمجھتا۔ جو ہاتھ ظلم سے اٹھایا ہوگا، کیونکر تسلیم کروں کہ اس میں توبہ نہیں؟

تھا ہر جہ کہ ہاتھ اٹھانے کے دونوں معنی پیش نظر رکھتے ہیں۔ اگر یہ نہیں کہ ظلم کی غرض سے ہاتھ اٹھایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ہاتھ میں توبہ ہے۔ اگر یہ نہیں کہ اس نے ظلم ترک کر دیا ہے تو ہوا اس حالت میں بھی پاس ہوگی۔



ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے
کرتے ہیں درنگ۔ کام کرنے والے
کہتے ہیں کہیں خدا سے : اللہ اللہ
وہ آپ میں صبح و شام کرنے والے

لفات : سلام کرنے والے : یہ ان اپنی مشابہت کا کام ہے۔ جو روزانہ جاگزیٹوں، مستندوں کو سلام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس طرح ان کا کام چل جائے گا۔

درنگ : توقف، تاخیر، روک۔

صبح و شام کرنا : اس میں بھی ایسا ہی ہے۔ ان کی نظم کائنات کے منتظر و حلق کی حیثیت میں صبح کو شام اور شام کو صبح کرنا، دوم یہیں درپیش کرنا، صبح کو کوئی آئے تو شام کے وعدے پر ہمال دینا، شام کو آئے تو صبح کے وعدے پر ہمال دینا۔

شرح : ہم نے منشیوں، مستندیوں اور کامیجی و کریمتہ کے ذریعہ ان کو سلام

کر رہے ہیں کوئی کسر اٹھانہ لگتی، لیکن وہ لوگ آرام میں دیر بیکہ جاتے ہیں۔
 ہمیں بتاتے ہیں کہ بابت خدا سے کہو "خداوند! ہمارے لئے کیا ہیں اور تیرے ہی شام کرنا چاہتے ہیں۔"
 اس صبح میں کوئی گتہ ہے، اس کی تشریح سنتے ہیں کہ وہی گتہ۔



سامانِ خور و خواب کہاں سے لاؤں
 آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں
 روزہ، میرا ایمان ہے، غالب، لیکن
 شخصِ غنا نہ ہو میرا کہاں سے لاؤں

افادت : شخصِ غنا : میرے لوگ غن کی چیزوں سے گھر کے اندر ایک
 چار دیواری میں بنائے جاتے ہیں۔ وہ پر ہوا ہوائی چھڑکا جاتا ہے اور گرمی محسوس نہیں ہوتی۔ روزہ
 رکھ کر آرام سے اس میں سو جاتے ہیں۔

میر قاسم : ہر وقت والی پانی، دھو روزہ، دھار کرتے وقت، انتظار کیا جاتا ہے۔
شرح : اسے غالب : روزہ سے پر میرا ایمان ہو رہا ہے۔ میں خدا
 کی عزت سے اس کے ایک ایسا فرشتہ سمجھتا ہوں جو ہر حال میں میرا ہوتا چاہیے، لیکن میری
 یہ سہ کے گھاسے پیٹنے میں یہ آرام سوئے گا سالہ کہاں سے لاؤں؟ روزہ کے کچھ کچھ
 لکے ہو اسباب رکھیں۔ وہ کہاں سے لائیں؟ مثلاً شخصِ غنا کہاں سے سوتے ہو قاسم کہاں
 سے دستیاب ہو؟

مطلب یہ کہ روزہ میں لوگ چاہتے ہیں، کھاتے ہیں، پیتے ہیں، لیکن میری
 رمضان آرام سے گزارنے کے سالہ جمع کر میں، سبکیں اور غریب آدمی ہیں، کھاتے پیٹتے ہیں
 کوئی روزہ نہیں ہوگا، سامان کہاں سے لاؤں؟

خواب برجاتی فرماتے ہیں کہ یہ راہی بھی اس قلعے کے ساتھ دربار میں پیش
کی گئی تھی۔ جو روزے کے شعلہ طغلات میں درج ہو چکا ہے۔



ان سیم کے بیجوں کو کوئی کیا جانے
پھیچے ہیں جو ارغماں شہر والے
گن کر دیویں گے ہم درخائیں سو بار
فیروزے کی تسبیح کے میں یہ دلنے

نغات : سیم : خواب برجاتی فرماتے ہیں، جو فیروزہ بیضوی شکل
کا ہوتا ہے، وہ سیم کے بیج سے بہت مشابہ ہے۔ ان بیجوں کا سامن پکایا جاتا تھا، بلو شاہ
نے ایک مرتبہ مرزا کے لیے یہی سامن بھیجا تھا جس کے شکریتہ میں یہ راہی بھی گئی۔
ارغماں : گنہ، سوغات۔

شرح : سیم کے ان بیجوں کی حیثیت کسی کو کیا معلوم ہو سکتی ہے۔
جو عالی قدر بادشاہ نے سوغات کے طور پر بھیجے ہیں۔

ہم ایک ایک بیج کو سو سو بار گن کر دلائیں، جس گے۔ یہ سیم کے بیج جنس
فیروزے کی تسبیح کے دلنے ہیں۔ چونکہ ہم کا بیج فیروزے سے مشابہ ہوتا ہے
اس لیے ان بیجوں کو فیروزے کی تسبیح کہتے اور تسبیح کی متابعت متواج کثرت میں نہیں۔



ضمیمہ اول

یہ چیمبرائے غزلوں، قصیدوں، قطعوں یا دوسرے
اشعار پر مشتمل ہے، جو کسی وجہ سے دیوان میں
شامل نہ ہو سکے، مصنفہ کا ذکر یا بیجا حواشی
میں درج کیے گئے۔



دیکھنے میں ہیں گرچہ وہ پر ہیں یہ دونوں ہر ایک
 وضع میں گو ہوتی دوسری تیغ ہے ذوالفقار ایک
 ہم سخن اور ہم زبان حضرت قاسم و تپیاں
 ایک تمیش کا جب نشیں درد کی یادگار ایک
 نقد سخن کے واسطے ایک عیار آگئی
 شعر کے فن کے واسطے، مایہ اعتبار ایک
 ایک وفا و مہر میں تازگی بسا جو ہر
 لطف و کرم کے باب میں زینت روزگار ایک
 گلہ ز تلاش کو، ایک ہے رنگ، ایک یو
 ریشہ کے قماش کو، پوٹھے ایک تار ایک
 مسکت کمال میں ایک امیر نامور
 عرصہ قیل و قال میں خسرو نامدار ایک
 گلشن اتفاق میں، ایک بہار بے غزاں
 میکہ و منق میں، بادۂ بے خمار ایک
 زندہ شوق شعر کو، ایک چہرہ رخ انجمن
 کشتہ ذوق شعر کو، شمع سہ مزار ایک

قاسم و تپیاں

تمہید :- یہ شعرا
 جن کی معاہدہ
 صورت غزل کی
 ہے۔ میرزا تپ
 نے گلستا میں اپنے
 دو عزیز دوستوں
 شہزادہ میرزا
 ابوالقاسم خاں قاسم
 اور میرزا احمد بیگ
 خاں تپاں کے لیے
 کہے تھے۔ انہیں
 ۱۸۶۸ء تا ۱۸۶۹ء
 کا قلم سمجھا جاتا ہے
 میرزا
 ابوالقاسم خاں قاسم
 تیوری خاندان
 کے شہزادے تھے
 بعض اصحاب نے
 لکھا ہے کہ وہ
 میں اپنے خاندان
 کی قد و منزلت

کا نزد دل پر کچھ کر
 دو قوں کے دل حق آستانہ دونوں رسولی پر قدرا
 دل پر دانتہ ہوش
 ایک محبت چار بار عاشق بہشت و چار ایک
 اور وطن چھوڑ کر
 جان و دن پر مست کو، ایک شمیم نور بہار
 گلستہ چلے گئے۔
 فریق ستیزہ مست کو، ابر نگار گ بار ایک
 دہیں گوشہ نشین
 لایا ہے کہ کے یہ غزل شانہ دیا سے دور
 اختیار کر لی اور
 باقی عمر گزار دی

میرزا غالب
 کر کے دل و زبان کو، فاسب خاکسار ایک
 کی چند تحریرات

سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض انگریز حاکموں سے قاسم کے تعلقات بہت گہرے تھے
 سید مسعود حسن رضوی نے یہ اشعار پہلے پیل دسمبر ۱۹۳۳ء کے "انظر"
 میں چھپوائے تھے۔ انظر کے حوالے سے مدثرانہ انقلاب نے انہیں شائع کیا۔
 بعد ازاں سید موصوف نے انہیں "متفرقات غالب" چھاپ دیا۔ صاحب ری میرزا کے
 بہت سے فارسی خطوط شائع کئے۔ جن میں سے نو میرزا نیات کے نام تھے اور جس
 میرزا قاسم کے نام۔ موثرانہ ذکر کا قیام گلستہ کے دوران میں کئے گئے تھے۔ جن
 سے معلوم ہوتا ہے کہ قاسم وقتاً فوقتاً کھانے کے خواہ یا دوسرے تحفے میرزا غالب
 کے پاس بھیجتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ قاسم بیمار ہوئے تو میرزا غالب نے ہجر ہاتھ
 طب کی تعلیم پانچے تھے۔ مسئل کا نسخہ تجویز کیا جو بے ر موثر بہت ہوا۔ پناہی قاسم
 نے پانچ شعر کا ایک قطعہ میرزا غالب کے پاس بھیجا جس میں لکھا

می سوزو گر بگو نیست ہزارا
 وہ فلاطون بخوانمت زبانت
 زان عمل دود شد مرض بالکل
 گر بگویم توئی مسیح بعباست

میرزا غالب نے اس کے جواب میں دو طویل فارسی قلمے لکھے۔ قاسم کے مزے
 صحت معلوم نہ ہو سکے، البتہ میرزا غالب کے خطوط اور تعلقات سے اندازہ ہوتا

ہے کہ وہ مذہبنا شیعوں تھے۔ ایک خط میں، جو وہی سے لکھا گیا تھا، یہ واضح ہوتا ہے کہ تمام کے فرزند محمد میرزا کا انتقال ہو گیا تھا اور میرزا غائب اس کی تاریخ کھنڈے کی فکر میں تھے میرزا احمد بیگ چنانچہ نواب علی محمد خان کے فرزند اور وہی کے دانشمند تھے۔ حکومت ہند پر صدر و نائبی میں اختلاف ہو گئے تھے۔ اور غالباً کچھ مدت بعد آبادی میں گزری تھی۔ وہ میرزا محمد اسماعیل معروف بہ مرزا جہان پشیں کے شاگرد تھے۔ محمد الدولہ نواب احمد بخش خان اور نواب الہی بخش خان معروف کے خاندان سے اس کا تعلق تھا۔ میرزا غالب کے بعض خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ چنانچہ پشیں کے مقتول میں نواب شمس الدین احمد خان کے والد تھے۔ جن کے خلاف میرزا غالب نے دعویٰ کیا تھا۔ چنانچہ نے جو دہا میں بہ تمام حکومت میں وفات پائی وہیں کہ شہنشاہ کے تذکرہ معنی شہنشاہ میں بناوا گیا ہے۔ چنانچہ اور ان کے دست و پیدائش دونوں اپنے تعلق "دستے" گئے تھے۔ لیکن دونوں معیت ہی سے ہیں۔

۱۔ لغات - دوسرے دو دعاری والی

مشریح - اگرچہ یہ دونوں دوست، یعنی قاسم و تپان ویٹھنے میں دو نظرات ہیں۔ مگر ان کے درمیان محبت و رفاقتی کا ایک ایسا رشتہ موجود ہے کہ حقیقتاً دونوں ایک ہیں۔ مثال یہ سمجھئے کہ اگرچہ حضرت علیؑ کی تلوار ذو الفقار کی دعاریوں دو تھیں۔ لیکن تلوار ایک ہی تھی۔

۲۔ مشرح - جناب قاسم اور جناب تپان دونوں ہم سخن اور ہم زبان

ہیں۔ یعنی دونوں شاعر ہیں۔ ان میں سے ایک تپان کا ہا نصیب ہے۔ یعنی احمد بیگ تپان جو مرزا جہان پشیں کے شاگرد تھے۔ دوسرا خواجہ میر درد کی یادگار ہے، یعنی قاسم کا۔ سلسلہ تلمذ خواجہ میر درد سے ملتا ہے۔

تلاش کے باوجود چنانچہ میں سکا۔ کس ذریعے سے خواجہ میر درد کے ساتھ تعلق قائم ہوا۔ یہ ظاہر خواجہ سے براہ راست استفادہ شکل معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ ناممکن نہیں۔ کیونکہ خواجہ مرحوم کا انتقال ۱۱۹۹ھ ۱۷۸۵ء میں ہوا۔ پھر علی یہ واضح ہے

کو قائم بنا دیا واسطہ یا باواسطہ خواجہ میر درد ہی سے وابستہ تھے ۔

۴۰۔ لغات ۔ حیات کسوٹی

آگہی : علم و شعور

شرح : دونوں میں سے ایک نقد شعر کے لئے علم و شعور کی کسوٹی ہے

اور دوسرا اس فن کے لیے علم و نقد کا سرمایہ ہے ۔

۴۱۔ لغات ۔ بساط فرش

شرح : دونوں میں سے ایک محبت و وفا میں زمانے کے پیسے تارگی

شادابی کا سرمایہ ہے اور دوسرا لطف و کرم کے اعتبار سے روزگار کی زیب و زینت ہے ۔

۴۲۔ لغات ۔ تماشا ، وضع ، ڈھنگ ، ایک ریشمی کپڑا ، یہاں آخری

معنی مراد ہیں ۔

پنڈ : بانا

تار : تانا

تار و پور : تانا بانا

شرح : اگر تماش کو ایک پارخ فرض کریں ، جو پھولوں سے چٹا پڑا ہو تو اس کے

لئے قائم و پتائی میں سے ایک رنگ ہے اور دوسرا خوشبو ، یعنی تماش کے پارخ میں

بچنے میں پھول ہیں ۔ ان دونوں کے ملنے سے بنتے ہیں ۔ گویا انہیں مضامین کی تماش

میں کہاں حاصل ہے ۔ اسی طرح اردو شعر گوئی کو ریشمی کپڑا سمجھیں تو اس کپڑے کے لئے

دونوں میں سے ایک بانا ہے اور دوسرا تانا ۔ مطلب یہ کہ بچنے کا انحصار انہیں پر ہے

۴۳۔ لغات ۔ عرضہ قیہ و قال : گفتگو کی سرزمین ۔

شرح : کہاں کی سوانح ہے ایک کو نامور میر کا منصب حاصل ہے ۔

دوسرے کو گفتگو کی سرزمین ہے نام آور بادشاہ سمجھنا چاہیئے ۔

۴۴۔ لغات ۔ وفاق : موافقت ، یک جہتی ، محبت ، ہم آہنگی ، مل جل

— 19 —

شرح - اتفاق کے باعث میں ایک دوست ایسی ہوں ہے۔ جہاں پر کبھی غصہ نہیں آ سکتی۔ محبت و یکساںی کے شراب غصے میں دوسرا دوست ایسی شراب ہے جس کا نشہ کبھی نہیں اترتا اور خدا کی کیفیت کبھی رونہ نہیں دیتی۔

۸۔ مشرح۔ جو شخص شعر کے شوق میں زندگی گزار رہا ہے۔ اس کے لیے دونوں ہاتھوں میں سے ایک کو چراغِ محفل کی حیثیت حاصل ہے۔ جس شخص نے شعر کے ذوق میں جان دے دی، دوسرا دوست اس کے مزار کے لیے شمع ہے۔

مطلب یہ کہ شعر کا شوق رکھنے والے یقیناً محفل سے ملنے کو پسند کریں گے تاکہ ایک دوست کو شعر بتائیں اور محفلوں میں ایسی محفل کے لیے دو انوں دوستوں میں سے ایک سے مل سکیں۔ اس طرح جو شخص مرید ہے، اس کے مرید کی روح اس شمع ہی سے جلتی ہے جو ان روشن کی جاتی ہے۔ خودی شعر میں مرنے والے کھڑکی کی روشنی دوسرا دوست ہے۔

۹۔ لغات : منتخب چار بار۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چار ممتاز صحابہ
 و حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ سے محبت رکھتے
 والے۔ یہ اہل سنت کی خصوصیت ہے۔

عاشق پرست و چار: مرست و چار بار، مراد سے بار آور کر ام و حضرت
علی سے ہم مدنی ملک آ کر ام کے عاشق سے مراد ہے تھیں۔

شرح - دونوں دوستوں کے دونوں میں خدا کی محبت سے دو دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد شیعہ ہیں۔ ان میں سے ایک چار یا پانچ محبت رکھتے ہیں۔ یعنی سنی ہے، دوسرا جہاں انہوں نے عاشق یعنی شیعہ ہے۔ سنی سے مراد میرزا احمد بیگ خاں شہناہ ہے اور شیعہ سے مراد میرزا ابوالفتح اسماعیل قاسم بیگ ہے۔ میرزا علی بابا کے بعض خطوط سے بھی واضح ہوتا ہے۔

۱- لغات، فرق، سر

شعیر و مست : لڑائی کا دلدادہ ۔

مگر گ بار :- اوسے پر سانسے والا ۔ ڈالہ بار

شرح :- جو جان و فاک شیدا کی ہو ۔ اس کے لیے دونوں میں سے ایک دوست
نوبار کی خوشبو ہے اور جو سر زانی کا دلدادہ ہو اس کے لیے دوسرا دوست اسے ہر
دور وادوں کی حیثیت رکھتا ہے ۔

۱۱ - لغات :- شامہ و آمیزش ، ملاوٹ ۔

شرح :- خاکسار غائب دل و زبان کو ایک کر کے یعنی خصوص سے یہ نزل کر
کر لایا ہے اور یہ رہا و نمائش کی ملاوٹ سے بالکل پاک ہے ۔ یعنی جو کچھ کہا گیا ہے
اس کی حیثیت دکھاوے کی نہیں ، بلکہ جو کچھ دل میں موجود تھا ، وہی زبان پر جاری
ہوا ۔ اس طرح دل اور زبان ایک ہو گئے ۔

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں

میں دشتِ غم میں آہوئے صیاد وید ہوں

ہوں دردمند ، جبرِ مویا اختیار ہو

گر نالہ کشیدہ ، گرا شک چکیں ہوں

جہاں لب پہ آئی ، تو بھی نہ شیریں ہوا دہن

از بسکہ تلخیِ غم جھنڈاں چشیدہ ہوں

نہ سچ سے علاقہ ، نہ سانس سے واسطہ

میں معرضِ مثال میں دوستِ بریدہ ہوں

۱ - لغات

آرمیدہ :-

آرام پایا ہوا

مسلّم

شرح :-

میرے لیے

بھولے سے

بھی اطمینان و

آرام کے ساتھ

ظہیرِ زمانہ ممکن

نہیں ۔ میں غم

جبر و اختیار کی کتنی عمدہ مثالیں پیش کیے اور دونوں درونم کی مثالیں دیں۔ اور
کلیہی اختیار کی فعل ہے۔ وہ بھی سچ و غم کا نشان ہے۔ آئینہ کا ٹکڑا غلط فہمی کا فعل ہے
وہ بھی اندر و غم کی ہی دلیل ہے۔

۳۰۔ شرح۔ جان ہوں پر آگنی۔ چونکہ وہ شیریں ہوتی ہے، اس لئے یہی
ہونا چاہیئے تھا کہ منہ میں جڑوں مثمرے کی لذت چھل جائے۔ یہ نہیں ہوا۔ وجہ یہ ہے کہ
میں نے غم فراق میں بے حد غمی اٹھائی ہے۔ اس غمی نے کام دیا ہے میں اس قدر کہ لذت
پیدا کروئی کہ جان کی شیرینی بھی ذائقہ نہیں ہل سکی۔

۳۱۔ لغات۔ معرض مثال۔ مثال عرض کرنے یعنی پیش ہونے کی جگہ۔
مضبوط ہے ہر طور مثال۔

شرح۔ نہ جگہ تبصیح سے کوئی علاقہ ہے کہ عبادت گزار بندہ ہی جانوں
زہرا شرب سے کوئی واسطہ ہے کہ زندگی کر سکوں۔ آپ میری کیفیت بطور مثال جانتا
چاہیے تو سمجھ لیں کہ میرے ہاتھ کٹ چکے ہیں۔ تاہم ہے کہ جس شخص کے ہاتھ کٹ جائیں
وہ نہ تبصیح کر سکتا ہے نہ پیراں اٹھا سکتا ہے۔

۵۔ شرح۔ میں یقیناً خاک پر پڑا ہوا ہوں لیکن خاک پر پڑی ہوئی چیزوں میں سے
ایسی بھی ہیں، جو دوسروں سے دشمنی رکھتی ہیں۔ مثلاً بھید ہوا ہال اور اس پر ڈال
ہوا دانہ دونوں زمین پر ہوتے ہیں۔ لیکن مقصود یہ ہوتا ہے کہ پرندوں کو کھڑا کیا
جائے۔ میں وہ مسکین اور فاکسار ہوں کہ مجھے کسی سے بھی دشمنی نہیں۔ نہ میں دانہ بڑھا
کہ پرندہ مجھے چگنے کے لیے آئے، نہ ہال ہوں جس میں کسی کو پھانس لیا جائے۔

۶۔ شرح۔ میں جس عزت اور قدر و منزلت کا مستحق ہوں، وہ مجھے
نصیب نہیں۔ میں یوسف تو ہوں۔ مگر اس حال میں ہوں، جب وہ پہلی مرتبہ
بچے تھے۔

جہاں حضرت یوسف کو کنوئیں میں پھینک کر چلے گئے تو قرآن مجید کا بیان
ہے کہ قافلاً آیا۔ سقے نے پانی بھرنے کے لیے ڈول لٹکایا، اس کو حضرت یوسف

نکل آئے۔

”سنا پکارا تھا: کیا خوشی کی بات ہے، یہ تو ایک لڑکا ہے، پھر
خانکے والوں نے اسے سرمایہ تجارت سمجھ کر چھپا رکھا، کہ کوئی
دعوت دار نہ نکل آئے، اور وہ جو کچھ کر رہے تھے، اللہ کے حکم سے
پوشیدہ نہ تھا اور انہوں نے یہ سب کو بہت کم داموں پر کر لیا
کے چند درجہ تھے، فروخت کر دیا۔“

یہ ہر قیمت پر اول خرید کا ثبوت ہے یعنی چند درجہ۔ میرے کہتے ہیں کہ
میری قدر و منزلت بہت اونچے تھے، لیکن ہوتی نہیں۔ گویا جیسا یوسفؑ کو ہوں
مگر پہلے مرتبہ پکا ہوں۔ آگے چل کر میرے پرستہ جو سر کھیں گے۔

۷۔ لغات۔ کلام لغز، نہایت عمدہ اور اعلیٰ کلام۔

مشریح۔ ۱۔ انہیں مجھے کسی کے بھی دل میں جگہ نصیب نہیں ہوتی، میں
نہایت عمدہ اور اعلیٰ کلام ہوں، لیکن ابھی تک کسی نے مجھے نہیں سنا۔

کلام اسی وقت دل میں جگہ پا سکتا ہے، جب ست یا چھ حاجے۔ جس کلام
نے کافوں تک رسائی نہ پائی، وہ دل تک کیونکر پہنچ سکتا ہے؟

۸۔ لغات۔ ورنہ: پرہیزگاری۔ اہل لغت کے نزدیک نہ صرف
بھی درست ہے اور سادگی، اسی سے یہ مدح و دفن طرح دیکھی گیا۔ اولیٰ
اہل ورنہ کے محقق۔۔۔۔۔ الخ، دوم ہر چند اہل ورنہ کے محقق۔۔۔۔۔ الخ
برگزیدہ: چنا ہوا نہایت مافیٰ پایہ۔

مشریح۔ اگرچہ میں پرہیزگاروں کے محقق میں بہت پست و ذلیل ہوں
اور میری حیثیت بہت نیچی ہے، لیکن گنہگاروں کے ذمے میں اگر دیکھے، میرا
باز بہت بلند ہے۔

مطلب یہ کہ میں نے ہر پرہیزگاری کا کلام کوئی نہ کیا، گناہوں میں بزرگوار
ہوں۔ اس لئے یہاں ادنیٰ مرتبہ حاصل کرنا ضروری تھا، وہاں بہت نیچا رہا۔ ۱۱۔

جہاں سب سے نیچا رہنا چاہیے تھا وہاں بہت اونچا ہو گیا ۔

اس مسئلے میں عرفی کا ایک شعر قابلِ ملاحظہ ہے یعنی :

گھو کر نیست گنہگار تو رہی عرفی کہ ایں حدیث گراں یارانی کرتی ہے

یعنی اسے عرفی یہ نہ کہہ کر مجھ سے زیادہ گنہگار کوئی نہیں دیکھو کہ ایسی بڑی ہے

منہ سے نکالنے کا مطلب یہ ہو گا کہ تو کسی نہ کسی واسطے میں رنگ نہ دیکھتا ہے ۔ یہ بھی

تو کوئی اچھی بات نہیں ۔

۹۔ لغات : ملک گزیدہ : جسے دیوانے کہتے تھے کات یا ہو ۔

شخص کے جسم میں دیوانے کہتے کا زہر سرایت کر جاتا تو وہ پانی سے بہت ڈرتا

ہے دیکھو کہ پانی دیکھتے ہیں اس پر تشفی ملی کیفیت طاری ہو جاتی ہے ۔ اور رنگ

پننے کھینچے گئے ہیں ۔

مردم گزیدہ : جسے آدمیوں سے حد درجہ آزار اور دکھ پہنچا ہو ۔

شرح : ۔ اسے اتنا جس طرح دیوانے کہتے کا کاٹا ہوا پانی سے

ڈرتا ہے ۔ اسی طرح میں آئینے سے دُور بھاگتا ہوں ، دیکھو کہ مجھے میرے ہم جنسوں

نے حالتِ دکھ اور آزار پہنچایا ہے ، یعنی وہ ہمیشہ مجھے کات کھاتے رکھے ۔ پہلے

رہے ۔ آئینہ دیکھنے سے ہم جنس اور ان کی تمام ایذا رسائیاں تازہ ہو جائیں گی ۔

اچھا احوال دل زار کہوں یا نہ کہوں

سے حیا مانع افکار کہوں یا نہ کہوں

نہیں کہنے کا میں تقریرِ ادب کا بہر

میں بھی ہوں اقتباسِ کہوں یا نہ کہوں

گھوڑ سمجھو ایسے یا کوئی شکایت سمجھو

اپنی برستی سے ہوں سیزا کہوں یا نہ کہوں

پتہ دل سے میں احوالِ گرفتاریاں

جب نہ پایاں کوئی غمخوار کہوں یا نہ کہوں

دل کے دامنوں سے کہے دشمنِ مٹانی پنا

میں اک آفت میں گرفتار کہوں یا نہ کہوں

میں تو دیوانہ ہوں اور ایک جہاں سے نکلتا گوش ہیں درپس دیوار کہوں یا نہ کہوں

آپ سے وہ مرا سوال نہ پوچھے تو اسدا

حسب حال اپنے پیرا شمار کہوں یا کہوں؟

۱۔ شرح - اے خراب رختہ حال دل میں اپنی کیفیت بیان کروں یا نہ

کروں؟ بیان کرنے سے شرم منع کرتی ہے۔ تو تباہ کہچہ کہوں یا کہوں؟

۲۔ شرح - اے محبوب! میں بھی آپ کے تمام بھیدوں سے واقف

ہوں۔ فرمائیے، بیان کروں یا نہ کروں؟ اتنا بتائے دیتا ہوں کہ میری تقریر ادب

کے دائرے سے باہر کبھی نہ ہوگی۔ یعنی میں کچھ بھید نہ ان پر سے آؤں گا تو وہ بھی

اسی طرح بیان کروں گا، جس طرح کہنے چاہئیں۔

۳۔ بقا پر خطاب پاری تعالیٰ ہے۔

شرح - کہتے ہیں میں اپنی ہستی سے بیزار ہوں۔ اب اس کا اظہار کرنا

یا نہ کروں؟ آپ چاہیں تو اسے شکر سمجھ لیں، چاہیں شکایت قرار دے لیں۔

۴۔ شرح - میں دل کے رنج و غم اور غرور و غفلت کا حال بیان کر چاہتا ہوں لیکن

تقریر کوئی نہیں ملتا۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ یہ سب کچھ اپنے دل ہی سے کہ

بول یا نہ کہوں؟

۵۔ شرح - دل میرا جانی دشمن ہے اور اس کے ہاتھوں میں چھن گیا

ہوں۔ سوچتا ہوں کہ یہ بات کہوں یا نہ کہوں؟

۶۔ لغات - غمناز و پینل خور

شرح - میں تو دیوانہ ہوں۔ جو کچھ کہتا ہوں اس سے۔ کچھ ہانا میرا نام

ہے۔ نہانہ چغل خور ہے۔ ہر دیوانے کے ساتھ کان لگے ہوئے ہیں۔ محبت میریت

میں جیتا ہوں، کچھ کہوں یا نہ کہوں؟

۷۔ شرح - سدا سے میرا حال نہ پوچھے تو

ہوتا ہے، اپنے حسبِ حال شعر کہوں یا نہ کہوں تاکہ کسی طرف میرا حال محبوب
تک پہنچ جاتے ہے

یہ نعرانِ دیوانِ معروف و غائب الہی بخشِ نثارِ مرحوم، جو میرزا کے شعر تھے،
ہیں۔ مگر مولیٰ، کیونکہ معروف نے اس پر غصہ کیا تھا۔ گویا یہ ۱۸۳۱ء کا تاریخِ وفات، فروری
ہے پیشتر کا کلام ہے۔

۱۔ مشرح شب وصال میں مونس گیا ہے بنِ تکیہ

و صل کی ذات تجھ میرا غم خوار

ہوا ہے موجبِ آرامِ حسانِ دینِ تکیہ

خارجِ بادشہ چس سے کیوں نہ مانگوں آج ؟

بن گیا ہے خمِ جعہ پر شکنِ تکیہ

میر سے بہانہ و تن کے لیے

بنا ہے تختہ، گھبانے یا سمین، بستر

آرام کا موجب ہوا۔

۲۔ لغات ہوا ہے دستہ نسرين و نسرین تکیہ

فروغِ حسن سے روشن ہے خوابِ گاہِ تمام

جورِ خستِ خواب ہے پرویں، تو ہے بنِ تکیہ

مزا ہے، اگلو کیا خاک ساتھ سونے کا ؟

کے جزیج میں وہ شورشِ سیمِ تنِ تکیہ

اگر چہ تھا یہ ارادہ، مگر غدا کا شکر

اشکِ نہ نراکت سے گلِ بدنِ تکیہ

میرا چھوٹا بچہ و بچہ زلف کا خم

بن گیا ہے اس سے میری حیثیت

آئی بند ہو گئی

سے علاج لے سکتا ہوں۔

۳۔ شرح : بستر نشینی کے پھولوں کا تختہ بن گیا ہے اور نیچے کے بائیں
میں رکھ سکتے ہیں کہ نسرین و نسرین کے پھول بنیں جن کو اگلے کہے گئے اور ایک
گوست بنا دیا گیا۔

۴۔ لغات : پھر دین و پترن : ستاروں کے دو بھرست۔
شرح : عشق کی جگہ سے میرے سونے کا کرو سارے کا سارا دھن
بن گیا۔ بستر پر دین بن گیا اور نیچے سے پترن کی شکل اختیار کر لی۔

دماغ رستہ کہ ان چاروں شعروں میں شب وصال کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔
۵۔ شرح : بھلا سوچے کہ جب چارہ شرف و حسن محبوب درمیان نکلیں کہ
یہاں ہے تو ہم کوئی کیا طاقت آئے؟

۶۔ شرح : اگر یہ پھول بیٹھے ہیں تو اسے محبوب کا اردو بھی تھا اور غیر اس کا
کہ ایک طرف رکھ دے مگر خدا کا شکر ہے کہ نزاکت کے باعث وہ اسے اٹھا نہ سکا۔

۷۔ لغات : ثل اور دمن : بندہ سب کے مشہور عاشق و معشوق
آج رہا تھا، دمن اس کی محبوبہ تھی، ان کی ملاقات عشق فیض سے اپنی مشہور و پرہیزگاری
نہ دمن میں بیان کی ہے۔

شرح : اگر دمن آتی کہے نہ تو پر نکلیں رکھنے اور سارا دینا چاہے تو
وہ چارہ کو کہتے کہ چانک غائب ہو جائے۔

۸۔ اس شعر میں نکلیں کے معنی تسلیم ہیں۔

شرح : چونکہ فردا کا سوا دھن کی ضرب پر تھا اس لیے وہ تپتے
میں کی ضرب سے ہلک ہو گیا۔

مطلب : یہ کہ فردا نے تپتے کے بل پر کہ بے ستوں کاٹنے کا ارادہ کیا اور
اسے کاٹ کر بھی نہ دیا۔ لیکن آخر پر سارا نہ دیا۔ اپنی قوت سے تپتے کی ضرب
لگاتے ہیں کہ صوبہ مقصد کا ارادہ پھٹا۔ (تقریر یہ بنا کہ آخر خود ہی سر پر تپتے کا کر گیا۔

۹۔ یہاں بھی ٹکریہ کے معنی مساوی ہیں۔

شرح : اسے اہل عقل : شمع پر بصیرت سا ذکر و یہ شمع ہونے تک
بمجرد نہ گئی۔ گویا شمع کے سہا سے بزم میں جو جنگ مرگرائی ہے۔ وہ معرفت ذاتِ حق
کے لیے ہے۔ شمع ہونے ہی شمع گل ہو جائے گی۔ ساتھ ہی ہنگامے کی بنا بھی
ہوئی ہائے گی۔

۱۰۔ **لفات :** درخورد نخست تن : وہ چارہ ، میں کا بدن زخموں سے
خوار ہو۔

شرح : زنی چارہ میں زخموں سے میرا ہی خوار ہو رہے ہیں۔ میں نے
تکلیف مانگ کر تم نے دُور سے پھیلک دیا جو تیرے تک نہ پہنچ سکا۔ اب تمہیں سوجھ کر میں وہ
تکلیف کیونکر دھواؤں ؟

۱۱۔ **شرح :** میرے غروب نے مجھے ترقی کر ڈالا۔ میں کر گیا تو اسے یہ
کیفیت دیکھ کر غش آگیا۔ جتنا پیو وہ بھی گرا اور اس حال میں میری بیٹھ کھن لاٹھ
اس کے لیے تکلیف ہو گئی۔

۱۲۔ **لفات :** من : وہ شرہ جو سانپ کے منہ میں۔ بتا ہے اور عام
نیال : جہ کہ قدر میری رات میں سانپ اسے اٹھانے دیتا ہے تو وہ شعلے کی طرح
روشن ہو جاتا ہے۔

شرح : غروب سے جھانکی کی رات میں جو وہ بہتہ تھی رہی ہے اس
کا حال کیا بتاؤں ؟ میں یہ سمجھ رہے کہ ہنتر سانپ میں گیا ہے اور کچھ اس کا من ہے۔
۱۳۔ **شرح :** آپ جانکر کبھی یا نہ سمجھیں۔ لیکن یہ بتا دیتا چاہتا ہوں کہ
پچھلے میں چیز کو تکلیف کام کہتے تھے۔ اب اہل سخن اسے معنی بخیرہ کہتے ہیں۔

تکلیف کام : سے مراد ہے وہ انکا اہم ہے کوئی شخص دوسری شخص میں بار بار
دہراستہ۔ لذت کے مانوسے معنی تکلیف کے ہیں وہی معنی ہیں۔ میرزا کہتے ہیں کہ
یہ شہد تکلیف کام ایک منہم تار و پود کا ہے۔ لیکن اب نوروں نے تکلیف کام کی جڑ کو نکال دیا۔

کہنا شروع کر دیا ہے، آپ اسے ہانڑ نہیں سمجھتے تو نہ سہی۔

پوری قزل خصوصیت سے آفری، اظہار میں میرزا نے تادہ انگلی کے قریب
دکھائے ہیں، ان کی مثال شکل سے ملے گی۔

۱۳۔ شرح : ہم اور آپ اس کی کوٹھ پر پہنچے ہو جہاں اس کی رہتے ہیں،
وہی غائب جیسے عاجز فقیر کا گھر تھا سدا ہے۔

یہ قزل مولانا ابوالکلام آزاد و سرچم نے نواب سعید الدین احمد خان غائب کی راجی
سے حاصل کر کے اہل - کثرت مورخہ ۱۲ جولائی ۱۳۲۵ء میں شائع کی تھی، پھر یہ مجدد
دلی میں شائع ہوئی۔



تمہید :- میں ہوں مشتاق جفا، مجھ پر جفا اور سہی

تم ہو بیدار اسے خوش اس سے سوا اور سہی

غیر کی مرگ کا ظم کس لیے اسے غیرت ماو

ہیں ہوس پیشہ بہت، وہ نہ جٹوا، اور سہی

تم ہو بہت، پھر تمہیں پندار خدائی کیوں ہے

تم خداوند ہی کہلاؤ، خدا اور سہی

عش میں خود سے بڑھ کر نہیں ہونے کے کبھی

آپ کا شیوہ و انداز و ادا اور سہی

تیرے کو چچے کا ہے مانع دل مضطر میرا

کب تک اور سہی، قہار تھا اور سہی

یہ قزل، بیادرتی

سے ظاہر ہے نواب

علاء الدین احمد خان

حقانی نے یہ امر کھولا

تھی اور میرزا غائب

نے ۱۲ جولائی ۱۳۲۵ء

کے مکتوب میں حقانی

کے پاس نوادہ و بیجا

دی تھی :- یہ اس سے

دلی میں شائع ہو
سکی کہ میرزا کا کوئی
دلی میں شائع ہو کے بعد
اور ۱۳ جولائی ۱۳۲۵ء

کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو ملا لیں یا رب
 سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی
 مجھے کوڑھ دو کہ جسے کھا کے نہ پانی مانگوں
 نہ ہر کچھ اور سہی، آپ بقا اور سہی
 مجھ سے، غالب! یہ علاقے نے غزل لکھوالی
 ایک بیداد گر شیخ فزا اور سہی

انہیں اسے شمالی دیو
 کوٹنے کا کسی کو خیال
 ہی نہ آیا۔
 ۱۔ شرح :-
 میں خود جتنا پسند کرتا
 ہوں، اتنا اسے محبوب!
 مجھ پر خود جتنا کرنا
 نہیں ظلم و کرہ پسند کرتا
 تو نہ کر رہے ہیں اس

سے زیادہ کر رہی ہر گز یہ شکایت نہ کروں گا۔

۲۔ لغات :- ہوس چیشہ :- جو تپا عاشق نہ ہو اور عقل ہوا ہوس
 کا بندہ ہو۔

شرح :- مسے چاند کے بیسے باغیہ رشک محبوب! ہر مریکے
 تو اس کا تم کیوں کرتے ہو؟ بیسے بند گلاب ہوا ہوس بہت ہوس، ہر مرگیا ہے، اس
 کے ہوا کسی کو اپنا بیسے، اگر آپ کو ہوا ہوس کے بند سے ہی محبوب ہیں تو وہ
 ایسے لایاب نہیں کوئی نہ کیس۔

شاعر کا اصل مقصد یہ ہے کہ میرے ہوا ہوتے ہی لوگ محبوب کے پاس
 جاؤں گے۔ سچے عاشق نہ ہوں گے۔ حقیقی عشق صرف میری داستان تک محدود ہے۔

۳۔ لغات :- پندار :- خیال، تصور، فکر، تصور۔

شرح :- تم نہت ہو (اور بیویوں کو کھڑے نہت ہی کہا جاتا ہے)۔ پھر تم
 میں خدائی کا تصور، فکر کیوں پیدا ہو گیا، یہی تم خدا کیوں ہی رہتے ہو، میری بات مانو۔
 خدا کو انگ دہتے ہو، صرف خداوند، یہی انگ و آتما ہی کہلا تا تم اسے بیسے
 مٹا رہے ہو۔

۳۔ **شرح :** اسے محبوب : آپ کا طریقہ حق، طریز اور راز انہی ہی
غیب و فریب کیوں نہ ہو، لیکن آپ نفس میں تو پر بڑی ماحول نہیں کر سکتے۔

یہ کسی ایسے موقع کا معاملہ معلوم ہوتا ہے، جب محبوب سے باتیں جو میں
تھیں اور وہ اپنے انداز و ادب پر غور رہا آپ سے باہر ہو رہا تھا۔ ات چہیت
کے دوران میں عاشق نے لغز بقاء وہ بات بھی کر دی جو اس کی زبان پر نہیں آتی
چاہیے تھی اور مقصود میں تھا کہ محبوب کو فخر آسکے اور وہ مزید عظم و جبر کرے عاشق
پہلے ہی کہ چلے جے کہ میں مشتاق بھنا ہوں۔

۵۔ **شرح :** میں ماننا ہوں کہ کعبہ خلافت مقدس مقام ہے۔ قبل نما
سے بھی بگے انگار نہیں، لیکن میں کیا کروں۔ اسے محبوب : میرا دل تو اس طرف لگی
عاشت میں صرف تیرے ہی کو بے کی طرف پہلاں دیکھتا ہے۔ دیکھتے اور قبل نما
کی طرف اسے کوئی دیکھتے نہیں۔

یہاں اس طرف کا مطلب یہ ہے کہ میرے نزدیک کعبہ اور قبل نما، اس نوعیت
کی چیزیں نہیں، دل کا حقیقی مرکزہ محبوب حقیقی سے ہونا چاہیے۔

۶۔ **شرح :** اسے واعظ : کیا دنیا میں کوئی ایسا اور کوئی جہنم خاندان ہے؟
بہشت ہمہ سر حال پڑا ہی ہے۔ ہم نے مانا کہ اس کی آپ دیکھیں یہاں کے یا غرض
سے کسی قدر نعمت ہوگی، پھر کیا ہو جیسے کہ آپ دیکھ فرماتے ہیں تو اسی کی۔
ترغیب دیتے ہیں؟

۷۔ **شرح :** اسے خدا : بہشت میں روضہ گو بھی کیوں نہ دیا جاسکے؟
اس طرح سیر و تفریح کے لیے غلوڑی سی جی غضا پیدا ہو جاسکے گی۔

اس شعر میں بھی وہی معنوں پیش کیا گیا ہے اگر میرزا غالب پہلے بیان کر
چکے ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک : بہشت ایک ایسا مقام ہے جہاں حبیب خلق کی
جوارت کے لیے باہر روضہ حبیب پیش کیا جاتا ہے۔ میرزا غلوڑی چاہتے کہ اس
سلسلے میں کسی ترغیب سے حاجت پڑے۔ اور صرف خدا کے لیے خدا کی عبادت

ذریعہ سے ہوا متصور ہے غنیمت کہ یہ اُمید گزر جانے لگی عمر
 انھوں نے اس کی نقل نہ ملے داد، مگر ہونہ جزا ہے تو سہی
 نواب سعید حسین، محفلِ طالب کی پادشہ سے مل
 کی تھی۔ مجھ اس کی نقل دی کے ایک تھیں دیوین
 سے لی ہو نواب شہان احمد علی کی حکمت قرار
 ۱۔ لغات : مستنی الضمر : میں
 ٹکے میں قرآن پڑھا ہوا قرآن میں حضرت عیسیٰ
 کا قول ہے : اس میں ہیں ذاتِ باری تعالیٰ سے لگ
 ہو جو نہیں۔ یہ نہیں کہا اسے اضر : ٹوٹے بچے دکھ میں ڈال دیا، کیونکہ وہ تو کسی کو بھی دکھ میں نہیں ڈالتا اس نے تو کچھ
 لکھا ہے : سراسر ٹکٹہ اور راحت ہی ہے۔ جو بھی حالتِ جہاد سے بچے دکھ میں پاتی ہے وہ خود جہادی صورتِ حال کا شیر ہوئی ہے۔

میرزا غالب بقیہ اس حقیقت سے ناواقف نہ ہوں گے، تاہم اس کے لیے خود اپنی
 سو بہت حال بیان کرنا بھی عجیب ہی ہے، خواہ اسلوب کوئی ہو۔

تشریح : اسے حضرت آفتاب : آپ نے اپنی کیفیت بیان کر کے
 کے لیے مستنی الضمر کا کھنڈار ملاد لرایا۔ یہ بھی تو ایک قسم کا گر شکوہ ہی ہے۔ جتنی میرزا
 غلیب کا اتفاق تھا کہ اپنی حالت درد و غم کسی بھی شکل میں بیان نہ کی جاتی۔ ذاتِ باری تعالیٰ

سے کوئی سی پھین ہوئی تھی کہ آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت پیش آئی، مغایب ہو کر، جسے کوئی خدا کی طرف نہ سہی، اگر اپنی دوزخ تک حالت میں نہ رہیں تو تک گنہگار ہو جاتے۔

۲- شرح : یقیناً میں تسلیم و رضا کی غور و فکر کا حق ہوں اور غریب بھی ہوں کہ صبح منک و طریقی میں ہے جو کچھ پیش آئے، اسے طاری کی طرف سے بکھا جاسکے اور اس پر کوئی جزاع فرزع یا داویہ نہ کیا جاسکے، لیکن مصیبت یہ ہے کہ میرے شکے میں جو رنج و غم آئے، وہ میری طاقت برداشت سے بہت زیادہ ہیں۔ پھر سر کیوں نہ پھڑپھڑے۔

۳- شرح : طبیعت سمجھنا چاہیے کہ اندر آواز سے سنے جڑا کوئی مقرر کر رکھا ہے اور ہم اس امید پر زندگی بسر کر رہے ہیں کہ اگر ایک دن صاب کتاب ہوگا اور ہم نے جو مصیبتیں برداشت کیں، ان کا بھی علاج ہوگا۔ غرض کہ لو کہ اس زندگی کی طرح وہاں بھی ہم کوئی علاج نہ پائیں، پھر وہ جزا کی امید پر زندگی تو بسر جو جائے گی۔

۴- شرح : کوئی ایسا دوست ہے جو مجھ سے نہیں، جو جاسکے وہ دیکھ سکے کہ انہوں کی مرہم پر کسے، غیر دوست نہیں تو نہ ہیں، لیکن وہ اور وہ اور ہم پر کئی کیا نہ تو موجود ہے۔

۵- شرح : دیکھئے، جہاں سے محبوب سنے غرض سے کتنا اٹھا ہوا کیا اس سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ اس میں دعا کی خلعت موجود ہے، ہم سے دعا کا پرتا نہیں کیا تو اس سے دیکھئے کیا نہیں۔

۶- شرح : اسے کاتب تقدیر، ان کے ہاتھ سے ان کی کہ وہ بڑے کچھ میرے لیے کچھ دیا، اسے بڑے کچھ ہے، ان کے ہاتھ میں نقل کرتا چلا جا رہا ہوں۔

گویا بیان ہر طرح کا اختیار و اختیار کیا، یعنی یہ کہ ان کے ہاتھ میں ہے۔
بڑے کچھ میں کے ہاتھ میں نہ تھا ان کے ہاتھ میں تھا، وہی کرتا رہتا ہے۔
بیان کا کمال یہ ہے کہ یہ نہیں کیا، جو کچھ لکھا گیا ہے، وہی کر رہا ہوں بڑے کچھ۔

مرد و زانیہ کا کھانا جو اقل کرنا چاہتا ہوں۔

۷۔ شرح : اسے غائب : ٹھیکر قضا کی تیزی تو بہت مشہور ہے۔
تم موت کے پیچھے اتنی جلدی کیوں کرتے ہو؟ یہ پھر حال اگر ہی رہے گی۔ جس تاویز
کی تیزی شیعہ اتفاق ہے، وہ آخر حیرت انگیز و حیات کاٹنے میں شامل نہ کر سکتے گی۔



تہمید :- ۱۔ لطفِ نظارۂ قاتل دم بسمل آئے
منزلِ افسردہ ماسے میں
ابنِ توحی، سب میرزا
جانِ ہائے تو بلا سے، پہ کہیں دل آئے
غائبِ غائب کب غلی
اُن کو کیا عالم کہ کشتی پہ مری کیا گزری
غیر والی دم پر کے
دوست جو ساتھ مرے تالپ ماسل آئے
جسٹ منہ نشیں میں نکلت
وہ نہیں ہم کہ چلے جائیں حرم کو اے شیخ
کے پیچھے گئے تھے
ساتھ حجاج کے اکثر گئی منزل آئے
ماں تو بہشت کو دلی
آئیں جس بزم میں وہ لوگ پکاراٹھتے ہیں
سے مل کر اور کورام پر
تو وہ بزم زن ہنگامہ محفل آئے
وہاں رہے۔ رخصت
ویدہ خونبار ہے قوت سے، ولے آج ندیم
جو کہ پانچ روزہ وید
دل کے ٹکڑے بھی کئی خون کے شامل آئے
حکایت مراد آباد محفل
سلمانا حورو پری تے نہ کیا ہے۔ نہ کریں !
وہ ۱۸ سوری علامہ
عکس تیرا ہی مگر تیرے مقابل آئے
کوئی پہنچ گئے۔ سہی
کے مقابل میں خواب
سے ناواقف ہو گئی

اب ہے دئی کی طرف کوچ ہمارا غالب ! کی طرف ہے ہمارا
 آج ہم سفر کرتے تو اب سے بھی مل آئے تھیں بھی خدا و رافع
 سچہ کرے غزل ناب سے فصاحت کے بعد کوئی بھی۔

۱۔ شرح : اگر کسی پر عمل آجائے، یعنی کسی سے بہت ہو جائے تو
 اسے دیکھنے کا لطف اس دولت خوب آئے، جب وہ اپنے دماغ سے عاشق کو ذرا
 کرے گئے، بلاشبہ اس طرح عاشق کی جان بچائے گی، لیکن یہ ہے اس کی کیا پروا
 ہے؟ وہ لطف جانے سے یہ درجہ زیادہ عزیز ہے، لیکن شرط یہی ہے کہ کسی سے
 عشق ہو جائے۔

۲۔ شرح : جو دوست، اہل راز اور رفیق بچے کئی پر مولا کرانے کے
 لیے ساحل تک ساتھ آئے، وہ واپس چلے گئے، انھیں کیا معلوم کہ وہاں میں دعا کی
 کے بعد میری کشتی پر کیا آفتیں اور مصیبتیں نازل ہوئیں۔

مطلب یہ کہ حق و صداقت کی پاسداری اور اسے فراموش نہیں ہونے
 سے سابقہ پڑنا سچہ ان کا صیغہ اندازہ وہ لوگ نہیں کر سکتے، ہر ایک بچے ہونے
 صرف اس مسئلے تک چھوڑ آئے ہیں اور اصل مسئلہ میں ملاحظہ نہیں دیتے، جیسے
 ان کے گزشتہ دور میں ہزاروں واقعات پیش آئے کہ کسی شخص کو قید یا جیل و محنت کی
 سزا دی گئی تھی اور رافقی نعرے لگاتے ہوئے جیل خانے کے دروازے
 تک ساتھ گئے، مگر انہیں اس شخص کی نگینوں کا صیغہ اندازہ کیا ہو سکتا تھا، جس سے
 خود کوئی کئی سال تنہائی کی قید میں گزرے۔

۳۔ لغات : تجاربہ : علاج کی جمع، حاجی واک۔

شرح : اسے شیعہ : ہم علاجیوں کے علاج کے ساتھ ہونا
 کئی مقررہ چلے جاتے ہیں، لیکن حرم تک نہیں پہنچتے اور جیسے اس شخص تمام تک
 سفر میں جو مزد ملے، اسے وہاں پہنچ کر ختم نہیں کرنا چاہتے، بلکہ پیچھے

سے پہنچے ہیں پلٹ آئے ہیں۔

بتانا یہ چاہتے ہیں کہ کسی بیش بہا اور محبوب شے کے لیے مہل و گھر شمش میں جو
لطف ہے، وہ اس شے تک پہنچ کر باقی چیزیں نہ رہتا، کیونکہ ایک مرد تک شوق کی تسکین
ہو جاتی ہے۔ میرزا اس تسکین کے روادار نہیں ہو سکتے۔ راستے ہی میں ٹھوکتے ہیں
گئے۔ اس میں انہیں وہ مزول و مل چھوڑ دیا ہے، جو وہاں پہنچ کر نہیں مل سکتا۔

۳۔ **شرح :** میرزا محبوب جس بزم میں آتا ہے، لوگ بے اختیار ہلکا
اٹھتے ہیں کہ وہ بھی با وہ آگیا۔ جو مغل کا ہنگامہ درجہ درجہ کر دیتا ہے۔ یعنی محبوب کی آمد
پر بزم کا کوئی آدمی اپنی بیوی صاحبہ میں نہیں رہتا، اس پر اعلیٰ درجہ و پتائی کی کوئی نہ کوئی قیمت
فاری ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت کا نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ میں جوئی مغل کو ہلا
ہو رہا ہے۔

۵۔ **شرح :** اسے دوست : ہماری آنکھیں تو مدت سے غریب کے
دیر بہار ہیں، لیکن سچ معاملہ یا وہ تا تک صورت اختیار کر گیا، کیونکہ اس کے بھی کئی
شخص غریب کے ساتھ رہ کر باہر نکل آئے۔

۶۔ **شرح :** اسے محبوب ! مغلز حیرت سے سامنے کھینے کی تاب نہ
سکتی ہے، چاہی وہ مغلز شہسوار ہو، انہیں مغلز شہرت حاصل ہے۔ شاید تیرا کس
ہی حیرت سے مقابلہ کر سکتا ہے۔

کوئی شخص آئینہ دیکھے گا تو کس وزن اس کے سامنے آئے گا۔ اس سے کہی
بھی صورت معجز نہیں، میرزا جانتے ہیں کہ محبوب کا عکس ہی اس کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس
چہری کا کائنات میں اور کوئی نہیں، جو سامنے آئے گا تو مگر سکے۔

۷۔ **شرح :** اسے خائب ! اب ہم دہلی کی طرف روانہ ہونے واسطے
ہیں اور حضرت خائب ہیں، کب ملے گا اس سے۔ جن کا گھم بھی خائب ملے گا وہاں
کائنات بھی کر آئے۔



بھولے سے کاش وہ ادھر آئیں تو شام ہو ^{تعمید :-} غزل ایک دم صاحب
 کیا نطف ہو جو ابلق دوراں بھی رام ہو ^{یہاں سے لے کر} رام سے لے کر
 ناگردش فلک سے یونہی صبح و شام ^{یہاں سے لے کر} جو کسی کی نظر سے مائل
 ساقی کی چشم مست ہو اور دور جام ہو کہ ^{یہاں سے لے کر} بکھے نقاب سے
 بے تاب ہوں بلا سے کن آنکھیوں سے دیکھیں ^{یہاں سے لے کر} حقیقت معلوم نہیں۔
 اے خوش نصیب! کاش قصا کا پیام ہو ^{یہاں سے لے کر} مرث اس پہلے
 کیا شرم ہے؟ حریم ہے، محرم ہے راز دار ^{یہاں سے لے کر} کہ اپنے زوق کو ایک صفا
 میں سر بہ کف ہوں، تیغ ادا بے نیام ہو ^{یہاں سے لے کر} اسے نقاب کی فزاں
 میں چھپنے کو کاش اسے گھوڑ لوں کہیں ^{یہاں سے لے کر} ا۔ وفات
 پھر شوخ ویدہ برسر صد انتقام ہو ^{یہاں سے لے کر} ابلق : گھوڑا
 وہ دن کہاں کہ حرف تمنا جو لب شناس ^{یہاں سے لے کر} سیاہ و سفید ہو۔
 ناکام بد نصیب کبھی شاد کام ہو ^{یہاں سے لے کر} دوراں : زمانہ
 گھس پل کے چشم شوق قدم بوس ہی سہی ^{یہاں سے لے کر} اسے اپنی سے تمیز
 وہ بزمِ غیر ہی میں ہوں، پہ از دام ہو ^{یہاں سے لے کر} اور رات سیاہ و سفید
 بولتے ہیں اور اپنی

سے بالکل مشابہ۔ اتنی پیوں کہ حشر میں سرشار ہی اُنکھوں

شرح : تجھے پر جو چشم ساقی بیت الحرام ہو
کاش میرا محبوب

بھوں کر میری طرف پیرانہ سال غالب میکش کرے گا کیا
آجائے تو شام کا وقت

ہو تا کہ رات غریب محبوبال میں مزید جو دو دن قیام ہو
خانے میں مہمان بن کر نہانے کا اپنی یوں میری مرضی کے مطابق چلے تو خوب
لفٹ آئے۔

۲۔ شرح : جب تک آسمان کی گردش سے صبح و شام ہوتی ہے،
آندہ یہ ہے کہ میرے سامنے ساقی کی مست آنکھیں ہوں اور شراب کا ذور
چلتا رہے۔

شرح : گردش تک کو دور بھام سے اور صبح و شام کو ساقی کی چشم مست
سے تشبیہ دی ہے۔

۳۔ لغات : کن آنکھیوں سے دیکھنا : کوئی چشم سے دیکھنا،
ترجمہ لگاؤ سے دیکھنا، اس کا اُنکھوں میں ہے جو غفلت کے عین معنی ہے
شرح : میں شایہ پریشان ہوں۔ کاش میرا محبوب تم بھی لگاؤ ہی سے
دیکھو۔ اگر یہ دیکھت ہو تو یہی نام ہی ہائے توجہ سے، میں اپنے آپ کو خوش نصیب
ہی سمجھوں گا۔

۴۔ شرح : ہم گھر کے اندر ہیں اور جو شخص موجود ہے وہاں تو اس کی
خوب حد اقلت کرتا ہے، میں مرنے کے لیے تیار ہوں۔ پھر اسے محبوب !

آپ شرح کس بات کی کر رہے ہیں، تیرا ادا میاں سے نکالنے اور میرا ناکر دیکھنے
۵۔ شرح : اگر محفل پھیلنے کی غرض سے اسے ذرا گھوروں میں
منگلی یا لودھ کر رہتے کی نظر سے دیکھوں تو وہ شوخ چشم سیکڑوں پر سے چلنے کے

جیسے تیار ہو جائے۔

۷۔ شرح : وہ دلت میں کہاں ہے کہ اگر دیر سے ہوں تک پہنچے
اور یہ نصیب عمر بھر نہ کام رہا۔ اس کے لیے کبھی خوشی کا موقع بھی آتا ہے ؟
۷۔ لغات : گھٹس پٹا کر : دھکا دینے سے بھگدیا کر کے۔
(نزد جام : بزم ، بیٹھ۔

شرح : ہوشک میرا محبوب میری جی بھلی میں جو لیکن وہ بیٹھ
ہوئی ہے مگر میری بھی چشم شوق گھٹس پٹا کر قدم اس کا موقع میں ہے۔
اگر بھڑکے ہوگی تو قدم اس کی کوشش محبوب پر آٹکے ہو جائے گی اور وہ
بر نہ سکے گی۔ اس کی صورت میں ہے کہ بیٹھ کر : دیکھا جائے کہ میری نگاہ شرق
قدم اس پر پڑے ہیں جہاں سے یہی سمجھا جائے کہ بھڑکے باعث میں نگاہ شرق اس کے
قدموں پر گر جائے کے لیے بھڑک رہا ہوں۔

۸۔ لغات : ساتی بیت الحرام : حرم گنہگار ساتی ہیں رسول
اللہ صلی علیہ وسلم۔

شرح : اگر کونہ قبر میں کے ساتی یعنی رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی
چشم نہ بیت جہ پر ہو تو اتنی چیزیں کہ شرک قبر میں مست پڑا دیں اور انھوں کو
مست ہی انھوں۔ اس شراب سے مقصود شراب مست رسول صلی علیہ وسلم اور شراب مست
ہماری تقداری ہے۔

۹۔ شرح : اگر بھڑکے ہوئے ہو جائے تب وہ روناؤں بھڑکے ہوئے
ہو جائے ہیں وہ شراب کا دوی کرے گا کیا ؟

مقلی سے بالکل واضح ہے کہ یہ غزل بڑھاپے میں لکھی گئی ، میں کام صحت
اتار دیا ہے کہ جو کہ کہا گیا ہے۔ یہ مقلی کی بھلی کے دور کا ہے ، اس لیے صاحب
سے اس کا انتساب عمل نظر سمجھتا ہوں ، اگرچہ اس کے بعض اشعار میں
لاکھ بھی کا رنگ ہے۔



یہ فزین مولوی : بتائیں ہم تمہارے عارض و کاکل کو کیا سمجھے

عبدالباری آتشی کی اسے ہم سانپ سمجھے اور اسے من سانپ کا سمجھے

کتاب سے منقطع کیا یہ کیا تشبیہ یہود ہے کیوں موزی سے نسبت دیں

لیکن اہل نظر محمود اس میں شائع شدہ ہمارے عارض کو اور کاکل کو ہم نقل ہمارے سمجھے

پورے غیر مطبوعہ غلط ہی ہو گئی تشبیہ یہ تو ایک طائر ہے

کلام کا انتخاب صحیح اسے برگ سمن اور اس کو سنبل کو جٹا سمجھے

نہیں سمجھے : ۱- مخرج : نباتات میں سے ان کو کیا نسبت : معاذ اللہ

اسے محبوب ام بتائیں کہ تمہارے اسے برق اور اسے ہم کافی ساون کی گھٹا سمجھے

رخسار اور نعت کو کیا گھٹا اللہ برق سے کیوں کر گھٹا کر ان کو نسبت دیں

سمجھتے ہیں : لوسنور : ہم زلف کو سانپ اسے ظلمات اسے ہم چشمہ آب بقا سمجھے

اور رخسار کو شمشاد جو کبھی یہ فقط مقصود تھا خسرو سکندر سے

کامیاب سمجھتے ہیں : ۲- مخرج : پیر بیضا اسے اور اس کو مولیٰ کا عصا سمجھے

تشبیہ ہے : ہلا لیکن یہودہ جو اس تشبیہ سے بھی داغ ان دونوں کو آتا ہو

کیونکہ مناسب ہے اسے وقت نماز صبح اور اس کو عشا سمجھے

کہ ہم زلف کو سانپ

ہو یہ نسبت پسند خاطر والا نہ ہو تو پھر جسے موزی سے
اسے تبدیل کعبہ اس کو کعبے کی رہا سمجھے نسبت دیں؟ صحیح
استدلال ساری تشبیہوں کو رد کر کے یہ کہتا ہے کہ بنا اور زلف
سویرا اس کو سمجھے اس کو ہم تو خدا سمجھے ہیں۔ مشہور ہے
کہ بنا کا سایہ میں پر پر ہائے وہ نہایت خوش نصیب ہوتا ہے اور عاشق
کے لیے زلفِ محبوب کے سایے سے بڑھ کر خوش نصیب کیا ہو سکتی ہے؟
۴۔ شرح : یہ تشبیہ میں غلطی ہو گئی، کیونکہ بنا ایک پتہ ہے
اور پردہ سے محبوب کی کسی چیز کو تشبیہ نہ کیا مناسب نہیں۔ صحیح یہ معلوم ہوتا
ہے کہ رخسار کو تہلی کے پھول کی پتھری اور زلف کو سنبل کے تاروں کا
مجسمہ سمجھیں۔

۴۔ شرح : تو یہ تو بہ ! یہ محبوب کے عارض و زلف کو زمین سے
اُٹھنے والی نباتات کے ساتھ کیا تشبیہ دے دیں؟ مناسب یہ ہے کہ رخسار کو
بھی اور زلف کو مادوں کی کالی گٹھا سمجھیں۔

۵۔ شرح : لیکن گٹھا اور تہلی سے زلف و رخسار کو نسبت دینا ہرگز
مناسب نہیں، اس طرح ان کا رد کیا جاتا ہے۔ کیوں نہ زلف کو گٹھا اور
رخسار کو آبِ حیات کا چشمہ قرار دیں؟ معلوم ہے کہ آبِ حیات حیات ہی
میں ہے۔

۶۔ شرح : اگر یہ تشبیہ قبول کر لی جائے تو ماننا پڑے گا کہ نباتات میں
سے گڑھے ہوئے آبِ حیات پر پتھر، گٹھا اور مکندہ کا انعقاد تھا تو اس طرح
بہن زلف و رخسار کی قدر و منزلت کم ہو جاتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ رخسار کو بیجِ فنا
اور زلف کو حضرت موسیٰ کا عصا قرار دیں۔

۷۔ شرح : اگر یہ تشبیہ بھی نہ اُفتد و رخصت کے لیے مناسب معلوم نہ ہو تو چھپے رخصت کو بھی کی مثال اور رخصت کو عثمانی نماز سمجھ جاتے ہیں۔

۸۔ شرح : اگر یہ تشبیہ بھی آپ کے دل کو پسند نہ آئے تو رخصت کو کچھ کی قدر میں اور رخصت کو کچھ کا غلط مان جیتے ہیں۔

۹۔ شرح : لیکن استبدان تمام تشبیہوں کو رد کر کے کہتا ہے کہ رخصت سورج ایسا اور رخصت لٹکے کا نور ہے۔



یہ غزل بھی بود : فیہ صبح جب کنگار میں بٹوے سیر میں لاتی

پتے لعلوت ساتھ اپنے نوید زبان و تن لاتی

وقار ماقم شب زندہ دار حبس رکھنا تھا

سپیدی صبح غم کی دوش پر دکھ کر کفن لاتی

شہید شیدو منصور ہے اندازِ رسوائی

۱۔ شرح : مصیبت پیشگی مدعا دار و رسوائی

وفا و امن کشن پیرایہ و مستی ہے لے غالب

کہ پھر نوبت گم غریب سے تا حد وطن لاتی

تو یہ غزل مقررہ غزل کے ہم وہاں دونوں کے لیے غزل شہری میں لاتی۔

۲۔ لغات : شب زندہ دار و ہجر : فراق کی حالتوں میں جاگنے والا۔

شرح : جن شخصوں نے فرائز کی باتیں چاگ کر کیں اور مرگیا جس کے ماتم کی عزت و توقیر کا تم لوگوں کی طرف سے بھی کچھ کرنا چاہیے۔

۳۔ **شرح :** ہمارے درمیان جو شخص کا انداز ایسا ہے گویا ہم منصور کے طور پر ترقی پزیر ہوئے ہیں۔ یعنی ہم درمیان میں منصور کے طریقہ پر عمل کرتے چاہتے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہماری کوششوں سے جو شخص نے عیدیت کو اختیار کیا ہے وہ ہمارے ساتھ ہو کر رہے اور نہ اسے آیا ہے۔ گویا ہم بھی منصور کی طرح سولی پر مرتے کے آواز دیتے ہیں۔

۴۔ **لغات :** عزیمت گاہ : یہ جگہ ہے جہاں عیدیت -
عزیمت : جہاد و جہادیت -

شرح : اسے خطاب : وہ قادری بھی ہستی کے پاس کا
راہنہ کیجھتی ہے۔ وہی ہیں یہ دیہات کی سیر گاہ سے کھینچ کر وہی کی سیر
جگہ سے آئی۔



۱۔ **شرح :** دنیا ہذا کی طلب گار جوتی آئی ہے

۲۔ **شرح :** ازل کے دن سے : اسے یہ جوتی آئی ہے

۳۔ **شرح :** جواب جنت بزم نشاط جاناں ہے

۴۔ **شرح :** مری نگاہ ہو خوشبار جوتی آئی ہے

۵۔ **شرح :** تمہارے جوتی جنوں و حشویہ مبارک باد

۶۔ **شرح :** یہ بار بدینہ انتظار جوتی آئی ہے

برساتی آ رہی ہے : دل و دماغ و فانی پیشکاش کی خیر نہیں

یہ دماغ میرے : محبوب کی ہریم نشاط جگر سے آہ شہر بار ہوتی آتی ہے

کے فردوس کا جواب ہے ، یعنی محبوب کی ہریم نشاط کو جنت سے تشبیہ دی
اور اس کا جواب چشم خونبار نے دیا کیا ، محبوب عیش و نشاط میں مشغول ہے
اور غریب عاشق آنکھوں سے ٹھونک رہا ہے ۔

سو۔ لغات : ہدیۃ النظار : نگاہوں کے لیے تحفہ ۔

شرح : اسے دیشیو : جو جنوں میں مبتلا ہو ، نہیں مبارک
ہو ، اب جو عشق جنوں خوب تراتی کر رہے گا ، کیونکہ بہار آگئی ہے اور نگاہوں
کے لیے اکھ تحفہ بن کر آئی ہے ۔

۳۔ شرح : اب باوقا عاشقوں کے دلی و دماغ کی خیر نہیں دیکھو
آہ جگر سے چنگاریاں چھوڑتی ہوئی نکلی ہے ۔

یہ غزل بھی آہی اور غرضی دونوں کے مجموعوں میں شامل ہے ۔



۱۔ شرح : یونہی افزائش وحشت کے جو ساماں ہوں گے

اگر وحشت میں : دل کے سبب زخم بھی جسم شکل گریباں ہوں گے

ترقی کے ایسے ہی : صبر یا یوسفی عاشق ہے تغافل آن کا

ساماں میں ہونے : نہ کبھی قتل کریں گے ، نہ پشیمان ہوں گے

یہ تو دل میں : سب گریباں

دل سلامت ہے تو صدموں کی کمی کیا ہم کو
کی صورت : بے شک آن سے تو بہت جان کے خواباں ہونگے

منتشر ہو کے بھی دل جمع رکھیں گے ، یعنی اختیار کریں گے۔

۲۔ شرح : ہم بھی اب پیرو گیسو سے پریشاں ہوں گے
گروہ بخت نے مایوس کیا ہے ، لیکن وہاں بسنے والا مایوس

اب بھی ہر گوشہ دل میں کئی ارماں ہوں گے
کچھ سے ناامیدی کا باعث ہے جب
ہے ابھی نگوں سے فقط گرمی ہنگامہ اشک وہاں بنا ہوا ہے

ہر یہ حالت ہے اتنا لے شہر افشاں ہوں گے
تو یہ آئینہ کیونکر کھس جاسکتی ہے کہ کبھی
باندھ کر عید دونا اتنا تنفر ہے ہے ہے !! عاشق کو قتل بھی کرے

تجھے سے بے مہر کم اسے عمر گریزاں ہوں گے
گاؤ اگر قتل نہیں کرے گا تو اس کے بیٹے
اس قدر بھی دل سوزاں کو نہ جان افسردہ پٹھانی کا موقعہ ہو کر

ابھی کچھ داغ تو اسے شمع افروزاں ہوں گے
آخری مصرعہ کا ایک مصعب بھی
عید میں تیرے کہاں گرمی ہنگامہ عیش

گل مری قسمت دارو نہ پہ ننداں ہوں گے
یہ مصعب عاشق کو قتل کرے گا اور نہ قتل
شوگر عیش نہیں ہیں ترے درگشتہ نصیب

اُن کو دشوار ہیں وہ کام جو آساں ہوں گے
یہ مصعب امر عاشق کو کرتے ہیں پٹھانی
موت پھر زلیمت نہ ہو جائے یہ ڈر ہے اغائب کے بیٹے مایوس کا

وہ مری نعلش پہ آگشت ہر دماں ہوں گے
یہ مصعب ہے۔

اس میں میرزا نے افغانی کی شکایت کر رہے ہیں اور معلوم ہے کہ ان کے نزدیک جان کر قتل کرنے کا بھی ایک مقام ہے۔ مثلاً :-

ہاں کر کے قتل کر کچھ امید میں ہو یہ نکاو قلعہ اندازہ تو ہم ہے ہم کو

۲۔ **شرح :** اگر دل سلامت ہے تو اس دنیا میں مردہوں کی کسی نہیں ہو سکتی، کیونکہ ہمارے محبوب جیسے قومیت سے لوگ ہیں جو جان کے خواہاں ہوں گے۔

• غلبہ یہ کہ جب تک دل انسان کے پہلو میں ہے وہ احساس سے محروم نہیں ہو سکتا اور احساس ہی خوشگوار واقعات پر خوشی، اور ناخوشگوار واقعات پر صدمے کا باعث ہوتا ہے۔ میرزا میں کہنا چاہتے ہیں کہ جب تک دل پہلو میں ہے، ہمارے جان کے خواہاں میکروں پیدا ہو جائیں گے۔

۳۔ **شرح :** ہم پریشان ہو کر بھی اپنا دل سنبھالے رہیں گے اور جمعیت خاطر کو ہاتھ سے نہ دیں گے۔ گویا ہم محبوب کی زلفیاں پریشان کئے بیروں بن جائیں گے جو پریشانی کے باوجود کچھ رہتی ہے۔

۵۔ **شرح :** ہمیں نصیب کی گردش نے ناامید کر رکھا ہے۔ یہ اس ہمدرد کے گوشے گوشے میں اب بھی بدست ہے اور ہاں موجود ہوں گے۔

۶۔ **شرح :** ابھی تک تو جسم میں خون ہے اور اس کی وجہ سے آنسوؤں کا ہنگامہ گرم نظر آتا ہے، لیکن یہی حالت بیماری رسی تو جسم کا خون آنسوؤں میں تبدیل کر ختم ہو جائے گا۔ پھر اسے دل سے نکلیں گے تو ہر طرف خشک برساتیں گے، یعنی آگے چل کر ان کی وجہ سے گرمی ہنگامہ قائم رہے گی۔

۷۔ **نفات :** متفرق، نفرت۔

عمر گریزاں : بھاگ جانے والی عمر یعنی چند روزہ عمر۔

شرح : اسے عمر جواب گریزاں ہے، آٹھ نے ہم سے عیدِ وفا یا نہ عطا اور اس دنیا میں لائی تھی، اب ہم سے اتنی نفرت ہو گئی کہ ساتھ

چھوڑنے کا یہی وجہ تھا کہ اس نے اپنے بے مروت جس لم ہی ہوں گے۔

۸- **شرح :** اسے شمع : ہمارے جھٹکتے ہوئے کے دل کو تو نے کیوں اس قدر افسردہ سمجھ لیا ہے ۔ ابھی تو اس میں بہت سے روشن روشن ہیں گے۔

۹- **شرح :** اسے محبوب : اس کے بعد میں میرے سینے پر ہمارے پیش گرم کرنا چاہتی تھی مگر میری قسمت اس درجہ بدلتی گئی ہے کہ کچھ بھی اس کی ہنسی آتی نہیں گے۔

۱۰- **شرح :** اسے محبوب : جو لوگ تجھ پر فریفتہ ہو کر بد نصیبی کا تکرار کرتے ہیں چلے جاؤ ، اس کے لیے تو پہل سے ہیں کام بھی ضرور ہو گا اور بھی ۔

۱۱- **شرح :** اسے غائب : اب مجھے غرت یہ ہے کہ محبوب میری غفلت پر اس کے گونگے و غم کے انگلی دانتوں میں دبا گئے گا ، میں اس کی یہ کیفیت برداشت نہ کر سکوں گا ۔ اس وقت چاہوں گا کہ میری موت پہنچ جائے گی سے دل جاسکے ۔ یہی تو مجھے پریشان کیے ہوئے ہے ۔



نمائش پروردہ وار طرز بیدار و تعفقل ہے ۔ ۱- **شرح :**
 تعقل جان بیل کے لیے خندیدن گل ہے
 یہ وہی کی جان صرف
 یہ دیکھ کر غلطی ہے
 نمود عالم اسباب کیا ہے ؟ غلط ہے معنی
 کہ بیدار میں دیکھتا ہے
 کہ ہستی کی طرح مجھ کو عدم میں بھی تامل ہے
 یعنی کھڑے ہوا ہے ۔
 شہ کے پابند استغنا کو قیدی رہیم عالم کا
 حال کو یہ جانی نہیں
 ایک غافل ہے اور
 تیرا دست تو عا بھی رنخہ انداز تو تکل ہے
 مقصد یہ ہے کہ
 نے تیرا قیاس نہ کرے

طریق اختیار کر رکھا نہ چھوڑا قید میں بھی وحشیوں کو یادِ گلشن نے
 ہے اس پر پروا ہے یہ چاک پیر جن گویا جوابِ خندہ گل ہے
 پڑا رہے۔

۲۔ شرح : ابھی دیوانگی کا راز کہہ سکتے ہیں ناصح سے
 عالم اسباب یعنی دنیا کی جو ضرورتیں ہیں ان میں کچھ وقت ہے، غالب : ابھی فصلِ گلِ دہل ہے
 یہ سراسر ایک جیسے معنی لفظ ہے، اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ وجود تو رہا ایک طرف رہے
 تو عدم میں بھی کلام ہے، میں تو عدم کو بھی تسلیم نہیں کرتا۔

جب وجود و عدم دونوں کو ختم کر دیا تو فقرِ پاک ہو گیا، کتنا یہ چاہتے ہیں کہ
 عالم اسباب کی نفسِ خودی میں داخل نہیں، بلکہ اس کا عدم بھی باطن ہے۔ نہ وجود کا
 اطلاق جائز ہے، نہ عدم کا۔

۳۔ لغات : استفادہ : بے نیازی، بے پروائی۔

شرح : دعا کا لفظ دنیا کی عام رسم ہے، لیکن جو شخص بے نیازی
 اور بے پروائی پر استوار ہو، اسے کیوں رسم دعا کا قیدی رکھا جاسکے؟ اس کے لیے
 کیوں اس رسم کی پابندی ضروری ہو؟ بے نیازی اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسے سے
 پیدا ہوتی ہے اور جسے اللہ پر پورا بھروسہ ہو، اس کے لیے عام انداز سے دعا کرنا
 بھی توفیق میں حاصل کا باعث ہے۔

مطلب یہ کہ رسم تو صرف، مذہبی رخصت پر قائم ہیں، دنیا کی کسی چیز سے ہمیں
 کوئی وابستگی نہیں، اور سب سے بے پروا ہیں، خوشی جو یا سگ، جو کچھ خدا کی طرف
 سے آئے، وہ ہمارے لیے نہیں نعمت ہے، اسی کو ہم توفیق سمجھتے ہیں، ظاہر
 ہے کہ جب عام لوگوں کے انداز میں دعا کریں گے تو ہماری رضا میں خلل پیدا ہو
 گا اور یہ عمل توفیق کے خلاف جاسکے گا۔

خاموشی کے ایک شعر میں کہتے ہیں :

منہور ملک جہان پروردگار کی رحمت
 میں لوگوں کو اپنے اعمال کی جزا پر فخر ہے اور بہشت اور دوزخ کے جھگڑے
 میں اپنے گنہگاروں میں بہشت میں جانا چاہتے ہیں اور دوزخ سے بچتے ہیں، لیکن میں
 شخص کو دوزخ و بارہی تنہائی کی عطا کا مشق ہے، اس کے لیے شعلے اور پھول، بہشت
 اور دوزخ میں تیز کی کوئی وجہ نہیں۔

۴۔ شرح : اگرچہ دوزخ قید کر دیتے گئے، لیکن وہاں بھی دانا
 کی یاد دہن کے رمانوں سے موند ہو سکی۔ وہاں بھی انھوں نے اپنے پیروں پر چاک
 کر ڈالے۔ یوں پھول کے کھٹنے کا جواب دیتا کر دیا۔

کناہ چاہتے ہیں کہ دیوانوں کا گریباں پہنائیں اور دامن چاک کرنا پھولوں کی
 یاد کا ثبوت ہے، وہ بھی تو اپنے دامن چاک کرتے ہیں۔

۵۔ شرح : اسے غائب ! ابھی بہار کا موسم ہے، جس میں پھول
 کھتے ہیں اور شراب پی جاتی ہے۔ اس موسم کے رخصت ہونے ہیں، ابھی کچھ
 وقت باقی ہے۔ نصیحت کرنے والا چاہے نرم جاسکتے ہیں کہ جاسے دوزخ
 ہونے کا اصل ہمید کیا ہے۔

مضبوط یہ کہ دیوانگی کا راز فیصل بہار ہی میں کہا جاسکتا ہے۔ یہ فصل گز
 جانے کی تو دامن کے چہرے سے پردہ کون اٹھائے گا۔
 یہ غزل بھی آہستہ اور عشقی دوزخ کے جلوے میں شام ہے۔



خود جان دے کے روح کو آزاد کیجیے
 ۱۔ شرح : جان دے کہ روح
 تاکہ خیالی خاطر جلا کر کیجیے
 کو کرنا کہیوں اور

مہمیتوں سے تھکت
دھینچے جیو دے دل
کافیاں کہیں تک کرتے
رہیں گے۔

۲۔ شرح :
جو غم دل سے غور ہو
پگھلیں یادیں یاد نہیں
چہہ ، انہیں یاد کرنا
چاہیے ، پھر محبوب کے
ساتھ جا کر غم کی حکومت
کرنے مناسب ہو ۲۔
جب تک تمام رنج
اور غم مہمیتوں نہیں
ہیں ، تو وہ بول ، محبوب
سے شکایت کریں بھی
تو کیا کہیں گے

۳۔ مشرق :
صلوتِ حال یہ ہے کہ

نوائے میں ، خود کار کرنے کی طاقت ہی جوں رہی ، انہیں دل کی کیفیت پر لب ہے ۔ اور
یہی ہا ہل ہے کہ غم یاد پر فریاد کرتے ہائیں ۔

۴۔ مشرق :
دلوں کے لیے مرثیہ محبوب کی ہے
چہہ ، یہ آواز ہے جو کہ ٹھہرا رکھا ہی ہے ، اور مرثیہ آباد ہو جائیں گے ۔

۵۔ مشرق :
کہہ ڈالیں اور غم کے نام سے جوئے حالت کی زد پہنچتے

بھولے ہوئے جو غم ہیں ، انہیں یاد کیجیے
تب جا کے آن سے شکوہ بیدار کیجیے
حالانکہ اب زباں میں نہیں طاقتِ لہذاں

پہنچل یہ چاہتا ہے کہ فریاد کیجیے
بس ہے دلوں کے واسطے اک شخصِ نگاہ
اُڑھے ہوئے گھروں کو پھر آباد کیجیے
کچھ درد مند منتظرِ انقلاب ہیں
ہو شاد ہو چکے ، انہیں نا شاد کیجیے
شاید کہ یاس باعثِ افشائے راز ہو
لطف و کرم بھی شاملِ بیدار کیجیے
بیگانہ رسومِ جہاں سے مذاقِ عشق
طرزِ جدیدِ ظلم کچھ اچھا دیکھیے

نوائے میں ، خود کار کرنے کی طاقت ہی جوں رہی ، انہیں دل کی کیفیت پر لب ہے ۔ اور
یہی ہا ہل ہے کہ غم یاد پر فریاد کرتے ہائیں ۔

۴۔ مشرق :
دلوں کے لیے مرثیہ محبوب کی ہے
چہہ ، یہ آواز ہے جو کہ ٹھہرا رکھا ہی ہے ، اور مرثیہ آباد ہو جائیں گے ۔

۵۔ مشرق :
کہہ ڈالیں اور غم کے نام سے جوئے حالت کی زد پہنچتے

کے، انگاری، بیٹھ نہیں، اسے محبوب : بھاپ کی غارت سے خوشی اور مسرور ہو چکے ہیں، انہیں بھی ذرا دلچسپی کا مزہ چکھا بیٹھ، رنگیں رنگوں کے لیے شرمائی کی سورہ یونہی پیدا ہو سکتی ہے کہ اشتیاق اس کے اور خوشی کی پیادہ ہو چکے ہیں، وہ دلدل کی کادور بھی دیکھ میں۔

۴۔ شرح : اگر عاشقوں پر غم و جور سی ہو تو اسے کاتوڑیں، بھونکی کے اور اس کے عشق کا بھرم کھن پھٹے گا۔ مناسب ہے کہ غم و جور کے ساتھ ساتھ مسرورانی اور فرائض کا سلسلہ بھی جاری رہے، اگر عاشقوں کو باپوس سے سادہ نہ رہے۔

۵۔ شرح : عشق کا ذوق دنیا کی دھنوں سے بالکل ناکھٹا ہے۔ آپ غم کا کوئی دیا طریقہ دیکھ کر میں، پرنا اور طریقہ نوکر کر معلوم نہیں ہوتا۔



ہم سے خوبان جہاں پہنچو تھی کرتے رہے : شرح :

ہم ہمیشہ مشق از خود رفتگی کرتے رہے دنیا کے عین میں
 کثرت آرائی خیال ماسوا کی جسم تھی اس کا شوق ہے رہے

مرگ پر فاعل گمان زندگی کرتے رہے کرم سے تین ہزار
 داغ نمائے دل پیرا رخ فائدہ تار یک تھے نامی اور بالی

تامناک قبر پیدا روشنی کرتے رہے تعلیق دینا ہم پر
 شور نیرنگ بہار گلشن ہستی نہ پوچھ کمرے کے لیے

ہم خوشی اکثر رہیں ناخوشی کرتے رہے دھن کی مٹی کرتے
 شور نیرنگ بہار گلشن ہستی نہ پوچھ مطلب یہ معلوم

ہم خوشی اکثر رہیں ناخوشی کرتے رہے یہاں کہہ کر دیکھو

یہ عشق کا مشعلہ رخصت اسے تمکین آزار فساق بہراں
 مدد ہی نہ تھا کہ پہنچے ہو سکا جب تک غم و اماندگی کرتے رہے
 وہیں غور فرماؤں میں مست دکھلا رہے۔ تیسوں نے بھرا کر ہم ویرانے ہیں اہلدا
 ہم سے دور بھاگتے رہے۔

۶۔ لغات : کثرت آرائی : کثرت : گوشت : کی خدمت ہے
 جسے صرف تو میرے کے مٹانی چاہتے ہیں۔ کثرت آرائی سے مراد ہے ایک وجود جنہیں
 کے سوا بہت سے وجود تسلیم کر دیتا۔

ناسوا : ہر وہ شے جو وجود ہمارے آسمانی کے سوا ہو۔

شرح : ناسوا کے خیالی میں بتلا ہو کر وجود کی جو کثرت پیدا ہوتی
 وہ دراصل ایک وجہ تھی۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ حقیقت ناشائس ہوگ موت پر
 زندگی کا گمان کرنے رہے۔

• غلبہ : یہ کہ ناسوا کے چکروں میں پڑ کر خدا کے ہوا بہت سے وجود تسلیم کر
 بیٹا رہا ہے۔ جیسے مزدوں کو زندہ سمجھ لیا جائے یا موت کو زندگی قرار دے
 لیا جائے۔

۷۔ لغات : مفاک : گڑھا۔

شرح : دل میں عشق کے جو دارغ تھے اور اصل میں میرے
 اندر میرے گھر کے ہزار تھے اور قبر کے گڑھے تک ان سے میرا سبب و دشمنی رہا۔
 ہم۔ لغات : مدہین : گہرہ۔

شرح : باغ بہتی کی بہار میں رات دن جو نظیرات ہوتے تھے
 میں اور یہ بہار میں جو شیرنگیاں دکھاتی رہتی تھیں ان کے بارے میں کہہ رہا تھا۔
 حالت یہ ہے کہ ہم جن چیزوں کو گونا گونی اور مسرت کا سامان سمجھتے رہے۔ انہیں
 حق اکثر دغ و غم کے پاس گروہ دکھاتا رہا۔ یعنی یہاں کی خوشیوں عمر کا سبب و غم ہیں کا

موسیب بقی رہیں۔

۵۔ لغات : دامنہ گی : پیچھے رہنا اور پھڑپھڑانا۔

شرح : اس سفر کے ساتھیوں کی بددلی کے ذمہ : ان کی
نکاح و دل پر پھڑپھڑانا : اس لئے کہ وہ ایک دوسرے سے
جانتے کاظم کر کے : اس لئے کہ وہ ایک دوسرے سے جانتے چاہتے ہیں۔



۱۔ شرح :

دلجوئی کے ذمہ :
درد کا کیا جاسکتا ہے
جب کہ دل میں درد
ہو جائے تو کوئی کیا
کر سکتا ہے ؟
پھر ان لوگوں کا مطلب
کس سا دل سے بیان
کروا گیا ہے اور کتنی
بڑی جہالت پر مبنی
ہے : یہاں کا مطلب
کیا ہے ؟
وجود ہی جیسا ہی
ہو جائے تو کوئی کیا
کر سکتا ہے ؟

۲۔ شرح :

یہ نہ کیجئے کہ تم فرماؤ

درد ہو دل میں تو دوا کیجئے

دل ہی جب درد ہو تو کیا کیجئے

ہم کو نہ یاد کرنی آتی ہے

آپ سنتے نہیں تو کیا کیجئے

ان باتوں کو خدا سے کیا مطلب

تو یہ تو یہ خدا خدا کیجئے

رہنچ اٹھانے سے بھی خوشی ہوگی

پہلے دل درد آشنا کیجئے

عزیز شوخی، نشاط عالم ہے

عین کو اور خود نہ کیجئے

نہیں کر سکتے یا
 دشمنی جو چکی یہ قدر و تا
 اب حق و دوستی ادا کیجئے
 موت آتی نہیں کہیں غالب
 کب تک افسوس زلیست کا کیجئے
 فراہم کرنے سے کیا
 حاصل ؟ آپ ہی جانیے کہ ہم کیا کریں !

۴۔ شرح : بھائی یہ سنگ دل حسین بھی خدا کو مانتے ہیں ! تو یہ تو بہ !
 خدا خدا کیجئے : ان کے انداز و اطوار ہی سے ظاہر ہے کہ نہ یہ خدا کے مخالف ہیں اور
 نہ ان سے خدا ترسی کی امید رکھتی جا رہے۔

۴۔ شرح : اگر دل کو درد کا ٹوکر بنا لیا جائے تو جو سچی پہنچے گا
 گا۔ وہ خود کو درد خوشی کا باعث بن جائے گا۔ یہ وہی مضمون ہے جو دوسری
 جگہ لکھا گیا ہے :

رج سے ٹوکر ہوا انسان تو مت جانا ہے رنج
 دلکھیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آسان ہو گئیں

یہ کوئی فیالی بات نہیں۔ حقیقت ہے انسان کے کام احساسات ہیں کی
 عادت پر موقوف ہیں۔ اگر وہ خوشی کا عادی ہے تو رنج پہنچنے پر غمیدہ ہو گا۔ اگر
 رنج کا عادی ہے تو اسے غم سے کوئی آزار نہ پہنچے گا۔ بلکہ خوش ہوگی۔ جو کچھ خوشی
 دے دے یعنی عادت کے مطابق ہے۔

۵۔ شرح : اسے محبوب : آپ کی طرف سے خوشی کا اظہار ہو رہا
 ہے۔ یہی کائنات ہے۔ وہی کی طرح روڑ جاتی ہیں۔ دشمنی حسن کی خود بخود کا کرشمہ ہے۔
 نہ تو عالم کی خاطر اسے اور غور نہ کیجئے۔

۶۔ شرح : جاری رہا دوسری کی جتنی بات تھی، اس کے موافق تو

آپ دشمنی کر چکے۔ جب دوستی کا حق بھی تو ادا ہونا چاہیے۔

مطلب یہ کہ آپ نے دشمنی سے ہماری دکان داری کا انتظام تو کر لیا اور اس
انتظام کو کوئی آہوا بھنا نہ تھا۔ آپ دینی کا بھی کوئی مسئلہ ہونا چاہیے یا مادی مسئلہ
آزاد کش جی میں گزر جائے گی یا

۷۔ شرح : اسے غائبہ اسلحہ و غم سے بھری ہوئی زندگی کا
انوسوں کب تک کریں! کہیں یوں بھی موت آتا ہے وہ دونوں ہر حال و وقت پر گتے
کی آئندہ اسلحہ و غم کو قفسہ ختم کرو۔



۱۔ شرح :

یہ نہ بانی کا حال ہیں

کرتے کا طریقہ ہیں

میتے کہ مٹانے کا روش

سچے دلوں سے نکلے

کو بھیا۔ پتھر سے مرنے

پر ہونا آجہ دورہ

کی گھات میں خوشی کا

راز نہ ٹھہرا ہو ہے۔

مطلب یہ معلوم

ہوتا ہے کہ ہم سزا

ورنہ کیا، نہ سزا کا

نہیں کر سکتے۔۔۔

یہی چاہیے ہونا کہ اس

سکوت و خاموشی اظہار حال جھڑبانی ہے

کہیں حد میں پوچھ شادی شادمانی ہے

جہاں میں مال و قال شیخ سے اندازہ دلچسپی

نگر نہ نقد راج کش کا ابھی دورہ جوانی ہے

ثبات چند روزہ کا فرما کے غم و حسرت

اجل سرا یہ دار دورہ عیش و کامرانی ہے

گدازہ دروغ و دل شمع بساط خاندان ویرانی

پوش کا مجھست میں خروغ چاندانی ہے

دور خود نمائی رہن ذوق جلوہ آرائی

یہ وہیم کامرانی جذب دل کی شادمانی ہے

شراب بنادے دلی کی دل حرمال لقب کی داد دے لے چرخ لیے پھا
کیفیت شیک ٹھیک بہ عمارت داؤد زحمت و متاع کامرانی ہے ۔
وامع ہو سکتی ہے ،

لیکن اٹھا جاتے ہیں کرفوشی و دروہی کے پردے میں چھپی ہوئی ہے ۔

۲۔ شرح : شیح کی کیفیت ، وضع و لباس ، طور طریق اور گفتگو کا انداز
بڑا دل بہاؤ والا ہے ۔ بلے اختیار کرنا چاہتا ہے کہ ان محفرت کی نصیحت سنیں
اور انھیں کاغذ و طریق اختیار کر لیں ، لیکن کیا کیا جائے ، ابھی شراب نوشی رند کی
جہان کا عالم ہے اور اس عالم میں شیح کی بیرونی کرینا بالکل مناسب نہیں ۔

۳۔ شرح : چند روزہ زندگی میں تم و صبر کی کامرانی کے سوا
کچھ نظر نہیں آتا اور موت عیش و کامرانی کے دور کی سرمایہ دہ ہے ۔ یعنی زندگی
سراسر فم ہے اور موت سراسر عیش و کامرانی ۔

۴۔ شرح : دارشہ ولی پھل پھل کرکھری کی برادری کے لیے چارٹ متیا
کرتا ہے ۔ حقیقت حال کے نذر نگاہ سے دیکھا جائے تو صبر کی تیش کو وہیں نشان
کے لیے واضح اجالے کا سامان ہے ۔

تست ہوئی تو دل پر وار ہوگا ۔ وارث کی جان روشنی کا سامان بہم پہنچائے گی
نہ نہ محبت ہی انسان کے اندھیرے دل میں وہ ضیا پیدا کرتی ہے جو کہیں اندھ
نہیں پڑتی ۔

۵۔ شرح : بنادے محبوب کو خود نائی کے شوق کی فراوانی سے
ہوئے آرائی پر گامادہ کر رکھا ہے ۔ بنادے دلی کی کشش میں پرغوش ہے کہ اس کا
مقام حاصل ہو رہا ہے ۔ حالانکہ یہ سراسر وہم ہے ۔

مطلب یہ کہ محبوب کی تمام جہود آرائیاں اس کے ذاتی خود نائی کا نتیجہ ہیں
ہاں سے جذب دلی کہ اس سے کوئی تعلق نہیں مگر ہم دہ میں مبتلا ہو کر اسے اپنی
کامیابی سمجھ کر چہرے سے نہیں جاتے ۔

۱۔ لغات : حیراں لقیب : وہ جسے غرونی و نامراد می کا
لقب مل گیا ہو اسے سرایا غرونی و نامراد می۔

شرح : اسے جسے پروا آسان ا جا سے دس دلی کی
تو داد دے آخر سرایا غرونی و نامراد می بن گیا ہے اور کامرانی کا سر و سامان
بالکل ٹھیک ہے۔



۱۔ لغات :

اضطراب آماوہ
آماوہ اضطراب ،
بیقرار و مضطرب۔

شرح : اس

دنیا کا ذوق و تہویر

سرایا اضطراب بنا

بٹا ہے تو یہ کس کی

شوخی رفتار کی بھلی

فریفتہ ہے ؟

مطلب یہ کہ

دنیا کے ذوق و تہویر

میں جو یہ تہویر تہویر

پائی ہوئی ہے وہ

غرونی کی شوخی رفتار

کی بھلی کا کرشمہ ہے،

کس کی برق شوخی رفتار کا دلدادہ ہے

ذوق و تہویر اس جہاں کا اضطراب آماوہ ہے

جسے غرونی سرکشی صورت نمائے عجز بھی

منقلب ہو کر بساں نقوش پا افتادہ ہے

نمائندہ میراں ساز بی عشق جفا پیشہ نہ پوچھ

نامرادوں کا خط تقدیر تک بھی سادہ ہے

تو دل نشاط و سرخوشی ہے آئینہ فعل ہمار

آج ہر سیل وصال عالم میں موج بادہ ہے

زندگانی نہ سہرا راہ فنا ہے اسے اسدا

بہر نفس ہستی سے تامل تک مدد تک جاوہر

لیکن وہ کون ہے۔ اعلیٰ ہر جہ کہ میان اٹھارہ محبوبہ عشق کی طرف ہے۔

۲۔ **شرح :** سرکشی کا غرور عاجزی کی صورت ہے۔ اختیار کرنا ہے۔ جب وہ پتا ہے تو فتنہ قدم کی طرح نہیں پرگھاتا ہے۔

۳۔ **نغات :** خانہ ویران سازمی : گھر برباد کر دیا۔

شرح : عشق بھی علم و ستم میں کسی سے کم نہیں۔ اس کی کیفیت کچھ بوجھے۔ اس نے ہزاروں گھر ویران کر دیے۔ حد یہ کہ ہزاروں کی نسبت کا خط بھی بالکل سارہ ہے۔ یعنی اس میں کوئی رنگ، کوئی دکھائی اور کوئی پانچویں نہ

۴۔ **شرح :** فصل بہار کا آنا پہلے غرور عیش و مستی کا ہی نام ہے۔ بہار کی آمد پر دنیا میں جہاں کوئی سنبل بہتا نظر آئے گا، سمجھ لینا چاہیے کہ وہ شرب کی امر ہے۔ یعنی بہار۔ دوسرے دوسرے میں نقاد و سرفروشی پیدا کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ سب بھی غرور و بادمی کا ایکہ داخل ہے۔ اثر و سب میں جاتا ہے۔

۵۔ **شرح :** اسے استد : نالہ کی ناک کے رستے پر مسافر کی طرح جی چاہی ہے۔ اندھا نہاں ہر سانس لینا ہے، وہ جتنی سے عدم تک ایک راستہ ہے۔

ہر سانس کو عدم کی طرف راستہ قرار دینا اس اعتبار سے صحیح ہے کہ اس طرح سانس لینا ہوا انسان ناک کی ترس میں لے کر آجاتا ہے، یہاں تک کہ سانس ختم ہونے ہی آخری منزل آجاتی ہے۔



۱۔ **شرح :** اس جو روح جفا پر بھی، بد خلق نہیں ہم تجھ سے ہم پر ہمتائی ہو دو علم ہو رہے ہیں۔ لیکن ہرے متعلق دل میں گواہ ہوا کہ یہ نہیں

کیا طرفہ تمنا ہے، امید کرم تجھ سے امید و آرزو میں کیوں جیتے ہیں ہم آخر سچتے ہی نہیں کوئی جببہ دو عالم تجھ سے

وارنگی دل ہے دیا دستِ شرف ہے
 جو اور تھوڑے اہل
 ہیں اپنے تخیل میں دن رات ہم تجھ سے
 کرم کی امید بدستور ہوتی
 یہ جو روحِ جفا سہنا، پھر ترکِ وفا کرنا
 ہے کہ کتنی عجیب
 اے ہرزہ پروردی بس عاجز بنے ہم تجھ سے
 غائب کی وفا کیشی اور تیری ستم رانی
 مشورہ زمانہ ہے اب کیا کہیں ہم تجھ سے
 معذب یہ کہ
 زندگی میں بھی ایک
 لے کے یہ بھی رشت
 نصیب نہ ہوئی وہاں

ہر کسی بگھنے دیکھ کر جو کہ ہے اجاڑے اپنے اہل کی سزا ہے۔ تیری طرف
 سے بھی کوئی بدگمانی پیدا نہ ہوئی۔ اگرچہ تھوڑے اہل و کرم کی امید عجیب سی معلوم
 ہوتی ہے، لیکن بدستور قائم ہے۔

۷۔ شرح : تو جی سنا کر رہے ہیں کہ اسے خدا! اب ہم تیری طرف
 سے کوئی نئی دہم ہی برداشت نہیں کرتے تو آخر تھوڑے اہل و کرم کی امید پر
 کیوں زندگی بسر کر رہے ہیں؟ غلط کی امید تو اس کو ہو سکتی تو دھم ہے۔

۸۔ شرح : ہم اپنے خیال میں رات دن تجھ سے مل رہے ہیں۔
 معلوم نہیں یہ ہمارے دل کی وارنگی اور دیوانگی ہے یا یہ سب کچھ کسی قوت
 کے تصرف کا نتیجہ ہے۔

۹۔ لغات : ہرزہ پروردی : یہودی و مشرک و کافر۔

شرح : اسے ہم پروردہ نہ دیکھ، پھر دنا کے راستے سے
 بہت دنا کے کی گھر ہوئی۔ اسے یہودی، کھرا، الگ ہو، ہم تیرے (انہوں) مانجوا گئے۔
 مطلب یہ کہ جو روحِ جفا برداشت کر رہے تھے کہ بعد دنا سے دست بردار نہ رہا
 سراسر غلطی ہے۔

۵۔ شرح : غائب و غادہ سے اور تو سنے ہم درجہ میں بھی گئی
 سنی ہوگی۔ دو نمونے باتیں نہ مان بھر میں مشہور ہیں۔ ہمارے ہے اس باب میں کچھ
 کہنے کی کیا ضرورت ہے ؟



۱۔ شرح : تاسے دل کھول کے دو چار کروں یا نہ کروں
 اسے قائم آمان !
 یہ بھی اسے چرخ ستارہ کروں یا نہ کروں
 میں دو چار نہ کروں
 مجھ کو یہ وہم کہ انکار نہ ہو جائے کہیں
 یا نہ کروں ! اتنے
 ان کو یہ فکر کہ اقرار کروں یا نہ کروں ؟
 ہم سے اتنے دلوں
 لطف جب ہو کہ کروں غیر کو بھی میں بدنام
 اجازت بھی ہے
 یا نہیں !

۲۔ شرح : کہیے کیا حکم ہے سرکار ! کروں یا نہ کروں
 میں نے محبوب سے وصل کا سوال کر دیا ، ساتھ ہی دل پر یہ وہم سوار ہو گیا کہ
 کہیں انکار نہ کر دیں۔ وہ اس فکر میں پڑ گئے کہ اس سوال کے جواب میں انکار
 کروں یا نہ کروں ؟

۳۔ شرح : بلہ سے تو آپ کو داورم پسند نہیں اور غیر سے دل بڑاں
 جا رہی ہے ، مزہ اسی دولت آئے ، جب میں آپ کے ساتھ غیر کو بھی بدنام نہ کرنا
 فرمائیے سرکار ! کیا حکم دیتے ہیں ، ایسا کروں یا نہ کروں ؟



۱۔ شرح : نہ پوچھ حال اس انداز اس خطاب کے ساتھ
 اسے محبوب ! تو
 یوں پر جان بھی آجائے گی جواب کے ساتھ
 غصہ بھر سے آمان !

مجھے بھی تاکہ تمنا سے ہو نہ ایسی

مور قیب سے، لیکن ذرا حجاب کے ساتھ

نہ ہو یہ ہرزہ روا دایر سعی، یہود

کہ دوسرے عیش ہے مانا خیال و خواب کے ساتھ

بہر نظم دل باعث مسترت ہے

نموسے حیرت دل ہے ترے شہاب کے ساتھ

.....

سکون دل کو تعلق ہے اضطراب کے ساتھ

لگاؤ اس کا ہے باعث قیام ہستی کا

ہوا کو لاگ بھی ہے کچھ مگر حباب کے ساتھ

ہزار حریف کہ اتنا نہیں کوئی غالب !

کہ جاگنے کو ملا دیوے آکے خواب کے ساتھ

یہ حقیقت ہے کہ عیش کو نہ خیال یا خواب سے مشابہ ہے، بلکہ اس دنیا میں عیش کے لیے خیال و خواب کی طرح کوئی ثبات و قیام نہیں۔

۴۔ لغات : بہر نظم : ہر صورت میں، ہر طرح۔

شرح : غم دل کے ہے ہر حال میں، باعث روانہ ہے، کیونکہ

مجھے بھیہ حیرت شہاب ترقی کر رہا ہے، دیکھ دیکھ میرے دل کی حسرت

میں میرا حال نہ پہنچے

مگر غیب دوں ترس

کے ساتھ جان بھی

ہوں پر آجائے گی۔

۲۔ شرح :

اگر تم رکیب سے ملے

پرکے بیٹے سوا بہتر

تھے، یہو لیکن نہ آجائے

بغیرا کر گونا گوں

بالن کی مایوس نہ ہو

جاؤں، یہاں تک کہ

قبائلی تمنا سے بھی

بائت و حویشوں،

۳۔ شرح :

ایک یہود اور

دالکی کو شمش میں

ہے قاتلہ مصروف

دہنے سے کیا مائل

بڑھ نہ رہی ہے۔

۵- شرح : پہلا مصرعہ پڑھا نہیں گیا، دوسرے مصرعے کا مطلب ہے کہ دل کے سکون کو اضطراب و پریشانی سے تعلق ہے۔

۶- شرح : جو اکالفاذ میں پٹھنے کے لیے زمزمی کا باعث ہے۔ یعنی ہوا ہی کی بدولت تکفایہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ گلوں کے ساتھ ہوا کو پٹھنے سے ناک بھی یعنی دشمنی بھی ہے، کیونکہ ہوا ہی اسے توڑ بھی دیتی ہے۔

۷- شرح : اسے غائب ! ہزار افسوس کہ اس دنیا میں کوئی ایسا دور نظر نہ آیا، جو جائزے کو سونپنے کے ساتھ طاقت ہے۔

مطلب : یہ کہ شعیب فراق میں عاشق کو غیب نہیں آتی۔ ذات ختم ہوئی ہے، دن کو قرار آتا ہے۔ مزید کہ جاوڑ چتا ہے۔ اس حالت میں پریشانی ہو کر کہتا ہے، کاش کوئی ایسا دور منہ نکھم ہوتا، جو میری بیداری کو غیب سے ظاہر کرنا، یعنی میں سوچا تھا کہ کچھ مدت کے لیے پریشانیوں سے نجات پاتا۔

۱- شرح :

میں دیکھتا ہوں کہ
کی کیفیت ہے
اب ظلم کے
ظلم و جور میں گواہوں
اور ہم انہیں خوشی
خوشی برداشت کرنے
کے لیے تیار ہیں
جب تک یہ

وضع نیرنگی آفاق نے مارا ہم کو
جو گئے سب ستم و جور گوارا ہم کو
دشت و حشت میں نہ پایا کسی صورت سرخ
گر و جولان جنوں تک نے پکارا ہم کو
عجز ہی اصل میں تھا حال صد رنگ عروج
ذوقی پستی منہ بہت نے اہجارا ہم کو

ضعف مشغول ہے بیکار بر سعی بیجا
 کر چکا بوش جنوں اب تو اشارا جم کو
 صورتِ محشر کی صدا میں ہے فنونِ امید
 خوابش زلیست ہوئی آج دوبار اجم کو
 نقشہ گور سفینے کے مماثل ہے اسد
 بحر غم کا نظر آتا ہے کنار اجم کو
 اشارہ نہ تھا کرد نیا
 کی کسی ہوش کو شہادت
 نہیں تو ہر کیفیت وہ
 واقعہ پر پریشان
 ہوتے تھے۔ جب
 ہم پر روشنی ہو چکا
 ہے کہ یہاں کی کسی
 بھی حالت کو فراموش
 نہیں۔ زیادہ کردہ جس

ہیں سہ اور بڑے رنگ ہوتا ہے جاہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے سر کا غم کو
 بھی ایک عام چیز بنا دیا اور سبے تکلف سب کچھ برداشت کرتے پلے جا رہے
 ہیں۔ اقبال کیا خوب کہہ گئے ہیں۔

سکونِ محال ہے قدرت کے کارِ غیبی

ثباتِ ایکِ تعمیر کو جسے نہ مانتے ہیں

۲۔ شرح : ہم بخود جو کرنا ہوا میں پہنچ گئے اور ایسے ہی پہنچے
 کہ نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ انجروی کے نام میں پہنچتے پہنچتے جو گرد ہم نے ڈالنی
 تھی وہ بھی پکڑ لی۔ یہی، مگر کوئی جواب نہ ملا اور ہمارا کچھ بچا نہ چلا۔

۳۔ شرح : ہمارا غم و نیاز ہی اصل میں ہمارے ہی ہر قسم کی برتری کا
 فدا ہوا اور وسیلہ تھا۔ صحیح معنوں میں ہم غم و غمی کا جو ذوق پیدا کر رہے تھے وہی بارے سے
 ابھرنے کا سہارا بن گیا اور ترقی کرتے کرتے ہم کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔

۴۔ شرح : جب تک ہم ضعیف ہیں، لیکن جو شہدائوں کا امانہ پاس ہے
 ہی صحرانوردی کے لیے تیار ہو سکتے ہیں۔ اب ضعف ہمیں روکنے کی جہ نہیں جو کشش
 کے ساتھ وہ بالکل بے سود اور بے حاصل ہو گی۔

کتاب چاہتے ہیں کہ ہمارا وجود فزائل خلعت و طاقت پر معروف نہیں، بلکہ اس کی
برسرکاری جویش جنوں کا نتیجہ ہے۔ گویا ہماری عاہری حیثیت پر نہ جانا چاہیے، معنوی قدرت
پر نظر رکھنا چاہیے۔

۵۔ شرح : قیامت کے دن مٹے ہوئے لوگ اٹھیں گے اور انہیں بھی قبر سے دوبارہ
زندگی کی امید ملے گی۔ انشاء اللہ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کی آواز میں آنسو کا کوئی جائزہ نہیں لیا
جس نے میری وہ دلی دوسری اور اندرونی بات کو سمجھ کر دوسری زندگی کے مصیبت خیز حواشی و
تجربات کا نتیجہ بنی۔

۶۔ لغات : مماثل : مانعہ، مشابہ۔

شرح : اسے اس قدر قبر میں جو تھکے لگائے جاتے ہیں اور
کشتی سے ملے جاتے نظر آتے ہیں، جس میں بیٹھتے ہی غم کے دریا کا کنارہ
نظر آتا۔

مطلب یہ کہ موت ہی پر اس دنیا میں غم ختم ہوتے ہیں، جیسے کہ
دوسری جگہ کہا !

قید حیات و بنیو غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں !

۱۔ شرح :
شہنشاہی ہونے کی بنا
پھر بھی ہر وقت
آدائش میں مصروف
ہے۔ آدائش ہرگز
نہ ہوتی، اگر نظر کے
حسین بے پروا گرفتار خود آرائی نہ ہو
گر کہیں گاہ و نظر میں دل تماشائی نہ ہو
بیچھے تاشیر عالم گیری ناز و ادا
ذوق عاشق گرا سیر دام گیرائی نہ ہو

خود گداز شمع، آغازِ فسر و غ شمع ہے
سوزشِ غم در پئے ذوقِ شکیبائی نہ ہو

تارِ تارِ پیرِ جن ہے اکِ رگِ جانِ جنوں
عقلِ غیرتِ پیشِ حیرت سے تماشائی نہ ہو
بزمِ کثرت، عالمِ وحدت ہے دنیا کے لیے

لے نیا عشق، اسیرِ زورِ تنہائی نہ ہو
ہے محبتِ ریزنِ ناموں، انسانِ اسے اسدا
قامتِ عاشق پہ کیوں بیویں رسوائی نہ ہو

گردِ کھتا ہے۔ اس شمع میں بھی رہی مشعلِ ترقی، پیشِ نظرِ اجوہ خورشیدِ بیانی
کیا جا کہے کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ دل پاؤں گھمے پانا ہاتھ۔ یوں عشق
پیدا ہوا کہ شمع کی معرفت کمال پر پہنچا ہے۔ یہ شمع کی خود آرائی تھی اور گلِ بیجی ہوئی
شان سے بھی بے دامن تھا ہے کہ خود آرائی پر ستورِ جلدی ہے۔

۴۔ لغات : گہرائی : گرفت

شرح : حسن کے ناز و واسطے زمانہ بھر پر اپنی قوت کا سزا
بھٹا کھتا ہے۔ لیکن اگر عشق کا نور تو اس حال کی گرفت میں آئے گا کہ یہ تیار نہ ہو
تو ناز و داد کی نہ گہرائی ہوگی۔ وہ ہاتھ لے۔

مطلب یہ کہ حسن کی جاذبیت اور کشش صرف عشق کی ہدایت ہے۔ اگر
کوئی حسن کے دام میں پھنسنے کے لئے تیار نہ ہو تو اسے کون پھنسنے کا اور اس کے
ناز و داد کی قدر و قیمت کیا رہ جائے گی؟

ساقیِ دلِ گعات میں
بیکرِ کرشمہ کا نظارہ
دیکر بنا۔

مطلب یہ کہ
حسن کو ناز و داد سے کیا
کما سنہ ہوئے اور
پہلے نقشے کی ضرورت
اس سے پیش آتی
ہے کہ عشق کو دیکر
ہے اگر چہ کھل کر
ساتھ نہیں آتا اور
فکر کی گعات میں پیش

۳۰۔ نفات : شکیبائی : صبر، ضبط۔

شرح : غم کا سوز کیوں صبر و شکیب کا ذوق پیدا کرنا چاہتا ہے ؟ یعنی اسے کیوں صبر کی کار تو پیدا کیا یہ حقیقت معلوم نہیں کہ شمع کا پگھلنا ہی اس کے لیے روشنی کا سرور سامان ہے ؟ جب گزند کے بغیر روشنی نصیب نہیں ہو سکتی تو غم کی سوزش کیوں صبر کی طرف مائل ہو ؟ سوزش بدستور جاری رہتی چاہیے تاکہ آپس بھی شمع کی طرح روشنی ہی پاس کے اور ہم بھی محضت تک پہنچ سکیں۔

۳۱۔ شرح : ہمارے لباس کا ایک ایک تلخ جن کے لیے گلاب جان کی حیثیت رکھتا ہے، اصل جنوں نغمہ ہیں اس طرح وہ سکا ہے کہ لباس کا زہار ہے۔ یہ منظر دیکھ کر عقل کو بڑی غیرت آتی ہوگی اور وہ اس پر سراپا حیرت ہے، کیونکہ کام اس سے ہی نہیں آ سکتا، اس لیے حیرانی سے دیکھنے کی اسے کوئی ضرورت نہیں۔

۵۔ شرح : اگر کس کے پاس حقیقت کو دیکھنے والی آنکھ ہو تو کثرت کی اصل یعنی کائنات بھی وحدت کی دنیا ہے، ایسی حقیقت جس کو ہر جگہ وحدت ہی وحدت نظر آتی ہے۔ جسے عشق کی بجائے نیازی مل گئی ہے اسے صفت کے گوشے میں بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ جلوت میں بھی ہر طرف وحدت ہی دیکھ رہا ہے۔

۶۔ شرح : اسے اس قدر محبت انسان کے نام و ننگ اور عزت کے مستحق قرار کا غم رکھتی ہے یعنی محبت ہو جائے تو ناموس و ننگ کا کوئی خیال نہیں رہتا۔ ہر کیا وجہ ہے کہ عاشق کے بدن پر رسوائی کا لباس نہ ہو ؟ ننگ و ناموس قسم ہو گئے تو رسوائی کے سوا کیا باقی رہ جاتا ہے ؟

خزینہ دارِ محبت ہوئی ہو اسے چمن

بنائے خندہ عشرت ہے یر بنائے چمن

ہر ہرزہ سخی گلہاں نہ کھا فریبِ نظر

ترے خیال کی وسعت میں ہے فضا چمن

یہ نغمہ سخی بیلِ متابعِ زحمت ہے

کہ گوئی گل کو نہ اس آئے گی صدائے چمن

صدائے خندہ گل تا نفس پہنچتی ہے

نسیم صبح سے سنتا ہوں ماہرائے چمن

گل ایک کاسۂ دیوڑۂ مسرت ہے

کہ عند لبِ نوا سنج ہے گدائے چمن

خریفِ نالہ پرورد ہے، تو ہو پھر بھی

ہے کاتِ تبسمِ پنہاں ترا ہوائے چمن

بہارِ اسروِ جاوۂ فنا ہے، اسدا

گل شگفتہ میں گو یا کہ نقشِ پائے چمن

ہی ہے، سادۂ کاہر ہے کہ جس سے جو صدائیں نقش ہیں اور وہ بیلِ چمن

ترا ہے یہ پھول کے گل کو اس دانیں گی۔

مطلب یہ کہ بیلِ گشتہ میں کتنی ہی شقیں اٹھائے، مگر اس کا گل پھول

کو گوارا نہ ہوگا۔ عاشقوں کا حال ہر ملک یہی ہے۔

۱۔ شرح :

بارگ کی ہوا چھو دامن

میں محبت کا خزانہ

یہے ہوئے ہے ۔

بیش و عشرت کی شادابی

کی بنیاد بارگ ہی کی بنیاد

پر رکھی گئی ہے۔

۲۔ لغات :

ہرزہ سخی : بیہودہ

گوئی اور میٹ کا رہی۔

شرح :

تو ہمیں کیوں کیوں کیوں

نکھائیے تیرے خیال

کی دست میں چمن

کی نقاشی سرائے۔

۳۔ شرح :

بیلِ خواہ گوارا ترافے

گوا کر شقیں اٹھا

ترا ہے یہ پھول کے گل کو اس دانیں گی۔

۴۔ لغات : در لغزہ : بیک

شرح : پھول میں خوشی کی بیک اچھے کا ایک کا سہ
چے اور گانے والی بیل ہیں میں بھگوان ہیں کرتا۔

۵۔ شرح : اسے محبوب ! ممکن ہے عاشق کو در و بھر اظہیر

پوئید و مسکراہٹ کا حریف ہیں کے ، لیکن اس میں کیا شبہ ہے کہ اس پر شیدہ
مسکراہٹ کے بدلے میں پورا بارغ ج طوقیت نذر کیا جاسکتا ہے ۔

۶۔ شرح : اسے اسد ! بہادر فنا کے راستے پر چلی جا رہی ہے
یہ جو کچھ ہونے پھول ہیں ، انھیں بارغ کے پاؤں کو نقش مسمیٰ چاہیے ۔

۱۔ شرح : کرم ہی کچھ سبب لطف و التفات نہیں

صفت لطف و کرم

ہی محبوب کے ،

انفات کا نشان

نہیں ، وہ نوازشوں

سے عاشق کو ہنسا

ایسا ہے پھر آنا

علم و حکم ڈھاکر نالا

بھی دیتا ہے ۔

انہیں ہنسا کے نالانا بھی کوئی بات نہیں

..... نیروئے آفرینش عزم

غرض کہ دل کی کسی شے کو بھی ثبات نہیں

کہاں سے لاکے دکھائے گی عمر کم مایہ

سید نصیب کو وہ دن کہ جس میں ذات نہیں

زبان حمد کی خوگر ہوئی تو کیا حاصل

کہ تیری ذات میں شامل تری صفات نہیں

خوشی خوشی کو نہ کہ غم کو غم نہ بیان اسد

قرار و اصل اجزائے کائنات نہیں

شعر ناقص

نکل جواسے ، لہذا

شرح نہیں ہو سکتی

۳۔ شرح :

نظر کا سہارا تو بہت

ہی کم ہے۔ بعد پر نصیب کو وہ ایسا دی کہ پاں سے ہا کر دکھا سنے گی، جس کے ساتھ
رات نہ ہو؟

مطلب یہ کہ اس دنیا کی کوئی خوشی یا انداز نہیں جس طرح ہر دن کے ساتھ
رات ہے، اسی طرح ہر خوشی کے ساتھ غم لگا ہوا ہے۔

۴۔ شرح : بیگ میری زبان صدمہ کی عادی ہو گئی ہے۔ اسے ہادی
تعالیٰ ! میں ہمیشہ تیری حمد ثنا کرتا رہتا ہوں، لیکن ایک چیز عرض کروں کہ صرف ذات
کی حمد کرنا ہوں، اصناف کو ذات میں شامل نہیں سمجھتا۔

اس شعر میں توحید کا ایک اعلیٰ تصور پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ گوشت میں
ذات کی حمد جو ہی نہیں سکتی۔ حمد ہوگی تو صفات ہی کی ہوگی۔ محض امر خدا کی
ہائے سے ہمت نہیں ہمتی، یہ بھی کہنا ہوگا کہ وہ جہانوں کا پروردگار ہے، مطلق و
رحیم ہے، یوں چرا کا ایک ہے۔ اس اعتبار سے عبادت اس کی صحبت کمال ہے۔
یہی حال باقی صفات کا ہے۔

۵۔ شرح : اسے اس قدر خوشی کو خوشی نہ کہ غم کو غم نہ جانے کیونکہ
ان میں سے کسی بھی شے کو پاؤں نہ رہی نہیں، یہ سب جانتی ہیں یا جانتی ہیں۔
حق یہ ہے کہ کائنات کے اجزاء میں اور کچھ بھی ہو، مگر کائنات شامل نہیں، یعنی
یہاں کوئی بھی چیز قائم و باقی نہیں۔

یہ وہی حقیقت ہے، جو شیخ نے اپنی نظم "تغیر" میں بیان کی اور اقبال نے
اس خیال کو لباس پہنایا :

سکون نکال دے قدرت کے کارخانے میں
شاب ایک تغیر کو ہے زمانے میں

یوں شمع ہم اک سوختہ سا مان و قا ہیں
اور اس کے ہوا کچھ نہیں معلوم کر کیا ہیں

۱۔ شرح :
ہم شمع کی طرح دنا
کے سوختہ سا مان

اک سرحدِ معدوم میں بستی ہے ہماری
 سازِ دل بشکستہ کی بے کار صدا ہیں
 جس رُخ پر ہوں ہم سجدہ اسی رُخ پر مئےِ احب
 گو قبلہ نہیں ہیں مگر اک قبلہِ منسا ہیں
 مت ہو جو اسے سیلِ فنا، ان سے مقابل
 جاننا زِ الم نقشِ برِ دامنِ بقا ہیں
 پانی ہے جگہ تا صبیحہ بادِ صبا پر
 خاکستریہ رزائے جانبازِ وفا ہیں
 ہر حال میں ہیں مرضیِ عیاد کے تابع
 ہم طائرِ پرہِ سوختہ رشتہِ بیا ہیں
 اسے وہمِ طلبِ ازلِ مجازی و حقیقی
 عشاقِ فریبِ حق و باطل سے جدا ہیں
 ہم بے خودی شوق میں گر لیتے ہیں سجدے
 پر ہم سے نہ پوچھو کہ کہاں تا صبیحہ سا ہیں
 اب منتظرِ شوقِ قیامت نہیں غالب
 دنیا کے ہر اک ذرے میں سو حشرِ بیا ہیں

ہیں، یعنی شمعِ روشنی
 کے بے لپٹے آپ
 کو ہمارے ہے اور
 ہم دعا کے راستے
 میں اپنا ہر سامان
 نذرِ آتش کر چکے ہیں۔
 بس اس کے سوا کچھ
 معلوم نہیں کہ ہم کیا
 ہیں۔

۲۔ لغات :
 معدوم :
 گم شدہ ۔

شرح :
 ہماری جتنی اگرچہ
 کو بے مقام پر ہے
 جو گم ہو۔ ہمارے لئے
 دن کے سازِ کدوا
 ہیں اور بائیں بیکار
 ہیں۔

مطلب یہ کہ
 نرٹھے ہر کے ساز
 سے ہر ساز لگتی ہے
 اس میں کوئی شے
 اللہ کوئی شے ہر جہی

نہیں سکتا لہذا اسے بانگل بیگہ دیکھنا چاہئے۔

۳۔ **شرح :** ہم بیس طرف ہیں منہ کیسے بیٹھے ہوں، اس طرف
جہاں سے مجھے سجدہ واجب ہے، بیشک ہم قید نہیں کہ چاروں طرف سجدہ کیا
جائے، لیکن قبل نماز ضرور ہیں، یعنی قبل کہ چلتا ہوں، سے مل سکتا ہے، اس لیے
بیس طرف ہمارا رخ ہو، اسی طرف سجدہ کرنا چاہیے۔

۴۔ **شرح :** اسے قتل کے سبیل : اُن لوگوں کے جو یزدانا، جو
عرب کے ظم و غم میں جان کی بازی لگا چکے ہیں، یا اور جہ کہ وہ جہاں کے دامن پر غشی
کی طرح قائم ہو گئے ہیں، یعنی انھیں کوئی مٹا نہیں سکتا، وہ ہمیشہ اپنی جگہ استوار
رہیں گے اور سبیل اُن کا کپڑا گڑ نہیں سکتا۔

۵۔ **شرح :** ہم سجدہ کرنے کی دیکھ رہے ہیں، جس نے دماغ میں جان دے
دی، یہی وجہ ہے کہ اُس دیکھ کو باوجود سبکی پوشاکی پر جگہ ملی۔
پوشاکی پر جگہ ملنا، امتحان عظمت کا نشان ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ہوا
پکے تر سب سے پہلے دیکھ ہی کر اگڑا ہے گی۔

۶۔ **شرح :** ہم لوگ ہر حال میں عبادت کی مرضی کے پابند ہیں، ہم
ایسے پرندے ہیں، جن کے پر ہوا سے جھٹکتے گئے اور پاؤں میں دھاکا بانجھ دیا گیا، گویا
ڈاڑھ سے جھٹکتے ہیں، نہ ہوا صراٹھ رہا سکتے ہیں۔
میرزا کے نزدیک یہ نہ تھی کاغذ ہے۔

۷۔ **شرح :** اسے مجاز اور حقیقت کے ادا کی آواز مل کر نئے دور
نہم جن اور باطل کا قریب کھا سکتے ہو، عاشق اس قریب سے بالکل گم ہو جاتا ہے۔
ہیں۔ وہ حق اور باطل، ایک اور بدر کے جھگڑے میں بیٹھ پڑتے اُن کے نزدیک
مجاز اور حقیقت میں امتیاز کی کوئی وجہ نہیں۔

۸۔ **شرح :** ہمیں عشق نے بے خود کر رکھا ہے، اپنے آپ کی خبر نہیں۔
ای بے خودی میں سجدے بھی کر لیتے ہیں۔ البتہ ہم سے یہ نہ پوچھنا چاہئے کہ کہاں

سجدے کرتے ہیں، کہیں مقام پر پیشانی گھسے ہیں۔

۹۔ **شرح :** اب فاقب کو شور قیامت کا کوئی انتظار نہیں رہا، کیونکہ اسی دنیا کے درتے درتے میں سیکڑوں موشروں پر چاہیں۔ ہاں وہ ان موشروں کے منظر دیکھنے کے بعد قیامت کے انتظار کی کوئی صورت باقی رہ گئی؟

۱۔ لغات :

آفت آہنگ :

جس کی ہر صدمہ آفت

زحاحے کا باعث ہے

شرح :

بیل کی آہ و فغان آفت

زحاحہ ہی ہے اس

بے پھول کھل کر نہیں

ہنس سکتا، اگر بیل کی

آہ و فغان مذہبی تواریخ

میں پھول اتنا ہشتا،

اتنا ہشتا کہ دم توڑ

رہتا۔

مطلب یہ کہ

زندگی کا کوئی حادثہ

اور کوئی طوفان نہیں

جس میں خوشی کے

ساتھ ہی اور غما

آفت آہنگ ہے کچھ نالہ بلیل، ورنہ

پھول ہنس ہنس کے گلستاں میں فنا ہو جاتا

کاش، انا قدر نہ ہوتا ترا اندازہ خرام

میں غبارِ صدمہ امان فنا ہو جاتا

یک شبہ فرصت ہستی ہے اک آئینہ غم

زنگِ گل کاش، گلستاں کی ہو اہو جاتا

مستقل مرکزِ غم پر ہی جنیں تھے، ورنہ

ہم کو اندازہ آئین فنا ہو جاتا

دستِ قدرت سے ہر مرانشست بدیور فنا

گر فنا بھی نہ میں ہوتا تو فنا ہو جاتا

خیرت (نہی) اور باپ حقیقتِ موت پر پھر

جلوہ اک بدو تو آئینہ نسایا ہو جاتا

کے ساتھ لال نہ ہو۔ اس کائنات کا توازن اسی طرح قائم رہتا ہے کہ صرف خوشی ہو نہ صرف رنج و غم۔ دونوں میں سے کوئی ایک چیز بھی ہوتی تو اس میں عدم پر پہنچ جاتی کہ زندگی قائم نہ رہ سکتی۔ دونوں کے ساتھ رات۔ اگر ایک کے ساتھ صبح تو ان کے لیے ہے۔ اسی طرح خدا کا لگنے کے ساتھ نازل ہل رہا تھا تاکہ توازن میں ظلم پیدا نہ ہو۔

۲۔ شرح : اسے محبوب : اگر تیری رفتار ناز کا طور طریق عاشق کی تھک ہی نہ کرتا تو وہ اب تک کبھی کا قیام ہی کر دیا ہوتا۔ اس کے ساتھ لگ جانا، ایسا فنا ہو جانا، مصیبت یہ ہے کہ تیرے انداز پر عام سے اس کی تندرست چھائی اور وہ اب تک اسی بہتد پر زندہ ہے کہ کبھی نہ کبھی اسے تیرے خیرم کی بدولت فنا کی منزل نصیب ہو ہی جائے گی۔

۳۔ شرح : پھول کے لیے زندگی کی صحت صرف رات بھر کی ہے، یعنی شام کو کھتا ہے صبح کو تانگی اور شادابی کی بھار دکھا کر رفتہ رفتہ بکھر گیا۔ یہ زندگی کی صحت نہیں بلکہ تم کا ایندھن ہے، کیونکہ رات بھر کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے و اب دل میں یہ آمد زور پڑا ہوا ہے۔ کاش پھول کا رنگ باغ کی جواہر جہاں کیونکہ باغ کو پھول کی صحت دہشتی کے مقابلے میں زیادہ پائیدار ہی حاصل ہے۔

۴۔ شرح : ہم غم کے مرکز پر پوری طرح استوار ہی نہیں ہوتے، یعنی اس مرکز سے بھی زیادہ صراحت ہے۔ اگر اس پر جھکے رہتے تو ہمیں یہ اندازہ تو ہو جاتا کہ دنیا کا طریقہ کیا ہے۔ گریو و غلامی کا طریقہ وہی بنا ہوا ہے جس پر غم کے مرکز پر مستحق قائم رہ سکے۔

۵۔ شرح : میرا دست چنوں دیوار فنا کی ایک اینٹ ہے۔ اگر میں خود فنا نہ ہوتا تو اس حالت میں بھی دوسرا کرتا کہ رفتہ رفتہ صحت جاتا اور فنا کے گھاٹے اتر جاتا۔

فنا کی ایک صورت یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو مٹا دے۔ دوسری صورت

یہ سچہ کو خدا کی دیوار چینی بنام ہے سچہ اس میں ایستہ ہیں مگر گناہاں سچہ
دیوار مکمل ہو جائے گی کو خدا کا سفر بھی انتہا کو پہنچ جائے گا یہی مصنفین کا۔
کے ایک شعر پر کسی نے بیان کیا ہے :

ہاں ہر جاں وہ وگر ذرا تو بستاند اہل

خود تو صنعت باطن اسے دل : ایں بکلیاں کئی

۴۔ شرح : حقیقت غناس و گنج حیرت ہر میرتہ میں کہنے جا
رہے ہیں یعنی ان پر بلا حیرت کی کیفیت جاری ہے۔ کاش محبوب کا ہر وہ کسی
کسی دل انھیں آئینہ دکھا دیتا۔

مطلب یہ کہ جب محک محبوب کا جلوہ نظر آئے وہ حیرت ہی میں
رہیں گے۔

۱۔ شرح :

خزاں کے موسم میں
بارغ کا مسمیٰ حیرانے
سے بھی زیادہ ہے
ہو گیا ہے اور میل کا
گھر میل کی جس کے
بغیر ہے ہر بارغ معلوم
ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ
بارغ نوربان ہو گا تو نہ
کلیاں نمودار ہوں گی،
نہ چوں کلیں کے۔

بدتر از دیوانہ ہے فصل خزاں میں صحن بارغ
خاندان بلی بغیر از خندہ گل بے چہر بارغ
پیشا پنا اب چمن کا انقلاب آلودہ ہے
نغمہ مرغ چمن ترا ہے صدایے بوم و شاخ
ہاں بغیر از خواب مرگ آسودگی ممکن نہیں
دست بستی باندہ تا حاصل ہو دنیا سے فراغ
شہر طرفان بکا ہے خندہ بے اختیار
کیا ہے گل کی بے زبانی کیا ہے یہ لکے کا داغ

چشم پر غم رہا، زمانہ منقلب ہے اے استاد
 کوئی لڑکھیا ہو گی اس کے گھر کی رونق
 اب یہی ہے جس سے شادی سے پرچونا یا باغ
 پھول نہ رہے تو گھر
 کہ بدلتی نہ رہی۔

۲۔ **مشرع** : باغ کا پتہ یا انقلاب سے گھرا ہوا ہے۔ یعنی تو زمانہ
 سے اس کی حالت بدل رہی ہے۔ مفہوم ہے کہ فواں میں پتہ نظر شرارت
 ہو جاتا ہے اور بہتر چٹہ۔ قدر زور ہو ہو کر نہ میں پر گرتے جاتے ہیں،
 یہ زمانہ ہے کہ اس کیفیت کے لیے انقلاب آلودہ کی ترکیب ایجاد کی گئی۔
 تو پرستار میں نہیں پیدا ہو سکے اور وہیں ہی کے خزانے کا سکھ رہے۔
 فواں میں اس کا گمانا ویسا ہی گمراہ معلوم ہوتا ہے۔ جیسے اگر اور کوئی کی آواز
 میں، یہ بھی انقلاب احوال ہی کی کیفیت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کیش و طرب کی صفائی پیریں ہیں اس کی رونق اور رونق
 اس قسم کی اضافہ موقوف ہے۔ مثلاً باغ میں سبز ہو، پھول ہوں۔ درخت
 ہر سے پھر سے ہوں تو سرج سے اسے کا نظر خوشگوار معلوم ہوگا۔ یہ سب چیزیں
 شرم ہو جائیں اور اسے رونق بخشا جائے تو سبز سے بہتر نظر بھی دہریزی کو پیش
 آگیا اور ناگوار معلوم ہوگا۔

میرزا نے غم و رنج اور افسردگی کی حالت میں خوشگوار چیزوں کے ناگزیر
 ہونے کا ذکر اور پھر بھی کیا ہے۔ مشق :

غم فراق میں تکلیف میں سبز باغ نہ دو
 تجھے دماغ میں نہیں غم نہ اسنے بجا کا

۳۔ **مشرع** : جب تک انسان موت کی قید نہ سہا جائے اس

کے لیے راحت پانا اور آسودہ رہنا بالکل غیر ممکن ہے۔ اگر شوق نیا کئے تباہی سے
نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو مجھے چاہیے کہ زندگی کا مسودہ سامان یا نذرہ کریمیاں
سے رخصت ہو جائے۔

یہ بھی وہی بات ہے جو پہلے کہی مرتبہ کہی جا چکی ہے۔ مثال :

قید حیات و بندہ علم اصل میں دونوں ایک ہی ہیں

موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پاس کرے گا

۴۔ شرح : پھول اپنی خوشی اور اختیار سے نہیں بنتے۔ یعنی
اُن کا کھلنا خود اُن کے اختیار میں نہیں، بلکہ وہ کسی کے حکم اور کسی کے اشارے
کے تابع ہیں۔ یہ کھلنا اور یہ ہنسنا اصل میں طوفانی باد کا شور ہے۔ جس نے
پھول کو پھٹکیوں کی زبانوں کے باوجود بے زبان اور دم بخود بنا رکھا ہے اور
وہ کے سینے میں داغ چڑا ہوا ہے۔

۵۔ لغات : منقلب : اُٹھ پلٹ، تدارک۔

ایاخ : پیالہ، شراب کا پیالہ۔

شرح : اسے اس قدر اُڑنا تدارک چور لاسا ہے، تو وہ اپنی
آنکھ پر غم رکھ دیتی دھکیلا رہا۔ آج اس دنیا میں خوشی کی شراب سے پیالہ
بروز رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آنکھیں آنسوؤں سے بھری رہیں۔ کیوں
بھری رہیں ؟ اس لیے کہ زمانہ ہر لحظہ تغیر میں ہے ہر چیز اُتھائی پڑی سے جتنی
چارہ ہے :

ہر شے صاف ہو، ہر چیز مادی



قصه



میکلوڈ صاحب کی خدمت میں

کرتا ہے پر خ روز بہ صد گوند احترام
فرماں روا سے کشورِ پنجاب کو سلام
حق کو حق پرست و حق اندیش و حق شناس
نواب مستطاب، امیر شہرِ اقصیٰ
جہم رتبہ میکلوڈ بہادر کہ وقتِ رزم
ترکِ فلک کے ہاتھ سے وہ پھینک لیں جاں
جس بزم میں کہ ہوا مٹھیں آئینہ میکشی
وہ اس آستانِ شہید بنے آفتابِ مہم
چاہا تھا میں نے تم کو مہ چارہ کہوں
دل نے کہا کہ یہ بھی ہے تیرا خیالِ غام
رواست میں تمام ہے ہنگامہِ ناد کا
حضرت کا عز و جاوہر ہے گا علی اللہ و ام

تہمید :-

محرم الخیر ۱۳۳۵ھ کو
پنجاب کے گورنر،
ڈونلڈ میکلیو ڈ نے
کے امتحان کے لیے
دہلی میں ایک دورِ بازو
کیا تھا، میرزا حسن علی
شریک ہوئے تھے۔
اس وقت مسندِ بہت
کلیں، ہر علی حق
ما مشرور و باسعادۃ التوبہ
ہو گئے ہیں کہ ان کے ہوا
ہوئے، دیکھیں میں
کو سداؤ سے نبھاتے
نظرانہاویہ، کاروان
سہ کریم و دامن
نہ میرزا حسن علی
یہ آپ کا رشتہ ہے۔

کہا : بیٹا نہیں مگر بیٹے
ستہ زیادہ ہے ۔

معلوم ہوتا ہے

کہ وہاں مجلس نے انا

کے وقار و احترام کا قیام

خیال نہ رکھا اور پہلے

دستور کے مطابق نشست

ہیں نہ لی ۔ لہذا نہ کہے

ایک اخبار میں جو رواد

شائع ہوا اس میں بیٹے

کا نام تک غلط لکھا گیا ۔

اس پر تقریب کے بعد

میرزا نے یہ قصیدہ بکھڑا

کی خدمت میں پیش کیا ۔

یہ بھی سب سے پہلے

* السلاطین و العظمیٰ و الملک

تاج میں شائع ہوا تھا ۔

قصیدہ سے میں گورنر کا

بیچھڑتا چھاپا ہے اسلحا

میں ہم منکر و جفا دیا

بیاض میں جو لکھی ہو

میرزا نے تو ایک شعر میں

میں لکھ دیا تھا ہے ۔

سچی ہے تم آفتاب ہو جس کے فروغ سے

دریا سے نور ہے فلک آگ کیس نہ فام

میری سنو کہ آج تم اس سر زمین پر

حق کے تقاضات سے ہو مرجع نام

اخبار لودھیانہ میں ، میری نظر پڑی

تحریر ایک جس سے جو ابدہ تلخ کام

لکڑے بڑا ہے دیکھ کے تحریر کو بگر

کاتب کی آستیں ہے مگر تیغ بے نیام

وہ فرو جس میں نام ہے میرا غلط لکھا

جب یاد آگئی ہے ، کلیبا کیا ہے تمام

سب صورتیں بدل گئیں ناگاہ یک تلم

لمبر و با ، نہ نذر ، نہ خلعت کا انتقام

ستونوں کی عمر میں یہ داغ جاں گداز

جس نے چلا کے راکھ مجھے کر دیا تمام

نئی جنوری جیسے کی تاریخ تیرھویں

اساتذہ ہو گئے لب دریا پہ جب نیام

اُس بزمِ پُر فروغ میں اس تیر و سخت کو
 لبرِ لاشیب میں از روئے اہتمام
 سمجھا اسے گراب، نبوا پاش پاش دل
 دربار میں جو مجھ پہ چلی چٹنگ عوام
 عزت پہ اہل نام کی ہستی کی ہے بناء
 عزت جہاں گئی تو نہ ہستی رہی نہ نام
 تھا ایک گونہ ناز جو اپنے کمال پر
 اس ناز کا خاک نے بیا مجھ سے انتقام
 آیا تھا وقتِ ریل کے گھٹنے کا بھی قریب
 تھا بارگاہِ خاص میں خلعت کا ازدحام
 اس کشمکش میں آپ کا مزاج درد مند
 آقا سے نامور سے نہ کچھ کر سکا کلام
 جو وہاں نہ کہ سکا تھا وہ لکھا حضور کو
 دینِ آپ میری داد کہ ہوں فائز المرام
 ملک و سپہ نہ ہو تو نہ ہو کچھ ضرر نہیں
 سلطانِ بزمِ بحر کے مد کا ہوں میں تمام

اظہار ہے، غائب
 تھے یہی کھتا ہو نقویں
 غافل ہو گئی۔

۱۔ شرح :
 ولایتِ جناب کے نکالنے
 کو آسان ہو در احرام
 کے میگزوں طریقوں
 سے سلام کرنا ہے۔

۲۔ لغات :
 مستطاب :
 خوش، نیک، بزرگ۔

شرح : وہ
 علمبردار، جو کتا ہے
 کتا کا پالنے والا ہے، کتا
 سوچنا، کتا پالنا ہے۔

دو بزرگ، خواب ہے
 اور اگر چہ میرے ہیں
 اسے بادشاہ ہیں

شان و شوکت حاصل
 ہے۔

۳۔ لغات :
 ترکِ خاک :
 مزاج۔

خسام :

جو ہر دار و گوارہ

شرح :

عشیدہ پیچھے سر جے

والا نیکوڑ بہادر را جو

جنگ کے دلت شائق

کے ہاتھ عریض کے

خاتون سے بھی گور نہیں

ہے۔

۳۔ شرح :

جس لعل میں وہ شرب

پیشہ کا سرور مانی

آرامتہ کرتی وہاں

شراب کی ماسی اور

میکشی کا پتالہ ہیں

ہائے۔

۴۔ لغات :

عجل الدوام :

بیشتر کے پیچھے۔

شرح :

میری آمد نہ دلتی کہ اسے گور نہ ! آپ کو تو دعویٰ کا چاند
 کہوں، نیکی والی خٹہ کہا : حیران خیال بالکل خام ہے۔ دیکھو دھاندلہ کے جھل و شبنم
 کا ہنگامہ دو راتوں میں ختم ہو جاتا ہے۔ پھر وہ گستاخ شروع ہو جاتا ہے۔ نیکی میکشی و
 بہادر کی عزت اور بلند مرتبہ ہمیشہ قائم رہے گا۔

دکھوئے کا دہریا، جو مدح خوان ہو

شاہان مصر چاہیے لیں عزت اس سے واد

نخود ہے تدارک اس کا گورنمنٹ کو ضرور

بے وجہ کیوں ذلیل ہو، غائب جس کا نام

امر جدید کا تو نہیں ہے مجھے سوال

بارے قدیم قاعدے کا چاہیے قیام

بے بندہ کو اعادۂ عزت کی آرزو

چاہیں اگر حضور تو مشکل نہیں یہ کام

دستور میں شعر میں ہے، قدیم سے

یعنی دعا پر مدح کا کرتے ہیں، اعتماد

ہے یہ دعا کہ زیر نگین آپ کے رہے

اقلیم ہند و سند سے تا ملک روم و شام

۷۔ لغات : آبگینہ فام : کاجی کے ہنگام۔

شرح : اسے گورنر ہرگز شہر نہیں کہ آپ سوچ ہیں جس کی
مناسبت کاجی کے رنگ کا آسمان دریا سے گورنر بنا ہوا ہے۔

۸۔ لغات : قفص لامت : تغزل کی بیع و بعت و کرم۔

مرجع انام : لوگوں کے لیے جاسکے و بعت۔

شرح : میری گزراہی شہید اور آج آپ اس سرزمین پر خدا کے
دلف و کرم سے عام لوگوں کے لیے جاسکے و بعت ہیں، یعنی سب اپنی ضرورتوں کے
لیے آپ کے پاس آ رہے ہیں۔

۹۔ شرح : نہ ہیاد کے اعتبار ہیں ایک دوسرے میں تحریر میری نظر سے
گزریں جس سے مجھے بہت سچی پہچان۔

۱۰۔ شرح : وہ تحریر دیکھ کر کھپا ٹھوٹے ٹکڑے ہو گیا۔ شاید کھینچے
واسے کی آستیں آستیں نہ تھیں، بلکہ حواری کا ختام تھی۔

مطلب یہ کہ کاتب نے آستیں میں ختم چھپا کر کہا تھا، اس سے بھرپور
پارہ ہو گیا۔

۱۱۔ شرح : وہ ورق، جس میں نام تک میرا غلط لکھا ہے، جب
بہن یا راقی لکھا تھا۔

۱۲۔ شرح : تمام حالات یکایک بالکل بدل گئے۔ نہ میرا وہ رہا اب، نہ
نہ خدا کا بندہ قائم رہ سکا، نہ محنت کا انجام انکار نہ ہے۔

۱۳۔ شرح : شرمس کی عمر ہو گئی، وہ یہ جان کو کھٹکھٹے دلاؤں
میرے سینے پر رکھیں، جس نے مجھے بھوکا باطن دلا کر دیا۔

۱۴۔ جب وہ پارہ لکھتے یوں یہاں کرتے ہیں۔

لغات : غلام : طبع کی بیع۔

شرح : جو میری غفلت کی تیرہ عورت نامور کا تھی، جب وہ پارہ

کنارے نیچے کھڑے ہو گئے۔

۱۵۔ شرح : وہاں جٹوں کی غوائل آنا سزا ہوئی، اس میں لہو سیا اور کھنٹ کو انتظام کے مطابق نشست کا درجہ نصیب میں ملا۔ یعنی میر و درجہ نصیب کے متعلقہ میں نیچے تھا۔

۱۶۔ لغات : گرباب : یہ انگریزی لفظ گریپ (علیحدہ لفظ) کو فارسی اور اردو کا اس پہنایا گیا ہے۔ مراد ہے توپ کا وہ گولہ جس میں پھرتے گولیاں و درمال سیر کر چلا تے ہیں۔ وہ پھرتا ہے تو شہر و نقصان نہیں کرتا، لیکن نقصان کا اثر بہت وسیع ہو رہا ہے۔

پیشکبِ عوام : عام لوگوں کے عزیز اشارے۔

شرح : اپنے اصل درجے سے کم درجے میں نشست لی تو یہ سبھی کا گرباب ہو گیا، ان ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، کیونکہ وہ بار میں لوگوں سے آنکھوں سے عزیز اشارے شروع کر دیے۔

۱۷۔ شرح : نامور لوگوں کی بیعت کی بنیاد عزت ہے۔ جہاں عزت ملتی، وہاں نہ بیعت رہتی، نہ نام رہا۔

۱۸۔ شرح : مجھے شاعری میں درجہ کمال پر ایک حد تک ناز تھا۔ اب آسمان کے چہرے اس ناز کا ہلا سے لیا۔

۱۹۔ شرح : سبیل کے امتیاز کا وقت بھی بہت قریب آ گیا تھا اور آپ کی خاص بارگاہ میں سب سے شہرہ فطرت جمع تھی۔

۲۰۔ شرح : اس کیسی کان میں آپ کا یہ درد مند معراج نامور آواز سے کوئی بہت نہ کر سکا۔

۲۱۔ لغات : فائز المرام : مقصد کو پہنچنے والا کامیاب۔

شرح : جو کچھ وہاں عرض نہ کر سکا، وہ اب حضور کو کہہ رہا ہوں۔ آپ حادری میں نہ تھے، تاکہ میں مقصد پاؤں۔

۶۲۔ شرح : اگر میرے پاس ملک یا فوج نہیں تو نہ سپین، اس سے کیا نقصان پہنچتا ہے ! میں تو سمندر و درختوں کے فراتر والے کے دروازے کا حکم ہوں۔

۶۳۔ لغات : وام : قرمن

شرح : کوئی فرمانروا اوکٹوریا، وہ وکٹوریا کو نہ ماننے میں، من کی طرح کرتے والا ہو، لازم ہے کہ وقت کے بادشاہ عزت اس سے اڑھائیں۔ مطلب یہ کہ عزت، اس کے پاس ہوگی، شاہابِ فخر کے لیے میں گئے اور اس سے اڑھائیں گے۔

۶۴۔ لغات : متاثرک : متاثری۔

شرح : حکومت کے لیے لازم ہے کہ کچھ پر جو زیادتی ہوئی ہے، اس کی تلافی کر دے، جس شخص کا نام قاتل ہے، آخر وہ کیوں ہے وہ بڑا بڑا۔ ۲۵۔ شرح : میں کسی نئی بات کے لیے سوال نہیں کر رہا، ایکس پیج سے جو کتاب چلا کر رہا ہے، وہ تو قائم رہتا ہے۔

۶۶۔ لغات : رعادہ : کوٹا، کمال کرنا۔

شرح : میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ میری عزت بحال کی جائے۔ حضورِ پاک تو یہ کام ہرگز ممکن نہیں۔

۶۷۔ شرح : من شعر کا طریقہ پیچھے سے ہی چلا آتا ہے کہ حرف کو دعا پر ختم کرتے ہیں۔

۶۸۔ شرح : لبتا میری یہ دعا ہے کہ جند اور سفر سے روم اور شام تک ملک آپ کے زیرِ نگین رہیں۔

والی الوری کی سالگرہ پر

تمہید :-
 یہ قصیدہ مبارکبادی کا
 شیردان سنگم کی طرح
 میں اس کی سالگرہ کے
 موقع پر کہا گیا تھا۔
 میرزا کے کلیات میں
 نارس کا ایک قصیدہ
 بھی موجود ہے سالگرہ
 واسطے قصیدے سے
 کہ مذمت بہشت کیا گیا
 تھا۔ اس میں وہ اپنی
 مرتزبہ سال چاتے
 ہیں اور کہتے ہیں :
 اٹھا وہی سال سے
 ہیں آپ کا عقد بگوش
 پلا آتا ہوں ، کیونکہ
 پانچ سال کی عمر میں
 آپ کا نام ہو گیا
 تھا۔

گنتی ہیں سال کے رشتے میں ہمیں بلکہ گرہ
 ابھی حساب میں باقی ہیں ، سو ہزار گرہ
 گرہ کی ہے یہی گنتی کہتا ہے روزِ شعار
 ہوا کرے گی ہر اک سال ، پیش کار گرہ
 یقین جان ، برس گانٹھے کا جو ہے تا گا
 یہ کہکشاں ہے کہ ہیں اس میں بے شمار گرہ
 گرہ سے اور گرہ کی امید کیوں نہ پرٹے
 کہ ہر گرہ کی گرہ میں ہیں تین چار گرہ
 دکھا کے رشتہ کسی جو قش سے پوچھا تھا
 کہ دیکھو کتنی اٹھا لائے گا یہ تار گرہ
 کہا کہ چرخ پہ ہم نے گنتی ہیں نو گرہیں
 جو رہاں گئیں گے تو پاویں گے نو ہزار گرہ

خود آسمان ہے جہاں راؤ را جا پر صد تھے
 کرے گا سیکڑوں اس تار پر نثار گرہ
 وہ راؤ را جا بہادر کہ حکم سے جن کے
 رداں ہوں تار پہ فی الغور دانہ وارہ گرہ
 انہیں کی سالگرہ کے لیے بے سال بہ سال
 کہہ نئے غیب سے غنچوں کی نو بہار گرہ
 انہیں کی سالگرہ کے لیے بناتا ہے
 جوا میں یونہی کو ایو تگر بارہ گرہ
 انہیں کی سالگرہ کی یہ شادمانی ہے
 کہ ہو گئے ہیں گہر با سے شاد ہوار گرہ
 انہیں کی سالگرہ کے لیے ہے یہ توقیر
 کہ بن گئے ہیں شمر با سے شاخسار گرہ
 سن اسے نریم! بری گانچ کے یہ تار گئے نے
 تجھے بتاؤں کہ کیوں کی ہے اختیار گرہ
 پچھے دعا تے بقلے جناب فیض تاب
 گئے گے اس میں ثوابت کی استوار گرہ

شہر میں شہ کی
 بیوی سالگرہ پر بارہ
 کو تعمیر و پیش کیا گیا تھا
 شہر میں شہ کے بارہ
 رہا جی شہر شہر
 میں رہے تھے اس
 وقت شہر میں شہ کی
 شہر و شہ کی تھی
 شہر شہر میں رہا کو
 پہنچ کر اختیار ہوئے
 غایا اس شہر پر
 تعمیر میں کیا گیا

ہزار دانش کی تسبیح پڑھتا ہے یہی
 بلا مبالغہ درکار ہے ہزار گروہ
 عطا کیا ہے خدا نے یہ جائزہ اس کو
 کہ چھوڑتا ہی نہیں رشتہ نہ نہار گروہ
 کشادہ رُخ نہ پھرے کیوں جب اس زمانے میں
 بچے نہ از پے بند نقاب بار گروہ
 متاع عیش کا ہے قافلہ چلا آتا
 کہ جاوہر رشتہ ہے اور ہے شتر قطار گروہ
 خدا نے دی ہے وہ غالب کو دست گاہِ سخن
 کروڑاڑھونڈ کے لاتا ہے خاکسار گروہ
 کہاں نبالی سخن؟ سانس لے نہیں سکتا
 پڑی ہے دل میں مرے غم کی پیچ دار گروہ
 گروہ کا نام لیا، پر نہ کر سکا کچھ بات
 زباں تک آکے ہوئی اور استوار گروہ
 کھٹے یہ گانٹھے تو البتہ دم نکل جاوے
 بری طرح سے ہوئی ہے گلے کا بار گروہ

۱۔ شرح :

سال کے رشتے میں
 میں گرہیں تو گنالی گنی
 ہیں، لیکن بھی مناسب
 میں ایک واکہ گرہیں باقی
 ہیں، گویا مبالغہ نے
 بیسویں سال میں قدم
 نہ رکھ لیا، ابھی وہ ایک
 ۱۰ کو سال چھیں گے۔

۲۔ شرح :

ساگرہ کی گنتی اس طرح
 ہوتی ہے کہ زیادہ است
 تک ہر سال کے شروع
 میں گرہ دلا کر سے گی۔

۳۔ شرح :

تو نہیں کرے کہ ساگرہ
 کا جو دھار ہے، وہ
 دھار نہیں، کیجھاں
 ہے اور اس میں پتھر
 گرہیں پڑی ہوئی ہیں۔

۴۔ شرح :

ایک گرہ سے دوسری
 گرہوں کی رہتہ کیوں

ادھر نہ ہوگی توجہ حضور کی جب تک
 کبھی کسی سے کھلے گی نہ زینہار، اگر
 دعا ہے یہ کہ مخالف کے دل میں اندھن
 پڑی ہے یہ جو بہت سخت ناپکار گروہ
 دل اس کا پھوڑ کے نکلے، بہ شکل چھوٹے کی
 خدا کرے کہ کرے اس طرح آہوار گروہ
 ۳- ہر وہ جو کہ کسی سے کھلے گی نہ زینہار، اگر
 ۴- ہر وہ جو کہ کسی سے کھلے گی نہ زینہار، اگر
 ۵- ہر وہ جو کہ کسی سے کھلے گی نہ زینہار، اگر
 ۶- ہر وہ جو کہ کسی سے کھلے گی نہ زینہار، اگر
 ۷- ہر وہ جو کہ کسی سے کھلے گی نہ زینہار، اگر
 ۸- ہر وہ جو کہ کسی سے کھلے گی نہ زینہار، اگر
 ۹- ہر وہ جو کہ کسی سے کھلے گی نہ زینہار، اگر
 ۱۰- ہر وہ جو کہ کسی سے کھلے گی نہ زینہار، اگر
 ۱۱- ہر وہ جو کہ کسی سے کھلے گی نہ زینہار، اگر
 ۱۲- ہر وہ جو کہ کسی سے کھلے گی نہ زینہار، اگر

جناؤ، یہ تارکشی گروہ، خدا کرے کہ کرے اس طرح آہوار گروہ
 ہیں، اگر وہیں پر گئے، گئے تو تو جزا کر دیں پائیں گے۔

۷- شرح : : خود آسانی معاف کرنا یا پر قرآن میں ہے، وہ اس میں ہے۔
 سیکڑوں کر دیں، مٹا کر دے گا۔

۸- شرح : : میری مراد اس معاف کرنا ہے، جس کے علم سے ملے
 یہ دونوں کی طرح فی الغرہ میں پھٹے گئے۔

۹- شرح : : وہی معاف کرنا یا پر قرآن میں ہے، جس کی سادہ کے چلے میں ہر
 ہر سال ایک سے گروہ کی گروہ میں ہوتی ہے۔

۱۰- شرح : : وہی معاف کرنا یا پر قرآن میں ہے، جس کی سادہ کے چلے میں ہر
 وہی معاف کرنا یا پر قرآن میں ہے۔

۱۱- شرح : : وہی معاف کرنا یا پر قرآن میں ہے، جس کی سادہ کے چلے میں ہر
 موق کر دیں گئے ہیں۔

۱۲- شرح : : ان کی سادہ کی ایسی عزت ہے کہ ان کی سادہ میں گروہ
 کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔

۱۴-۱۳۔ لغات : ثوابت : ثابت کی جمع ۔ دو ستارے ہیں
کے متعلق خیال تھا کہ گردش نہیں کرتے اور اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں ۔ ان کے ٹپکنے
میں سیارہ ہیں اور گردش کر رہے ہیں ۔

شرح : اسے دوست اسنی ۔ تجھے بتاؤں کہ ساگر کے دھانگے
تھے گرہ کیوں اختیار کی ؟ مقصد یہ تھا کہ اس دور کی زندگی کے بڑے ہتوفض کا سرچل
چھوڑنا مقصود ہے اور اس دھانگے میں رہا کے لیے گردش نہ کرتے واسطے بتاؤں
کی بہتہ گرد لگ پڑے گی ۔

۱۵۔ شرح : دو دھانگے اپنے سے ہزار واسنے کی تیسری کا آمد و منہ
ہے اور مقصد یہ ہے کہ اس میں بڑا مبالغہ ہزار گز ہیں دیکھا جائے ۔

۱۶۔ لغات : ہماؤہ : کشش کی قوت ۔

شرح : خدا نے سائنس کے ۔ حق کو کشش کی وہ قوت عطا کی ۔
سچہ کر وہ کہ کو اپنی طرف کھینچے ہے آنا ہے اور چھوڑنا ہی نہیں ۔

۱۷۔ شرح : بنارے زمانے میں محبوب کے بنو نقاب کے لیے
بھی کوئی گرہ باقی نہیں رہی پھر کیوں نہ وہ پھر کھوٹے پھرے ؟

۱۸۔ شرح : ساگر کا جو دھانگہ ہے ، اسے راستہ فرما کر میں اور
گرمیوں کو انہوں کی قطعہ قرار دے میں تو سمجھا چاہیے کہ ایک قائل عیش و نشاط کا
بل متار ہے آتا ہے ۔

۱۹۔ ۲۰۔ شرح : اذرتھانے سے نقاب کو شہر و منی پر وہ قوت
عطا کی ہے کہ خاکسار کردہ گرہیں ڈھونڈ کر لائے ، مگر بات کہنے کی کہاں ہیں کہیں
ہے ؟ میں تو سانس بھی نہیں لے سکتا ۔ کیونکہ میرے دل میں غم کی بنیادیں ہیں
گرہ پڑ گئی ہے ۔

۲۱۔ شرح : میں نے گرہ کا نام دیا لیکن کوئی بات نہ کر سکا ۔ زبان
تک آکر گرہ اور کی ہو گئی

۲۲۲۔ شرح : اگر یہ گریہ کھلی جائے تو بجا شہر دم نکل جائے گا : یہ گریہ بہت بڑی طرح لگے گا اور ہو گئی ہے۔

۲۲۳۔ شرح : جب تک صفور کی توجہ اس طرف نہ ہو گی یہ گریہ نہیں کسی سے کھلی جائے گی۔

۲۲۴۔ شرح : دعا یہ ہے کہ خلافت کے دل میں بغض کی وجہ سے جو ہمت ہی نابکار ہوئی کہ چڑ گئی ہے، خدا کرے وہ گریہ ایسی ابھرے کہ اس کا دل پھوٹ کر پھوٹے کہ طرح باہر نکل آئے۔

(۲)

تواب یوسف علی خاں

مرحباً سال فرشی آتش	عید شوال و ماہ فروردین
شب دروز افتخار لیل و نہار	مہ و سال اشرف شہور و منیں
گر چہ ہے بعد عید کے نوروز	یکسٹیش از سہ ہفتہ بعد ہنیں
سوا اس آفتس دن میں ہوئی کہ	جا بجا مجلسیں ہو نہیں رہیں
شہر میں کوہ کو عبیر و گھل	باغ میں سوبر منو گل و شہر
شہر گویا قوس گلزار	باغ گویا نگار خانہ چیں
تین تہوار اور ایسے خوب	جمع ہرگز ہونے نہ ہونگے کہیں

پھر جونی ہے اسی مہینے میں منقہ محفل نشاطِ قمری
 مصل غل صحتِ نواب رونق افزائے سندھیاں
 بزرگہ میں امیر شاد نشان رزمہ میں، حریف شیر کیں
 جن کی مسند کا آسمان گوشہ جن کی قائم کا آفتاب لگیں
 جن کی دیوارِ قصر کے نیچے آسمان سے گدے سایہ نشیں
 دہر میں اس طرح کی رزمہ سو نہ ہونی جو کبھی ہر دے ذیں
 انہیں چرخ، گوہر آگین فرش نور سے، ماہ، ساطر سیہیں
 راجا اندر کا جوا کھاڑا ہے بے وہ بلائے سطحِ چرخ بریں
 وہ نظر گاہِ اہل و ہم دنیاں یہ ضیا بخش چشمِ اہل یقیں
 دال کہاں یہ عطا و نال و کرم کہ جہاں گوہر گر کا نام نہیں
 پاں نہ میں پر نظر جہاں شکستہ ژالہ آسا، بچھے میں رزمیں
 نعمتِ مطربانِ زبیرہ نوا جلوۂ نوسیانِ ماہ جبین
 آک کھاڑے میں جو کہ تہِ نقون یانِ دہو یکسا چشمِ صورت یان
 سرورِ مہر فر ہوا جو سوار یہ کہاں تجمل و تنزیس
 سب نے تاکہ ہے پری توں اور بالی پرتی ہے دامنِ زین
 نقشِ نجمِ سند سے، یکسر ہی گیا داشت دامنِ گھپیں

فوج کی گرد راہ، مشک فشال
 دس ہروں کے شام عطر آگین
 بسکہ بخشی ہے فوج کو عزت
 فوج کا ہر پیادہ ہے فرزیں
 موکے خاص یوں زمین پر تھا
 جس طرح ہے سپہ سالار پر دی
 چھوڑ دیتا تھا گور کو بہرام
 دال پر داغ تازہ دے کے وہیں
 اور داغ آپ کی خدای کا
 بندہ پلور اشنا طرازی سے
 آپسک مدح اور میرا شہ
 اور پھر اب کہ ضعف پیری سے
 پیری و نیستی، خدا کی پناہ
 صرف اظہار ہے ارادت کا
 مدح گستر نہیں دعا گو ہے
 جے ظلم کی جو سجدہ پر جہیں
 غالب عاجز نیاز آگین

جسے دعا بھی یہی کروں تیا میں

تقمہ جو زندہ سب اور اس آئیں

تفسیر :- فوقیہ بہت اعلیٰ مقام والی نام پر بہت زیادہ ہو گئے۔ یہی وہی
 زور برائی تو جس منزلت کی تقریب پر نام ہو گئے؟ بارش ہے فطریہ میں بارش ملنا گیا۔ یہ
 فطریہ وہی موقع کے لیے پیش کیا گیا تھا۔ غایا یہ رمضان شمسہ صفر خیزی وغیرہ کی تفسیر

میں کہا گیا تھا کہ کیونکہ جشن شوال میں منایا گیا اور عجیب بات یہ ہے کہ اس موقع پر چند روز کے قدم و تاخر سے خوشی کی چار تقریبیں بھی ہو گئیں۔ یعنی عید شوال، عید نوروز، جولی اور عید جشن۔ قصیدے میں ان کا ذکر موجود ہے۔

انوس کرچیں سموت کے بعد تقریباً ایک مہینے کے بعد اندر لوہا سیاہو صوف کا استعمال ہو گیا۔

۱۔ لغات : قرقل آئین : مبارک دستور کا۔ بابرکت۔

فرور دین : بارہویوں کا پہلا مہینا، جو ایران میں بہار کا موسم ہوتا ہے۔

شرح : مرجا یہ سال کتنا بابرکت ہے ! شوال کی عید آگئی، بہار کا مہینا ہے، جس میں نوروز کی عید ہوتی ہے۔

۲۔ لغات : شہور : شہر کی بچ، بیٹے۔

ستین : سہ کی بچ، سہ۔

شرح : اس سال کے سات دن عام راتوں اور دنوں کے جیسے باعث فرمیں۔ یہ مہینا اربع برس تمام مہینوں اور برسوں سے برتر ہے۔

۳۔ شرح : اگرچہ نوروز عید کے بعد آئے گا، لیکن اس کی آمد میں تین ہفتے سے زیادہ مدت نہیں لگے گی۔

۴۔ شرح : تین ہفتے یا اکتیس دن کی، اسی مدت میں جولی آئی اور اس کے چھ مہینے انیس یا پانچ مہینے کی گئیں۔

۵۔ شرح : شہر کے کوپے کوپے میں میرد گل پھرنے لگے۔ باغ میں برہنہ گلاب اور نرسوں کے چھول نقر آ رہے ہیں۔

۶۔ شرح : شہر باغ کا غودہ بن گیا۔ باغ میں کونڈا غار معلوم ہونے لگا۔

۷۔ شرح : یوں تین توار اور ایسے اچھے توار جمع ہو گئے کہ کبھی چن کر ہونے اور نہ کہیں جمع ہوں گے۔

۸۔ شرح : پھر اس مہینے میں اس محل کا اہتمام ہوا، جو نشاط و شادمانی

سے بھری ہوئی تھی۔

۹- **شرح :** یعنی نواب کے فعلِ محنت کی غلطی، وہ نواب جو غزوہ دار کی لڑائی کے لیے روانہ ہوئے مگر جانے کا موجب ہے۔

۱۰- **شرح :** وہ نواب جو ہزم میں تشریف فرما ہو تو ایسا دیر ہے، جس کے پاس بادشاہ کا کٹھن ہو، یعنی جو بادشاہ بھیجا ہو۔ وہ نواب جو میدان جنگ کے اندر شیر کی طرح گھات میں دھنسنے والا حرکت یعنی شیر دل کر رہا ہے۔

۱۱- **شرح :** وہ نواب جس کی مستی اس کی ایک گوشہ ہے یعنی سلام کی طرح بند ہے۔ وہ نواب جس کی انگشتی میں سورج کا ٹکڑہ چڑھا ہوا ہے۔

۱۲- **شرح :** وہ نواب جس کے دل کی دیوار کے نیچے آسمان ایسا نقیر ہے، جو سایہ میں آ رہا ہو۔

۱۳- **شرح :** زمانے میں غرضی اور شادمانی کی ایسی غلطی کہیں رو سے نہیں پرہائی نہیں لگتی۔

۱۴- **شرح :** تاروں بھرا آسمان موتیوں کو بڑاؤ فرما رہا ہے، چاندنی شراب ہے اور چاند نقرئی پیالہ ہے۔

۱۵- **لغات :** اندر کا اکھاڑا : ہندوؤں کی دیو مالا کا ایک چھوٹا جس کی غلطی میں دیوانہ مچتی تھیں۔

شرح : بیشک دانا اندر کا اکھاڑا مشہور ہے، لیکن وہ زمین پر نہیں آسمان کی ادا کی سب سے پہلے اس پر آئی لوگوں کی لغزش پڑ سکتی ہیں جو وہیم و لیاالی میں مبتلا ہوں۔ اس کے بعد کس نواب پر منت ہی خاص یہاں رہ سکے قبل محنت پر جو ہزم نشاط آواز سے ہوئی اور ان باتوں کی آنکھوں کے لیے روشنی کا سرمایہ ہے۔

۱۸- **لغات :** گدیہ گر : بھکاری، لٹکنے والا۔

خود شہنشاہ : عیش و عشرت مرقی۔

شرح : یعنی اندر کے اکھاڑے میں اٹھارے غنمش اور گرم کا کیا مرقی۔

جہاں ہلکا سی نام کو بھی مریخ و زہرہ ہیں۔ یہاں کیفیت ہے کہ وہاں تک نظر باقی ہے نہایت
بڑھ رہا مرقی دونوں کی مانند زمین پر چلے گئے ہیں۔

۱۹-۲۰۔ لغات : ٹوئیاں : ٹوٹی کی جین : پٹنے گھٹنے و سیاں
مقنوں : گہن کیا گیا، فیاں :

شرح : ہر عورت ایسے گویوں کے نمونے سے فضا میری ہے بخیر
نی طرح گشتے ہیں۔ ہر سمت ان پٹنے گھٹنے و سیاں کے ہوتے ہیں۔ یہی کہ پٹنیاں
پا۔ یہی ہیں۔ اندر کے اکھڑے سے متعلق جو کچھ دھم دھان میں آتا ہے وہ ہم نے
نواب کی شکل میں آنکھوں سے دیکھا جو ہر شے کو صرف ظاہری شکل و صورت میں
دیکھ لیتی ہیں۔

۲۱-۲۲۔ لغات : میہر فز : آفتاب میں شای و شہود والا۔
شرح : دوتا آفتاب سے آفتاب میں شای شہود حاصل ہے۔ تخی کے
ساتھ غریب ہی ستارہ کو سوار ہوا۔ سب نے سمجھا کہ گھوڑا پری ہے اور نہ ہی کا داس
پری کا بازو ہے۔

۲۳۔ لغات : سمند : باواہی رنگ کا گھوڑا۔ عام گھوڑے کے
چمے بھی مستعمل ہے۔

شرح : گھوڑے کے نمونے کے برعکس بنتے تھے۔ اسی سے پورا
میراں پھول پختہ واسے کا داس بن گیا۔

اس شعر میں گھوڑے کے نمونے کے نقش کو پھولوں سے تشبیہ دی ہے۔ یہاں
ہمیں نقش رخ سے پھول پختہ گئے اور اس کثرت سے بنتے، جیسے پھول پختہ واسے
کو پھول میں کثرت سے ہیں جو ہاتھ ہیں۔

۲۴۔ لغات : مشام : توستہ شادی بگڑا دماغ۔

شرح : فوج کے پختہ سے جو گروہ آتی ہے وہ مشک بھیوتی ہے،
یعنی اس سے جنگ کی خوشبو آتی ہے اور راستہ چلتے والوں کے دماغ مطرب بنتے

پہلے جانتے ہیں۔

۲۵۔ لغات : فرزدین : تقریر۔ زیادہ اور فرزدین شطرنج کے سب سے بھاری
شرح : فوج کو اتنا زیادہ دے دیا کیلئے لکھا، اسے وزیر کا منصب
عادل ہے۔

۲۶۔ لغات : موکب : دھواں، اگر کسی شخص سے آدمی کی بھڑکی جلتی ہے۔
شرح : نواب کی خاص مود کی لنگی آؤ میں پرادی شکر پیش کر دیا جو
آسانی پر پرادی شام سے پیدا کر دیتے ہیں۔

۲۷۔ لغات : گور : گور ایک ہاتھ، جس کا شمار کرتے ہیں۔
بہرام : مشہور ساسانی بادشاہ، جسے گور کے شمار کا اٹھارویں ملک اس
کاتب ہی بہرام گور چلایا تھا۔ اس کا دستور یہ تھا کہ گور فریاد کرے اور اس کی حالت پر راجا
لگا کر چھوڑ دیتا۔

شعریں : پشت، پیچھے۔

شرح : بہرام گور کا دستور تھا کہ گور کی زبان پر ملا دیا اور لگا کر چھوڑ
دیتا تھا چنانچہ جاسکے۔ بہرام کا شمار جو بکا ہے، لیکن اسے نواب بالی نواب، نواب
کی غلامی کا خارج بہرام نے اپنی زندگی کے سب سے تریشہ کا باعث سمجھا ہے۔

۲۹۔ شرح : اسے فریادوں کے پرورش کرنے والے ہیں نے جو
مرید و شاکی اور غلامی کی اس کا مقصد یہ نہیں کہ فی شعر کا کس پیش کر دیں۔

۳۰۔ شرح : آپ کا تفریق اور میرا منہ، اگر دعویٰ بھی کروں تو کسے نہیں
اسے کہ اپنی میرا منہ اس قابل نہیں کہ آپ کی تعریف کر سکے۔

۳۱۔ شرح : اور تعریف کا قصد بھی کہ تا تو آپ بڑے عاقل ہیں کہ وہ تعریف
کو نہ سارے کتبہ تھا، جب میں بالکل دبا ہوا ہوا پریشان حال اور غمگین ہوں۔

۳۲۔ شرح : بڑھاپا اور کمالی قاعدہ کو مصلحت کے نزدیک نہ تھا، ہوا میں طرا
کی بنا پر اچھا حال ہے اور اس قاعدہ سے بھرا ہوا ہے۔

۲۴۔ شرح : قلم بگوند چکر بکھرا بر نہا ہے ، یہ معرفت آپ سے عقیدہ تہذیب
اور دولت کا افسار کر رہا ہے ۔

۲۴۔ شرح : خائبہ اور عاجز اور نیاز مند ہے ، شرح نہیں کہتا ، معرفت
دعا کر رہا ہے ۔

۲۵۔ شرح : دعا بھی یہی ہے کہ آپ دنیا میں جوش زہرہ دریں ، خدا
کر سے دیبا بھی ہو !



ایلیں براؤن

وطن کشور و لشکر ، پناہ شہر و سپاہ
جناب عالی ایلیں براؤن والا جاہ
بند رتبہ وہ حاکم ، وہ سر فراز امیر
کہ باج تاج سے لیتا ہے جس کا طرف نگاہ
وہ محض رحمت و رافت کہ ہمراہ اہل جہاں
نیابت و مصلحت کیلئے کبھی جس کی نگاہ
وہ تاج عدل کہ دہشت سے جس کی پرستش
جسے جسے شعلہ آتش ، انیس پڑے کاد

تمہید :-
یہ عقیدہ خائبہ نے
اپنے شاعر و غزل
کہ آتم کی لڑائی ہے
یہ کیا تھا ، آتم ، اگر
کے ایک دہشت گشت
گھرانے کے چہرہ
نقد ، اور جس کے
منزلتی میں دھرتی
منہ ، تو جو خط
سے غم و دست
و تہوں میں سے

زمین سے سودہ گوہراٹھے۔ سجاائے غبار
 جہاں ہو تو سن حشمت کا اس کے بھولان گاہ
 وہ مہرباں ہو تو انجم کہیں؟ الہی شکر
 وہ خوشگلیں ہو تو گردن کہے خدا کی پناہ
 یہ اس کے عدل سے، اعداء کو ہے آمیزش
 کہ رشت و کوہ کے اطراف میں بہر سیراہ
 ہنر یاز پختے سے ایسا ہے کام شانے کا
 کبھی جو جوتی ہے الہی جوتی دم رداہ
 نہ آفتاب، نہ آفتاب کا ہم چشم
 نہ باد شاہ، نہ لے مرتبے میں جسیر شاہ
 خدا نے اس کو دیا ایک خوب و فز زندر
 ستارہ جیسے چمکتا ہوا پہلو سے ماہ
 نہ ہے ستارہ مدفن کہ جو اُسے دیکھے
 شعاع مہر و خشاں ہو اس کا تابہ نگاہ
 خدا سے ہے یہ توقع کہ عمدہ طفلی میں
 سینے کا شرق سے تا غرب اس کا بازی گاہ

تھے۔ آہ آہ سے آواز
 میں منید طاق کھانہ
 سے ایک مطیع کا تم
 کر یا تھا اور اختیار بھی
 نکالے تھے۔ اگر
 میں نہ کیٹی کی کراری
 ہی گئے تھے۔ غلبہ
 کی کتاب و دستہ پہلی
 مرتبہ مطیع منید طاق
 ہی میں بھی تھی۔
 قصیدہ میں ہرگز ہم
 ایک انگریز انسر کے
 بچہ جو نے پر کیا تھا
 میرا کہ خط سے ہم
 ہوا ہے کہ یہ بکتر شہ
 رات بھر میں کو کر بھیج
 دیکھ گئے تھے۔
 ۱۔ لغات :
 طاق : ہاں چاہا۔
 شرح :
 ملک اور شہر کا نام
 دور و دور پہاڑ کی چوہ
 کہن : جناب مال

جوان ہو کے کرے گا یہ، وہ جہاں سبائی
 کہ تابع اس کے ہوں روز و شب سپید سپاہ
 کہے گی غلامی اسے "داویر سپہر شکوہ"
 لکھیں گے لوگ اسے "خسرو ستارہ سپاہ"
 عطا کرے گا خداوند کار ساز اسے
 روانِ روشن و خوش و دل آگاہ
 خے گی اس کو وہ عقل نہ بختہ راں کہ اسے
 پڑے نہ قطعِ خدمت میں احتیاج گواہ
 یہ ترکناز سے برجم کرے گا کشورِ روس
 جو لے گا "بادشہ چیں سے چیں" تخت و کلاہ
 سینا بن عیسوی اٹھارہ سو اور اٹھادین
 یہ چاہتے ہیں جہاں آفریں سے شام و بگاہ
 یہ جتنے سیکڑے ہیں سب بزار ہو جاویں
 دراز اس کی ہو عمر اس قدر سنن کوتاہ
 امیدوارِ عنایات "سشیو نارائن"
 کہ آپ کا ہے ملکِ خوار اور دولتِ خواہ

ایسے براؤن، جی کا

درجہ بہت اونچا ہے

۲۔ لغات :

باج : خراج۔

شرح :

۲۰۔ بلند و تیز و مہم جو

مستاد و میر جس کا گوشہ

کوہ تاج سے خراج

دھون کرتا ہے۔

۳۰۔ لغات :

رافت : مہربانی۔

نیابت : قائم مقامی

شرح :

۲۰۔ میر و بزرگداشت

اور مہربانی ہے اور جی

کی نگاہ اہل دنیا کے

پہلے دم میں کی قائم مقام

ہے۔

۳۰۔ لغات :

چراغ کاہ : گھاس

کاٹا۔

شرح :

۲۰۔ سراپا علی بیو

پر سنا ہوتا ہے کہ دنیا میں عز و جاہ کے ساتھ جس کی بچہ لڑکے سے
تقصیر اور اس کو سلامت رکھے سدا اللہ کے شکر کا لائق ہے

گیا ہے اور اس سے محبت کرنے لگا ہے۔ وہ دیکھتا رہتا ہے کہ کوئی کسی پر ظلم نہ
کرتے پاسے، ہر ایک کو خوف ہے کہ کہیں بچہ لڑکے کی قربت نہ آجائے شعلہ لگاس
کے شکر کو ایک لمحے میں بھڑا اٹھا ہے، گردن میں براؤں کی پرسش کے خوف سے
ٹپٹے سے یہ کام چھوڑ دیا اور شکر سے محبت شروع کر دی۔

۵۔ لغات : سونو گوہر : مریخوں کا ستون۔
توسن شست : جاوڈ شمر کا گھڑا۔

مشریح : جہاں اس کے جاوڈ شمر کا گھڑا دھڑکا ہو جو اس زمین سے
گرد و غبار کی جگہ مریخوں کا ستون بن جاتا ہے۔

۶۔ شرح : وہ مریخ جو پاسے لڑتا ہے کہیں؟ اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔
وہ غصے میں آجائے تو اس کی نگاہ سے : خدا کی نگاہ، یعنی آسمان کو خدا کے سوا
کہیں پتا نہ ملے۔

۷۔ لغات : اظہار : وہ چیزیں جو ایک دوسری کی ضد ہوں۔
ایک دوسرے کے دشمن۔

۸۔ شرح : شراب۔

۹۔ شرح : انہی براؤں کے عدل کے باعث ایک دوسرے کے دشمن
بھی اس طرح الگ ہو گئے ہیں کہ گھڑوں اور پہاڑوں کے اطراف میں اور چرما سٹے پر
وٹری کی ٹوم ہیں، لہذا قہر پیدا ہو جائے تو ہر شے اس الجھاؤ کو دور کرنے کے لیے
اپنے پنجے سے کٹھنی کا کام لیتا ہے۔

۱۰۔ شرح : وہ سورج نہیں، لیکن اس کا ہم رتبہ غزوہ ہے۔ وہ بادشاہ
نہیں، مگر وہ ہے جس بادشاہ کے برابر ہے۔

۱۰۔ **شرح :** خواستہ اسے ایک خوب صورت چٹا عطا کیا ہے۔ کیا بتایا ہے
مجھے ہاندر کے پلو میں ستارہ چمک رہا ہو۔

۱۱۔ **شرح :** وہ ایسا روشن ستارہ ہے کہ زمین کی بھی آنکھ اس پر پڑ جائے۔
اس کی نگاہ کا تار روشن سورج کی شعاعیں بن جائے۔

۱۲۔ **شرح :** خدا سے امید ہے کہ ترکین میں میں مشرق سے مغرب تک
کی سرزمینیں اس کے لیے کھیل کا میدان بن جائیں گی۔

۱۳۔ **شرح :** جب وہ جوان ہو سکے گا تو دنیا کا انتظام اس طرح کرے گا
کہ سیلیا اور سیاہ کے دن اور رات اس کے فرمانبردار ہوں گے۔

روز و شب سپید و سیاہ کو لغو نشر مرتب سمجھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ سفید
کے دن اور سیاہ کی راتیں اس کے تابع ہوں گی۔ اگر سپید و سیاہ کو باحیثیت کے لیے
ایک شے مان لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اس کے دن اور رات اس کے فرمانبردار
ہوں گے۔ ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ شب اور سپید کے درمیان اضافت
کے بجائے واحد عامل رکھی جائے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ دن اور رات
میں اس کے تابع ہوں گے اور سفید و سیاہ نہیں۔

۱۴۔ **شرح :** خلیق خدا کے لیے کہ یہ ہمارا ایسا حاکم ہے جسے آسمان کی سی شہوت
حاصل ہے۔ ساتھ ہی لکھیں گے، یہ ایسا بادشاہ ہے، جس کے پاس ستاروں کا
جیسی سپاہ ہے۔

۱۵۔ **شرح :** کار ساز بارہی آجائے اس بچے کو روشن روح اور بچی طبیعت
اور بچہ کنوں کو بچے کا اول عطا کرے گا۔

۱۶۔ **لغات :** شہوتہ خالی : پوشیدہ چیزوں کو ہانختہ دینا۔
فصوص صفت : چمکنا۔

شرح : اسے وہ پوشیدہ باتیں ہانختہ دانی عقل نصیب ہوگی جسے
چمکنا کا فیض کرنے کے لیے گواہیاں لینے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ ہر گز وہ

بروج تیرہ بات قتل سے کہاں سے گا ۱۰ اس سے گواہوں کے بغیر ہی علی قیصر کرتا
ہا کے گا۔

۱۷- شرح : یہ سید جوان ہو کر ایسی پورچی کر سکا کہ سلطنت، دوس کا نام
درجیم برجم ہو جائے گا نیز یہ ہمیں کے بادشاہ سے قتلہ ذاکر پچیس ملے گا۔
۱۸/۱۹/۲۰-۲۱- یہ سب دعائیں اشعار ہیں۔

لغات : پگاہ : میح ۔

شرح : شہزاد کے بیسویں سال میح و نام اشراقی سے یہ
دعا کرتے ہیں کہ اس بچے کی عمر میح ہو۔ اتنی میح کہ جہاں سے سیکڑے سب کے سب
ہزار ہو جائیں۔ اسے ایسے بڑا ہی صاحب ! شوناہی آپ کی مزارت کا امیر و امیر
آپ کا ملک کھاتا ہے اور دولت خواہ ہے۔ اشراقی سے اس کی آمد دی ہے
کہ خدا بھی آپ کو اس بچے کو عزت سے رکھے اور جہاں رہے جہاں کرے :

قطعات

(۱)

نواب کلب علی خاں

ہند میں اہل تسنن کی ہیں دو سلطنتیں
 حیدر آباد دکن، رشک گلستان ارم
 رام پور اہل نظر کی ہے نظر میں وہ شہر
 کہ جہاں بہشت بہشت آکے ہوئے ہیں باجم
 حیدر آباد بہت دور ہے اس ملک کے لوگ
 اس طرف کو نہیں جاتے ہیں جو جاتے ہیں تو کم
 رام پور آج ہے وہ بقعہ محمود کہ ہے
 مرجع و منبع اشراق نثارِ آدم
 رام پور ایک بڑا باغ ہے از روئے مثال
 دلکش و تازہ و شاداب و وسیع و نغم

۱۔ شرح :

ہندوستان میں اہل
 سنت کی دو سلطنتیں
 ہیں ایک حیدر آباد
 دکن جو باغ بہشت
 کے لیے باعث رشک
 ہے۔

۲۔ شرح :

دوسری سلطنت
 رام پور کی ہے اور
 رام پور اہل نظر کی
 نگاہوں میں وہ شہر
 ہے جہاں آنکھوں
 بہشت آکر اکٹھے
 ہو گئے ہیں۔

جس طرح باغ میں سادان کی گھٹائیں برسیں
 جسے اسی طور پر یاں ویدہ فشاں دست کرم
 ابرو دست کرم کلب علی فشاں سے مام
 نور شہوار ہیں جو گرتے ہیں قطرے ہنہم
 صبح دم باغ میں آجائے جسے ہونہ یقیں
 سبزہ و برگ گل و لاله پہ دیکھے شعبہ
 حبذا باغ جہاں نقس آثار
 کہ جہاں چہرے کو آتے ہیں غزالین حرم
 مسک شرع کے ہیں راہرو و راہ شناس
 خضر بھی یاں اگر آجائے تو لے ان کے قدم
 مدح کے بعد دعا چاہیے اور اہل سخن
 اس کو کرتے ہیں بہت بڑھ کے بغراق قیم
 حق سے کیا مانگیے ان کے لیے جب ہونہ وجود
 ملک و گنبد و خیل و سپہ و کوس و علم
 ہم نہ تبلیغ کے مائل نہ ملو کے قائل
 و دعا میں ہیں کہ دیتے ہیں وہ ثواب کو ہم

۲۶۔ شرح :
 حیدر آباد بہت
 دور ہے شمالی ہند
 کے لوگ اس طرف
 نہیں جاتے اور جو
 جاتے ہیں ان کی تعداد
 کم ہے۔

۲۷۔ لغات :
 بقدر معصوم :
 آباد گڑھا۔

مرجع : رجوع
 کی جگہ۔

جمع : جمع
 ہونے کی جگہ۔

نثرار : نثر
 اور۔

شرح :
 آج رام پور وہ
 آباد خطہ ہے جہاں
 اولاد آرم ہیں
 بڑے بڑے لوگ
 پیچھے اور میں ہونے
 رہتے ہیں۔

۵۔ شرح : یا خدا ! غالب عاصی کے خداوند کو دے
 رام پور کو ایک
 بڑا بارغ سمجھ دیا ،
 جاسے تودہ دگوش
 تر و تازہ ، شاداب
 بہت دین ہے ۔
 اور اس پر ہر حرف شادمانی برس رہی ہے ۔

۶۔ شرح : بارغ ہیں جس طرح سادوں کی گھٹائیں ہرستی ہیں اسی
 طرح رام پور میں شادمانی کا اتھوڑا ہوا ہے ۔

۷۔ شرح : نواب کلب علی خاں کے دست کرم کے بادل سے
 جو قطرے پے درپے گر رہے ہیں ، وہ ایسے موتی ہیں ، جو بادشاہوں
 کے لائق ہیں ۔

۸۔ شرح : جسے اس بات کا یقین ہے ، ہو وہ جس کے قریب
 بارغ میں آجائے اور سترے ، نیز لالہ کی چنگھڑیوں پر دوس کے قطرے
 دیکھ لے ۔

۹۔ لغات : چھڑا : واو وا ، مرجھا ۔

تقدیس آثار : پاکیزگی کے نشانوں والا ، پاکیزہ ۔

عزالانحرام : حرم پاک کے ہرن ۔

شرح : واو وا : وہ بارغ ہایوں ، جو پاکیزگی کے نشانوں
 سے بھرا ہوا ہے اور جہاں حرم پاک کے ہرن چرنے کی غرض سے آئے ہوں ۔

۱۰۔ لغات : قدم لینا : پاؤں پھرانا ، استقبال کرنا ۔

شرح : نواب کلب علی خاں شریعت کے راستے پر چلتے
 ہیں اور راستہ پہنچتے ہیں ۔ نظریہ میں یہاں آجائیں تو نواب کے استقبال

کے بچے انھیں۔

۱۱۔ لغات : انقراق : بہت زیادہ مبالغہ۔

شرح : شرح میں جو کچھ کثافتہ لکھیں، اسے دعا کر لی جاتی ہے اور شاعر کو لب و لہجہ شعار کھینچنے وقت بہت مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔

۱۲۔ شرح : غلام سے نواب صاحب کے لیے کیا باتیں : ان کے لیے تو ہر چیز پہنچتی ہی سے موجود ہے۔ ملک ہے، خزانہ ہے، مصاحبوں کی جماعت ہے، لشکر ہے، قلعہ ہے، جھنڈا ہے۔

۱۳۔ لغات : تبلیغ : مبالغہ کرنا

تعلو : مبالغہ کی ایک قسم، بہت زیادہ مبالغہ۔

شرح : جنازہ میلان مبالغہ کی طرف نہیں اور ہم فلوں کے بھی قائل نہیں۔ دور غائبوں کو ہم نواب کو دیتے ہیں۔

۱۴۔ شرح : لہذا کہتے ہیں کہ اسے خدا ! غائب گناہگار کے آقا کو در ایسی چیزیں عطا کر دیں گی طلب ساری ہو گیا کہ ہے۔

۱۵۔ لغات : شہنشاہ ائمہ : ائمہوں کا شہنشاہ مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔

شرح : دلی دھنیں بھی عمر نصیب ہو اور اقبال ہمیشہ قائم رہے۔ دوم خدا انھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوار کی دولت عطا کرے۔

(۲)

ایضاً

تہذیب
یہ آٹھ ۱۱ اگست
۱۹۷۷ء کے کتب

مقام شکر ہے اسے ساکنانِ خطہ خاک
رہا ہے تلوار سے ابر سستارہ بار برس

ہیں نواب کلب علی خاں کے پاس بھیجا گیا تھا کہ کتب میں میز لکھتے ہیں۔
 اگرچہ یہاں (دہلی میں) مینہ اس قدر برسا ہے کہ جس کے پانی سے زمیندار حاصل زمین سے لہو و حوصلے، اگرچہ نگر و غرامان اذلی میر سے رزق کی برسات آپ پر ہے اور آپ کے حکم میں بارش خوب ہوئی ہے اور برکت کے شکرینہ ہیں ایک قطعہ مثنوی میں مرقی کے چیتا ہوں۔“

کماں ہے ساقی مودش، کماں ہے ابرِ مطہر
 بیار، لامے گلزارِ گوں، بہار، برس
 خدا نے تجھ کو عطا کی ہے گوہرِ افشانی
 درِ حضور پر اسے ابر! بار بار برس
 ہر ایک قطرے کے ساتھ آتے جو دکھ کبھے
 امیر کلب علی خاں جیسی ہزار برس
 فقط ہزار برس پر کچھ انحصار نہیں
 کئی ہزار برس، بلکہ صد ہزار برس
 جناب قبلۂ حاجات! اس بلا کش نے
 بڑے عذاب سے کاشے میں پانچ چار برس
 شفا ہو آپ کو، غالب کو بندِ غم سے نجات
 خدا کرے کہ یہ ایسا بنو سازگار برس
 اسے خطہ خاک کے دہستے و امرو! یعنی زمین پر بیٹھ دیا
 شکر و اگر نہ کاموقع ہے کہ کتاب سے برساتے والا اول خوب نمود سے برس، ہر ہے۔

۲- لغات : بطیر : برستے والا۔

شرح : ہاں یہاں ساقی کہاں ہے، جگہ کہا جاسکے۔ ”بیار“ (۹۷۹)

گلزار، شرب ۹۷۸- برستے والا اول کہ صبر ہے، جگہ کہا جاسکے، ”بیار“ (۹۷۹) و

۳۰۔ شرح : اسے بادل : نواسے تجھے موت پر ماسخ کی غفلت و غماز دی ہے، لہذا حضورِ نواب کے دروازے پر بار بار بھینٹا رہا اور موتی پہنا کر۔

۳۱۔ شرح : بارش کی ہر قطرہ کے ساتھ ہر فرشتہ آئے، اس کی زبان پر ہے اختیار یہ دعا جاری ہو جائے کہ تو آبِ کلب علی خاں جزیرہ میری جیسی !

اس شعر میں ہر قطرہ کے ساتھ ایک فرشتہ آئے گا ذکر کیا گیا ہے، وہ تمام کے اس تصور پر مبنی ہے کہ بارش کا ہر قطرہ رحمت لاتا ہے، اس لیے خدا کی طرف سے ایک فرشتہ اس کے ساتھ زمین پر آتا ہے اور رحمت فرشتوں کے نیچے سے زمین پر آتی ہے۔

۵۔ شرح : یہ بھینے کی جو تونر کی گئی ہے، وہ جزیرہ میں تک محدود نہیں رہا ہے، گئی جزیرہ میں بلکہ سو جزیرہ میں یعنی پاکستان میں۔

۶۔ الفاظ : قبائلی حاجات : دو سروں کی فرمائش پوری کر لئے۔
جاکش : بائیں بھینے اور مصیبتیں برداشت کر لئے۔

شرح : اسے دو سروں کی فرمائش پوری کر لئے والی بارگاہ کے ہنگامہ اس بائیں بھینے اور مصیبتیں برداشت کر لئے وہ یعنی خاتب نے پانچ پارہ میں ہر حصہ خطاب سے کاٹے ہیں اور بہت دکھا دکھا کر لئے ہیں۔

اس شعر میں میرزا خاتب نے قبائل غزنوی اور خوارزمی کے اس مرض کا ذکر کیا ہے جو شہرہ میں شروع ہوا اور تقریباً شہرہ، جنگ جہاد میں رہا۔ اس دور کے تمام ملکات میں اس مرض کا ذکر تفصیل سے موجود ہے اور ہر مکتوب الیہ کو شہادت دے گا کہ ان دنوں مصیبت کی داستانیں سناتے ہیں۔ وہ پوری تفصیل اس شعر کے آغاز اور تاثیر پر قیام ہے۔ حق یہ ہے کہ میں شخص کو الفاظ کی معنویت اور پیش نظر مطلب کے معنی کا طریق قرینیت پر خاتب کے برابر مہرہ حاصل نہ ہوا اور اس شعر میں کوئی شک نہیں، شہادہ، شعائر نہیں، ادبی مہرہ سے جو تھے ہیں اور خاتب کے سوا اچھے ادبی مہرہ سے شاید ہی کہیں لی سکیں۔

۷۔ مشرح : معلوم ہوتا ہے، تو اب صاحب کی طبیعت میں ناسازگاری
اسی لیے انہیں دعا دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ شانی مطلق آپ کو شفا عطا کرے
اور غالب کو بندہ غم ایمن زندگی سے نجات دل جائے۔

غالب کے نزدیک بندہ غم اور زندگی ایک شے ہیں، جیسا کہ وہ کہتے ہیں:
قید میاست و بندہ غم وصل ہیں و دوروں ایک ہیں،
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

(۲)

۱۸۵۷ء

بسکہ فغان ما یرید ہے آج
ہر سلسلہ انگشتاں کا
گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے
زہرہ ہوتا ہے آبِ انساں کا
چوک جس کو کہیں، وہ مقل ہے
گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
شہر دہلی کا ذرہ ذرہ خاک
تشہ ثوں ہے، ہر مسلمان کا

تعمید :۔
ہیں وہی کے اندر دشمنی
فرج کے غم و جور کا جو منظر
میرزا غالب نے دیکھا،
یہ اس کے تاثرات کا ایک
سرسری خاکہ ہے، صاف
معلوم ہوتا ہے کہ ان اشعار
کا لفظ لفظ خوب جگہ میں
رُخسار کر رکھا ہے۔ یہ
علامہ الدین احمد رضا نقوی
کے پاس دیکھ خط میں
جیسا لکھا تھا۔

کوئی واں سے نہ آ سکے یاں تنک
 آدمی واں نہ جا سکے یاں ک
 میں نے مانا کہ مل گئے، پھر کیا
 وہی رہنا تن و دل و عیاں کا
 گاہ جل کر کیا کیسے شکوہ
 سوزش و اغما سے پنہاں کا
 گاہ رو کر کہا کیسے باہم
 ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا
 اس طرح کے وصال سے یارب
 کیا مٹے داغ دل سے ہجراں کا

۱۔ لغات :

فقال مائیدہ :

معدۃ بروج کی ایک آیت

ہے، جس کا ترجمہ ہے کہ

گزرے وہاں جو روپا بنا

ہے۔

سنگین شہر : اسرارِ حق

کرنے والا، سپاہی۔

شرح : آج

انگشتان کے ہر سپاہی

نے وہ عزت حاصل کرنی

ہے کہ جو کوئی چاہتا ہے کہ

گزرنا ہے۔

۲۔ شرح :

گھر سے بازار میں لگتا ہے

دور و مشکل ہو گیا ہے کہ باہر

لکھیں تو گرد و پیش کے مناظر دیکھ کر پتا پانی پانی ہوتا ہے۔

۳۔ لغات : چوک : اس سے مراد ہے چاندنی چوک بھونہا

کی وہاں کا بہترین بازار تھا اور تین صدی تک دنیا کے کسی شہر کا کوئی بازار اس کا مقابلہ

نہیں کر سکتا تھا۔ دونوں طرف آٹھ ہائے کی سڑکیں تھیں اور یہاں ہنر سنی ظنی۔

جس پر خوب صورت و رشت لگے ہوئے تھے اور پابا پائے بنائے تھے۔

شرح : جیسے چوک کہتے ہیں، وہاں قتل گاہ بنا ہوا ہے اور گھرنے

تبدیلانے کی صورت اختیار کر لی ہے۔

مطلب یہ کہ باہر لکھو تو پچاسی ملتی ہے، مگر وہیں بیٹھو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قید خانے کی کسی تار تک کو ششری میں بند ہیں۔

۴۔ شرح : دلی کی خاک کا لڑہ قذیر مسلمان کے ٹون کو پیسا ہے۔ فتح دلی کے بعد انگریزوں نے وہاں جو کیفیت پیدا کر دی تھی اس کا زیادہ سے زیادہ صحیح نقشہ یہی ہے۔

۵۔ شرح : کوئی فرد وہاں سے یہاں نہیں آ سکتا اور کوئی فرد یہاں سے وہاں نہیں جاسکتا۔

مطلب یہ کہ دوستوں اور عزیزوں کے درمیان آمد و رفت بالکل بند ہے بلکہ فکر چاکر کو بھی باہر بھیجنے کا کوئی امکان نہیں۔

۶۔ شرح : مانا کہ دوست احباب کے لیے اجمعات کو سوتی پیدا کر گیا، لیکن اس سے کیا ہوتا ہے؟ میں نے تویم اولیٰ اور جان کور وٹے کے سوا کیا کریں گے؟

۷۔ شرح : کبھی جل کر پھٹنے کے بجائے ہوس کے دافوں کی جان کا شکر، ایک دوسرے سے کریں گے۔

۸۔ شرح : ابھی باہر دور دراز شک بار لکھوں کا اجراء ایک دوسرے سے کریں گے۔

۹۔ شرح : یا اللہ! اس طرح کے میل طلب کی کوئی صورت یہاں بھی ہو تو دل سے بھائی کا راجہ نہ کر رہے گا!

مطلب یہ کہ وصال تو دینی مطلوب ہے، جب اپنے واسے مسرور و شادمان ہوں، یا ہم خوشی کی باتیں کریں، جب دوسرے اور خلی کی جلی کے شلو سے کرتے کے سوا کوئی کام نہیں تو اس وصال کو فراق سے کہیں تاہم بہتر قرار دے سکتے

(۴)

خوشی ہے یہ آنے کی برسات کے

پہلیں بادۂ ثواب اور آم کھائیں

سر آغا زمونم میں، اندھے ہیں ہم

کہ دلی کو چھوڑیں، لو ہارو کو عیاں

سواناچ کے جو ہے متواپ جاں

نداں آم پاتیں، نہ انگور پاتیں

جو حکم بادرسوں کو کہ ہاں

ابھی ہا کے پوچھو کہ کل کیا پکائیں

وہ کھٹے کہاں پاتیں، اٹلی کے پھول

وہ کڑوے کر لیے کہاں سے منگائیں

فقط گوشت سو بھیر کا، ریشہ دار

کو، اس کو کیا کھا کے ہم حفظ اٹھائیں

۵۔ شرح : اسی کے کھتے پھول کہاں ہیں، گوشت کر کے کس جگہ

سے منگائیں !

تمہیں پیر :- یہ قلندر

غائب لو ہارو ہانے سے

مذہب کے طور پر لکھا

عیاں تھا۔

۱۔ شرح : برسات

کے آنے کی خوشی میں ہے

بچے کہ شراب پییں گے

اور آم کھائیں گے۔

۲۔ شرح : کیا

ہم اندھے ہیں کہ اس موسم

کے میں آغا نہ پروٹی سے

لنگیں اور لو ہارو پٹے پائیں ؟

۳۔ شرح : تاج

داتاچ کے سوا جو جان

کا اللہ ہے، وہاں ہے

کیا ؟ نہ آم کھتے ہیں نہ انگور

۴۔ شرح : بادرسوں کو حکم ہو گیا ہیں

پوچھو، کل کیا پکائیں ؟

۵۔ شرح : بیڑ کا گوشت موجود ہے، جو ریشہ دار ہے، تیار

اسے کھا کر اٹھتے اٹھائیں !

(۵۱)

اس کتاب طرب نصاب نے جب

آب و تاب انطباج کی پائی

فکر تاریخ سال میں مجھے کو

ایک صورت نئی نظر آئی

ہند سے پہلے سات سات کے دو

ویسے ناگاہ مجھ کو دکھائی

اور پھر ہند سے تھا بارہ کا

باہزاراں ہزار زیبائی

سال ہجری تو ہو گیا معلوم

بے شمول عبارت آرائی

مگر اب ذوق ہند سخی کو

ہے جدا گانہ کار فرمائی

سات اور سات ہو گئے ہیں چودہ

بر امید سعادت افزائی

۱۔ لغات :

طرب نصاب :

میں کاسرا یہ خوشی ہو۔

شرح :

جب اس کتاب نے وہ

خوشی اور نشاط کی سر پایز

چھڑھائی کی آب و تاب

پائی۔

۲۔ شرح :

تو مجھے چھائی کے سال

کی تاریخ سورجی پڑی اور

اس کے لیے ایک نئی صورت

دیکھ بیٹائی۔

۳۔ شرح :

پہلے مجھے اچانک سات

سات کے دو ہند سے دکھائی

دیکھ۔

۴۔ شرح :

ان کے بعد بارہ کا چودہ

تھا جو وہ ہجری ہوا معلوم

ہوتا تھا۔

- غرض اس سے ہیں چار معصوم
جس سے ہے چشمِ جاں کو زیبائی
اور بارہ امام ہیں بارہ
جس سے ایمان کو ہے توانائی
۵۔ شرح :
یوں عبادِ خدا آدائی سے
کام لینے کے طور پر کافر کی
سالی تو معلوم ہو گیا یعنی خدا۔
۶۔ شرح :
لیکن لطیف گوئی کا ذوق اب
دل کا طریق پانچا ہے۔
۷۔ شرح :
وہ کہتا ہے کہ سات مجھ

سات چورہ ہوتے ہیں۔ اس طرح سے سات میں چنانچہ جو لے کی، یہ ہے۔

۸۔ شرح : چورہ مکے بند سے ہے چورہ معصوم مراد ہیں۔ جی سے جان
کی لکھ کو آراکش متی ہے۔

۹۔ شرح : اور بارہ کا چند بارہ ناموں کی طرف اشارہ ہے۔ جن سے
ایمان قوی ہوتا ہے۔

۱۰۔ لغات : توانائی : محبت کرنے والا۔

شرح : اسے غالب : یہ سال ہی گوں مکے ہے بہت چمکا ہے جنہیں
ناموں سے محبت کا دعویٰ ہے۔

قطعہ تاریخ کشیف الحکمہ

تمہید :-
طب کے حلقہ :-
کتاب حکیم سلیم خان

سلیم خان کہ وہ ہے نور چشم و اصل خاں
حکیم مازق و دانا ہے وہ لطیف کلام

حکیم و اصل خان کی
تصنیف تھی، میرا کہ
میرزا نے قلم سے
داخل کر دیا ہے۔

۱۔ شرح :

سلیم خان و اصل خان
کاغذ پر لکھا ہے۔ وہ بڑا
ناپورا اور شگفتہ طبع
ہے اور اس کی باتیں
بھی نہایت پُر محنت
ہوتی ہیں۔

۲۔ شرح :

زمانہ بھرتی اس کا
مطلب مشہور ہے۔
لوگ علاج کے لیے
اسی کے ہاں جاتے
ہیں اور قاضی حکیم کا نام
بھی کسی کو یاد نہیں ہے۔
۳۔ وفات :
مبدع عالم : دنیا
کا غلام۔

تمام دہر میں اس کے مطلب کا چرچا ہے
کسی کو یاد بھی لقمان کا نہیں ہے تمام
اسے فضائل علم و سیر کی افسانہ آتش
ہوتی ہے مبدع عالم سے اس قدر انعام
کہ سچیت علم میں اطفال ابجدی اس کے
ہزار بار قلاطوں کو دسے چکے الزام
عجیب نسخہ تیار کیا ہے ایک اس نے
کہ جس میں حکمت طلب ہی کے مسئلے ہیں تمام
نہیں کتاب ہے اک منبع نکات بدیع
نہیں کتاب ہے اک معدن ہوا بر کام
کل اس کتاب کے سال تمام میں جو مجھے
کمال فکر میں دیکھا خبر نہ ہے آرام
کما ہے جلد کہ تو اس میں سوچتا کیا ہے؟
” لکھا ہے نسخہ تحفہ : یہی ہے سال تمام

احضال ابجدی : ابجد پڑھنے والے نر کے۔

شرح : یہ ہے دنیا کا آغاز ہوا ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے محمد پر

پر جاننے کو یہی توفیق عطا فرمائی ہے کہ اس کے دل جوڑ کے ہیں، چنانچہ اس نے
۱۰۔ دو اداؤں کو گشت میں بڑا مزہ دیا ہے۔

۵۔ **شرح :** اس نے ایک عجیب اور نادر نسخہ لکھا ہے جس میں آدی سے آخر
تک دپ کے تمام نسخے بیان کر دیے گئے ہیں۔

۶۔ **لغات :** منبع : سرچشمہ۔

آگات ہدیہ : نئے نئے نسخے۔

معین خواہر کام : گزیر بھری کام۔

شرح : یہ کتاب نہیں، بلکہ نئے نئے اور نکتوں کا سرچشمہ ہے۔ کتاب
میں ہر ایک کی حد و گورہیں سے بھر رہا ہے۔

۸۔ **شرح :** کوئی نسخہ ہے جسے اس کتاب کے پورا ہونے کی صورت
موجہ سے پہلے مضرب و سیاق پایا تو فوراً کہا، اس سے پہلے کیا سوچا ہے آگیا ہے
تو حق ہے، میں اس سے اس کے پورا ہونے کا سنا لگتا ہے۔

(۷)

۱۔ **لغات :** اٹھا اک دن جگوسا جو کچھ میں جوش و خشت میں

آسمیر سر :

پریٹھالہ مال۔

پھر آسمیر سر گھبرا گیا تھا جی بیاباں سے

شرح :

نظر آیا مجھے اک طائر جس روح پر نقشہ

ایک دی بیابان میں

جگوسا اٹھا اور میں

وحشت کے جوش میں

پریٹھالہ مال۔

نظر آیا مجھے

بیابان میں بھرتے

بھرتے دل گھبرا

تھا۔

نپکتا تھا سر شوریدہ دیوار گستاں سے

کہا میں نے کہ او گنام، آخر ماجرا کیا ہے

پڑا ہے کام تجھ کو کس سنگر آفت جاں سے

جسنا کیوں کھانکھا، کر سچے پھر مجھ کو جو پہچانا

تو یہ دیا کہ جو سے خون بھی ہلکوں کئے اماں سے

۲- شرح : کہا میں صید نہیں اس کا کہ جس کے دم گیسویں
 واپس آیا تو مجھے ایک
 پسندیدہ لکھائی دیا جو
 زخمی تھا وہ اس کے
 پزیر شدہ سے موٹے تھے
 وہ باغ کی دیوار سے
 دیوار و در سرنگ را
 تھا۔

۳- شرح : کہ جل کر ہو گیا یوں خاک مری آہ سوزاں سے
 میں نے اس سے پوچھا کہ اوگنام پرندہ ہے : آجہ پر کیا گزری : تجھے کس جہاں پر سنا
 سے کام پڑ گیا ؟

۴- شرح : میری بات سنتے ہی وہ پہلے تو کھینک کر ہنسا۔ پھر مجھے
 پہچان دیا تو اتنا روکا کہ ٹیکوں کے دامن سے غول کی تہی رہ گئی۔

۵- شرح : پھر کیا : میں اس نظم کا شکار ہوں جس کی زخموں کے جہاں
 میں باغ و غول و درخت کے چہرے آ کر ہنسا کرتے ہیں۔

۶- شرح : مجھے صبح و شام اشی کی نواہت اور چہرے کا تصور بندھا رہتا
 ہے : مجھے کفر سے کوئی غرض اور نہ ایمان سے کچھ کام۔

۷- شرح : عہد میں نے ذرا توجہ سے دیکھا تو وہ میرا ہی طائرِ دل
 تھا جو میری شعروں بھری آہ سے جہن کرنا کھڑا ہو گیا تھا۔

(۸)

۱- شرح : کیا ان دنوں ہر جو ہر ساری فرائع میں
 کچھ تغیر نہ رہا نہ دل و درود و نوح میں
 آج کل جہاں سے ہے
 فرائع و نوح و درود

(۹)

- ۱۔ لغات : مجلس شمع خدراں میں جو آجاتا ہوں
 شمع خدراں : شمع
 بھیجے دشمنوں والا کیونکر
 فارس میں خداداد معنی
 رضار ہے ۔ مطلب
 سے روشنی ہے لے
 یاقی کوپ ۔ مسیحہ ۔
 شرح :
 میں جہان میں
- مجلس شمع خدراں میں جو آجاتا ہوں
 شمع سال میں تہہ داران صبا جاتا ہوں
 سرگراں مجھ سے سبک رو کے نہ رہنے کے
 کہ یہ یک بخشش لب مثل صدا جاتا ہوں
 ہووے ہے جاوے رہہ رشتہ کو ہر ہر گام
 جس گزرگاہ میں میں آبلہ پا جاتا ہوں

اور مشورہ کی پس میں کہتا ہوں تو شمع کی طرف دامن ہا کی روٹ جا پہنچتا ہے ۔
 قاعدہ ہے کہ شمع کو بھونکے سے پائے لکھنے کے لیے ۔ لے کر لکھتے ہیں
 لغات : اسی سے ڈھانک بیٹھتے ہیں ۔

۲۔ لغات : سرگراں : مل ، درخیز ۔

سبک رو : تیز پھنے ۔

شرح : بھرے تیرہ رو کے نہ رہنے سے مل و خیر و زور ۔ میں تو اتنی بڑی
 سے جاتا ہوں بھیجے ہوں کہ جتنے مسائل جاتی سے

۳۔ شرح : میرے پاؤں میں چھا ہے ہیں ۔ میں جس کو گمہ میں قدم لکھتا ہوں میر
 قدم پر دستہ اسی شکل اختیار کرتا ہے جو موتوں میں دھانک کے کی جوتی ہے ۔ راستے کو دشتے
 اور چھان کو موتوں سے تعبیر دیتی ہے ۔

(۱۰)

- ۱۔ لغات : چمیری میں بھی کسی نہ ہوتی تاک جھانک کی
 تاک جھانک : درج
 نظروں سے دیکھتے ۔
- چمیری میں بھی کسی نہ ہوتی تاک جھانک کی
 نوزن کی طرح دید کا آزار رہ گیا

وہ مرغ ہے غزال کی عظمت سے بے خبر
آئندہ سال تک جو گرفتار رہ گیا
میں کہتے ہیں۔ مطلب ہے عینوں کو دیکھنا۔

روایت : روایتیں ہیں۔ جو مکالموں میں ہندی پر وہ شخص کی طرف سے دیکھ جتے ہیں۔
 مخرج : بڑے پائے میں بھی ملک بھارت کی حالت دیکھتی گویا نگارہ بانی کو۔
 روایت : ایک ایک سے جو ساتھ ساتھ چاروں سے اور بڑے پائے میں بھی اس کے اندر
 کئی چیزیں آتی ہیں طرح مکالموں کی ویڈیو میں ہندی پر روایتیں دانی جوتے ہیں وہی حالت
 نگارہ بانی کے اس کاٹا رکھی ہے۔ یہ قطع نہیں ہے۔

۴۔ مقامات : ضرورت : وقت : وقت : ضرورت۔

شرح : جو پرندہ سوچ رہا ہو وہی پڑ گیا اور آئندہ مثال ایک قفس میں پڑا ہو۔
اسے کیا خبر ہو سکتی ہے کہ سوچ کر وہی کی کیا مصیبتیں اور مصلحتیں آتی ہیں اور مصیبتوں کا اندازہ
آج ہی کو کر سکتا ہے جو پتہ چلے کہ وہ غلطی کے اندر رہا ہو اور اس وقت پر غلطیاں کی بھی خبر
اکھ سے ہوں۔ قفس کے گوشے میں بیٹھ کر سوچ رہا ہو اس کے لیے پرندہ اور انسان کی مشابہت
یکساں ہے۔

دیکھو وہ برق قسم اب کد دل بیاب ہے
 حیرت گریاں میرا فوارہ سیلاب ہے
 کھول کر دروازہ میخانے کا بولا میفرش
 اب شکست تو یہ میخواروں کو فتح الیاب ہے

اب وہ دوسرے کا غم اور یہی گنجی، یعنی ایسا غم تو وہ جس سے پاکی کے پھانے پھولنے لگتا ہے۔

کو ہر آواز جو۔۔۔ دل کی جگہ تائی کا کرٹھے جس کی دوسرے آنکھوں سے چنے والا
پانی سب ہو گیا۔

۲۔ لغات : فتح الہام : دروازے کا کھلا۔

شرح : شراب پہنے واسطے سے شراب خانے کا دروازہ کھولا اور پکار کر
کہا کہ اب شراب نوشوں کے لیے موقع ہے کہ توہ توڑ ڈالیں۔ چلے آئیں اور پنا شروع کر
کر میں۔ شراب خانے کا دروازہ کھلا ان کے لیے اب دروازہ کھلا ہے۔

(۱۲)

۱۔ شرح : اک آہ گرم کی تو ہزاروں کے گھر جلے
ہوا بکری منی کی آہ
دکھتے ہیں عشق میں یہ اثر ہم جگر جلے
یہ ہیں بکری منی
پورا اسنے کا نہ غم ہو تو پھر کس لیے اسد
یہ ہے کو ہم ایک گرم
آہ کروں تو ہزاروں
گھر ہیں آگ لگے
سہرات شمع شام سے لے تا سحر جلے
انہی اور سب کہیں جاتے۔

۲۔ شرح : اسد، میرزا غالب کا ابتدائی قصہ، جسے بعد میں کسی کہیں
کرتے ہیں۔

اسے اسد شمع شام سے صبح تک جرقہ جاتی ہے۔ جسے معلوم ہے اس کا سب
کیا ہے۔ یہ دروازے کے قریب اثر ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو اس بچاری کو کیا پڑی تھی کہ وہ
شام سے صبح تک ہی جرقہ لگتی رہتی۔

(۱۳)

۱۔ شرح : گوڑ گاؤں کی ہے قینی رحمت وہ یک قلم
ہزاروں آتش
عاشق ہے اپنے ملک عادل کے نام کی
میرزا غالب کے عزیز

تاریخ و تفسیر

پیشکش کی گئی ہے۔

1994

سویہ نظر فرور قلم دان نذر ہے

مشترک و ان صاحب عالی مقام کی

میں غلامت اختیار کر لی۔ بلند صوبے پر پیشیے اور دھوکے پر ان کا غلبہ پایا۔ مسلمانوں میں فتنہ لگ گیا۔

مفتد و گناہوں کے مصنف تھے۔ مثلاً، موسمِ بہار، قصیدِ ہند، طغیانی، دیوانہ، اور غیرہ اللہ عزوجل اعلم۔

مصنف "فہرہ راہنویں" کے لیے بنیاد پر مضمون کے تحقیق کے

یہاں سے ان کی خدمت ٹوڑ گاؤں کے سکول ہی میں جیڑا منتر ہے۔ وہیں مشرق کی آفتاب نکل

تھے۔ ان کا تھار جو آرائی گڑ گاؤں سے پانچویں گاؤں تک تحصیل بطور یادگار کی غرض سے چھپا دیا۔

نکرتے کو تھکے مہ کیا۔ اس پر ایک موزوں شعر گنبد گزرتا، ماضی و محض، اس طرح مستحق یا رستہ دار

اپنے شاہک دوست کے ہمراہ میرزا غلامحسین کی خدمت میں پہنچے۔ وہ ماؤں کا کیا۔ میرزا نے غلامحسین

ذریعہ قلمرو اس کے لئے تلاش کر رہا تھا، اس وقت سے میرزا کے ساتھ اسلوب کے تغیر کی ابتدا ہوئی

پیشروان و پیروان

۱۔ شرح : گزشتہ کافروں کی جتنی رعایا تھے وہ سب کی پیمائش اپنے محل و مسکن سے

صفت ہزارے عالم کے نام کی شائع ہے۔ جو کہ تہ مراد ہر کوئی ہے۔

۲۔ تشریح : اس عبارت کی یاد دہانی کے لیے یہاں یہ فقرہ لکھا گیا ہے کہ اس کو درستی کرنے والا

نعمتوں میں نظر کرنا کہ خدا کرے، جی ہے۔ جی ہے وہ نظام بنا ہے۔

416

پہم لکھیں۔ ہمارے بیٹے اور محترم شہاب الدین علی :

تجارت و صنعت

$$\frac{1}{2} \left(\frac{1}{2} + \frac{1}{2} \right) = \frac{1}{2}$$

• **کتابخانه**

اسلام آباد کی ایک اور نئی شاہراہ

1. 2. 3. 4. 5. 6. 7. 8. 9. 10. 11. 12. 13. 14. 15. 16. 17. 18. 19. 20. 21. 22. 23. 24. 25. 26. 27. 28. 29. 30. 31. 32. 33. 34. 35. 36. 37. 38. 39. 40. 41. 42. 43. 44. 45. 46. 47. 48. 49. 50. 51. 52. 53. 54. 55. 56. 57. 58. 59. 60. 61. 62. 63. 64. 65. 66. 67. 68. 69. 70. 71. 72. 73. 74. 75. 76. 77. 78. 79. 80. 81. 82. 83. 84. 85. 86. 87. 88. 89. 90. 91. 92. 93. 94. 95. 96. 97. 98. 99. 100. 101. 102. 103. 104. 105. 106. 107. 108. 109. 110. 111. 112. 113. 114. 115. 116. 117. 118. 119. 120. 121. 122. 123. 124. 125. 126. 127. 128. 129. 130. 131. 132. 133. 134. 135. 136. 137. 138. 139. 140. 141. 142. 143. 144. 145. 146. 147. 148. 149. 150. 151. 152. 153. 154. 155. 156. 157. 158. 159. 160. 161. 162. 163. 164. 165. 166. 167. 168. 169. 170. 171. 172. 173. 174. 175. 176. 177. 178. 179. 180. 181. 182. 183. 184. 185. 186. 187. 188. 189. 190. 191. 192. 193. 194. 195. 196. 197. 198. 199. 200. 201. 202. 203. 204. 205. 206. 207. 208. 209. 210. 211. 212. 213. 214. 215. 216. 217. 218. 219. 220. 221. 222. 223. 224. 225. 226. 227. 228. 229. 230. 231. 232. 233. 234. 235. 236. 237. 238. 239. 240. 241. 242. 243. 244. 245. 246. 247. 248. 249. 250. 251. 252. 253. 254. 255. 256. 257. 258. 259. 260. 261. 262. 263. 264. 265. 266. 267. 268. 269. 270. 271. 272. 273. 274. 275. 276. 277. 278. 279. 280. 281. 282. 283. 284. 285. 286. 287. 288. 289. 290. 291. 292. 293. 294. 295. 296. 297. 298. 299. 300. 301. 302. 303. 304. 305. 306. 307. 308. 309. 310. 311. 312. 313. 314. 315. 316. 317. 318. 319. 320. 321. 322. 323. 324. 325. 326. 327. 328. 329. 330. 331. 332. 333. 334. 335. 336. 337. 338. 339. 340. 341. 342. 343. 344. 345. 346. 347. 348. 349. 350. 351. 352. 353. 354. 355. 356. 357. 358. 359. 360. 361. 362. 363. 364. 365. 366. 367. 368. 369. 370. 371. 372. 373. 374. 375. 376. 377. 378. 379. 380. 381. 382. 383. 384. 385. 386. 387. 388. 389. 390. 391. 392. 393. 394. 395. 396. 397. 398. 399. 400. 401. 402. 403. 404. 405. 406. 407. 408. 409. 410. 411. 412. 413. 414. 415. 416. 417. 418. 419. 420. 421. 422. 423. 424. 425. 426. 427. 428. 429. 430. 431. 432. 433. 434. 435. 436. 437. 438. 439. 440. 441. 442. 443. 444. 445. 446. 447. 448. 449. 450. 451. 452. 453. 454. 455. 456. 457. 458. 459. 460. 461. 462. 463. 464. 465. 466. 467. 468. 469. 470. 471. 472. 473. 474. 475. 476. 477. 478. 479. 480. 481. 482. 483. 484. 485. 486. 487. 488. 489. 490. 491. 492. 493. 494. 495. 496. 497. 498. 499. 500. 501. 502. 503. 504. 505. 506. 507. 508. 509. 510. 511. 512. 513. 514. 515. 516. 517. 518. 519. 520. 521. 522. 523. 524. 525. 526. 527. 528. 529. 530. 531. 532. 533. 534. 535. 536. 537. 538. 539. 540. 541. 542. 543. 544. 545. 546. 547. 548. 549. 550. 551. 552. 553. 554. 555. 556. 557. 558. 559. 560. 561. 562. 563. 564. 565. 566. 567. 568. 569. 570. 571. 572. 573. 574. 575. 576. 577. 578. 579. 580. 581. 582. 583. 584. 585. 586. 587. 588. 589. 590. 591. 592. 593. 594. 595. 596. 597. 598. 599. 600. 601. 602. 603. 604. 605. 606. 607. 608. 609. 610. 611. 612. 613. 614. 615. 616. 617. 618. 619. 620. 621. 622. 623. 624. 625. 626. 627. 628. 629. 630. 631. 632. 633. 634. 635. 636. 637. 638. 639. 640. 641. 642. 643. 644. 645. 646. 647. 648. 649. 650. 651. 652. 653. 654. 655. 656. 657. 658. 659. 660. 661. 662. 663. 664. 665. 666. 667. 668. 669. 670. 671. 672. 673. 674. 675. 676. 677. 678. 679. 680. 681. 682. 683. 684. 685. 686. 687. 688. 689. 690. 691. 692. 693. 694. 695. 696. 697. 698. 699. 700. 701. 702. 703. 704. 705. 706. 707. 708. 709. 710. 711. 712. 713. 714. 715. 716. 717. 718. 719. 720. 721. 722. 723. 724. 725. 726. 727. 728. 729. 730. 731. 732. 733. 734. 735. 736. 737. 738. 739. 740. 741. 742. 743. 744. 745. 746. 747. 748. 749. 750. 751. 752. 753. 754. 755. 756. 757. 758. 759. 760. 761. 762. 763. 764. 765. 766. 767. 768. 769. 770. 771. 772. 773. 774. 775. 776. 777. 778. 779. 780. 781. 782. 783. 784. 785. 786. 787. 788. 789. 790. 791. 792. 793. 794. 795. 796. 797. 798. 799. 800. 801. 802. 803. 804. 805. 806. 807. 808. 809. 810. 811. 812. 813. 814. 815. 816. 817. 818. 819. 820. 821. 822. 823. 824. 825. 826. 827. 828. 829. 830. 831. 832. 833. 834. 835. 836. 837. 838. 839. 840. 84

بزم شادی ہے فلک بکا کشاں ہے سہرا

الحاكم لما قال في كتابه في تاريخه

[illegible]

ہے تو نشی میں دیکھو پھر وہاں ہے سہرا

سیرا قرار اسے لینا فرمایا ہے

نہایت سے کہ سیرا خباب النبی احمد علیہ السلام بنی ثواب دیا، یعنی میری حقیر کی شادی پر کہا گیا تھا اور اس کے صرف دو شعر دیے گئے، لیکن باقی شعر دیے گئے۔

۲۔ مخرج : سیرے کی لڑائیوں کو لڑائیوں کہتے ہیں، سیرے کی لڑائیوں میں سیرے لڑتی ہیں، لیکن خود سیرا لڑتی ہیں، اس لیے سیرے۔

- ۱۔ لغات :
 دائرہ : دائری کا قسم
 ایک : سیرا، جس کا ایک
 حرف : حرف میں ہوتا ہے
 دوسری کوئی جوتی ہے۔
 شرح :
 سیرا اس دھوم سے آیا کہ اسے ایک دھوم مچ گئی، دھوم دھوم کی دھوم مچ گئی، سیرا کا خود کا کر دیا۔
 ۲۔ مخرج : جب سیرا سیرے باز سے کہے، یعنی انھیں تو اس کی زبان، دھوم کے باعث باہر آکر کر گئے۔

(۱۵)

- ۱۔ مخرج :
 ایک : دو دھوم کے
 غیر سے کہ سیرا کو سیرا دیا
 تو کہا کہ میں کی آواز
 کیوں نہیں آتی ؟
 جواب میں ہمارے
 دو چہ : نہ کہہ کر دیکھا دیکھ، اور کہا : میں میں کی جگہ اس کی یہ لڑائی باقی رہ گئی ہے۔

(۱۹۴)

تہذیب - ۶

مسند و تہذیب و تہذیب

۱۹۴۰ء کی کتاب

کتاب میں سید

میاں داد خان بہار

کے لئے تہذیب

نے تہذیب

میں سید

کی تہذیب

میں سید

میں سید

میں سید

میں سید

میں سید

میں سید

میں سید

میں سید

میں سید

میں سید

میں سید

میں سید

میں سید

جب کہ سید غلام بابا نے
 مستند عیش پر جگہ پائی
 ایسی رونق ہوئی برات کی رات
 کہ کو اکب ہوئے تماشا شافی
 (۱۹۴)

بزار شکر کہ سید غلام بابا نے
 فراز مستند عیش و طرب جگہ پائی
 زمیں پر ایسا تماشا ہوا برات کی رات
 کہ آسمان پر کو اکب بنے تماشا شافی
 اور کچھ لوگ آگاہ نہیں آتے۔ یہاں تک کہ سید غلام بابا کی عمر میں جس کی آواز تھی
 میں کہیں نہیں آتا۔ اور وہ تو کچھ بھیجے۔

۱- لغات : کو اکب : کو اکب کی عمر ہے۔

شرح : جب سید غلام بابا عیش کی عمر پر تہذیب فرما رہے تھے کہ رات
 بخیر رہی تھی کہ آگاہی پر تہذیب سے بھی اس رونق کو کلام شوق سے دیکھتے تھے۔

۲- شرح : بزار شکر کہ سید غلام بابا عیش و طرب کی عمر پر تہذیب
 فرما رہے تھے۔ برات کی رات زمیں پر ایسا تماشا ہوا برات کی رات سے بھی رونق
 کی تھی کہ آگاہی سے تہذیب میں مزید ہو گئے۔

خمسہ بر غزل ابو ظفر بہادر شاہ

تمہید :-
خمس بیادہ لقا و حقیر
کی غزل پہ کہا گیا ۔ اور
یقیناً بادشاہ کی طرف سے
کاغذ پر لکھا ۔

۱۔ شرح :
میرے بھرتے بھرتے
پاؤں کی زنجیریں گھسی
کر آدھی رہ گئی ۔ ہم
گئے ۔ لیکن قہر کی تعمیر
پوری نہ کی ۔ آدھی ہی
رہ گئی ۔ کاش میں بکیر
پوری کی پوری پڑھتا
گر کچھ میں ہی چھوڑ لی
پڑی ۔ اسے تامل :
جب جی توں کچھ کر
آدھی رہ گئی ۔ تو خیر
ہوا کہ غلیں عاشق کی ہوں
ہی شمع کے باجھ آدھی
رہ گئی ۔

گھستے گھستے پاؤں میں زنجیر آدھی رہ گئی
مر گئے پر قبر میں تعمیر آدھی رہ گئی
سب ہی پڑھتا کاش اکیوں تکبیر آدھی رہ گئی
کھینچ کے تامل ! جب تری شمشیر آدھی رہ گئی
غم سے جان عاشق د لگیر آدھی رہ گئی ۔
بیٹھ رہتا ہے کسے چشم پر غم اس کے رو برو
کیوں کہا تو نے کہ دل کا غم اس کے رو برو
بات کرنے میں نکلتا ہے دم اس کے رو برو
کہہ سکے مادی حقیقت کب ہم اس کے رو برو
ہم نشیں آدھی ہوئی تقریر ۔ آدھی رہ گئی ۔
تو نے دیکھا ! مجھے یہ کہی بن گئی اسے راز دار
خواب و بیداری پہ کب ہے آدمی کو اختیار

مثل زخم آکھوں کو سی دیتا، خود ہوتا ہوشیار
 دیکھتی تھارت کو میں خواب میں تصویر یا رہ
 جاگ اٹھا، جو کھینچنی تصویر آدھی رہ گئی،
 غم نے جب گھیرا تو پایا ہم نے یوں اے دلنواز
 مستی چشم سے چل کے ہوئی چارہ ساز
 تو خدا سے پاسے باگ اٹھا جو مجھ کو خواب تاز
 دیکھتے ہی اے شکر تیری چشم نیم باز
 کی تھی پوری ہم نے جو تدبیر آدھی رہ گئی،
 اس محبت مغرور کو کیا ہو کسی پر التفات
 جس کے حسن روز افزوں کی یہ ایک نئی محبت
 ماہ نو فلک سے گزری ہوں گی راتیں پان سات
 اس رخ روشن کے آگے ماہ یک ہفتہ کی رات
 تابش خود شیر پر نور، آدھی رہ گئی،
 تاجکے پہنچائے کا بش بخت بد سے گھات میں
 دل فراوانی اگر کچھ ہے تو ہے آفات میں

۲۰ - شرح :
 کاش میں اپنی نئی نم
 انکھیں سے کر محبوب
 کے ساتھ بیٹھ رہتا
 اور نہ سے کچھ نہ کہتا
 اسے ہمیشہ اقرنے
 کیوں یہ مشورہ دیا کہ
 دل کا غم اس کے بہرہ
 بیان کر دے اجالت
 یہ ہے کہ اس کے سامنے
 بات کر سکیں ہاں
 نکلتی ہے۔ بھلا ہم
 کب پوری محبت
 اس سے کر سکے ؟
 ہماری کیفیت غمت
 بیان ہوئی تھی غمت
 باقی رہ گئی۔

۲۱ - شرح :
 اسے رازدار و قوی
 دیکھا کہ کچھ پر کیا ہو
 گئی، بھلا سوئے اور
 جاننے پر آدمی کو اختیار
 کب سے ہو اگر میں

اپنے آپ میں ہوتا
 تو آنکھوں کو زخم کر دے
 دے کر ہی آفتا تاکہ
 وہ کبھی نہ کھلتی باب
 مصیبت پہنچ آئی
 کہیں رات سوتے ہیں
 صوب کی تصویر کھینچی
 راجہ - آدمی کبھی حتی
 کہ ایک آنکھ کھل گئی
 اور آدمی باقی رہ گئی۔
 ہم - شرح :
 اسے دلوازا محبوب !
 جب تم نے جیوں ۔
 چاروں طرف سے گھر
 لیا تو دل میں خیال پیدا
 ہوا تو چمکیا ، کی مری
 سے تم کا خطاب کریں ،
 ہم پڑے قریب رہنے
 تو یاد کی ثابت داکر
 تو خواب تازہ جاگ
 اٹھا - اسے خام - تر کھینچیں
 کھل آنکھیں دیکھتے ہی
 جہاں سہی کبھی ہوئی

ہر زخم داغ و الم گھٹانا ہے ہر اک بات میں
 کہ کم نصیبی اس کو کہتے ہیں کہ میرے بات میں
 آتے ہی خامعیت اکسیر ، آدمی رہ گئی ۔
 سب یہ گوشہ کنار سے بنے گلے لگ جا کرے
 آدمی کو کیوں پکارے بنے گلے لگ جا کرے
 سر سے گر چادرا تار سے بنے گلے لگ جا کرے
 " مانگ کیا بیٹا سفوار سے بنے گلے لگ جا کرے
 وصل کی شب اسے بت ہے پیر آدمی رہ گئی ۔
 ہیں یہ کیا جانوں کہ وہ کس واسطے جوں پھر گئے
 ہر نصیب اپنا انہیں جاتے سنا ، جوں پھر گئے
 دیکھنا قسمت " وہ آنے اور پھر جوں پھر گئے
 " کہے آدمی دُور میرے گھر سے وہ کیوں پھر گئے
 کیا کشش میں دل کی اب تاثیر ، آدمی رہ گئی "

نگہاں یاد آگئی ہے مجھے کو یارب کب کی بات
 کہ کب نہیں کتا کسی سے دشمن رہا ہوں سب کی بات

حدید و رجم رجم ہو گئی
 بڑی بڑی ہو گئی، کوئی
 ہی رہ گئی، گویا بالکل
 بے نتیجہ رہی۔ کیونکہ اس
 کا نتیجہ تو یہ ہوا، جو ماحول
 پر سونف تھا۔

۵۔ مشرح :
 جہاں مزرعہ عیوب کی
 مرکب اشکات کر سکتا
 ہے۔ جس کے حسن کا
 ہر روز غرض سے ہانا سمجھا
 بات ہے۔ جتنے چاند کو
 تھکے یاں سات باتیں
 گزری ہوں گی۔ ایک
 بیٹے کے ہانڈ کی بات
 ہمارے عیوب کا ریف
 روشنی نماں بیوقوفوں
 کے سامنے پڑے نور کو
 کی چاک دکھ بھی نہ
 پڑے کہ آدمی رہ گئی،

کس لیے تجھ سے چھپاؤں؟ ہاں وہ پرسوں شب کی بات
 ۱۰ تاہم پر جلدی میں تیری، وہ جو تھی مشاب کی بات
 غلطی میں آدمی تو سکی تھری، آدمی رہ گئی۔

ہو تھیل برق کی صورت میں، یہ بھی ہے غضب
 کاشچ چھ گھنٹے تو ہوتی فرصت پیش و طرب
 شام سے آتے تو کیا اچھی گزرتی سات سب
 ۱۱ پاس میرے وہ جو آئے بھی تو بعد از نصف شب
 نکلی آدمی حسرت اسے تقدیر، آدمی رہ گئی۔

تم جو فرماتے ہو، کیونکہ اسے غالب آشفہ سر
 ہم نہ تجھ کو منع کرتے تھے، کیا کیوں اس کے گھر
 جان کی پاؤں امان، باتیں یہ سب سچ ہیں، مگر
 ۱۲ دل نے کی ساری خرابی اسے گیا مجھ کو، ظفر
 داں کے جانے میں مری تو قیر، آدمی رہ گئی۔
 ۱۳ لغات : کامیش : گھٹاؤ، لافری، کزادی۔

مشرح : ۱۰ : نفی کوہ میں نہیں ہے۔ جہاں ہے کہ جگہ کوہ کر سہ،
 نقصان پہنچا کے، میرے لیے کڑت و فراوانی ہے تو آغوش میں ہے۔ یعنی اُمّیں چھ

پر بہت زیادہ نازل ہوتی ہیں۔ رنج۔ ہم اور اہم ہی کی زیادتی ہے۔ ان کے ساتھ ہر بات میں
 کی ہے۔ کم نصیبی اس کو کہتے ہیں کہ اکیر، جو میں عام کو بھی کہیں بناوتی ہے، میرے ہاتھ میں
 وہی تو اس کا شراعت رہ گیا، شاعر کا کہل دیکھیے کہ بے نصیبی نہ کہی، مگر یہ اعتبار ہے نصیب
 ہی تھی۔ کم نصیبی، اس سے کہی کہ اکیر ہاتھ تو آگئی، مگر اس کی خاطر میرے ہاتھ میں رہ گئی۔

۷۔ **شرح :** یہ اگر سب سے ایک فصل ہے۔ یہاں اس میں کوئی نہیں۔
 اسے محبوب انہوں میرے گئے تک ہا، تو غلام کو کہیں ہا۔ اس سے میرے گئے تک ہا
 اگر میرے ہا، انہوں میرے گئے تک ہا۔ اس سے میرے گئے تک ہا۔ اس سے میرے گئے تک ہا
 سنوار، اس سے میرے گئے تک ہا۔ تو میں دیکھتا کہ وہ صبح کی رات آدمی گزرتی ہے، اور
 تو میں باقی رہ گئی ہے، وہ دیکھیے جزئیات پر شاعر کی نظر کتنی گہری ہے۔ تک سنوار، یہی ہی تھی
 باقی تک سنوار، یہاں وہی سے رہا، نہ جانے۔

۸۔ **شرح :** جتنا بچے کی صوم کو دور محبوب آئے، اتنے کون ٹوٹ گئے، لیکن
 اتنا ہوتا ہوں کہ جب ان کے دہانے کا نشانہ تو میں نے جانا کہ میں فرج میرا نصیب ہے، ہوا ہے۔
 اسی طرح وہی ہے گئے۔ قسمت تو دیکھو کہ وہ آئے اور یوں ٹوٹ گئے، پہلے گھبرے گئے
 میرے گئے گھبرا کر گئے۔ لیکن جب میرا گھر آدمی دہانہ رہ گیا تو گھر میں دایا، کہ میں ٹوٹ جاتا
 کا خیال کون ہوا؟ کیا میں نے سمجھا کہ میرے دل کی کشش میں تاثیر آدمی رہ گئی تھی کہ یہ ہے
 مگر تک نصیب، نصیب دیکھنے کا۔

۹۔ **شرح :** دیکھو، اچانک بچے کب کی بات یاد آگئی، سب کی باتیں منہ رہا ہوں۔
 کسی سے کہہ کر نہیں، لیکن اسے ہر بار اچھے سے ہر دن رات کی بات کیوں چھپاؤں؟ تو
 غصے سے کہتا ہے میں بھڑی کر رہا تھا اور جو مطلب کی بات تھی، آدمی کھلی گئی۔ اور آدمی
 باقی رہ گئی۔

۱۰۔ **شرح :** اگر محبوب اپنی کی طرح چمک کر ہر دور دکھائے تو یہ بھی غصہ کی بات
 ہے۔ یعنی اس سے دل کی تسلی کیوں کر ہو سکتی ہے۔ کہ یہ وہ دکھائے اور غائب ہو جائے، آخر باقی
 ہر گھٹنے کی فرسٹ تو ہوتی ہے یہ تھی مگر خوب غولہاں نہ دانتے، مگر غم ہی سے آجائے تو

سادہ سی بات کہتی رہی، لگتی رہی، وہ میرے پاس آئے ہیں تو اسی بات کو جانتے نہ جانتے ہوئے
آئے۔ گو ازل کی صورت اسی تھی اور اسے تقریباً اسی باقی رہ گئی۔

۱۱۔ **شرح :** دو متواتر تمہیں یہ فرماتے ہو کہ اسے دیکھنے سے غائب ہو گیا ہے جسے
میں نہیں کرتے تھے کہ اس کے گھر نہ جاؤ! جان کی جان پاؤں۔ یہ کچھ کہتے ہیں، حسب
مجھے ہے۔ تمہیں کیا کروں اسے غمناک نہ رہا تو اس کی بات ہے۔ وہی جیسے ہے کہ وہ وہ
جیسے ہے کہ وہی جیسے ہے میری عزت اسی رہ گئی۔

سلام

۱۔ **شرح :**

اس متواتر وجود کو سلام

جسے بادشاہ کہیں تو خود

ہی خیال آتا ہے کہ

اس سے سوا کون ہے

۲۔ **نکات :**

آں کہا : وہی کہ

ہو گیا، غصہ نہ ہو

کے تعلق ہوں نہ

اسم نے پہلی جاتے

جہاں میں سے گزرتے

تعمیر و تعمیر ہیں

مکہ میں سے باقی پاک

قرار دیا مرا وینا

سلام اسے کہ اگر بادشاہ کہیں اس کو

تو پھر کہیں کہ کچھ اس سے سوا کہیں اس کو

نہ بادشاہ نہ سلطان یہ کیا ستائش ہے

کہو کہ خاص آل عبا کہیں اس کو

خدا کی راہ میں شاہی و خسروی کیسی

کہو کہ رہبر راہ خدا کہیں اس کو

خدا کا بندہ، خداوند گار بندوں کا

اگر کہیں نہ خداوند کیا کہیں اس کو

فروع و مبرایاں، حسینؑ ایسی مسئلہ

کہ شیعہ انجمن کہیں کسیں اس کو

لاکھ حضرت کی ۔
 حضرت خدیجہؓ حضرت مسیحؑ
 پھر اس مقدس مقام سے
 کی گئی ہیں رسول اللہ
 (ص) سب سے پہلے
 تھے ہیں اس پختہ
 امام حسینؑ کو غلاموں میں
 کہتے ہیں امینؑ (یعنی)
 سے پانچویں ۔
 شرح :
 دو بار دعاویں :
 وہ سلطان ہیں ۔ انہیں
 اچھے القاب سے یاد
 کرتے تھے ان کا کوئی سائل
 ہے : یہ کیا ہے کہ
 وہ ان کے جا میں سے پانچویں
 بزرگ ہیں ۔
 ۲۔ شرح :
 جو اللہ تعالیٰ کے لئے
 ہیں اور شاہ ہیں اور رسول
 کی یہ حیثیت ہے کہ
 حضرت امام حسینؑ کے
 ہے یہ لقب ہائے ۔

کفیل بخشش است ہے ، بن نہیں پڑتی
 اگر نہ شافع روزہ جزا کہیں اس کو
 مسیح جس سے کرے انعام فیض جاں بخشی
 ستم ہے کشتہ تیغ جفا کہیں اس کو
 وہ جس کے ماتمیوں پر ہے سلبیل بیل
 شہید تشہد لب کر بلا کہیں اس کو
 عدد کے سبع رضا میں جگہ نہ پائے وہ بات
 کہ ختم و انس و ملک سب بجا کہیں اس کو
 بہت ہے پانچ گرد و حریف بانہ
 یہ قدر فہم ہے گر کیا کہیں اس کو
 نشانہ سوز ہے یاں تک ہر ایک ذرۃ خاک
 کہ ایک جو ہر تیغ قضا کہیں اس کو
 ہمارے درد کی یارب کہیں دوا نہ ملے
 اگر نہ درد کی اپنے دوا کہیں اس کو
 ہمارا منہ ہے کہ وہ اس کے حسن صبر کی دوا
 گر نبی و علیؑ مر حبا کہیں اس کو

زمام خاتمہ گفت اس کے ہیں جسے کہ اہل یقین
 پس از حسین علیؑ پیشوا کہیں اس کو
 وہ ریگ تفتہ وادی پہ گام فرما ہے
 کہ طالعہاں خدا رہنما کہیں اس کو
 امام وقت کی یہ قدر ہے کہ اہل عناد
 پیادہ لے چلیں اور تا سزا کہیں اس کو
 یہ اجتہاد عجیب ہے کہ ایک دشمن دیں
 علیؑ سے آگے لڑے اور غطا کہیں اس کو
 یزید کو تو نہ تھا اجتہاد کا پایہ
 برائے مانجے گر ہم بڑا کہیں اس کو
 علیؑ کے بعد حسنؑ اور حسنؑ کے بعد حسینؑ
 کرے جو ان سے بڑا بیٹا کہیں اس کو
 نبی کا ہونا جسے اعتقاد کا مضر ہے
 رکھے امام سے جو بغض کیا کہیں اس کو
 بھرا ہے غالب دل شتر کے کلام میں درد
 لفظ نہیں ہے کہ غوث نہیں نوا کہیں اس کو

جسے جانیں اہل
 کو پالے کہ کو آپ راہ خدا
 کے رہبر ہیں جسے کی
 پر دی ہیں لوگ یہ راستہ
 شکر ہے

۴۔ شرح :
 وہ خدا کے بند سے
 ہیں اور خدا کی خدا
 کے آقا ہیں۔ میرزا
 انھیں خداوند کہیں
 تو کیا کہیں۔ یعنی انھیں
 خداوند آقا ہی کہنا
 مناسب ہے۔

۵۔ شرح :
 حسینؑ اور علیؑ کو سزا دینے کی
 جہاں مناسب ہے
 ہے کہ انھیں قتل کر دینا
 کی شیعہ قرار دینا۔ یہ
 خدا کی عداوت ہے جو انھیں
 ہے اس میں حقیقت
 امام شیعہ کو شیعہ کی
 شہیتہ حاصل ہے

۷۔ لغات : کفیل : کلمات کرتے ہیں۔ خاص، خاص، خاص۔

شرح : انہوں نے کشت، صفت کی ذمہ داری اٹھائی ہے۔ لہذا یہی کہنا ہے کہ انہیں یہ صفت کے لیے شفا صفت کرتے ہیں۔

۸۔ شرح : جس سے مسیح بھی جان بکشی کو فیض حاصل کرے۔ غضب ہے کہ اسے نعم کی تموار کا گتہ کہا جائے۔ مطلب یہ کہ ایسے بند مصلحت اور اسے علم کی تموار سے صحت شہادت دیا۔ شہید ہونے کے اعتبار سے زندہ جاوید ہیں انہیں عکسہ نہیں کہا جاسکتا۔

۹۔ لغات : سبیل : بہشت کی ایک سڑک۔

شرح : دو پاک ذات، جس کے انہوں کے لیے سبیل، سبیل کی شہادت رکھتی ہے یہ سبیل سبیل بنی ہوئی ہے۔ اسے کہنا میں کشت لب شہید قرار دینا بڑا ہے۔

یعنی ایسا شہید جسے پہننے کو پانی نہ ملے۔

۱۰۔ شرح : دیکھو کتنا غضب ہے کہ جس بات کو حق، حقیقی اور فرشتے سب کا اور دوست کہتے ہیں اور دشمن کی رحمت ہی کے کون میں جگہ نہ پاسکی۔ دشمن کے کون اسے منہ دے۔

۱۱۔ شرح : حضرت امام حسینؑ کے ہاتھ کی گردن کا یہ بہت بڑا ہے۔ اگر ہم اسے یہاں کہیں تو یہ تو ہمارے لیے ایک اندازہ ہے۔ اس حقیقت اس سے بہت اور بڑا ہے۔

۱۲۔ شرح : کہ جس کی خاک کا تارہ ذرا اس دور میں پانی کو جو دینے والا ہے کہ اسے تین آفتابوں پر کھانا ہے۔ جو عروج ہمارے ہر دور کی درحفاظی لگا ہوں ہیں میری یہ گردن ہے۔ وہی کینٹ کہ جس کی خاک کے ایک ایک ذرے کے پیچھے ہیں ہر شے کو چھانکنا کا جو کچھ

۱۳۔ شرح : اگر ہم اس خاک کو اپنے دور کی دریا میں توڑا کر دے گا۔ اس کی دوا کہیں نہ دے

۱۴۔ شرح : حضرت امام حسینؑ نے مہر کی خوشی دکھائی جو ان کی خوشی کو اس کی دوا دے سکیں۔ ایسی مہر کہ اس کی محبت کو وسیع و عظیم کر دے جس سے ہر مہر کی

مستور اور حضرت امی اس پر عرض کیا کہیں تو بالکل مناسب ہے۔

۱۳۔ لغات : زمام تار : اوشنی کی بیمار دھیں۔

شرح : ایسا اوشنی کی بیمار آنس بزرگ کے دست مہرک میں ہے۔ اچھے

دین ایسی حضرت ام حسین کے بعد پیشوا کہیں۔ پھر اس سے مراد چھام نویں چھام پڑی کیونکہ

عمران میں بڑی شاد دھیں کی طرف ہے۔

۱۴۔ لغات : رنگب آفتہ : مینتی ہوئی بیت۔

شرح : وہ دھوی کی پتی مینتی پر مینت ہے۔ چھیں دام خدا کے

تانبوں کے لیے زیبا نکاح پتار بنا قرار دیں۔

۱۵۔ شرح : میں بزرگ کو امام وقت ہونے کا حضرت حاصل تھا کیا۔ اس کی قدر و

مقامت ہے کہ دشمنی رکھنے والے لوگ انھیں بڑا دھماکے سے گھسی اور ان کے لیے مناسب

بائیں ہاتھ پر لائیں۔

۱۶۔ شرح : یہ عجیب بیباک ہے کہ ایک شخص دیکھ کر کہیں بزرگ حضرت علیؑ سے

جھگڑے اور کہا جاتے کہ ایک جھگڑا ہی !

یہ اتحاد : امیر معاویہ کی طرف ہے۔

۱۷۔ شرح : بزرگ کو تو جبار کا مقام حاصل تھا۔ وہ تو جبار تھا۔ اگر اسے

بڑا کہیں تو بڑا دھماکے۔

۱۸۔ شرح : حضرت امی کے بعد حضرت ام حسین اور ان کے بعد حضرت ام

سینؑ امام رہے خواہیں جو ان سینوں سے بڑی کرے۔ اسے چھو لکھ کر کہیں !

۱۹۔ شرح : جو شخص رسول اللہؐ و اس کے والد کا ہے۔ جو امام

سے دشمنی کے۔ اسے کیا کہیں !

۲۰۔ شرح : غائب کو دل زخمی ہے۔ اس کے کار ہیں در و میرا ہوا ہے

اگر کہیں کہ اس کی تباہی پر میرے تراشے جارہی ہیں تو یہ غلط نہیں۔

(مہر شیبہ)

خواہر مائی فراتے ہی
 کو گھٹو کے ہستہ
 میرا مروجہ سلف میرزا
 سے میرا شہیدانہ وارث
 اور میں کہنے کی فرمائش
 کی تھی۔ میرزا مجتہد
 کی بہت تعظیم کرتے
 تھے۔ ان کے حکم کی
 تعمیل کرتے دیکھتے
 اور جس سے مسخ
 کئے ہیں بد کہے۔ پھر
 شیبہ کو کھنچ لیا۔
 یہ بھی جرم عظیم تھا
 امر کے لئے کہے تھے
 اور میں اس میدان کو
 مرد نہیں ہوں۔ یہ انہی
 لوگوں کا تہذیبہ تھا
 نے اس وادی میں عربی
 ہر کی ہیں۔ چہ کوئی۔
 کے درجے تک پہنچنے
 کے لئے ایک دوسری

ہاں! اسے نفس باہر سحر شمسہ فشاں ہو
 اسے وجہ انہوں چشم ملائک سے رواں ہو
 اسے زمرہ منہ قم! لب یمنی پر قفاں ہو
 اسے مائیکان شہر منظر موم! کہاں ہو
 بگڑی ہے بہت بات بنائے نہیں بنتی
 اب گھر کو بغیر آگ لگائے نہیں بنتی
 تاب سخن و طاقت غونا نہیں ہم کو
 ماتم میں شہر دیں کہ ہیں اسود انہیں ہم کو
 گھر پر نہ گئے ہیں اپنے مہا با نہیں ہم کو
 گر چرخ بھی مل جائے تو پروا نہیں ہم کو
 یہ خرگوشہ پایہ جو مدت سے بچا ہے
 کیا خیمہ شہر سے رستہ میں سوا ہے
 کچھ اور ہی عالم نظر آتا ہے جہاں کا
 کچھ اور ہی نقشہ ہے دل و چشم و زبان کا
 کیسا تماک اور ہر جہاں تاب کسلاں کا
 ہو گا دل بیاب کسی سوختہ جہاں کا

نکستہ ہیں اور ہو گئی ہے۔ کیا اٹھائی اور دیتا کروا دیتی کہنے والے کہاں کہ سورج : اُسے کسی جگہ
 ہوئے گا وہی بقدر کہیں تو کیا ہے۔ اب سورج اور بجلی میں کوئی فرق نہیں، البتہ یہ ہم طے
 ہی کر چکی گئی ہے اور سورج نہیں گرتا، اس لیے کہ کہتے ہیں کہ سورج بجلی نہیں۔
 ان تینوں بندوں میں سے پہلا بند جو کہ جاتی ہے یا کار کا تپ : میں وہی کیلوری ہے
 تینوں بند پہلے ختم : میں سورج ہوئے۔

ربا عیادت

لغات : اے نفی خیر و سر مستغن ساز نہ ہو
 خیر و سر : سرگشتی
 عصفور ہے تو مقابل باز نہ ہو
 عصفور : چڑیا
 آواز تری نکلی اور آواز کے ساتھ
 لاٹھی وہ لگی کہ جس میں آواز نہ ہو
 شرح :

اس کے لیے سر و پاشی : باتیں دینا، تو پڑیا ہے۔ پیر سے پیر سے عبادت پڑھا نہیں۔
 اور حیرت سے منہ سے آواز نکلی۔ ساتھ ہی روئے نکلی گئی جس میں کوئی صدا نہیں۔
 یہ ربی : خدا کا نہیں۔ سے ل گئی ہے جو میرا کی تعریف ہے۔ جیسی عبادت الخیر
 کے نام سے جیسی نکلی۔ حقی سے مراد منی میرا نہ پڑیا تو کی ہیں، جنہوں نے میرا کی
 کتاب : "عقبات" کے جواب میں "عقبات" لکھی تھیں۔ یہ ان سے مراد فرمودہ : "عقبات
 ہیں۔" پہلے مسلمان علی : اس کے مطلب یہ ہے کہ "عقبات" لکھی تھیں۔ جیسی اور پانچ لکھے
 اس کا رد کیا کر چھاپ دیا۔

رتھے کا جواب کیوں نہ بھیجا تم نے
 شائبہ! حرکت نہ کی جیسا تم نے
 حاجی کتو کو دے کے بے وجہ جواب
 غالب کا پکا دیا کلیجا تم نے
 میں نے غائب کو کو تھپا ہے پاس بھیجا تھا۔ تم نے بغیر کسی سبب کے اسے مخالف جواب
 دے دیا۔ اس طرح غالب کا کلیجا پکا دیا۔
 یہ رہائی شہاب الدین احمد شاہ شائبہ کے لیے ہے۔ اس طرح اکی رہا علی بھی نہیں
 کہے ہیں۔

اسے روشنی دیدہ، شہاب الدین خاں
 کتنا ہے بتاؤ کس طرح سے رمضان؟
 ہوتی ہے تراویح سے فرصت کب تک
 سنتے ہو تراویح میں کتنا قرآن؟
 تراویح کی تعداد پڑھتے ہے کب تک فرصت ہوتی ہے اور تراویح میں روزانہ قرآن
 کتنا سنتے ہو؟

جن لوگوں کو ہے مجھ سے عداوت گہری
 کہتے ہیں مجھے وہ رافضی و دھڑی
 دھڑی کیونکر ہو، جو کہ ہووے صوفی؟
 شیعی کیوں کر ہو، ماوراء النہر
 رافضی
 دھڑی
 دھڑی، رافضی

ماوراءالنہر میں ۱۔ ماوراءالنہر کے غلطی معنی ہیں دریا کے پار کا علاقہ۔ اہل تہذیب
اسلامی قومیت دریا سے چھوٹی کتبہ پہنچ گئی تھیں اور پھر اس سے پار کے علاقے کو ماوراءالنہر
کہتے تھے۔ چنانچہ یہاں اور یہاں کا دیہاتی علاقہ ابھی ہم دیکھتے ہیں اور ماوراءالنہر
یہ مشہور تھا۔ یہاں کے لوگ تربت کے مٹی اور شیروں کے صفت کھانے لے جاتے
تھے چونکہ میرزا کے آبا و اجداد ترکستان سے آئے تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے
آپ کو ماوراءالنہر ہی کہا۔

شرح : یہ لوگ ان کے سے شہر پر دشمنی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ شہر اور
دہریہ ہیں۔ کہ اپنے کی بات ہے جو سو فی ہزار میں کامیاب تھوٹ ہو، ۱۰۰۰ ہزار کو کھو
لگتا ہے۔ ماوراءالنہر کا کہہ دے ہو۔ وہ شہر نہیں جو کتا۔ بلکہ پانی مٹی ہوگا۔
یہ حق علیہ السلام ہے۔ میرزا قاسم کے شہر جو نے جس کسی کو کام نہیں، اوتھ
وہ نہ ہی دین کے شہر تھے۔ یعنی ائمہ کرام سے انتہائی عینت تھی۔ حضرت علی گو دین
مانتے تھے۔ ساتھ ہی تمام فرقوں اور طبقوں سے گہرا میل جول تھا۔ قاسم سے بالکل پاک
تھے اور جسے بڑے مولیوں سے بھی عقیدت نہ تھی، ان کا تعلق تھا، ان کا تعلق ہی تھا۔ ان کے دلیق
نے خود اس تعلق کا ذکر بڑی عینت سے کیا ہے۔

متفرق اشعار

۱۔ **شرح :** جگر میں ٹوٹ کے سوئی ہوئی سناں پیدا
بڑا کرم پیدا کیے
سوئی سناں کی گئی۔
وہاں خشم میں آخر ہوئی نر بال پیدا

وہ نظم میں ہیں فہم کر رہ گئی اور اس کی جگہ جلیقہ دیکھنے کی لوگ، نے سناں
خشم کھانے کا پتہ ہی ہوا۔ ان کی صورت تو مڑی ہی تھی مگر اس میں نہ ہوا
تو یہاں سے کی لوگ، اس میں نہ ہوا۔

خوشی جینے کی کیا، مرنے کا غم کیا ۲۰ - شرح :
 جہاد کی زندگی کیا اور ہم کیا

یا بھلا! اس قدر زندگی عاصی ہو۔ جہاد کی زندگی تو سراسر تپاؤ اور آگ ہے، ہتھیاروں کی آواز،
 ہتھیاروں کی آواز، ہتھیاروں کی آواز ہے۔ یہی ایک پھٹکا ہوا خون جو جہاد کی آواز ہے۔
 اس سے بڑھ کر، ہتھیاروں پر دھتکتی خوشی کوئی نہیں رکھتی ہے اور نہ مرنے کا غم کیا کسی
 بھی اقدار سے مناسب ہے۔

ان دلفریبیوں سے نہ کیوں اس پر پیار آئے ۲۱ - شرح :
 دلفریبیوں سے نہ کیوں اس پر پیار آئے

و کچھ بچے نہ دیں گے، انہی دلفریبیوں سے نہ کیوں اس پر پیار آئے۔ ہتھیاروں کی آواز، ہتھیاروں کی آواز،
 ہتھیاروں کی آواز، ہتھیاروں کی آواز ہے۔ یہی ایک پھٹکا ہوا خون جو جہاد کی آواز ہے۔
 اس سے بڑھ کر، ہتھیاروں پر دھتکتی خوشی کوئی نہیں رکھتی ہے اور نہ مرنے کا غم کیا کسی
 بھی اقدار سے مناسب ہے۔

دو رنگیوں پر زمانے کی جیتے جی تک ہیں ۲۲ - شرح :
 کہ مردوں کو نہ جیتے ہوئے کفن دیکھا

دو رنگیوں پر زمانے کی جیتے جی تک ہیں۔ ہتھیاروں کی آواز، ہتھیاروں کی آواز،
 ہتھیاروں کی آواز، ہتھیاروں کی آواز ہے۔ یہی ایک پھٹکا ہوا خون جو جہاد کی آواز ہے۔
 اس سے بڑھ کر، ہتھیاروں پر دھتکتی خوشی کوئی نہیں رکھتی ہے اور نہ مرنے کا غم کیا کسی
 بھی اقدار سے مناسب ہے۔

جس پر جانیں لگے تو یہ دو رنگیوں پر کپڑا لٹا کر دیکھیں گی۔ کیا مردوں کو کفن نہ لکھیں
 یہ سنا کر لگا ہے! ہتھیاروں کی آواز، ہتھیاروں کی آواز، ہتھیاروں کی آواز ہے۔ یہی ایک پھٹکا ہوا خون جو جہاد کی آواز ہے۔
 اس سے بڑھ کر، ہتھیاروں پر دھتکتی خوشی کوئی نہیں رکھتی ہے اور نہ مرنے کا غم کیا کسی
 بھی اقدار سے مناسب ہے۔

۵۔ شرح : سات جلدوں کا پارسل پہنچا
میرزا غالب کے خط کے
واہ کیا خوب بر عمل پہنچا
مستحق رہی فارسی کتاب

مستحق رہی اگر کے طبع مفید اخلاق میں پھر جاتی تھی جس کے ایک شیروانی آدم تھے۔ نہیں
نہیں ملتی تھیں۔ میرزا عالم کی ایک۔ میرزا برگزیدہ پال تختہ کا پیلہ دیکھنے اور قیام کرنے کے دو روز
تھے۔ ان دنوں سے کچھ کتابیں جو ماکوں کو بھیجیں منظور تھیں۔ بعد کوئی تھیں۔ اور کچھ کام میرزا
عالم کی ایک تبر کے واسطے ہو گیا تھا۔ یہ سات کتابیں تھیں۔ جب میرزا کے پاس ان
کتابوں کا پارسل پہنچا تو دوسرے روز ہو کر عالم کی ایک جگہ کو خط لکھا اس میں کتابوں کا
ذکر اس شعر سے شروع کیا۔ یعنی سات کتابوں کا پارسل بر عمل پہنچ گیا۔ آگے فرماتے
ہیں ۱۔

والہ اگر قصور ہی میں گزرتا ہو کہ ان میں اس لم کی ہوں گی۔ جب تک

ہماں سے تم جہاں میں رہو غلط و شہم مسامحہ کی اماں میں رہو۔

میرزا اسے جلدوں کی لگت کے مسئلے میں بارہ روپے بھیجے تھے۔ انہیں بھرتی نہیں
آتا کہ اتنی رقم میں ایسی خوب صورت جلدیں بن گئیں چنانچہ لکھتے ہیں۔

اب میرزا ان جوں کو آگے لکھا۔ انرا طے رہنے ان بارہ روپے میں برکت دہی

یا کچھ شہادہ اور پیر مرمت کا نقد۔ سون کا معمول۔ دو درجہ جوں کا معمول تھیں

کتابوں کی روح ظنی۔ یہ سادہ می بات اس روپے میں کس طرح بھائی

۶۔ شرح : ملے دو مرشدوں کو قدردان حق سے ہیں دو طالب
خدا نے دو مرشد پہنچا

کچھ جو خلق کو پیدا
نظام الدین کو خسرو۔ سراچ الدین کو غالب

راستہ دکھاتے تھے اور سب کی تربیت فرماتے تھے۔ سادہ دونوں مرشدوں کو دو

حضرت کبیر علیہ السلام یعنی جی دسے دیکھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین نظام الدین جیسے مرشد

خواجہ خسرو جیسے غالب اور سراچ الدین جو فکر بہاؤ شاہ غازی جیسے مرشد کے بیٹے

غالب جیسا غلاب پیدا کر دیا۔

میرزا و ثانی کو ثانی، یہ شعر ابو ظفر بہادر خاں کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے تھے۔
غلامہ عالیہ کو گلیں ترانے میں کہ ایک روز ملا بر نظام ہند میں تھیں سرور اور میر شہر و کی قصہ محبت
کا ذکر دیا رہے جو راجہ میہر ناتھ اس وقت یہ شعر لکھا کر کے پڑھا۔

نیا یو عشق نغمہ من سوزہ اسباب ہو بس بہتر ۷۔ - شرح :
عشق کی آگ خرمون
جو ہو ہائے نشاء برق مشیت غلام و خوش بہتر کو ہوا دینی سے بہتر
یہی ہے کہ حرم و ہوس کے تمام اسباب اس آگ کی نذر کر دیے جائیں، غم و غمراہ
جھاڑ جھٹکار کا پل پر پھیاور ہو جائی ہی اچھا ہے۔

خدا سے میں بھی چاہوں از رو مہر ۸۔ - شرح :
یہ شعر میرزا غالب
فرود میہرزا حاتم علی جہر نے حاتم علی جگ بہتر
کو ان کی ایک شہنوی کی تشریح کرتے ہوئے لکھا تھا۔
مطلب یہ کہ میں محبت کی بنا پر خدا سے حاتم علی جگ بہتر کی ترقی و سرخوشی کے
بجائے دعا کرتا ہوں۔

یا د آیا جو وہ کنا کہ نہیں واہ : غلط ۹۔ - شرح :
حبیب محبوب کا یہ
کہا یا د آیا کا سنیں
واہ : غلط تو تصور ہو جس کے صحران راستہ بھول گیا۔

سینچن عمر کے ستر ہوئے شمار ۱۰۔ - شرح :
یہ شعر میرزا غالب
نے اپنے شاگرد علی
میرزا نے احمد متیر گزنی کو ایک مکتوب مرثیہ ۱۰۰ نمبر لکھا تھا میں نے یہ

عمر کے ستر برس چودہ سے ہو گئے اب اگر زندگی بڑی تو ہے تو یہ سے زیادہ نہیں چاہے جس کی ہوگی۔
 یہ پانچ گونیٰ درست ثابت ہوئی اور میرزا اسنے پندرہ برس کچھ جینے کی عمر میں انتقال کیا۔
 شکر درخشے جو ادب میں لکھا :

مناصرتیہ کہتے ہیں حضرت غائب : نسبت شیوں تو جیسو وہ تہیں چارہ بریں
 گر یہ پچھلے سے اعدا وینہ کی ہے دنیا : مذاکبت میل غائب جیسے ہزار برس

۱۱- شرح : پیر و مرشد معاف کیجئے گا
 یہ شعر میرزا نے برسات

کا ذکر کرتے ہوئے : میں نے جہنما کا کچھ نہ دیکھا حال
 غائب : غلامداد بباد شعلی رئیس کور دھوئی کو ۱۱ : جوان سنسنی کے ایک مکتوب میں
 لکھا تھا۔

مطلب یہ کہ پیر و مرشد معاف فرمائیے گا۔ میں نے آپ کو دیر سے جہنما کے بارے
 میں کچھ نہ لکھا۔

۱۲- شرح : ولی عہدی میں شاہی ہو مہارک
 یہ شعر میرزا نے غائب

احمد خان قادی کے ہم : عنایاست الہی ہو مہارک

مکتوبہ کے ایک مکتوب میں لکھا تھا۔ اس کا پس منظر یہ کہ قادی بچہ کہ ہیں میرزا احمد خان ولی
 لوہار و اسکے فرزند میرزا شمس الدین قادی صاحب دوست وہی تھے اور ان کے پاس سے ہی ولی عہدی
 کا اعزاز بھی جو پہنچا تھا۔ جب اچھا میرزا صاحب کی طبیعت نرادر غراب ہو گئی اور مصالحت
 اور امور دہستانہ کی دیکھ بھال میں انھیں وقت پیش آنے لگی تو حکومت کی منظوری سے
 قادی کو دہلی کی طرف بھجوا دیا۔ دہلی سے سنہ ۱۲۸۵ھ کو حکم ہو گیا۔ اسی کو میرزا شمس الدین
 نے شہر سے گزر دیا۔ جہاں پہنچے جہاں پہنچے قادی صاحب۔ مگر دہلی سے انھیں ایسا نہ لگتا۔ اگر یہ
 لگتا ہی نہ لگتا کی مہارک یا دہلی اور اس صورت کو نہ لگتا الہی کا شکر قرار دیا اور

واقعی یہ اسی حالت پاک کی عبارت سے ہوا۔

۱۲- شرح :

درم و دایم اپنے پاس کہاں

مورانا آزاد نے کہا

پسٹل کے گھونسلے میں پاس کہاں

حیات میں کھینچ کر

نرمی انہیں خود جانتا کہ فرزند نہیں ہیں پاس مجھے حیرت اور ان کی بگڑنے پر بنا دیتا
ایک دن کہتا کہیتا آیا کہ دادا میں متحافی ملگا دو وہ صندوق کھول کر دیکھو اور نہ تو
لگا، میرا ہتھار تھا تو فرمایا :

جاسے پاس درم و دایم کیوں کر ہو سکتے ہیں کبھی پسٹل کے گھونسلے میں ہیں اس
طرح سے، یعنی پسٹل کو گوشت کا بوتلوں پاس کے فوراً رکھ جاتی ہے اور انہیں چھوڑتی۔
وہی حالت ہماری سہ کو رہتا ہے اور فوراً غریب ہو جاتا ہے باقی پرنا میں نہیں کر
سکتا تو رکھا جائے۔

۱۳- شرح :

میکشی کو نہ مجھے بے حاصل

اسے غالب و شراب

باوہ غالب عرق بسید نہیں

غوثی کو بے حاصل اور

بے فائدہ و بے حاصل۔ شراب یہ کافور نہیں، یہ کادو ہے بے فائدہ اور
اس کے عرق کو بھی میرا نہ لایا، اس دوسرے بے اثر قرار دیا۔

۱۵- شرح :

تم سلامت نہ ہو قیامت تک

آپ قیامت تک حیات

دولت و عزت و جاہ روز افزوں

رہیں اور آپ کی دولت

عزت اور جاہ و عزت روز بروز بڑھتی رہے۔

۱۶- شرح :

تم سلامت نہ ہو قیامت تک

آپ قیامت تک

صحت و طہمت طبع روز افزوں

طہمت رہیں، آپ

کی صحت اور لطیف طبع برابر بڑھتے جاتیں

یہ دونوں شعر میرزا غالب عموماً ان خطوں میں کہتے ہیں جو قزاقوں کے نام سے مشہور تھے۔

۱۷- شرح : نہیں بھولا میں تجھے کو اسے میری جاں

یہ شعر میرزا نے
میرزا کے نام
کہوں کیا کہ یاں گر رہے ہیں مکاں

ایک مکتوب رقم ۶۹- شہر علی آباد میں لکھا ہے، اس زمانے میں بادشہ کی کثرت کے باعث وہی میں مکاں گر رہے تھے۔ میرزا کا مطلب یہ ہے کہ اسے میرزا میری جاں میں تھو کہو نہیں۔ مگر کیا کہوں! یہیں مکاں گر رہے ہیں فراتے ہیں۔

برسات کا حال نہ پوچھو غدا کچھ ہے — قاسم خاں کی لگی سلامت اس کی خبر ہے

۱۸- شرح : اب رو تا ہے کہ بزم طرب آمادہ کرو

ہاں اس لیے، تو ہے
کہ پیش دہانی کی نہیں
برق ہستی ہے کہ فرصت کوئی دم ہے ہم کو

آرامتہ کی جائے لیکن بجلی اس پر منتھی ہے، اور کبھی ہے کہ میں تو صرف کوئی دم کی فرصت ہے۔ اس میں پیش دہانی کے سامنے کیوں کھڑے ہو سکتے ہیں، اور مہیا کر بھی نہ پائیں۔ تو ان سے کتنا عرصہ کام لیا ہاں کے گا۔

ابو کے روئے سے اس کا ترستا۔ اور بجلی کے پگھلنے سے اس کا ہنا ہوا ہے۔

میرزا غالب کے نزدیک شراب نوشی اور اس مسئلے میں عیش و نشاط کا موسم ہونا ہے
گلاب میں عیش و نشاط کا ہے۔ ایک اور سی منزل کا متعلق ہے۔

بہار ہند پر و ہر حال، غلاب
وہی خوشی کہ وہ ہم کو ہر جا ہے بہت

ہندوستانی درجے اب پاک و ہند کہتے ہیں۔ آج کل ہر موسم برسات ہے۔ لہذا اس

گلاب میں بھی کی کیفیت خزاں کی سی ہے۔ شراب نوشی کا ایک موسم ہے۔

دیکھتا ہوں اسے تھی جس کی تمنا مجھ کو
 آج بیدار ہی میں ہے خوابِ زلیخا مجھ کو
 ۱۹۔ شرح :
 مجھے جس کی تمنا تھی،
 اسے پہنے مانتے دیکھ
 رہا ہوں۔ گویا میرے پیسے بیدار ہی میں زلیخا کے خواب کا سماں پہنچا ہو گیا۔

ہنستے ہیں دیکھ دیکھ کے سب ناتواں مجھے
 یہ رنگِ زرد ہے چمنِ زعفران مجھے
 ۲۰۔ شرح :
 اس شعر کی معنویت کا
 انحصار صرف اس کیفیت
 پر ہے کہ مشہور ہے زعفرانِ زار دیکھ کر انسان کو بے اختیار ہنسی کا دورہ پڑ جاتا ہے نہ تو زعفران
 کے پھولوں کا رنگ زرد ہوتا ہے۔

کہتے ہیں : مجھے طبیعتِ دکن زرد دیکھ کر سب ہنستے ہیں۔ طبیعتِ دکن زردی کا رنگ
 ٹھوڑا زرد ہوتا ہے۔ اس لیے کہ کزوری غوی کی حالت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ میرزا دیکھتے ہیں کہ
 یہ رنگ ہمارے پیسے کی زعفران ہے۔ ہنستے دیکھ کر سب ہنسنے لگتے ہیں۔

ماہِ تو ہوں کہ فلکِ بحر سکھاتا ہے مجھے
 غمِ بحر ایک ہی پہلو پر سلاتا ہے مجھے
 ۲۱۔ شرح :
 میں نیا چاند ہوں بلبل
 بالِ اور اسات مجھے بحر
 کا روی دیتا ہے اور غمِ بحر ایک ہی پہلو پر سلاتا ہے۔

صبا : اگلا وہ طمانچہ طرف سے بلبل کی
 کہ دوسے غنچہ گل سوسے آشیاں ہو جاتے
 ۲۲۔ شرح :
 اسے صبا بلبل کی طرف
 سے پھول کے مزوڑ
 دیا ہی ہے تاکہ اس کا مزہ بل کے گھونٹنے کی طرف پھر جائے۔

زخمِ دل تم نے دکھایا ہے کہ جی جانتا ہے
 ایسے ہنستے کو رلایا ہے کہ جی جانتا ہے
 ۲۳۔ شرح :
 جی جانتا ہے کہ
 مطلب ہے۔ جیانی

کی کیفیت دل ہی کو معلوم ہے۔ زخم کا ہلکا یا مسکرا کر ہانکے ٹوٹے ہانکے سے زخم کا
بڑھ جانا۔

کہتے ہیں۔ تم نے دل کا زخم دکھایا، اس کی کیفیت دل ہی کو معلوم ہے، جسے کو
رہا اس کی دل ہی بہتر جانتا ہے۔

۲۴۔ شرح : ہم کیا کہیں کسی سے اپنا طریق کیا ہے
ہم کسی سے کیا کہیں کہ

اپنا مسلک اور طریقہ مذہب نہیں ہے کوئی، ملت نہیں ہے کوئی
کیا ہے! ہمارا کوئی مذہب ہے اور کوئی ملت، یہ انسانی سے بلا اعتبار ملت و

مذہب اور اختلاف رنگ و نسل ہست و حقیقت سکھ بڑاؤ کی حکومت ہے، ایک
بگ میرزا کہتے ہیں:

ہم ہمہ ہیں ہمارا کھنچے ترک ہم جیتیں جب سے گئیں ہمارے بچیں
۲۵۔ شرح :

گلشن و ہر بھی جسے کوئی سراستے ماتم
کیا رشتہ کا بھی تار ماتم دو گویا، رو کو ماتم

شبہنم اس باغ میں جب آستے تو گریاں آستے
جسے نہ دیکھے شبہنم اس باغ میں آتی ہے۔ تو روئی ہوئی آتی ہے، جسم کا رونا اور آنسوؤں
کی شکل میں ہرزو کی پرگنہ حاجت شرع نہیں۔

۲۶۔ شرح : پھر مرتبہ بڑھایا مرا نفی غیر نے
جس کا اثر کے سوا

ہر شے کی نفی کر دی آیا ہر اک مکان نظر، لامکان مجھے
اسے بلے وجود اور بلے وجود ہی لیا، اس کا تیرہ ہوا کے ہر مکان بلے لامکان نظر

آئے۔

شعر میں کوئی پیچیدگی نہیں، ماسوائے اللہ سے قطع نظر کر کے دیکھو حقیقی صرف اللہ
ہی کا حق ہے، تو حق سے قطع ہو جائیں گے اور کئی حقیقت کا ملکی ہی پائے گا۔

آج مجھے سائنیں بدنام زمانے میں کوئی
 ۲۷- شرح :
 آج زمانے میں ہے
 برابر بدنام کوئی نہیں۔
 لکھی دیکھی دل چاہتا ہے کہ اسی دنیا کی مزیہ سرور مادی جو ناپاکی ہے۔

نہ انشائیں لگے ہے اور سبز اس پر اک دوشا لہے
 ۲۸- شرح :
 لگے دھڑکے ہوں
 غضب یہ ہے پر بٹاؤں میں کالے کو پاؤں ہے
 کیرا پر سونے کا بڑا دھڑک دیکھا ہے۔ اور اس پر سبز دوشا اور دوشا ہے۔ غضب کی
 بات ہے کہ موم کے پرچے کسے جانب کو لگا ہے۔

بتو تو بہ کرو تم کیا ہو، جب اوبار آتا ہے
 ۲۹- شرح :
 اسے بتو۔ تو بہ کرو
 تو یوسفؑ صاحبین کہنے سیر بازار آتا ہے
 اپنے صبر پر زیادہ
 غرا۔ جب زول کا دور آتا ہے تو یہ سنا سنا حسین سرانا کہنے کے لیے کہا ہے۔

بہا ہے شیریں اگر چھوڑ دتی جج کو بہ علی
 ۳۰- شرح :
 مرن طوخت تو جج
 مثل ہے نو سوچ ہے کھاکے جی جج کو علی
 اگر خیر نہ ہو
 بھڑا کر کے لیے نگی ہے توں پر وہی مثل صادق آتی ہے کوئی نو سوچے کھاکے جج
 کے لیے روز تو جی ہے۔

روز اس شہر میں اک حکم نیا ہوتا ہے
 ۳۱- شرح :
 یہ شہر میرا ہے
 کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا ہوتا ہے
 میری عمر دس
 کے نام ایک غز میں لکھا ہے۔ یہ غزوری غز کا غز تھا۔ اس وقت تک دلی کے
 مہاراجہ سمر غز نہ غز میں تھے۔ روز کو کوئی دلی حکم، اور شہر کے لیے جاری ہوتا

تھا۔ مرزا کہتے ہیں اس شجر میں دو لفظ تیا حکم جاری ہو جاتا ہے۔ مسجد میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

۳۲۔ شرح : مسجد کے زیر سایہ اک گھر بنا لیا ہے

یہ ظہر میرزا کے اپنے

مکان کے مشرق کا ہے یہ بندہ کہیتہ ہمسایہ خدا ہے

جو میں مسجد کے زیر سایہ تھا۔ فرماتے ہیں :

میں نے مسجد کے زیر سایہ مکان سے لیا ہے گویا ایک بندہ جو نہایت حقیر اور

فرد پایا ہے، خدا کا ہمسایہ ہو گیا ہے۔ یہ اسی سے کہ مسجد کو سب لوگ خدا کا گھر کہتے

ہیں اور خدا کے گھر کے ساتھ میں کا گھر ہو گا۔ وہ اپنے آپ کو ہمسایہ خدا کیلئے

کا اعتبار ہو جائے گا۔

خواجہ حالی یادگار غالب میں فرماتے ہیں کہ سب سے آخر مکان جس میں آپ کو

انتقال ہوا گیم کو دو قاف مرحوم کو یوں قاف سے متصل مسجد کے عقب میں تھا۔ اس کی

نسبت یہ شعر کیا

۳۳۔ شرح : ہو کر شہید عشق میں پائے ہزار جسم

راہ عشق میں شہادت

ہر مویج گرد راہ مرے سر کو دوش ہے

یا کر کے ہزار جسم

گئے۔ راستے میں ہو کر دامن ہے اس کی ہر ہر میرے سر کے لیے کندھے کا کام

و سے رہی ہے۔

۳۴۔ شرح : دم واپسیں ہر سہر راہ ہے

آخری ساتھی اس

عزیزو ! اب اللہ ہی اللہ ہے

راستے پر جو لیا ہے۔

جو اسے اختیار کرنا تھا۔ اسے عزیزو ! اب اللہ کے سوا کچھ نہیں۔

یہ ظہر زنگی کے آخری دور میں میرزا کو ناپڑھتے سہنے تھے۔

مثنوی

ایک دن مثل پتنگ کا غدی
 بے کسے دل سرشتہ آزادگی
 خود بخود کچھ ہم سے کدیا نے لگا
 اس قدر بگڑا کہ سر کھانے لگا
 میں کہا اے دل : جو اے دلبراں
 بسکہ تیرے حق میں رکھتی ہے زیاں
 "بیچ میں آن کے نہ آتا ٹہنہ ہار
 یہ نہیں ہیں گے کسی کے یار غار
 گورے پنڈے پر نہ کر آن کے نظر
 کھینچ لیتے ہیں یہ ڈور سے ڈال کر

۲۱۱۔ لغات :

کدیا : پتنگ کا
 کٹی کدیا : شرم و حجاب
 کرنا : جان مٹا کر دینا

شرح :

ایک دن میرے دل
 نے کدیا کی پتنگ کی
 طرح آزادی کا سرشتہ
 سنبھال لیا اور مجھ سے
 کٹی کدیا کی جوتہ لڑا
 اور میرے سر کھانے لگا

۲۱۲۔ شرح :

میں نے کہا : اس حال
 میں تیرے حق میں رکھتی ہے زیاں
 یہ تیرے حق میں رکھتی ہے زیاں
 یہ تیرے حق میں رکھتی ہے زیاں

اب تو دل جلے گی تیری آن سے ساٹھ
 یکن آفر کو پڑے گی ایسی گانٹھ
 سخت مشکل ہو گا سلجھانا تجھے
 قہر ہے دل ان میں اُلجھانا تجھے
 یہ جو محفل میں بڑھاتے ہیں تجھے
 بھول مت اس پر اڑاتے ہیں تجھے
 ایک دن تجھ کو لڑا دیں گے کہیں
 مفت میں تاحق کٹا دیں گے کہیں
 دل نے سن کر کانپ کر، کیا سچ و تاب
 غوطے میں جا کر، دیا کٹ کر جواب

رشتہ در گردنم انگشت در دوست
 مے برد ہر جا کہ خاطر خواہ دوست

انگریزی میں گانٹھ پڑے گی کہ جس سے ہے اس کا کھانا مشکل ہو جائے گا۔ غرض
 کہیں میں دل اُلجھانا تیرا ہے۔

۸۔ شرح : ۱۔ تجھے غفل میں اوجھا دیتے ہیں اس پر بھول ہوا
 حقیقت میں تیرا شوق اڑا سکتے ہیں۔

۴۔ شرح :

کہیں ان کے بچے اور
 ان فریب سے آنا۔ یہ
 کہیں کسی کے دھارہ

دوست نہیں جو ہے۔

۵۔ شرح :

ان کے گود سے ہیں
 مادر رحمہ۔ دوستوں
 زوروں کو کچل رہے ہیں۔

۶۔ لفاظت :

ساتھ : رسی یا
 دھارہ جس میں گرد پڑی
 ہوتی ہو۔ گھسی۔

شرح :

اب تو ان سے تیری
 ساتھ دل جانے کی نہیں

انگریزی میں گانٹھ پڑے گی کہ جس سے ہے اس کا کھانا مشکل ہو جائے گا۔ غرض
 کہیں میں دل اُلجھانا تیرا ہے۔

۹۔ مشرح : کسی داکھی دعا تجھے کہیں خواہی گئے اور صفت میں کہا ہی گئے۔

۱۰۔ مشرح : دل نے میری آتیں نہیں دکھائی دیتی ذاب کھانا پھر سوچو ہوا،

کے بعد کٹ کر یہ جواب دیا : میری گردن میں دو دستے تھے دعا کا ڈال رکھا ہے

درجین مرخص تیں کا دل پکڑا ہے۔ ایسے پھرتا ہے۔



ضمیمہ دوم

اس عرصے میں نسرہ حمید یہ کا انتخاب پیش کیا جا رہا ہے۔ کوشش شدہ ہے۔ یہی کہ مرث
وہ شہر ہے ہائیں پروردگار اسلحد و اسلحد ہوں۔ نیز ان میں نگر و خیال یا اسلوب یا اس کی
کوئی غریبی موجود ہو۔ ساتھ ساتھ یہ مقصد بھی پیش نظر ہوا کہ نگر و خیال کے ارتقاء کی
طریقہ کا اندازہ کرنے والوں کے لیے ایسا سرمایہ فروغ دیا جائے اور نسرہ حمید کی
رہنمائی سے اصل طریقہ بھی چنانچہ اس انتخاب میں حتمی فیصلہ شمار ہے۔ یہ گئے
ہیں وہی سے غریبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ابتدائی دور میں، یکے کے متعلق دور و شب کے دور
بھلا چاہیے، انتخاب کس انداز میں سوچتے تھے اور کس رنگ میں اپنے انکار و پیش
کرتے تھے۔ اس کا طریقہ ابتدائی سے تیار تھا، لیکن جس مقام تک کی طرف تھی کی پکار
کار کا تھا۔ اس کی گتے پہنچنے کے لیے بہتر، فراہم کر دیا۔ اور وہی، جسے قوت بہ
ناتجربہ تو وہی شاعر، جسے شروعات میں بعض روئے سوانح کی تحقیر میں کو سمجھ سکتے تھے شاعری
میں اس وجہ سے کل پہنچ گیا، وہی اس کے پیشتر شاہ کی کو حاصل نہ تھا اور وہی وہ کہ گیا ہے،
اسے اور دوزاری میں پیش رفت کی کے ایک بندہ ہیں وہی کی حقیقت حاصل رہے گی۔



ضمیمہ دوم

نسخہ حمیدیہ کا انتخاب

استد! ہر باسخی نے طرح باغ تازہ ڈالی ہے
مجھے رنگ بہار اے بجاوی بیدل پسند آیا
لفات : بہار اے بجاوی : بہار
بہار کرنے کا لغوی معنی :
بہار آفرین۔

شرح : اسے استد! بیکل نے ہر قسم پرستے، خازن کے شعر و سخن کا
بڑا بھرا باغ لگا دیا جس میں وہ بڑے کنبے اس کی بہار آفرینی کا لگہ بہت پسند
آیا ہے۔

تنگی رفیق رہ تھی، عدم یا وجود تھا
میرا سفر یہ طالع چشم حسود تھا
بازی خور فریب سب سے اہل نظر کا ذوق
جنگ مرگم حیرت بود و نہ بود تھا
پوچھا تھا گرچہ پارسے احوال دل، مگر
کس کو دماغ مشیت گفت و شنود تھا
خود شبنم آشنا نہ ہوا، ورنہ میں استد!
سرتاقدم گزارش ذوق سجود تھا
۱۔ شرح :
میں عدم کی حالت میں
تھا یا وجود کی حالت میں
آیا۔ دونوں جگہ تک میرے
دوست کی ساتھی تھی
رہی، یعنی عدم میں بھی
میرے لیے کھانا ملتا
کوئی منافق نہ تھا۔ وہاں
میں سفر کر کے عالم خود
میں آیا تو یہاں بھی وہی
حالت رہی، معلوم ہوتا
ہے کہ میرے سفر کی

تو نہ میں خاموشوں کی آنکھوں کے دیکھنے لگی تھی، جس کی تکی دینا بھری مشہور ہے۔

۲- **شرح :** اس دنیا میں ہستی اور نیستی کا جھگڑا میرے اندر ہوتا ہے، میں کرم تھا، لیکن میں سوچتا تھا کہ ہم ہیں یا نہیں؟ ہمارا وجود کوئی ثابت، لیکن ہے یا نہیں؟ ایک دھوکہ ہے، تو اب اس نظر کو مٹانے کے لیے دیکھتے ہیں اور میں اسی دھوکے سے بڑی کھا گئے۔

مطلب یہ کہ وہ اس نظر سے ہے، جس سے میری حقیقت کو جانتے تھے، لیکن میں نے ان کے دھوکے اور گمراہی کے لیے کرم، یہ ہستی کو جانتے نہیں دیکھتی، لیکن ہوتے ہیں، لیکن میں نے ان کو جانتا، میں نے ان کو جانتا، میں نے ان کو جانتا۔

۳- **شرح :** میں جانتا ہوں کہ محبوب کے لیے میرے دل کا مرنے والا ہے، لیکن میں نے ان کو جانتا، میں نے ان کو جانتا، میں نے ان کو جانتا۔

۴- **شرح :** اسے اتنا ہی نہیں تو میرے دل تک میرے دل کو دیکھتے ہیں، لیکن میں نے ان کو جانتا، میں نے ان کو جانتا، میں نے ان کو جانتا۔

۱- **شرح :** اسے اتنا ہی نہیں تو میرے دل تک میرے دل کو دیکھتے ہیں، لیکن میں نے ان کو جانتا، میں نے ان کو جانتا، میں نے ان کو جانتا۔

۲- **شرح :** اسے اتنا ہی نہیں تو میرے دل تک میرے دل کو دیکھتے ہیں، لیکن میں نے ان کو جانتا، میں نے ان کو جانتا، میں نے ان کو جانتا۔

۳- **شرح :** اسے اتنا ہی نہیں تو میرے دل تک میرے دل کو دیکھتے ہیں، لیکن میں نے ان کو جانتا، میں نے ان کو جانتا، میں نے ان کو جانتا۔

۴- **شرح :** اسے اتنا ہی نہیں تو میرے دل تک میرے دل کو دیکھتے ہیں، لیکن میں نے ان کو جانتا، میں نے ان کو جانتا، میں نے ان کو جانتا۔

کیوں نہ وحشت غایت باج خواہ لکھیں جو

گشتہ نقالی کو نیم نم نھوں مس پایا

میں نے مست سے کہ اس کا دور، مگر نہ کہ تیرے خوب خلق سے توئی کا جی سے ہیں یہ
 اور یہ۔ (۱۲۸) ابھی ہے کہ خوب خلق نے تیرے لاش کے چھوڑے اور تیرے ہزار گونہ
 سب کی کٹا کا کیا۔ افسوس غم ہے سب ہوا کی وجہ سے کہ دوسرا حال قدم لکھ
 ڈھونڈیں۔

۲۲۔ شرح : یہ غرض کی برہم دھت ہیں کہ اس کا حال کیا ہے۔ کب تک گویا
 کہ اس کا حال کیا ہے۔ (۱۲۹) ابھی ہے کہ خوب خلق نے تیرے لاش کے چھوڑے اور تیرے ہزار گونہ
 سب کی کٹا کا کیا۔ افسوس غم ہے سب ہوا کی وجہ سے کہ دوسرا حال قدم لکھ
 ڈھونڈیں۔

۳۴۔ لغات : باج : خواہ۔

شرح : غایت کی پہلی کو ہے تیسرا کہ اس کا حال کیا ہے۔ کب تک گویا
 کہ اس کا حال کیا ہے۔ (۱۳۰) ابھی ہے کہ خوب خلق نے تیرے لاش کے چھوڑے اور تیرے ہزار گونہ
 سب کی کٹا کا کیا۔ افسوس غم ہے سب ہوا کی وجہ سے کہ دوسرا حال قدم لکھ
 ڈھونڈیں۔

۱۔ لغات : جس قدر

زخم تیغ و تیرے سر فرد کی کٹا پایا
 نئے اس درجہاں سال سے ختم جنوں مائل

۲۔ شرح : جس قدر کہ خوب خلق نے تیرے لاش کے چھوڑے اور تیرے ہزار گونہ
 سب کی کٹا کا کیا۔ افسوس غم ہے سب ہوا کی وجہ سے کہ دوسرا حال قدم لکھ
 ڈھونڈیں۔

دیا جاتا ہے۔ قابل کے زلمہ بیخ کو میں نے صدمہ بردہ دل کھول دینے والا پایا۔

مطلب یہ کہ قاتل کی حواری بگڑ پر چڑی اور وہ غول ہو کر نہ گیا۔ معاملہ ہی دل کو راسخ کھل گیا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ قاتل کی حواری بڑی دنگنا ہے۔

۲۔ **شرح :** ۱۔ اس کا سوال یہ ہے کہ اس پر عظم و جہر منور کیا جائے۔ یہ محبوب کی سنگری کے حلقے کیا بنا سکتا ہے کہ اس میں دلچسپی کی فصلت ہے۔ یعنی وہ امر و عا و حذر قسم کے چار ہے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ کم نے محبوب کو جس قدر دھوڑا۔ یہی معلوم ہوا کہ جلدی نسبت واصلت کی آزمائش ہو رہی ہے۔ اس کے بغیر محبوب دل نہیں سکتا۔

کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ہم جو عظم و جہر دھوڑ رہے ہیں۔ وہی میں نہ بھاری خواہش و آگاہ و کردار میں ہے۔ نہ محبوب سنگری ہے۔ یہ سب نسبت کی طبعی آزمائشیں ہیں۔ اس سے گزر سے بغیر کوئی کبوتر منزلی مراد پر پہنچ سکتا ہے۔ اس طرح کھانا اور پینا۔ جاگنا اور سونا اور گی کی خصوصیتیں ہیں۔ اسی طرح آزمائش نسبت کے راستے کی طبعی منزل میں ہیں۔ پھر ان سے گھبراتے ہوئے کہیں مطلب نسبت ہے تو اس راستے کی سرافق و قبول کرنی پڑے گی۔ جیسے کوئی شخص بھول جیسے تو تو کائناتوں کی بخش سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

۱۔ **شرح :** کچھ کھٹکتا تھا میرے سینے میں، لیکن آخر
میرے سینے میں کوئی
بیز کھٹک ہی تھی وہ
کھٹکتے تھے یہ دل ہے۔
جس میں نسبت کی غصہ
ہے۔ دیکھ کر تیر کی نوک
نگی، جو دل میں ہے سدا
ہو گئی تھی اور ہزار
کھٹکتی رہی۔

جس کو دل کتے تھے، سو تیر کا پیکل نکلا
کس قدر خاک ہوا ہے ولی جنوں، یارب
فغش بہر ذرہ سوید اسے بیاباں نکلا
شور و سوانی دل دیکھ کہ یک نالہ شوق
لاکھ پے میں چھپا، پر قوسی عریاں نکلا

شوخی رنگ حنا خون وفا سے کب تک
۲۔ شرح ۱
اسے خدا! کہوں گا
دل کس قدر شک
کیا ہے۔ میں شک میں ہی گیا ہے کہ یہ تو دنیا ہاں کے بیٹے سو یا میں کیا ہے۔

۳۔ شرح ۲
دل کی۔ سوئی کا جنوں کا خط کو کر شوق کی ایک فریاد کھوں پر دون
ہیں پھینچیں۔ پھر بھی وہ میرا ہی تھی۔

مطلب یہ کہ وہ شوق کو کتنا ہی چھپا رہا، مگر چھپ نہ سکا۔ جب یہ شک کو دل کو سوا
ہونے کا شوق خدا اور وہ اپنا شوق بڑا کر کے دیا۔

۴۔ شرح ۳
اسے بہت تڑپ دینے والے محبوب، انوکھ تک وفا کے غم
سے اپنے لیے منہ ہی کا ساں قروم کو رجا، آخر چلے بھی اپنے ہی غم پر پشیمانی ہوئی۔

تلاوتی ہے تماشا قی عمر بر رقتہ
۱۔ شرح ۴
صفت و توفیق کو
ہوئی عمر کا کتا کر ہی
ہے جو کو ان رنگ
ہم زور و کثرت کو چھوٹی
کے زمانے میں دیکھ گئے
وہ آنکھوں کے ساتھ
آنکھ کی طرح آگے آگے
اس سے بڑی حرکت
کہ جانتے ہوئے بے شک
ہو گئی۔
مطلب یہ کہ
رنگ نے آج کے آنکھوں کے مقابل بانہا
اصطلاحاً عبارت اسیر ان تغافل مست پوچھ
جو گرہ آپ نے کھول، اُسے مشکل بانہا
یار نے تشنگی شوق کے مضمون پہا ہے
ہم نے دل کھول کے دریا کو بھی ساحل بانہا
مضطرب دل نے جسے تار نفس سے غالب
ساز پر رشتہ پہنچے نغمہ بسیدل بانہا

مگر گزشتہ، آخری منزل پر پہنچ گئے۔ اب میری جگہ کے صفت میں مبتلا ہیں مگر یہی جو ان کو
پریشانی ہیں اور پرہیز۔ ہم ہم کو اپنے ہیں اور ان کو بہت کی طرف بڑھتی آگے کے لئے ہیں۔
۳۰۔ شرح : ہر دو گلی غصہ کے لئے ہیں یعنی غصہ کا شکار رہ گئے ہیں، انہوں نے اپنے
بیکے بولیب و غریب، صفت میں دھنچ کر لی ہیں، ان کی کیفیت کیوں نہ تھکے ہو، حالت یہ ہے
کہ جس گروہ انہوں نے خود دکھوا، کہ ہمارے اس کا کھونا مطلق تھا۔

ظاہر ہے کہ وہ کام غصہ کے باعث وہ خود نہ کر سکے، اسے مشکل یہاں کر لی کی نفی
کوئی اور بیٹے خیال کے مطابق دنیا کے سامنے سرخرو ہو گئے، غصہ یہ ہے کہ گری میں
جستہ ہوئی اور وہ خود تو میرے کام بیٹے تو یہاں کوئی گروہی نہ تھی، جو کچھ نہ تھی، کوئی
کام ایسا نہ تھا، جو انجام نہ پاسکتا۔

۳۱۔ شرح : محبوب ہم سے اس بات کا ہلکا تھا کہ ہم شوق کی پیاس کو حال
ہاں کر رہے، ہم نے انتخابی صفت دکھا وہ دل سے کام لیتے ہوئے رہے، اس کی پیاس کو حال
تھی مگر اس کو دور سے دیکھتے تھے، مسئلہ یہ تھا کہ یاد ہو رہا تھا اس پر ہوتا ہے۔
دور بھی رہی جانتے تو اس کی پیاس نہیں تھی لیکن جی رہے کہ انی صفت اور دھتکے کو حال
کے باوجود شوق کی پیاس کے انہوں نے کام میں نہ آئے، ہم اس کی پیاس کی کیفیت سے دور
اس جگہ کا دوسرا ممبر میرے لئے مضمون دیا کہ اس کے بیٹے دکھ رہے اور اس پر
میرے لگاؤ :

دیکھتے تھے ان کی زلف کے مضمون کتاب ہم نے دل کھول گئے، کو کچھ ماحول تھا

۳۲۔ شرح : اسے خاصیت : دل کے غمی نے میرے دامن کا تار لیا اور ساہوکار
ہو کر نہ دھو رہا تھا میں میرا بیٹہ کے لئے لکھے گاؤں

یہ تھی اور کی غمی ہے، جب میرا بیٹہ ل پرشہ ہوئے تھے، اس بیٹے کا رخصت ہو کر
دور ہو جا کر بیٹہ کے لئے میں شعر کہنے کے لئے رہا ہوں۔

تر میں آتش نے فصلِ ناک میں رنگ دگر پایا
 شرح : صورتِ انورہ کی
 پیرایہ گل سے ڈھونڈے سے چہن چہن یثین اٹھار پایا
 میں چھوٹی کے رنگ
 نے آگ کی صورت اختیار کرنی۔ شمع نے یہ کار فرمودہ کے کے سے چھوٹی کے پیرایہ
 سے لکایا۔

شمع کا کار و دھار ہو تا ہے جو جیسا ہے چہن چہن کی فرمودہ آگ کی
 گئے تو شمع نے چہن کو چرخ نے کر پنا کار فرمودہ کے کے سے لکایا۔

ہم نے وحشت کمرہ یزعم جہاں میں آجوں شمع
 شرح : اس بیت کی اصل
 شعلہ عشق کو اپنا سحر و سحر مال جہاں
 وحشت کو سحر کے جو
 کیا ہے : ہر شمع و لہذا ہر اپنی آگ میں ملتی ہے۔ ہر شمع کے پتے لہذا ہر اپنی
 ہم نے ہم دنیا میں شمع کی فرمودہ حلق کی نگاری کو اپنا سحر و سحر مال جہاں

تہ پانی و سبب بولان یک چہنوں ہم نے
 شرح : اس بیت کی اصل
 عدم کو لے گئے دل میں غبار صحرا کا
 فراموشی اور محنت کی بھی
 دل کی کہ ہر ایک وہی کی سبب و غور و فکر کی فراموشی۔ ہر ایک کے دل کی محنت
 کہہ دے کہ غبار اسی کو کہتے ہیں جمع ہوں۔ ہر ایک کے صحرا کی آگ۔ ہم اپنے ساتھ
 ہم کو لے گئے۔
 صاحب یہ کہہ دے کہ سبب کے باوجود ایک چہن کی بھی شکار نہ کی ہے
 نہیں کر سکتی۔

۱۔ **شرح :** شر و فرصت نگہ، سامان یک عالم چراغ حال ہے
 میں جو بہت ہی
 یہ قدر رنگ یاں گردش میں پیدا ہے محفل کا
 وہ نور صرف اتنی ہے
 مجھے راہ سخن میں خوف گمراہی نہیں غائب
 مجھے لازم چکا آدم
 عصائے خضر معرکے سخن ہے خامہ بیدار کا
 قلم جو کیا۔ اس کے
 حالت ہے کہ دنیا کو ہر جان بنا دیتے کا سامان ہے جیٹی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس محفل کا بیاد صرف اپنے رنگ کے مطابق گردش کر سکتا ہے۔
 مطلب یہ کہ زندگی سودہ چھ لعل ہے اور انسانی اپنے ساتھ ہزاروں آرزوئیں
 لیے بیٹھ ہے۔ اتنا نہیں سمجھتا کہ کسی محفل میں بیاد اتنی دیر تک گردش کرے گا جتنی دیر
 شک شراب ہوگی۔ شراب ختم ہوگی تو بیاد کے گردش بھی رک جائے گا لہذا اس زندگی میں
 قلم آواز میں چل رہی نہیں ہو سکتی۔

۲۔ **شرح :** اسے غائب، الجھے خمر گون کے راستے ہیں گمراہی کا کوئی ذرا نہیں
 اس صراحت میں بیدار قلم میرے لیے خضر کے عصا کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو شخص ایسے
 خضر کی، ستانی نہ جا رہا ہو۔ اسے راستے سے بھٹک جانے کا کیا ڈر ہو سکتا ہے؟

شرح : یہ صورت تکلف، بہ معنی تانف

اسے استاد میں ان
 لوگوں کی مسکراہٹ
 ہوں، جس کے دل، خمر و پتر مراد ہوں۔ اگر میری صورت دیکھی جائے تو میری مسکراہٹ
 سراسر تکلف کا نتیجہ نظر آئے گی۔ میری اصل حالت یہ ظاہر کیا جائے تو وہ مسکراہٹ سراسر
 اسوس معلوم ہوگی۔

مطلب یہ کہ کبھی لوگوں کے دل ٹہنچا چکے ہوں، وہ بھٹکتے بھی ہیں تو محفل تکلف سے،

انہی وقت میں وہ کہے دونوں کو تنہا سے کوئی اضافی نہیں ہو گا اور جو سے دیکھو وہ سے خود کرتا
 نہ وقت ہی کے اسے جو سے خود آئیں گے۔

ضعیف جنوں کو وقت تیش در بھی ڈورتھا
 اک گھر میں مختصر سا بیاہاں ضرور تھا
 اسے واسے غفاسیت نگہ شوق ورنہ یاں
 ہر پارہ سنگ لخت دل کو وہ طور تھا
 شاید کہ مر گیا تر سے رخسار دیکھ کر
 پیمانہ رات ماہ کا لہریز نور تھا
 ہر رنگ میں جلا اس قدر فتنہ انتظار
 ہر دانہ تہلی شمع ظہور تھا

کے اسے اصل صراحت دیکھ چکے تو ٹھہری ہی صراحت کی کہنے۔

۲- شرح : نگاہ شوق کی عظمت پر افسوس ہونا ہے کہ اس نے عبادت کا عباد
 شیک الہانہ نہ کیا اور نہ اس دنیا میں پھر کا کوئی سا ظہور ہے۔ کہے کہ وہ عباد کے عباد
 کی شہیت نہ مہم نہیں ہوتی اس میں وہ تجلی نظر نہیں آتی جو کہ عباد کی رات نہ تھی۔
 نام کا مضمون یہ کہتے کہ جس تجلی کا تصور کہ وہ عباد پر ہوا تھا وہ عباد کی ایک خاص
 مہم تھا۔ کہیں کوئی سا پارہ سنگ ہے جس میں عبادی تجلی کی ایک نظر نہیں آتی اور جو اس
 کی یاد تازہ نہیں کر دیتا اور اس کو تازہ کرے اور اس کے کام کے عبادت اور مہم
 ہے۔ اس صورت میں تجلی عباد میں اس کے لیے ہرگز بغیر نہ خود نہیں۔

۱- شرح :
 دلجوئی و ضعف کی ایک
 عباد کی عبادت کرتی
 کو مہم ہی ہی ہے
 جس میں سے یہ کہنے
 وہ اس کے ساتھ ہی
 عبادت ہی ہی ہے
 تجلی کے لیے نہیں کی
 صورت اس کے سے
 کیا عباد کی ایک عباد
 کیا اس کے عباد ہی ہے
 عبادت ہی ہی ہے

نہیں کرتا۔

دیکھو۔ تین ہزار پیش یکے ان تینوں میں بے آہنی گریزا اور طغیانی کی خصوصیت ہے۔
نہاں کر دی۔ یہ گناہی ہے، جسے کسی سے آفتابی نہ ہو، سب سے الگ تھک رہے۔
آواز دہی ہے، جو کسی سے رابطہ ضبط نہ رکھتے، نا آفتابی ہے، جو کسی سے آہنی ہیں
نہ کرتے۔

شرح ۱ : دودمیرا سنبھستان کی کرے ہے ہمہری

ہیں سر سے پاؤں
تک پہوں کی آگ
بیکہ شوق آتش گل سے سراپا جل گیا
کے حلق ہی ہو گیا جوتا۔ تھوہیں سے ہر دھواں اٹھتا ہے، وہ سنیل کا ہمہری
گیا ہے۔

۱- شرح : ہوں قطرہ زن ہر وادی حسرت شیانہ روز

ہیں حسرت کی وادی
ہیں رات دن قطرہ
خیز تار اٹک جادۂ منزل نہیں رہا
قطرہ ہو کر گر رہا ہوں
میری منزل کا راستہ
اسے آہ! میری خاطر وابستہ کے ہوا
دنیا میں کوئی عقیدہ مشکل نہیں رہا
آنسوؤں کے نہ کے

ہوا کی نہیں۔ یعنی جس طرح آنسو مسلسل قطرہ قطرہ ہو کر گرتے ہیں اور ایک ہر
بات ہو دیتے ہیں۔ یہی کیفیت میری ہے اور اسی کو میری منزل کو بات سمجھتا ہوں۔

۲- شرح : میرے بندھے ہوئے دل کے ہوا دنیا میں کوئی ایسی گرا
نہیں رہی، جسے کھونٹا ہو۔ اسے آہ! تو ہی میں ہی کر کر رہی ہوں کھینچتے۔

بہ ہوس و درہ سہ اہل سلامت ، تا چند شرح :
مشکل عشق ہوں ، مطلب نہیں آساں میرا
یوں لوگ امن و اطمینان سے پہلے ہیں ، اور

نیک درجہ میں مبتلا رہیں گے کہ میرا مقصد دین و دنیا کی عقلی باتوں اور میرا
مقصد دنیا ہی نہیں ، یعنی جس لوگوں کو سلامتی سے جیتے ہے ، وہ اس عقل کو ہی کہہ کر
کھائیں کر سکتے ہیں ، لہذا ان کا درجہ سرور بالکل بے سود ہے ۔

رکنا غفلت نے دور افتادہ ذوق فنا و رزق : شرح :
اشارت فہم کو ہر ناخن بڑیدہ ابرو مٹھا
استرا خاک ورمیختہ اب سر پر آتا ہوں
گئے وہ دن کہ پانی بہا ہم سے کا تا بہ زانو تھا
ہم غفلت کے باعث
ذوقی نہ سے دور دور
رہے ، اور دین و دنیا
کو جیتنے کے اندر
کی جھجھکی کے ہے

نور کا ہوا ، آخر بھی ابرو کی کیفیت ، رکھتا تھا ، جہنم و دوزخ کے مونس کی کیا بات ، میرے کراہی
کے اندر سے یہاں سے نکلتے تھے ، غفلت نے ہم سے فہم و بصیرت کی ، اور طبیعت کی
۲۔ شرح : ۱۔ اسے استرا بخاک کی خاک ، اگر آواز اگر سر پر آتا ہوں ، ایک زمانہ
ایسا ہی گزرا ہے ، جب شراب نوشی کی کہ حضور ہی میں تریں پر اتریں ، میرے لئے ، اور اس طرح
شراب پیئے کے میں ہیں گھسوں ، گھسوں گھسوں گھسوں گھسوں ۔

پریشانی سے مغز سر ہوا ہے پیہہ بالشت : غفلت :
خیال شوخی خواب کو راحت آفریں یا یا
شرح : ۱۔ پریشانی کی حالت میں سر کے نیچے کی یہ کھینچ ہو کر جیتے گئے کی

لکھ لکھ دھرم کی صورت سے اور یہ سب لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم
تو لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم

مطلب یہ کہ سب سے اس کا لکھ دھرم سے لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم
یہ لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم

۱- شرح :
وہ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم
لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم
لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم
لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم

۲- شرح :
وہ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم
لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم

۱- شرح :
وہ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم
لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم
لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم
لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم

۲- لغات :
وہ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم
لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم کی صورت سے لکھ لکھ دھرم

شرح :

فیں اسٹا۔ ذرا پیش

سوئی لہر پور صراٹے

کر لیا۔ اس کا کوئی مضمر باقی ہی نہ رہا۔ گویا صراٹہ صراٹہ تھا، دیوانے کے واس کا خیال نہ گذر
جسٹ اور پھر کی

اس شعر میں بھی میرزا نے اپنا وہی مضمون پیش کیا ہے کہ پور کی کائنات بتا رہے
میں وہ حق کی نشانی کے لیے کافی نہیں۔ یہ تو ایک ہی جہتی میں غم ہو گئی۔

۳۔ شرح : میرزا نے محبوب کی پانڈی بھی کافی اور رنگہ ہونے کا ذکر کیا ہے
کی شاعر شمع کی مانند جھٹکی اور میوں اس کا پرانا ہی گیا۔

اس شعر میں شاعر ہمیں مکتوب کی شکل دکھاتا ہے۔ اور اس سے یہ دکھائی دیتی ہے کہ شاعر
کئی ہے۔

شرح : اسے آبلہ کرم کر۔ یاں رنج یک قدم کر

اسے چھائے تو لکھت

اسے تو پر چشم و شست اسے یاد گاہ صبرا

اسٹا کرنا۔ تو دیکھ

کی آنکھ کا نور ہے۔ تو صراٹہ وہی کی یاد ہے۔

شرح :

دیکھئے اسے بے تکلف

نور کے چھوٹات

اسے خوشاذوق تماشے شہادت کہ اسے

بے تکلف ہو سچو چشم شمشیر آیا

کرنے کے لیے آیا ہے۔ وہ ان کی آرزو سے شہادت لے لیا ہے۔ اور کہتا ہے
ذوق و شوق ہے !

پھر وہ سونے چین آتا ہے خدا خیر کرے
رنگ اڑتا ہے گلستاں کے تہاڑیوں کا
استداسے ہرزہ دراز نالہ بغوغا تا چند
موصد تنگ شکر ہے سب آوازوں کا
یاد میں جو بھی ہوگا ہے۔ اور کچھ ہے کہ رنگ آنا یاد ہے۔ میں وہ بھی یاد
ہے۔ دیکھیں۔ انجام کیا ہے !

۲۔ لغات : ہرزہ دراز : زہر و گداز۔

شرح : زہر و گداز استدا تو بلند آواز سے نکلنے والے شور کیوں ہے۔
ہے : دیکھ جو عجیب چیز کسی سب کے عاشقوں کو دکھ دیتے ہے۔ وہ یہ کہ انہیں وہ
تیری آواز نکالنے سے گھبرا کر موصد آواز نکال دیتے ہیں اور شہید آواز نکال دیتے ہیں۔

استداسے اور باب فطرت قدر دان لفظ و معنی ہیں
خن کا بندہ ہوں لیکن نہیں مشتاق حسین کا
شرح : اسے اسے اسے
فطرت معنی ملائی ہے۔ وہ لفظ اور معنی دونوں کے قدر دان ہیں۔ میں شعر کوئی کے لئے
وقت ہوں گویا اسی کلام ہوں لیکن حسین و آفرین کا لکھنے کوئی شوق نہیں۔

اس مطلق سے ظاہر ہے کہ ابتدائی دور میں میرزا جو شعر کہتے تھے 'جام نوک' نام بھی
کے باعث ان کی کچھ قدر غیبی کر سکتے تھے۔ پھر ادا بہتر شعر کہنے لگے تو اس دور میں
کچھ زیادہ قدرت ہوئی اس لئے کہا:

دستِ نعل کی تلافی سے کی پروا
گر نہیں ہیں میرزا کے شعر میں نعلی

شرح : عیب کا دور یافت کرنا ہے بہتر مندی 'استد' سے استد

نفس پر اپنے ہو جو مطلق کمال ہوا
اور منت کر لیا ہر دم

بہتر مندی اور جس وصال کی دلیل ہے۔ جس شخص کو اپنی نالی کا ہم ہو گیا۔ بھر بھیجے کس کے کمال
ہوتے کارستہ مکل گیا۔

اس سے مراد عرقی کیا خوب کو گیا ہے۔

فوجی کا عیب اسے تو دوش ٹھورتا یکدم منہ لٹکا دیکھیں غویلیں

اگر تو چاہتا ہے کہ تیرے عیب آج پر آئے دابو جانیں تو منور ہی دیکھ کے یہے سینہ بدل
کر اپنی گھات ہیں چٹھیاں دھپے عیب کمال کرنے کا اس سے بہتر ہی نہیں۔ بھر بھیجے
سوا میں کوئی طریق نہیں۔

شرح : سر منزل ہستی سے ہے صحرا کے طالب دور

ہم میں صحرا میں پہنچا
جو غلط ہے کعب پا پہاڑ ہے سلسلہ پا

ویدا طالب ہے دل و اماندہ کہ آغوش

نوک سر مرگاہ سے رقص ہو گلزار پا

نزدکی کی منزل سے
جست و آہ ہے جاتا
بادوں سے خوش نشین ہے

ہو رہے ہیں۔ وہ مختلفت میں راقوں کے بیٹے ایک لڑکچہ میں جو آگے بڑھنے سے راجی
 ۲۔ شرح : جہاں تک انہوں نے چاہے وہ تو اول بوج کے دیوار کا کھانہ
 ہے۔ یہاں سے کہ ان کا شکوہ غم کے باعث تو انہوں نے صراطِ گناہ سے گھٹا ہونے کی بجائے ہمیں
 کر پوہ کی بارگاہ میں پہنچا دیتے ہیں تاکہ اس کے روبرو سے لیا داکم ہوں۔ اگر وہ ان
 ساتھ نہیں دیتے، ان کی شکایت لکھنے کے لیے تو ایک سہ ماہی گاہ سے ہر ماہ ہم گواہ
 ملکتے ہیں۔

یہ فہر نامہ جو بوسہ گل پیام ربا
 ہمارا کام بٹوا اور تھرا را تمام ربا
 دل و جگر لقبِ نرقت سے بل کے خاک ہوتے
 دسے بنو ز خیال وصال خام ربا
 شکستِ رنگ کی لاقِ سحر شب سنبل
 پناہ یار کا افسانہ تا تمام ربا
 شریو چھند مال شب و روز جویر کا، غالب
 تخیالِ ناعف و رُخ دوستِ حبیب و شام ربا
 ۳۔ شرح : ایک نئے طور پر لکھتے
 دل و جگر لقبِ نرقت سے بل کے خاک ہوتے
 دسے بنو ز خیال وصال خام ربا
 شکستِ رنگ کی لاقِ سحر شب سنبل
 پناہ یار کا افسانہ تا تمام ربا
 شریو چھند مال شب و روز جویر کا، غالب
 تخیالِ ناعف و رُخ دوستِ حبیب و شام ربا
 ۴۔ شرح : ایک نئے طور پر لکھتے
 دل و جگر لقبِ نرقت سے بل کے خاک ہوتے
 دسے بنو ز خیال وصال خام ربا
 شکستِ رنگ کی لاقِ سحر شب سنبل
 پناہ یار کا افسانہ تا تمام ربا
 شریو چھند مال شب و روز جویر کا، غالب
 تخیالِ ناعف و رُخ دوستِ حبیب و شام ربا

مصلوب یہ کہ ہم میں کر لکھ جو لکھ اور ابھی تک وہ لکھ کر فی صورت پیدا
 نہیں ہوئی۔

۳۔ شرح : شکر کی بات کہ لکھ جو لکھ اور ابھی تک وہ لکھ کر فی صورت پیدا
 کی حالت کا افسانہ پورا نہ ہو سکا۔

سبیل کا رنگ سیاہی آئی ہوتا ہے۔ اس لئے اسے شب کہا۔ پھر اس کا رنگ ٹوٹ گیا اور وہ
سبیلہ ہو گئی۔ مگر راستہ صبح کی شکل اختیار کر گئی۔ لیکن زلف کا فضا دلچسپ رہا۔

۴۔ **شرح :** اسے غالب : جدائی کے شب و روز کا حال کچھ ظاہر ہے۔ محبوب
کے رخصت اور زلف کو خیال صبح اور شام برابر آیا۔

شب و روز : صبح اور شام : زلف اور رخ کی مناسبت متنازعہ بنی نہیں۔

شرح : استاد ایلوس مست ہو کر چہ رونے میں آ کر کم ہے
اسے استاد : لائق

کہ غالب ہے کہ بعد از زاری بسیار ہو پیدا
نہ ہو۔ میں نے ما
کر رونے میں کچھ زیادہ اثر نہیں، مگر غالب سے کہ زیادہ سے زیادہ رو جائے تو
کچھ اثر پیدا ہو جائے۔

شرح : عمر میری ہو گئی صرف یہ سال حسن یار

ایک میں ہوں : میں
گردش رنگ چمن ہے ماہ و سال غنایب
کہ میں میں محبوب کی

بہار میں صرف ہو گئی ایک مدت پہل ہے جس کے ماہ و سال رنگ بارش میں ادلی رہا ہے
موتوں چمن چمن میں نہیں کبھی بہا رہا تھا ہے، کبھی خزاں ہوا ہے۔ بہار و خزاں کے جھانٹ
میں سے پہل کے ماہ و سال بنتے ہیں۔ میرے سے ہر وقت مسیحا کی بہا ہے اور چمن اس
کی نام سب کچھ قربان کچھ بچھا ہوں۔

۱۔ **نت :** جاتا ہوں جدھر سب کی اٹھے ہے نعر گشت

ایک و مست :
یک دم : سارے کا
ایک دست پہاں مجھے سے پھرا ہے مگر آگشت

ہر غنچہ گل، صورت یک قطره خوں ہے
 دیکھا ہے کسی کا جو منا بستہ سر انگشت
 خوں دل میں میرے جو نہیں باقی تو عجب کیا
 جوں ماری بے تاب تڑپتی ہے ہر انگشت
 شوخی تری کہ دیتی ہے احوال ہمارا
 راتر دل حمد پارہ کی ہے پردہ در انگشت
 میں آفتاب مژگاں میں جو انگشت نما ہوں
 لگتی ہے مجھے تیر کی مانند ہر انگشت

شرح :

میں جو میری باتوں
 اور میری باتوں کی
 انگلیاں اٹھتی ہیں، مگر
 یہاں مجھ سے میری
 بات گرا نکل نہیں
 پڑتی۔

دست و پاکی

کی صورت میں

تشریح نہیں۔

شاعر کا

یہ کہہ کر کہ میری طرف انگلیاں اٹھاتے ہیں۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ سب ہر سے انگشت
 ہوئے، ایسے انگلی پر انگشت نہیں ہوتی، بلکہ ہر میری ہی طرف اٹھتی رہتی ہے۔

۲۔ شرح : جب سے خواب کے مٹانے کی آواز کی ہو، دیکھ لی ہے، یہی ہو کہ
 یہ قطرے کی صورت میں نظر آ رہی ہے۔

۳۔ شرح : میرے دل میں خون و انگلی باقی نہیں رہا، وہ سب اپنا خواب
 کے اندر لٹکی، دیکھنے میں صرف ہو گیا۔ اب اس کی انگلیاں اس طرح تڑپ رہی ہیں، جیسی
 قربت میں باقی ہے، اس لئے کہ یہ تڑپ رہی ہے۔

مضبوط یہ کہ میرا دل خواب کی انگلیوں کے لیے اسی شہوت تھا ہے، اور ان کی
 کہ چھل کے عشق میں جا میں ہے۔

۴۔ شرح : تیری شوخی مجھ پر اور بھی گھون کر رہی ہے، دل میں گھونک ہو رہی
 ہے، اس کے دانا کو یہ انگلی دیکھ کر رہی ہے۔

مقصود ہے کہ تو بڑی عزت والی عطا ہے اور شوخی سے کام لیا ہے۔ نتیجہ یہ
ہوتا ہے کہ ہم کتاب دیکھ کر ہوجاتے ہیں اور چاروں طرف سے مشتاقاں بھی کھل جاتی ہیں۔

۵۔ لغات : انگشت نما : جس کی طرف انگلیاں اٹھیں۔

شرح : میں مڑھوں کی جھلک کا شکہ ہوں اور لوگ میری عزت، لگایاں
اٹھاتے ہیں، براہی جیسے تیر کی طرح نکلتے ہیں۔

مڑھوں کو تیر سے بھی تعبیر دیتے ہیں۔

۱۔ شرح : ہے سوانیر سے پہ اس کے قامت تو شیر سے

محبوب ابھی بڑا ہوا

آفتاب صبح عشر ہے گل دستار دوست

ہے اور اس کے قہقہے

اسے عروسے مصلحت چند ہے یہ ضبط الفسوف

ابھی بڑی کی عطا ہوا

کرونی ہے صبح تاب شوخی دیدار دوست

کی ہے۔ صبر و ستاد

غرض مستانہ و جوش تماشا ہے استاد

باندہ ہر تھی ہے اور

آتش سے ہے بہار گرمی بازار دوست

استاد پر بھول گیا ہوا

ہے۔ شاعر کیا ہے

یہ محبوب کے قلب پر تیر

پر گل دستار دیا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے صبح قیامت کا آفتاب سوانیر سے پراگندہ ہے۔

۲۔ شرح : اسے مصلحت کے دھنیں باندھی دکر۔ اپنے آپ پر ضبط عالم
رکھ اور افراد و چتر مراد قرار دے۔ تو ابھی دوست کی شوخی دیدار کے قابل نہیں ہوا۔ اس

عرض سے رائے و ترقی طاقت و تاملانی فراہم کر لینا ضروری ہے۔

۳۔ شرح : اسے استاد دوست کے حسن کی گرم باندھی پہنچے ہی کہ کم نظری
صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اس کی بہار فروغ پر ہے۔ پھر اس کے شرب تہی۔ اسے رنگ

بازاری کو تیز تر کر دیا۔ اب یہ صورت ہے کہ وہ قدم قدم پر لڑکھڑا رہا ہے اور ہر طرف

ہے۔ لہذا اسے کوئی حق تصور نہ کرے۔

دو عالم کی ہستی پر غلطی و ناگہانی

اول دوست ایرایب چمت سلامت

خاوروں کی نسبت، شکستہ جہوں ایسی

میر تقی میر و شورشِ عدالت : حیاتِ امت

مقرر ہوا ہے، مجموعہ دوا ہے

سازمانت، علامت، علامت، علامت، علامت

تذکرہ سلیمانیت، شریعہ، و احکام

زخموں کی شکل ہائے حیرت سلامت

وہیے غائب شدہ مطلوب نگردوں

یہ کیا بے نیازی ہے عظمتِ سلامت

123

2014年12月15日

الطريق إلى الجنة

پیشہ ورانہ حیثیت کے

1998, 1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 2679, 26

— 254 —

کے لئے جو کہ

مجلس العلماء

والله اعلم بالصواب

1000

100

(continued)

10-1

الحمد لله رب العالمين

سنگ جوں، نہ چنک جوں، غدا کرے، میرا زخم مراد ویا آئی، غلام مرے ہے۔

مطلب یہ کہ ہر گنہگار کے! عٹ اپنی گناہیں نکلتا اور نہ اگلے کے شہر کی بنیاد

دوسروں کی ستمیابیوں سے

۴۔ تشریح : داتا گروہ کی مکمل موقوفہ ہے اور خزانوں کا مجموعہ ہے۔ ایسی

حالت میں ملاحق کو ملا مت سمجھنا چاہیے۔ یعنی سلامتی فیصلہ نہیں ہو سکتی

از دین و اخلاق به دست خودی و قیام به حدی -

۴۔ - **شرح :** ۱۔ سلامتی کی فکر ہے، اذ سلامت کا ترجمہ ہے۔ ہم ہجرت میں اپنا آپ لکھ چکے ہیں اور وہی سلامت یعنی قائم علی جا رہی ہے۔

۵۔ - **شرح :** غالب غنیمت آسمان کے انھوں نے جو وہ علم کا شکار بنا رہے۔ اسے غنیمت سلامت! اسے باری تعالیٰ! یہ آپ کی حبیب بے نیاز ہی ہے۔

شرح : آہنگِ اسد میں نہیں بجز غصہ بیدل
 دہرہ کی نئے ہیں بیدل
 عالم بہر افسانہ ما دارد و ما هیچ
 کئے نئے کے سوا کچھ نہیں
 سدا کی دنیا جانا افسانہ ہے جیسی ہے اور ہم کچھ بھی نہیں۔

آخری شعر کا بیت کیل کا ہے، جسے میرزا نے مقلد میں تعبیر کر دیا ہے، یہ بھی اس دور کی مثال ہے، جب میرزا پر بیت کیل کا بہت تدارک اور اثر تھا۔

۱۔ - **لغات :** حقی نگہ میری نہا مخافت دل کی نقاب
 نقاب : نقاب
 لگاتے دلا

بے خطر جیتے ہیں اور اب ریا میر سے بعد
شرح : تھائیں گلدستہ احباب کی بندش کی گیارہ
 میری نگاہ دل کے
 متفرق ہوئے میر سے رفقا میر سے بعد
 نشان ماننے میں نقاب

کامیابی کے اور جو باتیں انسان کی نظروں سے پوشیدہ رکھتا ہے، انہیں بھی معلوم کر لینی حقی۔ یہی وجہ ہے کہ میر سے ہوتے ہوئے ریا کا۔ وہ کہے لیے اپنا پردہ قائم رکھنا بالکل ممکن نہ تھا۔ میں مر گیا اور دل کے مجید معلوم کر کے دلا کوئی نہ رہا۔ ریا ریا کار لوگ بے خوف نہ رہ گئے میر کو دیکھتے ہیں۔

بالکل یہی معنوں میں میرزا نے اپنے ایک مشہور غزل میں تعبیر سے میں بھی پیش کیا ہے۔

نعم غلبہ پر گریز و دعای خود
 مژدہ بدانی و یا مگر تیریں دلم
 ۲۔ شرح : میں گھاس کا وہ ٹکڑا تھا جس سے گھوڑے اجنبی بندھا ہوا تھا جس
 مرگیا تو میرے تمام رنج اور دوست بکھر گئے ۔
 یہودیوں کو کشتہ کر کے گھاس کے ٹکڑے بانٹ کر گھوڑے نہ بیٹھے چلے ۔ میرا لکھنے والا کہ
 ہیں اپنے اجنبی کے گھوڑے کے بیٹے گھاس میں کیا تھا جس سے وہ بندھا ہوا تھا
 میں نہ باہر گھوڑے کھل گیا اور دلیق اس طرح الگ الگ ہو گئے جس طرح گھوڑے کی زبان
 کھل جانے سے چھل الگ الگ ہو جاتے ہیں ۔

۱۔ شرح :
 آٹھ آیا زخم تیغ پارسا پہلو نشین
 کیوں نہ ہو دے آج کے دن جیکس کی شادی
 ہم نے سوز خیمہ جگر پر بھی زباں پیدا نہ کی
 گل شو اسبہ ایک زخم سینہ پر خواہاں داد
 تیغ در کف کف یہ سب آتا ہے قاتل اس نظر
 مژدہ بار ! اسے آؤ نہ سے مرگ غائب مژدہ بار
 میں آؤ نہ کہا ۔ میری جی کی روح کیوں خوش نہ ہو ؟

۲۔ شرح : ہم نے جگر پر سبکدوشی نہ ظلم کھائے ، میری جی صرف تھی ۔
 زبان پر ملائے ۔ یہیں کو کہو ، ایک زخم سینہ پر دلا اور وہ خود ہو گیا ۔

۳۔ شرح : کچھ لاف سوار ہند میں ہے کہ آہستہ آہستہ قلعہ بھاوی
 پر جھاک آیا ہوا ہے ۔ خوشخبری ہو ۔ اسے غلبہ کی آواز سے موت آج
 خوشخبری ہو !

۱۔ شرح : عقل شادمانی کو دماغ ہے اور دماغ مردانگی کے اہل پر مکن ہے جس میں بستی جرم اور شادمانی کے لیے قائم ہوئی عقل و ضمیر کو لگی اور شادمانی کو دماغ والی رہ گیا۔ کیونکہ ان دونوں کے مطابق شادمانی کی جرم قائم نہ ہو سکتا۔ دماغ گواہوں کے ہر وقت سے بے سبب رنگ اٹھتے ہیں۔ یعنی اور بچوں پر دانت اور ہلکے رنگ سے جرم کی برسی کے ساتھ شعلہ لگی اور یہ دانت بھی پھٹتے ہیں۔ دماغ کی اپنی خاصیت اور بھولی میں رہتے ساتھ ہی جیوں کے رعب سفر باندھ دیا۔

۲۔ لغات : بر خود غلطیما : اپنے متعلق غلط انداز سے کرنا۔

بے وجہ شبہ یاں کرنا۔

تخل : برداشت، ضبط

شرح : کوہ فریاد کو کب حال ہے، جو ہوس نے بہا کر لیا، فہم میں جو رنگ اور رنگ پہنچتے ہیں ان کے بارے میں کیا کہا جاسے، میں تو یہ کہتا ہوں کہ کب تک ضبط و برداشت کے جھوٹے دلوں کی شرح کرتے ہیں؟

مضبوطی کہ قیہ کا کو کو اور تم، قابل برداشت ہے۔ اگر کوئی شخص برداشت کو سنے تو سمجھ لیا جائے کہ اس کے دلوں سے غلط ہیں اور کوہ فریاد کرنا حقیقتہً درد کو اظہار نہیں بلکہ یہ جھڑپ کا ایک حال ہے۔

۳۔ شرح : غصہ حال غریبہ درد مند استہ ذہن جھٹوں کے دھجوں میں

بھلا ہوا ہے۔ اسے وہ پاک فضا، جو مخلوق کی طبیعت پر مصلح کر رہی ہے، اس طرح سے کہ تک تغافل پر پناہ مانگے گا۔

کہاں بندگی گل ہے زمین آراوی

۱۔ شرح :

پھول کے خلق میں

فرخندہ کو گل پر

پہنچانا اس طرح پر وقت

ہے کہ کام وہ ہے

تغافل سے آراوی

حاصل کر کے ہر گز

پروں کی ایک طبیعت

پہنچانے کا جس طرح

کہا جا چکا ہے

جسے ہی طرف

کرنی پادشہ

نورست مشیت پر و خمار کشیں فریاد

نوازش لغتیں آشنا کہاں ، وہ نہ

ہر رنگ سے مجھے نہماں دور ہر دستوں فریاد

تغافل آئندہ خاموشی دل سے

ہوئی ہے محو بہ تقریب بہ امتحان فریاد

ہزار آفت و یک جان ہے نواسے اسد

خدا کے اسلے اسے شاو بے کہاں فریاد

مطلب : اگر اگر زمین پھول کی بندگی کو کہاں پر پہنچانا ہے اس سے کہ وہ اس سے کرا سکا ہے
سے کوئی خلق نہ کہنے سے اس لیے کہ خلق پھول سے خلق کا حق اور اس سے حق مطلق ہو گا
ہے، لہذا اس کے غفلت فرما کر نہ پادشہ۔

پھر تاں خلق و مخلوق میں ایک ہی ہے، اس لیے کہ وہ اس سے کرا سکا ہے وہ کہتے ہیں کہ
وہ خدا کی بندگی کا ہی ہے تو اسے اس کی چیز سے کہیں بھی نہ کہہ سکا، نہ کہ وہ اس سے
اگر وہ اس سے کہہ سکا تو خدا سے کہ خدا کی بندگی کا حق وہ اس سے کہہ سکا۔

۲۔ لغات : نوازش ، بھلا۔

شرح : انوس اچھے کوئی دینا سانس نہ دے، جو اس کی طبیعت میں

جہاں سے ہر آمادہ ہو اور نہ لے کی طرح میری قوتی پستی میں فریاد بھر ہی ہوئی ہے۔

لے کو سانس کے درخت بکایا جاتا ہے۔ شریانوں سے غالی ہوئی ہیں، اس لیے دھڑکنے سے عشاء ہیں۔ اگر انھیں بھی کوئی آغنا میں حقیقت شناس بچاتے کیسے ساتھ سے کہہ لے تو ہر آدمی سے فریاد کے ٹوٹ سکتے ہیں۔

۲- شرح : محبوب کے تقاضا نے میرے دل کو نہ سوش کا آئینہ دار بنادیا۔ خدا۔ یوں بھٹکا چاہیے کہ میرا امتحان ہو رہا ہے اور اس سب سے میں شریا بھی نظر نہیں آتی کے پتے رک گئی ہے۔

۴- شرح : ہزاروں نہیں ہیں اور ایک ہی ہے نوازندہ کی جہ ہے۔ اسے بیکوں کے بادشاہ و خدا کے بے میری فریاد کو پہنچے۔

۱- شرح : ظلم کرنا گدا سے عاشق پر نہیں شاہان حسن کا دوستو دوستو! مجھ ستم رسیدہ پر دشمنی ہے وصال کا مذکور زندگان پر اعتماد غلط ہے کہ ہر نامیوں کا دوست نہیں۔

۲- شرح : سے دوستو جس ستم کا نام تھا انہوں نے یہ سے وصال کا ذکر سہر دشمن ہے۔

۳- شرح : جہے کہاں قیصر اور کہاں فغفور کیجئے بھوں اشک اور قطرہ زنی اسے اسد ہے جنور دنی قدور

دشمن کی یہ بھرو سا کرنا بالکل غلط ہے۔ مہا بتاؤ، قیصر اور فغفور، جو ہیں ستم۔ بادشاہ نظر نہ کر رہا،

۴۔ شرح : اسے استاد انصاری طرح آپ بھی نظر وافی کرنے چاہیے۔ یہی
 ابھی آپ کو بہت مشقت کاٹتی ہے اور دل ہر آپ کی تیری مقصود ہے اور یہاں بھی
 پہنچنے دو رہتے ۔

ہر گرد بلا . حلقہ فتر تک بے خودی
 بجنون دشت عشق شحیر شکار تر
 اسے چرٹا خاک بر سر تعمیر کائنات
 لیکن بناٹے عمدہ وفا استوار تر
 آئینہ داغ حیرت و حیرت شکست یاس
 سیلاب بیقرار و استاد بے قرار تر
 ۱۔ شرح :
 جو بگورا تھا ہے اور
 بخودی کے شکار ہے
 کو ایک حلقہ ہے۔ عشق
 کے صحرایہ بجنون پہنچے
 سے زیادہ تر کائنات
 جو گیا ہے ۔
 مطلب یہ کہ ہر
 بگورا بخودی کو بڑھا

راہ ہے اور بخودی کی کائنات بڑھتی جا رہی ہے۔

۲۔ شرح : اسے آسمان کائنات کی بناوٹ کے سر پر خاک ڈال لیجئے گا اسے
 کا نیم غوا کی طرح بھی ہو۔ ہر گز پر جا نہیں ۔ لیکن وہاں دوسری کی یاد اور باز رہتا ہے ۔
 ۳۔ شرح : آئینہ حیرت کا وافی ہے اور حیرت ۱۹ انیسویں کا شکار ہے۔ پارا
 کتاب بننے اور استاد سے سے سے سے سے بڑھ کر کتاب ہے ۔

۱۔ شرح :
 نئی چیزیں پیدا کرنے
 کی محنت کا فریب
 نکلے دیکھ
 فریب محنت ایجاد کا تماشا دیکھ
 نگاہ عکس فروش و خیال آئینہ ساز

ہمدی نظر کس چہتی ہے اور خیال آئینہ سازی کرتا ہے۔
 فرہنگ جلوۂ حیات و خیرت آرا ہے
 آراہی ہے صفحہ خاطر سے صورت پرواز

خمر میں ایک خول ہے کہ لکھ کے
 جہم فکر سے دل مثل موج لڑے ہے
 کہ شیشہ نازک وصلہا ہے آباگینہ گداز

شے کا کس پر تپتا ہے، وہی دل تک پہنچتا ہے اور انسان کے لئے سے بھی کم وقت میں ہوا
 بتا ہے کہ وہ کیا چیز دیکھ رہا ہے، یہ قدرت نے چیز کی بنا سے کہ ایک سو خدا نے ہم کو رکھا
 ہے۔ میرا دیکھتے ہیں کہ یہ صفت بھی ایک دھوکہ ہے، لیکن دیکھنے کے لائق ہے۔

۲۔ شرح : حیات کا جلوہ دیکھتے ہی ایسی حیرت جاری ہوتا کہ دل بہاؤ سے
 کی صورت ہی باقی نہ رہی۔

۳۔ شرح : افکار کی کثرت سے دل موج کی طرح لرز نکلتا ہے۔ یہ شیشہ
 بہت نازک ہے اور اس میں شراب ایسی بڑھ گئی ہے جو شیشے کو گھٹا دینے والی ہے
 جہم فکر کو شیشہ پھٹا دیتے والی شراب اور دل کو نازک شیشہ قرار دیا۔

۱۔ شرح : صد تہی کدر ہے حرفِ بزمین غربت
 ہر فریب اور ہون۔

پیران میں ہے غبارِ شہرِ طوہر ہمنواز
 لیکن میری پیشانی میں
 پاؤں آراہ راہِ طلب سے میں ہوا
 سبز و زرد کی گستاخ

اتھ آگیا نہیں یک دانہ انگور ہمنواز
 ہر گھٹے کی برسات ہاں میں
 گل کھلے، غنچے چلنے لگے اور صبح ہونے
 کہ تمہاری جگہ کی کاغذ
 سرخوش خواب ہے وہ تر گس نمود ہمنواز
 اسی آتی ہے۔

اسے استاد تیرگی بخت سے ظاہر ہے ۲- شرح
 نظر آتی نہیں صبح شب دیو جو ہنوز
 یہ بھگت دوتی اس کے باعث پاؤں چھتوں سے بھر گئے شراب کی آبی اور بھی
 کھٹا آگوز گاہ ایک دن بھی دھت نہیں آیا

۳- شرح : یہاں کے ساتھ 'انھوں نے آتش کے ساتھ گھوڑی کی مسابقت ظاہر ہے اور یہ سب
 کچھ شراب کے لیے لگ دو ہیں پیش آیا۔

۴- شرح : یہاں کہہ گئے کیاں پٹنے لگیں۔ صبح ہو گئی۔ لیکن یہ سب
 کا مرہ بھری آگیاں اہیں کھٹا بند میں مسطہ ہے۔

۵- شرح : اسے استاد بخت براد کی تیرگی داخل ہے۔ یہ تیرگی نہ
 اسے کہیں آگیاں کھٹا نظر نہیں آتی۔

کون آیا ہاتھ نہیں بٹے تاپ استقبال ہے
 جنبش موج صبا ہے شوقی رفتار باغ
 آتش رنگ رخ بر گل کو بچھے ہے غرض
 بچے دم سر صبا سے گرمی بازار باغ
 کون گل سے نہفت و خاموشی بیکل کہ سکے
 نئے تان غنچہ گویا، نئے تان خار باغ

۱- شرح :
 کون آیا ہاتھ نہیں بٹے تاپ استقبال ہے
 یہاں اشارہ ہے کہ
 زخم ہوا تھا چہ ہو
 گیا ہے یہ صبا ہر رخسار
 کے رنج و ہجر آتش دہن
 غزل کا رنگ بکھارت ہے۔
 ۲- شرح :
 صبا کے غنچہ سے
 سے ہر مہول کے رنگ۔ رخ کی آگ بھڑک رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ آگ لگائی
 بازار صبا کی گرمی سرور کی برکت ہے۔

۳۔ شرح : بیل کے ضعف اور خاموشی کو کون چھوٹا کہ پہنچا کے دیکھنے کی زبان پر ہوتی ہے۔ زبان کے کاشے کی زبان میں قوت گزرتی ہے۔

۱۔ شرح : مٹی میرے ہی جملانے کو اسے آدھ شعلہ ریڑا اسے چکاریاں بولتے
گلچر پر پڑا نہ غیر کے کوئی شرار، حیث
گلچر جو نے کیلئے
گلچر ہی ہے کسی خفقانی مزاج کا
کوئی جگہ کی فیر میں
گلچر ہی ہے ہم نراں سے ہمار حیث
ہیں میری مشتبہ خاک سے اس کو کدور میں
پانی جگہ بھی دل میں تو ہو کر غبار حیث
ہی۔

۲۔ شرح : چوڑی کی بے شغف
گلچر معلوم ہو جائے
میں کے مزاج پر غصہ
غالب ہو۔ آدھ ہزار نراں کے خوف سے گلچر ہی ہے۔ خفقان کی نصیحت ہی سے
کردہ ہر شے سے ڈرنا اور گھبراتا ہے۔ یہی کیفیت چوڑی پر عامی ہے۔ اس سے نتیجہ
یہ نکلا کہ بیاد نراں کے خوف سے ڈر رہی ہے۔

۳۔ شرح : میری مشتبہ خاک بھنہ میری ذات سے محبوب مکتور ہے۔ انہی
بھنہ سے دل میں جگہ بھی تو غبار ہی کر دی۔

۴۔ شرح : اسے استاد! میں محبوب کی رنگہ کی سرسری ہوا۔ انہی
کردہ شہسوار میری خاک پر ڈالا
خاک سے غم ہی مراد کی یا سکتی ہے اور تیر ہی۔

تاقیامت شبِ فرقت میں گزر رہا ہے گی عمر

شرح :

قیامت تک ادا ہو کر
بدائی کی سات سو ہیں

سات دن ہم پر بھی بھاری ہیں سحر و سحر

بہت ہائے گی۔ ہم پر صرف سات دن بھاری ہیں، پھر صبح ہو جائے گی۔

سات دن سے ابھر مراد ایک ہفتہ ہے جو چار سو اسی دنوں میں بھی ہوا ہوگا

آگے ہیں پارو ہائے جگر درمیانِ اشک

۱۔ شرح :

آنسوؤں کے ساتھ ہجر
کے ٹکڑے ہیں آگے

لایا ہے عملِ بیش بہا کا رو ان اشک

ہیں۔ کچھ چاہیے گا انوں

کا کھل دینا لیت ہو

سے کرا رہا ہے

نہ نے نہ نے طاقت اتنی نہ چھوڑی کہ ایک بار

شرکاء کو دوں فشار دے شے استخوانِ اشک

شعر میں جگر کے ٹکڑوں کو پیش رہا انوں سے نصیر دی ہے۔

۲۔ شرح :

ہیں، دوسرے دوسرے اس قدر کرب و ناتوانی ہو گیا ہو کہ اتنی طاقت

میں نہیں رہی، آنسوؤں کی بجائی نہ مل سکے یہے پکیں ایک مرتبہ بچاؤں۔

مطلب یہ کہ بچاؤ کر دیکھ لوں، آنسو آتے ہیں یا نہیں؟

اسے گزیر شہید و فدا انوں بہانہ مانگ

۱۔ شرح :

اسے فدا ہوا گئے

وفا کی شہادت طلب

ہوئی ہے اس سے

انوں کی نصرت مانگا

چاہیے۔ حق کام صرف

جز بھیر دست و بازو سے قاتل و عائد مانگ

برہم ہے بزمِ خنجر، یہ ایک جنبشِ فضا ط

کا شانہ بیکہ تنگ ہے خفا فل انوار مانگ

ہیں دور گردِ برحق رسومِ نیار ہوں

رخسں سمجھ، دے نگہ آستانہ مانگ

یہ سبھی اچانک کے ہاتھوں اور بازوؤں کے لیے دعا و تگ کو وہ سلامت رہیں اور مجھے
مومن بناتے ہیں۔

۲۔ **مشرع :** اکی کی غلطی کی ایک ہی جہش سے درجہ برجم ہو جاتا ہے۔ یہ
گھر بہت تنگ ہے۔ اسے غلطی اس کے لیے ہوا کی طلب کر۔

اکی غلطی میں اگر گھسکتی ہے اور اس کی پیکر زبان غلوڑی ہی دیر میں وہ درجہ برجم ہو جاتی
ہے۔ وہ ہوا کی گزروں میں ہوا چلی رہتی ہے۔ اسے غلطی آتا ہے۔ اس سے پہلے
تھے۔ حج اگر بہت تنگ ہے۔ اس لیے ہوا کا غلوڑا نہ ہو اس کے آستے ہی یہ اگر بھی
سلامت نہ رہے گا۔

مشرع : مرگاہاں تنگ رسائی تخت جگر کہاں
جگر کے تخت سے کیوں
اے داسے گر فگاہ نہ ہو آشنا سے گل
تک نہیں پہنچ سکتے۔

جب یہ ملے نہیں تو اس میں اگر جبر میں تگ و پھول کی آشا۔ ہو۔

مہب یہ کہ اگر تو جگر کے ٹکڑوں کو مرگاہاں تک نہیں آسکتا تو کم از کم پھول کی غنیمت
سے قرآنا ہو جا، جو کچھ ہی سرا پا غلوڑی ہی جاتا ہے۔

۱۔ **مشرع :** بدرجہ آتشیہ طاقی بلال

غافلان ! نقصان سے پیدا ہے کمال

نور سے تیرے ہے اس کی درخشنی

ورق ہے خورشید یک دست سوال

شورِ حشر اس فتنہ تمامت کے حضور

سایہ آسا ہو گیا ہے پانحال

جہاں ہوا کی آوازوں کا

آہستہ ہے۔ بہت دال

بر حال ہی ہے۔ بے

کا۔ غلوڑا بر نقصان

میں کمال نہیں ہے۔

جال یعنی دیا گیا نقصان

جو جو بخیل پیر و فکیر است

کی حکومت ہے۔

نقحہ منقار گل ہو زبیر بال

زہی بال نہ منقار ہے

پنا نقصان ہو کر کے

اور کوئی نہ پنا ہے۔ گو نقصان ہی سے کمال پیدا کرتا ہے۔

۱- شرح : اسے خدا ! سوچ کر۔ دشمن مرید حیرت و شگفتگی سے مفلج ہے۔ اگر

یہ تو ان کے لیے خیرا بخش : جو تو اس کی طبیعت ایک دوست سوال کے سوا کیا ہے ؟

یعنی ایک : حق ہے۔ جو ان کے لیے پیدا ہوا ہے۔

۲- شرح : میرے محبوب کا دوست فقیر پیدا کرتا ہے۔ اس کے سامنے

قیامت کا خوف بھی میرے کی طرح پال ہے۔

۳- شرح : اگر بیل اس کے تنی عمر کی پیر کی کرے تو اس کی پیر کی کی

پیر کی کرے تو خود کو بھول ہی جاتے۔

بہر عضو غم سے ہے شکن آسا شکستہ دل

شرح :

میرا جو نہ ہو نہ ہو نہ ہو

بہتوں شکن کی مانند

جوں زلف یار ہوں میں سراپا شکستہ دل

دل شکستہ ہے۔ میں سرستہ پاؤں شکستہ زلف محبوب کی طرح ایک تو آنکھوں میں ہوں۔

بہم غلط سمجھے تھے۔ لیکن زخم دل پر رحم کر

۱- شرح :

اسے سچ وصال : میرا

پنا غلط فہمی سے

انکار ہو گئے ہیں

معلوم ہوا کہ ان کے

پروردگار کی حق

آخر اس پر دے میں تو بستی تھی اسے صبح وصال

شکوہ درد و درد و داغ اسے ہے وفا معذرت کے

خوں بہا کے یک جہاں اُمید ہے تیرا خیال

مضی، اب اس پر دم کر۔
 مطلب یہ کہ بیچ وصال
 اس کو نصیب ہوتی ہے
 جس کا دل نرمی ہو۔
 اس جفا مشرب پہ عاشق ہوں کہ سمجھے ہے اسے

۲۔ **شرح :** میرا شکوہ درد و بناء و درد کے دارا کی صورت اختیار کر لے۔ اسے
 بے وفا، بے معذور سمجھو۔ حیرانیاں امید کی پوری دنیا کا غولیا ہے۔

۳۔ **شرح :** اسے اسے ! میں اس تم چہ محبوب پہ عاشق ہوں نہیں کہے
 نزدیک شئی کا مال ہائے اور صوفی کا خون حلال ہے۔

اس شعر سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ میرزا اپنے آپ کو شئی اور صوفی دونوں
 قرار دے رہے ہیں۔

۱۔ **شرح :** گر کر سے انجام کو آغاز ہی میں یاد، گل
 اگر بھول آواز ہی میں
 غنچے سے، منتقار بلیل وار ہو، فریاد، گل
 اہم کو یاد کر لے تو کی
 سبھی عاشق پہنے فروغ افزائے آپ رہنے کار
 کی حالت میں ہی بیل کی
 ہے شرار تیشہ بہر تربت فراد، گل
 چو کا کی طرح سوزا فراد
 ہی بادے۔

۲۔ **شرح :** عاشق کی سہی دکوشش ہی سے اس کے کام میں رفتی اور
 قرب و درہست زیادہ ہوتی ہے۔ دیکھیے، فراد نے پھر یہ تیشہ چلا دیا۔ اس سے جو تیشہ
 لگے، وہی اس عاشق کی قبر کے لیے بھول ہی گئے۔

شرح : شوق بے پروا کے ہاتھوں مثل ساز تلوہ دست
 دل شوق بے پروا
 کھینچتا ہے آج نامے خارج آہنگ، دل
 میں جھٹکا ہے اور جھٹکا

جو سنہ ساز کی طرح ہے سرے سے اسے کچھ رہا ہے۔

”شوقی بلے پر وہ کامیاب ہے وہ وقت تو ہر شے سے بے پروا ہو رہی رہے
ہے کہ اسے بلے سر کی فریاد و غلامی میں کبھی کوئی باک نہیں۔ ایسی فریاد و غلامی کو گوارے
کونے ساز کی صدا قرار دیتا ہے مہر موزوں ہے۔“

۱۔ شرح : جو تقدیر حوصلہ عشق جھوٹا ریزی ہے
وگر نہ خانہ آئینہ کی فضا معلوم
مطابق اخبار کی بارش

بوقت ہے۔ اور وہ اپنے فلسفے کی تھا پیا گیا۔ کھتا ہے !

میرا جہ ہے کہ انسان عشق لینا جو درجہ حاصل کرے اسی کے مطابق وہ میں بھٹا
پیدا ہوگی اور نہ دل میں بھٹے خود کیا کھتا ہے !

۱۔ شرح : فرط بلے خوانی سے ہیں شہانے ہجر یار میں
جوں نہ ہاں شمع داغ گرمی افسانہ ہم
جوں سے جہان کی
دقوں میں ہر سونے کے
اور نہ اب شمع کی دق
گرمی افسانہ کو دق ہے
چمکے چمکے جلتے ہیں جوں شمع اتم خانہ ہم
- - -

مضبوط کہانی تیرا داستان وہ سناتا ہے۔ جس طرح شمع جلی جلی کر سوز کی دھواں
جاتی ہے۔ افسانہ میں ہے کہ باغ میں شمع داغ کی صورت اختیار کر لی۔

۲۔ شرح : افسانہ محبوب خیروں کی تسلی کا شمع و چراغ بنا لیا ہے اور ہم ہاتھ لگنے
کی شمع کی طرح چمکے چمکے جلی رہے ہیں۔

۱۔ لغات :

شعلہ درودن :

شعلہ کا نام دین شعلہ

نام رکنا۔

شرح :

ہم دل کی پیش کر شعلہ

کر کے چنگاریاں بوسجہ

ہیں۔ اس سے شعلوں

کی فصل تیار ہو رہی ہے

ہمارے سامنے کو جیسے

کو شعلوں کی فصل بونے

سے باز نہ ہے اور

بدستور یہ پیداوار جمع کرنا چاہئے۔

۲۔ شرح :

ہم نے کائنات کا باغ دیکھا اور اس سے بھول بیٹھنے کی قضا پیدا

ہوئی۔ اسے یہاں پیدا کرنے والی ذات پاک : ہمیں کہتے گناہوں کا انکار ہے۔

مطلب یہ کہ اس دنیا کی کسی چیز سے ہمیں سروکار نہ ہونا چاہیئے تھا اور لازم تھا

کہ تیرے سوا کسی کی قضا نہ رکھتے، لیکن تیرے ہزار آفرین کی بدولت ہمیں مختلف چیزیں زیادہ

گئی اور ان کی طرف توجہ مرکوز نہ کر کے یہ گناہات اور جہنم اس کا قرار ہے۔

۳۔ شرح :

ہمیں نہ گریہاں کا ذوق ہے اور نہ دامن کی پروا ہے۔ ہم بھول اور

گناہوں سے آشنا ہو چکے ہیں۔ یعنی بھول گریہاں پاک کر بیٹھتے ہیں کہ شعلہ دامن اچھا لگتے ہیں۔

جب ہم شعلوں میں جڑوں سے آشنائی پیدا کر لی تو گریہاں دامن کو پہاڑے رکھنے کی کیا صورت

بالی رہیں ؟

نفس ہو نہ معز ولی شعلہ درودن

کہ شعلہ پیش سے شرکار ہیں ہم

تماشاے گلشن، تمنا سے چسپاں

بہار آفرینا، گنگناہ ہیں ہم

نہ ذوق گریہاں نہ پروا سے داماں

نمک آشنائے گل و خار ہیں ہم

استد! شکوہ کفر و دعا تا سپاسی

ہجوم تمنا سے ناچار ہیں ہم

ہم نے کائنات کا باغ دیکھا اور اس سے بھول بیٹھنے کی قضا پیدا

ہوئی۔ اسے یہاں پیدا کرنے والی ذات پاک : ہمیں کہتے گناہوں کا انکار ہے۔

مطلب یہ کہ اس دنیا کی کسی چیز سے ہمیں سروکار نہ ہونا چاہیئے تھا اور لازم تھا

کہ تیرے سوا کسی کی قضا نہ رکھتے، لیکن تیرے ہزار آفرین کی بدولت ہمیں مختلف چیزیں زیادہ

گئی اور ان کی طرف توجہ مرکوز نہ کر کے یہ گناہات اور جہنم اس کا قرار ہے۔

۳۔ شرح :

ہمیں نہ گریہاں کا ذوق ہے اور نہ دامن کی پروا ہے۔ ہم بھول اور

گناہوں سے آشنا ہو چکے ہیں۔ یعنی بھول گریہاں پاک کر بیٹھتے ہیں کہ شعلہ دامن اچھا لگتے ہیں۔

جب ہم شعلوں میں جڑوں سے آشنائی پیدا کر لی تو گریہاں دامن کو پہاڑے رکھنے کی کیا صورت

بالی رہیں ؟

۴۔ شرح :

ہم نے کائنات کا باغ دیکھا اور اس سے بھول بیٹھنے کی قضا پیدا

ہوئی۔ اسے یہاں پیدا کرنے والی ذات پاک : ہمیں کہتے گناہوں کا انکار ہے۔

مطلب یہ کہ اس دنیا کی کسی چیز سے ہمیں سروکار نہ ہونا چاہیئے تھا اور لازم تھا

کہ تیرے سوا کسی کی قضا نہ رکھتے، لیکن تیرے ہزار آفرین کی بدولت ہمیں مختلف چیزیں زیادہ

گئی اور ان کی طرف توجہ مرکوز نہ کر کے یہ گناہات اور جہنم اس کا قرار ہے۔

ہم نے کائنات کا باغ دیکھا اور اس سے بھول بیٹھنے کی قضا پیدا

جسے۔ اور تمنا تھی، اتنی پیدا ہو گئیں کہ ہم بالکل جتے ہیں۔ دنگے۔

مطالعہ یہ کہ تمناؤں کی فراوانی نے ہم سے شکایت بھی کر لی اور دعا بھی۔ جیسے دعا کرتے جسے کہ تمنا تھی۔ یہ ہو جانے والی تھی کہ یوں تو شکایت شروع کر دی۔ جہاں کہہ دو تو یہ چیزیں بخود نہیں دعا کا مطالعہ تھا کہ جو کچھ اس نے دیا اس پر ہم نے اتفاق کیا جسے نہ کی اس طرح کھڑکے مرکب ہوئے۔ شکایت اس لیے کی کہ جو کچھ اس نے دعا کیا تھا، اسے کافی سمجھا۔ یہ مسیح ہنگوڑ تھی تھی۔ ہم ایسا نہ کرتے، مگر ان لوگوں کی فراوانی میں جتے ہیں جا کر رہیں۔

صبر اور رجا اور اگر دل آگے سے اسیر ناپاک
۱- شرح : دلوں میں صبر کا گروا ہونا
درد اور یہ کہیں کہ وہ نالہ وا کروں
اور حال ہے جسے کہیں

ہوں۔ دل چاہے گریہ میں قید ہو کر آئے۔ یہی کہ بہانہ پاس کروں تو دل بھی نہ تھکے
آئے۔ درد ہو رہا ہے اور اس ٹھانے میں بیٹھا ہوں کہ آؤ فرماؤ کوئی راستہ نکال جائے
جا کر دل کی بھر اس نکل جائے۔

وہ اتنا حسرت بیداد ہوں کہ میں
۱- شرح : تجھے علم بھی کیا نہ تھا
تبعِ ستم کو پشتِ فہم انتخاب کروں
کا اتنا شوق ہے کہ
وہ لیے دماغِ مقتبہ اقبال ہوں کہ میں
اس کے لیے ہاتھوں
وحشتِ چوہا رخ سایہ بالی جہا کوں
اتنا حسرت کیا ہوں
اور اتنا حسرت جو علم بھی

پر نہیں بلکہ علم و جہر کی توفیق کے ہم کو نہ تھی بلکہ کا فہم جاگ رہا تھا کہ ہوں۔

۲- شرح : اقبال کی انسانیت سے ہیں اتنا گہرا ہوں اور پرانی ہوں

ہوں کہ اگر بھاسکے پروں کا ساچ بھر پر پڑا سکتے تو اس کو دریا و کھجور ڈور بھاگ جاتوں۔
 نجا کا سلیہ بہت باہر گتہ لانا ہوتا ہے اور اسے اقبالی مندری کی دہلیں سمجھا جاتا ہے۔
 لیکن غلبہ اس سے اتنا گھبرائے ہیں کہ سلیے کا دریا بھی کہیں دیکھ نہیں تو دور
 بھاگ جاتیں۔

۱۔ لغات : فلک مسئلہ بے مہا با ہے
 بے مہا با اپنے تری
 شرح : اس ستم گر کو انفعال کہاں
 کہیں آسان بالکل ہے
 جو سے میں وہ مضائقہ نہ کرے
 ترس و ہراسہ نہ ہے
 پر مجھے طاقت سوال کہاں
 اس نام کو پتہ کسی
 علم پر مشر مند کی کہاں ہوگی !

۲۔ شرح : میں سمجھتا ہوں کہ محبوب اس سے دیکھنے میں ناکامی دیکھنے کا۔ لیکن
 یہی میں ایسا سوال کرتے کی قوت ہی کہاں رہی ہے ؟ ضعف کا یہ عالم ہے کہ کوئی سوانہ بھی
 پر نہیں نہیں سکتا۔

لغات : آفسو کہوں کہ آہ اسوار ہوا کہوں ؛
 عنان گیسو ؛
 ایسا عنان گیسو آیا کہ کیا کہوں ؛
 بگ ٹیٹ ۔ بھونڈ
 تیز رفتار ۔

شرح : محبوب اتنی تیز رفتاری سے آیا کہ سمجھ ہی نہیں آتا ۔ اس آمد کو
 کسی چیز سے تشبیہ دونوں آفسو کہوں جو ہے اختیار گنگھوں سے ٹپکے پڑتا ہے یا
 کہوں کہ بھواس کے دوش پر سوار آیا ۔

میتر کے شعر کا احوال کون کیا غالب

شرح :

اسے غالب و میر تقی
کے شعر و سخن کا کہتے

جس کا دیوان کم از گلشنِ کشمیر نہیں

کہا یہاں کروں ! اس کا دیوان تو رونق و عناقِ دربار میں دیا نہیں ہے کم نہیں۔
یعنی اس میں عاقبتِ افکار اور متکلفہ معانی کی فراوانی ہے۔

کسی کو زخوردستہ کم دیکھتے ہیں

شرح :

ہم نے کسی کو پتھری
سے زخوردستہ نہیں

کہ آہو کو پا بنسدرم دیکھتے ہیں

یعنی زخوردستہ کم دیکھا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ میرن میزد ہو کر بھاگتے ہیں ہم نے تو انہیں
بھی روڑے کے پابند دیکھا ہے یعنی انہیں بھی زخوردستہ نہیں کیا ہو سکتا۔

ناگوارا ہے جہیں احسانِ صاحبِ دوستاں

شرح :

جہیں دوست و احباب

احسانِ برادر گوارا نہیں

سچے نہ گلی بھی نظر میں تو ہر فو لادیاں

۱۱۔ لیکن گوارا جو اہم فو پھولی کے زیر سے کو بھی فو د کے زیر سے جکتے ہیں۔

پھولی میرن تو زیرہ ہوتا ہے اس کے نہ گلی جکتے ہیں وہ عینِ دوست میں نہ نہیں ہوتا

لیکن میرن کو وہ تمندوں کے احساں سے اتنی دشت ہے کہ وہ گلی کر بھی نہ اس پر دشت

نہ ہے۔ فو د کے جو ہر کہ طرح کاٹ ڈالنے والی چیز جکتے ہیں۔

ہے نزاکت بسکہ فصلِ گل میں مسمار چمن

۱۔ شرح :

ہو کر کاموم آئے۔

نہ اسے بڑا گل نہیں

قالبِ گل میں فصلِ گل ہے خشک و یوار چمن

معدودہ جہ کی نسبت : وقت ہے گر پھیل مسکین زلفینانی کرے
 جسے کرنا کی دیوار : یوسف نکل جلوہ فرما ہے : بازار چین
 کو روایتیں لگی ہوئی ہیں : وہ بھی پھول کے غلبہ میں ڈھالی گئی ہیں۔

مقصود : ہے۔ فصل بہار میں بارش اس دہر ترو تارو اور شاداب ہو گیا ہے
 کہ دہر کی کوئی بھی چیز نہ تھکے نہیں رہی۔ بلکہ معدودہ جہ کی طرح اور نازک ہو گئی۔
 یہاں تک کہ دیوار چین میں بے شمار پھول آگے آئے ہیں۔ وہ کہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ
 دیواری دیوار کی آئینیں غلبہ میں ڈھالی گئی ہیں۔

۲۔ **شرح :** وقت آگیا ہے کہ پھل مسکین زلفینانی کا منصب اختیار کرے۔
 کیونکہ پھول کے یہ صفت لے کر بارش کے بازار میں جلوہ دکھانا شروع کر دیا ہے۔

۱۔ **شرح :** کس دل پہ ہے عزم صعب مرگان خود آرا
 اسے محبوب : تیری
 آئینے کی پایاب سے اتری ہیں سپاہیں
 پگڑی کی سمت اپنے
 دیوہرم آئینہ : شکر ابرقت
 آپ کو آواز کر کے
 دانا ندگی شوق تراشے ہے پنا میں
 نکلے جہ : دانا ندگی اس
 وقت بے کس کے

دل کا تعہد کیا ہے اور کس پر عزم مقصود ہے ؟ آئینہ سانسے رکھ کر ٹوٹے جو یہ فوج
 تیار کی ہے۔ گویا یہ آئینے کا وہ پایاب ہے کہ آئی ہے۔ یہ کس پر پوریش کرے گی ؟

۲۔ **شرح :** بخارا اور گجرات کی ہیں : محبوب حقیقی کی آرزو وہاں میں تازہ کرنے
 کے آئینے ہیں۔ میں دونوں جگہ اس محبوب کی آرزو پہرانی جا رہی ہے۔ ہم سے چوتھو
 نو کہیں کا حلق پھٹ پھٹے جھلک گئے تو اس نے کچھ دیر سست کرنے کی عرض سے پناہ مانگی
 تماشائی ہیں۔

- کی متعلقات ستارہ شناسی میں عمر صرف
تیس سال لگایا ہے۔ زمیں پر گاہیں چکریہ ہوں
نظارہ ہیں میری شکل میں انہوں نے نشان
ہوں ستارہ پشت دست سے دناں گزیرہ ہوں
ہوں گری نشاۃ تصور سے نغمہ سنج
ہیں غنڈ لیب گلشن نا آفسیدہ ہوں
پیدا نہیں ہے اصل تگ و تاڑ جستجو
مانند موج آب۔ زبان بریدہ ہوں
سر پر سے دیاں ہزار آرزو رہا
یارب! میں کس غریب کا بخت رسیدہ ہوں
میں بچے بہتر کہ جو ہر آئینہ تھا عبث
پاتے نگاہ خلق میں نہاد غلبہ ہوں
میرا تہاڑ و عجز ہے مضرت بنان۔ اند
یعنی کہ ہندو سے قدم تا خرم ہوں
میں تصور میں غلبہ و نشاۃ کے جوش سے نغمہ گاہ ہوں۔ سمجھ گیا چاہیے کہ میں
دش کی ہل ہوں تو ابھی تک دیا نہیں ہوں۔
- ۱۔ لغات :
متعلقات : نشان
مندی۔
شرح :
میں ہی انہوں نے
قبیلہ ہوں جو غریب
سے چلے گئے میری
ساری عمر میں ہے
گنتی میں بس رہی۔
انہوں سے
میں انہوں نے
آخر ستارہ قمریہ
۲۔ شرح :
میری شکل میں ہے
انہوں کی حالت
نہاں چاہیے کہ
نکلی کی جہ ہوتی ہے
اس سے کہ وہ ہوتی ہے
یہاں کہ ہوتی ہے۔
۳۔ شرح :
میں تصور میں غلبہ و نشاۃ کے جوش سے نغمہ گاہ ہوں۔ سمجھ گیا چاہیے کہ میں
دش کی ہل ہوں تو ابھی تک دیا نہیں ہوں۔
- ۴۔ شرح :
کہ معلوم نہیں کہ میں غلبہ و نشاۃ کے جوش سے نغمہ گاہ ہوں۔

اس کا مقصد اور غرض و غایت کیا ہے ؟ میں یا فلاں کی کھرب کی کھرب ہوئی نہ رہے ہوں۔
 موج آب : گو کہ پانی بڑا بہہ دے گا، جو نہایت موزوں تطبیق ہے۔ ساتھ ہی یہ
 واضح ہو گیا کہ موج آب ہر وقت تک دو دو میں لگی رہتی ہے۔ لیکن اس کی جگہ دو دو کا مقصد
 واضح نہیں۔ چند لفظوں میں ایسے عجیب و غریب معانی اس خوبی دو دو کا ویز می سے بھی کر
 دیتا و آفتی اولیٰ مجھڑ ہے۔

۵۔ لغات : تختہ ر میہدہ : سچا گاہنوا فیض : اس کا نام راحت ہے۔
 ہوئی قسمت ۔

شرح : میری گردن پر ہزاروں آرزوؤں کا وہاں موجڑ ہے۔ اجنی جتنی
 آرزوئیں ہیں، ان میں سے کوئی بھی پوری نہ ہوئی اور ان کو وہاں سر پر رہ گیا، اسے غلام
 میں کس غریب کی بھرتی ہوئی قسمت ہوں !

آرزو پوری ہو جائے تو وہ خوش نہیں کی دلیل ہے۔ پر یہی نہ ہو تو اسے ایسے کے
 سر پر رہاں بھتا ہے۔

۶۔ لغات : غار علییدو : چٹھا ہوا کٹا، کھٹکا ہوا کٹا۔

شرح : آپ ایسے جہ ہر سمجھ میں۔ لیکن میں آئینے کا جو ہر تھا، یعنی
 نواہی آئینے کی، یہی قدر و قیمت میری وجہ سے تھی، اسوس کو کسی نے قدر و قیمت
 نہ پہچانی اور وہاں سے مجھے پاسے نکال دیا کھٹکا ہوا کٹا سمجھ لیا۔

کاتھ اور جوہر کی مناسبت نتائج تشریح ہیں۔

۷۔ لغات : مصفت بنان : بتوں کے پتے یا قیمت۔ کچھ خرچ کیے
 بغیر بتوں کے ہے۔

شرح : اسے اسد : میری نیاز مندی اور عاجزی میںوں کے
 پتے منہ سامنے ہے۔ انیس کا کچھ خرچ نہ کرنا پڑے گا۔ گویا میں غلام ہوں، جو عام آدمی
 دے بغیر خرید لیا گیا۔

نہ انشا، معنی مضمون، نہ املہ، صورتِ موزوں : لغات :
 عزایت نامہ ہونے اہل دنیا ہرزہ عنوان ہیں ہرزہ عنوان : معنی
 کے ہونے بے معنی ہوں :
 ہیں یہ لفظ، جس سے کسی کو کوئی فائدہ نہ پہنچے۔

شرح : اہل دنیا عزایت نامے سمجھتے ہیں، وہ دیکھتے ہیں، جس سے کسی کو
 کوئی فائدہ نہ پہنچے کیونکہ ان کی عیادت سے کوئی مضمون نکلا جا سکتا ہے اور ان
 کی کھالی کی صورت درست ہو جاتی ہے۔

جس خط کا اہل اور دست اور عبارت بے معنی ہو اس سے کسی کو کیا فائدہ پہنچ
 سکتا ہے ؟

اسے نواساز تماشا، سر بہ کف جلتا ہوں میں : لغات :
 اک طرف جلتا ہے دل اور اک طرف جلتا ہوں میں :
 شمع ہوں لیکن بہ پاد و رفتہ خارِ جستجو :
 مد عالم کردہ ہر سو، ہر طرف جلتا ہوں میں :
 ہے تماشا گاہِ سوزِ تازہ ہر یکِ عضو تن :
 جوں چراغِ غالبِ دہالی صفت بہ صفت جلتا ہوں میں :
 شمع ہوں تو بزم میں جا پاؤں غالب کی طرح :
 ہے محل اسے مجلس آرا سے نہج جلتا ہوں میں :
 کی خبر ہو رہا ہوں۔

۲- **شرح :** میں شمع ہوں، لیکن اسی شمع، جس کے پاؤں میں تھوڑا سا کافور
 جمع کیا ہو۔ میرا اصل مقصد کم بیگیا، ناپ برطرف جلتا پھرتا ہوں۔ اسی حال میں کھانا کھا
 گیا۔ بچ نہیں کر مقصد کو نشان کر۔ ۱۰ جوں اور نہیں مٹا۔

۳- **شرح :** میرے جسم کا تھوڑا تھوڑا فی میں کتا لگا گا ہے۔ میری کیفیت
 دوائی کے چراغ کی ہے، جو قنداروں میں جلا کرتے ہیں۔

۴- **شرح :** اگر میں شمع ہوں تو مجھے غائب کی طرح کسی محفل میں ٹھہر جانی
 چاہیے۔ اسے مختلف اشرف میں جس آواز سے دے رہا ہے۔ اسے حضرت علیؑ
 اب نور میں ہے، موقع دینے کی جگہ رہا ہوں۔

۱- **شرح :** طلبہ مستی دل آں سوے ہیوم سرشک
 آ نکھوں میں آنسو اٹھ
 آئے ہیں، لیکن دل کے
 مست ہوئے لا موقوف
 اور محل ان آنسوؤں
 سے آگے بڑھ رہے ہیں
 بکھیج کر ہوا ایک شراب
 خاندہ دریا کے پار بھی
 ہے۔

جنون فرقت یاران رفتہ ہے غائب
 محبوب روئیں گے تو دل
 بسان دشت اول پڑ غائب رکھتے ہیں
 صحت و جنون بچھائے

کا گرا آنسوؤں کا دریا جو، کہ میں گے تو شرارت طشت میں پھینک دیاں گے۔

۲- **شرح :** جانا رہا ہے ٹوٹ و فطر جانی تھا۔ ہم نے صبر سے کام

لیا اور وہ تیسری ہی گیا۔ دیکھیے۔ انٹرویو کے ہزاروں انٹرویو کے لوگوں کی طبیعت۔ کھتے
میں۔ دیکھیں ان سب پر ناخوشی مل ہے۔

مسور۔ مشرح : جم دانگ چہ ماہرین، جو امری شہیت کی نہیں دیکھیں وہ اس کو
بیوی جونی مریت کی طرح جھاڑتے ہیں ہزاروں والی ہیں اور یہ سب دیکھ کر رشتہ
کوتلے رہتے ہیں۔

مذکورہ اصولی تصور کی دو صورتیں ہیں جو اس سے مراد نظر آتی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے اور دوسری شکل یہ ہے۔
تو پہلی کی طرح پہلی صورت میں نظر آتی ہے۔ اس کے خلاف کہیں ٹھہرنے نہیں، بلکہ اس کے خلاف
جوتے ہیں، مضافاً اس کے کہ اس میں کوئی قرآن و حدیث و غیرہ سے کوئی عقلمانیوں نے
یہی عقار سے کہ مذکورہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے اور اس کو کام نہیں لے سکتے۔ مضافاً اسے
نیکو اس کہنا۔

۴۔ مفسر : اسے غالب : میں گھڑے جو سے دوستوں کی جہانی نے
 دروازہ دیکھا ہے۔ چاروں بھی ممبروں کے لئے ہے۔

توئی ہیں آب شرم کو شمش بے جا سے تیریں شرح :
عرق ریز تیش میں موج کی مانند زنجیریں
باقی بانی ہو گئیں۔ دلیا توں کو جو زنجیر پہناتی تھیں تیش کے باوجود ان سے بہرہ کی
طرح پرستہ ہو گئے۔

تصویر پر یہ یقین کہ وہ جوانوں کو کھینچ کر چھوڑے گا اور وہ ان کی کامیابیوں کو دیکھ کر ہنس کر رہے گا۔
 لیکن یہ کوئی حقیقت نہیں ہے۔ وہ خود یقیناً جتنا کام کرے گا، اتنا ہی کرے گا۔
 ہر شخص سے توقع ہے کہ وہ اپنے آپ کو اگلی اور بہتر دلی طرح بننے کے لئے لگا، گویا ایک نیا انسان۔

شرح : کس کو دلوں یا روپ کا حساب سوزنا کیسا مشکل
 اسے میرے افتد؟
 میں اپنے دل کی بات
 آمدورفت نفس جزو شعلہ پیمانی نہیں
 کا حساب کئے دوں؟ میں یہ سب لپٹا چاہیے کہ سانس کا آنا جانا ششے ناپنے کے سوا
 کچھ نہیں۔
 مطلب یہ کہ سانس آمدورفت میں شعلوں میں پر چتا رہتا ہے۔ اس کا حساب
 کوں کر سکتا ہے۔

۱۔ لغات : ہو سکے کب تکلفت دل، مانع سیلان اشک
 تکلفت : تکلف
 سوز، بے کینی۔
 گرد ساحل سنگ راہ جو شش درد یا نہیں
 ہے طلسم دہر میں صد حشر پاداش
شرح : دل کی تکلیف انسانوں
 آگہی فاضل کہ یک امروز بے فردا نہیں
 کاوش نہیں۔ رک
 سکتی۔ مثال یوں دیکھو کہ ساحل دریا کی مٹی دریا کے بہاؤ میں نہ لٹک کر پیدا نہیں کر سکتی۔

۲۔ شرح : ذرا بے کاسم ایسا تیار کیا گیا ہے کہ اس میں ہر عمل کے بدلے
 کے لیے یکروزوں حشر موجود ہیں۔ لیکن انسانی تصور غافل ہے اور نہیں جانتا کہ یہاں آج
 تک کوئی امروز پیدا نہیں ہوا، جس کے ساتھ فردا نہ لگے ہو۔ یعنی انسان آج جو کچھ
 کرتا ہے، کل اس کا بدلہ مل جاتا ہے۔ پھر کیوں نہ ہم سمجھیں کہ یہاں ہر وقت حشر چاہے،
 انسانی اعمال کا جائزہ لیا جا رہے، ساتھ ساتھ بدلہ دیا جا رہا ہے؟

۱۔ لغات : سجد وطن سے باہر اہل دل کی قدر و منزلت
 عزت : گوشگی
 عزت آباد حدوت میں قیمت گوہر نہیں
 تنہائی۔

شرح :

باعث ایسا ہے برہم خود ہی برہم سرور
 کوئی کے گوشہ میں نہ
 کشت کوئی شیشہ لب کست جز فشر نہیں
 کب تک پھیرے اسد فہرے فشر پر زباں
 طاقت لب تشنگی اسے ساقی کوثر نہیں
 نکل کر باہر آجے تو

کبھی تازہ دھند کا ذریعہ بنتا ہے، کبھی ادا کر مینوں کے گھمے میں پناہ دیتا ہے۔ جو کوئی
 اہل دل کی ہے۔ وہ جب تک دہلی میں رہیں، تاقت ہی کا لشکر دہکتے ہیں۔ وہیں سے باہر گئی
 تو قدر و عزت پاتے ہیں۔

۴۔ شرح : محض و سرور کی محفل درہم برہم ہو جائے تو ذائقہ کا باعث ہوتی
 ہے۔ شیشہ کوٹ کر بڑا بڑا ہو جائے تو ہر کوئی فشر کا علم دہکتے ہیں اور فشر کا بھنا
 : فشر اپنے لیے

۵۔ شرح : اسے ساقی کوثر : اسے پیاس برداشت کرنے کی طاقت نہیں،
 آفراب کا اتر کب تک دہکتے جھتے ہوئے ایوں پر زبان پھر پھر کر گزرتا ہے وہیں
 پر دم فرمائیے اور طفت و گرم سے اس کا جوڑ کی پیاس بجھائیے۔

۱۔ شرح :

ہر ایک فاقہ اگر ہو بلند آتشیں علم
 ہر ایک داغ جگر آفتاب محشر ہو
 تشنگی کا کیا دل نے حوصلہ پیدا
 اب اس سے رابطہ کروں جو بہت سنگرمو
 اگر محبوب کے قد کی یاد
 میں تم کی آواز کے شے
 بلند ہوں تو جگر کا رعب
 ایک دماغ میں جاسے
 کا حوصلہ ہو جائے۔

۱۔ شرح : دل نے علم و تجاربہ کا حوصلہ پیدا کر لیا۔ اب میں کسی محبوب سے

رابطہ ضعیف پیدا کر دیں گا، جو بعد درجہ نظام ہوتا کر وہ سنا سکتے اور دل لعلت اٹھائے۔

۱۔ شرح : بے درد و سر بہ سجود اُلفت نرود نہ ہو
 در وقت کے بغیر سر
 کو اُلفت کے بہتے
 بھول شمع غوطہ داغ ہیں کیا، گرد و خون نہ ہو
 لیے بھکا نہ چاہیے۔
 زلف خیال نازک و اظہار بے قسار
 گر تھے دھوپیں تو شمع
 یارب! میان شانہ کشش گفتگو نہ ہو
 کی مانند داغ میں غوطہ
 "تمثال ناز جلوہ خیرنگ اعتبار
 لگے۔
 مستحق عدم سے آئینہ عکس نہ ہو
 شمع جلتی ہے تو کھل کھل کر اس میں سے نظر سے نکلتے رہتے ہیں۔ یہی اس کا وظیفہ ہے۔
 یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ اُلفت درد کی متقاضی ہے۔

۲۔ شرح : خیال کی زلفت نازک ہے اور زلفت اظہار جناب جو۔ ہی ہے۔ اسے
 میرے خدا! بیان کہیں! احد حیات کی گھسی نہ پھٹانے لگے
 ہاں میں گھسی کی جائے تو کچھ نہ کچھ لکھت ضرور رہو گی ہے۔ جو بال نازک ہوں اور شانہ
 کشش کی نہ قسمت برداشت نہیں کر سکتے۔

۳۔ لغات : تمثال : مجاز۔ پیکر۔

شرح : ہم نے نازک جو پیکر قرار کر رکھا ہے، یہ مرثیہ اعتبار کی بڑی کڑی کڑی
 ہے۔ لیکن محض ایک اعتبار ہی ہے۔ اگر ہم اعتبار کا آئینہ سامنے رکھیں تو جس کی انصاف
 رکھتی ہے، وہ تو عدم ہے!

مطلب یہ کہ اس دنیا کی ہر شے محض اعتبار کا کثر ہے۔ اس کی حقیقت کچھ نہیں۔

شرح : بہر حال پروردگار یعقوب ال نازک سے
 معرفت یعقوب کی
 وام لیتے ہیں جو ہر روز چہرا امن کی جو
 روح کو آدم و حوا

پہنچانے کی غرض سے حضرت یوسفؑ کے میرا بھی کی خوشبو خاک کے بازوؤں سے پر ہوا
قرآن میں ہے۔

مطلب یہ کہ اگر نالغاب کی نظرت میں داخل ہے۔ حضرت یوسفؑ کے میرا بھی کی خوشبو
سے والد ماجد کے پیچھے پناہ میں بھی نکلیں گے۔ طوری یہ ہیں چاہے حضرت یوسفؑ کو نکلیں
پہلے تھا میرا بھی کی خوشبو نکلی جسے نہ ہی یاد۔ نے حضرت یوسفؑ کی خوشبو قرار دیا کیونکہ وہ
یوسفؑ کی زبان سے ادا ہوا ہے۔ باقی لاجورد یوسفؑ جو سب و تعلق بھیجے۔ وہ بھی
خوشبو آ رہی ہے۔ میرا لڑا ہے چنانچہ میرا بھی کی خوشبو خاک سے پر ہوا اور والد
یوسفؑ کی خوشبو بھیجے پر درسی کی دیکھے۔

کستا تھا کل وہ نامہ رساں سے بہ موزیدل
دور جدائی اسدا اشد خاں نہ پوچھ
شرح :
کل میرا محبوب ہے
نارنگہ سے کہ افاقہ
کرا سدا خاں کا جو حال بھائی سے گواہ ہے۔ دور پہنچے اور کہنے کے جانی نہیں۔

تعلق ہے تعلق غیرت سے بہن ناخوارہ
دور ہے چرخ و زہ میں یک ورق گردانہ
شرح :
تعلق سے غیرت کے
یہاں میرا جو حال
خوش کی اور داناں
اور زہن اشد خاں
دور کے سہاویہ
اور داناں کے سہاویہ
کے داناں کے سہاویہ

دیکھ آسمان دور سوازیں کوئی آگاہ نہیں باطن ہمدیگر سے
 دونوں اٹنے ہوئے
 درل چلے دینے گردش ہے ہر اک فرد، جہاں میں اورتی تاخواندہ
 میں اٹنے جا رہے ہیں
 اوسا نہیں کوئی چاہے کچھ
 یعنی ہیں مانند اڑاں سو اڑیں سوراندہ
 نہیں، لیکن دنیا بھر سے
 حاصل نہیں کرتی۔

۲۔ شرح : شراب غاسے میں شراب نوشوں کی افسردگی کا یہ عالم ہے کہ
 شراب کی موج بھی پیاسے کے غلطی طرح اپنی بکھٹھڑ کر رہ گئی ہے۔
 اس شعر کی ایک صورت یہ بھی ہے۔

دیکھ کر یاد ہنسون کی دل افسردگیوں موج سے شب خطبام ہے ہر جاننا
 ۳۔ شرح : دل میں کوئی پاسہ پیدا ہوتا ہے تو زمانہ کسے بے کچے کچے ہر جان کو
 کاوند لگتا ہے، گرا بولکے پہ لگتے ہیں، وہ ضمیر کے س سے بھگی ہوئی گڑھوتی ہے۔
 مطلب یہ کہ جب تک ضمیر میں کوئی بات پیدا نہ ہو، اسے یہی کرنے کا سوچ کر کرتا ہے
 ۴: اس باہر بات کہ ہمیں ضمیر سے بھگی ہوئی گڑھوتی دیا۔

۴۔ شرح : کوئی بھی ایک دوسرے کے دلی صبر سے واقف نہیں ہوگا، اس دنیا
 کا ہر لڑکا اپنے گایا اورتی ہے۔ ہر کسی مطلب سے نہیں آیا۔

۵۔ شرح : اسے غائب : دیا گاہوں کی افسردہ پرانی افسوس ہے، انہیں توڑیں
 پر یہ مثل صادق آتی ہے، ان شواخاں و اڑیں شواخاں و اڑیں شواخاں سے بچے، ہاں ہوا اور اس طوفان
 سے دھکا دے جو، نہ اڑے گا، نہ اڑے گا، نہ اڑے گا، نہ اڑے گا۔

داسطے فکر مضامین متین کے غائب !

۶۔ شرح : اسے غائب ! بھلتے
 چاہیے خاطر جمع و دل آرمیدہ
 مضامین سوچنے کے

ہے مزدوری ہے کو فخر جمع اور دل آسودہ ہو۔

تو تخلص جانہ شنگرفی از ذاتی اسد !

لغات :

جانہ شنگرفی :

شکر کے نام ہے۔

شاعری جز ساز و روشنی نہیں حاصل ہو چھ

ہ اس ہے کہا کہ جب شاعروں کے دلوں میں سے کچھ جاتے تھے تو تخلص کو نایاب اور حافی
رکھنے کے لیے رنگیں و روشنی سے کھینے لگے۔

شرح : اسے اسد تخلص کے لیے رنگیں جامہ کے مہارک ہو۔ اس سے ظاہر

ہے کہ شاعری درویشی کے سرو سامان کے سوا کچھ نہیں اس سے حاصل کچھ نہیں ہوتا۔

دارویش بھی مونا اپنے رنگ کا جامہ میں پہنتے ہیں اس لیے اس جامہ میں شاعر تخلص

کو رنگیں رکھنے کا سبب یہ ہوا کہ شاعر نے درویشی کا جامہ پہن لیا اس سے قلم کچھ نہیں لکھتا

شکوہ و شکر کو شمریم و امید کا سبھی

۱۔ شرح :

جانہ شکر و شکر شکر شکر

یہ کام میں ہے۔

بدی ہو مانی ہے کو شکر

کہتے ہیں بدی ہی نہیں

ہوئی تو کاشی خروار

کو دے ہیں محل آباد

غراب ہو چلا دربار

چہ رنگ باری صاحب

نماشا آگہی خراب دل نہ سمجھو ! بلا سمجھو

گاہ بہ خلد امیدوار اگر بہ جھیم جیم ناک

گر چہ خدا کی یاد ہے کلشت اسوا سمجھو

نہ سرو برگ آرزوئے رہ و رسم گفتگو

اسے دل و جان غلامی تو ہم کو بھی آشنا سمجھو

ہے کہ دل و جان سے ہے نہ کرنا چاہیہ و عماریم ہر وقت فکر کو بہ سچہ

۲۔ لغات : جھیم : دوزخ بہیم۔

ہم تاک : ڈیسا اور غوث قزو۔

شرح : ہم خدا کی عبادت کرتے ہیں، مگر اس لیے کہ ہمیں بہشت کی امید ہوئی ہے وہ دوزخ سے ڈرتے ہیں، سوچتا چلیے کہ کس اقتدار سے خدا کی عبادت میں اس قدر اے کے ہوا جو کہ ہے، اس کے لیے رحمت نہ کہفت میں جتنا ہیں۔

کئی مرتبہ بیان کیا گیا کہ یہ زاعقاب کا غلط سمجھا سب سے ایک ہے، وہ ہمیشہ کی امید اور دوزخ کے ظلمات سے خدا کی عبادت کو خدا نہیں، اسو کی عبادت کھتے ہیں، جس سے کہتے ہیں :

فان من تاسیہ ذلک لیس کمال دوزخ میں ڈالنے والی کمال دوزخ میں ڈالنے کی ہمت کہ

یہی معنی اس شعر کا ہے۔

شرح : خدا سے یہ آرزو کہ کوئی سائل تو نے کیا کہ ہے، وہ بات میں کی بات سمجھ کر ہے، اسے خلق کی بات تو، دل آفرین میں کوئی بیگانے سے، وہ ہے ہم سے جس آفتاب کا سا سلوک روا رکھ۔

شرح : گو قسم کو رضا جوئی اعلیٰ ہے، لیکن

اسے خوب اگرچہ تم

باقی سب سے ملاقات کب ایسے سیہوں سے

فیروز کی رضا جوئی میں

سرگرم رہتے ہو اور اعلیٰ کو خوشی کا نہیں خیال رہتا ہے، لیکن کیا ایسی باتوں سے ہم فحاشات چھوڑ دیں گے؟ یہ ممکن نہیں۔

شرح : مجھے معلوم ہے جو تو نے میرے حق میں سوچا ہے

اسے کتنا آسان لگتا ہے

کہیں ہو جائے جلد اسے گردن گردن دوں تو بھی

تو سب کچھ یہ ہے معنی

سوچ رکھا ہے، جگہ معلوم ہے، تو تو کہہ کر اپنا حق ہے، جلد گردن گردن دوں امید و ہم کی

گشتی سے نجات پاؤں ۔

کرتے ہو شکوہ کس کا ، تم اور بے وفائی
سر پٹیتے ہیں اپنا ہم اور نیک نامی
۱۔ شرح :
اسے محبوب اتم کس
کی شکایت کرتے ہو ؟
بھوتم سے بے وفائی مگر
ہم ! ہم بے وفائی سے
بے ہیں ۔

ہمارے غیب میں کب نیک نامی ہوئی ؟

۲۔ شرح :
ہم میں اور نہ ہیکہ میں اتم کو مانتی کی بھی ضرورت نہ رہی ، ہم نے
ناکار مانتی دریکے ملت و کرم سے لیکر ہم مست ایسے ہیں کہ وہ سے بھی پیاسی نہیں ہوتے ۔

گر مصیبت تھی تو غربت میں اٹھالیتے تھے
میری دہلی جی میں ہونی تھی یہ غمخواری اٹھانے
۱۔ شرح :
اسے آتم اگر مصیبت
ہم پر آئے وہی صحت کو
ہم پر آئے وہی صحت کو
ہم پر آئے وہی صحت کو
ہم پر آئے وہی صحت کو

کیا غم ہے اس کو جس کا علی سا امام ہو
اتنا بھی اسے فلک زدو کیوں لیے خواہی
۱۔ شرح :
جس غم کو حضرت علیؑ
امام غیب کو اسے
کیا غم ہو سکتا ہے ! اسے آسمان کے واسطے ہوئے ، غم نہ ہو سکتا کیوں نہ ہو
مطلب یہ کہ بیشک اس سے بڑا غم نہ ہو سکتا ، مگر تم تو حضرت علیؑ کی دنیاوی شکستوں

پھر یہ اسی سے کیوں کام ہیں ! یہیں کوئی غم نہیں ہو سکتا۔

شرح :- امام غلام علی ہمدانی باطنی، امیر صحت و صفا
 علامہ باطن کے نام
 علی ولی اللہ اللہ جان نشین نبیؐ ہے
 اور صورت و معنی
 کے امیر حضرت علیؑ ہیں، جو دل چاہے اللہ کے شریعہ، نبی کریم و علم کے ہاں نہیں

شرح :- بے چشم دل نہ کر ہوس سیر لالہ زار
 اگر تو ہمارے کی سر کو
 یعنی یہ ہر ورق، ورق انتخاب ہے
 لکھ تو دل کی لکھ لکھ
 بغیر اللہ حقیقت سے کہ یہاں کی ایک ایک پٹھری پٹھری کر رہی تھی ہے۔ ہر
 لفظ لکھ کر کوئی بچہ، کوئی بھول، کوئی پٹھری ایسی نہیں جس سے دل کی آنکھ میلے دوں ہر جس
 اور بصیرت حاصل نہ کرے۔

۱۔ شرح :- تا چند پست فطرتی طبع آرزو
 اسے خدا میں کب
 یا رب ! ملے بلند ہی دست تو ماسمجھے
 کب میرے آرزو کب ہے
 ایک بار امتحان ہوس بھی ضرور ہے
 تعریف کا شکہ نہیں ہوا
 اسے جوش عشق بارہ مرو آرزو ماسمجھے
 میں کب تک بھولتی تھی
 گزشتہ دنوں میں میری
 زلف کی گزند سے گی، تو اطمینان دے میرے دست دعا کو چندی دعا فرما۔ یعنی میں بھی
 دعا میں، انگوں، جو انسان بھی حضرت اللہ سے کہے ہے نہ باتوں۔

۲۔ شرح :- اسے جوش عشق، فاطمہ توس کی آرزو میں ہو جانی چاہیے۔ میرا

فرما کر مجھے ایسی شراب دے کہ میں سروروں کی آزمائش کی جاتی ہے اس طرح مجھے انوار
ہو جائے گا کہ میں غصے اور اوسوں کو نہ جانتے ہی سرور میں ہوں جو ہر قسم کی آزمائش
بھیل سکتا ہے۔

برایاں تک ہے اشکوں میں غبارِ کلفتِ خاطر
شرح :
اشکوں کے ساتھ
کہ چشمِ تر میں ہر اک پارِ دل پائے دو گل ہے
دل کی کوریت کا غبار
یہی اس قدر ہے کہ کچھ کی صورت پیدا ہو گئی اور اشکبار کھجور میں دل کا جز ٹپا رہا ہے
کا پاؤں کچھ میں دھس گیا۔

ہم مشقِ فکر و عمل و غم بھرے استرا
شرح :
اسے اشد غم و دل
لاذوق نہیں رہے ہیں غمِ دردِ گار کے
کے سوچے ہوئے ہیں
کے کم کا تو مشقِ بے ہوشی ہیں۔ ہم دنیا کا کم کھانے کے وقت نہیں دیکھتے۔

پیدا کریں دماغِ تماشا کے سرور و گل
شرح :
جو لوگ حسرت کا غبار
حسرت کشوں کو ساغر و مینا نہ چاہیے
ہیں انھیں شراب
دیوانگیاں ہیں حاملِ رازِ نہایتِ عشق
کی صراحت اور بیان
اسے بے تمیز گنج کو ویرانہ چاہیے
اور کور نہیں دیکھیں تو
ساتی : یہاں جو ہم گل ہے سرورِ بخشش
یہ جو صراحت پیدا کر چاہیے
چاہیے سے ہم گزر گئے یہاں نہ چاہیے
کی سرور اور پھول کا
نقد و کریم۔

سر د کو چنا اور سنا کر کو گل سے قشیر دی گئی ہے۔

۲۔ شرح : دلجو اسنے عشق کے چھپے ہوئے عہد دل میں بے بیٹھے ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو۔ خواہ دہنی کر سنے کے لیے دیر انداز ہی بہتر ہے۔

۳۔ شرح : اسے ساقی انفعیل بہار سرور پیدا کر رہی ہے۔ ہم نے ترک شرب کا جو عہد کیا تھا وہ پھوڑا دیا۔ ہیں اب خراب کھر بیلے کی مزارت ہے۔

شرح : وقت اس افتادہ کا خوش، جو قناعت استد
اسے استداد تلخ ہے
نقش پاسے مور کو تخت سلیمانی کرے
کہ اس شخص کا وقت
خوش فوٹن گزرتے۔ جو نکاح سے کر کے بیٹھا ہے۔ یہاں تک کہ جو خوش گویاں کا نقش بھی
دیکھتے تو اسے یہاں کا تخت سمجھتے۔

شرح : اسے سر شوریدہ ! ذوق عشق و پاس آبرو
اسے سرا جی ہیں
جو خوش سو و اکب حریف مرتب دستار ہے
جو شہا جیوں ہمارا ہوا
ہے۔ نچے صرف عشق کے ذوق اور آبرو کی پاسداری سے واسطہ ہے۔ بھلا جوئی جوں دستار
کا جس کیو مگر گرا کر سکتا ہے ؟

مطلب : کہ گروا لے کر سرتو بہتر ہی رہنا چاہیے۔ اسے دستار کی آبرو سے
کیا واسطہ ؟ دو تو صرف عشق کے ذوق اور دیوانگی کی آبرو کا نام رکھنے کے لیے دیا ہے۔

شرح : ترے نوکر ترے در پر اتد کو ذبح کرتے ہیں
اسے تم ڈھانے سے
ستگر تاخدا ترس آشنا کش، اجرا کیا ہے ؟
خدا سے بے لوث

دور درستیوں کو قاتلے گھات آکر سنے والے محبوب ان کو کچھ سے دور جاننے پر تیار نہ ہوا
کہ ہے میں ایسا یہ تو تیرا بھائی کیا اس نے کوئی ساگرا کیا ہے

۱۔ کیا سبر گزند میرا عقیدہ تار نفس
۲۔ شرح : میرے عاشق کے
۳۔ میں جو کہ بڑا کئی
۴۔ اسے کھو نہ گیا۔ ۱۔ مصافحہ تو یہی میرے لیے کئی برا عاشق ہی تھی۔

۵۔ خبر ہے کہ کئے ہوئے عاشق کوئی گروہ کئی نہیں سکتی، اس لیے کہا کہ مصافحہ ہی
تو عاشق پروردہ ہی تھی گویا بالکل بیکار رہا تھی۔

۱۔ شرح :
۲۔ اسے خشن اور غم جو
۳۔ میں صبر بھی دیکھا تھا
۴۔ عاشق کب بھلا
۵۔ خیال کا آئینہ رکھتا ہے
۶۔ میں غم تو سب کب
۷۔ کب نہ ہوتی جھٹکا
۸۔ میرا آنکھوں کے دھنسنے
۹۔ یہی آج وہ دور ہو گیا
۱۰۔ تھال جلوہ عریض کر اسے حسن اکب تک
۱۱۔ آئینہ خیال کو دیکھا کرے کوئی
۱۲۔ عریض سرشک پر ہے فنا سے زمانہ تنگ
۱۳۔ صبر اکہاں جو دولت دور یا کرے کوئی
۱۴۔ وہ شوق اپنے حسن پر مغرور ہے۔ اسکا
۱۵۔ دکھلا کے اس کو آئینہ نہ توڑا کرے کوئی

۱۶۔ شرح : ۱۔ آنکھوں میں آنسو نہیں سکے تو ان کا ہر جہت کو صوم ہو جاتا ہے وہ اپنے
کی لغت میں سناہ نہیں سکے تو اپنے کو کب کب کوئی صوابی دیکھیں جس سے کہہ سکتے ہیں
دور کہ بہادری دولت کیوں کر دی جاسکتی ہے

۱۷۔ صبر کہ جس طرح دور کے جھٹکے سے بہت وسیع میدان دور کا ہے ۱۸۔

شرح میرے انصوفی کے لیے بہت لمبی چڑی غصا ہوتی چاہیے۔

۳۰۔ **شرح :** اسے امتداد میں اسٹون محبوب میں بہت غمزدہ ہے۔ اپنی اس کے سوا پارہ کیا ہے کہ اسے آئینہ دکھا کر توڑتے رہیں۔

دیکھ کر آئینہ توڑنے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اس کا غم و غم ہو جائے، کیونکہ غم کو ہوا دینے کا ذریعہ آئینہ ہے، یعنی وہ آئینہ دیکھتا ہے تو دل میں غم پیدا ہوتا ہے۔ اسے توڑ دیا جائے تو غم کا سبب غم ہو جائے گا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ آئینہ دکھا کر توڑیں گے تو اس کے حس کی تاش کے بے یک آئینہ کی تاشوں میں غم سے پیدا ہو جائیں گے کیونکہ ہر غم ایک مستقل آئینہ ہو گا۔ اس کے غم کی تاشیں کے ساتھ خاصا سا دل غم جو ہوتا ہے گا۔

شرح : یارب! ہمیں تو خواب میں بھی ست رکھنا تو اسے پروردگار! ہمیں تو خیال کا درد اسٹوناب یہ محشر خیال کہ دنیا کہیں ہے میں بھی نہ دکھاتا، چاہے دنیا کتنے ہیں۔

اس شعر میں دنیا کو خیال کا ایک جگہ مقرر کیا گیا ہے، یعنی اس کی حقیقت کچھ نہیں ہے اس سے بڑی کوئی نام ہے کہ خواب میں بھی اس کی صورت دیکھنے منظور نہیں،

شرح : قلعہ اور پردہ، یعنی جو کہوں باطل سمجھو میرا محبوب فرنگی زاد ہے اور دور و حد نہ کرنا وہ فرنگی زادہ، کھاتا ہے قسم انجیل کی ہے اسے چاہے ظلم کرنے کے لیے انجیل کی قسم کھاتا ہے، غم سے اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ میں بڑا غم نہ کروں، اسے سہم سمجھنا کہہ۔

انجیل کی قسم کھاتے۔ دوسرے کو یہی سمجھنے کی دلیل دے گا کہ وہ انجیل کی قسم

نہ کہ کام ہے، لیکن قرآن مجید کے نزول سے شروع ہو چکی ہے اور شروع کام اس کی تفسیر و تفسیر
نہ ہونے چاہیے۔

کیا ہے ترک دنیا کا حاصل سے

بہیں حاصل نہیں ہے ماحولی سے

خراج دیہ، ویراں، یک کعب خاک

بیاباں! خوش ہوں تیری عالمی سے

استد! قربان لطف جو رہ بیدار

خیر لیتے ہیں، لیکن بیداری سے

دوسرے مقام پر لیں کیا

ضعف سے ہے، لئے خاص سے ترک جہت

یہی وہاں گھر کو جسٹ مردانہ

۲۔ شرح : لو کہ ان پھر جڑے ہو، اس سے ایک کی جلی کے نہ کیا دھو،

کتا ہے! ایسی جب کرانہ دارا یا ہی نہیں تو خراج کہاں سے آئے گا، اسے دیا، اسے

ہوں کہ میرے پہ درجی غلامی ہوئی جس میں کسی کو کچھ لینا دینا نہیں پڑے۔

شیخ مسند کی فرماتے ہیں :

کہ مسلمان نہ خواہد خراج از غراب

فقیری نے کہا ہے :

ہوتا ہے گنج بردی تسکین شمسادہ اند

وہ نہ خراج مدد و دریاں نہ خود شرف

۱۔ شرح :

ہم نے دنیا کو قناعت

یا غل جہتی کی بنا پر ہیں

بلکہ تسبیح و تہلیل کی بنا پر

پھوٹا ہے ایسا ترک

سہارے سہارے

اس سے جو کیا فائدہ

ہو سکتا ہے۔

یہی تفسیر

سہر شرح : اسے استدائیں میرزا بیدل کے غفلت گاہ پر قرآن مجید میں
 لکھ کر خود کو لٹا دیتے ہیں مگر زنا بیدل سے۔
 یہ بھی اسی زمانے کی غزل ہے : جب میرزا بیدل کا اثر بہت زیادہ تھا۔

شرح : خرابا بہ جنوں میں ہے استد : وقت قدرت نوشی
 اسے استد : دلہانگی کے
 یہ عشق ساقی کو شرا بہار بادہ پیانی
 یہاں سے ہی شرب بھر
 یہاں سے کہ دولت آگیا ساقی کو شرا کے عشق میں شرب نوشی کی بہار کا وقت ہے۔

شرح : رشک ہے آسائش ارباب غفلت پر استد
 اسے استد : غفلت
 تیج رتاب دل ، تعیب خاطر آگاہ ہے
 کے خواہشیں اہم ہوں
 آسائش سے رہتے ہیں اس پر رشک آتا ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ اس میں کیوں کوئی احساس
 دیکھتا نہیں ہوا۔ پتا ہے۔ وہی دل پیچ و تاب کا مرکز بن سکتا ہے۔ جو ان کی صورت و منہ
 جو جس نے غفلت سے کام لیا اس میں احساس کیوں کر پیدا ہو سکتا ہے !

شرح : ہم نشینی رقیباں گرچہ ہے سامان رشک
 اسے محبوب :
 لیکن اس سے ناگوارا تو ہے بدنامی تری
 رقیبوں کے پاس بدنامی
 ہے اس پر بیعتا مجھے رشک ہونا چاہیے ، یعنی یہ کہ میرزا بیدل اس کیون نہیں دیکھتا یا وہ ب
 کی اپنی نگاہ سے ہے ، لیکن میرزا بیدل اس سے بھی زیادہ ناگوارا ہے کہ وہ نہیں
 کہ اس سے بچنے سے ہیری بدنامی ہوتی ہے۔
 شکر سے صاف واضح ہوتا ہے کہ عاشق نے رقیبوں کی غفلت پر محبوب سے شکایت

کی ۔ اس سے جواب دہ کر کے حکومت پر ہے ، ملک کا نتیجہ ہے ، عاقلین کو یہ دیکھ کر ہلاک
رہے بھی ہے ، لیکن اس سے زیادہ بڑی چیز ہے کہ تو بدنام ہو رہے ۔

کیا کروں ، غم ہائے پنہاں سے گئے صبر و قرار

شرح :

کیا کروں رہے ہے

موسے نے فرعون پر قابو

دزد گر ہونا لگی تو پاسباں معذور ہے

کوسے گئے ، غم بہت کہ اگر چوری کرنے والا گھر کا آدمی ہو تو پوچھ کر کو معذور سمجھا جاتا ہے ،
کیونکہ وہ تو اس گھر سے اسے واپس لے سکتے ہیں ، داک ٹاک کرنے کا گھر کے سرکاری پیرا
نہ دے گا ، غم ہائے پنہاں ، اندر سے بڑھ رہے ۔

شرح :

نہ تھی کہ صبر ہے

بغیر ان کا آدمی تھی

اور کے ساتھ بیکار

اور تھی ایک آدمی کے

ساتھ بیکار اور معذور

نئے حسرت قسلی نے ذوق بے قرار می

ایک در دو صد روپے ایک سو صد روپے ہے

بہت قسانے میں اس پر بھی بندہ تھا ، لگا لگا ہے

حضرت چلے حرم کو ، اب آپ کا خدا ہے

جب دور کے ساتھ وہی صورت کے وقت وہاں موجود نہ تھی کی صورت ، لگا لگا ہے ،
پتیلی کی کوئی وجہ باقی نہیں ہے ۔

شرح : اس پر بھی نہیں کچھ بھی نہیں تھی ، ان کے ساتھ ہی جانا تھا ، اب آپ
حرم کو جا رہے ہیں ، آپ کو خدا ماننا ۔

شرح :

فوج دے دے

صلی صلی علیہ

آب ہو جاتے ہیں ننگ بہت باطل سے

اشک پیا کر اس پر اگر آہ ہے تاثیر ہے

سے پانی پانی جو ایسے ہیں۔ اسے اسد اگر تیری کہ میں تاثیر چہ بہ ہی تو اسو ہونا شریہ کر سکتے
 کہ کہے تاثیر جو کہ واقعی اس امر کا ثبوت ہے کہ اس میں کوئی لڑائی نہیں اور اس وجہ سے
 وہ ایک سنگ ہے۔ جو ضروری حالت رکھ کر پانی پانی جو جاتے ہیں کر کے وجہ ہے ان اسو
 یہاں اس میں کوئی تا

شرح : استاد نے کثرت و لہا سے خلق سے جانا
 استاد نے پہلے ظاہر کیا
 کہ زلف یار ہے مجموعہ پریشانی
 کہ وہ محبوب کی حالت
 میں پھنسے ہوئے دیکھ کر جان بیا کر یہ حالت پریشانی کا مجموعہ ہے۔

زلف محبوب میں عاشقوں کے دل پھنسے ہیں اور عاشقوں کے دل میں شریہ پریشانی ہوتے
 ہیں، اسب بہت سے دل زلف میں پھنس گئے تو وہ پریشانی کا مجموعہ ہی گئی اور جاتے
 تو میں پریشانی کا مجموعہ ہے۔

۱۔ شرح : رخسار یار کی جو ہوئی جلوہ گسری
 زلف کو شب مہتاب سے
 زلف سیاہ بھی شب مہتاب ہو گئی
 یہ کہ کہ تھی تو وہ ایک
 مورچہ تبسم لب آلودہ ہسی
 جیسے بات ہار یک بیٹی
 میرے جیسے تو تیغ سیر تاب ہو گئی
 گر تک خند چاندنی کی
 بیدار انتظار کی طاقت نہ
 ہمارا پیدا کر دی۔
 اسے جان بر لب آمدہ اسے تاب ہو گئی
 جب محبوب
 غالب زبکہ سوکھ گئے چشم میں سر شک
 کے رخسار چھو، افروز
 آنسو کی لونڈ گوسہر ٹایا اب ہو گئی
 ہوئے تو زلف سیاہ
 کی نہ کیفیت ہوئی کہ
 اور چاندنی زلف کی گاہ

یہاں موجود لکاکہ میں چار کونہ نہ تو جوں کے۔

مطلب یہ کہ میری حالت ایسی ہے، نگاہ اشقی ہے تو کچھ پائیں باقی دار انگوٹھا کی دھڑکی
ہی ہوتی ہے۔

۲۔ شرح : جو محبوب ہوتے ہاتھ پھرتے کو دھوکا دیتا ہے، ہواؤں کے زور کی بنا پر
کوئی کرنا نہیں فرماتا ہو۔

ہب اس کے نزدیک دھوکہ ہے کہ ہوسے ہاتھ پھرتے تو دھوکا دیتا ہے، نا کو قتل کرے
گا، کو کھانے کے سوا اور کون اپنے آپ کو قتل کے پیر میں نہیں کر سکتا۔

شرح : بادشاہی کا جہاں یہ ملل ہو غائب : تو پھر

اسے غائب اچھاں

کیوں نہ دیتی میں ہر اک ناچیز تو اپنی کیسے

بادشاہی کا دھوکہ دیتی ہو۔

جو میں غلام : اسے اپنی کوئی نظام نہ کوئی ترتیب نہ ہو تو وہی کا سر حق و حقیر فرد کیوں تو آتی
نہ کرے ؟

۱۔ شرح : صبح سے معلوم آتا ہے ظہور شام ہے

صبح کے طوفاں ہوتے

غافلان آغاز کار، آئینہ انجم ہے

یہ صبح ہو جانا ہے کہ

کیا کمال عشق نقص آ جاو گیتی میں ملے

شام ہونے کے نشان

پختگیہا سے تصور یاں خیال خام ہے

کے، تو ہر اک کا آغاز

اس کے انجام کا آئینہ ہے۔

۲۔ شرح : دنیا انہی طوفاں سے بھری ہوئی ہے کہ سے نقصان آ جاو انہوں

اور طوفاں سے بھری ہوئی، قرار دینا مناسب ہے۔ یہاں عشق کا کمال کہہ کر ان کے ساتھ

جہاں سب کے ہاتھوں ہو وہاں کامل کی تائید ملے گی، لہذا قصور کی جتنی سرسراہٹ ملے گی۔

توڑ بیٹھے جب کہ جسم جام و سب جو پھر ہم کو کیا
آسمان سے باد و گلشام گو در سا کرے

شرح :
ہم کو کشتہ دار
ریاست کو کشتہ دار

اگر آسمان سے پھول کے ٹکڑے شرب برسات کرے تو ہمیں کیا فائدہ ہے
پس شے جو تہہ جو چھوڑے ریاست ہوتے تو توڑی توڑی کر کے پھینک دیتے۔ اب تو کچھ نہیں
مقصود یہ ہے کہ اگر آسمان کے پاس کائنات کی برکات سے فائدہ نہ سنے گا اس پر
مصلحتیت نہ ہو تو وہ برکات کتنی ہی زیادہ ہو جائیں گی اس سے کوئی فائدہ نہیں تھا جاسکا

۱۔ شرح :
فغان کہ بہر شنائے حصول ناشد فی
دماغ نازکش، منتبہ طیبیاں سبے
آسمان جہاں کہ علی بر سر نوازش ہو
کشاد عقود د شوار، کار آسمان سبے

فریاد کہ ہم اس فغان
کے لیے جو حاصل نہیں
ہو سکتی اور حاصل ہونے
کے فغان بھی نہیں ہو سکتا
کار آسمان کے لیے جو

۲۔ شرح : اس آسمان جہاں حصول علی نہیں ملے گا
مطلوبہ کرے گا اور عقود کا حق ہو رہے ہیں۔

شرح :
اسے اسد آباد ہے فقیر سے جہاں شاعری
خام و سیر تحفہ سلطان سخن کا پایہ ہے

اسے اسد آباد ہے
ہی دم سے شاعری

کی دنیا آباد ہے۔ اگر شاعری کو بادشاہ فرما کر دیا جائے تو میرا شعر اس کے تحت
کا ایک پایہ ہے۔

۱- لغات : کچھ نہیں حاصل تعلق میں بغیر از کشت کش
جریدہ : سب سے
نگ خاک : جہاں
اے شاعر بندے کہ مرغ گلشن تجھ پر ہے
شرح : کثرت افروز سے حیران و منتظر ہے استاد
اس دنیا کی کونج سے
بدھ بدھ قائم کر لینے کو
یا لعلی ! وقت عنایت و دم تاتیب ہے
نتیجہ کچھ صحت کے سوا کچھ نہیں۔ ہم تو اس دہ کو خوش نصیب سمجھتے ہیں، وہ غریب کے : یا کامرے
یعنی جو انہی تعلقات سے نگ خاک رہتا ہے۔

۲- بشرح : اتنے ظنوں کی کڑا کے باعث حیران و منتظر ہو گیا ہے۔ اسے عزت
ملی : یہ وقت ہے کہ اس پر عنایت ہو، اس کی مدد فرمائی جائے۔

شرح : استاد یا وصف عشق بے تکلف خاک گردیدان
اگرچہ استاد ہے لکھتے
خاک جو جانے کی مشین
یہ نگار، لکھی کیا لکھ ہے کہ اس کے باوجود وہ دھن کے دل کا بندہ رہتا ہے۔

۱- شرح : تا چند ناز مسجد و بیت خانہ کیسے پیچھے !
کب تک مسجد و خانہ
کے ناز اٹھائے ہیں !
جوں شمع، دل یہ غلوت جاتا نہ کیسے پیچھے
کیوں نہ دل کو شمع کی طرح
دالہ دل پر وہم تماشا نہ کیسے پیچھے
محب کے عوالم سے
اسے تو ملی ! خیالت ہے یا نہ کیسے پیچھے

گھر و تیار سے تو نہ آیا وہ راہ پر

میں سے ہوا

دہن کو اس کے آج حریفانہ کھینچے

میں نے

تھوڑے کے ہاتھ

حیرت حجاب جلوہ و وحشت غبار راہ

کا مطلب ہے کہ

کوڑیوں کی کلک

پائے لشکر دہن صحرا نہ کھینچے

میں ایک رہی۔ اہم

نے غم کو سے میں ہوا

گل سر ہر اشارہ حبیب دیدہ ہے

میں نے تو یک آن

یک سر غیب پر

نار بہار جز بہ تعاضا نہ کھینچے

ہم سارا کو کلک ختم

ہو گیا۔ آخر میں

خود نامہ بن کے جانیے اس آشنا کے پاس

اور بھانے کا قصہ

کیا قاتلہ کہ مثبت بیگانہ کھینچے

میں نے کہ وہ

میں نے کہ وہ

جسے بے غماز فتنہ غویں جگر استدا

کو کھینچے

۲۔ شرح :

دستِ بوس بر گردن دینا نہ کھینچے

۳۔

نظارہ ایک اہم ہے اس کے ہے کہ اس کو اس کھینچے اور غماز فتنہ غویں جگر استدا

اٹھانے سے کہ اس میں ہوا

۴۔ شرح : خوب کہ خرم سے ہی ہوا اور ہوا غماز فتنہ غویں جگر استدا

وہ کسی طرح ہوا اور اہم سے کھینچے اور غماز فتنہ غویں جگر استدا

۵۔ شرح : میر سے ہوا خوب کہ خرم سے ہی ہوا اور ہوا غماز فتنہ غویں جگر استدا

۶۔ شرح : میر سے ہوا خوب کہ خرم سے ہی ہوا اور ہوا غماز فتنہ غویں جگر استدا

۷۔ شرح : میر سے ہوا خوب کہ خرم سے ہی ہوا اور ہوا غماز فتنہ غویں جگر استدا

۸۔ شرح : میر سے ہوا خوب کہ خرم سے ہی ہوا اور ہوا غماز فتنہ غویں جگر استدا

مطلب یہ کہ صورتِ نورانی اور دولتِ گرامی سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اس طرح محبوب کا مجبورِ غلیب ہونے کے ہمارے اس سے غروانی کی صورت سے پیدا ہوتی ہے۔

۵۔ **شرح :** پھول سڑا پھلے ہوئے گریبان کا اظہار کرنا ہے۔ یعنی جیسے دولت سے ہمارے اکثر زبان چمک چکے بغیر ہمارے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ جیسے بھی چاہیے کہ ہمارا کارنامہ اطمینان تو آٹھ سے کی بنا پر اطمینان ہے۔

۶۔ **شرح :** دوست کے پاس خود محبوب پر کرنا چاہیے۔ اس مسئلہ میں چلنے اور آٹھ کا اظہار اطمینان سے کیا جا سکتا ہے۔

مطلب یہ کہ محبوب کے پاس پہنچنے کے لئے وسیع یا محدود ہونے کی ضرورت نہیں جب تک خود کو ششوں کو سکھائی نہ جائے۔ دیرِ غلیب ہوگا۔

۷۔ **شرح :** اسے اکثر اچھی شخصیت سے خوب جھگڑنا، مہرے کرنا ہے جس شراب کی گونج میں کھڑے ہو کر شربتِ نورانی سے اور اس میں آنا۔ کہ کیفیتِ پیوستہ ہوتی۔ پھر یہاں کی گونج کی دولت دوست کو ہی کہیں کرنا چاہیے۔ یعنی وہ شراب کیوں نہیں جس کا نشہ ستونہ می ورنہ اور ہمارے گمراہ و بارہ چینی کی ضرورت پیش آئے گی۔

ٹوٹی جگر کی شراب پینے کا مطلب یہ ہے کہ دل میں جتنی عشق کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ جو ہمیشہ مست رہے گا اور خود کی قویت کہیں نہ آئے گی۔

شرح : نہ حیرت چشمِ ساقی کی نہ صحبت و دورِ ساغر کی

مری موشل میں غالب اگر گردشِ اندک باقی ہے

کی حیرت ہے اور نہ پیمانہ کا دورِ چل رہا ہے۔ یہاں مرثیہ ایک گردشِ بانی رہا ہے ہے اور نہ اسانی کی گردش ہے۔ بانی گردش۔ ہمارے میری عشق کو اس طرح حیرت کر دیا ہے کہ اس میں شراب پینے کا موجود ہے۔ نہ شراب باطنی

ہاٹی ہے۔

شگ آمد و سخت آمد و در مسر خود داری
معدود سیکاری، چھوڑ گراں جانی

الفاظ :
شگ آمد و سخت آمد :
معدود سیکاری : چھوڑ گراں جانی

یہی گزشتہ ساری اور اب بھی کہنا ہے کہ ، خطے ، یہ خطے میں دھت کی جاتی ہے ، جب
کوئی کام چاروں طرف ، گزشتہ سیکاری ، یہ خطے کوئی بہت بڑی قوموں کی آواز ہے ، اور گزشتہ
شگ آمد و سخت آمد : چھوڑ گراں جانی

شرح : ۱۔ چھوڑ گراں جانی : اور اسے پورا کرنے کی کوشش
ہے ، یہ چاروں طرف ، چھوڑ گراں جانی ، یہ خطے کوئی بہت بڑی قوموں کی آواز ہے ، اور گزشتہ
شگ آمد و سخت آمد : چھوڑ گراں جانی ، یہ خطے کوئی بہت بڑی قوموں کی آواز ہے ، اور گزشتہ
شگ آمد و سخت آمد : چھوڑ گراں جانی ، یہ خطے کوئی بہت بڑی قوموں کی آواز ہے ، اور گزشتہ

الفاظ : ۱۔ چھوڑ گراں جانی : اور اسے پورا کرنے کی کوشش
ہے ، یہ چاروں طرف ، چھوڑ گراں جانی ، یہ خطے کوئی بہت بڑی قوموں کی آواز ہے ، اور گزشتہ
شگ آمد و سخت آمد : چھوڑ گراں جانی ، یہ خطے کوئی بہت بڑی قوموں کی آواز ہے ، اور گزشتہ
شگ آمد و سخت آمد : چھوڑ گراں جانی ، یہ خطے کوئی بہت بڑی قوموں کی آواز ہے ، اور گزشتہ

شرح :

توڑی جانی سے کچھ نظر آتا نہیں آتا
صحر اجماری آگاہ ہیں اک مشت خاک ہے

توڑی جانی :
صحر اجماری : آگاہ ہیں اک مشت خاک ہے

کہ ہمیں کچھ نظر نہیں آتا، یہاں تک کہ وہ بھی ہمارے نگاہ میں نہ آئے۔
 نشانی ہے۔







خطوط غالب

مولانا غلام رسول قمر نے

خطوط غالب کو قصے، شعر، محاورے، اہمیت، ترتیب
دیا ہے۔ انھوں نے دلی نکات کو ہمارے ہی نہیں بلکہ
تحقیق فرمایا ہے۔ اس مجموعہ میں تمام خطوط تاریخ دار اور
مکتوبہ ایس کے نام کے ساتھ دیئے گئے ہیں تاکہ روزمرہ سادگی
ساتھ ہی کے تعلقات کی حیثیت میں دلچسپی ہو جائے۔

شیخ غلام علی احمد سمنگانی

لکھنؤ، پبلشرز

199ء، رگھو-1، پاک پرائی

54000